U28083 3-12-09

...e - BAHAR-E-GULSHAN-E-KASHMIR (Part-1).

...tion - Pandit Brij Kishen Kaul; Pandit Jagmohan Nath Raina

...lisher - Indian Press (Allahabad).

...ate - 1931-1932

Pages - 54+8+976.

Subjects - Tazkira Shora - Kashmir; Kashmir - Tazkira Shora

تذکرۂ شعرائے کشمیری پنڈتان

المعروف بہ

بہارِ گلشنِ کشمیر

جلد اوّل

مرتّبہ و مؤلّفہ

جناب پنڈت برجکشن کول صاحب بیخبر

و

جناب پنڈت جگموہن ناتھ رینہ صاحب شوق

ریٹائرڈ ڈپٹی کلکٹر یو-پی

سنہ ۱۹۳۱ء

مطبوعہ انڈین پریس لمیٹڈ الہ آباد

ہدیہ

بہ کمال خلوص و ادب

اس ناچیز تالیف کو معدنِ علم و ہنر

محسن فہم - نکتہ سنج - عالی ہمم - وسیع الاخلاق

سرمایۂ اعظم ہند - فخرِ قوم جناب ڈاکٹر سر تیج بہادر سپرو

ایم - اے - ایل ایل - ڈی - کے - سی - ایس - آئی

کے نام نامی سے معنون و منسوب

کرنے کا شرف حاصل

کرتا ہوں

جگموہن ناتھ رینہ شوق



ڈاکٹر سر تیج بہادر سپرو۔ ایم۔ اے۔ ایل ایل۔ ڈی۔ کے سی ایس۔ آئی

اوم

عرض حال

بیا کہ زلف کج و چشم سرمہ سا اینجاست — نگاہ گرم و اداہائے آشنا اینجاست
زپائے تا بسرش ہر کجا کہ می نگرم — کرشمہ دامن دل میکشد کہ جا اینجاست

ناظرین والا تمکین - گو اس مجموعہ کلام شعرائے کشمیری پنڈتان کو ایک تذکرہ کا جامہ پہنا دیا گیا ہے مگر خود مجھکو شک ہے کہ وہ جامہ اُسکے سڈول جسم پر چُست بیٹھا ہے یا کچھ جھول اُسکی خوبی کو بدنما کر رہا ہے - شروع میں میرے عزیز پنڈت برجکشن کول صاحب بیتجر نبیرۂ پنڈت سریکشن کول صاحب عرف بھیّا جی لکھنوی نے ڈھائی برس تک بڑی کوششوں سے شعرائے قوم کا کلام فراہم کیا مگر ۱۹۲۳ء میں بمقام جے پور جب اُن سے ملنے کا اتفاق ہوا تو اس تذکرہ کی ترتیب و تالیف کا بار گراں مجھ ایسے ہیچمیرز پر ڈالکر وہ تو سبکدوش ہو گئے - بپاس خاطر حضرت بیتجر میں نے اس تالیف کی انجام دہی سے انکار نہیں کیا مگر جب ان مسودات پر نظر ڈالی تو معاً یہ خیال پیدا ہوا کہ کہیں اس بھاری پتھر کو چوم کر نہ چھوڑ دینا پڑے - چند ماہ اسی شش و پنج میں گذر گئے اور معمولی طور پر چند اکابران قوم سے خط و کتابت ہوتی رہی - مگر اس خط و کتابت نے کسی قدر میری ہمت افزائی کی اور دل بول اُٹھا "مشکلے نیست کہ آساں نشود" مگر ہاں دامن استقلال و سعی بلیغ ہاتھ سے نہ چھوٹنے پائے -

جناب معظم پنڈت امرناتھ مدن صاحب ساحر دہلوی اور جناب مکرم پنڈت ستدرنراین مشران صاحب فرخ آبادی نے اُن واقعات کو جو تذکرہ ہذا کی تالیف کا

باعث ہوئے اپنی اپنی تقریظ میں نہایت خوش اسلوبی کے ساتھ ظاہر کیا ہے۔ ان تقریظوں کے ہوتے ہوئے ضرورت نہ تھی کہ انہیں واقعات کا اعادہ کیا جاتا لیکن [illegible] ذکر کرنا لازم آیا میں اپنی بے بضاعتی کے ساتھ اس امر کا معترف ہوں کہ تذکرہ ہذا ایک مکمل تالیف کہلائے جانے کا مستحق نہیں ہے۔ کچھ میری کوشش اولین۔ کچھ میری نارسائی طبع اور کچھ وہ دقتیں جن سے کہ ایک مولف کو قدم قدم پر مقابلہ کرنا پڑتا ہے۔ بہت سی کمی کے پورا کرنے میں قاصر رہی ہیں۔ تاہم میرا یہ عرض کرنا بیجا نہ ہوگا کہ جس حالت میں ناچیز مولف نے تن تنہا اس اہم تالیف کو انجام تک پہونچایا ہے اس کو ناظرین کرام نظر انداز نہ فرمائیں۔ اس عرض حال کو طوالت دیکر ناظرین کی سامع خراشی کرنا میں نہیں چاہتا تھا مگر ہاں چند باتیں ایسی ہیں جو کسی قدر تشریح طلب ہیں اور اسلئے انکے متعلق مختصراً کچھ عرض کرنا لازمی سمجھ کر سامع خراش ہونا پڑا چنانچہ امور انکشاف طلب حسب ذیل ہیں:۔

۱۔ کلام شعرا کے اندراج میں اختصار سے کیوں نہیں کام لیا گیا۔

۲۔ اکثر شعرا کے سوانح عمری کیوں نہیں درج کیے گئے۔

۳۔ اکثر شعرا کے کلام پر مولف نے اپنا اظہار رائے کیوں نہیں کیا۔

امر اوّل کے نسبت گذارش ہے کہ تذکرہ ہذا کی ترتیب اس طرز پر نہیں کی گئی ہے جسکو کہ دیگر تذکروں کے قابل مولفوں نے پیش نظر رکھا ہے بجز تذکرہ "خمخانۂ جاوید" کے جس تذکرہ اردو یا فارسی کو آپ اٹھاکر دیکھینگے اس میں عموماً ہر شاعر شہور کے چند اشعار یا دو ایک غزلوں کے اندراج پر اکتفا کیا گیا ہے ایسے اختصارات شاعر کی موزونیت طبع۔ فکر رسا۔ طرز بیان اور دیگر اصناف سخن کا اندازہ کرنا ایک مشکل امر ہوتا ہے اور بجز اسکے کہ زمرۂ شعرا میں اس کا نام بھی شامل ہو گیا اور کوئی مطلب حاصل نہیں ہوتا۔ میرا یہ کہنا داخل تعلی یا قوم پرستی نہ تصور کیا جائے کہ ایک کافی تعداد شعرائے کشمیری پنڈتان کی ایسی پائی گئی ہے کہ جن کا کلام بلا تخت نظام اگر شعرائے فارسی

کے کلام کے پہلو بہ پہلو رکھا جائے تو فرق امتیاز بہت کم نظر آئیگا۔ آج سے اسی برس پہلے جتنے شعرا ناصر کشمیر، دہلی، لکھنؤ، لاہور، آگرہ اور دیگر مقامات میں گذرے ہیں انمیں سے بمشکل دس فی صدی ایسے نکلیں گے جن کا غیر مطبوعہ کلام دستبرد زمانہ سے محفوظ رہا ہے ورنہ نامی بزرگان قوم کا مجموعہ کلام یا تو دیمک کے نذر ہوا یا ۱۸۵۷ء کی بھگدڑ میں غارتگروں نے اس کو ردی سمجھکر تلف کیا یا آگ نے جلا کر اس کو خاکستر کر ڈالا۔ اقبال نے خوب فرمایا ہے ؎

کس ندانست کہ من نیز بہاے دارم   آں متاعم کہ شود دست زد بے بصراں

مشاہیر کے کارنامے خیالی تصاویر ہوتے جاتے تھے۔ ان کی ہستیِ جاوید رفتہ رفتہ مٹتی جاتی تھی اور خوف تھا کہ انقلاب زمانہ بقیہ گنجینۂ جواہر بیش بہا کو تھوڑی ہی مدت میں کہیں خاک میں نہ ملا دے۔ اس موقع پر شبلی نعمانی کا اک شعر یاد آیا:-

گرچہ زاں میکدہ اکنوں اثرے نیست بجاے

جرعۂ چند ازاں شیشۂ و مینا باقیست

پس جس قدر غیر مطبوعہ کلام دستیاب ہوتا گیا اسکو دیکھکر مولف کے دل کو گوارا نہ ہوا کہ ایسا پاکیزہ۔ بلیغ۔ سلیس اور نفیس کلام گوشۂ گمنامی میں پڑا رہے اور نقادان سخن کے تفریح طبع کے لئے پیش نہ کیا جائے۔ کلام دستیاب شدہ کا انتخاب ایک مشکل کام تھا اور ایک تذکرہ نویس کا میرے خیال میں اس سے زیادہ اور کوئی اہم فرض نہیں ہو سکتا ہے۔ چند احباب ذی ہنر جن کو تذکرہ ہذا کے ساتھ خاص دلچسپی ہے مولف کی راے سے متفق ہوے کہ جس قدر کلام جو ایک کوشش بلیغ اور جانفشانی سے فراہم ہوا ہے وہ ایک مجموعہ کی شکل میں لایا جاے تاکہ وہ ہمیشہ کے لئے لباس تحفظ سے ملبوس ہو کر یاد رفتگان کو قائم رکھے۔ اقبال فرماتے ہیں:-

بے نیازانہ ز شوریدہ نوایم مگذر   مرغ لاہوتم و از دوست پیامے دارم

[redacted]

یہ میں نہیں کہتا کہ کلام فراہم شدہ کو نظر انتخاب سے بالکل بچا لیا گیا ہے مگر ہاں انتخاب میں سختی سے کام نہیں لیا گیا اور اس کا لحاظ رکھا گیا ہے کہ ایسے اشعار جو معیار تہذیب سے گرے ہوئے تھے اور جن میں عامیانہ مذاق کا رنگ جھلک رہا تھا وہ نظر انداز کیے گئے ہیں۔ انتخاب کلام میں مولف نے اس بات کو بھی مدنظر رکھا ہے کہ شاعر کی فن ادب کی مہارت اُس کی طرز ادا اور اقسام شعر پر ایک قدرت اور دستگاہ کے اندازہ کرنے کے لئے ایک معتد بہ حصہ کلام قاری کے پیش نظر رہے۔

امر دوم کے نسبت مجھکو بصد افسوس عرض کرنا پڑتا ہے کہ باوجود سعی بسیار میں اکثر شعرائے ماضی کے سوانح زندگی دریافت کرنے میں کسی قدر ناکامیاب رہا ہوں اُس کی ایک خاص وجہ یہ ہوئی کہ شعرائے ماضی کے پس ماندگان تک کو موت نے خاک میں ملا دیا اور جو بزرگ ان کے ہمعصر تھے ان کا بھی اس دار فانی میں کہیں پتہ نہ رہا۔ بعض شعرا کے ورثا موجود ہیں مگر وہ اپنی اپنی فکر معیشت میں گرفتار اور اپنے بزرگوں کے حالات سے بالکل ناواقف نکلے۔ ایسے شعرا کے نسبت اقبال کا ایک شعر لکھنا کافی ہوگا:۔

از روزگار خویش ندانم جز ایں قدر
خوابم ز یاد رفتہ و تعبیرم آرزوست

امر سوم۔ اس تذکرہ میں خوشنوایان بزم سخن کا ہر قسم کا کلام موجود ہے۔ کوئی رنگ تغزل میں ڈوبا ہوا ہے اور کوئی بادۂ تصوف کا سرشار شور ہُو حق میں مصروف ہے۔ کہیں دلدادۂ تصوف کے جذبات عالیہ کی ہلکی سی جھلک نظر آتی ہے تو کہیں فلسفہ کی تخئیل ایک نادر سماں پیدا کرتی ہے اور کہیں طرز قدیم و طرز جدید دونوں کی نازک ادائیں دلوں کو لبھا رہی ہیں۔ اپنے اپنے رنگ میں ہر شاعر کی بلند پروازی۔ بندش کی چُستی۔ سادگی۔ لطافت و فصاحت اور مذاق سلیم کے صدہا نمونے موجود

ملینگے۔ ناچیز مولّف نے اپنی رائے کا اظہار خاص خاص موقعوں پر کیا ہے اور بمقابلہ اپنی ذاتی رائے کے اس کو بہتر سمجھا کہ ناظرین ہر شاعر کی طرز ادا سے متاثر ہو کر اور اُسکی مہارت و دستگاہ کا صحیح اندازہ کرکے خود ہی لطف اُٹھائیں اور داد سخن دیں۔

جلد اوّل میں تعداد شعراء الف سے (ظ) کی ردیف تک ۱۸۵ شمار میں آتی ہے۔ منجملہ ان کے ستّر شعرا وہ ہیں جنھوں نے اقلیم فارسی میں کوس لمن الملک بجایا ہے اور بقیہ ۱۱۵ نے زبان اردو میں جولانی طبع دکھائی ہے۔ واضح رہے کہ ۱۸۵۰ء سے قبل ہر شاعر زبان فارسی کا چاشنی چیش تھا۔ مگر اُسکے بعد مذاق سخن نے پلٹا کھایا اور عروس اردو نے شعرا کو اپنے جلوۂ دلکش کا والہ و فریفتہ بنایا۔

ناظرین کی آسانی تفریح کے لئے اس موقع پر چند خاص شعرا کے نام نامی ظاہر کرنے بیجا نہ ہونگے جنھوں نے زبان فارسی میں اپنی قابلیت۔ دستگاہ کامل اور زباندانی کو پایۂ ثبوت تک پہونچایا ہے اور اپنا زور قلم کیا غزل گوئی اور کیا قصائد سب میں یکساں دکھایا ہے۔

اکبری۔ اصغری۔ برہمن (چندر بھان)۔ برہمن (داتا رام)۔ بہار (للتہ کول)۔ بیخود (سومناتھ مبعی)۔ ترکی۔ خازن۔ خوشدل۔ درویش۔ دیری۔ رضا۔ زیرک (گوبند رام کار)۔ زیرک (گوبندہ کول)۔ ساحر دہلوی۔ سرور۔ ریشۂ پیر۔ صبر۔ ضمیر دہلوی۔ دنیائے ادب میں وہ نام پیدا کر چکے ہیں کہ اُن پر جس قدر ہم ناز و فخر کریں زیبا ہے۔

اسی طرح زبان اُردو کے جن شعرا نے اپنی خوش بیانی۔ شیریں زبانی۔ سلاست و فصاحت اور رنگینیِ طبع کا خراج تحسین سخنوران شیوا بیان سے حاصل کیا ہے۔ انکے اسمائے گرامی حسب ذیل ہیں:-

ابر۔ سرشار۔ چکبست۔ ساحر۔ ساقی۔ سعد۔ بیدل (کیلاس نراین کول)

شاکر (شیونا تھ کول)۔ طالب (نند لال کول)۔ آنند نراین ملہ۔ رعنا (دوارکا ناتھ ریشی)
کلام شعرا کی فراہمی آسان نہ تھی۔ اسکے متعلق جو جو دقتیں پیش آئی ہیں اُنکا اعادہ ناظرین کی سامع خراشی کا باعث ہوگا لہذا اس کام کی عظمت اور اہمیت کا اندازہ آپ ہی کی رائے صائب پر چھوڑا جاتا ہے۔ البتہ اس امر کا اظہار کہ فراہمی کلام کی غرض سے کن کن تذکروں اور مختلف رسالہ جات کو مولّف نے دیکھا اور ان میں سے انتخاب کلام کیا۔ اس موقع پر شاید بیجا نہ ہوگا۔ چنانچہ انکی تفصیل حسب ذیل ہے:۔

تذکرہ جات آبحیات۔ خمخانۂ جاوید۔ شعرائے ہنود۔ جلوۂ خضر۔ نکات الشعرا۔ ارمغان گوکل پرشاد۔ یادگار ضیغم۔ سخن شعرا از نساخ۔ نغمۂ عندلیب۔ شمع انجمن۔ روز روشن۔ گلستان سخن۔ سراپا سخن۔ گلشن ہمیشہ بہار۔ گلشن بیخار۔ گلشن ہند۔ چمنستان کشمیر۔ اور رسالہ جات مراسلہ کشمیر۔ کشمیر درپن۔ بہار کشمیر۔ زمانہ۔ اردوئے معلّیٰ (حسرتؔ موہانی) اور جلد ہائے سابق اودھ پنچ۔ اور تذکرہ گلستان مسرت۔

اسی سلسلہ میں مولف اپنا فرض خاص سمجھتا ہے کہ اُن اصحاب کرام اور احباب کا تہِ دل سے شکریہ ادا کرے جنھوں نے تذکرہ ہذا کی تالیف کے متعلّق ایک خاص دلچسپی لی ہے اور مختلف شعرا کے فراہمی کلام میں کامل طور پر امداد دی ہے۔ مولف ان حضرات کے بار احسان سے اس قدر گرانبار ہے کہ تا زیست اس سے سبکدوش نہیں ہو سکتا اور صرف ایک شعر پر اکتفا کرتا ہے۔

اگر ہر موے من گردد زبانے
ز تو را نم بہر یک داستانے

اصحاب موصوف کے نام نامی حسب ذیل ہیں

اسمائے گرامی	کتب دستیاب شدہ
زوجہ محترمہ پنڈت اقبال نراین بہادر صاحب	دیوان سعد قلمی مصنفہ پنڈت اقبال نراین بہادر صاحب
پنڈت منوہر لال زتشی صاحب	دیوان ہجر
" شیو شنکر تکو صاحب	دیوان فگار قلمی
" شیو نراین مجو صاحب مرحوم	حضرت ماہر کے چار دیوان اردو قلمی اور ایک دیوان فارسی قلمی دیوان مبارک فارسی قلمی۔ دیوان خورم فارسی قلمی۔
کنور گوری پرشاد صاحب ہمدم	آپ کے توسط سے دیوان عاصی قلمی و دیوان منتظر پنڈت شیو نراین بھان صاحب عاجز سے دستیاب ہوئے۔ تقریظ لطف انگیز۔
پنڈت برجکشور شیوپوری صاحب ریٹائرڈ تحصیلدار بھرتپور	دیوان مفتوں اردو و فارسی قلمی مصنفہ پنڈت بھوانی شنکر شیوپوری صاحب مرحوم
پنڈت برجکشن ٹوپہ صاحب جج	کلام پنڈت دیا کشن ٹوپہ صاحب مفتوں
" امرناتھ مدن صاحب ساحر دہلوی	کلام شعرائے مختلف اور ایک فاضلانہ تقریظ
" ہربھر ناتھ مٹو صاحب	بائیس شعرائے کشمیر کا فارسی کلام
" سندر نراین مشران صاحب	کلام مفتوں و یکتا اور تقریظ دلپذیر
" برجموہن دتاتریہ صاحب کیفی	دیوان و مثنوی کرناکشن گورٹو صاحب عزیز

اسمائے گرامی	[illegible] دستیاب شدہ
رائے بہادر پنڈت راجناتھ صاحب صاحب	مختلف شعراکے حالات زندگی آپ سے معلوم ہوئے
پنڈت نند لال کول صاحب طالب از کشمیر	متعدد شعرائے کشمیر کا کلام آپ نے عنایت کیا اور اُس کا سلسلہ ہنوز جاری ہے۔
” سورج پرکاش رینہ صاحب از گوالیر	کلام شعرائے مختلف۔
” سورج نراین رینہ صاحب از کشمیر	بحرطویل مصنفہ پنڈت بھوانی داس کاچرو صاحب نیکو تخلص
” دینا ناتھ چکن صاحب مست از کشمیر	حالات للہماجی و روپ بھوانی الکھ۔

آخر میں ناچیز مولف جناب ڈاکٹر سر تیج بہادر سپرو - دیوان پنڈت رادھے ناتھ کول صاحب گلشن اور دیگر والاہمم اکابران قوم کی خدمت فیضدرجت میں ان کی دریا دلی کا شکر گزار ہے کہ حضرات ممدوح نے تذکرہ ہذا کو زیور طبع سے مزین کرنے اور دلفریب بنانے میں بطیب خاطر امداد فرمائی۔

بہار گلشن کشمیر میں تصاویر کے داخل کرنے کی تجویز جناب گلشن کے جانب سے ہوئی اور یہ جناب موصوف ہی کی عالی ہمتی اور کوششوں کا نتیجہ ہے کہ عندلیبان چمنستان سخن کے دلکش نغمے اور پُر لطف ترانے آپ کو ایک حالت وجد میں لا رہے ہیں۔ ان میں سے چند تاجداران اقلیم سخن وہ ہیں جن کو گردش لیل و نہار نے مدتیں ہوئیں خاک میں ملا دیا مگر ہاں آج ان کی تصویریں زینت بخش ”بہار گلشن کشمیر“ ہو کر ایک عجیب ادا سے خاموش سے آپ سے مخاطب اور اپنی یاد آپ کو دلا رہی ہیں۔
معزز ناظرین۔ خاکسار مولف اپنی رام کہانی کہہ چکا اور صائب کا ایک شعر پیش کر کے آپ سے رخصت ہوتا ہے

لختے بردار من گذرد ہر کہ زپیشم   من قاش فروش دل صد پارۂ خویشم

ننگ کائنات - پنڈت جگموہن ناتھ رینہ - شوق

الہ آباد - ۵ جون ۱۹۳۱ء

تقاریظ

تقریظ چکیدہ قلم اعجاز رقم سرآمد سخنوران باکمال
شاعر شیوا مقال جناب پنڈت امرناتھ
مدن صاحب ساحر دہلوی

اوم تت ست

از تست بہ تو سخن زما نیست ۔۔۔ ذاتِ بحستی کہ ماسوا نیست
تو شاہ مطلقی خود آرا ۔۔۔ از تست ز ہر چہ ہست یا نیست
اسما و صفات از ارادت ۔۔۔ در جلوہ ز تست مر ترا نیست
امکان و وجوب از تو حرفے ۔۔۔ بے چونی و چون و ہم چرا نیست
از نورِ بقاست جلوۂ حسن ۔۔۔ با جلوۂ حسنِ تو فنا نیست
چون بے ہمہ و بے نشانی ۔۔۔ در اسم و صفت نشان ترا نیست
کونین بجلوۂ تو روشن ۔۔۔ از حسن تو پرتوے کجا نیست

جز نور جمال و حسن حسنت ... م مہ و مہر را ضیا نیست

ذرّہ بجلال مہر درتاب رقصان کہ ز اصل خود جدا نیست

درتاب فناست از تپ عشق تا قطرہ بہ بحر آشنا نیست

این نیست کہ راسخ اعتقادم باذاتِ علیم کبریا نیست

من بندۂ اویم اوست مولیٰ من نیستم اوست ہست تا نیست

تسلیم و رضا زمن بہ تقدیر با صدق و صفاست باریا نیست

بفرست ز نورِ علم فیضے نادانم و فکرِ من رسا نیست

توفیق عطا بکن کہ یارب این کار بحدّ سعی ما نیست

از عہدۂ کار تا بر آئیم جز لطفِ تو دستگیر ما نیست

این نسخہ بنامش ابتدا کن

ساحر کہ بنامش انتہا نیست

روئے زمین پر برّ اعظم ایشیا میں اقلیم ہند ایک مشہور و معروف جزو ہفت اقلیم کا دورِ حال کے آغاز سے چلی آتی ہے ابتدائے دَور سے اس اقلیم کو تہذیب اور تمدّن علم و ہنر کا مخزن تسلیم کیا گیا ہے۔ اور ممالک ہفت اقلیم میں ہند کو امتیازی پایہ حاصل رہا ہے۔ ملک کی زرخیزی کے وجہ سے ہر زمانہ میں غیروں کی للچائی آنکھ اس پر پڑتی رہی ہے حتّٰی کہ ہند کو دیگر ممالک میں سونے کی چڑیا کے لقب سے تعبیر کیا جاتا رہا ہے کسی حد تک یہ لقب اور یہ تعبیر درست بھی ہیں کہ جو قابلیت اس ملک کو حاصل ہے وہ دیگر ممالک کو نصیب نہیں ہے۔ ہر زمانہ میں باوجود پامال ہوجانے کے بھی مخفی قابلیت بحال ہوجانے کی فطرتاً موجود ہے۔ ملک ہند کی شمالی سرحد کوہ ہمالیہ کا سلسلہ ہے اور اس سلسلہ کا شمال غربی حصّہ اس صورت سے واقع ہوا ہے کہ مہادیو کا سر معلوم ہوتا ہے جس کی جٹا سے گنگا جی نکل کر بہ رہی ہیں اور شمالی ہندوستان کو سرسبز اور شاداب

کر رہی ہیں۔ یہ خطہ جسکی ہیئات کوہستان سے ملتی ہیں یعنی سفید بلکہ نقشِ قدم کی صورت سے
مشابہ ہے کشمیر نامزد ہے۔ یہ اہلِ ہنود کا مقدس مقام اور سری شیوجی کا سیرگاہ تھا کسی وقت
اس مقام پر عالمِ آب کا نظارہ تھا کشپ رشی نے ریاضتِ شاقہ کے بعد عالمِ آب سے
نکال کر زمین کا جامہ پہنایا [illegible] ہندی و ممالک دیگر اور سیاحانِ ممالک غیر نے اس
خطہ کو کشمیر جنت نظیر قرار دیا ہے اور شاہانِ مغلیہ نے اُسکو تفریح گاہ قایم کرکے اس خطہ
میں رہائش اور سکونت کو غنیمت جانا ہے۔ اس مقدس خطہ میں قدیم زمانہ میں مقدس ہستیاں
وادیوں اور پہاڑوں کی چوٹیوں پر سکونت پذیر رہی ہیں۔ جنکی تقدس سے وادیِ ایمن
اور کوہِ طور کا جلوہ دائمی طور پر چشمِ دل و سینہ کو نورِ ایمان سے روشن۔ منور اور مصفا رکھتا تھا
قدرت کا نظارہ اپنے سادگی میں سراپا دلفریب تھا۔ پہاڑوں کی بلند چوٹیاں۔ سفید برفانی
ٹوپیاں پہنے ہوئے خوشنما معلوم ہوتی تھیں۔ وادیوں کی سرسبزی۔ مرغزاروں کی تازگی کا
عجب سماں تھا۔ دریا اور چشموں کی جا بجا روانی صدائے موسیقی سے شیوشیوالاپتی تھیں۔ اور
لہراتے ہوئے ناگوں کی صورت شیوجی کے جسم کا زیور معلوم ہوتی تھیں۔ جھیلوں کا پانی صاف
وشفاف پہاڑوں۔ وادیوں درختوں اور مکانوں کا عکس لہراتا ہوا دکھاتا تھا۔ پہاڑوں اور
وادیوں میں قسم قسم کی گنجان اور سایہ دار درختان قطار در قطار ایک طرفہ بہار دکھاتے تھے۔
ان سایہ دار درختوں میں آرام گاہیں درماندہ مسافروں کے لئے دلکشا اور روح افزا منظر
ہوتے تھے۔ میوہ جات طرح طرح کے قدرت کے عطا لذیذ بکثرت بھوک اور پیاس کے
رفع کرنے کا سامان مہیا تھے ساتھ ہی اُسکے باغات جو انسانی دستکاری نے قائم کئے تھے اپنے
پُر فضا بہاروں سے دلوں کو لبھاتے تھے۔ ہزارہا قسم کے پھول خودرو اور پرورده
اپنے رنگ برنگے لباس سے انسانی عقل کو دنگ کر دیتے تھے کہ رنگوں کا تفصیل سے نامزد
کرنا دشوار ہوتا تھا۔ جواہرات اور دیگر معدنیات کی کانیں جنکی وجہ سے یہ خطہ چشم حسود میں
اب بھی کھٹکتا ہے اُس خطہ کا مخفی خزانہ بلکہ دفینہ ہیں جسکے مقابل روے زمین کے دفینے

بے وقعت ہیں ۔ کانِ زمرد کی چٹان کی ایک جھلک کا یہ ادنیٰ اثر ہے کہ زہریلے سانپوں سے
زہر کا اثر زائل کر دیتی ہے۔ قدرت کا نظارہ ظاہر ہوتا ہے کہ آبِ رواں اور آبِ چشمہ
رنگتیں بدلتا رہتا ہے۔ اور صرف رنگتیں ہی نہیں بلکہ خاصیتیں بھی بدل جاتی ہیں آب و ہوا
جسم، دل اور دماغ کو قوت اور تر و تازہ رکھنے کے لئے ایک خداداد نسخہ ہے۔ گرم سے
گرم اور سرد سے سرد اور گرم سرد کی تمام درمیانی مزاجوں کے موافق مختلف مقامات
کی آب و ہوا مفید ہوتی ہے۔ یہ سرزمین غرضکہ ہر طبقہ جمادات نباتات اور حیوانات کے
نشو و نما کی جان ہے اگر کوئی کمی ہے تو کان ملاحت کی ہے۔ حسن بھی پروردگار
عالم نے اس خطہ کو وہ عطا فرمایا ہے جسکے قائل اور معتقد نظر بازان ہند ہی نہیں
بلکہ نظر بازان اقلیم دیگر ممالک ایشیا و اہل فرنگ بھی ہیں۔ اس خطہ پاک کی بارہ میں
جس کو جنت نظیر کہا جاتا ہے تسلیم کیا گیا ہے کہ اس میں وہ تمام آسائشیں موجود ہیں
جو فطرتی طور پر انسان کی تمنا ہوتی ہیں۔ غرضکہ قدرت کے جملہ مناظر زاہد و عابد و مرتاض
و عالم و رند و مصور و نقاش و شاعر و مطرب وغیرہ وغیرہ کو اپنے اپنے مذاق کے مطابق
قوتِ روح پہنچاتے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ جملہ علوم و فنون کے ماہران اس خطہ کی سرزمین
سے پیدا ہوتے رہے ہیں۔ جنکی یادگاریں کم و بیش ابتک باقی چلی آتی ہیں۔ ملک کی زرخیزی
اور آب و ہوا کی خوشگواری دو بڑی زبردست قوتیں ہیں جنکا اثر انسانوں کے اخلاق فطرت
اور طبیعت پر ہو کر اُن کو ایک خاص جانب رجوع کرتا ہے۔ دماغی قوتہائے کی نشو و نما پر
آب و ہوا کا خاص اثر ہوتا ہے۔ صحت اور تندرستی پر جسکا اثر نمایاں طور پر محسوس ہوتا ہے
زرخیزی مرفع الحالی کی صورت پیدا کر دیتی ہے اور مرفع الحالی کا انجام فرصت اور فراغ
ہیں جو ایک صورت میں کاہل الوجودی اور دوسری صورت میں ترقیات کا مرکز بنجاتے
ہیں۔ کشمیر میں کاہل الوجودی کمتر اور ترقی کے ابواب پر زیادہ نظر رہی ہے۔ اور اسی
وجہ سے علوم و فنون کے ماہران کشمیری نژاد وقعت اور قدر کی نگاہ سے دیکھے جاتے

رہے ہیں۔ اس خطے کی فطرت میں [illegible] حافظہ۔ ذہانت۔ اختراع اور مشکل پسندی میں خواہ یہ اُن کی خوش نصیبی تصور ہو یا بدنصیبی کہ قدرت نے اُن کو یہ جواہر کیوں عطا کئے۔

آب و ہوا کے طبایع پر اثرات کے بارہ میں عرفی شیرازی نے کیا خوب فرمایا ہے جس کو اب تک سب تسلیم کرتے آئے ہیں۔

هر سوخته جانیکه به کشمیر درآید هر مرغ کباب است که با بال و پر آید

دلدادگان حسن پرستی میں سے مولانا غنیمت حُسن کو پنجاب تک ہی محدود رکھتے ہیں۔ انھوں نے اسی کو غنیمت جان کر اپنی حد سے آگے قدم بڑھانے کی جرات نہ کی۔ مگر ایک نالایق مگر بیباک قلم اُن کے کلام موزوں پر تصرف بیجا کر کے اس پرواز پر ناموزوں کرنیکی جرات کرتا ہے اور صاحبانِ علم ادب سے معافی کا خواستگار اس باب میں بصد عجز و نیاز ہوتا ہے

ندیدم کشورِ حسنِ جہانگیر بخوبی ہمچو حُسن آباد کشمیر
چو کشمیر انتخاب ہفت کشور نسیم خوردہ بخاکش آب کوثر

اس آب و ہوا کا اثر صرف انسان کی ذات پر ہی محدود نہیں رہا ہے بلکہ حیوانات درند اور چرند و پرند پر بھی پڑتا رہا ہے اور خوفناک جانوران خشکی و تری سے لیکر چرند و پرندوں کی سلیم المزاجی خوش رنگی اور خوش گلوئی میں بھی نمایاں ہوتا رہا ہے۔ باشندگان ملک کے عادات و خصائل کے ترتیب دینے میں بھی اُس کا خاص حصہ ہے۔ ابتدائی زمانہ میں علاوہ پہاڑی اقوام کے برہمنان سارت سوت کی آبادی زیادہ تھی اور ایک قومی آبادی ہونے سے شیرازہ بندی مضبوط تھی مگر امتداد زمانہ کے ساتھ ساتھ انقلابات طبایع و سیاسی واقعہ ہوتے رہے اور یہ خطہ تختۂ مشق حاکمان اہل اسلام کا رہا۔ باوجود اسکی پامالی کے بھی ایک شان قائم تھی جسنے کشمیر کے علم باطنی کی تکمیل میں ملا شاہ جیسے عارف کامل سے رشی پیر صاحب کی توصیف میں یہ الفاظ زبان قلم تک پہنچائے۔

امروز شاہ شاہان جہان شدہ است مارا   جبریل با ملائک دربان شدہ است مارا

یہ علم باطن ان برہمنان باشندگان کا ورثہ قدیم الایام سے چلا آتا تھا۔ دورِ اسلام نے اس پر مزید جلا کی۔ اہل اسلام کے خروج سے پیشتر سنسکرت زبان برہمنان کشمیر کی علمی زبان تھی اور اسکی تکمیل کی بدولت برہمنان کشمیر نے موروثی لقب پنڈت کا نہ صرف حاکمان ابتدائی بلکہ حاکمان اہل اسلام سے بھی حاصل کر کے اپنے اولاد کے لئے نسلاً بعد نسلاً میراث میں چھوڑا۔ پنڈتان کشمیر اور پنڈتان بنارس (کاشی) دو زبردست علمی گروہ پنڈتان کے تسلیم کئے جاتے تھے کہ کشمیر اور کاشی دو مرکز علم سنسکرت کے زبان دانی کے قرار یافتہ مسلّم تھے۔ علم جوتش کی ترقی علم باطنی کا نتیجہ خیال کیجاتی ہے جو ابتک کشمیر میں اپنا جلوہ دکھا رہا ہے اسکی وجہ سے برہمنان کشمیر کے تین گروہ قائم ہوئے ہیں۔ ایک گروہ جوتشیان کا ہے ایک گروہ باجیٹ صاحبان کا ہے اور تیسرا گروہ کارکن صاحبان کا ہے۔ کارکن وہ صاحبان کہلاتے تھے جن کی معاش کا انحصار خدماتِ علمی کے وسیلہ سے ملازمت کا ہو گیا تھا اور بعد میں جیسے جیسے کہ ملازمت کا سلسلہ تنگ ہوتا گیا اُن کی معاش کا سلسلہ دیگر تجارتی ابواب اور پیشوں پر قائم ہوتا چلا گیا۔ چونکہ کشمیر دیگر شمالی ممالک اِنسوے ہمالیہ کے لئے ہمیشہ سے تجارتی مرکز رہا ہے اسلئے تجارت اور پیشہ کو ملازمت سے بہتر خیال کیا جاتا تھا اور اُس حقارت کی نظر سے نہ دیکھا جاتا تھا جیسا کہ ہندوستان میں آنے کے بعد اُس کی صورت ہو گئی تھی۔

زمانہ کی تبدیلی کے ساتھ روزگار کی نظر سے برہمنان کشمیر نے زبان فارسی کیجانب جو حاکمان وقت کی زبان اور جملہ محکمہ جات اور صیغہ جات میں مروّج تھی رجوع کی اور اُسکی زباں دانی کی تکمیل بخوبی کر کے منشیان اہل اسلام کے ہم پلّہ ہو گئے۔ اس صورت سے عالمان سنسکرت اور زباں دانان فارسی ہونے کیوجہ سے پنڈت کے لقب کے ساتھ منشی کا لقب بھی ایزاد ہو گیا اور عہد اسلام میں پنڈتان کشمیر سربرآوردہ اور ممتاز رہے اور ہر ایک

شستہ سیاسی میں کامیاب اور سرفراز زبان کشمیری کی مادری زبان سنسکرت کی شاخ تھی اور اس میں تکمیل کو پہنچنا پنڈتان کشمیر کے لئے کوئی دشوار امر نہ تھا چنانچہ ایک ہی نمونہ للہ جی کے کلمات کا ابتک زبان زد خاص و عام چلا آتا ہے۔ قاعدہ ہے کہ جہاں دو مختلف زبانیں ٹکرا جاتی ہیں انکے ٹکرانے سے ایک مخلوط زبان جو عام فہم ہو پیدا ہو جاتی ہے۔ چنانچہ کشمیر میں جب فارسی اور کشمیری زبانوں کا تصادم ہوا تو یہ مخلوط ہو کر ایک مرکب زبان پیدا ہو گئی ہے جس کی تصدیق شعر مندرجہ تحت سے ہو سکتی ہے۔

ٹنگرو و بدم بدستِ آر مو   میکشید از خاک سنگِ نیلوٹ

اس اختلاط کا ثبوت ملا غنی کشمیری نے بھی دیا ہے جو مرزا صائب اور ملا غنی کی ملاقات کا باعث ہوا چنانچہ فرماتے ہیں

موے میان تو شدہ کرا پین   کرد جدا کاسۂ سرہا زتن

اس بیان کی ضرورت اس مقام پر اس وجہ سے پائی گئی تھی کہ یہ دکھانا مقصود تھا کہ پنڈتان کشمیر کا فطرتی رجحان طبع علم ادب کے جانب رہتا چلا آیا ہے۔ جسکی لمعات وطن سے آوارہ ہونے پر بھی اپنی روشنی چار دانگ ہندوستان میں پھیلاتے رہے ہیں۔

قدیم الایام سے پنڈتان کشمیر انقلابات روزگار کے تختۂ مشق رہے ہیں اور حاکمان وقت کے جبر و تعدی کو حب الوطنی کیوجہ سے صبر و استقلال کے ساتھ برداشت کرتے چلے آئے ہیں۔ جب حاکمان وقت کی سختیاں مال اور جان کی حد سے تجاوز کر کے ایمان تک پہنچیں تو مجبور وطن مالوف کو خیرباد کہنا پڑا اور گروہ در گروہ نقل مقام کر کے ہند کے مختلف صوبہ جات میں سکونت پذیر اور آباد ہو گئے۔ پنجاب، دہلی، اودھ، اضلاع متحدہ ممالک راجپوتانہ و متوسط و ریاستہائے وسط ہند نے ان کو پناہ دی اور شاہان مغل فرمانروایان و حکام وقت کی سرپرستی نے اُن کو اپنے ذاتی جوہر فہم۔ ذکا۔ ذہانت اور علم دوستی کے اظہار کا موقعہ دیا تو قدرے فکر معاش سے فراغ حاصل ہوا۔ علم و ہنر و فن کی قدر دانی

درباروں اور ریاستوں اور موجبات میں اس وقت [illegible] بھی وجہ ہے کہ وہ ہندوستان
میں آکر بحالت غریب الوطنی و ناآشنائی بھی ہر دلعزیز اور ممتاز ہوئے۔ فطرتی ذہانت اور
جدّت نے فارسی، عربی اور سنسکرت کی زبان دانی میں تکمیل پیدا کرنے کا شعلۂ شوق
بھڑکا دیا۔ چنانچہ فضل ایزدی سے تکمیل کے پایہ کو یہ علوم پہنچے۔ ساتھ ہی اردو زبان
جو شمالی حصۂ ہند میں زیادہ تر مروّج تھی اُسکی تحصیل میں قدرے محنت کی ضرورت
ہوئی اور اسکی تکمیل اہل اسلام زباندانوں کی اصلاح صحبت اور موانست سے اس درجہ
ہوگئی کہ اب کشمیری پنڈتان ہندوستان کی یہ مادری زبان تصوّر ہوتی ہے اور فارسی
اور اردو علم ادب کی تکمیل کشمیری قومی تہذیب ہندوستان کی جزو متصوّر کیجاتی ہے۔ اس
تکمیل کی وجہ سے علمی مجالس اور مباحثات میں پنڈتان کشمیر اقتدار اور امتیاز کی نظر سے
دیکھے جاتے تھے گذشتہ ۵۰ سال میں اکثر صاحبان قوم کی دلی خواہش ہوتی رہی ہے
کہ ایک مجموعہ فارسی اور اردو علم ادب پنڈتان کشمیر موجودہ کشمیر و ہندوستان مرتب
کیا جاوے جس میں اُن صاحب کمالات کے جوہر طبع کا جو نظم و نثر کے بدل شایق تھے
مناسب اور موزوں الفاظ میں اعتراف کرکے ایک یادگار کشمیری پنڈتان کی ذہانت
جودت طبع۔ تکمیل تحصیل و قابلیت علمی کی قایم ہو جائے۔ چنانچہ فرداً فرداً اکثر صاحبان
قوم علم دوست نے بیاضوں میں جو کلام ارباب قوم کا کہیں نظر یا ہاتھ آگیا درج کر لیا۔
کلام نظم ایسی بیاضوں میں زیادہ تر اندراج پاتا تھا۔ نثر کے شایقین خاص خاص تھے جنکے
قلمی نسخہ جات اصل سے نقل ہو کر دور دور تک پہنچتے تھے۔ چھاپہ۔ ڈاک اور ریل کی
اوّل تو سہولتیں موجود نہ تھیں یا کمتر تھیں۔ دویم ان آسانیوں سے فائدہ اٹھانے کا
زیادہ خیال نہ تھا۔ ذاتی شوق کو فرصت میں پورا کیا جاتا تھا اور خط کی درستی کا مدعا
مدنظر رہتا تھا۔ بہت سے بیاضیں جن میں متقدمین کا کلام مندرج تھا معرض تلفی
میں آگئیں۔ بعض بعض خاندانوں میں باقی رہیں۔ ان بیاضوں سے اس مجموعہ کی

ترتیب میں بہت امداد ملی جیسے ماہنامہ تعمیر اور سہ ماہی کشمیر اور دیگر رسالہ جات قومی سے استخراج کیا گیا ہے اور سابقہ نثر فارسی کا مجموعہ بھی جو کچھ کہ دستیاب ہوا ہے فراہم کیا گیا ہے مگر چونکہ طبائع کا رجحان مذاق سخن کیطرف ہمیشہ سے قدرتاً زیادہ ہوتا ہے اور پسندیدگی اُسکی عوام میں زیادہ ہوتی ہے۔ نثر سے سوائے خاص طبائع کے صاحبان شوق بھی خشک زمین سمجھکر گھبرا جاتے ہیں اسلئے کلام نظم ہی کو شیرازہ بند کرنے کی کوشش کی گئی۔ یہ کوشش کامیاب نہیں کہی جاسکتی۔ کہ بڑی دقتوں اور تلاش اور عرق ریزی کے باوجود متقدمین اور نیز متاخرین کے حالات اور کلام معلوم نہیں ہو سکے اور انپر روشنی نہیں ڈالی جاسکی۔ تاہم جو کچھ فراہم یا دستیاب ہو سکا اُس کے حاصل کرنے اور ترتیب دینے میں کوئی دریغ نہیں ہوا ہے۔ امید ہے کہ نوجوان قوم جو لایق۔ ہونہار اور دقیق مسائل حل کرنے کے دلدادہ ہیں اپنے دلی شوق سے اس بنیاد پر عالیشان عمارت تیار کر کے ایک دیرپا بلکہ دوامی یادگار قایم کرینگے۔ اس مجموعہ کے انڈکس میں تخلص کو فوقیت کا پایہ دیکر حروف تہجّی کا التزام قائم رکھنا مناسب معلوم ہوا اس وقت فہرست پر ۳۲۶ نام پنڈت صاحبان کے موجود ہیں جو چاشنیٔ سخن گوئی سے کم و بیش لذّت گیر ہوئے ہیں۔ ان ۳۲۶ اسما میں ممکن ہے کہ کسی صاحب کا نام سہو یا غلط فہمی سے مکرّر تحریر ہوا ہو۔ مگر اس شمار کو درست تسلیم کر کے تین حصص پر منقسم کیا گیا ہے ایک حصّہ اُن مشاہیر کا ہے جو صرف کلام فارسی کو اپنے عصر میں قابلیت کا معیار تسلیم کرتے رہے ہیں۔ اُن صاحبان کے زمانہ میں فارسی زبان کا رواج دربار و دفتر اور ہر علمی مجلس اور بحث و مباحثہ میں تھا۔ فارسی زباندانی کی تکمیل کو وہ بزرگان علم ادب کا اعلیٰ پیمانہ اور تہذیب کا نمونہ تصور فرماتے تھے۔ اور اگرچہ روزمرّہ بول چال و کاروبار میں اردو زبان مروجہ استعمال میں آتی تھی مگر علمی زبان فارسی قرار دیگئی تھی۔ جو اعلیٰ طبقات کا امتیازی جوہر سمجھا جاتا تھا۔ فارسی زباندانی کے مایۂ ناز

تصوّر ہونے کا اس سے بہتر کیا ثبوت ہو سکتا ہے کہ نواب مرزا اسد اللہ خان صاحب غالب کے اردو کلام پر جب چند ہمعصر زباندان اردو کی نظر معترضانہ پڑی تو مرزا نوشہ صاحب نے اس نظر اعتراض کا جواب صرف ایک شعر سے دیدیا جسکی متانت کے بار سے جملہ معترضان دب کر خاموش ہو رہے وہ شعر یہ ہے جو فارسی کلام کی بلند پایگی ظاہر کرتا ہے۔

پارسی بین تا بہ بینی نقشہاے رنگ رنگ   بگذر از مجموعۂ اردو کہ بیرنگ من است

تعداد اُن عندلیبان گلشن سخن کی ۱۲۱ شمار میں آئی ہے۔ یہ ابتدائی دور تھا جب پنڈتان کشمیر وطن مالوف سے مُنہ موڑ کر ہندوستان میں آباد ہوئے تھے۔ اور ملک کے باشندگان اور زبان مروّجہ اردو سے چنداں آشنا نہ ہوے تھے۔ جب رفتہ رفتہ قیام کا زمانہ بڑھتا گیا مروّجہ زباندانی کی جانب طبیعت رجوع لائی اور اُس وقت کی مجالس اور علمی صحبتوں میں مروجہ زبان کی تکمیل حاصل کرنے کے بعد قرار واقعی داد دی گئی۔ مگر چونکہ علم ادب فارسی اُن کا جزو تہذیب ہو گیا تھا اسلئے اُسکو ہاتھ سے دیدینا وضع کے خلاف سمجھا گیا البتّہ عام مذاق اور تفننّ طبع کے لئے اردو زباندانی سے بھی کام لیا جاتا تھا۔ پس ایسے اصحاب کا کلام فارسی اور نیز اردو میں ہے ایسے مشاہیر کی تعداد ۲۲ ہے اور یہ تعداد حصہ دویم کی قرار دیگئی ہے۔ اس حصہ میں خاص خاص ہستیاں ایسی پائی جاوینگی جنکا زمانہ حیات حصہ اول کے مشاہیر سے ٹکراتا ہوگا جیسا کہ حصہ اول میں بعض صاحبان ایسے بھی ہیں جو اُس زمانہ کی مد میں آنے کے قابل ہیں جبکہ اردو زباندانی زیادہ تر اور فارسی کلام کمتر سماعت میں آتا تھا۔ باقیماندہ ۱۸۳ صاحبان کا مذاق سخن اُردو رہا ہے اور یہ حصہ سوم قرار دیا گیا ہے کہ ان سخنوران کا فارسی کلام نہ نظر سے گذرا نہ سماعت میں آیا۔ ان صاحبان میں سے زیادہ تر وہ حصہ ہے جو گذشتہ ۷۰ سال کی علمیت زبان اور مذاق کا نمایندہ ہے۔ کمتر حصہ اُن خوش کلامان کا ہے جو حصہ دویم کے علمی مذاق تہذیب اور زباندانی کے اظہار کنندگان ہیں صرف چند بزرگان ایسے ہیں

جو دور اول میں بھی کلام اردو کی پاسنگی کا داد لیتے تھے۔ یہ تقسیم باعتبار فہرست موجودہ
کے ہے مگر یہ ایک صورت تقسیم کی ہے اور فہرست اور کلام کی موجودگی میں یہ کوئی دقت
طلب تقسیم خیال نہیں کی جا سکتی مگر دوسری صورت تقسیم کی باعتبار زمانۂ حیات سخت
دقت طلب ہے کہ حالات سے زیادہ تر صاحبان کے خاصکر مشاہیر متقدمین کی کوئی
اطلاع موجود نہیں ہے۔ جو دور اب قایم کئے جاتے ہیں۔ وہ چند اصول کو مدِ نظر رکھکر
قایم کئے گئے ہیں ان اصولوں کا بیان طول عمل ہے۔ مگر بنظر سہولیت جس نقطۂ نظر سے
قایم ہوے ہیں وہ زبان کے تغیر و تبدل یا کسی مستند نشان حدود پر قایم نہیں ہیں
بھرحال قابل ترمیم ہیں بشرطیکہ درست اور قابل اعتبار معلومات سے قابل ترمیم قرار دئے جاویں
پنڈت برجموہن صاحب دتاتریہ کیفی دہلوی نے چند مستحکم اصول پر اردو زباندانی کے
دور قائم کئے ہیں مگر یہ فرض نہیں کہ ہر ایک شخص اُن کے نظریہ کو مسلم اور مستند تسلیم کرکے
پابند ہو۔ اپنا اپنا خیال ہے اور اپنی اپنی سہولیت۔ جہاں وسیع معلومات سے حالات
اور واقعات پر کافی روشنی پڑ سکتی ہے وہاں نظریۂ پنڈت صاحب موصوف کا قابل
تسلیم ہے مگر ایسی صورت میں جبکہ حالات سے لاعلمی اوقات سے بیخبری اور کلام
کی قلت ہو کسی جکڑ بند قاعدہ کی پیروی کرنا مناسب معلوم نہیں ہوتا اسلئے کلام متقدمین
کے لئے جو محض فارسی میں ہے باعتبار قدامت کلام و باعتبار اسماے بزرگان تین دَور
قایم کئے گئے ہیں۔ خصوصیت اس دور اول کی باعتبار قدامت کلام سادگی پاکیزگی حشو و
زوائد سے اجتناب اور بلندی خیال ہے اور باعتبار اسماے مشاہیر بخیال قربت زمانہ
ترک وطن ایزادی لفظ رام کے نام کے آخری جزو میں نمایاں ہوتی ہے گو یہ قاعدہ
کلیہ قرار نہیں پاتا مگر دَور کی حدود قایم کرنے میں مدد دیتا ہے۔ کشمیر سے جب
گروہ در گروہ ہند میں آئے یہ خصوصیت انکے ہمراہ آئی اس امر کی توضیح چند مثالوں
سے کی جاتی ہے۔ مثلاً پنڈت چندربھان برہمن۔ پنڈت دتا رام برہمن۔

پنڈت آنند رام[3] مخلص - پنڈت گوبند رام[4] کارزیک - پنڈت زندہ رام[5] موید - پنڈت آنند رام[6] مؤید - پنڈت بینی رام[7] احقر - پنڈت موتی رام[8] فراق - پنڈت مست رام[9] بیخود پنڈت جے جے رام[10] بہادر رضا - پنڈت بچھی رام[11] سرور - پنڈت ٹیکا رام[12] ظفر - پنڈت سیتا رام[13] عمدہ - راجہ دیا رام[14] لوشا - پنڈت مصاحب رام[15] مصاحب ایسے نام ہیں جو کشمیر کے ناموں سے قریب تر ہیں اور بعض بعض نام باعتبار اپنی نوعیت کے اور بعض بعض نام باعتبار خطابات درباری کے امتیاز رکھتے ہیں اور ظاہر کرتے ہیں کہ دور اوّل میں اُن سب صاحبان کو جگہ دیجانی مناسب ہے صرف جزو رام پر ہی اس دور کا اختتام نہیں ہوتا بلکہ دیگر خصوصیات بھی ہیں مثلاً پنڈت سدا سکھ[16] کاک کامل - پنڈت ودیا دھر[17] سوپوری سوپوری تخلص - پنڈت سوراج[18] بھان زبو کامل ایسے نام ہیں جو کشمیر سے علیحدگی کا قریب تر زمانہ ظاہر کرتے ہیں اور اسی دور سے ان کا تعلق رہتا ہے غرضکہ یہ اور دیگر معلومات کی وجہ سے دور اوّل ۱۷۵۹ء عہد شاہ عالم سے شروع ہو کر ۱۸۰۶ء اُسکے عہد کے خاتمہ تک قرار دیا جاتا ہے جبکہ لارڈ لیک نے ۱۸۰۳ء میں دہلی فتح کی اور شاہ عالم بادشاہ کی پنشن مقرر ہو کر اُس کی وفات ۱۸۰۶ء میں واقع ہوئی - اس دور کے مشاہیر کی بصحت کامل فہرست ترتیب دینا مشکل ہے مگر بموجب اصول مندرجہ بالا معہود ذہنی ۱۸ صاحبان مندرجہ بالا کے علاوہ پنڈت جگت نرائن[19] صاحب ہاکسر بہادر کا نام اور پنڈت دیبی پرشاد[20] صاحب پارمو شوکت اور ایزادی کے قابل ہیں۔

دور دوم ۱۸۰۶ء سے یعنی شاہ عالمگیر ثانی سے لیکر بہادر شاہ کے خاتمہ یعنے ۱۸۵۷ء کے ہنگامے تک قرار دیا جاتا ہے جبکہ شاہان مغلیہ کی سلطنت کا خاتمہ ہو گیا - علاوہ دیگران کے جو سہواً نظر انداز ہو گئے ہوں اس دور کے زینت سخن اصحاب ذیل سے ہوئی - پنڈت نراین[21] داس اوکھل ضمیر پنڈت موتی لال[22] ہکو گوہر پنڈت جگت نرائن[23] اٹلکی - پنڈت پریم ناتھ[24] منشو شہید پنڈت ہری کشن[25] حبیب - پنڈت بدری ناتھ[26] منڈیا عاشق - پنڈت کرتا کشن[27] صاحب رینہ گورٹو - عزیز پنڈت شنکر ناتھ[28] شاہ نادر - پنڈت رام کشن[29] ہاکسر بسمل - پنڈت رام ناتھ[30] ٹیمنی درویش -

پنڈت [31] ٹھاکر داس اوجھل کال - پنڈت [32] ... ناتھ مدن اکبری - پنڈت [33] اجودھیا ناتھ منشی مبتلا - پنڈت [34] جوالا ناتھ دہلی آگاہ - پنڈت [35] جے نرائن مخمور عالی - پنڈت [36] لالجی پرشاد ہکو فغاں - پنڈت [37] ہرگوپال کول خستہ - پنڈت [38] جوالا پرشاد یار مہو آذر - پنڈت [39] گنگا پرشاد رند - پنڈت [40] امر ناتھ بخشی شعلہ - پنڈت [41] دولت رائے شوق - پنڈت [42] آفتاب رائے مضطر پنڈت [43] مہتاب رائے رینہ گر ٹو مسکین - پنڈت [44] بھوانی پرشاد مضطر - پنڈت [45] بھولا ناتھ سپرو کامل - پنڈت [46] امر ناتھ خمار - پنڈت [47] بھولا ناتھ عارف - پنڈت [48] رگھناتھ کول کشمیر اہل - پنڈت [49] دیارام کاچرو خوشدل - پنڈت [50] گوبندہ کول زیرک - پنڈت [51] دیوہ کول - پنڈت [52] تابہ رام ترکی - پنڈت [53] دامودر کاچرو - پنڈت [54] راجہ کاک درفرخ - ٹھاکر [55] راز دان پنڈت ناجی - [56] بیربل کاچرو وارستہ - پنڈت [57] شنکر جیو آخون گراحی - اس دور کے کلام کی خصوصیت بلاغت - شکوہ الفاظ - معنی آفرینی - نزاکت - زبان پارس کی تقلید اور تقابل تصور ہوتے ہیں - شہرت ناموری معرکہ آرائی طبائع پر قوی اثر رکھنے والے اسباب ہیں -

دور سوئم کا آغاز ملکہ معظمہ وکٹوریہ کا عہد حکومت ۱۸۵۷ء لغایۃ ۱۹۰۲ء قرار دیا گیا ہے - اس دور کے مشاہیر فارسی گو باقیماندہ حصہ اول کے اصحاب شمار کئے جاتے ہیں اور حصہ دوئم کے فارسی سخنوران بھی اس میں شامل ہیں کہ ۱۹۰۲ء کے بعد ابتک نوجوانان قوم میں سے فارسی کلام کی طرف طبع آزمائی کی مثال شاذ و نادر ہی نظر آتی ہے -

حصہ اول کے باقی ۶۴ صاحبان اور حصہ دوئم فارسی اور اردو کے ۲۲ مشاقین ہوں گے ۸۶ اصحاب اس دور سخن کی زیب و زینت ہیں - پنڈت [58] سروپ نراین ہاکسر غافل - پنڈت [59] شیو کشن زبو عاشق - رائے بہادر پنڈت [60] جانکی ناتھ مدن بیجان - پنڈت [61] راج نراین تکو حبیب - پنڈت [62] بشمبھر ناتھ ٹھلل برہمن - پنڈت [63] سومناتھ مسی بیخود - پنڈت [64] دیاندھان عشرت - پنڈت [65] مان ناتھ مدن اصغری - پنڈت [66] بالکشن برہمن - پنڈت [67] گنگا پرشاد بسمل - پنڈت [68] جگت نرائن بھان جگت - پنڈت [69] دھرمچند کول جلالی - پنڈت

[۷۰] کشن نراین بنارسی حیران ۔ [۷۱] پنڈت برجموہن لال گنجو حیرت ۔ [۷۲] پنڈت ہردے نرائن بھان خادم ۔ [۷۳] پنڈت رتن ناتھ بخشی دریا ۔ [۷۴] پنڈت دھرم نرائن میرٹھی ذاکر ۔ [۷۵] پنڈت سری کشن رازدان، رازدان ۔ [۷۶] پنڈت بیسم نرائن لکھنوی سرور ۔ [۷۷] پنڈت بھیم نراین کول شاکر ۔ پنڈت [۷۸] رگھناتھ شوق ۔ [۷۹] پنڈت امر ناتھ صاحبون شیدا ۔ [۸۰] پنڈت بشن ناتھ ہنڈو صبر ۔ پنڈت [۸۱] موتی لال شرغہ ۔ [۸۲] راجہ بھولا ناتھ کول عارف ۔ [۸۳] راجہ لچھمی نرائن عالم ۔ [۸۴] پنڈت نرائن کول عجز ۔ پنڈت [۸۵] کنہیا لال گجو مبارک ۔ [۸۶] پنڈت رتن لال گجو ماہر ۔ [۸۷] رائے بشن ناتھ لوقا ۔ [۸۸] پنڈت بھوانی پرشاد ٹیکو ۔ پنڈت [۸۹] دینا ناتھ بریلوی وفا ۔ [۹۰] راجہ بہادر سنگھ بہادر ۔ [۹۱] پنڈت امر ناتھ ہالو آشفتہ ۔ [۹۲] پنڈت کاشی ناتھ در توقیر ۔ [۹۳] پنڈت امر ناتھ مدن ساحر ۔ [۹۴] پنڈت جواہر ناتھ غمخوار ساقی ۔ [۹۵] پنڈت رتن ناتھ در سرشار ۔ [۹۶] پنڈت اندر پرشاد کچلو فرحت ۔ [۹۷] پنڈت دیبی پرشاد شنگلو فرحت ۔ [۹۸] پنڈت کیشو ناتھ بنارسی فرحت ۔ [۹۹] پنڈت کدار ناتھ کاؤ فرحت ۔ [۱۰۰] پنڈت دیبی پرشاد خشا بہ فرقت ۔ پنڈت [۱۰۱] دیا شنکر ٹکو نگار ۔ [۱۰۲] پنڈت سندر لال لکھنوی فہیم ۔ [۱۰۳] پنڈت کرنا کشن زتو فیض ۔ پنڈت [۱۰۴] لچھمی نرائن مشران مفتوں ۔ [۱۰۵] پنڈت تربھون ناتھ سپرو ہجر ۔ [۱۰۶] پنڈت سری کشن کول یاس ۔ [۱۰۷] پنڈت شام نراین مشران یکتا ۔ [۱۰۸] پنڈت دیوہ رام کاچرو کشمیر حضوری ۔ [۱۰۹] پنڈت سہج رام کول خازن ۔ [۱۱۰] پنڈت دیا کشن شنگلو ٹوپہ مضطر ۔ [۱۱۱] پنڈت بھوانی شنکر شیوپوری مفتوں ۔ [۱۱۲] پنڈت ٹھاکر پرشاد وانچو مفتوں ۔ [۱۱۳] پنڈت لچھمی نرائن بھان عاجز ۔ [۱۱۴] راجہ کول عرض بیگی دریا

غرضکہ کشمیری ذہانت نے گلزمین زبان پارسی میں ۱۱۴ گلہائے رنگ برنگ ۱۷۵۹ء سے ۱۹۲۸ء تک ۱۷۰ سال کے عرصہ میں جبکہ وطن سے بے وطن ہوئے کھلائے ہیں ۔ اس دور سوم کی خصوصیات ۔ رنگ آمیزی ۔ آراستگی و پیراستگی ۔ جذبات پُراثر ۔ اور تقلید ہیں ۔ یہ امر اس مقام پر اظہار کرنے کی ضرورت ہے کہ ۱۷ نمبران ۹۱ لغایتہ ۱۰۷ میں بعض اصحاب ایسے نظر آتے ہیں جو دور دویم میں شامل ہونے کے قابل ہیں مگر عدم تحقیق کی وجہ سے سردست اُن کو اسی دور سویم میں شامل رہنے دیا گیا ہے ۔ جو صاحبان واقف حالات ہیں وہ

ترمیم فرماسکتے ہیں۔ دو صاحبان عشرتی اور صیرفی کا کلام فارسی میں موجود ہے مگر اُنکے نام نامی اور حالات کی کوئی معلومات نہیں ہے اسلئے اُنکو شامل نہیں کیا گیا۔ جب نام اور حالات کا پتہ چل جاویگا اضافہ ہو سکتے ہیں۔ دو صاحبان برہمن اور بریاں کی نسبت صرف اُنکی اسی قدر کیفیت معلوم ہے کہ وہ برہمن کشمیری نژاد ہیں مگر تا وقتیکہ مزید حالات دریافت نہ ہوں اس مجموعہ میں اُنکو شامل نہیں کیا گیا ہے۔ اسی طرح معلوم یکے از ارباب قوم کا فارسی کلام ہے جنکے نام یا حالات سے اطلاع نہیں ہے مشمول نہیں ہوے۔ فارسی زباندانی پنڈتان کشمیر کی روکش زباندانی اہل زبان کی رہی ہے۔ چنانچہ اہل اسلام نے بھی اسکو تسلیم کیا ہے اور اسی وجہ سے اپنے تذکروں میں پنڈتان کشمیر کے کلام کو امتیاز کی جگہ دی ہے۔ پنڈت گوبندرام صاحب کار زیرک کی معرکہ آرائی شیخ علی حزیں شہزادہ پارس سے رہی جسکا نتیجہ یہ ہوا کہ شیخ صاحب کی طبیعت برافروختہ ہو کر حیطۂ ضبط سے تجاوز کر گئی اور شیخ صاحب موصوف نے پنڈتان کشمیر کی ہجو تحریر کی۔ پنڈت صاحب بھی پرکالۂ آتش تھے اُنھوں نے بھی شیخ صاحب کی ہجو تحریر فرمائی۔ پنڈت سدا سکھ کاک صاحب کامل اور پنڈت نرائن داس اوکھل صاحب ضمیر کی نسبت اہل اسلام کے علامہ تسلیم کرتے آے ہیں کہ یہ صاحبان عربی فارسی اور عروض میں کامل دستگاہ رکھتے تھے اور سخنوران ملک پارس اُن کو اور اُنکے کلام کو امتیاز کا پایہ دیتے تھے اور بنظر استعجاب کہتے تھے اوّل ہندو دویم ہندی۔ اسی طرح سے دیوان امرناتھ مدن صاحب اکبری کے مطبوعہ کلام سے صاف تراوش ہوتا ہے کہ وہ کس پایہ کا ہے اُن کا کلام شعراے پارس نامی گرامی کا ہم سنگ ہے۔ اُنکی زباندانی اور دندان شکن حاضر جوابی کے اہل زبان جو اس ملک میں بطور سیاح آے ہیں معترف اور قائل ہوئے ہیں۔

فارسی نظم ہی تک پنڈت صاحبان کشمیر کی توجہ مبذول نہیں رہی ہے عرصۂ نثر میں بھی کمیت قلم نے اپنی جولانیاں دکھلائی ہیں جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا ہے۔ انشاپردازی کا

رنگ سہ نثر ملا ظہوری اور رقعات مرزا بیدل اور مینا بازار کے رنگ پر ہے۔ انشائے پنڈت
لچھمی رام عرصہ تک مکاتیب میں درسیہ کتابوں میں شامل رہی ہے۔ پنڈت بدری ناتھ
صاحب منشی۔ پنڈت پرشادرام رینہ صاحب۔ پنڈت بھولا ناتھ صاحب۔ پنڈت
دھرم نرائن ہاکسر صاحب اس ضمن میں قابل تذکرہ ہیں۔ پنڈت دھرم نرائن ہاکسر صاحب
نے جو مقدمہ قول فیصل اپنے اُستاد شیخ امام بخش صاحب صہبائی کی تصنیف پر لکھا ہے وہ
اعلیٰ درجہ کی فارسی انشاپردازی کا نمونہ ہے۔ پنڈت جوہیا پرشاد صاحب مبتلا شاگرد
صہبائی نے مصطلحات مرتب کی تھی جو نظر سے گذر چکی ہے کس قابلیت اور محنت سے مرتب
کی گئی تھی مگر افسوس ہے کہ باوجود تلاش بسیار کے بھی اُسکا اب تک کوئی پتہ نہیں چلا کہ کیا ہوئی
ظاہرا تلف ہوگئی۔ پنڈت پرشادرام رینہ صاحب نے ایک دوسرا مینا بازار لگاکر دکھایا تھا
پنڈت صاحب نے نثر میں اور بھی چند نسخہ جات تحریر کئے ہیں اس نظر سے یہ چند فقرے تحریر
ہوے ہیں کہ شائقین و ناظرین یہ خیال نہ فرماویں کہ نثر کی جانب سے غفلت ہی رہی ہے۔

اُردو زباندانی کے مشتاق بروے فہرست شعرا ۱۸۳ ہوتے ہیں۔ جو صاحبان
فضل ایزدی سے قید حیات میں ہیں اُن سے قریباً قریباً سب صاحبان واقف ہیں باقی صاحبان
رحمتِ پروردگار سے جنت مکانی ہوے صرف چند مشاہیر کے نام تحت میں درج ہیں پنڈت
نند کشور واتل آزاد۔ پنڈت امرناتھ ہالو آشفتہ۔ پنڈت بشن نرائن در ابر۔ پنڈت
کالکا پرشاد لنگر بسمل۔ پنڈت موتی لال کا نجو بسمل۔ پنڈت درگا پرشاد مشران بیخود۔ پنڈت
راج اندر نرائن بھر و تبسم۔ پنڈت برج نرائن چکبست۔ پنڈت جواہر ناتھ غمخوار ساقی۔ پنڈت
رتن ناتھ در سرشار۔ پنڈت بشمبر ناتھ سپرو صابر۔ راجہ شنکر ناتھ ضیا۔ پنڈت دیبی پرشاد
بقایا صادق۔ پنڈت دیا شنکر نکو فگار۔ پنڈت سروپ نرائن بھان عاصی۔ پنڈت کنھیا لال
صاجبین عاشق۔ بخشی بھولا ناتھ عاشق۔ پنڈت پران کشن ہاکسر عاشق۔ پنڈت بلدیو کشن
تکو خورشید۔ کنور نرنجن ناتھ مدن عیش۔ پنڈت کامتا پرشاد سکھیا مسرور۔ پنڈت نرنجن ناتھ

مشتاق - پنڈت رادھا کشن اولال بشیو - پنڈت کنہیالال ہاکسر مضطر - پنڈت پریشور ناتھ تکرو دماغ - دیوان شیو ناتھ کول مضطر - پنڈت موہن لال ٹوپہ موہن - پنڈت دیاشنکر کول تکو نسیم - پنڈت ہری کشن کول عرف بھاجی راس - پنڈت کشوری لال کانجو کشور - راجہ رام ناتھ ذرہ - پنڈت بشمبر ناتھ شیو پوری صغیر - پنڈت اودت نرائن عاشق - پنڈت رتن لال اوکھل خبیر - پنڈت شیو ناتھ چک کیف - پنڈت اقبال نرائن بہادر سعد - پنڈت تربھون ناتھ سپرو ہجر -

زمانہ موجودہ میں اردو علم ادب کے تابندہ اختران جو فروغ سخن سے عالم کو منور کر رہے ہیں بکثرت ہیں - راقم الحروف کا دائرۂ واقفیت بہت محدود ہے - اسلئے سب صاحبان کے یادداشت کا اختصار چند اسماے احباب پر پسندیدہ خیال کر کے دیگر صاحبان کے واقفکاران پر اُن اصحاب کے نام نامی کی ایزادی کا انحصار کرتا ہے - کنور گوری پرشاد ہمدم - کرنل کیلاس نرائن ہاکسر ہاکسر - پنڈت دینا ناتھ چکن مست - پنڈت دینا ناتھ مدن مجز - دیوان پنڈت رادھے ناتھ کول گلشن - پنڈت برجموہن وتاتریہ کیفی - پنڈت جگموہن ناتھ رینہ شوق - پنڈت شیو نرائن رینہ شمیم - پنڈت شام کشن اوکھل شام - پنڈت شیو ناتھ کول بقایا شاگر - پنڈت جوالا پرشاد شنگلو خورشید - پنڈت کیلاس نراین کول بیدل - پنڈت سروپ نراین رینہ ایمن - پنڈت امر ناتھ مدن ساحر - پنڈت رام ناتھ آغا آغا - پنڈت اوتار لال بقایا - پنڈت آنند نراین ملّہ - پنڈت چاند نراین زتشی بیدل - پنڈت کاشی ناتھ در توقیر - پنڈت جیون لال شیو پوری جیون - پنڈت کنور کشن کول رند - پنڈت کشوری لال ٹوپہ رُکن - پنڈت دوارکا ناتھ رینہ رعنا - پنڈت راجیندر پرشاد شائق - پنڈت سورج پرکاش رینہ رانا - پنڈت پرتھی ناتھ شوق - پنڈت لچھمی نراین شیو پوری شیدا - پنڈت شیام منوہر ناتھ کول سنگر - پنڈت نند لال کول طالب - پنڈت کشن لال چودھری طالب - پنڈت جگجیون ناتھ تکرو کامل - پنڈت منموہن کشن ولی ولی - پنڈت اقبال کشن در - پنڈت اومکار نراین بخشی - پنڈت چاند نراین رینہ چاند - پنڈت کامتا پرشاد کچلو کچلو - پنڈت بدری پرشاد

شفگلو شاد۔ پنڈت برمسا ناتھ مدن محشر۔ پنڈت برجکشور آتش شور۔ پنڈت تربھون ناتھ زتشی زار۔

اُردو شاعری کا مذاق زیادہ تر حسیات اور جذبات حسن وعشق پر مبنی رہا ہے۔ نزاکت خیال معنی آفرینی اور سخن کو دلکش بنانے کی کوشش میں مصروف رہی ہے۔ بلند پروازی خیال بیں کمتر ہے مگر جہاں ہے وہاں صنعت مبالغہ لئے ہوے ہے جو بعض نظروں میں معیوب معلوم ہوتی ہے۔ جہاں کلام میں سادگی ہے وہ پایۂ شاعری سے اُترا ہوا کلام معلوم ہوتا ہے دور سویم کے آخری حصہ میں مضامین مفقود ہیں۔ صرف زبان کی چاشنی کا لطف آتا ہے۔ سخن کے دیگر اصناف پر پنڈت دیا شنکر کول تنکو نسیم۔ پنڈت درگا پرشاد مشران بیخود۔ پنڈت کامتا پرشاد سکھیا مسرور۔ دیوان پنڈت شیو ناتھ منتظر۔ پنڈت بشن نراین درؔ آر پنڈت برج نراین چکبست۔ پنڈت اقبال نراین بہادر سعد۔ پنڈت تربھون ناتھ ہیبر ہجر وغیرہ نے کامل طور سے داد دی ہے۔ نثر کے میدان میں چند صاحبان کے نام نامی پیش کرنا کافی ہے۔ پنڈت بشمبر ناتھ صاحب۔ پنڈت اجودھیا ناتھ کنزرو۔ پنڈت جانکی ناتھ مدن۔ پنڈت رتن ناتھ در سرشار۔ پنڈت شام نراین مسلدان۔ پنڈت اندر پرشاد کچلو۔ پنڈت بشن نراین در۔ پنڈت شنکھ چیین ناتھ در۔ پنڈت برج نراین چکبست تحقیقات لغات کے میدان میں پنڈت راجناتھ صاحب یکۂ تاز ہیں۔

جو کچھ اِن اوراق میں بیان ہوا ہے اُس کی صداقت ہر سخنور کے حالات اور کلام سے ہو سکتی ہے۔

آخر میں اپنا فرض سمجھتا ہوں کہ جملہ ارباب قوم اور اپنی جانب سے شکریہ پنڈت برجکشن صاحب کول بیتجر اور پنڈت جگموہن ناتھ صاحب شوق کا ادا کیا جاوے جنکی محنت شاقہ اور عرقریزی کا نتیجہ یہ یادگار ہے جسکے فراہم کرنے اور ترتیب دینے میں دونوں صاحبوں کی سعی بفضلہ مشکور ہوئی ساتھ ہی اُن دریا دل اصحاب قوم کا شکریہ لازم آتا ہے

جنکی امداد سے یہ شاہد رعنا زیور طبع سے آراستہ وپیراستہ ہوئی اور حجلۂ فراموشی سے بازار اشاعت میں آئی اب نظربازان حسن اس کا جلوہ ملاحظہ فرمائیں۔ بزرگان سلف کے حق میں دعائے خیر سے دریغ نہ فرمائیں اور موجودہ طبع آزمایان کے جودت طبع کی خاطر خواہ داد دے کر اُنکی حوصلہ افزائی فرمائیں۔ حسنات پر نظر قبولیت ڈالیں اور نقائص اور عیوب سے بمضمون الانسان مرکب الخطاء والنسیان چشم پوشی روا رکھیں۔ ع بر رسولاں بلاغ باشد و بس +

کیا اچھا ہوتا اگر ایسی نادر کتاب کی تقریب عوام سے کرانے کی خدمت کسی لایق و فایق بزرگ کے قلم کے سپرد ہوتی جسکی روانی دلوں پر سکہ بٹھا دیتی۔ اپنی ہیچمدانی اور ناقابلیت کا معترف راقم الحروف نہایت شرمندہ ہے کہ وہ ایسے بے بضاعت ہدیہ سے زاید اور کچھ نذر نہ کر سکا۔ الا یہ امر ضرور اُسکے اطمینان کا موجب ہے کہ اُس نے الامر فوق الادب کے اصول کو مدنظر رکھا اور اپنے محبان بے تجبر اور شوق کے ارشاد کی تعمیل سے سر مو انحراف نہ کر سکا۔

رشتہ در گردنم افگندہ دوست

می برد ہر جا کہ خاطر خواہ اوست

خاکسار پنڈت امرناتھ مدن تحصیلدار پنشنر ساحر

دہلی۔ محلہ چوریگراں۔ لال حویلی۔ مورخہ ۲۲ اپریل ۱۹۳۰ء

قطعات تاریخ

نشاں از پنڈتِ کشمیر میدار فضیلت ہا ‌‌‌ بقائے نام او از یادگارِ روشنش جوئید

چو پرسندست ز سال طبع ایں دفتر بگو ساحر ‌‌‌ بہارِ گلشن کشمیر ایمن از خزاں گوئید

۲۰۰ - ۴۰۰ - ۵۲۰ - ۱۱ - ۸ - ۶۵۸ - ۴۰/۱۴۱

سمت ۱۹۸۶

دیگر

خلاف نیست اگر گو یمت دل خلقی ‌‌‌ ز نغمہ ہائے حقیقت سراست وجدائی

چو سال طبع ہمی خواستم ز ہاتف غیب ‌‌‌ ایاغ و گلشن کشمیر گشت ازرائی

۱۹۸۸

تقریظ ریختۂ کلک جواہر سلک ناظر سرمایۂ افتخار و ناز

جناب پنڈت سندر نراین مشران صاحب فرخ آبادی

ایم-آر-اے-ایس-ایف-ٹی-ایس

للہ الحمد ہر آن چیز کہ خاطر میخواست　　آمد آخر ز پس پردۂ تقدیر پدید

حضرات ناظرین - تذکرہ "بہار گلشن کشمیر" آپ کے پیش نظر ہے اور مطبوع انام اور مقبول خاص و عام ہے۔ اس سے پیشتر ایک تذکرہ موسوم بہ "چمنستان کشمیر" عالم وجود میں آچکا ہے جسکے مولف پنڈت نرنجن ناتھ عرف صاحب مشتاق تخلص مرحوم و مغفور تھے۔ اس میں چند شعراے قوم کا کلام فصاحت نظام جو دستیاب ہو سکا وہ درج کیا گیا ہے اور چند صفحات پر محدود ہے سنا گیا ہے کہ راے رایان پنڈت ٹیکا رام ظفر نے شعراے قوم کا ایک تذکرہ فارسی میں ترتیب دیا تھا مگر وہ گذشتہ پچاس سال کے اندر کسی کی نظر سے نہیں گذرا۔ شکر ہے کہ پنڈت جگموہن ناتھ صاحب رینہ ڈپٹی کلکٹر پنشنر کی کوشش بلیغ سے ایک مبسوط اور جامع تذکرہ کشمیری پنڈت شعرا کا مدون ہوا ہے جو ۳۲۶ شعرا کے کلام اردو و فارسی پر مشتمل ہے اور مولف موصوف کی چند سال کی محنت شاقہ کا نتیجہ ہے ؎

شکر کہ خمازہ بہ منزل رسید　　زورق اندیشہ بہ ساحل رسید

ارباب قوم کے اکثر افراد ایسے جامع تذکرہ کی ضرورت محسوس کر رہے تھے۔
اس تذکرہ میں متقدمین - متوسطین اور متاخرین - تینوں دوروں کے شعرا کا نام درج ہے اور ہر دور کے شاعروں کا کلام اپنے دور کی خصوصیات کو بخوبی ظاہر کر رہا ہے - دور اخیر یعنی دور حاضرہ میں حضرات اثر - سرشار - چکبست بزم سخن کے مسند آرا معلوم ہو رہے ہیں جن کا کلام فصاحت نظام و بلاغت التزام خط و خال کے مضامین پیش افتادہ اور حسن و عشق کے خیالات پست و رکیک سے اسی قدر منزہ ہے جس قدر دور اول کے غزل گویوں کا کلام حقایق واقعیہ اور واقعات نفس الامری کے بیان سے معرا ہے۔

متقدمین کی مثنویوں کا وہ جادو جس نے کسی وقت تمام سوسائٹی کو اپنے اوپر فریفتہ کر لیا تھا اب بوڑھے غمزوں کی طرح بے لطف ہے۔ اعلیٰ درجہ کا اخلاق۔ اسلاف کے کارنامے۔ غیرت و حمیّت کے جذبات برانگیختہ کرنے والے خیالات جو دورِ حاضرہ کے شعرا کے کلام کا جزوِ اعظم ہیں جن سے قوم حضیضِ مذلّت سے اُبھر کر معراجِ ترقّی پر پہنچ سکتی ہے اُن سے دورِ اوّل کے شعرا کا کلام خالی ہے۔ باستثناء چند کتابوں کے جن میں طعن و ضرب اور جنگ و حرب کا بیان ہے یا جو معبودِ حقیقی کے شیون و صفات اور طریقِ معرفت و سلوک سے مملو ہیں کسی میں تو فوق العادۃ افسانے اور جھوٹے قصّے ہیں کسی میں رتود والواط و اوباش کی ضیافتِ طبع کا سامان مہیا کیا گیا ہے۔ کسی میں محض صنائعِ شعریہ کی داد دی گئی ہے کسی میں تعریفِ شراب اور مدحیہ قصائد ہیں جن میں وہ طوفان کے تودے بنائے گئے ہیں کہ الامان بہت کم کوشش اس بات کی کی گئی ہے کہ مفید اور پاکیزہ خیالات عام فہم الفاظ میں ظاہر کئے جائیں یا جدید خیالات ایسے دلکش اور دل آویز پیرایہ میں بیان کئے جائیں کہ دلوں کو تسخیر کر سکیں۔

قوم کو خوابِ غفلت سے بیدار کرنے والے خیالات۔ اُس کو پستیِ زوال سے اُبھار کر اوجِ کمال پر پہنچانے والے خیالات قوم کی غیرت اور حمیّت کی رگ کو حرکت دینے والے خیالات۔ اُس کے نام و ننگ کے جذبات کو برانگیختہ کرنے والے خیالات اگر نظمِ اردو و فارسی میں داخل کئے جائیں اور آدابِ شاعری کا برتاؤ بھی کیا جائے تو یقیناً آجکل عام طبائع کے نزدیک نہایت پسندیدہ ہو اور ملک و قوم کے فروغ کا باعث ہو۔ اس تذکرہ میں پنڈت بشن نراین در آبر۔ پنڈت رتن ناتھ در سرشار اور پنڈت برج نراین چکبست کا کلام ایسا ہے جو اوصافِ مذکورہ بالا کا معتدبہ حصّہ شامل رکھتا ہے۔ یہ حضرات دورِ حاضرہ کے چمنستانِ سخن کے گل سرسبز نظر آتے ہیں جن کے کلام بلاغت نظام میں فوق العادت باتیں کمتر ہیں جن سے فطرتِ انسانی اِبا کرتی ہو۔

ذکرِ تالیفِ تذکرہ "بہارِ گلشنِ کشمیر" مع حالات و اوصافِ مولف

اولاً شعرائے قوم کا کلام فراہم کرنے کا شوق پنڈت برج کشن کول صاحب بیخبر تخلص نبیرہ پنڈت سری کشن کول صاحب عرف بھیا جی المتخلص بہ یاس کو پیدا ہوا۔ ڈھائی سال کی جدّوجہد کا نتیجہ یہ ہوا کہ دو سو شعرا کا کلام انھوں نے جمع کر لیا یہ صاحب فی الحال بعہدۂ ڈپٹی اکونٹنٹ محکمۂ ڈاک و تار برقی بمقام کلکتہ مامور ہیں عمر تخمیناً چالیس سال ہے اور ایف اے پاس ہیں۔ حضرت رینہ کو بمقام جے پور اُن سے ملنے کا اتفاق ہوا۔ جناب کول صاحب کے پاس خاطر سے رینہ صاحب نے تذکرہ کی ترتیب و تدوین اپنے ذمہ لی۔ کول صاحب نے وہ تمام کلام رینہ صاحب کو حوالہ کیا اور یہ استدعا کی کہ ہر شاعر کا کلام اُس مجموعہ سے انتخاب کیا جائے جو تنقیح و تہذیب کے بعد ایک تذکرہ کی شکل میں مدون ہو کر کتاب نما قالب میں طبع ہو۔ حضرت رینہ کا بیان ہے کہ پہلے تو میں اس کام کو آسان سمجھا لیکن بعد میں معلوم ہوا کہ یہ کام بازیچۂ طفلاں نہیں ہے ع کہ عشق آساں نمود اوّل ولے افتاد مشکلہا۔ حضرت مولف نے تین سال کی محنت شاقہ میں یہ تذکرہ ترتیب دیا۔

جناب رینہ صاحب کا مولد و منشا مقام اندور ہے۔ آپ کی ولادت باسعادت ماہ اگست ۱۸۶۳ء مطابق ماہ بھادوں سمت ۱۹۲۱ بکرمی کے ظہور میں آئی۔ اردو، فارسی وغیرہ کی تحصیل گھر پر مکتب میں کی اور انگریزی ہلکر کالج اندور میں پڑھی۔ بزرگوں کے تعلقات تین پشت سے ریاست جاورہ سے رہے تھے مگر حضرت مولف ۱۸۹۰ء میں سر آکلینڈ کالون صاحب بہادر لفٹننٹ گورنر ممالک متحدہ کے عہد میں پروبیشنری ڈپٹی کلکٹر کے عہدہ پر یو۔ پی میں ممتاز ہوئے اور سی سالہ ملازمت نہایت نیک نامی کے ساتھ بطریق احسن ختم کر کے پنشن سے مستفید ہوئے اور اب بمقام الہ آباد رونق افروز ہیں۔ آپ کے خلفِ اوسط پنڈت چندر موہن ناتھ صاحب رینہ باندہ میں عہدہ تحصیلداری پر مامور ہیں اور خلفِ اصغر پنڈت مدن موہن ناتھ صاحب رینہ ایم۔ اے۔ ایل۔ ایل۔ بی ہائی کورٹ الہ آباد کے

ایڈووکیٹ ہیں۔ دونوں صاحبزادگان والا دودمان اوصاف حمیدہ سے متصف اور اخلاق پسندیدہ سے موصوف ہیں اور بمصداق اَلْوَلَدُ سِرٌّ لِاَبِیْہِ اپنے بلند پایہ والد بزرگوار کے نقش قدم پر چلنے والے ہیں۔ حضرت مولف اردو، فارسی، انگریزی تینوں زبانوں کے علم میں پایگاہ بلند رکھتے رکھتے ہیں۔ فن شعر گوئی میں آپ کو اولاً حضرت امیر مینائی سے تلمذ تھا لیکن اُنکی وفات کے بعد حضرت سید محمد نوح شہیر مچھلی شہری یادگار حضرت منیر مرحوم سے اصلاح سخن لیتے رہے۔ حضرت رینہ بہت خوش فکر شاعر ہیں اور فن شعر میں دستگاہ وسیع رکھتے ہیں۔

اس تذکرہ کی ترتیب وتالیف میں کن کن کتابوں سے مدد لیگئی

حضرت مولف کی تلاش و تفحص کا اندازہ قارئین کرام اُس وقت کر سکیں گے جبکہ اُن کو بتایا جائے کہ حسب ذیل تذکروں سے چھان بنان کی گئی ہے اور نظم و نثر اردو و فارسی کا ایک دفتر بہ صرف کثیر فراہم کیا گیا ہے "خمخانۂ جاوید۔ تذکرہ شعراے ہنود۔ نغمۂ عندلیب۔ گلستانِ سخن۔ سراپا سخن۔ تذکرہ نساخ۔ خزانۂ عامرہ۔ یادگار ضیغم۔ ارمغان گوکل پرشاد۔ گلستانِ مسرت۔ چمنستان کشمیر"۔ علاوہ کتب مذکورہ کے "مراسلہ کشمیر۔ کشمیر درپن۔ اردوے معلّٰے۔ زمانہ۔ بہار کشمیر۔ صبح کشمیر" کی جلدوں سے بہت متفرق کلام منظوم فراہم کیا گیا ہے۔ پنڈت تربھون ناتھ ہجر کا کلام جمع کرنے کی غرض سے اودھ پنچ، کی جلدیں ۱۸۷۷ء سے ۱۸۹۰ء تک دیکھی گئیں۔ اور اس تمام دفتر کی ورق گردانی کے بعد حضرت ہجر کی نظمیں نقل کی گئیں ؎

تمتع زہر گوشۂ یافتم ... زہر خرمنے خوشۂ یافتم

گویا تذکرہ بہار گلشن کشمیر بجاے خود ایک گلدستۂ پُر بہار ہے جو بہت سے چمن زاروں سے انواع و اقسام کے گل بیخار دامن دامن چُنے جانے کے بعد ترتیب دیا گیا ہے۔

تذکرہ ہذا کی خصوصیات

اس تذکرہ کی خصوصیات یہ ہیں کہ ہر شاعر کا کلام جس قدر دستیاب ہوا اُس کا معتد بہ حصہ درج کیا گیا ہے۔ اس سے مقصود یہ ہے کہ ہر شاعر کی طبیعت کا رنگ اور

اُسکے کلام کی مخصوص خوبیاں کما حقہٗ ظاہر ہوں اگر دو چار شعرا انتخاب کرکے لکھے جاتے جیساکہ تذکرہ "گلشنِ بیخار" وغیرہ میں دیکھا جاتا ہے تو کسی طرح معلوم نہیں ہو سکتا کہ شاعر اصناف سخن میں سے کس صنف پر قدرت رکھتا ہے۔ استعارہ گو ہے یا واقعہ نگار۔ عاشقانہ طبیعت رکھتا ہے یا حکیمانہ۔ مذاق صوفیانہ و عارفانہ رکھتا ہے یا استدلال منطقیانہ و فلسفیانہ کرتا ہے اور جس دَور میں وہ شامل کیا گیا ہے اُس دور کے شعرا کے کلام سے اُس کا کلام مطابقت رکھتا ہے یا نہیں۔ دوسرے یہ کہ جو کلام محض رندی و شاہد بازی اور وصل و ہجر کے فحش مضامین پر مشتمل تھا یا جس میں ضعف تالیف یا مذاق عامیانہ تھا وہ درج تذکرہ نہیں کیا گیا تاکہ نوجوان ناظرین کے اخلاق پر بُرا اثر نہ پڑے اور سست اشعار کی تقلید کرنے سے نومشق شاعروں کی طبیعت مضامین پست کی طرف مائل نہ ہو۔ پُرانے شاعروں کے کلام نظم میں کہیں ہزل غلیظ ہے کہیں فحش سخیف کہیں رندی و شاہد بازی نظر آتی ہے کہیں آوارگی و بدمستی و بے سروسامانی کی ہدایت کی جاتی ہے۔ کہیں ننگ و ناموس پر بدنامی و رسوائی کو ترجیح دیجاتی ہے کہیں مآل اندیشی و کفایت شعاری کو بالائے طاق رکھنے اور ناعاقبت اندیشی و فضول خرچی اختیار کرنے کا سبق پڑھایا جاتا ہے۔ کہیں زاہد کی دستار شریف رہن میکدہ ہو گئی ہے کہیں حضرتِ واعظ پر سرِ منبر دھول پڑ رہی ہے۔ اصلا ممکن نہیں کہ ایسی کتابوں نے سوسائٹی کو اپنے بُرے اثر سے اچھوتا چھوڑا ہو کیونکہ شعر خواہ عاشقانہ ہو یا صوفیانہ یا حکیمانہ اُسے اخلاق کے ساتھ ایک پوشیدہ تعلق ضرور ہوتا ہے پس حضرت مولف نے جو ایسے مضامین کو اپنے تذکرہ سے خارج رکھا ہے تو گویا اس کتاب کو قبائح مذکورہ بالا سے منزہ رکھ کر شاہراہ قائم کی ہے۔

ہماری قوم کے شعرا۔ ادیب اور واقفان فن جو اپنے عہد میں آسمان سخن کے نیّر رخشاں اور زندہ جاوید ہونے کے مستحق تھے امتداد زمانہ سے اُن کا نام صفحۂ روزگار سے حرف غلط کی طرح محو ہو گیا تھا اور بہت سے گوشہ گمنامی میں پڑے ہوے

عنقا صفت بے نشان تھے وہ سب اس تذکرہ میں جگہ پاکر منظر عام پر آگئے اور کاملین فن کا وہ کلام جو تا قدر دانی زمانہ سے طاق نسیان کی زیب وزینت ہو رہا تھا اس تذکرہ کی بدولت نزدیک و دور معروف و مشہور ہو جائیگا۔ ع نوشتہ بماند سیہ بر سفید + حضرت رینہ نے ان سب ناموران قوم کے ساتھ مسیحائی کی کہ اس تذکرہ میں اُنکا نام اور کلام اور سوانحعمری داخل کرکے اُنکو از سر نو زندہ کردیا

چو عیسے اوے این مردگان را تمام — سراسر ہمہ زندہ کردہ بنام
ہمہ مردہ از روزگار دراز — شد از گفت وے نام شان زندہ باز

مؤلف نے شعرا کا نام اور تخلص دریافت کرنے میں نہایت تلاش اور تفحص سے کام لیا ہے دوسرے یہ کہ ہر شاعر کا منتخب کلام اور اُسکے حالات مثل سوانحعمری کے نہایت کوشش سے پوری صحت کے ساتھ تحقیق کرکے عبارت فصیح وسلیس میں درج کئے ہیں جس سے کتاب ناظرین کے لئے غیر معمولی دلچسپی کا باعث ہوگئی ہے۔ انتخاب اشعار میں مولف نے شعر کا مذاق سلیم اور وجدان صحیح ظاہر فرمایا ہے گویا تذکرہ کو مجموعہ دواوین بنا دیا ہے۔ غرضکہ یہ تذکرہ حضرت مولف کی سعی مشکور اور محنت بالاے طاق کا نتیجہ ہے۔ راتوں کو اُس وقت جبکہ ایک عالم عالم خواب اور حالت استراحت میں ہوتا ہے جناب رینہ صاحب چراغ جلاے دیدہ ریزی کرتے اور چراغ کے دھوئیں کو سرمہ کی طرح آنکھوں میں لگاتے ہوے نظر آتے تھے جس طرح یہ تذکرہ حُسن معنی میں لاجواب اور کتابت طباعت اور کاغذ وغیرہ کی خوبیوں کے لحاظ سے حسن صورت میں بھی بے نظیر ثابت ہے اسی طرح اس نے اپنی رنگینی اور نقش ونگار اور گل کاریوں سے صفحۂ قرطاس کو چمن زار بنا دے۔

حضرت رینہ نے تذکرہ لکھ کر گویا اپنی خود نوشتہ یادگار ایسی قائم کی ہے جو شکر گذار افراد قوم کے دلوں پر سویدا کی طرح ہمیشہ نقش رہیگی ؎

نام نیک رفتگان ضائع نہ کرد — تا بماند نام نیکش بر قرار

راقم پنڈت سندر نراین مشران
ایم ۔ آر ۔ اے ۔ ایس ۔ ایف ۔ ٹی ۔ ایس
مبر مجلس ہندو مسلم اتحاد بورڈ فرخ آباد

تقریظ ریختۂ خامۂ مشکیں شمامہ ناثر بدیع نگار شاعر شیریں گفتار طلسم آرائے بزم خیال جناب پنڈت کنور گوری پرشاد صاحب ہمدم اکبرآبادی

الحمد للہ قدرت کاملہ و بالغہ نے کیسے کیسے چمن پیش نظر کر رکھے ہیں کہ جنکو دیکھ کر محویت کا عالم ہمیں ہو جاتا ہے۔ ان چمنوں کو جنھیں باغبانِ قدرت نے سجایا ہوا ہے انسان دیکھ دیکھکر اپنے دلوں میں عجیب و غریب خیالات پیدا کرکے اسکی تتبع میں اپنے اپنے چمن سجایا کرتے ہیں مگر یہ چمن چندروز بہاریں ہوتی ہیں۔ ان کی بہاریں موسم خزاں میں ہوا ہو جاتی ہیں۔ ان کے رنگ بدرنگ ہو کر اُڑ جاتے ہیں۔ مگر کچھ ایسے دماغ قابلِ رشک بھی ہوتے ہیں جو قدرت کی دستکاریوں پر لوٹ ہو کر ایسی ایسی گلکاریوں اور تراشوں سے جنھیں خزاں کے تھپیڑے کا ڈر نہیں ہوتا چمن آرائیاں کرتے ہیں اور اپنے ایجاد کردہ چمنوں میں وہ وہ گُل کھلاتے ہیں کہ بے شمار دفینے نمایاں ہو کر یہ روکش چرخِ مینائی بن جاتے ہیں

ایسے ہی قابل رشک اور متفخر ایجاد کنندوں میں ہمارے کرمفرما جناب پنڈت جگموہن ناتھ رینہ صاحب شوق ریٹائرڈ ڈپٹی کلکٹر ممالک متحدہ آگرہ ہیں۔ جن کی نظرِ فکر ایک تیز نظر کی ہمراہی میں مشغلِ تجسس لیکر متواتر چھ سال سے رات دن ہندوستان کا گز بنی پھرتی ہے۔ ان کے قدم نگاہ سے کوئی پہاڑ بچا نہیں ہے۔ ہر چٹان پر۔ ہر غار میں جا پہنچی ہے دریاؤں کو عبور کرنا ان کی فکر غوّاصہ کے رو برو بائیں ہاتھ کا کام ہے۔ شہروں ویرانوں میں چپہ چپہ پر ان کی دوربینِ نظر نے خُردبین کا کام دیا ہوا ہے۔ ہمتِ مرداں مددِ خدا کا صحیح مصداق ایسے ہی مردانِ ہمت پر ہو سکتا ہے۔ اپنی عرق ریزی اور جان توڑ کوششوں سے اس مردِ سخن ہمدرد قوم نے جس کو خود بھی نظم کا بے حد شوق ہے اور شوق ہی کو اپنا تخلص قرار دیا ہے۔ باغ ہندوستان سے وہ وہ پودے اور وہ وہ بیج جن میں نشو و نما کی

ذراسی بھی قوت موجود تھی اور جن کو کرموں نے خورد برد کر کے ستیاناس نہیں کیا تھا فراہم کئے اور وہ وہ نخل جو ابھی تک اہل نظر سے روپوش تھے جمع کئے اور ان سبھوں کو یکجا کر کے اپنے ایجاد کردہ گلشن میں جس کو "بہار گلشن کشمیر" کہتے ہیں خوش سلیقہ سے روشوں پر جلوہ فگن کیا ہے۔ اس بہار افزا مقام پر ان کی فکر رسا کی تراشیں قابل دید ہیں۔ ایسی ایسی دلکش نہریں یہاں کاٹ کر نکالی گئی ہیں کہ مردہ پودھوں اور گملائے ہوئے تھالوں میں دوبارہ جان پڑ گئی ہے۔ دم عیسیٰ اس رشک مسیح کے نفس کے روبرو گرد ہے کیونکہ یہاں مُردوں میں وہ روحیں پھونکی گئی ہیں جو قیامت تک ساتھ نہ چھوڑیں گی۔ اور زندوں پر وہ دم دم کیا گیا ہے کہ روحیں فنا ہونا جانتی ہی نہیں۔

کہاں ہیں پیر خضر بادیہ پیمائی کو چھوڑیں اور اس تجربہ کار رہنمائے قوم شائقِ عروسِ بہارِ چمنِ نظم کو رشک کی آنکھ سے دیکھیں۔ خود مطلبی خود غرضی سے یہاں سروکار مطلق نہیں اگر آپ آبِ حیات نوش جان کیا ہے تو ایک دو نہیں بلکہ سیکڑوں تاجدارانِ سخن رشکِ سکندر کو خوابِ مرگ سے شانے ہلا ہلا کر حیات جاودانی کے مزے چکھا دیے ہیں اور بیسوں شاہانِ ملکِ نظم پر گلاب پاشوں میں امرت بھر بھر کر ایسی بوچھار کی ہے اور امرت کے بھرے بھرے پیالے انھیں پلائے ہیں کہ یہ سب امر ہو گئے ہیں اور ان کے راج اٹل ہو گئے ہیں۔ بھلا جس چمن پر ایسی بوچھاریں امرت کی کی جائیں اس کی بہار بے خزاں کا کیا پوچھنا۔ خدا کرے یہ بہار بے خزاں اس مرد شائقِ سخن کا نام باغ ہند سے باہر نکال کر فضائے عالم [illegible] پھیلائے اور تا قیام زمانہ نام ناموری [illegible] کی طرح اڑ اڑ کر اہل دماغ [illegible] اور جس طرح ان کی سعی کامل [illegible] پسند آئی ہے [illegible] نظروں کو بھی پسند [illegible] خواص و عوام [illegible] تاریخی قطعہ [illegible] اس عروس بہار [illegible]

حضرت شوق کو نذر کرتا ہوں۔ مصرعہ گر قبول افتد زہے عزّ و شرف۔

قطعہ

میرا ہمدم بن گیا رشکِ مسیح　　جی اُٹھے مردے پڑھا اس نے وہ اسم
لکھ قلم جادو رقم تاریخ تو　　شوق کا مضمون تازہ ہے طلسم

۴۲۷　۱۳۴۹ ۱۵+۱۳۹ =
سنہ ۱۹۳۰ء

قطعہ دوم

ریاضت شوق دل نے اپنے بس تک تو نہیں چھوڑی　　خدا رکھے اسے یہ باغباں کی جان ہے دل ہے
لکھو تاریخ رنگیں ہمدمِ شیریں نوا تم ہو　　بہار و گلشنِ کشمیر سے شورِ عنادل ہے

۶+۲۰۸　۴۰۰　۵۷۰　۷۰　۵۰۶+۱۵۵+۱۵
سنہ ۱۹۳۰ء

دلدادۂ بہار
ہمدم ناول نگار
اکتوبر سنہ ۱۹۳۰ء

تقریظ منظوم از نتیجۂ افکار گہر بار شاعر سحر نگار
جناب پنڈت شیو ناتھ کول صاحب شاکر از لشکر گوالیار

کس زباں سے ہو ادا شکر خداوند جہاں
نور جس کا ذرّے ذرّے سے عیاں ہے بیگماں

وہ خدا رحمت سے جس نے اپنے بندوں کو دیئے
چشم۔ بینی۔ گوش۔ دنداں۔ بہر گویائی۔ زباں

وہ خدا فضل و کرم سے جس نے بخشے ہیں ہمیں
عقل و دانش۔ علم و فن۔ خُلق و وفا حسنِ بیاں

وہ خدا جس نے بنائے آفتاب و ماہتاب
جس نے تاروں کو کیا زینت فزائے آسماں

وہ خدا پیدا کئے جس نے سحاب و برق و رعد
وہ خدا جس نے کیا بادل میں اک دریا رواں

وہ خدا جس کی نظر ہے باغ عالم پر مدام
جو گلستانِ جہاں کا ہے حقیقی باغباں

وہ خدا جس نے حیاتِ چند روزہ دی ہمیں
چند روز اس میں رہیں ناشاد ہم یا شادماں

آدمی کو کر دیا مختار اپنے فعل کا
اُس کو پھل ویسا ملا جس نے کیا جیسا یہاں

کام ایسا کیجیے دنیا میں جس سے نام ہو
جس کی ہو توصیف میں سارا جہاں رطب اللساں

اب سناتا ہوں میں وہ مژدہ بصد شوق و طرب
سُننے والے جس کو سن کر ہوں نہایت شادماں

خندۂ شادی بلب ہے میرے خامہ کا شگاف
ہے قلم ہاتھوں میں میرے آج شاخ زعفراں

مژدہ باد اے کشور ہندوستاں کے اہل قوم
مژدہ باد اے خطۂ کشمیر کے پیر و جواں

بعد مدت اب چھپا ہے قوم کا وہ تذکرہ
جس کا اہلِ قوم کو تھا اشتیاقِ بیکراں

اپنے قومی بھائیوں کا درج ہے اس میں کلام
اور اُن کے مختصر حالات کا بھی ہے بیاں

تذکرہ یہ وہ ہے جس سے عالم ایجاد میں
مدتوں قائم رہیگا قوم کا نام و نشاں

تذکرہ یہ وہ ہے جس کو قوم کے خورد و بزرگ
شوق سے ہر وقت رکھینگے بنا کر حرز جاں

تذکرہ یہ وہ ہے اس کو جو پڑھینگے غور سے
واقعی ہو جائینگے وہ نکتہ سنج و نکتہ داں

تذکرہ یہ وہ ہے پاکیزہ۔تبرک کی طرح
اس کو ہاتھوں ہاتھ لیجائینگے سب پیر و جواں

اس سے پہلے کب ہوا تیار ایسا تذکرہ
گو بہت ہیں قوم میں اہلِ قلم۔اہلِ زباں

کیجئے بیحد نہ کیوں لعل و گہر اس پر نثار
پائی ہے اہلِ سخن نے اس سے عمرِ جاوداں

کیسے کیسے گل ہیں اس میں۔کیسے کیسے رنگ ہیں
واقعی یہ تذکرہ ہے بوستانِ بیخزاں

غنچۂ باغِ فصاحت کس لئے کہئے اسے
کیوں نہ کہئے اسکو گلزارِ معانی و بیاں

نکہتِ گلہائے رنگارنگ کیوں کہئے اسے
کیوں نہ کہئے جامِ گل ہیں جس سے مے گلگوں عیاں

نغمہائے سازِ قومی کس لئے کہئے اسے
کیوں نہ کہئے اسکو شمعِ محفلِ کشمیریاں

کیوں توانائیِ قلبِ ناتواں کہئے اسے
کیوں نہ کہئے روشنیِ دیدۂ اہلِ جہاں

انبساطِ خاطرِ ناشاد کیوں کہئے اسے
کیوں نہ کہئے فرحت و آرامِ جانِ خستگاں

رنگ و بوئے بوستانِ قوم کیوں کہئے اسے
کیوں نہ کہئے اس کو جسمِ قوم کی روحِ رواں

داستانِ دوستانِ قوم اسے کہتے ہیں سب
واقعی ہے دوستانِ قوم کی یہ داستاں

یادگارِ قوم مدت تک رہیگی یہ کتاب
ہونگے سب چھوٹے بڑے پڑھ پڑھ کے اسکو [illegible]

یہ نتیجہ کوششوں کا ہے جنابِ شوق کی
جو ہیں اک سچے محبِ قوم و آلِ خانداں

تجربہ۔تہذیب۔دانش۔راستی۔اخلاق انس
لاجواب ان میں ہیں سب اوصاف یہ بیشک کہاں

لفظ انساں انس سے مشتق ہے جیسے انس ہے
وہ بھی ہم [illegible] مقبول [illegible]

پہلا پایہ انس کی تعمیر کا اخلاق ہے
[illegible] مکاں

[illegible] میں سب اخلاق [illegible]
[illegible]

[illegible] اخلاق [illegible] انساں [illegible]
[illegible]

[illegible] اخلاق [illegible]
[illegible]

کس لیاقت سے لکھا ہے آپ نے یہ تذکرہ — مرحبا ہے۔ مرحبا ہے۔ آپ کو اے مہرباں
ہر طرح کی واقفیت خوب پہنچائی بہم — خوب اُٹھایا آپ نے اس کام کا بارِ گراں
کام ہو سکتا تھا یہ۔ بس آپ ہی کی ذات سے — آپ ہیں خود شاعرِ معجز بیان و نکتہ داں
جو محبِّ قوم ہیں وہ سب کرینگے اسپہ فخر — قدر افزائی کرینگے آپ کی سب قدرداں

ہوگئی تعمیلِ ارشادِ جنابِ شوق کی — اے دلِ پُر شوق۔ بس اب روک خامہ کی زباں
تا ابد اس تذکرے کے گل مہکتے ہی رہیں — یہ چمن دائم رہے محفوظِ آفاتِ خزاں
ہے سنِ اُنیس سو اکتیس ۱۹۳۱ سالِ انطباع — یا خدا یہ تذکرہ ہو زینت افزائے جہاں
وصف اسکے سارے اہلِ قوم پر ہوں آشکا — خوبیاں اس تذکرے کی سب کے ہوں وردِ زباں

لائے باغِ قوم میں یہ جلد اے شاکرؔ بہار
ہو نسیمِ اُنس اِس سے۔ اُسکے غنچوں پر رواں

فقط

قطعہ تاریخ از خوش فکری ہاے شاعرِ عالی ہمم عندلیبِ ریاضِ سخن جناب دیوان پنڈت رادھے ناتھ کول صاحب گلشنؔ رئیس لاہور

سخن نفیس خیالات کا ہے سرچشمہ — جہاں میں جس سے ہے قایم سخنوروں کا نشاں
کیا ہے شوقؔ نے یکجا جسے وہ گنجینہ — بہارِ گلشنِ کشمیر ہے سخن کی جاں

سمت ۱۹۸۷ بکرمی

قطعہ تاریخ از نتائج افکار گوہربار عندلیب شاخسار نازک خیالی جناب پنڈت نند لال کول صاحب

طالب از سرینگر کشمیر

سرود و شعر و نقاشی بہ فن است جوہر فطرت
کسے کو بہرہ زیں یک ہم ندارد نیست سامانش

نوائے نغمۂ دلکش کہ قوتِ روح انسان است
نواں بشنید از سوزِ حقیقت سازِ پنہانش

مصوّر چوں کشد نقشے زکلکِ رنگ آمیزی
زخاطر محو گرداند خلیل اللہ گلستانش

زشعر روح پرور عالمِ مستی شود پیدا
بوجد و حال آید دل - دل و جاں باد قربانش

چناں مستی کہ حسن و عشقِ کامل راست تفسیرے
زشعر نغز و لطف انگیز باید رنگِ امکانش

زروے یاس و حسرت جامۂ تن چاک باید کرد
ہر آنکس را کہ ننگِ عاشقی باشد گریبانش

کسے کز نوبہارِ داغِ دل محرومی دارد
سرشکِ لالہ گوں زیبد بجائے گل بدامانش

ازیں روشن شاعرِ معجز بیاں را اقتدارے ہست
کہ موجوداتِ عالم اند زیرِ بارِ احسانش

پس آنکس را کہ خواہد جمع آرد مجلسِ شعرا
سزد گر عالمے از یک زباں باشد ثنا خوانش

خوشا وقتے کہ شوقِ ہمتِ مشکل پسندِ ما
کمر را چست کردہ در احیاے بزرگانش

پئے تاریخ سالش بے تامل زد رقم طالب
بہارِ گلشنِ کشمیر حق آثار عنوانش

سنہ ۱۹۸۸ بکرمی



پنڈت برج کشن کول - بیخبر

فہرست اسمائے شعرائے مندرجہ تذکرہ

"بہارِ گلشنِ کشمیر"

جلد اول

فہرست اسمائے شعرائے تذکرہ بہار گلشن کشمیر بلحاظ حروف تہجی

فہرست تصاویر شعرائے "بہار گلشن کشمیر"

جلد اوّل

اوم

آذر۔ پنڈت جوالا پرشاد صاحب پارمو برجباسی خلف پنڈت دیبی پرشاد بشن چند صاحب پارمو متخلص بہ شوکت۔ آپ لکھنؤ میں قیام رکھتے تھے اوائل عمر میں اپنے بڑے بھائی پنڈت گنگا پرشاد صاحب رند کے پاس بریلی اور اکبر آباد میں رہے پھر بتقریب ملازمت محکمہ پولیس مظفر نگر شاہدرہ اور متھرا میں متعین رہے انجام کار پنشن لیکر باقی زندگی متھرا میں بسر کی فن شعر میں اپنے بڑے بھائی رند سے مشورہ لیتے تھے ۱۲ دسمبر ۱۸۶۲ء مطابق سمبت ۱۹۲۰ کو ۶۵ سال کی عمر پاکر انتقال کیا کلام میں روانی اور طبیعت میں رجحان جانب فقیری پایا جاتا ہے اشعار اور رباعیات ذیل اُن کی یادگار ہیں۔

مخمس فارسی بر غزل عصمت بخارائی

گر ترا ہست تمیز و خرد و دانش و ہوش — ایں حدیث خوش و دلچسپ ز آذر بہ نیوش
کز سر وردِ مئے عشقے دلم آمد چو بجوش — سر خوش از کوے خرابات گذر کردم دوش
بہ طلبگاریِ ترسا بچۂ بادہ فروش

غیر وحدت نہ در آمد بہ نظر آثارے — کہ بجز جلوۂ یک گل نہ در انجا خارے
محو نظارۂ آں بود دل من بارے — پیشم آمد ز سرِ کوچہ پری رخسارے
کافرِ عشوہ گرے زلف چو زنار بدوش

وہ چہ کافر کہ رخش آئینۂ نورِ خدا است — زلف او دامِ دلِ مومن و گبر و ترسا است
قدرتِ حق ز سراپائے وجودش پیدا است — گفتم ایں کوئے چہ کوئیست و ترا جائے کجا است

اے مہ نو خم ابروئے ترا حلقہ بگوش

این سخن کرد ز من گوش چو آں عجز پسند ‌ ‌ آمدش رحم چو دانست مرا حاجتمند
نگہے لطف بمن کرد و بہ آوازِ بلند ‌ ‌ گفت تسبیح بخاک افگن و زنار بہ بند

سنگ بر شیشۂ تقوی زن و پیمانہ بنوش

ورنہ زیں گلشنِ بے خار بہ بندی طرفے ‌ ‌ گر چنیں توشہ دریں راہ نباشد صرفے
اوّل ایں حکم بجا آر چو داری ظرفے ‌ ‌ بعد ازاں سوے من آتا بتو گویم حرفے

راہ پیش آر اگر بر سخنم داری گوش

دیدہ از دیدنِ خود بستم و دیدم سُویش ‌ ‌ ہمہ تن باز دلِ خویش کشیدم سُویش
بند از ہم ہمہ بگسستہ رسیدم سُویش ‌ ‌ دل ز کف دادم و مدہوش دویدم سُویش

تا رسیدم بمقامے کہ نہ دیں ماند و نہ ہوش

چہ مقامے کہ کند رفعتِ گردوں راپست ‌ ‌ تا بہ آں وہم ملک ہم نتواں صورت بست
از پسِ پردۂ چشمے منِ دل دادہ ز دست ‌ ‌ دیدم از دور گروہے ہمہ دیوانہ و مست

از تفِ بادۂ عشق آمدہ در جوش و خروش

چہ گروہے کہ بہم جملہ مطیع اند و مطاع ‌ ‌ ہمہ تن دادہ در آمد بہ نگاہم اجماع
عقل و ہوش و دل و دین و تن و جاں کردہ وداع ‌ ‌ بے مئے و مطرب و ساقی ہمہ در وجد و سماع

بے مئے و جام و صراحی ہمہ در نوشا نوش

اہلِ ایں کوچہ قلندر منش و رنداں اند ‌ ‌ از متاعِ دو جہاں فارغ و دست افشاں اند
قدسیاں طالبِ یک جُرعہ ز دستِ شاں اند ‌ ‌ ایں خراباتِ مغان است دریں مستاں اند

از دمِ صبحِ ازل تا بہ قیامت مدہوش

آذرؔ اینجا نبود وا ہمہ نیرنگی ‌ ‌ نہ ز دورِ فلکی و غدغۂ دل تنگی
نہ ز علم و عملے وسوسۂ فرہنگی ‌ ‌ گر ترا ہست دریں راہ سرِ یکرنگی

دین و دنیا بہ یکے جُرعہ چو عصمت بفروش

شوق میں کھائے ہیں اک چہرۂ گلگوں کے گل — کیوں نہ رنگیں ہوں مرے گلشنِ مضموں کے گل

رُباعیات

نہ ہمیں رنج کا کچھ رنج نہ راحت کی خوشی — اُس کا جی چاہے سو یہ گردشِ افلاک کرے
دن کہیں، رات کہیں، صبح کہیں، شام کہیں — ایسے ہرجائی سے اُلفت کوئی کیا خاک کرے

دُنیا میں غمِ عبودیت سے چھوٹے — عقبےٰ میں حسابِ معصیت سے چھوٹے
ہر چار طرف کے مٹ گئے وہم و خیال — ہم عشق میں فکرِ شش جہت سے چھوٹے

تدبیر کے جو کہ چھانتے رستے ہیں — تقدیر کے شاکروں پہ ہنستے ہیں
ہنستے ہیں جو آذری اُنھیں ہنسنے دے — یہاں ہنستے ہنستے گھر بستے ہیں

غزل

زاہد بہ کعبہ۔ گبر بہ بُتخانہ آشناست — ما و دلے بہ جلوۂ جانانہ آشناست
این دلبری و شوخی و عیّاریش ببین — گاہے بما و گاہ بہ بیگانہ آشناست
پائے نہادہ ام برہِ کعبہ و حرم — پائے دگر بکوچۂ جانانہ آشناست
صوفی کہ جز بورد گہے لب نمی کشاد — پیمان شکست و بالبِ پیمانہ آشناست
زاندم کہ آذری زدہ ام تکیہ بر غنا — پہلوے ما بہ مسندِ شاہانہ آشناست

ولہ

یاور از بخت خودم ہرگز نیامد این مرا — مژدۂ وصلش دہی ہمدم پئے تسکین مرا

صد سخن گفتم بتو با ما نگفتی یک سخن — زین تغافل شد دلم خون کشت این تسکین مرا
وائے زان چشمے کہ چون ترکان بیک ناگاہ دوش — در ربود از کف دل و صبر و قرار و دین مرا
نیم جانے ہیں تو ام باقیست بر لب جانِ من — گر ترا باور نہ باشد این بیا و بین مرا

بگذرم چون از سرِ عشقِ بتان لے آذری
کز ازل باشد ہمین ملّت ہمیں آئین مرا

نہ دل با من نہ من در خود نہ جانم در تن ست امشب — چہ آفتہا ز ہجر ماہروے بر من است امشب
خطر ہا دارم از بیتا بیش در محفلِ خوبان — بر پہلوے من این دل نیست گوئی دشمن است امشب
چہ کار است آذری بے آن گل خندان بگلزارم — کہ از لختِ دلم گلہائے تر در دامن ست امشب

از سیلِ سرشکم ہمہ سر زیر زمین است — وز شعلۂ آہم شفقی چرخ برین است
این طرفہ نہ گبرم نہ مسلمانم و از من — طرح ہمہ دیر و حرم و ملّتِ دین است
در جنّت و دوزخ برود عابد و عاصی — آزادم و کارم نہ از ان و نہ ازین است

آزاد ۔ پنڈت نند کشور صاحب واتل ۔ اکبر آبادی

آپ پرانے زمانہ کے بزرگ تھے عربی، فارسی، اُردو، ہندی، بھاشا میں پوری تکمیل تھی آگرہ میں کوچہ سادھورام میں ہمراہ پنڈت جواہر لال صاحب گرو کے رہتے تھے اخیر وقت میں عرصہ سے بینائی نے جواب دیدیا تھا اکثر پنڈت اقبال کشن صاحب موٹا اور پنڈت امرناتھ صاحب مدن اُن کی خدمت میں حاضر رہتے تھے اور جو کچھ وہ زبان مبارک سے فرمایا کرتے تھے قلمبند کرتے جاتے تھے ۔ یاد پر ماتما میں زیادہ تر مصروف ہو کر اپنی زندگی کو سپھل کرتے تھے ذخیرہ کلام کا بہت کچھ تھا نہ معلوم کس طرح ضائع ہو گیا زیادہ تر ذخیرہ قلمی پنڈت

رتن لال صاحب لٹو ولد پنڈت جواہر لال صاحب کے پاس تھا گفتگو معقول سلیس اور مدلل ہوتی تھی ۱۸۹۳ء میں رحلت فرمائی فارسی کا ایک شعر بطور یادگار درج ہے۔

رنگ دگر افزود لبے سرخیِ پان را
آتش بجگر زد ہمہ سبزان جہان را

چونکہ آپ کی ذات میں بھگتی کا رنگ بڑھا ہوا تھا زیادہ تر توجہ اس طرف مبذول رہی اور یہی اُردو کا رنگ سخن ہے

استت سری کرشن جی مہاراج

(جو ہمیشہ ورد زبان رہتی تھی)

کنہیا لال گردھاری سلونا سانورا پیارا
مکٹ سر کھور کیسر بال لمبے کاکلوں والا

جو کرتا نرت نٹ ور بھیک دھر کر نند کا بارا
اُسی نے بیٹھ کالی دہ میں ناتھا ناگ وہ کالا

وہی ہے سانوری مورت اندھیرے گھر کا اُجیارا

یہ برنن اُسکا سُن کر ہووے من میرا بورا
دکھا کا سن برن شیو سے بھلائی اُلفت گورا

جو اپنے رنگ ہی میں آپ نے بھی اُسکو اب بورا
تمنا مان ہے تم سے کہ یہ من ہو میرا دھورا

دلوں میں سب کے جو پرکاش کا تُمنے دیا بارا

بہانہ کر کے مٹی کا ترلوکی مُکھ میں دکھلائی
اُسی نے پھر سُرت بسرا کے رسّی آپ بندھوائی

وجیر چیتن ہوسے جمالا و ارجن پرم پد ائی
ہوا اب موچھ بندھن جو کھا بندھن کی یاد آئی

بندھا ہے رشتۂ الفت میں دیکھو کیا ہی وہ پیارا

جو اندر برج پر لایا چڑھا کر میگھ کا لشکر
عیاں تب سات رات اور دن ہوا طوفان کا محشر

بچائے گائے گوپی گوال رکھ اُنگلی پہ واں گرور
ہوے گردھاری و گردھر رچا جو کھیل یہ سُندر

کرپا بن تیرے بھگتوں کو نہیں یاں اور کچھ چارا

جو ہولی کا سما آیا تو لے کر رادھکا پیاری
سہیلی سندری سب سنگ گوری سانوری کاری

گلال اس لال کے مکھ مل بجائیں مل کے سب تاری
برجی بج دھام بندرابن میں کیا ہولی کی تیاری

گُلالوں کے تھے بادل مینھ تھا پچکاری کا فوّارہ

عبیر اور ارگجہ کی جھولیاں بھر گوال اُڑاتے تھے — اور اپنی برج بھاشا میں سُندر گیت گاتے تھے

وہ دَف مِردنگ ڈھولک تال سُر سے جو بجاتے تھے — تو سُور بھی سرگ سے سُننے کو اُن کی تان آتے تھے

کہوں کیا واں سماں تھا الغرض کچھ سُرگ سے پیارا

پکڑ کر ہاتھ آپس میں کبھی دس بیس گوپی گوال — پھرے ہیں گرد گرد اور بیچ میں ہیں پیارے نند لال

عجائب راس منڈل کی نکالی جگ میں کیا چال — کہ جسکا سُن کے بِرتَن دل ہے بر میں لوٹتا بے حال

نہ پاویگا جنم پھر وہ سُنے جو بھاگوت سارا

بسر جن کر کے پوجا نند کو ٹھاکر جو یاد آئے — اُنھیں تب دیکھ حیراں نند لالہ آپ مُسکائے

نکالے مُکھ سے سالگرام اور پھر اُنکو دکھلائے — کرے یہ کھیل اودھ بُدھ کون اُن بن اپنے من بھائے

جنھوں نے شنکھ چکر اور پدم کر میں رکھ گدا دھارا

سُنی جب ہمنے اپنے گورُو کے مُکھ سے یہ کتھا سُندر — ہوا دریائے اُلفت جوش زن سینہ میں پھر یکسر

اشاراتِ خفی ہیں اس کی ہر اک بات کے اندر — یہ پاوے گُپت وہ اسرار کرپا ہر کی ہو جس پر

وہی پاوے اُسے جو ہو جہاں کے کام سے نیارا

کہاں تک اب لکھوں میں وصف اُسکی لایزالی کا — کرے کیا پست فطرت قصد اُس درگاہِ عالی کا

زباں اور سر ہے سجدہ میں قلم ساں لااُبالی کا — نہ کر آزاد مطلق فکر تو اب پیر سالی کا

ترا رکھشک تو ہے ہر وقت تِرلوکی کا رکھوارا

آشفتہ۔ پنڈت امرناتھ صاحب ہاٹو دہلوی

ملقّب بہ امیر الشعرا۔ شاعر بے نظیر شاگرد رشید خدابخش خاں صاحب تنویرؔ دہلوی آپ صوبہ پنجاب میں عہدہ منصفی پر ممتاز تھے دہلی میں پیدا ہوے اور یہیں تربیت پائی فکر رسا کی اعانت اور طبیعت کی مشّاقی نے اُستادی کے رتبہ کو پہنچا دیا اُنکی اکثر غزلیں

ارباب نشاط کے منہ سے نکل کر موسیقی کی تاثیر کو دوبالا کرتی تھیں اور عاشق مزاجوں کو بن چھری ذبح کر دیتی تھیں شعر پڑھنے کا انداز بھی نہایت دل پسند اور عمدہ تھا سبزہ رنگ کشیدہ قامت قوی الجثہ آدمی تھے خُلق اور مُروّت اور قابلیت میں یگانہ عصر تھے ۱۳۱۵ھ میں اگرچہ آپ کا سن پچاس برس سے گذر چکا تھا اور علی پور واقعہ ملتان جیسے دور دراز ریگستانی مقام میں معین تھے مگر شغل سخن کے لوازم ساتھ رہتے تھے دیوان مرتب کر لیا تھا مگر شایع ہونے نہ پایا کلام کی سادگی میں شوخی کے نشتر برابر چبھا کرتے تھے فکر رسانے سلیس زبان میں بعض لطیف اور پیچیدہ مضمون ادا کئے ہیں۔ خاندانی اساتذہ کا رنگ طبیعت پر اس قدر غالب نہ تھا جتنی صفائی زبان پر نظر تھی اسی وجہ سے اُن کی زندگی میں اُن کے کلام کی خاص شہرت ہوگئی تھی ۱۸۹۸ء کے قریب انتقال فرمایا۔

(از تذکرہ ہزار داستان)

رنگ تغزّل

ہم ایسے خانۂ خمّار سے دامن بچا نکلے
نگاہِ ناز چشمِ مست سے جوں پارسا نکلے

ہمارا کام چشمِ فتنہ زا سے ہائے کیا نکلے
کہ جو خود مدعی ہو اُس سے کیونکر مدّعا نکلے

درونِ سینہ یوں ہے کشمکش پیکانِ مژگاں
مکرّر جیسے تارِ جنتری بڑھتا ہوا نکلے

کیا ہے دل کا خوں شاید کسی پاپے نگاریں نے
کہ جو آنسو میری آنکھوں سے ہم رنگِ حنا نکلے

اجی اب میں نے صاحب حضرتِ غم کو پہچانا
کر مفرمائے من تم تو پرانے آشنا نکلے

لگانا اس طرح خنجر کہ میں قربان ہو جاؤں
دہانِ زخم سے قاتل ترے حق میں دعا نکلے

ستانا اسقدر اچھا نہیں ہے دردمندوں کا
فقیروں کے کہیں منہ سے نہ حسبِ بدعا نکلے

ملا ہوں خاک میں میں آتشِ رنگِ کفِ پا سے
ہماری خاک سے بچکر ذرا بادِ صبا نکلے

وہ آئے بھی تو یہ کہہ کر مجھے سوز شک دیتے ہیں
کدھر کا تھا ارادہ اور کدھر بھولے سے آ نکلے

بلا سے ہو تصدق خنجرِ بُرّاں پہ سر میرا | ہزار ارمانِ دل تو کاشکے اے پُر جفا نکلے

ہمیں جس زُلف کافر کیش سے ڈر تھا بلاؤں کا
اُسی زُلفوں کے اے آشفتہ تم بھی مُبتلا نکلے

خمسہ بر غزل خواجہ حافظ شیرازی بزبان اُردو و پارسی

نظر آتا ہے زمانہ کا دگرگوں عالم | کچھ سے کچھ اور ہوا جاتا ہے نقشہ برہم
غُلغلہ چار طرف اب تو یہی ہے ہر دم | این چہ شوریست کہ در دورِ قمر مے بینم
ہمہ آفاق پُر از فتنہ و شر می بینم

اب تو اشراف کمینوں سے ہوئے جاتے ہیں پست | بے ہُنر بھی تو ہنرمند پہ ہیں بالا دست
آگیا دیکھنا کیا وقت ہے یہ سفلہ پرست | ابلہاں را ہمہ شربت ز گلاب و قند است
قوّت دانا ہمہ از خونِ جگر می بینم

کون ہے وہ کہ نہیں طالبِ عیش و آرام | فائدہ پر ہی نظر رکھتے ہیں دُنیا میں تمام
پر موافق تو کسی کے نہیں چرخِ ناکام | ہمہ کس روے بہی می طلبد از ایام
مشکل اینست کہ ہر روز بتر می بینم

اُٹھ گئی رسم محبت ہی جہاں سے یکسر | اور نہ کچھ پاسِ ادب شرم و حیا پر ہے نظر
کیا کہوں دیکھتا ہوں میں یہی حالت گھر گھر | دختران را ہمہ جنگ است و جدل با مادر
پسران را ہمہ بدخواہ پدر می بینم

کچھ نہ پوچھو کہ گذرتا ہے زمانہ بیحد | دیکھ لو ڈھنگ کہ ہے حشر کی آمد آمد
ہے یہ بے مہری افلاک سے کیا کیا سرزد | ہیچ مہرے نہ برادر بہ برادر دارد
ہیچ شفقت نہ پدر را بہ پسر می بینم

فیل ہر چند کہ ہوتے ہیں کفیلِ میداں | لیکن اس وقت میں ہیں وہ بھی تہِ بارِ گراں
ذکر کیا ہے کہوں حالِ شتر و نرگاواں | اسپِ تازی شدہ مجروح بزیرِ پالاں

طوقِ زرّین ہمہ در گردنِ خر می بینم

بھرے گلہائے عمل دامنِ دل میں چن چن　　　　بارورِ نخل تمنا کو کرے تا گلبن
تو بھی آشفتہ سخن حافظِ شیراز کا سن　　　　پندِ حافظ شنواے خواجہ برو نیکی کن

زانکہ این پند بہ از گنج و گہر می بینم

حیف در چشمِ جہان طرزِ دگر می بینم دیگر　　　　بر سرِ جنگ و وغا چشم و نظر می بینم
کینہ و بُخل بہر فردِ بشر می بینم　　　　این چہ شوریست کہ در دورِ قمر می بینم

ہمہ آفاق پُر از فتنہ و شر می بینم

فکر ناے بہ دلِ اہلِ ہنر دہ چند است　　　　کہ درین کاخ ز نعمت در نیکان بند است
ہمچو دریوزہ گران خواریِ دانشمند است　　　　ابلہان را ہمہ شربت ز گلاب و قند است

قوُت دانا ہمہ از خون جگر می بینم

رفت در خواہشِ دل عمرِ گرانمایہ تمام　　　　کامیابی نہ کسے یافت ز دَورِ نا کام
باہمیں وصف ندارند نظر بر انجام　　　　ہمہ کس روز بہی می طلبد از ایّام

مشکل اینست کہ ہر روز بتر می بینم

دوست مشارکسے را بجہان دانشور　　　　یار عیار شد و رنگِ ہوا ئیست دگر
بر عناد است ز شوہر زن و از زن شوہر　　　　دختران را ہمہ جنگ است و جدل با مادر

پسران را ہمہ بدخواہ پدر می بینم

وَہ چنین مادرِ ایام وفا بر دارد　　　　کہ کرم بر سرِ فرزند نہ مادر دارد
خواہر از خواہر خود رشک برابر دارد　　　　ہیچ مہرے نہ برادر بہ برادر دارد

ہیچ شفقت نہ پدر را بہ پسر می بینم

چرخ گردندہ ہم از دَورِ جہان سرگردان　　　　بجہان منزلت قدر ندارند کسان
میکنم حیف نہ بر گشتگیِ دَورِ زمان　　　　اسپ تازی شدہ مجروح بزیرِ پالان

طوق زرّین ہمہ در گردنِ خر می بینم

گر کند با تو بدی با تو با و نیکی کُن
خاطرِ آشفتہ و دل تنگ مشو نیکی کُن

قول حافظ ز دل و جان بشنو نیکی کُن
پند حافظ شنواے خواجہ برو نیکی کُن

زانکہ این پند بہ از گنج و گہر می بینم

ولہ

یاد میں تیری اشک غم آنکھوں سے یوں بہا کئے
لجّہ بہ لجّہ نم بہ نم چشمہ بہ چشمہ جُو بہ جُو

اُلجھا ہے بے طرح یہ دل کاکلِ پُر شکن میں ہاے
دام بہ دام خم بہ خم حلقہ بہ حلقہ مو بہ مو

تیرا مریض دلربا ہو گیا غم میں قیس سا
خال بہ خال خط بہ خط چہرہ بہ چہرہ ہو بہو

تیرے اسیر فتنہ گر کرتے ہیں شغل رات بھر
شور بہ شور غُل بہ غُل نعرہ بہ نعرہ ہو بہو

باغِ جہاں میں ڈھونڈھتی کسکو پھرے ہے اے صبا
برگ بہ برگ گُل بہ گُل رنگ بہ رنگ بو بہ بو

اشعار متفرق

ان دنوں تم جو ہو آشفتہ پریشاں خاطر
کس پہ ہوش اپنے کھوے ہیں کہاں دل آیا

آشفتہ بزمِ یار میں ساقی بنا ہے غیر
کیونکر پیوں کہ کرتی ہے ٹکڑے جگر شراب

کی ہو گی اُس نے بادہ کشی بزمِ غیر میں
تلخی رہی جو میری زباں پر تمام رات

دل میں آشفتہ ہے بتوں کا خیال
لب پہ باتیں ہیں پارسائی کی

غیر ممکن ہے کہ چھوٹے اُس سے اے آشفتہ دل
حلقۂ دامِ بلا حلقہ ہے زلفِ یار کا

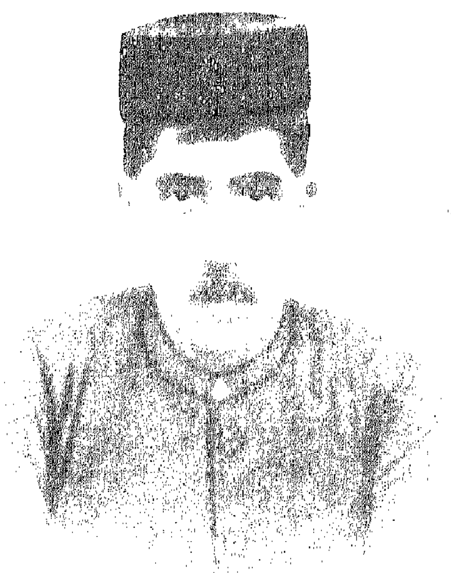
نزع میں دیدارِ جاناں کا میسّر ہو گیا
اپنا مرنا مجھکو جینے کے برابر ہو گیا

کون سے روز رُلایا نہ غمِ یار نے ہاے
کون سے روز مری چشم پہ داماں نہ ہوا

تن پہ جب پنجۂ وحشت نے نہ چھوڑا اِک تار
تو دیا دشتِ جنوں نے مجھے داماں اپنا

بجلی میں بھری اُسکی ہنسی کی ہے شرارت
اور ابر نمونہ ہے مرے دیدۂ تر کا

یاد آ گئی وہ جنبشِ ابرو تو کیا کہوں
رکھ لی گلے پہ رات کو بے اختیار تیغ



پنڈت رام ناتھ آغا۔ آغاؔ

بھیجدو خاک پر شہیدوں کے
پھینکتے کیوں ہو فرش خواب کے پھول

درماں نہیں مریض محبت کا اے طبیب
اچھے نہ حشر تک کبھی ہونگے دوا سے ہم

میرا بھی دل ہے زلف کو آہستہ کھولئے
زلفوں کی طرح دل بھی نہ جائے بکھر کہیں

جنکے باعث سب کی نظروں سے گرے
اُنکے کچھ بھی ہم نہ آئے دھیان ہیں

دیکھ کر ہو ویگا اُس آفتِ جاں کو کیا حال
جسکے بن دیکھے ہی بیتاب ہوا جاتا ہوں

لگا بیٹھا حنا وعدہ کی شب جاناں کفِ پا کو
جلاتی آتشِ غم ہے مرے دل کی تمنّا کو

میں تو شکوہ نہیں کرتا ہوں غمِ فرقت کا
تم ہی کرتے ہو گلے مجھسے مری جاں اُلٹے

کوے جاناں دو قدم ہے ناتوانی دل چھوڑ
گو قدم اُٹھتا نہیں پر کچھ تو ہمّت چاہیئے

آغا - پنڈت رام ناتھ صاحب آغا

خلف پنڈت نرنجن ناتھ صاحب آغا ڈپٹی کلکٹر پنشنر

آپ حضرت چکبست مرحوم کے شاگرد ہیں اور فی الحال بلند شہر میں منیجر کو آپریٹو سوسائٹیز ہیں

جب عشق خود بڑھائے مرے انتشار کو
ہو کس طرح قرار دلِ بیقرار کو

دیکھے تو کوئی حُسن کے نقش و نگار کو
اِک جال ہے یہ طائرِ دل کے شکار کو

ہوش و حواس بیچ کے حاصل کیا جسے
کسطرح چھوڑوں ایسی مئے خوشگوار کو

تیرِ نگاہِ ناز سے ہوتا ہے سامنا
ہوشیار ہو کے جائیو تو کوئے یار کو

بس اس قدر ہے عالمِ وحشت میں دسترس
دامن کی دھجّیاں ہیں نثارِ بہار کو

آئی بہار اور چمن میں کھلے ہیں گُل
دکھلا رہے ہیں جلوۂ پروردگار کو

داغوں نے جمع ہو کے بڑھایا ہے حُسنِ دل
دیکھے تو کوئی آ کے مرے لالہ زار کو

رو رو کے ہجرِ یار میں آنکھوں سے دھو چکا
پھر بھی تڑپ رہا ہوں میں دیدارِ یار کو

آغا کی حسرتوں کا ہوا خاتمہ بخیر
کب موت آئے دیکھیں دلِ سوگوار کو

ولہ

اگر بے فیض جینا ہے تو کیا حاصل بشر ہو کر
شجر ممتاز ہوتا ہے چمن میں بارور ہو کر
کسی کے حُسن عالم سوز کا یہ اِک کرشمہ تھا
جلا یا خرمنِ ہستی مِرا برقِ نظر ہو کر
خُدا کا گھر سمجھ کر ہم نے پوجا دل کے مندر کو
گذاری زندگی دیر و حرم سے بیخبر ہو کر
ستم کی آگ جو کچھ بچ رہی دل سے حسینوں کے
سمائی جا کے وہ پتھر کے سینے میں شرر ہو کر
اثر ہوتا ہے اُلٹا بد نصیبوں کی دُعاؤں کا
ہمارا نالۂ دل کیا کرے گا با اثر ہو کر
شرر آہوں کے اڑ کر جائینگے پھولوں کے دامن تک
نہ سوئے باغباں نالوں سے میرے بیخبر ہو کر

شبِ غم میں اسی اُمید پر جیتے ہو تم آغا
سمجھتے ہو کہ وہ جلوہ دکھائے گا قمر ہو کر

پنڈت آنند نراین صاحب مُلّا ایم۔ اے۔ ایل۔ ایل۔ بی خلف پنڈت جگت نراین صاحب مُلّا لکھنوی۔ آپ ایک نوجوان ہونہار شاعر ہیں۔ آپ کا کلام سلاست و لطافت۔ جوش۔ درد اور جذبات سے مالا مال ہے۔

پرستارِ حُسن

اپنے سوزِ غم کی شرحِ داستاں کیونکر کروں
دل کی جو باتیں ہیں وہ نذرِ زباں کیونکر کروں
راز جو مجھسے بھی پنہاں ہیں بیاں کیونکر کروں
اپنی ہستی کو زمانہ پر عیاں کیونکر کروں

درد دل کو غم کہوں الفت کہوں سودا کہوں
میں بھی حیران ہوں کس سے کہوں اور کیا کہوں

اے شعاعِ برق زاے خاورِ پہنائے حُسن
اے شرابِ دلگدازِ ساغرِ مینائے حُسن
اے نگاہِ فتنہ خیزِ دیدۂ بینائے حُسن
اے شرارِ عقل سوزِ شعلۂ سینائے حُسن



پنڈت آنند نراین مُلّا

تو نے سینہ میں یہ کیسا درد پیدا کر دیا
میری ہستی کو مرے دل سے شناسا کر دیا

آرزوئیں دل کی ساری بیخبر تھیں مستِ خواب — جانتا تھا کون کہتے ہیں کسے جوشِ شباب
یک بیک تو نے رخِ پُر نور سے اُلٹی نقاب — دیکھتے ہی ہاتھ سے جاتے رہے تسکین و تاب

عقدۂ دل اک اشارہ سے ترے کھلنے لگا
مجھکو رازِ آفرینش کا پتہ چلنے لگا

سامنے تھا جلوہ گر حُسنِ ازل مستانہ وار — دلفریب و دلگداز و دلربا و دل فگار
آفتِ صبر و تحمّل دشمنِ ضبط و قرار — اور کیا کرتا اگر کرتا نہ دل اپنا نثار

دل تو یوسف تھا اُدھر تھی دولتِ بیدارِ حُسن
کھینچ ہی لائی اُسے آخر سرِ بازارِ حُسن

میں نے پہلے تجھسے بچنے کی بہت تدبیر کی — دل کے بہلانے کو اک دنیا نئی تعمیر کی
جب نہ یوں مانا تو پھر دھمکی بھی دی تعذیر کی — بیڑیاں اس کو پنہائیں عقل کی زنجیر کی

تو مگر میرے خیالوں میں بھٹکتا ہی رہا
آرزو بن کر کلیجہ میں کھٹکتا ہی رہا

آخرش مجبور ہو کر بن ہوا تیرا غلام — جستجو ہی میں تیری میں نے بسر کی صبح و شام
عقل و دانش کو کیا بس دور سے میں نے سلام — آنکھ میں ہے شکل تیری اور لب پر تیرا نام

جب سے دل کے بتکدہ میں تیری صورت دیکھ لی
میں نے جس صورت میں چاہا تیری صورت دیکھ لی

تو ہر اک غنچہ کے دل میں ضو فگن مجھکو ملا — رنگ بن کر صورت آرائے چمن مجھکو ملا
تو ہر اک محفل میں شمعِ انجمن مجھکو ملا — بزمِ دنیا میں تو ہی ہنگامہ زن مجھکو ملا

جلوہ گر آنکھوں میں کچھ ایسی تیری تنویر ہے
میرے ہر آنسو کے قطرے میں تیری تصویر ہے

گنگا کے چراغ

آبِ گنگا کیا ہی مستانہ تیرا انداز ہے
جھوم کر چلنے پہ تیرے مجھکو کیا کیا ناز ہے
کیا مرے جذبات کی دنیا کا تو ہمراز ہے
تیری لہروں میں مری تخئیل کی پرواز ہے

اپنی موجوں کا تلاطم آ مرے سینہ میں دیکھ
عکس اپنی بے کلی کا دل کے آئینہ میں دیکھ

آج تک آنکھوں میں ہے تیرا سماں لے ہردوآ
وہ ہجومِ مہوشاں محوِ تماشا بر کنار
وہ صفائے آبِ اخضر میں چراغوں کی قطار
دیکھ کر جن کو یہی کہتا تھا دل بے اختیار

تا بہ سطحِ آب ہر گوہر اُبھر آیا ہے کیا
آسماں لے کر ستاروں کو اُتر آیا ہے کیا

کیا شعاعِ مہر کے ذرّے پریشاں ہو گئے
فیض سے خورشید کے یہ خود درخشاں ہو گئے
تیرے آبِ پاک کے جوہر نمایاں ہو گئے
کیا کسی کے داغِ عصیاں نور ایماں ہو گئے

رقص کرنے کے لئے جگنو نکل آئے ہیں کیا
پھول جنّت کے فلک والوں نے برسائے ہیں کیا

یہ مسافر کون ہیں ہے کونسا یہ کارواں
کیا اسی کا عکس ہے کہتے ہیں ہم جسکو کہکشاں
کس قدر پیاری ہیں ان کی چھوٹی چھوٹی کشتیاں
یہ کہاں سے آئے ہیں بہرِ تماشائے جہاں

اہلِ دنیا کو تیری عظمت دکھانے کے لئے
خلد سے آئی ہیں کیا پریاں نہانے کے لئے

گھورنے والوں کی نظروں سے یہ گھبراتی نہیں
پیکرِ نوری کی عریانی سے شرماتی نہیں
پر یقیں انسان کی باتوں کا یہ لاتی نہیں
موجِ دریا چھوڑ کر ساحل تلک آتی نہیں

حسن دکھلاتی تو ہیں لیکن کچھ اس انداز سے
اپنا جلوہ خود چھپا لیتی ہیں اپنے ناز سے

اے چراغِ آبِ گنگا تجھ میں کیسا نور ہے — تو کسی عاشق کا دل ہے یا جبینِ حور ہے
اک جھلک دکھلا کے پھر موجوں میں تو مستور ہے — حُسن کا چشمِ تمنّا سے یہی دستور ہے
تیرا جلوہ کیا کسی مظلوم کی تقدیر ہے
ایک ہستی کے امید و بیم کی تصویر ہے

کیا تیری تقدیر میں انساں کی رنجوری بھی ہے — کیا ترے دل میں تمنّاؤں کی مجبوری بھی ہے
سینۂ نوری میں تیرے ذوقِ مہجوری بھی ہے — کیا ترے جامِ گلی میں آبِ انگوری بھی ہے
کس کی امّیدوں کی گلکاری ترے دامن میں ہے
آرزو کس کی فروزاں تیرے پیراہن میں ہے

تو کسی کے سوزِ دل کا شعلۂ مستور ہے — تو کسی کی دیدۂ گریاں کا سارا نور ہے
تجھ میں ساری التجائے خاطرِ مجبور ہے — تو کسی بیکس کی نظروں میں چراغِ طور ہے
تجھ میں پنہاں جذبۂ ہمدردیِ انسان ہے
جلوۂ خورشید تیرے نور پر قربان ہے

شاعر

جلوۂ حسنِ نہاں کا طلبگار ہوں میں — قصرِ دل جس نے بنایا ہے وہ معمار ہوں میں
آپ شیدا ہے جو اپنا وہ پرستار ہوں میں — اپنے تخئیل کے پھندے میں گرفتار ہوں میں
قسمت انسان کی مضمر مرے جذبات میں ہے
چشمۂ آبِ بقا میرے خیالات میں ہے

کب مری فکرِ رسا مائلِ افلاک نہیں — عزمِ پرواز یہ کب خاطرِ بیباک نہیں
طبع میری کبھی راغب سوئے خاشاک نہیں — میری تخمیر میں آمیزشِ گِل خاک نہیں
عالمِ غیب کی آواز ہے کانوں میں بھری
ہے جھلک گلشنِ فردوس کی آنکھوں میں مری

محرمِ اسرارِ حقیقت کا۔ کوئی ہے تو وہ مَیں   ترجماں دل کی حکایت کا۔ کوئی ہے تو وہ مَیں
آئینہ حُسن کی صورت کا۔ کوئی ہے تو وہ مَیں   پردہ درِ خوبیِ فطرت کا۔ کوئی ہے تو وہ مَیں

جلوہ زن شاہدِ معنی مری آہنگ سے ہے
رنگ سب گلشنِ ہستی کا مرے رنگ سے ہے

شکلِ تصویر میں لیلیٰ کی۔ عیاں میری ہے   لب پہ فرہاد کے فریاد و فغاں میری ہے
اُس میں بھی خوبیِ اندازِ بیاں میری ہے   نام مجنوں کا لیا جس نے۔ زباں میری ہے

زیر و بم نغمۂ ہستی کا ہے تاروں پہ مرے
ہے نظر ایک زمانہ کی اشاروں پہ مرے

رہروِ شوق کی میرے کوئی منزل ہی نہیں   مَیں وہ دریا ہوں جو شرمندۂ ساحل ہی نہیں
جسکو کہتے ہیں سکوں وہ کبھی حاصل ہی نہیں   ایک آفت ہے یہ سینہ میں مرے دل ہی نہیں

وہ حسیں کون ہے جس کا میں خریدار نہیں
مَیں وہ میکش ہوں جو توبہ کا گنہگار نہیں

میرے سینہ میں ہے جب تک دلِ شیدا باقی   دل میں جب تک ہے تپ و تابِ تمنا باقی
چشمِ ارماں میں ہے جبتک کوئی جلوا باقی   جستجو کا بھی رہیگا یہی سودا باقی

ساتھ لایا ہوں میں اپنے یہی تقدیر اپنی
اب تلک یاد ہے وہ خلد کی تقصیر اپنی

طالبِ شمع بنوں مجھکو جو ملجائے شرر   شمع ملجائے تو پیدا ہو خیالِ اختر
ہاتھ لگ جائے جو اختر تو ہو سودائے قمر   ماہ کے بعد رہے مہر کی خوبی پہ نظر

جو ٹھہر جائے کہیں پر وہ مری فکر نہیں
میرے مذہب میں قناعت کا کہیں ذکر نہیں

قیدِ دستور سے آزاد ہے فطرت میری   مانتی ہی نہیں دنیا کی طبیعت میری

ایک عالم سے جُدا ہے رہِ اُلفت میری　　میرے سینہ کی امنگوں میں ہے قسمت میری
منحرف مجھسے زمانہ ہو تو کچھ دور نہیں
بات ٹل جائے مگر دل کی۔ یہ منظور نہیں
جسکو بس مے سے غرض ہو وہ طبیعت ہی نہیں　　ہوں میں مے نوش پر ایسی مجھے عادت ہی نہیں
میرے نزدیک پھر اُس مے میں لطافت ہی نہیں　　جام صافی نہ ہو جب تک مجھے رغبت ہی نہیں
مَیں کبھی دل گلِ بے رنگ پہ دیتا ہی نہیں
دُرِ بے آب کسی دام پہ لیتا ہی نہیں

انسان

کون ہے میرے سوا مالکِ افلاک و زمیں　　نور فردا ہے نہاں جس میں وہ میری ہے جبیں
قصہ دہر میں لیکن مجھے معلوم نہیں　　اہرمن ہوں کہ سلیماں ہوں کہ خاتم کا نگیں
طور ہوں جذبۂ موسیٰ ہوں کہ فرعون ہوں مَیں
لبِ خاموش بتادے یہ مجھے کون ہوں مَیں
مجھپہ کھُلتا ہی نہیں کچھ میری قسمت کیا ہے　　پردۂ نقشِ ازل میں میری صورت کیا ہے
عقل کیا چیز ہے ارماں کی حقیقت کیا ہے　　مَیں ہوں مخلوق کہ خالق۔ مری فطرت کیا ہے
دست فرہاد ہوں یا تیشۂ فرہاد ہوں مَیں
آپ بہزاد ہوں یا خامۂ بہزاد ہوں مَیں
اپنی تقدیر کا بندہ بھی ہوں مختار بھی ہوں　　طالبِ دید بھی ہوں کشتۂ دیدار بھی ہوں
دردِ اُلفت کا مسیحا بھی ہوں بیمار بھی ہوں　　محفلِ دہر میں ساقی بھی ہوں میخوار بھی ہوں
بندگی دل میں کبھی ہے تو ہے الحاد کبھی
باغ فردوس کبھی گلشنِ شداد کبھی
نورِ جاں پیکرِ خاکی میں فروزاں کیوں ہے　　مجھ میں پنہاں ہے تو پھر مجھسے گریزاں کیوں ہے

جسم اور روح کا آپس میں یہ پیماں کیوں ہے　　عقل سے شوق مرادست وگریباں کیوں ہے
دوست کسکو کہوں کسکو کہوں دشمن ان میں
رہنما کون ہے اور کون ہے رہزن ان میں

میں مددِ غیر سے لوں یہ مراد ستور نہیں　　مثل پروانہ کے جینا مجھے منظور نہیں
گو شبِ تار ہے اور رہ میں کوئی نور نہیں　　میں جو بھٹکا بھی تو جاؤنگا بہت دور نہیں
میرے سینہ میں ہے عصیاں کی تجلّی باقی
دلِ مضطر کو ہے اتنی تو تسلّی باقی

وارثِ دہر کہیں یہ دلِ شیدا تو نہیں　　خضرِ ظلماتِ جہاں نورِ تمنّا تو نہیں
زندگی نام کہیں ذوقِ طلب کا تو نہیں　　رازِ ہستی دلِ عاشق کا تقاضا تو نہیں
بحر کہتے ہیں جسے ہم کہیں ساحل ہی نہ ہو
راہ اب تک جسے سمجھے ہیں وہ منزل ہی نہ ہو

ولہ

جادۂ تاریک طے کر نورِ منزل دیکھ کر　　بحرِ طوفاں سے گذر مینارِ ساحل دیکھ کر
فکرِ رنج دہر مت کر جلوۂ دل دیکھ کر　　مثلِ مجنوں بھول جا صحرا کو محمل دیکھ کر
آرزوؤں کو بنا لے ترجمانِ زندگی
اپنے دل کے ہاتھ میں دیدے عنانِ زندگی

مستقل اپنے ارادوں پر مثالِ کوہ بن　　جی میں آجائے تو صحرا کو بنا رشکِ چمن
ولولوں کو رکھ مثالِ بحرِ پیہم موجزن　　مشکلیں ہوں لاکھ آنے دے نہ ابرو پر شکن
عاشقِ صادق مآلِ شوق سے ڈرتا نہیں
رہروِ کامل کبھی مُڑ کر نظر کرتا نہیں

اپنے سینہ کو بنا اک کشت زارِ آرزو　　خوں کے ہر قطرہ میں پیدا کر شرارِ آرزو

دل وہی دل ہے رہے جو بے قرارِ آرزو　　زیست وہ اچھی جو ہو جائے نثارِ آرزو
لب تمنّاؤں کے اپنے چوم لے دل بڑھکے تو
آسماں سے توڑ لا تارے فلک پر چڑھکے تو

دل کو دے درسِ جنوں اور قابلِ زنجیر کر　　مکتبِ ہستی میں اُسکو خوگرِ تعزیر کر
بندۂ تدبیر بنکر شکوۂ تقدیر کر　　آرزو کی قبر پر امّید پھر تعمیر کر
اپنی ہستی کی کمر کس اور خدا کا نام لے
زندگی کی جہد میں ناکامیوں سے کام لے

یاس کی محفل میں ارمانوں کو جانے ہی نہ دے　　اپنی صورت نا امیدی کو دکھانے ہی نہ دے
آتشِ دل آبِ حسرت کو بجھانے ہی نہ دے　　کچھ بھی ہو جنون پہ لیکن مَیل آنے ہی نہ دے
نالۂ غم میں بھی اندازِ ترنّم ہی رہے
مثلِ گُل دل خون ہو لب پر تبسّم ہی رہے

کشمکش میں دہر کے مٹنے نہ دے تو اپنی ذات　　چاہے سب کچھ جائے پر جانے نہ پائے دل کی بات
دل ہی کیا جسکی اُمنگیں ہوں اسیرِ ممکنات　　اہلِ ہمت دے رہے ہیں تجھکو یہ درسِ حیات
گوہرِ مقصود پنہاں سینۂ انساں میں ہے
زندگی کا راز تیری طاقتِ عصیاں میں ہے

محبّانِ وطن کا نعرہ

شہیدِ جورِ گلچیں ہیں اسیرِ خستہ تن ہم ہیں　　ہمارا جرم اتنا ہے ہُوا خواہِ چمن ہم ہیں
ستانے کو ستالے آج ظالم جتنا جی چاہے　　مگر اتنا کہے دیتے ہیں فردائے وطن ہم ہیں
ہمارے ہی لہو کی بو صبا لیجائیگی کنعاں　　ملیگا جس سے یوسفؑ کا پتہ وہ پیرہن ہم ہیں
ہمیں یہ فخر حاصل ہے پیامِ نور لائے ہیں　　زمیں پہلے پہل چومی ہے جس نے وہ کرن ہم ہیں
سُلا لیگی ہمیں خاکِ وطن آغوش میں اپنی　　نہ فکرِ گور ہے ہم کو نہ محتاجِ کفن ہم ہیں

بنا لیں گے ترے زنداں کو بھی ہم غیرتِ محفل
لئے اپنی نگاہوں میں جمالِ انجمن ہم ہیں

زمانہ کر رہا ہے کوششیں ہم کو مٹانے کی
ہلا پاتا نہیں جس کو وہ بنیادِ کہن ہم ہیں

ترے خنجر سے اپنے دل کی طاقت آزمانا ہے
محبت ایک اپنی ہے ترا سارا زمانہ ہے

فدائے ملک ہونا حاصلِ قسمت سمجھتے ہیں
وطن پر جان دینے ہی کو ہم جنت سمجھتے ہیں

ہمارے شوق کی وارفتگی ہے دید کے قابل
پہنچتی ہے اگر ایذا اُسے راحت سمجھتے ہیں

کچھ ایسے آگئے ہیں تنگ ہم کُنجِ اسیری سے
کہ اب اِس سے تو بہتر گوشۂ تربت سمجھتے ہیں

نگاہِ قہر کی مشتاق ہیں دل کی تمنائیں
تری چینِ جبیں اپنا خطِ قسمت سمجھتے ہیں

حیاتِ عارضی صدقے حیاتِ جاودانی پر
فنا ہونا ہی اب اِک زیست کی صورت سمجھتے ہیں

ہمیں معلوم ہے اچھی طرح تابِ جفا تیری
مگر اس سے سوا اپنی حدِ اُلفت سمجھتے ہیں

دکھانا ہے کہ لڑتے ہیں جہاں میں باوفا کیونکر
نکلتی ہے زباں سے زخم کھا کر مرحبا کیونکر

آنند۔ پنڈت آنند کشن صاحب گر ٹو خلف پنڈت مہاراج کشن صاحب گر ٹو بجنوری۔

رہے دُنیا میں انساں صاحبِ علم و ہُنر ہو کر
کرے اہلِ جہاں کی رہنمائی راہبر ہو کر

عدم سے کب چلے تھے یاد اسکی کچھ نہیں ہمکو
نہیں معلوم آئے اس جہاں میں ہم کدھر ہو کر

ستمگر تم ہو۔ اور وقفِ ستم ہم ہیں زمانہ میں
ہماری بھی کوئی سُن لیگا آخر دادگر ہو کر

مری حالت پہ رحم آئیگا آخر ایک دن اُن کو
کبھی تو آہ سوزاں کام دیگی با اثر ہو کر

شہیدِ ناز ہوں اور کشتۂ تیغِ تغافل ہوں
مرا ماتم کرینگے تیرے بسمل نوحہ گر ہو کر

یہی باقی تمنا ایشور آنند کی اب ہے
وطن کے واسطے بس جان دے سینہ سپر ہو کر



پنڈت بشن نرائن در - ابرؔ

ابر۔ پنڈت بشن نراین در بیرسٹرایٹ لا خلف پنڈت کشن نراین در صاحب منصف لکھنوی۔

آپ کی سوانح عمری کا ایک خاص حصّہ تذکرہ خمخانۂ جاوید سے لیا گیا ہے۔

آپ زبان انگریزی میں ید طولیٰ رکھتے تھے۔ پولیٹکل معاملات میں برگزیدہ اہل الرائے مشاہیر کے طبقہ میں آپ کا نام بھی عزّت سے لیا جاتا تھا۔ انگریزی اخبارات میں اکثر آپ کے مضامین شایع ہوتے رہتے تھے جو نہایت وقعت کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے۔ آپ وسیع الاخلاق۔ خندہ پیشانی۔ شیریں زبانی اور نیک نیتی کے اوصاف سے متّصف تھے۔ آپ کی رنگینیِ طبع کی ایک مثال وہ مثنوی ہے جو موسوم بہ مرقعِ کشمیر ہے۔ مرحمت الدولہ بہاو الملک حضرت حکیم لکھنوی خلف الرشید اسیر مرحوم سے آپ کو شرف تلمّذ حاصل تھا۔ پنڈت بشن نراین در کی زندگی ایک ایسی مرو قانع کی زندگی تھی جس نے علم کو دوست اور ملک و قوم کی خدمت کو ذریعۂ نجات سمجھا اور آزاد خیالی اور بلند نظری کو انسانی شرافت کا معیار خیال کیا آپ ضلع بارہ بنکی میں ۱۸۶۴ء میں پیدا ہوئے اور ۱۹ار نومبر ۱۹۱۶ء کو بمقام لکھنؤ اپنے عزیز و اقربا اور احباب کو داغ مفارقت دے گئے۔

ابتدائی زمانہ تعلیم میں ذہانت اور تیزی آپ کی مسلّم مانی جاتی تھی کیننگ کالج لکھنؤ میں ایف اے تک شامل رہے بعد میں بنظر ترقی سلسلۂ تعلیم ہمراہ گال صاحب پروفیسر کیننگ کالج آپ ولایت تشریف لے گئے وہاں امتحان بیرسٹری کے علاوہ علمی ترقی کی تکمیل کی آپ کا علمی مذاق محض انگریزی ادب اور انگریزی زبان تک محدود نہ تھا بلکہ اردو اور فارسی کا کلام بھی آپ نہایت شوق سے پڑھا کرتے تھے اور آپ کا یہ خیال تھا کہ قومی اور ملکی ترقی کے لئے یہ نہایت ضروری ہے کہ اپنے وطن کی قدیم زبانوں کو یعنی اردو، ہندی وغیرہ کی مُردہ ہڈیوں میں نئی روح پھونکی جاوے چنانچہ آپ خود اردو کے سخن سنج ہیں پہلی غزل جو اردو میں آپ نے تصنیف کی تھی

ہر ۱۲ مثنوی ندرت ع جہاں روش

اس کا ایک شعر ہے :-

حبیبِ ملک ہیں اپنے وطن سے ہمکو اُلفت ہے
تمنائے ولایت کیا کریں ہندوستاں ہوکر

آپ کے زمانہ طالب علمی میں پنڈت للتا پرشاد صاحب بٹ پوری کے یہاں دو سال تک مشاعرے ہوئے یہ مشاعرے بھی یادگار رہیں گے پنڈت صاحب موصوف ان مشاعروں میں شریک ہوتے تھے۔ پہلی ہی غزل جو آپ نے مشاعرہ میں پڑھی اُس کا ایک شعر بہت مقبول ہوا اور مشہور بھی ہوا

نیّتِ پاک ہی کافی ہے طہارت کے لئے
نہ وضو چاہئے زاہد نہ تیمّم مجھکو

ایک مرتبہ آپ دہلی تشریف لے گئے اور وہاں قطب کی لاٹ کی سیر کو بھی گئے اس خاص موقعہ پر آپ نے ایک رباعی تصنیف فرمائی۔

رباعی

دنیا کی عجیب ہم نے ہستی دیکھی ۔۔۔ پہنچے جو بلندی پہ تو پستی دیکھی
مینار قطب سے ہمنے ڈالی جو نگاہ ۔۔۔ اُجڑی ہوئی دہلی کی بھی بستی دیکھی

شاعروں میں آپ کو آتش و انیس اور غالب کا کلام بہت پسند تھا اور انیس کو آپ تمام اردو شعرا میں ممتاز سمجھتے تھے اور نیز آپ کا یہ خیال تھا کہ اعلیٰ درجہ کے اردو شعرا کی پرواز فکر اکثر بڑے بڑے شعراے انگریزی کی پرواز فکر کا مقابلہ کرتی ہے۔

ایک مرتبہ جب آپ دہلی تشریف لائے تھے تو پنڈت امرناتھ صاحب مدن کے مکان پرون کے وقت ایک خاص صحبت تفریح منعقد ہوئی۔ شعراے دہلی سے نواب مرزا سراج الدین احمد صاحب سائل۔ سید وحید الدین صاحب بیخود

پنڈت جواہر ناتھ صاحب ساقیؔ۔ منشی چندی پرشاد صاحب شیداؔ و منشی مہاراج بہادر صاحب برقؔ علاوہ واعی کے شریک صحبت تھے انھیں ایّام میں ریاست بھوپال کی ایک طرح ہوئی تھی تصویر میخانہ اتفاق وقت سے پنڈت بشن نراین صاحب نے آغاز کلام اسی غزل سے کیا اور پنڈت جواہر ناتھ صاحب ساقیؔ اور پنڈت امر ناتھ صاحب ساحرؔ نے بھی اسی طرح میں غزلیں پڑھیں چونکہ خاص منتخب صاحبان کا جلسہ تھا جو سب فن سخن سے ماہر تھے اور فہم رسا رکھتے تھے اس دور مسلسل نے عجب لطف دکھایا۔ پنڈت بشن نراین صاحب کی غزل درج کی جاتی ہے۔

غزل

شریفِ کعبہ سُنتے ہیں ہوا ہے پیر میخانہ
زہے طالع زہے قسمت زہے تقدیر میخانہ

وہ باتیں یاد آئیں شیخ کو خاموش ہو جائے
لگا دے لا کے مسجد میں کوئی تصویر میخانہ

نہیں چلتا ہے دورِ جام جس دن بزم رنداں میں
سمجھتے ہیں اُسے ہم گردشِ تقدیر میخانہ

جنابِ شیخ کو اب عذر کیا تشریف لانے میں
اُنھیں کی خشت مسجد سے ہوئی تعمیر میخانہ

سمجھکر شیخ صاحب مغبچوں سے بات کیجے گا
بڑے مرشد ہیں حضرت یہ مرید پیر میخانہ

بساطِ دہر میں ہیں نقش کیا کیا زہد و رندی کے
کہیں تصویر مسجد ہے کہیں تصویر میخانہ

بٹھا ؤ لاکھ پہرے شیخ لیکن ہم وہ میکش ہیں
ہٹیں گے توڑ کر قفلِ در و زنجیر میخانہ

کھُلے مطلب جو دیکھو اسکو رند و چشم ساغر سے
گلوے شیشہ میں تحریر ہے تقریر میخانہ

خطِ ساغر کو نشہ میں جو سمجھے آیۂ رحمت
ہوے واعظ مرید پیر خوش تدبیر میخانہ

بٹھایا نقشِ چشم مست دل میں یاد ابرو نے
نظر میں کعبہ تھا اور کھنچ گئی تصویر میخانہ

تُلے رہتے ہیں میکش واعظوں سے خانہ جنگی پہ
سپر ہے ساغر ہے موج مے شمشیر میخانہ

قیامت تک رہے جاری یہ چشمہ آبکاری کا
اُسی کے دم سے ہے چمکی ہوئی تقدیر میخانہ

ہزین مُہر سلطانی سے ہو کر بوتلیں آئیں
یہ فیض حاکم دوراں سے ہے تقدیر میخانہ

بھری محفل میں مے دی جام صحت کے بہانے سے　　دعا دیتے ہیں ساقی کو جوان و پیر میخانہ

یہ پی کر نشہ میں گرنا بھی سجدہ ہے عبادت کا
ہے ہُو حق ابر اپنی نعرۂ تکبیر میخانہ

کشمیر میں شاہ زین العابدین عادل کے بعد زمانہ جبر شروع ہوا۔ اسد خاں اور عطا محمد بڑے جابر حکمراں ہوئے جس وقت اُن کا ظلم قابلِ برداشت نہ رہا تو ہمارے بزرگ کشمیر سے کنارہ کش ہوئے اُس وقت کے درد انگیز تصویر ہمارے فخر قوم جناب ابر مرحوم مرحوم نے یوں کھینچی ہے:—

مذہب کے پیچھے سیکڑوں نے اپنی جان دی　　رنج و الم اُٹھائے زباں سے نہ آہ کی
تیرِ ستم چلے کہیں تیغ جفا چلی　　ہنگامۂ کشت و خوں کا بپا تھا گلی گلی

طوفانِ ظلم سے تھا تلاطم مچا ہوا
تھا ناخدا نہ کشتیِ دیں کا بجز خدا

کہتے تھے جان جائے پر ایماں نہ جائیگا　　لیجائے زر عدو پہ یہ دولت نہ پائیگا
ہم کو زمانہ دیکھیں تو کب تک ستائیگا　　اچھا بھی وقت ایک نہ ایک روز آئیگا

انساں وہ کیا کہ حق پہ جو ثابت قدم نہیں
ہٹ جائیں راہ راست سے حضرت وہ ہم نہیں

چھوٹے بڑے فقیر امیر اور مرد و زن　　سب کے دلوں میں چشمۂ ایماں تھا موجزن
کہتے تھے تن سے جان چھُٹے جان سے بدن　　لیکن کسی طرح نہ مٹے نام برہمن

گرو یدِ پاک دہر میں مہر و منیر ہے
چرخِ چہارم اس کے لئے کاشمیر ہے

چھوٹے عزیز گھر چھُٹا اپنا وطن چھُٹا　　صدمہ یہ تھا کہ روح سے گویا بدن چھُٹا
اس طرح کاشمیر سے ہر مرد و زن چھُٹا　　نعرہ تھا عندلیب سے صحنِ چمن چھُٹا

روتے تھے سب کہ ہائے یہ کیا اوس پڑ گئی
کیسی ہوا چلی کہ جو کھیتی اُجڑ گئی

ہوں دور اس نفاق کے رنج و الم کہیں
راہِ رضا میں ہو سرِ تسلیم خم کہیں
جوش و خروش بحرِ جہالت ہو کم کہیں
منہ ساحلِ مراد کا دیکھیں تو ہم کہیں
کشتیٔ قوم فضلِ خدائے کریم سے
نکلے کہیں وہ آبۂ امید و بیم سے

باغِ جہاں میں کھلتے ہیں گل کتنے جا بجا
بو بھی نہیں سنگھاتی ہے جنکی کبھی صبا
کتنے گہر ہیں گرد یتیمی میں مبتلا
آئینے خاک میں ہیں پڑے کتنے بے جلا
ہیں بے نشان کتنے نگیں ہائے نامدار
حیران جنکو دیکھ کے ہو عقل سادہ کار

پنڈت بشن نراین صاحب مرحوم کے کلام سے دو نظمیں انتخاب ہو کر ہدیۂ شائقین کی جاتی ہیں ایک بموقعہ جلسۂ کانفرنس قومی لکھنؤ پڑھی گئی تھی اور دوسری خواب خوش نامزد کی جاوے تو بجا ہے

خواب تھا جو کچھ کہ دیکھا جو سنا افسانہ تھا

قریب شہر کے دریائے گومتی کے پار
تھا اک باغ کہ جسپر ریاض خلد نثار
ہر ایک نہر نمونہ تھی حوض کوثر کی
ہر اک روش پہ دل و جاں سے کہکشاں تھی نثار
ہر ایک نخلِ چمن پر عجیب جوبن تھا
درود پڑھتا تھا رضوان بھی جسپہ سو سو بار
چمن میں وقت سحر قطرہ ہائے شبنم سے
بھرے گلوں نے بھی دامن میں لولوئے شہوار
لٹایا یا دِ بہاری نے اس قدر سونا
ہر ایک غنچۂ گل ہو گیا وثیقہ دار
بہار نے بھی دکھائی عجیب کیفیت
مئے نشاط سے تھے شاہدانِ گل سرشار
عجیب باغ تھا یہ اتفاقیہ جس میں
کہیں سے پھرتے پھراتے ہوا جو میرا گذار

تو دیکھتا ہوں میں کیا آڑ سے درختوں کی | ٹہلتے دور روش پر ہیں آدمی دو چار
مجھے جو دیکھا تو یادت بخیر کہہ کے بڑھے | تمہارا ذکر تھا اب تک کہاں رہے تم یار
رفاہ قوم کا ہے آج ایک بڑا جلسہ | اسی سے کوٹھی میں ہے مجمع صغار و کبار
گل نشاط بھرے ہیں ہر ایک کے دامن میں | بنا ہے گلشن کشمیر آج یہ گلزار
یہ کہہ کے کوٹھی کی جانب وہ لیکے مجھکو بڑھے | وہ کوٹھی - قصر فریدوں کو جسپہ کیجیے نثار
مثال سینۂ اہل صفا تھا ہر کمرہ | بنے تھے نور کے گویا ہر اک در و دیوار
مکان وہ کہ نظر سے بہشت گر جائے | جو خواب میں بھی اُسے دیکھ لے کوئی اکبار
زہے صفائے عمارت کہ در تماشایش | بدیدہ باز نگردد نگاہ از دیوار
وہاں جو پہنچا تو عالم عجب نظر آیا | تھے جمع قوم کے مرد و زن و صغار و کبار
تھے ایک بزرگ فرشتہ صفات صدر نشیں | ہر ایک اپنے خیالوں کو کرتا تھا اظہار
دلیلیں ہوتی تھیں آزادی سے ہر ایک صف میں | مباحثہ کا ہر ایک سمت گرم تھا بازار
اُناث بھی تھیں شریک مباحثہ اس جا | تھی گوش ہوش سے سننے کی انکی سب گفتار
تھیں جتنی جمع وہاں عورتیں جوان و پیر | تمام علم و ہنر میں تھیں اک سے ایک ہوشیار
ہوا تھا علم سے آئینہ جسم کا روشن | حفیفہ ایسی کہ ہم یم ہزار جاں سے نثار
یہ حسن صورت و معنی کہ جس سے ہوتا تھا | صفائے رُخ سے صفائے قلوب کا اظہار
ہر ایک مخزن اوصاف و مجمع خوبی | ہے سچ تو یہ کہ وہ سب دیبیوں کی تھیں اوتار
ہر ایک کا فخر تھا لڑکوں کو تربیت دینا | ہوں مائیں ایسی تو لڑکے نہ ہوں کیوں خود دار
تھی نوجوانوں کی بھی صف جمی ہوئی ایک سمت | ہر ایک چہرہ سے ظاہر ترقی کے آثار
کوئی ایم اے تھا وہاں اور کوئی سول سروس | کوئی تھا ڈاکٹر اور کوئی تھا سپہ سالار
جو ایک فلسفہ میں تھا ارسطوئے دوران | تو دوسرا تھا زمانہ میں بے بدل نثّار
کسی نے سیکھا تھا سائنس جا کے پیرس میں | کوئی رہا تھا ولایت میں چھوڑ کر گھر بار

بُزرگ جو تھے وہ دُوربین و دُور اندیش — یہ دیکھتے تھے کہ کیا ہے زمانہ کی رفتار
یہ فکر تھی کہ ترقّی ہو نوجوانوں کی — پڑھیں اصول کے ساتھ اور ٹھیک ہوں اطوار
عجیب جلسہ تھا جس میں جمع تھے یہ سب لوگ — عجب سماں تھا جو یاد آتا ہے مجھے ہر بار
میڈل کے بٹنے کا جب عینِ شام وقت آیا — سمٹ کے آ گئے کمرہ میں سب صغار و کبار
میڈل مِلا کے دیئے سب کو میر مجلس نے — اور اُسکے بعد اشارہ کیا سوئے دیوار
لگی تھی آئینہ میں قدِ آدم ایک تصویر — کہا کہ دیکھو تو اِسکو یہ ہے شبیہ بہار
یہ ہے وہ جس نے نکالا رسالۂ کشمیر — اسی سے آج ہے سرسبز قوم کا گلزار
ہمارے واسطے صدہا مصیبتیں جھیلیں — اُٹھائے سارے زمانہ کے سیکڑوں آزار
اسی نے قوم کے پانوں کی بیڑیاں کاٹیں — اسی نے سب کو سکھائی زمانہ کی رفتار
اسی کا آج کرشمہ یہ آپ دیکھتے ہیں — شجر لگایا جو اُس نے وہ آج لایا ہے بار
یہ کہکے بانٹے سبھوں کو رسالۂ کشمیر — لکھے بخطِ جلی اُس پہ تھے یہ دو اشعار
قیام کچھ نہیں سامانِ عیش و عشرت کو — ہے ہیچ دولت و حشمت نہ ہو جو پر اوپکار
جو چاہتے ہو زمانہ میں نام رہ جائے — تو اپنی قوم پہ کر جاؤ جان و مال نثار
خوشی کے نعرے تھے ہر سُو بلند جلسہ میں — کہ سوتے سوتے مری آنکھ کھل گئی ایکبار
الٰہی واہمہ تھا یا کوئی بشارت تھی — کہ بختِ خفتۂ قومی تھا خواب میں بیدار

ببیں تفاوتِ رہ از کجاست تا بہ کجا
کہاں وہ خواب کہاں قوم کی یہ حالتِ زار

آبر نے قصیدہ ذیل سنہ ۱۸۹۴ء کے چوتھے سالانہ جلسۂ کشمیری کانفرنس لکھنؤ میں پڑھا تھا

سحر میں بیٹھا تھا کمرہ میں اور چڑھا تھا بخار — دل و دماغ تھے پژمردہ مضمحل بیمار
کتابیں گرچہ تھیں میری انیسِ تنہائی — مگر طبیعت افسردہ اُن سے تھی بیزار
نہ لکھنے پڑھنے کو جی چاہتا تھا کچھ اُس دم — نہ غور و فکر مضامیں سے تھا ذرا سروکار

پڑا تھا سُست کہ ایک دوست نے وہیں آکر
کہا کہ کرتے ہو کیا تم پڑے ہوئے بیکار

اُٹھو پلنگ سے اتنی بھی کاہلی کیا ہے
نکل کے دیکھو ذرا کانفرنس کی بھی بہار

چلے یہ کہکے کہ سُنتا تو آج آکے ذرا
فلاحِ قوم کے اربابِ قوم سے اذکار

صدائے جلسۂ قومی جو آئی کانوں میں
تو پھر رہا نہ طبیعت میں اپنے صبر و قرار

چُھری سی دل میں چلی اشک ڈبڈبا آئے
جو اپنی قوم کی یاد آئی مجھکو حالتِ زار

نظر سے چُھپ گیا خورشیدِ عزّ و جاہ و حشم
گھٹائیں چھائیں بد اقبال کی ہیں تیرہ و تار

نہ ہم میں اب رہا اگلا سا عزم و استقلال
نہ پاسِ وعدہ نہ ہے قول پر کسیکو قرار

جو شغل بھی ہیں تو وہ جو ہیں دشمنِ اخلاق
فلاحِ ذاتی و قومی سے کچھ نہیں سروکار

بزرگوں کی تو ہمارے رِوش کبھی یہ نہ تھی
کہاں سے سیکھی ہے ہمنے الٰہی یہ رفتار

وہ لوگ جنسے تھا روشن چراغِ علم و کمال
ہو انکی نسل کی صد حیف اب یہ حالتِ زار

زمانہ بھر تو ترقی کرے مگر افسوس
کہ ہم پڑے رہیں بس یوں ہی سُست اور لاچار

تمام قوم میں ہو اتفاق اور ہم میں
ہوں چرچے پھوٹ کے اور ہوں اتفاق کے اذکار

ہمارے لڑکوں کی تعلیم کی یہ حالت ہے
کہ انٹرنس کی دلدل سے گر ہوا کوئی پار

تو سمجھے یہ کہ کیا ہفتخوانِ رستم طے
نہ پھر ایل ایے نہ بی اے سے ہے کچھ انھیں سروکار

یہ فکر ہے کہ کہیں ریلوے کے دفتر میں
جو دس کی نوکری مل جائے تو ہو بیڑا پار

غریب کیا کریں یہ بھی ہیں بندۂ مجبور
کیا ہے بے زری قوم نے انھیں ناچار

مگر علاجِ مرض اب بھی سہل ہے یارو
ہے عزم ہمت و کوشش فقط تمھیں درکار

جو باتیں خواب کی ہیں وہ دکھا دو کرکے ابھی
اگر ترقیِ قومی پہ جھک پڑو ایکبار

امید تم سے ہے تمپر ہے فرض کوشش نیک
تمھیں پہ قوم کی بہبود کا ہے دارومدار

وہ اور قوموں میں کیا بات ہے جو تم میں نہیں
فقط نفاق و تعصّب نے کردیا ناچار

تمام عمر تو کھو بیٹھے سوؤ گے کب تک
بس اب تو خوابِ تغافل سے ہو کہیں بیدار

مٹایا لاکھ تمھیں گردشِ زمانہ نے — ہمیشہ رہنے کی لیکن نہیں یہ لیل و نہار
وہ کون شب ہے کہ جسکی سحر نہیں ہوتی — ہر اک خزاں کے عقب میں کھڑی ہے فصلِ بہار
رفاہِ قوم میں البتہ مشکلیں ہیں ضرور — نہیں ہے باغِ جہاں میں کوئی گُلِ بےخار
مگر جو ہمتِ عالی کو کام فرماؤ — تو دم بھر میں ہوں آساں جو مشکلیں ہوں ہزار

رہے نہ خارِ الم کا نشاں تلک باقی
ہو تازہ از سرِ نو اپنی قوم کا گلزار

عظمتِ ہند

رونقِ انجمنِ عالمِ امکاں ہم تھے — وصف تھے جنمیں فرشتوں کے وہ انساں ہم تھے
شمع بنتے راہ ہدایت کے زمانہ کے لئے — روشنیِ نگہِ گبر و مسلماں ہم تھے
مرکزِ علم تھے ہم دائرۂ عالم میں — شمع افروزِ رہِ منزلِ عرفاں ہم تھے
دین و دنیا کے مسائل کے تھے ہم عقدہ کشا — بابِ تحقیق تھے ہم قبلۂ ایماں ہم تھے
خطۂ ہند میں تھا خطۂ یونان کا اثر — علم ارسطو کا تھا حکمت میں بھی لقماں ہم تھے
طبعِ روشن سے تھے ہم فیض رسانِ عالم — صورتِ ذرّہ تھے سب مہرِ درخشاں ہم تھے
بزمِ عالم میں یہ صورت تھی صفا کے دل سے — مثلِ پروانہ تھے سب شمعِ شبستاں ہم تھے
گلشنِ دہر میں ہمسا نہ تھا آزاد کوئی — پا بہ گِل سب تھے مگر سروِ خراماں ہم تھے
غنچۂ خاطرِ عالم تھا شگفتہ ہم سے — مایۂ نازِ بہارِ چمنستاں ہم تھے
ہوسِ تاج شہی ہمتِ عالی کو نہ تھی — دیکھتے کب طرفِ قیصر و خاقاں ہم تھے
نکتہ آموزِ قدیم و ادب آموزِ جدید — طفلِ مکتب تھے سب اُستادِ دبستاں ہم تھے
شرک سے کفر سے مذہب کو بچانا بھی تھا فرض — یہی دولت تھی فقط جسکے نگہباں ہم تھے
نہ تو محتاج کسی کے تھے نہ ہم دست نگر — اپنے خالق کے فقط بندۂ احساں ہم تھے
رحم و ہمدردی و دلجوئی سرشت اپنی تھی — چارہ سازِ غم و اندوہِ غریباں ہم تھے

باغ و بستانِ وطن کوہ و بیابانِ وطن
سب یہ قالب تھے کہ جن میں صفتِ جاں ہم تھے

بلبلِ زار تھے ہم قمریِ ناشاد تھے ہم
گلِ گلزار تھے ہم سروِ گلستاں ہم تھے

لالۂ و یاسمن و نرگسِ و نسرینِ چمن
سوسن و سرو و گل و سنبل و ریحاں ہم تھے

قدِ دلجو و رُخِ روشن و خالِ مشکیں
چشمِ مخمور و خمِ زلفِ پریشاں ہم تھے

وہ جفاکاریِ حسن اور وہ وفاداریِ عشق
تیغِ ابروئے صنم زخمِ شہیداں ہم تھے

گوہرِ سرِ حقیقت کی تھی ہر سمت تلاش
ہر خرابے میں اسی گنج کے جویاں ہم تھے

رہتے تھے جن و پری تابعِ فرماں اپنے
مُہرِ انگشتریِ دستِ سلیماں ہم تھے

تھا مقام اُس کا سرِ شاخِ درختِ لاہوت
چمنِ دہر میں جس گل کے کہ جویاں ہم تھے

کیا کہیں اپنا فروغ انجمنِ عالم میں
حلقۂ نجم میں مثلِ مہِ تاباں ہم تھے

دینِ زرتشت ہمارے ہی اثر سے چمکا
آتش افروزِ صنم خانۂ ایراں ہم تھے

ہم مقدم تھے خبر ہم کو مؤخر کی تھی
جبکہ قرآں نہ تھا حافظِ قرآں ہم تھے

طمع و حرص کا دھبہ کبھی لگنے نہ دیا
نوشِ دنیا سے بچائے ہوئے داماں ہم تھے

مرہمِ زخمِ غریباں تھا سدا دستِ سلوک
دوست بیکس کے تھے ہم دردِ یتیماں ہم تھے

جب سلیماں تھا نہ سحباں تھا نہ حافظ نہ ظہیر
نکتہ پرداز و سخن سنج و سخنداں ہم تھے

نام لکھا تھا سرِ دفترِ عالم اپنا
علم و اخلاق کے مضمون کے عنواں ہم تھے

اپنے خالق کے حبیب اُسکی خلائق کے ادیب
معرفت کیش تھے ہم ہادیِ ایماں ہم تھے

ہفتِ اقلیم میں ہر سکہ پہ نقش اپنا تھا
کوئی فرمان ہو مُہرِ سرِ فرماں ہم تھے

مست ہم سا کوئی خمخانۂ عالم میں نہ تھا
ابر وہ جرعہ کشِ بادۂ عرفاں ہم تھے

سب کی آنکھوں میں کھٹکتے ہیں اب ہم صورتِ خار
یاد ایام کہ جب نازِ گلستاں ہم تھے

اب تو شبنم کی طرح رہتے ہیں گریاں ہر دم
اسی گلزار میں اک دن گلِ خنداں ہم تھے

پا بہ زنجیر ہیں جس طرح علایق سے اب
اس طرح سے نہ کبھی قیدیِ زنداں ہم تھے

آنکھ ہر ایک سے رہتی نہ تھی نیچی اپنی   شرم سے یوں نہ کبھی سر بگریباں ہم تھے
اب علاج اپنے مرض کا ہو تو اک بات بھی ہے
اس سے حاصل کہ کبھی عیسیِ دوراں ہم تھے

نظم دیگر

اے کاشمیر تو چمن بے نظیر ہے   شیدا ترا جوان کی صورت سے پیر ہے
تجھ پر ازل سے فضل خدائے کبیر ہے   جس کو لگی ہے تو تیری روشن ضمیر ہے
ہے آرزوئے دل کہ تری آرزو کریں
جبتک زبان تر ہے تری گفتگو کریں

جو ہے ہزار جان سے تجھ پر نثار ہے   گل سے عزیز ہم کو ترا خار خار ہے
سرتاجِ دہر۔ ہند کا تو افتخار ہے   رنگین تجھ سے یہ چمن روزگار ہے
مدت سے اشتیاق ہے اکبار دیکھ لیں
بلبل ہیں چشم شوق سے گلزار دیکھ لیں

سب کرتے آئے ہیں تری توصیف اور ثنا   تیری زمیں ہے زیر فلک شانِ کبریا
دیکھا نہیں ہے آنکھ سے، کانوں سے ہے سنا   ہے یہ شنید دید سے بھی معتبر سوا
اب کچھ ہو پہلے تو چمنِ بے مثال تھا   کیا حال سے غرض ہے، یہ ماضی کا حال تھا
فرشِ زمیں کا عرش سے پایہ بلند تھا   ذرّوں کا مہر سے بھی ستارہ بلند تھا
آب و ہوا کو حکم جو تھا زمہریر کا
بازار سرد رہتا تھا مہر و منیر کا

ہر نخل شکلِ نخلِ تمنا ہرا بھرا   ہر گل گلِ مراد سے بھی بڑھ کے جانفزا
ہر غنچہ غنچۂ دلِ احباب باوفا   ہر خار خارِ دیدۂ بدبین و پر دغا
ہر کوہ کاشمیر کا کوہِ وقار تھا
ہر چشمہ چشمۂ کرم کردگار تھا

چشمِ وفا کا نرگسِ بیمار پُرگماں — سادہ رُخوں کی پھولوں میں رنگیں مزاجیاں
بحرِ عطا کی طرح ہر اک نہر تھی رواں — آزادیٔ وطن تھی ہر اک سرو سے عیاں
کس جوش سے پہاڑ کے چشمے اُبلتے تھے
اہلِ وطن کے وَلولے دل سے نکلتے تھے

ہر سرو میں بلندیٔ ہمت انھیں کی تھی — ہر نہر میں صفائے طبیعت انھیں کی تھی
ہر گُل میں رنگ و بوئے محبت انھیں کی تھی — ہر غنچہ کی زباں پہ حکایت انھیں کی تھی
موجِ صبا مسیح نفس اُن کے دم سے تھی
کشتِ اُمید سبز انھیں کے کرم سے تھی

ہے سیر برف کی وہی بالائے کوہسار — جاری ہیں ہر طرف سے وہی اب بھی آبشار
کوسوں تلک وہی ہیں شجر ہائے میوہ دار — گلزار ہیں وہی گُل و نسریں کی ہے بہار
بلبل وہی ہیں گُل وہی ہیں بوستاں وہی
نہریں وہی ہیں سرو وہی قُمریاں وہی

دریا وہی ہیں دشت وہی ہیں جبل وہی — سبزہ کنارِ جُو ہے وہی سیرِ ڈل وہی
گردوں پہ مہر و ماہ و سُہا و زحل وہی — روئے زمیں پہ شہر و مکان و محل وہی
آب و ہوا وہی ہے مرے کاشمیر کی
سردی وہی ہے خطۂ جنت نظیر کی

سب کچھ وہی ہے حیف مگر وہ بشر نہیں — وہ اہلِ دل نہیں ہیں وہ اہلِ نظر نہیں
کان و صدف وہی ہیں پہ لعل و گہر نہیں — باغ و چمن وہی ہیں پہ گل ہائے تر نہیں
قالب ہے دیکھنے کو پہ قالب میں جاں نہیں
نامِ وطن ہے حُبِّ وطن کا نشاں نہیں

کیا آج کل وطن کی ہے حالت نہ پوچھئے — کشمیریوں کی گردشِ قسمت نہ پوچھئے

جنت میں بھی عذابِ جہنم اُٹھاتے ہیں
اعمال بد کئے ہیں سزا اُن کی پاتے ہیں

گلزار میں بھی وحشت کی وحشت کا رنگ ہے
صبحِ وطن میں شامِ غریبی کا رنگ ہے

جو ہے وہ جورِ دستِ زمانہ سے تنگ ہے
کشتِ امید موردِ بارانِ سنگ ہے

آوارہ آرزوئیں ہیں مانندِ گردِ راہ
کشتیِ قوم موجِ تلاطم میں ہے تباہ

فراق

کوکلا تجھ سے طبیعت جو بہل جاتی ہے
تو جو آئی تو میرے دل میں یہ لہر آتی ہے

اپنا دکھ تجھکو سناؤں میں بہن تو جو سُنے
صبح سے آج طبیعت میری گھبراتی ہے

پیا پردیس گئے جب سے کچھ ایسے چُپ ہیں
نہ تو خط آتا ہے کوئی نہ خبر آتی ہے

نہیں معلوم کہ کیا اُن پہ گذرتی ہوگی
اُن کا دھیان آتا ہے جب جان پہ بنجاتی ہے

ساس سے کچھ نہیں کہہ سکتی نہ کچھ دیور سے
مجھے تو نند سے بھی پوچھتے شرم آتی ہے

پوچھوں کس سے میں بہن اُسکا تو یہ حال ہے اب
سیدھی سی بات جو کرتی ہوں بگڑ جاتی ہے

مجھکو دیوانہ بنا رکھا ہے سب نے گھر میں
میں جو روتی ہوں تو لوگوں کو ہنسی آتی ہے

تیری ماں بھی یہ میری ساس سے کل کہتی تھی
کونسا غم ہے بہو کو جو گھلی جاتی ہے

مُنہ لپیٹے ہوئے ہر وقت پڑی رہتی ہے
سست رہتی ہے نہ پیتی ہے نہ کچھ کھاتی ہے

ساس بولیں کہ بناوٹ کی ہیں ساری باتیں
میکے جانے کے لئے سانگ یہ پھیلاتی ہے

یہی سُن سُن کے کڑھا کرتی ہوں دن رات بہن
کیا کہوں موت بھی تو مجھکو نہیں آتی ہے

اپنا دُکھڑا میں کہاں تک کہوں تجھ سے پیاری
تو جو آئی ہے طبیعت یہ بہل جاتی ہے

تو یہ کہتی ہے اب آتے ہیں اب آتے ہیں پیا
جیتی رہ میری بہن کیا مجھے بہلاتی ہے

تو ذرا کہہ تو کہ اک تار جوابی بھیجیں
مجھکو تو ساس سے کہتے ہوئے شرم آتی ہے

پھر مری بات پہ کیا جانیں وہ کیا کہہ اُٹھیں
طعنہ بازی سے طبیعت مری گھبراتی ہے

ساس نندوں کی محبّت کو تو میں دیکھ چکی
آگے کیا دیکھیے قسمت مری دکھلاتی ہے

دھک سی رہ جاتی ہوں سُنتی ہوں جو پردیس کا نام
اِک اُداسی سی مرے چہرہ پہ چھا جاتی ہے

دل بھر آتا ہے میرا غیر کا دُکھ سُننے سے
رنج کی بات نہیں مجھ سے سُنی جاتی ہے

آنکھ لگتے ہی بُرے خواب نظر آتے ہیں
بند کانوں میں بھی رونے کی صدا آتی ہے

ایسی کمزور طبیعت ہوئی ہے اِن روزوں
ہر طرف رنج ہی کی شکل نظر آتی ہے

کوکلا میرے حواسوں کا تو یہ عالم ہے
کل کی بات آج جو پوچھیں نہیں یاد آتی ہے

اپنے سایہ سے بھی ڈرتی ہوں اکیلے میں بہن
گھر کی بھی شکل بھیانک سی نظر آتی ہے

بیکسی پر جو میری اُس کو ترس آتا ہے
کبھی دو چار گھڑی ساس بھی سمجھاتی ہے

میرا دیور بھی تسلّی کبھی کرتا ہے مری
نند بھی میری دلاسا مجھے دے جاتی ہے

کیا کہوں میری طبیعت بھی ہے ایسی کمبخت
کچھ جتن کیجیے پر یہ نہیں کل پاتی ہے

دن تو رو رو کے کسی طرح سے کٹ جاتا ہے
چھاتی پھٹتی ہے مری رات جہاں آتی ہے

شام سے صبح تلک تارے گِنا کرتی ہوں
بیٹھے چین آتا نہ لیٹے مجھے نیند آتی ہے

تھرتھرا جاتی ہوں گھبرا کے میں چونک اُٹھتی ہوں
مُنہ سے چادر بھی جو سوتے میں سرک جاتی ہے

دھیان رہتا ہے پیا کا مجھے دن رات بہن
تیری پیاری تو اسی غم میں گھُلی جاتی ہے

نہیں معلوم کہاں ہونگے وہ کیسے ہوں گے
سوچ اُنھیں کا ہے اُنھیں کی مجھے یاد آتی ہے

یاد پردیس میں مجھکو بھی وہ کرتے ہونگے
کچھ سبب ہے جو طبیعت میری گھبراتی ہے

اُن کے آنے تلک اب آس کسے جینے کی
تھوڑی سی عمر ہے سو غم میں کٹی جاتی ہے

میرے گھر والے تو نادان سمجھتے ہیں مجھے
میری تسکین کو تو ہی مجھے بہلاتی ہے

تُو تو کہتی ہے چلو باغ میں جھولا جھولیں
رت ہے ساون کی وہ گھنگھور گھٹا آتی ہے

صدقے جاؤں میں تیرے پیار و محبّت کے بہن
تو تو سب طرح سے دل کو مرے بہلاتی ہے

پر مرا حال جو کچھ ہے وہ کہوں کیا تجھ سے
مجھے دنیا کی کوئی بات نہیں بھاتی ہے

ضعفِ غم سے یہ ہوا حال کہ اب نبض مری
چھوٹ جاتی ہے تو گھڑیوں نہیں پھر آتی ہے

دل تڑپ جاتا ہے پھٹ جاتی ہے چھاتی میری
روتی ہوں شعر کسی کا جو یہ تو گاتی ہے

شکل امید تو کیا ہم کو نظر آتی ہے
صورت یاس بھی بن بن کے بگڑ جاتی ہے

ہمصفیروں کو مبارک ہو گلستاں کی ہوا
گھر میں صیاد کے ہم کھاتے ہیں زنداں کی ہوا

اُلٹے دیتی ہے مجھے چشم سیہ کی مستی
ہوش اُڑاتی ہے مرے زلف پریشاں کی ہوا

فصل گُل آئی ہے وحشت مجھے ہونے کو ہے
خاک میرے لئے چھانے نہ بیاباں کی ہوا

گُل جگر چاک ہوئے غنچوں کے دل خون ہوئے
بندھ گئی باغ میں جب بُلبلِ نالاں کی ہوا

رخصتِ فصلِ بہاری ہے تو ہم بھی رخصت
کھا چکے کھانی تھی ہم کو جو گلستاں کی ہوا

پر نئے ہو ہو کے اُسے بھی نہ ہو شوق اُڑنے کا
کہیں لگ جائے نہ دامن کو گریباں کی ہوا

خیر دل سے ہے یہ امید قفس میں بھی ہمیں
پھاند کر آئے گی دیوار گلستاں کی ہوا

موجِ بوئے گُلِ گلزار جنوں خیز ہوئی
بیڑی پہناتی ہے بُلبل کو گلستاں کی ہوا

سیر گلشن تو ہوئی بزم حسیناں دیکھو
ابر اب کھاؤ ذرا چل کے پرستاں کی ہوا

تازہ رکھتی ہے دماغ ابر سے سودائی کا
کیا مفرح ہے تیری زلفِ پریشاں کی ہوا

مطلب کی دوستی کا بھلا اعتبار کیا
جو وقتِ بد میں کام نہ آئے وہ یار کیا

پھولوں کو جا کے باغ میں تم خود نہ دیکھ لو
مَیں کیا کہوں ہے خندۂ بے اختیار کیا

دنیا کے مخمصوں کی ہے مستوں کو کیا خبر
جب اپنا غم نہیں تو غمِ روزگار کیا

دنیا کے سارے راگ ہیں یاں اپنے دم کے ساتھ
ہے تار سازِ نغمہ نفس کا بھی تار کیا

قسمت ہی میں نہیں ہے جو پھولے پھلے کبھی
سرو چمن کی ابر خزاں کیا بہار کیا

بحرِ سخا نے سب کو تونگر بنا دیا
چشمِ صدف میں اشک کو گوہر بنا دیا

دکھلائی شانِ بندہ نوازی اگر کبھی
ذرّہ کو اُس نے مہر منور بنا دیا

چکّر میں گرد باد کے جو ذرّہ آگیا
میرے نصیب کا اُسے اختر بنا دیا

انگور کو عطا جو ہوا شیشۂ شراب
گل کو نسیمِ باغ نے ساغر بنا دیا

مہتاب کو سہیل کی قربت بھی داغ ہے
کیسا یہ خال یار نے رخ پر بنا دیا

اللہ رے شوق اُڑ کے پہنچتا ہے نیرے پاس
تیری ہوا نے خط کو کبوتر بنا دیا

ترچھی نظر کے ساتھ جو تیوری بھی چڑھ گئی
تیغ اسکو اسکو تیغ کا جوہر بنا دیا

حور و پری و جنّ و بشر سب ہیں ملتفت
کب نقشِ خُب یہ دل کے نگیں پر بنا دیا

روزِ ازل سے عقل کو جس گھر کی ہے تلاش
وہ گھر حدودِ عقل کے باہر بنا دیا

دل میں کب میرے خیالِ رُخِ جاناں نہ ہوا
کب صنم کعبۂ اللہ میں مہماں نہ ہوا

مجھکو دشمن سے بھی خوف و خطرِ جاں نہ ہوا
ہوں وہ شعلہ کہ ہوا سے کبھی لرزاں نہ ہوا

چمنِ دہر میں جمعیّتِ خاطر ہے کسے
غنچہ ساں کوئی یہاں آکے پریشاں نہ ہوا

غم و حسرت نے یہاں توڑی نہیں کس کی کمر
کون سا دل ہے جسے داغِ عزیزاں نہ ہوا

رخنہ اندازِ حقیقت نہ ہوا عشقِ مجاز
ابروئے روئے صنم کعبۂ ایماں نہ ہوا

کیا مقدّم پہ موخّر کو میں دیتا ترجیح
دَیر سے کعبہ گیا پر میں مسلماں نہ ہوا

بعد مرنے کے ہو امید کفن کی کس سے
زیست میں کوئی میرے حال کا پرساں نہ ہوا

کیسی راحت نہ جراحت بھی ہوئی مجھکو نصیب
میں تو کیا ہوں دہنِ زخم بھی خنداں نہ ہوا

دشتِ وحشت میں میرا ساتھ بھلا کیا دیگا
اپنے سایہ سے جو دیوانہ گریزاں نہ ہوا

صرصرِ آہ کبھی اشک کا سیلاب کبھی
میری بربادی کا یاں کونسا ساماں نہ ہوا

کیسے کیسے ہوے اس ہند میں اُستاد لے ابر
میر و آتش سا مگر کوئی سخنداں نہ ہوا

گو جنونِ عشق سے دنیا میں شور و شر اُٹھا
یہ شرارت کس کی تھی جو فتنۂ محشر اُٹھا
کون ہمسا ہوگا محوِ سجدۂ دیرِ صنم
نقشِ سنگِ در اُٹھا لیکن نہ اپنا سر اُٹھا
لو گلا کٹوانے والو اب تمھاری عید ہے
تیغ ابرو اُٹھ گئی مژگاں کا بھی خنجر اُٹھا
ایسی بیدردی کا دردِ دل نہ کیوں ممنون ہو
ٹیس جب پھوڑے میں اُٹھی آپ کا نشتر اُٹھا
دوست دشمن نشہ میں دونوں برابر ہو گئے
ہاتھ قاتل کا کبھی اس پر کبھی اسپر اٹھا
بُت کہاں ہیں شیخ کعبہ میں جو ہم جائیں وہاں
اُٹھ گیا جو مال تھا تو جاکے اب پتھر اُٹھا
چوم لے خوش ہو کے وہ بھی تیرا دستِ شوق ابر
اس تکلف سے نقابِ چہرۂ دلبر اُٹھا

اُلٹے دیتی ہے مجھے گردشِ پیمانہ جدا
ہوش اُڑاتی ہے مرے نرگسِ مستانہ جدا
گُل کے قدموں سے یہاں سبزہ لگا رہتا ہے
آشنا سے نہیں اس باغ میں بیگانہ جدا
جلنا آپ اور ہے اوروں کا جلانا کچھ اور
گرمیِ شمع جدا سوزشِ پروانہ جدا
آپ بھر جاتا ہے وہ کوئی بھرے یا نہ بھرے
سارے پیمانوں سے ہے عمر کا پیمانہ جدا
کس کی میخانہ میں یہ تفرقہ پردازی ہے
خم سے شیشہ ہے جدا شیشہ سے پیمانہ جدا
دل میں جو ہے وہ کب آنکھوں کو نظر آتا ہے
جلوۂ طور سے ہے جلوۂ جانانہ جدا
کسکی شوخی و شرارت کا کرشمہ ہے یہ ابر
شمع جلتی ہے الگ بزم میں پروانہ جدا

کمال عشق ہے یاں اپنی ہستی سے گزر جانا
ہے حاصل زندگی کا یار کی اُلفت میں مر جانا
مرے بے موت تیرے عشق میں اس سے بڑی مشکل
جو ہوتا موت سے مرنا تو پھر آساں تھا مر جانا
عدم کی راہ میں اک گور کی منزل بھی پڑتی ہے
سفر ہے دور کا تھکنا تو دم لینے ٹھہر جانا

عدم سے تو یہاں تک کھینچ لائی ہے قضا ہم کو
یہاں سے دیکھئے ہوتا ہے اب اپنا کدھر جانا

گذرگاہِ جہاں میں ابر جو ہے وہ مسافر ہے
یہی عالم ہر اک کا ہے اِدھر آنا اُدھر جانا

اُس کی چشمِ شوخ کا جب سامنا ہو جائیگا
اک اشارے میں نہ جانے کیا سے کیا ہو جائیگا

کوچۂ اُلفت میں ہم کو خضر کی حاجت نہیں
اشتیاقِ دل ہمارا رہنما ہو جائیگا

پہلے کچھ بندہ نوازی کی صفت پیدا کرے
بے نیازی سے فقط کیا بُت خدا ہو جائیگا

نغمہ ہائے سازِ ہستی کا ملے گا لُطف جب
یار کی آواز سے کان آشنا ہو جائیگا

جب ہرے ابرِ کرم سے ہونگے اشجارِ چمن
پتّا پتّا صورتِ دستِ دُعا ہو جائیگا

کوئے اُلفت میں کرونگا جب میں راحت کی تلاش
دیدۂ عبرت کی صورت نقشِ پا ہو جائیگا

جب جوانی جائیگی اور آئے گی فصلِ بہار
ابر بھی تب شیخ تجھ سا پارسا ہو جائیگا

شجر میں جو پنہاں جمالِ یار رہا
حنا میں رنگ ہوا سنگ میں شرار رہا

جفا پر اپنی جو شرمندہ مجھ سے یار ہوا
کچھ ایک بار نہیں یہ ہزار بار ہوا

نتیجہ عیشِ جوانی کا ہے غمِ پیری
سرور شام ہمیں صبح کو خمار ہوا

عجیب سوزِ محبّت نے صورتیں لیں
جگر میں داغ ہوا نبض میں بخار ہوا

ملا بتوں سے نہ کچھ دیکے جان و ایمان بھی
خدا کا مفت میں بندہ گنہگار رہا

دردِ حسرت کیا کہوں میں آخری دیدار کی
ہاتھ میرا دل پہ تھا آنکھیں تھیں میری سوئے دوست

شامِ سنبل میں سوادِ زلفِ مشکیں کا ہے رنگ
صبحِ نسرینِ چمن میں ہے بہارِ روئے دوست

پردہ ہی میں ہو رہے ہیں کس قیامت کے ستم
کس کی طاقت ہے کہ بے پردہ جو دیکھے روئے دوست

عشقِ کامل کا مرے رنگ ابر ایسا جم گیا
باغ میں جس گل کو سونگھا مجھکو آئی بوئے دوست

اللہ دے زبان تو ہو وِردِ نامِ دوست
ہوں گوش نیوش تو سُنئے کلامِ دوست

شبنم نہیں ہے گُل پہ یہ اے بُلبلِ حزیں
لبریز ہے شرابِ محبت سے جامِ دوست

مطلب نہ آفرینشِ عالم کا کچھ کُھلا
تھا لفظ کُن مگر سخنِ ناتمامِ دوست

ہُشیار جتنے آتے ہیں سب مست جائیں گے
بزمِ جہاں میں ہے جو یہی دورِ جامِ دوست

کعبہ کنشت دیر و کلیسا میں چل کے سُن
ہے ایک ذاتِ دوست ہزاروں ہیں نامِ دوست

کس ماہ کا دیدار ہے منظورِ نظر آج
مُنہ چشمۂ خورشید میں دھوتی ہے سحر آج

گُل جامے سے باہر ہیں کِھلے جاتے ہیں غُنچے
لائی ہے اُڑا کر یہ صبا کس کی خبر آج

پھر پھول کِھلے بادِ بہاری کے کرم سے
لگ جائے گلستاں کو نہ گلچیں کی نظر آج

پھر دیکھیں گے گلشن کو یہ دل بول رہا ہے
گو موت لئے جاتی ہے صیّاد کے گھر آج

ہستی کا نیا دیس ہے اور بھیس نیا ہے
حیراں ہیں عدم چھوڑ کے نکلے کدھر آج

سُرورِ مے میں گلوں میں رہا جو بو ہو کر
وہ میرے دل میں رہا دل کی آرزو ہو کر

نہ ٹپکا آنکھ سے جو اشکِ غم لہو ہو کر
وہ میرے دل میں رہا خونِ آرزو ہو کر

دکھائے گا جو اثر سوزِ نالۂ بُلبل
گلوں کا رنگ اُڑے گا چمن میں بو ہو کر

چُھٹا ہے رنگ گلوں کا جو آبِ شبنم سے
وہ سارے باغ میں اُڑتا پھرا ہے بو ہو کر

بڑا کریم ہے وہ ابر جس کا بحرِ کرم
مرے چمن میں بھی آتا ہے آبجو ہو کر

ایک چشم زدن میں تھا زماں اور زمیں اور
دیکھا تو نظر آئے مکاں اور مکیں اور

رہتے ہیں ہم آنکھوں میں پہ نظروں سے نہاں ہیں
ہم سا نہ کوئی پاؤ گے تم گوشہ نشیں اور

خِلقت میں اگر اپنے نہیں ہے تو کہاں ہے
کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ خالق ہے کہیں اور

جویاں حرم و دیر میں ہیں شیخ و برہمن ناداں اُسے سمجھے ہیں کہیں وہ ہے کہیں اور
ہے رسم مروّت نہ محبت کا رواج ابرؔ
اس شہر سے بہتر ہے نکل چلئے کہیں اور

ابتدا میں انتہائے عشق دکھلاتی ہے شمع پاؤں رکھتے ہی یہاں سر سے گذر جاتی ہے شمع
بزم کیا خلوت میں بھی یہ پاسِ دارِ عشق ہے گر ہوا بھی آتی ہے خاموش رہ جاتی ہے شمع
رونے میں شامل ہنسی ہنسنے میں ہے رونا شریک بزم ہستی کی ہمیں تصویر دکھلاتی ہے شمع
ہے زباں لیکن زباں میں تابِ گویائی نہیں دل ہی دل میں اور اُس غم سے گھلی جاتی ہے شمع
اُف نہیں کرتی زباں سے گو غمِ عاشق میں ہے لاش پر پروانہ پہ جل کر خاک ہو جاتی ہے شمع
شوخیِ پروانہ پر تو مُسکراتی رہتی ہے غیر اگر چھیڑے تو فوراً آگ ہو جاتی ہے شمع
گھورتے ہیں سینکڑوں پروانے عریاں دیکھ کر انجمن میں مارے غیرت کے گڑی جاتی ہے شمع
دیکھتی ہے رات بھر عیش و طرب کا رنگ ڈھنگ صبح کو روتی ہوئی محفل سے اُٹھ جاتی ہے شمع
اتنی نسبت اس کو بھی انساں سے ہے بعدِ فنا کچھ ہوا ہو جاتی ہے کچھ خاک ہو جاتی ہے شمع

گرم ہے بزمِ سخن اب ابرؔ پڑھ دیجئے غزل
دیکھئے وہ آپ کے بھی سامنے آتی ہے شمع

سر سے پاتک آتشِ سوزِ جگر رکھتی ہے شمع اپنی رگ رگ میں بجائے خوں شرر رکھتی ہے شمع
جسمِ زار و دودِ آہ و چشمِ تر رکھتی ہے شمع کس کے سوزِ عشق کا یہ دردِ سر رکھتی ہے شمع
رات دن اپنے ہی سوزِ دل کا رونا ہے اُسے حالتِ پروانہ کی بھی کچھ خبر رکھتی ہے شمع
سر بھی کٹ جائے زباں سے پر نہ نکلے دل کی بات ہمتِ مردانہ پروانہ کی کیا رکھتی ہے شمع
پردہ کی حاجت سیہ کاروں ہی کو ہے دہر میں صاف دل ہے اسلئے شیشہ کا گھر رکھتی ہے شمع
ایسی کیا منزل عدم کی ہے کہ جس کے شوق میں شام سے تا صبح یاں عزمِ سفر رکھتی ہے شمع
لَو لگی ہے گر نہیں اُس مظہرِ انوار سے پھر یہ کیوں ہر بزم میں اوپر نظر رکھتی ہے شمع

کوئی روشن دل جو ہو اس بزم میں مجھ سے کہے　　چپکے چپکے کیا یہ پروانہ سے فرماتی ہے شمع

اپنا سوزِ دل تو پیشِ یار کہہ سکتی نہیں
بزم میں ساتھ ابرؔ تجھ سا نوحہ گر رکھتی ہے شمع

ختم اِس بات پہ ہم کرتے ہیں افسانۂ عشق　　سب سے ہشیار وہی ہے جو ہے دیوانۂ عشق
ہوئی آراستہ جب بزمِ جہاں روزِ ازل　　شمعِ حسن آپ ہوئے ہیں ہوا پروانۂ عشق
حسرتِ وصل رہی عالمِ بیداری میں　　پریوں کو خواب میں دیکھا کیا دیوانۂ عشق
خالی اُس شمع شب افروز سے جو بزم ہے یاں　　جل کے رہ جاتا ہے اس بزم میں پروانۂ عشق
حسن بے پردہ ہے محفل میں اگر صورتِ شمع　　پردہ پوشی کے لئے ہیں پرِ پروانۂ عشق
شیخ صاحب بھی ہمارے ہیں عجب ذاتِ شریف　　وعظ ہے بزم میں خلوت میں ہے افسانۂ عشق
شورِ بلبل جو چمن میں ہے بہارِ گُل میں　　بزمِ مستاں میں وہ ہے نعرۂ مستانۂ عشق
سرِ ممبر ترے دیوانے اگر بیٹھے ہیں　　پردۂ وعظ میں کہہ جاتے ہیں افسانۂ عشق
گرم بازاریِ سودائے محبت کو نہ پوچھ　　سکّۂ داغِ جگر ہیں زرِ بیعانۂ عشق
زہر پینا جو ہو منظور مجھے مُنہ سے لگاؤ　　دمبدم ہے یہ صدائے لبِ پیمانۂ عشق
کوچۂ یار میں لڑنا ہے قضا سے چل کر　　آبرو رکھیو مری ہمّتِ مردانۂ عشق
زُلف بکھرائے ہوئے بیٹھا ہے وہ رشکِ پری　　پا بہ زنجیر چلے آتے ہیں دیوانۂ عشق
زُلفِ پُر پیچ کی اللہ کرے عمر دراز　　مختصر ہونے نہیں دیتی یہ افسانۂ عشق
کہو کم ظرفوں سے سنبھلے رہیں ہنگامِ سرور　　لغزشِ پا سے چھلک جاتا ہے پیمانۂ عشق

بیٹھے ہیں کب سے کوئی راہِ خدا پلوادے
ابرؔ ہم بھی ہیں گدائے درِ میخانۂ عشق

پھر آیا باغ میں جامِ شرابِ خندۂ گُل　　ہوا ہے پھر شرفِ آفتابِ خندۂ گُل
بہار آئی اُٹھا پھر سحابِ خندۂ گُل　　برس رہی ہے چمن میں شرابِ خندۂ گُل

غضب کا ہوگا عروسِ بہار کا جوبن ۔۔۔ کہ جس کے دم کے لئے ہے نقابِ خندۂ گُل
تبسّمِ لبِ شیریں کی کیا کروں تعریف ۔۔۔ نہ ہوتا یہ تو نہ ہوتا جوابِ خندۂ گُل
چمن سے صورتِ سیماب اُڑ گئی شبنم ۔۔۔ یہ گرمیاں تری جوشِ شبابِ خندۂ گُل
تھی جیسی شئے بِلا ویسا ہی ظرف بھی اُسکو ۔۔۔ سبوئے غنچہ میں بھردی شرابِ خندۂ گُل
ہیں حسن و عشق کی ناز و نیاز کی باتیں ۔۔۔ سوالِ گریۂ بلبل جوابِ خندۂ گُل
تبسّمِ لبِ غنچہ سے یہ اشارہ ہے ۔۔۔ کہ کوئی دم میں کھُلے گی کتابِ خندۂ گُل
بڑے دریدہ دہن ہیں ہمارے زخمِ جگر ۔۔۔ یہ بات بات پہ دینگے جوابِ خندۂ گُل
عدم وجود برابر ہیں بحرِ عالم میں ۔۔۔ یہ ہے اشارۂ نقشِ برآبِ خندۂ گُل
ہُوں باغِ دہر میں وہ عندلیبِ نازک طبع ۔۔۔ کہ مست رکھتی ہے مجھکو شرابِ خندۂ گُل
سبو و جام و صراحی سے کیا غرض مجھکو ۔۔۔ ملے جو ساغرِ گُل میں شرابِ خندۂ گُل

جنابِ ساقیِ درویش دل کے فیض سے **ابر**
ہوا ہے سالکِ راہِ صوابِ خندۂ گُل

تلاشِ یار کی ہے، ہم نے کِس کِس رہ گزاروں میں ۔۔۔ اُڑائی خاکِ صحرا ہے، پھرے ہیں کوہساروں میں
چمن میں پھر کوئی تازہ شگوفہ کھِلنے والا ہے ۔۔۔ گُل و بُلبل میں باتیں ہو رہی ہیں کچھ اشاروں میں
گُلِ خورشید اُس کے حکم سے ہر صُبح کھِلتا ہے ۔۔۔ اُسی کے باغ میں شبنم بھی ہے آئینہ داروں میں
اُسی سے ہے یہ سب حسنِ جہاں کی گرم بازاری ۔۔۔ اُسی کی آتش افروزی ہے پتھر کے شراروں میں

چھڑا ہے ساز کس کا ابر پھر دل میں پہاڑوں کے
صدائے نغمۂ دلکش بھری ہے آبشاروں میں

شانِ خالق ہے عیاں انسان کی تقدیر میں ۔۔۔ خود مصوّر بولتا ہے پردۂ تصویر میں
ہم تو ہیں بے بال و پر اور دور ہے باغِ وطن ۔۔۔ پر اگر ہوتے پہنچتے اُڑ کے ہم کشمیر میں
صرف میرے نامۂ اعمال میں سب ہو گئی ۔۔۔ تھی سیاہی جتنی کلکِ کاتبِ تقدیر میں

ترجمانِ دل زباں ہے خامۂ نقالِ زباں — بات جو تقریر میں ہے وہ کہاں تحریر میں

ہے مصوّر کے قلم کے فیض سے سب ورنہ ابر
رنگ و روغن کے سوا رکھا ہے کیا تصویر میں

عدوے دوست سے کب خواہشِ امداد کرتے ہیں — کہیں گلچیں سے ہم صیّاد کی فریاد کرتے ہیں
سرِ محفل کہیں یوں شکوۂ بیداد کرتے ہیں — ہیں سازِ نغمہ گر چھیڑو تو ہم فریاد کرتے ہیں
تیری آنکھوں پہ چسپاں مطلعِ ابرو ہوا ایسا — اشارے سے کہا نرگس نے ہم بھی صاد کرتے ہیں
یہ کیا اسرار ہے بیہوش ہو کر ہوش آتا ہے — خودی جب بھول جاتے ہیں خدا کو یاد کرتے ہیں
زبانِ شکوہ وہ کاٹا کریں عاشق بھی ایسے ہیں — دہانِ بے زباں سے مثلِ نَے فریاد کرتے ہیں
گل و بلبل کی یا رب خیر ہو رنگ آج بیڈھب ہے — اشارے باغ میں گلچیں سے کچھ صیّاد کرتے ہیں
فریبِ خواب سے صیّاد کے ہشیار رہ بلبل — تغافل کی ادائیں سب ستم ایجاد کرتے ہیں
ہمارے بال و پر تو جل گئے سب آتشِ گل سے — یہ فکرِ دام و دانہ کس لئے صیّاد کرتے ہیں
بہارِ باغ ہے بیتاب ہیں سب نغمہ سننے کو — کہاں ہو بلبلو جلدی چلو گل یاد کرتے ہیں

نہیں جنّت پہ کچھ موقوف دوزخ پر بھی قبضہ ہے
فرشتوں کو بھی مات اے ابر آدم زاد کرتے ہیں

وہ تیغ کیا جو ہر دم چلتی رہے نہ رن میں — کس کام کی زبان وہ جو چپ رہے دہن میں
آیا ہے جس طرح یاں جانا اسی طرح تھا — دھبہ لگا کفن سے عریانیِ بدن میں
کچھ دل میں کچھ زباں پر یہ رنگ ہے جہاں کا — باطن چھپا ہوا ہے ظاہر کے پیرہن میں
کس کس کی آرزو نے کی میری خیر مقدم — آیا جو بعد مدّت غربت سے میں وطن میں
کر قطع سب سے تا ہو حسنِ لباسِ ہستی — قطع و برید سے ہے سب زیب پیرہن میں

ملبوسِ خاک دیکھو اور نورِ پاک دیکھو
ہے شانِ دستِ قدرت پیوندِ روح و تن میں

نظر آتے نہیں جو چشمِ بلبل کو بھی گلشن میں
نگاہِ شوق چن لیتی ہے ان پھولوں کو دامن میں

کہوں کیا گرمیِ حسنِ صنم دیر برہمن میں
ہے رشتہ شمع کا ہر رشتۂ زنّار گردن میں

خدا کا نور عاشق دیکھتے ہیں روے روشن میں
نہ کوہِ طور پر کچھ ہے نہ کچھ وادیِ ایمن میں

بسر کی غنچۂ گل نے عجب عسرت سے گلشن میں
جو ٹکڑے تھے گریباں کے بھٹے پیوند دامن میں

تماشا دیکھتے ہو دور سے لڑوا کے دونوں کو
یہ اچھا فیصلہ تم نے کیا شیخ و برہمن میں

خدا کی شان ہے ڈورا جو تھا شمشیرِ قاتل کا
رفوے زخم کو رشتہ بنا وہ چشمِ سوزن میں

کیا کس کس کا خونِ آرزو پردہ نشینی نے
یہی دھبّا رہیگا شاہدِ عصمت کے دامن میں

لبِ خاموش سے غنچوں کے یہ آواز آتی ہے
زباں کو جس کی حسرت ہے وہ گویائی ہے سوسن میں

ہمیشہ چاک پیراہن پہ پڑتی ہے نظر اُسکی
کوئی جوہر نہیں جز عیب بینی چشمِ سوزن میں

جو نازک طبع ہیں مٹ جاتے ہیں پر اُف نہیں کرتے
شکستِ رنگِ گل کی کب صدا آتی ہے گلشن میں

شرافت حسن کی رکھیگی کب تک شرم پردے کی
چراغِ زیرِ دامن سے لگے گی آگ دامن میں

طریقِ معرفت میں پیروی اہلِ شریعت کی
ہو محتاجِ چراغ اے اسیر تم بھی روز روشن میں

عجب رنگیں ادائیں ہیں گل و نسرین و ریحاں میں
مبارک ہمصفیرو پھر بہار آئی گلستاں میں

کیا بلبل سے خالی باغ صیّادِ ستمگر نے
بھرے گل خوب گلچینوں نے اپنے اپنے داماں میں

جنوں میں اپنی اپنی راہ آخر دونوں چل نکلے
ہوا ہے فاصلہ کوسوں کا داماں و گریباں میں

بسر کی عمر یوں ہیں اپنی ہنگام جنوں ہمنے
چمن سے دل جو گھبرایا نکل آئے بیاباں میں

یہ تھی نازک مزاجی عالمِ دیوانگی میں بھی
بجائے خاک اڑتے ہوش و حواس اپنے بیاباں میں

عجب شانِ ترقّی جلوۂ قدرت سے پیدا ہے
شررِ پتھر میں رنگ و بو ہے گل میں روح انساں میں

خزاں کی برگ ریزی کیا ہے دفتر کی تباہی ہے
نہ جانے کیا لکھا ہوگا ان اوراقِ پریشاں میں

عجب لطفِ سخن ہے کیوں نہ مقبولِ زمانہ ہو
ہے رنگِ حافظِ شیراز اسیر آتش کے دیواں میں

دُنیا میں درد کے لئے گر آفریدہ ہُوں
یارب کسی یتیم کا اشکِ چکیدہ ہُوں

ایسا گرا ہوں چرخ کہ اُٹھنا محال ہے
شبنم نہیں ہوں قطرۂ اشکِ چکیدہ ہُوں

باقی ہے اب بھی شامِ غریبی کا یہ اثر
صبحِ وطن بھی ہُوں تو گریباں دریدہ ہُوں

بزمِ جہاں سے کوچ ہے پیری کی صبح ہے
مانندِ شمعِ عمر بہ پایاں رسیدہ ہُوں

میں کیا خراب محفلِ رنداں میں ہونگا شیخ
ایماں کسی کا ہوں نہ کسی کا عقیدہ ہُوں

خاموشی کا اشارہ یہ ہے گوشِ عقل سے
مجھکو بھی سُن کہ میں سخنِ ناشنیدہ ہُوں

جب چھیڑتی ہے گُل کو بادِ صبا چمن میں
کھاتا ہے جوش کیا کیا اپنا لہو چمن میں

گُل غم سے چاک داماں شبنم الم سے گریاں
ہر غنچۂ گلستاں لپٹا ہے یاں کفن میں

دامانِ دشت میں جب سمٹے نہ پائے وحشت
یارب رہونگا کیونکر دو چار گز کفن میں

یارب بہار آئی رنگیں شراب بن کے
توبہ کا خون ٹپکے انگور سے چمن میں

شانہ مرا دلِ ریش آئینہ میری حسرت
اب کیا رہیگی اُلجھن اُس زلفِ پُر شکن میں

اے دودِ آہ اپنا اتنا اثر تو دکھلا
پڑ جائے اک شکن اور اُس زلفِ پُر شکن میں

رو رو کے جان دی ہے اک برق وش کے اوپر
ہو صرف چادرِ آب ابرؔ آپ کے کفن میں

چشمِ عبرت سے جو عالم کا تماشائی ہو
ہوش جاتے رہیں دیوانہ ہو سودائی ہو

دیکھتی ساری خدائی ہے تماشا جس کا
کوئی بتلائے تو وہ کس کا تماشائی ہو

نئی صورت سے ہر اک جا ہے تمہارا جلوہ
گل میں بُو شمع میں نور آنکھ میں بینائی ہو

کیوں بخار اپنا وہ رو رو کے نکالے یارو
ابرؔ کے دل میں اگر صبر و شکیبائی ہو

تڑپ کر جیسے شمعِ بزم پر پروانہ آتا ہے
یونہی آتا ہے جس پر یہ دلِ دیوانہ آتا ہے

مجھے گر قتل کرنا ابروے جاناں نہ آتا ہے
ہمیں بھی زیرِ خنجر سجدۂ شکرانہ آتا ہے

نصیبا جب تلک چمکا ہوا ہے دوست گھیرے ہیں
بجھا دو شمع پھر دیکھو کوئی پروانہ آتا ہے

دعا دیتا ہوں ساقی کو خدا کا شکر کرتا ہوں
جو خالی بھی مرے لب تک کوئی پیمانہ آتا ہے

ہیں مرگ و زیست پردے شعبدے گر کے تماشے کے
نظر بندی کا عالم ہے کوئی آتا نہ جاتا ہے

بہار آئی ہوا آراستہ گلشن نئے سر سے
لدی ہیں نو عروسانِ چمن پھولوں کے زیور سے

حبابوں نے سکھائی گوشہ گیری بحرِ عالم میں
لگا رہتا ہے ہر دم قفل اپنے گھر میں اندر سے

بساطِ دہر پر عزلت گزیں ہم سا کہاں ہوگا
برنگِ مہرۂ شطرنج مر کر نکلے ہم گھر سے

الٰہی فصلِ گل ہے یا زمانِ تنگ دستی ہے
بدلتا ہے ہر ایک غنچہ سبوے مے کو ساغر سے

کچھ ایسی درد میں لذت ملی چھوڑا نہیں جاتا
میں خود نشتر لگاتا ہوں جو کوئی زخم بھرتا ہے

برے کو سب برا اچھے کو سب اچھا ہے دنیا میں
اس آئینہ میں جو جیسا ہے ویسا عکس اترتا ہے

لگا رہتا ہے میلا سا عدم کی راہ میں ہر دم
یہ وہ رستہ ہے جس رستہ سے اک عالم گذرتا ہے

آئینہ پھر اُس نے دیکھا پھر ہے حیرانی مجھے
زلف اس کی پھر بنی پھر ہے پریشانی مجھے

سوچتا ہوں واشدِ دل کا جو میں انجام کار
غنچے کے کھلنے سے ہوتی ہے پریشانی مجھے

تیری صورت دیکھتا ہوں اپنی صورت کی جگہ
آئینہ کو دیکھ کر ہوتی ہے حیرانی مجھے

ستر پوشی کا نہیں معصوم کو ہوتا خیال
ہے خیالِ معصیت سے شرمِ عریانی مجھے

درسِ انگلش نے بھلا دی سب زبانِ مادری
اب تو اُردو بھی ہوئی ہے ابر عبرانی مجھے

کیا ہے گر برقِ تجلی کا سماں دیکھا ہے
آگ دیکھی نہیں موسیٰ نے دھواں دیکھا ہے

فرش سے عرش تلک کون و مکاں دیکھا ہے لامکاں جسکا ہے۔گھر اُس کا کہاں دیکھا ہے
سوزشِ دل کا ہے شور آگ لگی ہے دوڑو آہ کہتی ہے کہ میں نے بھی دھواں دیکھا ہے
سامنا اپنے ہی اعمال کا ہوگا دمِ حشر وہی دیکھینگے وہاں بھی جو یہاں دیکھا ہے
داغؔ امیرؔ اپنے زمانہ کے تھے اُستاد مگر
ابرؔ آتشؔ سا کوئی سحر بیاں دیکھا ہے

برقِ جمالِ یار ہے مدِ نظر مجھے دکھلا دے اپنا عشق حقیقی اثر مجھے
جلتا ہوں دل ہی دل میں جو اک بت کے عشق میں ہر سنگ نذر دیتا ہے اپنے شرر مجھے
سبزۂ چمن کا اُٹھتا ہے رہ رہ کے ولولہ کیا کیا اُبھارتی ہے نسیمِ سحر مجھے
راہِ عدم میں کون ہے میرا رفیقِ حال ساتھ اپنا سایہ بھی نہیں آتا نظر مجھے
دوزخ وہ کون سا ہے جو دنیا سے ہو سوا کیا جانے کیوں جزا و سزا کا ہے ڈر مجھے

حضورِ داورِ محشر گنا ہگار آئے ظہورِ عفو و کرم کے امیدوار آئے
نہ جانے مر رہی بلبل کس آشیانہ میں ہر اک شجر کے تلے جا کے ہم پکار آئے
ادب سے کہیو یہ اُس گل سے اے نسیمِ چمن حضور دیں جو اجازت تو خاکسار آئے
اسیرِ کُنجِ قفس کو چمن سے کیا مطلب میری بلا سے خزاں آئے یا بہار آئے
تھے بزمِ دہر میں ہم ابرؔ مثلِ شعلۂ شمع
ہوا کی طرح گئے صورتِ شرار آئے

کیا روشنی حسنِ صبیح انجمن میں ہے فانوس میں ہے شمع کہ تن پیرہن میں ہے
بھڑکاتی ہے جنوں کو گل و لالہ کی بہار اک آگ سی لگی ہوئی سارے چمن میں ہے
بلبل کی خوشنوائی کا باعث ہے عشقِ گل دل میں جو درد ہے تو مزا بھی سخن میں ہے
پرزے چمن کے جامۂ تن کے اُڑا جنوں وہ جامہ زیب بھی تو اِسی پیرہن میں ہے

رباعیات

لاکھ ابنائے زمانہ کے ستم کا غم ہو
طبع آزاد کی آزادی نہ ہرگز کم ہو
سیکھ لیں اہلِ زباں شمع کی ثابت قدمی
سر بھی کٹ جائے پہ گردن نہ کسی کی خم ہو

ہے نفس پرستی جن کے مشرب میں مباح
دی کس نے اِنھیں ریفارم کرنے کی صلاح
باتوں کے سوا گرہ سے کچھ خرچ نہ ہو
کیا بچوں کا کھیل ہے قومی اصلاح

نفس امارہ نے کیا ہے گمراہ
اللہ کو بھول کر بتوں کی ہوئی چاہ
شیطان نے کیا ورغلایا تم کو
لا حَول وَلا قوۃ اِلاّ باللہ

ہم عُمرِ عزیز اس طرح کھوتے ہیں
سب جاگتے ہیں اور ہم پڑے سوتے ہیں
تدبیر ترقی میں ہے عالم مصروف
بیٹھے ہوئے تقدیر کو ہم روتے ہیں

مُرقع کشمیر

مطلع اوّل

اے علم تجھ پہ حضرتِ انساں کو ناز ہے
اے عقل تجھ سے ہر کہ و مہ سرفراز ہے
اے فہم تجھ سے بابِ حقیقت کا باز ہے
اے فکر اوج عرش پہ تو یکہ تاز ہے

مشتاق ہیں کلیم صفت ہم ظہور کے
لیکن پسند ڈھنگ نہیں برقِ طور کے

اے جوہرِ لطیف نہاں تو بشر میں ہے
تیری ہوا دماغ نسیمِ سحر میں ہے
تو رنگ و بو گلوں میں شرر تو حجر میں ہے
تو دردِ صوتِ بلبلِ خستہ جگر میں ہے

ہو جلوہ کُن اِس انجمنِ بے نظیر میں
ہمّت جواں میں زور ہو تُو عقلِ پیر میں
اے شاہدِ مراد یہ ہے تیری جستجو وا چشم کی طرح سے ہے آغوشِ آرزو
گُل ہیں ہزار رنگ ترا ہے نہ تیری بُو پھرتے ہیں تیرے واسطے آوارہ کُو بہ کُو
جلوہ دکھا کہ چہرۂ امّید دیکھ لیں
ذرّے بھی اپنی آنکھ سے خورشید دیکھ لیں
اے غیرت و حمیّتِ قومی کدھر ہو تم اے عزّ و شان و شوکتِ قومی کدھر ہو تم
علم و کمال جودتِ قومی کدھر ہو تم جاہ و جلال و ثروتِ قومی کدھر ہو تم
ہے مدّعائے دل کہ تمھاری مدد سے ہم
بحرِ جہاں کی نکلیں کہیں جزر و مد سے ہم
اے حُسنِ اتّفاق جما تُو بھی اپنا رنگ اے اتّحاد تیری بھی دیکھیں ذرا اُمنگ
ہاں اے صفائے قلب دکھا اپنا رنگ ڈھنگ باقی کدورتوں کا دلوں میں رہے نہ زنگ
اے جوشِ حُبِّ قوم حمایت کا وقت ہے
کشمیریوں پہ چشمِ عنایت کا وقت ہے
اے زورِ فکر ضُعف میں ہو آکے دستگیر تیغِ جواں قلم ہو کسی جا عصائے پیر
نکلے زبان سے جو سخن ہو وہ دلپذیر یہ نظم ہو مرقّعِ گلزارِ کاشمیر
اہلِ سخن کا سارے مسدّس پہ صاد ہو
پڑھ لے جو اس بیاض کو روشن سواد ہو
مشتاق بزم میں ہیں سب اصحاب باصفا حبِّ وطن سے آئینۂ دل کی ہے جلا
ہے شمعِ اتّحاد کی پھیلی ہوئی ضیا پیش آج سب کے آگے ہو برسوں کا ماجرا

کھل جائے سب پہ وجہِ کمال وزوال کی
تصویر پیشِ چشم ہو ماضی و حال کی

اک رنگ پر زمانہ کو رہتا نہیں قرار　　اِس گلشنِ جہاں میں خزاں ہے کبھی بہار
شام و سحر سے گردشِ گردوں ہے آشکار　　ظاہر ہے چار فصل سے نیرنگِ روزگار

شاہد ہے اس پہ دفترِ گُل کا ورق ورق
ہر خار کو بھی نوکِ زباں ہے یہی سبق

آتی ہے رات دن لبِ دریا سے یہ صدا　　ٹوٹے گا جزر و مد کا ابد تک نہ سلسلہ
ایسا یہ بدر سے ہے فلک پر ہلال کا　　وہ کون ہے جہاں میں جو بڑھکر نہیں گھٹا

ہے چاندنی کبھی کبھی اندھیاری رات ہے
جو رنگ اس زمانے کا ہے بے ثبات ہے

ہے انتظامِ خلقتِ عالم اسی طرح　　شادی و غم ازل سے ہیں توام اسی طرح
گھر گھر بہم ہیں عشرت و ماتم اسی طرح　　جم جم کے محفلیں ہوئیں برہم اسی طرح

تاریخ حالِ اہلِ سلف کی گواہ ہے
غافل کے واسطے سبقِ انتباہ ہے

تاریخ ہے معلّمِ باہوش باخبر　　ہو اس کے مدرسے میں اگر ایک دم گذر
مضموں ملیں وہ جن سے ہو روشن دلِ بشر　　عالم یہاں کا اور ہی آنے لگے نظر

اُٹھّے نقابِ دیدۂ وہم و خیال سے
ماضی زیادہ صاف نظر آئے حال سے

تاریخ عقدہ ہائے سلف کی کلید ہے　　رشتہ یہی میانِ قریب و بعید ہے
جس کو کہ ہم سمجھتے ہیں وضعِ جدید ہے　　اُس کی لباسِ کہنہ سے قطع و برید ہے

عاقل کو ہے تمیز کہ یہ بات اصل ہے
ماضی و حال میں انھیں دونوں کا فصل ہے

پھر کیوں ہیں پچھلی باتوں سے بیہوش بے خبر — بھولے ہوئے ہیں حالِ گذشتہ کو سر بسر
تاریخ قوم پر نہیں کرتے ذرا نظر — ہے سامنے نظیر بزرگانِ خوش سیر

نیرنگیِ فلک سے عبث ڈر رہے ہیں ہم
کیا ہو گیا ہے ہم کو یہ کیا کر رہے ہیں ہم

ٹیڑھا ہے گو کہ عرصۂ ہستی کا راستا — ہے شمعِ راہ راست بزرگوں کا تجربا
ہیں مثل خضر نقشِ قدم انکے رہنما — ان سے ملیگا منزلِ مقصود کا پتا

گو وقت اور ہی ہے دگرگوں زمانہ ہے
سُننے کے قابل آج بھی انکا فسانہ ہے

ہے سنگ دل کے واسطے رقّت کی داستاں — بے ہمّتوں کو جوششِ ہمّت کی داستاں
بزدل کو بڑھ کے شیر سے جرأت کی داستاں — ناواقفانِ مہر کو اُلفت کی داستاں

جو بزم میں ہے پیر ہے وہ یا جوان ہے
اسکو طلائے پند و نصائح کی کان ہے

مطلعِ دوم

ہاں اے قلم بہار سے رنگِ خزاں دکھا — پھولوں سے خالی ہوتے ہوئے گلستاں دکھا
ہر سرو شکلِ آہِ دلِ بے کساں دکھا — رنگِ چمن کے اُڑنے کو مثلِ دُخاں دکھا

ہر دل عزیز جو تھا ذلیل و حقیر ہو
یہ سب کہیں کہ ہو نہ ہو یہ کاشمیر ہو

جب حملہ اہلِ غرب کا کشمیر پر ہوا — لکھّا ہے راویوں نے یہ حال اُس زمانہ کا
ہر ایک بزمِ عیش ہوئی مجلسِ عزا — شمعِ نشاط گُل ہوئی غم کی چلی ہوا

اک دم میں کیسی برہمیِ انجمن ہوئی
کیا کہئے کیا خرابیِ اہلِ وطن ہوئی

کشمیریوں پہ سخت مصیبت کا وقت تھا
ہر اک پہ قبل حشر قیامت کا وقت تھا
دشمن کی بدعت اور عداوت کا وقت تھا
یہ اہل دین کی جرات و ہمت کا وقت تھا

کس نے کڑی اٹھائی تھی ایسی جہان میں
ٹھیرا وہی جو مرد تھا اس امتحان میں

مذہب کے پیچھے سیکڑوں نے اپنی جان دی
رنج والم اُٹھائے زباں سے نہ آہ کی
تیرِ ستم چلے کہیں تیغ جفا چلی
ہنگامہ کشت و خوں کا بپا تھا گلی گلی

طوفانِ ظلم سے تھا تلاطم مچا ہوا
تھا ناخدا نہ کشتیِ دیں کا بجز خدا

کہتے تھے جان جائے پر ایماں نہ جائیگا
لے جائے زر عدو پہ یہ دولت نہ پائیگا
ہم کو زمانہ دیکھیں تو کبتک ستائیگا
اچھا بھی وقت ایک نہ اِک روز آئیگا

انساں وہ کیا کہ حق پہ جو ثابت قدم نہیں
ہٹ جائیں راہِ راست سے حضرت وہ ہم نہیں

چھوٹے بڑے فقیر و امیر اور مرد و زن
سب کے دلوں میں چشمۂ ایماں تھا موجزن
کہتے تھے تن سے جان چھٹے جان سے بدن
لیکن کسی طرح نہ مٹے نام برہمن

گرویدِ پاک دہر میں مہرِ منیر ہو
چرخِ چہارم اس کے لئے کاشمیر ہو

ایسا ہی جوش تھا کہ جو گھر بار چھوڑ کر
چھوٹوں بڑوں کی سب کی سفر پر بندھی کمر
کھانے کو پاس کچھ نہ تھا اور راہ پُر خطر
بچوں کی بیبیوں کی حفاظت پہ تھی نظر

کیا جانے کیا غریبوں پہ آفت گذر گئی
دشمن کو بھی خدا نہ دکھائے وہ دن کبھی

چھوٹے عزیز گھر چھٹا اپنا وطن چھٹا صدمہ یہ تھا کہ روح سے گویا بدن چھٹا
اس طرح کاشمیر سے ہر مرد وزن چھٹا نعرہ تھا عندلیب سے صحنِ چمن چھٹا
روتے تھے سب کہ ہائے یہ کیا اوس پڑ گئی
کیسی ہوا چلی کہ جو کھیتی اُجڑ گئی

کشمیر سا وطن جو چھُٹے کیوں نہ ہو محن وہ تھا عدن تو لوگ تھے اسکے دُرِ عدن
رشکِ ریاضِ خلدِ بریں تھا ہر اک چمن غلمان و حور سے کہیں خوب اسکے مرد وزن
چشموں پہ اسکے چشمۂ کوثر کو ناز تھا
طوبیٰ سے ہر نہالِ چمن سرفراز تھا

تھے کوہسار چار طرف صورتِ حصار فرشِ زمیں پہ سبزۂ نورس کی تھی بہار
جاری قدم قدم پہ پہاڑوں سے آبشار شاخِ گُلِ چمن پہ غزلخواں کہیں ہزار
غنچے کلاہِ کج کو سروں پر دھرے ہوئے
ہر گُل مئے نشاط سے ساغر بھرے ہوئے

وہ خطۂ زمیں بھی عجب پُر بہار تھا ہر گُل سے جسکے گلشنِ جنّت کو عار تھا
سب خوش تھے کوئی غم نہ کوئی انتشار تھا ہر اک ہزار جاں سے وطن پر نثار تھا
ہوتے تھے پورے سب وہ ارادے جو جی کے تھے
سچ تو یہ ہے اُنھیں کو مزے زندگی کے تھے

پڑھنے سے ویدِ پاک کے ہر ایک کو کام تھا چرچا الٰہیات کا ہر صبح و شام تھا
کج فہمی کا نشاں نہ جہالت کا نام تھا پُر دولتِ علوم سے ہر خاص و عام تھا
کیا کہئے کیسے لوگ وہ روشن دماغ تھے
بزمِ وطن کے بس وہی چشم و چراغ تھے

کشمیران کی ذات سے مشہورِ دہر تھا ہندوستاں کو فخر تھا اُس پر بہت بجا
یوناں پہ فوق لے گیا تھا اس کا فلسفا صنّاعی کا تھا چین میں جھنڈا گڑا ہوا

مخزن تھا علم و عقل کا حکمت کی کان تھا
ممنون اس کے فیض کا سارا جہان تھا

سامانِ عیش جمع تھے عشرت کا وقت تھا　　علم و ہنر کی عزت و حشمت کا وقت تھا
آپس میں اتحاد و محبت کا وقت تھا　　پر تاک ہی میں گردشِ قسمت کا وقت تھا
ہنستے تھے کیا خبر تھی کہ اک روز روئینگے
اپنے وطن کو چھوڑکے برباد ہوئینگے

جو آفتیں پڑیں کسے ان کا خیال تھا　　مذہب بچا تو جان کا بچنا محال تھا
تھا جو کمال اُس پہ ہجومِ زوال تھا　　جو بدر تھا وہ گھٹ کے مثالِ ہلال تھا
پُر خم کمر تھی مثلِ کماں غم کا جوش تھا
جو تھا وہ گھر کو چھوڑکے خانہ بدوش تھا

منظور کچھ یہی تھا خدائے کبیر کو　　لوٹا خزاں نے گلشن جنت نظیر کو
فرقت وطن کی پیش تھی برنا و پیر کو　　کشمیر ان کو روتا تھا وہ کاشمیر کو
حسرت ٹپکتی تھی در و دیوار و بام سے
شور الفراق کا تھا بلند ازدحام سے

ہر نخل خشک صورتِ شاخِ بریدہ تھا　　ہر گل اَلم سے جیب و گریباں دریدہ تھا
شبنم کا قطرہ قطرۂ اشکِ چکیدہ تھا　　غم سے ہر ایک چشمۂ آب آبدیدہ تھا
خالی زمینِ باغ تھی نقش و نگار سے
بیگانہ روئے سبزہ تھا رنگ بہار سے

کیا کہئے کس طرح سے چلے چھوڑ کر وطن　　دل میں یہ تھا کہ پھر کے نہ دیکھینگے یہ چمن
فوجِ عدو تھی برق کی مانند خندہ زن　　گریاں مثالِ ابر ادھر کے تھے مرد و زن

چھوٹے عزیز اپنے وطن سے ہوئے جدا
برگِ خزاں کی طرح چمن سے ہوئے جدا

یوں کاشمیر سے ہوئے وہ نوحہ گر جدا — پہلوئے دل سے جیسے ہوں لختِ جگر جدا
دریا سے دُر چمن سے تھے گلہائے تر جدا — محفل سے شمعِ بزم تھی وقتِ سحر جدا
نکلے وطن سے نکہتِ گُل جیسے باغ سے
یا دُودِ مُنتشر کسی بجھتے چراغ سے

برباد کوہسار و بیاباں میں سب رہے — کچھ پوچھئے نہ اُن پہ جور رنج و تعب رہے
کتنے غریب ریگ بیاباں میں دب رہے — صدموں پہ صدمے قافلے پر روز و شب رہے
نالاں تھے سب کے سب جرسِ کارواں کی طرح
صحرا میں خاک اُڑاتے تھے ریگِ رواں کی طرح

بیٹا چھٹا کسی کا کسی کا پدر چھٹا — بھائی کے صدمہ میں تھا کہیں بھائی مبتلا
دختر سے ماں تو زوجہ سے شوہر ہوا جدا — غربت ہوئی رفیق جو چھُٹے دوست آشنا
سامان بیکسی تھے بیاباں تھا خار تھا
غم کی چھُری سے سینہ ہر اک کا فگار تھا

حسرت سے ہاتھ برگِ شجر اپنے ملتے تھے — چشموں سے کوہسار کے آنسو نکلتے تھے
ذرّے زمین پر تپشِ غم سے جلتے تھے — گردِ ملال اُڑتی تھی جس راہ چلتے تھے
ہر خارِ راہ خارِ غمِ دل خراش تھا
جو سنگ ریزہ تھا جگرِ پاش پاش تھا

کیا لوگ تھے ہزار مصیبت میں گو پڑے — لیکن وہ راہِ مذہب و دیں پر رہے اڑے
آہن سے اور سنگ سے بھی دل کے تھے کڑے — دل کو مخالفوں کے بٹھایا کھڑے کھڑے

کم ہمتوں کو گو ہے سفر صورتِ سقر
لیکن ہوا وہ اُنکے لئے باعثِ ظفر

کہسار سے جو صورتِ دریا ہوئے رواں پیش آئے انکو سنگ حوادث کہاں کہاں
لیکن قدم روکے نہ زہے اوجِ عزّ و شاں ہمّت کا ہاتھ سے نہ کسی دم چھٹا نشاں

سب کے دلوں میں صبر و تحمّل کا جوش تھا
جانباز تھا ہر ایک ہر اک سرفروش تھا

لاہور میں کوئی کوئی دہلی میں آبسا فکرِ معاش میں ہوئے مصروف جا بجا
عالم بنا نہ دوست کوئی اور نہ آشنا حامی تھی وقتِ بد میں فقط ذاتِ کبریا

کہتے تھے سختیوں سے ہمیں کیا ہراس ہے
کچھ ڈر نہیں ہے توشۂ ہمّت تو پاس ہے

مانا وطن نہیں ہے وہ اہلِ وطن نہیں وہ گُل کہیں نہیں ہے وہ رنگِ چمن نہیں
یارانِ نکتہ رس نہیں وہ انجمن نہیں وہ صاحبِ کمال وہ اہلِ سخن نہیں

شاہانِ خاندانِ مغل کا زمانہ ہے
جو بات ہے نئی ہے نیا کارخانہ ہے

لیکن یہی تو وقت ہے اظہارِ صبر کا ڈر جائے مشکلوں سے جو وہ آدمی ہے کیا
اللہ نے ہمیں بھی تو آخر کئے عطا علم و ہنر فراست و ذہن و خرد ذکا

لاحل سمجھئے عقدۂ تقدیر کس لئے
پائی ہے ہم نے ناخنِ تدبیر کس لئے

سچ تو یہ ہے جو کہتے تھے کر کے دکھا دیا سکّہ تمام ہند میں اپنا بٹھا دیا
فیضی کا رنگ بزمِ سخن سے اُڑا دیا حکمت میں نام شیخ کا بالکل مٹا دیا

ذی جاہ وذی حشم ہوئے دربار ریں ہوئے
جاگیر پائی صاحبِ فیل و فرس ہوئے
گو تھوڑے ہی سے تھے یہ پر آپس کے میل سے ہمعصروں پہ مقابلہ میں فوق لے گئے
اس وقتِ بد میں حامی تھے سب اپنی قوم کے محسودِ عام کشورِ ہندوستاں میں تھے
ہندو یہود بودھ مسلمان گبر کیا
ہر جا پہ اتفاقِ تکشمر کا ذکر تھا
اس وقت میں جو قوم میں کوئی امیر تھا اپنے غریب بھائی کا وہ دستگیر تھا
عاشق وطن کے نام کا برناؤ پیر تھا ہر شخص بلبلِ چمنِ کاشمیر تھا
مفلس تھا یا امیروں میں اسکا شمار تھا
جو تھا وہ دل سے قوم پہ اپنی نثار تھا
وہ جاں نثارِ قوم تھے قوم ان پہ تھی فدا آپس میں دوستی و محبت کا ربط تھا
عاشق ہر ایک قوم میں تھا اتفاق کا ہر دل میں جوش الفتِ حقیقی کا تھا بھرا
حُبِّ وطن پہ ساری جماعت کو ناز تھا
جو تھا وہ سالکِ رہِ عجز و نیاز تھا
سچ ہے بشر نہیں جسے حبِّ وطن نہیں بلبل نہیں وہ جس کو ہوائے چمن نہیں
پروانہ کیا جو عاشقِ شمعِ لگن نہیں گرویدہ ہو نہ جان پہ جو وہ بدن نہیں
نافہ نہ ہو تو ہیچ غزالِ تتار ہے
بے رنگ و بو جو پھول ہے گلشن میں خار ہے
سودائے عشق قوم ہو جس سر میں سر وہ ہے ہو جس جگر میں دردِ محبت جگر وہ ہے
غمخوارِ غیر ہو جو دلِ نوحہ گر وہ ہے جس چشم میں ہو اشکِ وفا چشمِ تر وہ ہے

رونق ہر اک مکان کی اپنے مکیں سے ہے
زینت نگیں کی خوبیِ نقشِ نگیں سے ہے

جوہر اگر نہ ہوتے تو پھر کون پوچھتا
علم و ہنر نہ ہوتے تو کیا کرتے یاں بھلا
ہوش و حواس رکھتے نہ اپنے اگر بجا
ہوتا کبھی نہ عقدۂ دشواران سے وا
حُبِّ وفا سے اپنا کیا اُن کو جو تھے غیر
نیّت بخیر تھی ہوا انجام بھی بخیر

جیسا تھا دیس ویسا کیا بھیس اختیار
جو تھا چلن زمانے کا سیکھا وہی شعار
حاصل کیا وہ علم جو تھا علم شہریار
سیکھے وہ فن کہ جس سے ہوئے صاحبِ وقار
دانا جو تھے تو جانتے تھے وقت اور ہے
اپنا زمانہ اب نہیں غیروں کا دَور ہے

توقیر و شان و شوکت و عزّت سے کی بسر
آپس میں اتّفاق و محبّت سے کی بسر
غربت کے رنج میں بھی مسرت سے کی بسر
غیروں میں عزّ و جاہ و فلاحت سے کی بسر
صُحبت رہی تو صاحبِ علم و ہنر کے ساتھ
دربار میں رہے تو بڑے کرّ و فر کے ساتھ

دکھلایا انقلاب نے نیرنگ آسماں
بدلی ہوائے دہر ہُوا اور ہی سماں
بُلبل رہی نہ گُل نہ وہ گلشن نہ آشیاں
اُلٹی زمیں۔ رہے نہ مکیں اور نہ وہ مکاں
افسر گیا سریر گیا زور و زر گیا
انگریز آئے عہد مغلیہ گذر گیا

انگریزی لوگ پڑھنے لگے جائے فارسی
تہذیب بھی نئی ہوئی اور وضع بھی نئی
بدلے تمام جتنے تھے سامانِ زندگی
کچھ اور ہی اصول کی بنیاد پڑ گئی

سرکار کے کرم سے سب آزاد ہو گئے
مرجاد والے پیرو ایجاد ہو گئے
شاہی کا کارخانہ جو تھا سب بدل گیا انگریزی والا فارسی واں سے نکل گیا
بی-اے کا کام خوب زمانے میں چل گیا قانون جس نے پاس کیا کچھ سنبھل گیا
یہ چال جو کہ چوک گئے پیچھے رہ گئے
منزل کو پہنچے راہ کی سختی جو سہ گئے
باقی تھیں اپنی قوم میں بھی اگلی ہمتیں تھیں سب کے خوں میں جوشِ وطن کی حرارتیں
انگریزی میں دکھائی ہیں کیا کیا لیاقتیں کس دبدبہ سے کی ہیں ججی اور وکالتیں
حاصل بزورِ علم کیا عزّ و افتخار
اس عہدِ نو میں بھی ہوئے مشہورِ روزگار
یہ اوج و مرتبہ تھا مگر چند روز کا ہندوستاں کی سر میں ہر اک کے بھری ہوا
از بسکہ شوقِ عشرت و عیش و طرب ہوا سستی و کاہلی میں ہوئے لوگ مبتلا
مشکل پسند جو تھے وہ راحت طلب ہوئے
نا آشنائے صحبتِ علم و ادب ہوئے
وہ علم و فن کا قوم میں چرچا نہیں رہا اگلی لیاقتوں کا ذخیرا نہیں رہا
وہ غلغلہ وہ نام وہ شہرا نہیں رہا وہ دبدبہ وہ رتبۂ اعلیٰ نہیں رہا
ہم پست طالعی میں بھی حد سے گذر گئے
جیسے چڑھے تھے ویسے نظر سے اُتر گئے
آتا ہے جب خیالِ بزرگانِ باصفا کہتا ہوں حال کیا یہ ہوا ان کی نسل کا
الفت وطن کی دل میں کسی کے نہیں ذرا اولادِ رشیوں کی یہ جہالت میں مبتلا

بلبل تو ہیں گلوں سے مگر خار کھاتے ہیں
ذرے ہیں آفتاب سے آنکھیں چراتے ہیں

مطلع سوم

اے کاشمیر تو چمنِ بے نظیر ہے — شیدا ترا جوان کی صورت سے پیر ہے
تجھ پر ازل سے فضل خدائے کبیر ہے — جس کو لگی ہے لو تری روشن ضمیر ہے
ہے آرزوے دل کہ تری آرزو کریں
جب تک زبان تر ہے تری گفتگو کریں

جو ہے ہزار جان سے تجھپر نثار ہے — گل سے عزیز ہم کو ترا خار خار ہے
سرتاج دہر ہند کا تو افتخار ہے — رنگین تجھسے یہ چمنِ روزگار ہے
مدت سے اشتیاق ہے اکبار دیکھ لیں
بلبل ہیں چشم شوق سے گلزار دیکھ لیں

سب کرتے آئے ہیں تری توصیف اور ثنا — تیری زمیں ہے زیرِ فلک شانِ کبریا
دیکھا نہیں ہے آنکھ سے کانوں سے ہے سنا — ہے یہ شنید وید سے بھی معتبر ہوا
اب کچھ ہو پہلے تو چمن بے مثال تھا
کیا حال سے غرض ہے یہ ماضی کا حال تھا

فرشِ زمیں کا عرش سے پایا بلند تھا — ہر قصر ہمسرِ بام مسیحا بلند تھا
شمشاد باغ شاہد بالا بلند تھا — ذروں کا مہر سے بھی ستارا بلند تھا
آب و ہوا کو حکم جو تھا زمہریر کا
بازار سرد رہتا تھا مہرِ منیر کا

ہر نخل شکلِ نخلِ تمنا ہرا بھرا — ہر گل گلِ مراد سے بھی بڑھکے جانفزا
ہر غنچہ غنچۂ دلِ احباب با وفا — ہر خار خارِ دیدہ بدبین پر دغا

ہر کوہ کاشمیر کا کوہِ وقار تھا
ہر چشمہ چشمۂ کرمِ کردگار تھا

چشمِ وفا کا نرگسِ بیمار پر گماں
سادہ رُخوں کی پھولوں میں رنگیں مزاجیاں
بحرِ عطا کی طرح ہر اک نہر تھی رواں
آزادیِ وطن تھی ہر اک سرو سے عیاں
کس جوش سے پہاڑ کے چشمے اُبلتے تھے
اہلِ وطن کے ولولے دل سے نکلتے تھے

ہر سرو میں بلندیِ ہمت اُنھیں کی تھی
ہر نہر میں صفائے طبیعت اُنھیں کی تھی
ہر گُل میں رنگ و بوئے محبت اُنھیں کی تھی
ہر غنچہ کی زباں پہ حکایت اُنھیں کی تھی
موجِ صبا مسیح نفس اُنکے دم سے تھی
کشتِ امید سبز اُنھیں کے کرم سے تھی

ہے سیرِ برف کی وہی بالائے کوہسار
جاری ہیں ہر طرف سے وہی اب بھی آبشار
کوسوں تلک وہی ہیں شجرہائے میوہ دار
گلزار میں وہی گل و نسریں کی ہے بہار
بُلبل وہی ہیں گُل ہیں وہی بوستاں وہی
نہریں وہی ہیں سرو وہی قمریاں وہی

دریا وہی ہیں دشت وہی ہیں جبل وہی
سبزہ کنارِ جو ہے وہ ہی سیرِ ڈل وہی
گردوں پہ مہر و ماہ و سہا و زُحل وہی
روئے زمیں پہ شہر و مکان و محل وہی
آب و ہوا وہی ہے مرے کاشمیر کی
سردی وہی ہے خطۂ جنت نظیر کی

سب کچھ وہی ہے حیف مگر وہ بشر نہیں
وہ اہلِ دل نہیں ہیں وہ اہلِ نظر نہیں
کان و صدف وہی ہیں پہ لعل و گُہر نہیں
باغ و چمن وہی ہیں پہ گُلہائے تر نہیں

قالب ہے دیکھنے کو یہ قالب میں جاں نہیں
نام وطن ہے حبِ وطن کا نشاں نہیں

کیا آج کل وطن کی ہے حالت نہ پوچھئے — کیا کیا پڑے ہیں رنج و مصیبت نہ پوچھئے
جو ہے وہ جورِ دستِ زمانہ سے تنگ ہے — کشمیریوں کی گردشِ قسمت نہ پوچھئے
جنت میں بھی عذابِ جہنم اُٹھاتے ہیں
اعمال بد کئے ہیں سزا اُسکی پاتے ہیں

گلزار میں بھی دشت کی وحشت کا رنگ ہے — صبحِ وطن میں شامِ غریبی کا ڈھنگ ہے
جو ہے وہ جورِ دستِ زمانہ سے تنگ ہے — کشتِ اُمید موردِ بارانِ سنگ ہے
آوارہ آرزوئیں ہیں مانند گرد راہ
کشتیِ قوم موجِ تلاطم میں ہے تباہ

ناظم کوئی نہیں کوئی مسند نشیں نہیں — وہ عزّ و شان و شوکتِ قومی کہیں نہیں
وہ مُلک اب نہیں وہ مکان و مکیں نہیں — دیکھو وہ آسمان نہیں وہ زمیں نہیں
رنگ اور ہی ہُوا ہے مہ و آفتاب کا
جاری زمانہ بھر پہ ہے حکم انقلاب کا

آزادی کا بلند ہوا ھند میں نشاں — پہنچی ہے روشنیِ ولایت کہاں کہاں
دیکھو جدھر مسائلِ ملکی کے ہیں بیاں — تعلیم مغربی سے ہے ہر شخص کامراں
جلوے ہر ایک سمت نئی روشنی کے ہیں
شاگرد لوگ برک و مِل و ہکسلی کے ہیں

اخلاق وہ نہیں ہیں جو تھے چند سال اُدھر — عادات پر بھی تازہ خیالوں کا ہے اثر
آزادیِ اُناث بھی آنے لگی نظر — نور انقلاب کا ہے ہر اک سمت جلوہ گر

مذہب میں ہندوؤں کے تغیرِ عظیم ہے
اور معرضِ خطر میں طریقِ قدیم ہے
صد شکر بدلی ہند کے گلزار کی ہوا　　　پیدا خیال دل میں ترقی کا ہو چلا
ڈرنا تغیرات سے ہرگز نہیں بجا　　　ہوگا یہ انقلاب ذریعہ نجات کا
سکتا بدن کو ہو تو کہاں حفظِ جاں رہے
پاکیزگی جو چاہیے تو پانی رواں رہے
شائستگی نو کا ہر اک سو ظہور ہے　　　اس سرزمیں سے ظلمتِ ادبار دور ہے
پھر جلوہ کُن علوم و فضائل کا نور ہے　　　پھر بزم ہند مسکنِ شمعِ شعور ہے
بیدار مغز جو ہیں وہ سب فیضیاب ہیں
اک اپنی قوم والے فقط محوِ خواب ہیں
بنگال کے عروج میں کیا قیل وقال ہے　　　پیش نظر مرہٹوں کی عمدہ مثال ہے
لیکن نہ جانے کس طرف ان کا خیال ہے　　　کچھ دیکھتے نہیں جو زمانے کا حال ہے
دن رات مست رہتے ہیں باتیں اُڑاتے ہیں
دیجے صلاح نیک تو کیا کیا سُناتے ہیں
لیتے ہیں سب سے دون کی نخوت تو دیکھئے　　　لڑتے ہیں ہر کسی سے جہالت تو دیکھئے
باہر کے ٹھاٹھ باٹ امارت کو دیکھئے　　　گھر جا کے انکے غور سے حالت تو دیکھئے
بُو سر میں میرزائی کی بیحد سمائی ہے
یارب یہ قوم والوں پہ کیا شامت آئی ہے
افسوس اہلِ قوم کو مارا غرور نے　　　کیسا نظر سے سب کے اُتارا غرور نے
زُلفِ وقار کو نہ سنوارا غرور نے　　　بے رنگ رنگ کر دیا سارا غرور نے

کیفِ خودی سے ہوش اُڑے عجز و حلم کے
اور پاؤں لڑکھڑانے لگے عقل و فہم کے

کیا کام امیر کو ہے غریبوں کے کام سے — فرصت کہاں ہے کشمکشِ حرصِ خام سے
باتیں یہی ہیں ان کی ہر اک خاص و عام سے — لڑکے کو بیاہتے تو بڑی دھوم دھام سے
خبطِ عروج صورتِ چرخِ کبود ہے
دیکھو جسے اسیرِ طلسمِ نمود ہے

پڑھنے سے کچھ غرض ہے نہ لکھنے سے کام ہے — شغلِ فلش ہر ایک جگہ صبح و شام ہے
مذہب میں اُنکے علم کا چرچا حرام ہے — شربِ مئے نشاط سے کیفِ مدام ہے
جلسے ہیں صحبتیں ہیں ہنسی ہے مذاق ہے
جس نوجواں کو دیکھو ظرافت میں طاق ہے

طالع ملے ہیں پست ارادے بلند ہیں — ہیں برہمن یہ چاہِ ضلالت میں بند ہیں
مشکل کا سامنا ہے یہ راحت پسند ہیں — غافل زمانے سے ہیں بڑے عقلمند ہیں
نفرت ہے علم و فضل سے خواہش ہے نام کی
آزادی کی ہوس ہے پہ سیرت غلام کی

جب تربیت کا قوم میں باقی نہیں نشاں — پھر کیوں بزرگ خوردوں سے ہوتے ہیں بدگماں
تعلیم جیسی پاتے ہیں ویسے ہیں نوجواں — صحبت ملے خراب تو جائے اثر کہاں
افعال ان کے آئینۂ حالِ قوم ہیں
اقوال ان کے شاہدِ اعمالِ قوم ہیں

ظاہر ہے جو کہ قوم کا احوال ہے تمھیں — لیکن جو آرزوئے زر و مال ہے تمھیں
ادبار میں بھی خواہشِ اقبال ہے تمھیں — منظور پھر درستیِ اعمال ہے تمھیں

لکھو، پڑھو، لئیق ہو، صاحب کمال ہو
اُس چال سے چلو جو زمانے کی چال ہو

شُد بُد سے فارسی کی چلیگا نہ کام اب — دعوت سے اور سبیلوں سے ہوگا نہ نام اب
دو دن کی واہ واہ کو کیجئے سلام اب — للّٰلہ چھوڑئیے کہیں سودائے خام اب
جو پاس تھا نمودِ نمائش میں کھو چکے
ہُشیار اب بھی ہو جیئے اتنا تو سو چکے

عالم میں علم سے شرف انسان کو ہُوا — قطرہ تھا فیض سے وہ ہُوا دُرِّ بے بہا
گو غور کیجئے تو بشر کی ہے اصل کیا — لیکن ہُوا یہ سرِّ حقیقت سے آشنا
دُنیا میں کون عقدہ ہے جو اس سے وا نہیں
کوئی بھی بڑھ کے علم سے مشکل کشا نہیں

بوئیں زمینِ شور میں بھی تخمِ علم اگر — پیدا وہاں کمال و ترقی کے ہوں شجر
جو شاخ فیضِ ابرِ کرم سے ہو بارور — دکھلائے خوبیوں کے وہ برگ و گُل و ثمر
جوشِ بہار میں کہیں چٹکی اگر کلی
آئی خزانِ غم کو صدا دُور باش کی

ہندوستاں سے بُعد ولایت ہے کسقدر — جاتی ہے ایک پل میں یہاں سے وہاں خبر
کرتے ہیں آگ پانی بھی کیا خدمتِ بشر — تَوسن اگر دُخان ہے تو بجلی پیام بر
عقل اپنی کیوں کرشمۂ یورپ سے تنگ ہے
اعجازِ علم سے یہ طلسمِ فرنگ ہے

قانع نہیں یہ لوگ ترقیِ حال سے — حاضر ہیں کسبِ علم کو سب جان و مال سے
خالی نہیں ہیں کوئی گھڑی اس خیال سے — لاتے ہیں غرب و شرق و جنوب و شمال سے

جوہر نئے نئے ہنر و فن نئے نئے

ایجاد تازہ تازہ تو فیشن نئے نئے

تھا اوج پر ستارہ کبھی اپنے ہند کا خورشید علم اسکا بھی برجِ شرف میں تھا

بیاس وشسشٹ وگوتم وشنکر وہ بیدپا تھے کس دل ودماغ کے اصحاب باصفا

یکتا تھے بے نظیر تھے سب بے مثال تھے

مہرِ سپہرِ دانش و علم و کمال تھے

لیکن ذرا یہ دیکھو تو نیرنگ آسماں واقع ہیں ان کی نسل ہیں کیا کیا خرابیاں

میدانِ جہل میں ہے ہر اک مطلق العناں بیخودمئے خودی سے ہے ہر پیر و نوجواں

مانوس جسکو دیکھئے اشغالِ بد سے ہے

عاری عبائے ہوش وقبائے خرد سے ہے

مرجاد کے اسیر ہیں پیرانِ نیک خو ہردم نئے فشن کی جوانوں کو جستجو

ہر مرد و زن کو جھوٹی نمایش کی آرزو گھر گھر فساد و فتنہ و شر کی ہے گفتگو

صورت ہے آدمی کی پہ سیرت نہ پوچھئے

حضرت بس اپنی قوم کی حالت نہ پوچھئے

یارب کسے بھلا کہوں کسکو برا کہوں جب سب کے سب ہوں ایک سے پھر کسکو کیا کہوں

مقصود کس سے کس سے کوئی مدّعا کہوں سنتا ہے کون کس سے میں یہ ماجرا کہوں

سچ سچ جو کہئے کچھ تو بگڑتے ہیں اہلِ قوم

کیجے جو بات صلح کی لڑتے ہیں اہلِ قوم

مانا کہ اگلے لوگ تھے مشہور و نامور کچھ اپنے حال پر بھی ذرا کیجئے نظر

بیجا ہے فخر وصفِ اضافی پہ اس قدر تہ کرکے رکھئے دفترِ پارینہ طاق پر

پھر چاہیے پرانی باتوں کا سب واہیات ہے
حاصل کمال آپ بھی کیجے تو بات ہے

ہے شکر کا مقام کہ دولت خدا نے دی — ہوش و حواس و چشم بصارت خدا نے دی
تاب و توان و قوّت و ہمّت خدا نے دی — ذہن و ذکا و فہم و فراست خدا نے دی
جوہر بشکل آئینہ گو سب حصول ہیں
بے عکس حبِّ قوم مگر وہ فضول ہیں

امّید وار قوم تمھاری مدد کی ہے — مدّت سے یہ ستائی ہوئی بخت بد کی ہے
شورش ہر ایک سمت سے بغض و حسد کی ہے — اس پاشکستگی پہ بلا دستِ رد کی ہے
مل جائیں سب کہ دور ہو دورہ نفاق کا
پھر پھولے باغِ قوم میں گُل اتّفاق کا

بام و ستوں جو ہوں درو دیوار سے جدا — وہ گھر نہیں ہے ڈھیر ہے اک سنگ و خشت کا
جب اختلاف چار عناصر میں پڑ گیا — کس کس مرض میں ہو گیا انسان مبتلا
فرقت میں نکلیں وصل کے ارمان کس طرح
اعضا میں پھوٹ ہو تو بچے جان کس طرح

ہے اپنی قوم پر یہ مصیبت نفاق سے — لاکھوں طرح کی پڑتی ہے آفت نفاق سے
ہم چشموں میں ہے خواری و ذلّت نفاق سے — کھوئی ہے ہم نے قوم کی عزّت نفاق سے
بیگانۂ اتّفاق سے برنا و پیر ہیں
ہندوستان بھر کی نظر میں حقیر ہیں

وہ مہر وہ وفا وہ محبت نہیں رہی — وہ پاسِ دل وہ چشمِ مروّت نہیں رہی
نیّت نہیں رہی وہ طبیعت نہیں رہی — وہ شرم وہ حمیّت و غیرت نہیں رہی

ہمدردی کا دلوں میں ذرا بھی اثر نہیں
اپنے سوا کسی کو کسی کی خبر نہیں
قاروں سے بڑھ کے صاحبِ زر ہو کوئی تو کیا دولت وہ کیا کہ جس سے نہ اوروں کا ہو بھلا
بیکار علم ہے جو نہ دے عقل کو جِلا بے سود عقل عقدۂ دل ہو نہ جس سے وا
کب وہ خبر ہے جس کی کوئی مبتدا نہیں
بے شرط کی جزا ہے اگر تو جزا نہیں
دولت ملے تو قوم پہ کیجے اسے نثار کچھ بس چلے تو ہو جئے اوروں کے غمگسار
کیجے طریقِ خیر میں کچھ خیر اختیار مُنہ موڑئے نہ مشکلیں پیش آئیں گو ہزار
وہ کام ہو کہ جس سے زمانے میں نام ہو
بغض و نفاق و جہل کا قصہ تمام ہو
للہ اپنے بچّوں پہ شفقت ذرا کرو خوردوں سے کچھ تو حقِ بزرگی ادا کرو
علم و ہنر کی ان کو بھی دولت عطا کرو امدادِ کارِ خیر ہیں بہرِ خدا کرو
دیکھو تو کن بزرگوں کی یہ یادگار ہیں
باغِ وطن کے تازہ گُلِ نوبہار ہیں
باغِ جہاں میں کھلتے ہیں گُل کتنے جا بجا بُو بھی نہیں سنگھاتی ہے جنکی کبھی صبا
کتنے گُہر ہیں گردِ یتیمی میں مبتلا آئینے خاک میں ہیں پڑے کتنے بے جِلا
ہیں بے نشان کتنے نگیں ہائے نامدار
حیران جن کو دیکھ کے ہو عقل سادہ کار
ہیں اپنی قوم میں بھی جوانانِ خوش سیَر دی ہے خدا نے جنکو ہر اک خوبیِ بشر
دُرجِ ذکا و ذہن و فراست کے ہیں گُہر پر ہیں ستم رسیدۂ گردونِ کینہ ور

مفلس ہیں خستہ حال ہیں گو خوشخصال ہیں
بازار ناشناس میں گودڑ کے لال ہیں
لڑکوں کے حال زار پہ مطلق نظر نہیں معصوم کے بھی درد کے ہم چارہ گر نہیں
گھر لُٹ رہا ہے اور ہمیں کچھ خبر نہیں ٹکڑے جگر کے اُڑتے ہیں دل پر اثر نہیں
جس قوم کے کہ آپ سے پشت و پناہ ہوں
افسوس ایسے قوم کے لڑکے تباہ ہوں
گر چاہتے ہیں آپ کے لڑکے ہوں خوشخصال نسواں کی تربیت کا بھی لازم ہے کچھ خیال
کیا کہئے جو ہوا ہے جہالت سے انکا حال اس حال میں ترقّی اطفال ہے محال
زیور زنوں کو علم و ہنر کا پنہائیے
لڑکوں کو اپنے لائق و فائق بنائیے
ہر حال میں ہیں لازم و ملزوم مرد و زن یہ ہے گلِ چمن تو وہ ہے بُلبلِ چمن
یہ دل ہے وہ دماغ یہ ہے جان وہ بدن پروانہ اُس کو کہئے تو یہ شمعِ انجمن
روزِ ازل سے دونوں میں ناز و نیاز ہے
نغمے سے تار ۔ تار سے نغمے کو ساز ہے
کج فہمیِ زماں کا نہ کیجے بہت گلا ہم نے سُنا ہے آدم و حوّا کا ماجرا
نسواں سے گو کہ مرد ہیں آگے ہر ایک جا وہ صورتِ خبر ہیں تو یہ شکلِ مبتدا
کیجے جو ان کے ربطِ حقیقی پہ کچھ نظر
ذات و صفت کی طرح ہیں پابند یکدگر
دونوں سے ہے بندھا ہوا شیرازہ قوم کا دونوں سے ہے جماعتِ انساں کی ابتدا
بخشے خدا نے دونوں کو جوہر جدا جدا زور ایک کو تو دوسرے کو عفّت و حیا

ہیں حُسن و عشق عالمِ ایجاد کے لئے
لازم ہیں دونوں خانۂ آباد کے لئے

وہ قوم کیا کہ جس میں نہ عورت کا ہو وقار
کرتے ہیں قدر ان کی خرد مند ہوشیار
مَردوں کی ہیں یہ رنج و مصیبت میں غمگسار
ہے ان کی تربیت پہ ترقّی کا انحصار
علم و کمال و مذہب و اخلاق ان سے ہیں
یورپ کے لوگ شہرۂ آفاق ان سے ہیں

ہر اک تھا زیرِ سایۂ دامانِ مادری
کس کو نہیں ہے یاد وہ الطافِ گستری
جب منحصر تھی شیر ہی پر جسم پروری
تاثیر مادری سے ہو کیونکر کوئی بری
بچّوں کو ماں کی گود بھی مکتب سے کم نہیں
اس مدرسہ میں حاجتِ لوح و قلم نہیں

فریادِ قوم سُن کے نہ ہو جائیے خموش
رکھئے بجا خرابۂ عالم میں عقل و ہوش
سُن رکھیں اس کو خوب جو ہیں گوش حق نیوش
انساں کو چاہیئے ہو عطا پاش عیب پوش
بیکس کا چارہ ساز خدا کا حبیب ہے
دستِ سلوک مرہمِ زخمِ غریب ہے

للّٰلہ عقل و فہم سے کچھ کام لیجئے
کبر و خودی و جہل کو اب چھوڑ دیجئے
رفتار پر زمانہ کی بھی غور کیجئے
فریادِ قوم سُن کے کبھی تو پسیجئے
فرمائیے مدد کو بس اب حال غیر ہے
محتاجِ استخارہ نہیں کارِ خیر ہے

نامِ رفاہِ قوم سے گو احتراز ہے
موقع ہے اب بھی ہم کو درِ توبہ باز ہے
اس راہ میں ہزار نشیب و فراز ہے
نیّت بخیر ہو تو خدا کارساز ہے

انساں کو مشکلات سے ڈرنا نہ چاہئے
عزم قوی و ہمتِ مردانہ چاہئے

وا اے درِ قبول کہ وقتِ دعا یہ ہے
ہنگام عرض و خواہشِ ہر مدّعا یہ ہے
بندوں پہ اپنے ساعتِ لطفِ خدا یہ ہے
دم یہ ہے مغتنم کہ دمِ التجا یہ ہے

رُکیئے نہ ابر دیر و توقف نہ کیجئے
جو مانگنا ہو آپ کو وہ مانگ لیجئے

ہوں دُور اس نفاق کے رنج و الم کہیں
راہِ رضا میں ہو سرِ تسلیم خم کہیں
جوش و خروشِ بحرِ جہالت ہو کم کہیں
مُنہ ساحلِ مراد کا دیکھیں تو ہم کہیں

کشتیٔ قوم فضلِ خدائے کریم سے
نکلے کہیں دو آبۂ امید و بیم سے

اثر۔ پنڈت نرنجن ناتھ صاحب لکھنوی

گر رقم وصفِ قدِ موزونِ دلبر ہو گیا
جو الف اشعار میں آیا صنوبر ہو گیا
ہم اثرؔ محروم قسمت کے سبب سے ہو گئے
اُس پری کا وصل غیروں کو میسر ہو گیا

احقر۔ پنڈت بینی رام صاحب بنارسی

در سر بجز آن زُلف و رخِ یار نداریم
با سنبل و گُل ہیچ سرو کار نداریم
ما زخمیٔ تیرِ نگہہِ سبز خطا نیم
ما چارہ بجز مرہم زنگار نداریم

اشکی۔ پنڈت جگت نراین گنجور صاحب ساکن دہلی دروازہ دہلی

آپ عہدۂ تحصیلداری پر حکام وقت کی قدردانی سے مامور رہے دیانت داری کے ساتھ کار سرکار انجام دیا اور نیک نام رہے بعد لینے پنشن کے خانہ نشین ہو گئے اور آخر عمر تک خوش وقتی کے ساتھ اپنا وقت گذارا مذاق سخن آخر دم تک قائم رہا گھر سے بہت کم نکلتے تھے یہ چند اشعار بطور یادگار لکھے گئے ہیں زیادہ تر کلام فارسی ہے:۔

بلبل نه کند میل به گل گر بدن اینست — خون در جگر غنچه فتد گر دهن اینست
آمد به سر نعشم و از روے تجاہل — پرسید کس اشکی خونین کفن اینست

روز محشر همه نالند به پیش حق و من — دامنت گیرم و هم پیش تو فریاد کنم
وعده کردی و نرفتی سوے اشکی اکنون — باز فرما چه بگویم که دلش شاد کنم

دلم بُرد از کف بت کج ادائے — بیک گردش نرگس سرمه سائے

وا دریغا ازین جهان رفتی — همچو بوئے گل از میان رفتی
گل حسنت شگفته رنگے داشت — واے حسرت که بے خزان رفتی
مردنت مرگ عالمے گردید — از میان جهان چو جان رفتی
قامتم شد دو تا چو پیر کهن — بسکه با قامت جوان رفتی
باغ ماتم سرا است در غم تو — تا که اے سرو بوستان رفتی
دوخت تیر غمت مرا زین زخم — زود چون تیر از کمان رفتی
شده ایوان سروری خالی — اے مکین تا ازین مکان رفتی
مسند سروری شده خالی — سرور آخر الزمان رفتی
علویان خیر مقدمت کردند — خاکیان نعره زن که هان رفتی
مادر دهر چون نگرید زار — بس جوان مرگ و نوجوان رفتی
ناشنیده فسانهٔ وردم — در گران خواب جاودان رفتی
سر بزانو نهاده ام زین غم — چه شد آیا که سر گران رفتی
شائگان گنج لطف حق بودی — حیف از دست رائگان رفتی
بود بے نظم عالمے زیرین — کز پیئے انتظام آن رفتی
چون نه بر سر زنم کف از حسرت — با کف و دست زرفشان رفتی
چون نه حسرت گزد لب و دندان — با دهان گهر فشان رفتی
اشکی ات در غم تو گریه ازان — همچو اشک روان دوان رفتی



دیوان مان ناتھ مدن۔ اصغریؔ

اصغری - دیوان پنڈت مان ناتھ صاحب مدن خلف دیوان پنڈت امرناتھ صاحب مدن اکبری نبیرہ راجہ دینا ناتھ صاحب مدن - دیوان مان ناتھ صاحب کی قابلیت زباندانی فارسی اعلیٰ درجہ کمال پر تھی اوائل عمر ہی سے شوق پیرامون خاطر تھا فطرت نے طبیعت موزوں عطا فرمائی تھی یہ شوق آخر عمر تک قائم رہا عمر کا بڑا حصہ تکمیل علوم اور سخنوری میں صرف کیا آپ کا کلام معجز نظام ہے۔ ہر صنف شاعری پر عبور ہے فضلِ ربانی سے آپ ناموز ناثر بھی ہیں دونوں میدانوں میں گامزن ہوئے ہیں آپ کا قیام لاہور اور جالندھر میں رہا آپ کے فرزند اکبر دیوان پنڈت سومناتھ مدن سشن جج تھے - دوسرے صاحبزادے دیوان رائے بہادر پنڈت گیان ناتھ مدن ڈپٹی سکریٹری پولیٹکل ڈپارٹمنٹ پنجاب کے عہدہ جلیلہ پر ممتاز ہیں۔ نمونہ ہائے نثر و نظم بطوریادگار اس برگزیدہ صفحات کے درج کئے جاتے ہیں۔

خط بنام مہتمم مراسلہ کشمیر

سلامے چو الطاف تو مشکبوئے　　　سلامے چو اخلاق تو دُر فشانے

ریزہ ہائے صدف سخن چندے کہ از قعر سخن بروں آمدہ اند مانند گہر بجلوۂ آرائش آوردہ ام آرے این جوہری بازار کند سخن راچہ مایہ کہ کالائے خود را بہ گوہریان شوق سخندانی آرد لیک آہستہ آہستہ مانند قطرہ قطرہ بدریا آمدم و جواہر بیش بہا را بہ دارالعیار ان سخندانی آوردم حالا از صاحبان مطبع بہار کشمیر دست بالتجا آوردہ ام کہ از ناقد طبع نقادی این گوہران را برتبہ شاہواری رسانند و از رنگِ شیوع دادن غازۂ خوبی و کامرانی بر رُویم مالند و از جملہ اہل دانش و ناقدان سخن التماس است ہر کجا کہ گوہر کساد بینند بہ سنگ خارائے طعن شکستہ نہ نمایند والا ہیچو صدف زبان بستہ گذارند۔

بگویم برق خائف توسن گردون شتابش را　　　مہ نومی شمارم حلقۂ دورِ رکابش را

برنگِ قطرهٔ شبنم دہد سازِ ترا دیدن | کہ بیند صبحدم گر مہر گردون آفتابش را
چنان در فصلِ گل سود است در سر بلبلِ دل را | کہ صد ہا شمع گل پروانہ گردد اضطرابش را
بیاد آری صبا بر بادیِ مشتِ غبارم ہم | براندازی اگر از چہرۂ تابان نقابش را
غزالانِ حرم را دیدہ ام در خاک و خون غلطان | چہا با فتنہ ہمراز نیست چشمِ نیم خوابش را

علی از مصرعۂ رنگین دلم اے اصغری بردہ
کہ از صد جا گریباں چاک شد موجِ سرابش را

ولہ

ساقی بیا کہ چرخ شد اکنوں بکامِ ما | در بزمِ نو بہار بدہ مے بجامِ ما
ما بلبلیم و خار نمود ست خارِ عشق | ہان اے صبا ببر بہ گلِ نو پیامِ ما
از بسکہ رشتہ کرد بپا بند و بلا ست | پابند گشت طائرِ ما خود بہ دامِ ما
شوریدہ سر نگشت چو شد چار چشم خود | آخر غزال وحشیِ ما گشت رامِ ما
در گلشن است تو گلِ من خندہ زن بصبح | اندر چمن خمید صنوبر خرامِ ما
یکرنگ گشتہ ایم چو شمشاد در چمن | در زیرِ سرو ہست لبِ جو قیامِ ما

اے اصغری ز حافظِ شیراز مصرعہ ایست
مثبت است بر جریدۂ عالم دوامِ ما

بجواب صائب (ولہ)

دستِ دعائے من کشود چہرۂ پر حجاب را | صبحِ نماز رنگ بست جلوۂ آفتاب را
نقش بر آب گشتہ ایم چیست چو موج سرفراز | تاجِ سبک سری ہوا دادہ عبث حباب را
مست شمیم پیرہن کردہ نسیم یوسفی | تیغ و ترنج در کف است تا بکشم نقاب را
چین بہ جبین است قاتلم تیغ جفا کشیدہ گر | خم زہلال میشود خنجرِ ماہتاب را
خون بدلم ز مژدہ شد داغ مرا بسوختہ | سرمہ کشیدہ خاکِ من دیدۂ نیمخواب را

تا ز نظارهٔ جمال صورتِ آئینه شدم　　جلوهٔ ناز هم ربود خود دلِ شیخ و شاب را

ولہ

صبحِ امّیدِ من اندر شبِ تار آخر شد　　روے پامال شدن واے ز کار آخر شد
باد صرصر گل و سنبل به تباهی برداشت　　به چمن زارِ جهان روز بهار آخر شد
کوکوے قمریِ خوش گو به لبِ جو بند است　　شورِ گلبانگِ گل از بلبلِ زار آخر شد
خلشِ نوک برُفت است گلم از سینه　　نو بهارم ز دلم خارشِ خار آخر شد
بسکه بیتاب به دوریِ تو گشتم هر دم　　بے تو اے جان به تنم صبر و قرار آخر شد

اصغری مصرعهٔ حافظ چه مرا خوش آمد
روز هجران و شبِ فرقتِ یار آخر شد

(ولہ) بجواب شیخ علی حزین

حُسن دارد در نقابِ زلف زیباے دگر　　زیرِ فانوسِ خیالی شد تماشاے دگر
سبزهٔ گل را چمن پوشی است از موجِ شراب　　سرو بهرِ میکشان میداشت میناے دگر
تشنه کامان را گلو تر شد ز آبِ خنجرے　　مُردنم شد آرزو دارم تمنّاے دگر
آتشم زد گرمیِ نظّاره در دیرِ جنون　　شدّتِ عشقِ بتان دارست سوداے دگر
از کمندِ چشم دارد رشته بر پا هندوے　　سبز رنگے می نهد دام چلیپاے دگر

اصغری از انجمن شد مصرعهٔ موزون بطرز
اینهم اندر عاشقی بالاے غمهاے دگر

ولہ

من و در حریم کویت ز ادب نماز کردن　　تو و در خیال بازی لبِ خنده باز کردن
تو و ناز دلبرانه من و عشق عاشقانه　　تو و اینهمه رمیدن من و حیله ساز کردن
نتوان گریخت آندم که کُشی به تیغِ نازم　　ستم است لیکن از تو درِ فتنه باز کردن

بود از قفس پریدن نہ مجال مرغ دل را نبود زدام زلفش سرِ تُرکتاز کردن
سرِ خونِ عاشقت این زدومار پر بریدن دو سیاه زلف خود را به رُخت دراز کردن
شدم اصغری سخنور ز فیوض ذات شوقیؔ
سزواز پئے جمالش به ادب نیاز کردن

ولہ

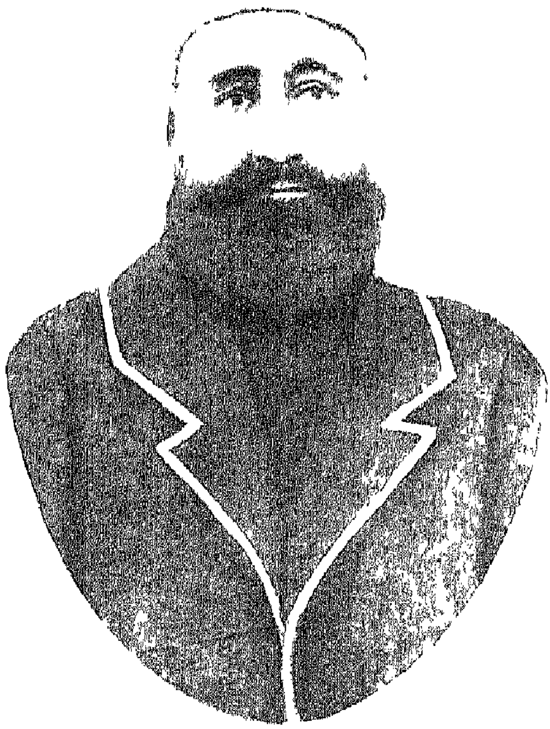
ماہِ من چہرہ ترا پردہ کشیدن ندہم مہر را زیر سیہ ابر رسیدن ندہم
غیرِ دل تیر ترا جاے گزیدن ندہم طائرے راز قفس راہِ رمیدن ندہم
مستِ نازم نہ قبا بہرتنِ خود سازم بسکہ مدہوش شوم جامہ دریدن ندہم
جا دہم چلّۂ مژگانِ ترا دردلِ خویش رخنہ در تن بکنم خون بچکیدن ندہم
گلفشان آمدہ گُل فصلِ بہاران آمد مہرگان را بچمن باد وزیدن ندہم
من بہ میخانہ شوم مست ز صہبا و نفیر لذّتِ شربت صافیت چشیدن ندہم
اصغری گفت قلندر چہ بہ بزم جانان
غیرت از چشم برم روے تو دیدن ندہم

ولہ

قاتلم تیغ بہ من آختۂ یعنی چہ بسملِ نیم مرا ساختۂ یعنی چہ
سروِ نازم زسیہ سنبلِ زلفِ پرچین بند بر پاے من انداختۂ یعنی چہ
من و نالاں تو و خندان چہ تماشاے عجب باز با غیر تو پرداختۂ یعنی چہ
امشب آن ماہ منوّر شدہ جلوہ افشان پردہ اے مہر برانداختۂ یعنی چہ

ولہ

چہ کشیدہ بُرقع بر رُخ بچہ خوش ادا نشستہ چہ بلاست زیر پردہ بہ نہان زما نشستہ
چہ نمودہ فتنہ پیدا ز دو نرگسِ خمارین چہ زمارِ زلفِ مشکین بسرم بلا نشستہ



دیوان امرناتھ مدن ۔ اکبری

تو نواز بے نیاز از کرم امیر گردان | بنگر ز لطف شاہا بدرت گدا نشستہ
چہ برنگ قیس مستم ز ہوائے ناقہ ہایش | چہ نسیم زلف لیلےٰ بسر مرا نشستہ

ولہ

ایکہ در پردہ مرا محرم ناز آمدۂ | وعدہ بمنودہ وفا بندہ نواز آمدۂ
دیر بگذاشتہ تو باش زار باب نیاز | محرم سجدہ کنان بہر نماز آمدۂ
گہ عیان گاہ نہان باز و بالا عجب است | رفتی و آمدۂ رفتی و باز آمدۂ
آہ شبگیر کشیدی و بشد شعلہ عیان | شمع سان گشتی و در سوز و گداز آمدۂ
ایکہ در مقتلِ قاتل بہ طپیدی ہر دم | نیم بسمل شدۂ کشتۂ ناز آمدہ

اکبری ۔ دیوان پنڈت امرناتھ صاحب مدن خلف اکبر۔ امارت و ایالت دستگاہ خیر اندیش دولت عالیہ دیانتدار مشیر خاص مدار المہام راجہ دینا ناتھ صاحب مدن راجہ کلانور آپ شاعر نازک خیال سخنور شیریں مقال خوشگوی نیکو سخن کمال فضیلت و کامل فن تھے یکم اگست ۱۸۶۷ء کو مطابق ماہ ساون سمت ۱۹۲۴ اچانک بہ مرض ہیضہ پینتالیس ۴۵ سال کی عمر میں آپ نے رحلت فرمائی چنانچہ مصرعہ ذیل سے تاریخ ظاہر ہوتی ہے = دل ٹوٹ گیا عدو ہوے گم * تاریخ ہوئی غریق رحمت

آپ کا ایک دیوان بزبان فارسی مطبوعہ ہے جس میں قصائد بھی شامل ہیں اُردو غزلیات بھی ہیں زباں دانان فارسی و اُردو کے مستند کلام پر ہم پہلو غزلیات تحریر فرمائی ہیں دیوان صاحب اوائل میں مہاراجہ رنجیت سنگھ شیر پنجاب اور نیز مہاراجہ دلیپ سنگھ کے عہد میں اور بعد الحاق پنجاب سرکار انگلشیہ میں عہدہ ہاے جلیلہ پر ممتاز تھے آپ کے بزرگوں کا وطن دہلی تھا مگر آپ نے لاہور میں نشو و نما پائی فقیر دوست امیر تھے سیاحی کا بڑا شوق تھا چنانچہ اکثر بلاد ہندوستان کی سیر کی علم ہندسہ و حساب میں وحید زمانہ تھے فارسی بیشتر اور ریختہ کم کہتے تھے۔

شوریست چو ناقوسِ برہمن بسرِ ما | از بتکدہ کم نیست دلِ ما بہ برِ ما
ما مست تماشاؤ تو در پردہ نظر باز | عیبے کہ پسندی بود آن ہم ہنرِ ما
بر خاک نہادیم چو خم ناصیہ از عجز | چون شیشہ بود خم ز تواضع کمرِ ما
مارا دمِ آبے چہ دہی زآبِ بقا خضر | خود آب خورد از دمِ خنجر جگرِ ما
در وحشتِ دل روے بصحرا بنہادیم | آسیبِ جنون است زہر رہگذرِ ما
ناکام ز دنیا چو شوی اصل مراد است | یاس است درین گلشنِ فانی ثمرِ ما
بیدار چو در خواب شوی نیز بخوابی | نیرنگِ طلسمی است جہان در نظرِ ما
خوناب جگر نالۂ ما ریخت بگلشن | زو زخم بدل نالۂ مرغِ سحرِ ما

شد اکبری از فضلِ خدا صائبِ ثانی
شاید بہ صفاہان برسد ہم خبرِ ما

انتخاب دیوان

مے شد حلال در رمضان خود بجامِ ما | قاضی بہ بین تو حرمتِ آبِ حرامِ ما
در نو بہار منتِ ساغر نمی کشیم | از بوے گل چو گل شگفد خود مشامِ ما
شوریدگان عشق نسازند با نماز | سیماے سجدہ نیست بو جہِ امامِ ما
ہر پختہ مغز را نبود آرزوے خام | زنجیر پاے ما شدہ ناموس و نامِ ما
مینا چو ساخت پشت دوتا گشت سربلند | افزود آبِ روشن مارا سلامِ ما

ولہ

کرد خدا نصیبِ من خلوتِ آشناے را | مفت امید وصل اوست حاسد ہرزہ لاے را
بر دو بدستِ خون زمن ظلمِ فلک شکیب و صبر | دہر بدستِ تو سپرد لبستہ عبث حناے را
آنکہ بد است نزدِ تو نیک بود بہ نزدِ حق | حاجب بابِ کعبہ کیست غیرِ بتان خداے را
شمس و قمر بہ آسمان حلقہ بگوشیت کنند | چند نقابِ رخ کنی طرۂ مشکساے را

هست عیان بملکِ غیب هرچه تو دیدهٔ برون — آئینه است جلوه گہِ وقت نظر لقاے را

ولہ

برنگِ گل گران جانان فرو ماندند در گلشن — سبکروحان نسیم آسا روان کردند محملها
درون صد جامهٔ فانوس بهر روے تابانش — چراغ دود دماغِ شمع شد سودا به محفلها
نشد زآبِ گهر چشمِ حریصان پرحباب آسا — تو خود در عینِ طغیان دیدهٔ لب تشنه ساحلها
به تحریکِ عشقِ جان افروز سوزد خرمن ما را — دهد برباد باد آوردِ ما این برق حاصلها
سرابِ خشک زاهد تر نماید تشنه کامان را — همیشه پاے دامِ حق پژوهان اند باطلها
قرارے نیست عاشق را درین جسمِ هیولانی — مقید نیست اندر ظلمتِ تن پیکرِ ظلها

ولہ

یک دم پیالهٔ مے ساقی ده آشنا را — طوفانِ نوح بنما از یک حباب ما را
در خویشتن شدم گم چون نغمه ساز کردند — در راهِ خسروانی دیدم درِ فنا را
کافر هر آنچه بیند از کیشِ خویش خواهد — بتخانه چون نگویم من خانهٔ خدا را
این مهر و کینِ دوران دائم که دید یکسان — در شیشه باده دیدم بر شیشه سنگِ خارا
شد خلق محوِ هستی در ذوقِ خود پرستی — اسرارِ عشق و مستی سازد که آشکارا

ولہ

ز استغنا بنوکِ خار اے مجنون منه پا را — رفو با تار اشکِ خویش کن دامانِ صحرا را
صدف از خاکساری آشنائے ابرِ نیسان شد — حباب از شوخ چشمی نیست لائق جودِ دریا را
نداند هیچکس رازِ درونِ سینهٔ روشن — مئے صاف ار چکد نه جرعه باقی هست مینا را
بحکمِ نامسلمانے گراو از برهمن بُردم — نه چون ویران کنم مسجد نه چون سوزم مصلّا را
پرانا لباس

اسیرانِ محبت را بقید و صید حاجت نیست
کمندِ گردنِ جانم مکن زلفِ چلیپا را

ولہ

دل سیرِ رہِ ملکِ بقا در بدن آموخت — این پیک سبکروح سفر در وطن آموخت
ہر سرو کند نوحہ بہ تعلیم نسیمے — شوریدہ چرا نالہ ز مرغِ چمن آموخت

ولہ

میخانہ مثلِ بیتِ صنم سجدہ گاہِ کیست — مینا نیاز باش بطرفِ کلاہِ کیست
زان چشم نیم خواب شہیدم تو منکری — آخر بہ حشر نازِ دو بالا گواہِ کیست
دیدم ترا و باز نہ بینم بفرطِ خویش — دیدن مرا و باز ندیدن گناہِ کیست

ولہ

سپند آتش دردِ تو بیقرارانند — شہیدِ خنجرِ نازِ تو دلفگارانند
مگو کہ ثابت و سیارہ اند چون لعبت — بچرخ از ستمِ دہر سوگوارانند
شگفت نرگس و گویند مردمِ بینا — دو دیدہ باز بصد یاس تاجدارانند
چش است بادۂ گلرنگ کس نمیدانم — سبو و ساغر و مینا چہ راز دارانند
بہ اوج کوکبِ تابان دور حضیضِ افق — بلند بام ز فضلِ تو خاکسارانند

ولہ

ہوسِ میکشی از بیم خمار آخر شد — ذوقِ گلگشت ز اندیشۂ خار آخر شد
آہ از سینہ کشیدم ہوسِ عیش نماند — نعرہ از طیش زدم کارِ شرار آخر شد
من بہ میخانہ کنم نیتِ تکبیرِ نماز — بعد ازین دغدغۂ روزِ شمار آخر شد
عزمِ پابوسِ دو گیسو چکنی اے سنبل — عمرِ صد کس بسرِ دستِ نگار آخر شد

ولہ

بیدادِ عشق و قصۂ دلبر ز ما مپرس — آشفتہ ایم حسرتِ این ماجرا مپرس
پروانہ را مپرس بجز حالِ سوزِ شمع — جز دردِ عندلیب ز بادِ صبا مپرس

پہلوے چرب خویش خورد شمعِ انجمن — سوز و گدازِ عاشقِ غم آشنا مپرس
خونم دوید بر بنِ گوش از کمالِ فرح — افسانۂ لطافتِ رنگِ حنا مپرس
آشفتہ ام چو طرۂ دستار در فراق — شد پارہ پارہ سینہ چہ پرسی قبا مپرس

ولہ

دلِ مجنون بکفِ حسرتِ دنیا مفروش — سرِ سودائے سیہ کاکلِ لیلا مفروش
باش بیمارِ غمِ ہجر و مکش نازِ طبیب — دردِ خود را بہ مداوائے مسیحا مفروش
بوریا بوے ریا میبرد از کنجِ دماغ — خاک شو آبِ رخِ خود بمصلّا مفروش
کن نظر بر دلِ صد چاکِ من اے صبح بہ مہر — بر لبِ بام عبث خندۂ بیجا مفروش
رم کن از خلق گر آرام بہ عقبیٰ خواہی — عمرِ فانی است بدنبالِ تمنّا مفروش

ولہ

دارم دلے ہے ہے چہ دل مشتاقِ جانان در بغل — سیلابِ خون در رہ گذر طومارِ ارمان در بغل
از نا مسلمانی دلم زور رخنہ در ناقوسِ دین — دارد عجب پیمانہ ہا این کافرستان در بغل
در زیرِ فانوسِ فلک سروِ چراغان نیستم — دارم بسے گلزار ہا از داغِ پنہان در بغل
ایندم نہ دادِ زندگی از وصلِ دلبر مید ہم — من در ازل ہم داشتم تصویرِ جانان در بغل
زنار بند و برہمن از یادِ زلفِ کافرش — مومن پریشان شد عبث اوراقِ قرآن در بغل

ولہ

پابندِ قیدِ مذہبِ بت نیستیم ما — زنار را بہ گردنِ ہندو نہادہ ایم
فردائے روزِ حشر ندانیم چون کنند — امروز سر ز شرم بہ زانو نہادہ ایم
دُرِّ یتیم و اشک بمعنی جدا نیند — صد بار ہر دو را بہ ترازو نہادہ ایم
یکسو فگندہ ایم کلیسا و ہم کنشت — بنیادِ دیرِ عشق بجادو نہادہ ایم
پروانہ پیشِ شمع کند سوزِ عشق فاش — ما راز شوق آہ نہ با تو نہادہ ایم

وله

ندارم الفتِ دنیا رمیدن آرزو دارم — شوم در خویشتن گم آرمیدن آرزو دارم

کند جان را فدائے رونمائے شمع پروانہ — بہایت ہرچہ باشد من خریدن آرزو دارم

نہد کے بر زمین عارف کفِ پا چون گرانجانان — نسیم آسا سبک روحم وزیدن آرزو دارم

شد آخر کار بسمل ہمچو شمعِ صبح در یکدم — نفس تا در بدن دارم طپیدن آرزو دارم

بنفشہ نیستم امّا زنم در نیل رختِ خود — نُیَم گُل لیک پیراہن دریدن آرزو دارم

کنم خم گردنِ تسلیم و بخشم کام ہر سائل — چو مینا نازِ ہر ساغر کشیدن آرزو دارم

مکن خون گریہ از سودا زند فصّاد گر نشتر — زِ ہر خارِ مغیلان من خلیدن آرزو دارم

وله

قدِ تست سروِ دلجو پئے سر فراز کردن — من و قمری از ہوایت بہ ترانہ ساز کردن

ز شکیب از جفایت نہ شکایت از شکایت — تن و دل ہمہ فدایت ستم است ناز کردن

تو و جامۂ مرصّع من و خرقۂ ملمّع — چہ خطا است پیرِ گردون ز من احتراز کردن

دم و دودِ دردمندان دم گرم و آہ سرد است — لب شمع چون نخندد ز جگر گداز کردن

وله

سرواست سراسیمہ ازان سیرت و سیما — طوبیٰ خجل است از بر و بالا کہ تو داری

پیچانم ازان سنبلِ پیچان و مسلسل — حیرانم ازان نرگسِ شہلا کہ تو داری

سیراب شد از گریۂ من سبزۂ خاکم — زود آ بہ سرم ذوقِ تماشا کہ تو داری

وله

بود سروِ چمن مدہوش مینائے توائے ساقی — سر و نرگس چو من مخمور صہبائے توائے ساقی

بیک ساغر مے صد خُم توان خورد از کفِ جودت — نہان چون در حبابے بود دریائے توائے ساقی

نگاہت از پئے تسخیر مردم عین افسون است — طلسمِ گنج نیرنگ است سیمائے توائے ساقی

نوا سنج ارغنون آید صراحی گر زند قُلقُل — دہد صد ارغوان از مے بر ایمائے توائے ساقی

ندیدم غیرِ خُم من سجدہ گاہِ مے پرستانت — بمستی چون نبوسم من کفِ پائے توائے ساقی

غزلیات اردو

انسان کو حق نے نور کا مظہر بنا دیا — اک مُشتِ خاک تھا جسے جوہر بنا دیا

نالوں کا میرے پہنچ گیا صور تک اثر — دنیا کو میں نے عالم محشر بنا دیا
خونِ جگر سے ہمنے کیا دل کو لالہ زار — داغِ جنوں سے دل کو مشجّر بنا دیا
دل اکبری نے آپ دیا زلف یار کو — مومن کو مار مار کے کافر بنا دیا

ولہ

ابرِ بہار اشک ندامت سے تر ہوا — تر دامنی ہے پر ابھی رسوا نہیں ہوں میں
شوریدہ سر ہوں یادِ ملاحت میں آپ کی — حقِ نمک کے ذوق کو بھولا نہیں ہوں میں

ولہ

گو پسند آپ کو کچھ شکوۂ بیداد نہیں — بے زبان ہوں مجھے بھی جرأتِ فریاد نہیں

ولہ

کون وہ ہے جو تیرا طالبِ دیدار نہیں — کون اُس چشم سیہ مست کا بیمار نہیں
بار ہے اشک مسلسل کا گلو میں اسکے — شمع کو دہر میں کچھ خواہشِ زنار نہیں

ولہ

لالہ ساں دل گرچہ پُر خوں ہے مگر ہے یہ ہوس — شاخ گلبن کی طرح چاکِ گریباں سبز ہو
سرو سا چھلکے ہے شیشہ ہے چمن بزم سرور — موج مے سے یا الٰہی نخل بستاں سبز ہو

ولہ

مردانِ خدا خواہشِ دنیا نہیں کرتے — آزادہ رہ و رسم کی پروا نہیں کرتے
کب مانگتے ہیں کاکلِ شبرنگ سے ہم دل — عشاق سیہ دل کو تقاضا نہیں کرتے
فردوس میں جانے کی نہیں ہم کو تمنا — مولیٰ کی قسم خواہش عقبیٰ نہیں کرتے
ہم عشق میں سردار ہیں منصور کے اس دم — سرمایۂ کونین پہ سودا نہیں کرتے

ولہ

منصور دم نہ مار سکا دیکھ روئے یار — عاشق کی سرنوشت قضا سے بگڑ گئی
پابوسیِ نگار کی دونوں کو تھی ہوس — ناحق ہماری رنگِ حنا سے بگڑ گئی

ولہ

بیخود تری رفتار سے ہر کبک دری ہے — یہ حُسن مقیّد کی عجب جلوہ گری ہے
آشفتۂ کاکل ہوں نہیں ہوش ہے مجھکو — گو اوج پہ اب اخترِ شوریدہ سری ہے
مرتے ہاتھ دھرا ب سینہ پہ ہے بت ناداں — آتشکدۂ دل میں غضب آگ بھری ہے
ہر صاحبِ عقل اس لب میگوں سے ہے مست — دیوانۂ ناموس یہ کیا بیخبری ہے

ولہ

انجمن ہست اگر گرم ز تنہا نوائی شمع — من چو پروانہ دہم داد ز بانداری شمع

در صنم خانه نه تنهاست برهمن کافر / به گلو رشته نگر قشقه به پیشانیِ شمع

ولہ

دلم الفتِ آشنائے ندارد / پیمبر ندارد خدائے ندارد
نسیمِ سحر خود رسد تا بشمعے / اجل حاجتِ رہنمائے ندارد
خُم ار بشکند مے دُرونش بجوشد / دُہل پاره چون شد صدائے ندارد
نوائے طرب نیست در ہر جلاجل / صدائے الم ہر درائے ندارد
چو من بر نیاید کسے از ہزاران / چمن ہمچو من تر نوائے ندارد

ولہ

گرہم لیک ز وسواس نجاتم دادند / نیستم خضر نگر آب حیاتم دادند
نامسلمان بہ حرم شد دلم از فسخ نماز / سبقِ کفر بلے لات و مناتم دادند
گریہ سر کردم و جانسوز چو من کرد خروش / نالہ زد چنگ و مرا رخصتِ ماتم دادند

قصیده

گُہرفشان قلمِ من چو ابر نیسانی / محیطِ طبع ز موجِ سخن بطغیانی
دوات چشمِ غزالان سزد کہ بنویسم / بخامہ وصفِ چنان نورِ چشم سلطانی
چہ نورِ چشم کہ چشمِ زمانہ زان روشن / چہ نورِ چشم کہ در حسن یوسفِ ثانی
چہ آفتاب کہ از وے جہان فروغ گرفت / چہ آن فروغ کہ از وے زمانہ نورانی
تبارک اللہ ازان روح مرحمت ماثور / تبارک اللہ ازان جسم و شکلِ انسانی
مقدم است زمانِ وجودش از افلاک / موخر است اگرچہ ز جسم و جسمانی
شگوفہ بیشتر آید ہم از ثمر بہ چمن / بوصف نیست موخر پدر تو گر دانی
بحکم طالعِ او زہرہ رفت در ماہے / بغیر تسمیہ اش مشتری است سرطانی
بران کلہ کہ بود ہمچو تاجِ زر بسرش / گُہر شمار نگر دیدہ از فراوانی
فراغ داد بظاہر ز زیور و الماس / فروغ داد بباطن ز لعل پیکانی
قرار داشت بسر پیش ازین بصلبِ پدر / کنون نشست بصدرش بصد درخشانی

چہ سیرت است کہ کردست روح را تازہ
چہ صورت است کہ شد رشکِ ماہِ کنعانی

بروز سالگرہ چون پدر بہ بزم آمد
پسر نشست بہ بر ہمچو سرو بستانی

بسالِ سابق اگر شد فداش احمد خان
بسالِ حال عمو شد بہ ہیضہ قربانی

دو گوہر است کہ آمد برون ز پردۂ غیب
دو بحر جوش زد از منبعِ خدادانی

دو شیر گشتہ ہویدا بہ بیشۂ اجلال
دو تیغ گشتہ علم از نیامِ ترخانی

دو ماہ گشتہ منور ز مطلعِ اقبال
دو مہر تافتہ از مشرقِ جہانبانی

عیان دو روحِ مجرد شدہ ز کتمِ عدم
دو جسم گشت منور بنورِ نورانی

بود وجودِ دو فرمانروائے کشورِ عدل
پئے عمارتِ دل ہائے خستگان بانی

نشد شکستہ دلِ کس بعہدِ شان ہرگز
بحکمِ شان شدہ آباد جملہ ویرانی

ہزار قافلہ آید اگر درین سرحد
وہند آزوقۂ سالہا بہ مہمانی

پدر بخلوتِ دل از حضورِ حق آگہ
چہ جائے رغبتِ حضرت بعالمِ فانی

نوشت خامۂ من نظم و نثر بے تعداد
مگر نکرد فراہم براہِ نادانی

چہ صرف نحو بلاغت چہ منطق و حکمت
بہ سعی کسب نمودم بذوقِ روحانی

اصول ہندسہ و طب و ہیئتِ اشکال
لغات و مصطلحات و علومِ قرآنی

سیاق و طرز سیاق و طریقِ رسم الخط
دگر عروض و تواریخ با غزل خوانی

علوم فلسفہ و خلق و حالِ خاصِ ملوک
طریقِ فقر و فنا با اصولِ عرفانی

بخواندم علمِ الٰہی بحکمِ جودتِ طبع
معاش یافتم از پیشگاہ سلطانی

گمان مبر کہ تبحر بود مرا بہ علوم
ولیک واقفِ رازم بقدرِ امکانی

رقم زدم ہمہ احوالِ عمرِ خود زین پیش
مگر ببرد بدزدی حریف پنہانی

بطبعِ نفس نگفت اکبری قصیدہ و شد
کباب حاسدِ ملعون برسمِ اخوانی

من اینکہ عمر بسر میبرم بہ آزادی
کجا تعلق آن خواہشِ تن آسانی

منم کہ سر بادب داشتم درین درگہ — نیم فضول کہ لاف زنم چو خاقانی
بمال میل ندارم از انکہ ہمت من — بہ پشت پا زند آنرا باین شبک جانی
ز طمع و تہمت و اغوا و کین حذر دارم — ہزار لعن خدا بر نفوس شیطانی
نشستہ ام بجناب ملوک و صحبت شان — شدم مقیم و مسافر تو نیز میدانی
طریق دشمنی و دوستی نکو دانم — ہزار تجربہ کردم بہ لطف سبحانی
بصدق حامی تو باد لطف اہل فرنگ — بہ یمن ناصر تو باد خود مسلمانی
مرا غرور و غنا و ترا سرور و طرب — مرا ریاست منصب ترا جہانبانی
تراست فخر ز داؤد آل عباسی — چنانکہ قوم مغل را شرف ز قاآنی
خوش است ہمت و تدبیر لالہ سکھ رائے — کہ این قصیدہ نوشت او بخط ریحانی

آگاہ۔ پنڈت جوالا ناتھ صاحب خلف پنڈت داتا رام صاحب برہمن فارسی شعر بھی کہتے تھے تذکرہ سخن الشعرا نساخ کی ترتیب کے وقت آپ کلکتہ میں قیام پذیر تھے جسے ۱۲۹۰ھ ہجری کا زمانہ سمجھنا چاہئے اس سے زیادہ حال معلوم نہیں ہوا یہ دو شعر تذکرے میں درج تھے وہی نقل کئے جاتے ہیں جن سے طبیعت کی موزونی اور درد ظاہر ہوتا ہے۔

جان جاتی ہے تڑپتا ہوں پڑا — دیکھئے کیا ہو تماشا کیا ہے
تیرا دیدار میسر ہو ئے — اس سوا اور تمنا کیا ہے

الک۔ روپ نرائن صاحب یعنے روپ بھوانی المعروف بہ الک صاحب مجموعۂ کلام شعرا سے ترتم موسوم بہ بہار گلزار کشمیر میں آپ کا نام درج ہے اور آپ نے جو ایک خط اپنے برادر خورد کو لکھا تھا وہ اسی مجموعہ کلام سے اخذ کیا گیا ہے آپکی سوانح عمری زیر پردہ پڑا ہوا ہے اور جو کچھ ہے یا مزید حالات دریافت نہ ہو سکے۔

خط

بیخودان هستند والا دستگاه | شاهِ وقت و صاحبِ تاج و کلاه
بیخودان خود مظهرِ خاصِ حق اند | بیخودان خود محوِ ذاتِ مطلق اند
شیوهٔ مردانِ ره نبود خودی | از خودی بگذر با واصل شوی
باش فرمان بخش شهرِ بیخودی | آشنائے بحر و برّ بیخودی
رتبهٔ مشتاق ما بالاتر است | هر که شد مشتاق ما نیک اختر است
هیچ دوری نیست از من تا به تو | در میان گر هست منزلها بتو
گر بصورت دوری از هجرم مثال | لیک در معنی بمن داری وصال
در حقیقت گشته از ما نا مور | اسم و جسم و رنگ و روئے هر بشر
سگ به یک لقمه وفا داری کند | این سگ از خوردن جفا کاری کند
زین سگِ درّنده یاران الحذر | الحذر اے زیرکان کردم خبر
دل پسند افضل حق یارِ تو باد | در حریمِ خاص دل یارِ تو باد
مهربان پیوسته اهلِ دل به تو | کامِ دل بادا همه حاصل به تو

گوش کردم جمله شرحِ نامه ات
خوش بیان بادا زبانِ خامه ات

انور پنڈت بشمبھر ناتھ صاحب خلف پنڈت کیشو ناتھ صاحب لکھنوی شاگرد آغا حسین مرزا عشق و معصوم علی طوبیٰ۔

دیکھے جو باغ میں عرق آلودہ روئے یار | شبنم گلوں کو آب خجالت سے تر کرے
مجھ پر جو کچھ گذرتی ہے روشن ہے یار پر | خود حال آئینہ ہے کوئی کیا خبر کرے

ولہ

کیوں سرِ شام سے گھبراتے ہو ٹھہرو صاحب | شوق سے گھر کو چلے جائیو کچھ رات رہے

ولہ

زلفوں کی یاد نے یہ کیا ناتواں مجھے | تارِ نفس ہی اب تو ہے بارِ گراں مجھے

نسبت ازل سے عاشق و معشوق کو ملی — وہ بے دہن ہوئے تو کیا ہے زباں مجھے
مدت سے غمگسار ہیں ہمدم ہیں دوست ہیں — کب بھولتے ہیں نالۂ و آہ و فغاں مجھے
یاروں کے قافلہ سے کھلی چشم دور بیں — سرمہ ہوئی ہے گرد پس کارواں مجھے

اہل۔ پنڈت رگھناتھ کول صاحب ساکن حبہ کدل سری نگر کشمیر

آپ نے بعمر بہتر سال سمت ۱۸۶۴ بکرمی میں رحلت کی۔ اس وقت عطا محمد خان حاکم کشمیر تھا۔

نالہ چون نے چہ میکنی۔ ہمدم غمزدا طلب — صحبت تازہ ساز کن۔ مطرب خوش نوا طلب

ولہ

کارت زکار از دست رفت۔ اے دل ہاکارے بکن — بگذر زیارے بیوفا۔ یار وفادارے بکن
پیچیدہ پا در دامنے۔ غمگین نشینی تا بکے — برخیز در کوشش برو۔ بل نالۂ زارے بکن
گشتم ضعیف و ناتوان ہرگز نگشتی مہربان — رحم اے طبیب سنگدل۔ بر حال بیمارے بکن
اے اہل با ہمدم بگو۔ تا چارۂ کارت کند — تا کے غم دل میخوری تدبیر غمخوارے بکن

پنڈت اوتار لال بقایا صاحب خلف پنڈت موہن لال بقایا صاحب۔

آپ کے والد پنڈت موہن لال صاحب بقایا خلف پنڈت چیالال بقایا صاحب تحصیلدار مرحوم۔ آج کل قصور (پنجاب) میں صاحب سب ڈویژنل آفیسر کے سررشتہ دار ہیں۔ آپ کی والدہ پنڈت موہن کشن صاحب ہاکسر مرحوم دہلوی کی لڑکی ہیں۔ آپ کی شادی ۱۹۱۹ء میں روپ کشن صاحب آغا کی صاحبزادی کے ساتھ ہوئی تھی جو آج کل الہ آباد میں ڈسٹرکٹ اور سشن جج کے عہدہ پر ممتاز ہیں۔

آپ ۱۸۹۷ء میں بمقام گجرات (پنجاب) پیدا ہوئے۔ وہیں انٹرنس تک تعلیم پائی اور درجہ اول میں پاس ہوئے۔ ۱۹۱۲ء میں لاہور کے مشن کالج کے ایف۔ ایس سی کلاس میں داخل ہوئے۔ مگر وہاں کی آب و ہوا اور سائنس کے مضامین طبیعت کے خلاف تھے اس لئے بی۔ اے۔ ڈی۔ اے۔ وی کالج لاہور سے پاس کیا۔ یہ زمانہ



پنڈت اوتار لال بقایا

آپ کی طالب علمی کے زمانے میں سب سے بہتر زمانہ تھا۔ فلاسفی اور اکانومکس اور انگریزی ادب ایسے مضامین تھے جن سے خاص دلچسپی تھی۔ چنانچہ جب بی۔اے میں کامیاب ہوئے تو باوجودیکہ مضامین ایسے تھے جن میں درجہ اوّل کے نمبر تک پہونچنا عموماً مشکل ہوتا ہے تاہم امتحان میں صرف ایک نمبر کی کمی سے بجائے درجہ اول کے درجہ دوم میں کامیابی ہوئی اور پنجاب کے کشمیری طلبا میں اول رہنے کا انعام کشمیری پنڈت ایسوسی ایشن سے پایا۔ اس کے بعد اکانومکس کا مضمون لیکر گورنمنٹ کالج لاہور میں داخل ہوئے۔ مگر بدقسمتی سے اس آخر ڈگری کے حاصل کرنے میں آپ نا کامیاب رہے۔ اس ناکامیابی نے سرکاری ملازمت کی طرف سے دل برداشتہ کر دیا۔ اور آٹھ برس تک بیکار گھر پر بٹھائے رکھا اس عرصے میں تجارت کی طرف بھی توجہ کی مگر طبیعت کو کچھ اس سے لگاؤ نہ تھا۔ آخر ۱۹۲۵ء میں مالوہ میں جاکر زمینداری کا سلسلہ شروع کیا۔ اگرچہ آباؤ اجداد میں سے کسی نے یہ پیشہ اختیار نہیں کیا تھا مگر پنڈت صاحب کو بہت مرغوب ہوا۔ اور اب فارغ البالی کے ساتھ بمقام باسودہ ریاست گوالیار زندگی بسر کر رہے ہیں۔ دفع الوقتی کی غرض سے دو تین مشاغل اعزازی طور پر لے رکھے ہیں۔ یعنے آپ پنچایت بورڈ کے پریسیڈنٹ ہیں اور تجارتی کمیٹی کے چیرمین۔ وکالت کے امتحان کے لئے بھی آپ تیار ہو رہے ہیں۔ تقریباً تین سال سے آپ فکر سخن کرتے ہیں۔ شعر وسخن کا شوق تو آپ کو شروع ہی سے تھا مگر جذبات سینہ میں محفوظ تھے باسودہ میں ایک بزم مشاعرہ ہوئی جس نے ان جذبات کو ابھارا چنانچہ ۱۹۲۸ء میں پہلی غزل پڑھکر آپ نے داد سخن حاصل کی اور جبھی سے آپنے اس سلسلہ کو جاری رکھا غزلیات ذیل سے آپ کی طبیعت کا رنگ ظاہر ہوتا ہے۔

دیکھ کر طرزِ ستم اُس بانیِ بیداد کا
رنگ پھیکا پڑ گیا چرخِ ستم ایجاد کا

بے کسی میں حال مت پوچھو دلِ ناشاد کا
چھُٹ رہا ہے ساتھ بھی اب نالۂ و فریاد کا

آپڑا ہوں تیرے سنگِ در پہ پھر سر پھوڑنے
دشت بے تکیہ تھا مجھ آوارہ و آزاد کا

ہائے اُس بُلبل کی حالت ! جو نہ پا کر نام کو
ق اِک بہارِ پُر حوادث میں مزا فریاد کا

لکھ رہی ہو اب خزاں میں جانیں کیا کیا سوچ کر
خوں سے نوکِ خار پر قصّہ گُل و صیّاد کا

مل چکی تسکینِ دل کو جا کے مقتل میں ! جہاں
ختم ہو جاتا ہے قصّہ آشنائے بیداد کا

لُطفِ دردِ زندگی ۔ ذوقِ عذابِ جاں کنی
مجھ میں یکساں دیکھ کر رنگ اُڑ گیا جلّاد کا

اثر یہ تھا شبِ وصل اپنی قسمت کی بُرائی کا
نظر کے سامنے نقشہ رہا روزِ جدائی کا

ہے میری بندگی سے نام شانِ کبریائی کا
خودی سے میری قائم نظم ہے ساری خدائی کا

دلِ پُر درد میں ہر اہلِ دل کا درد ہے پنہاں
ٹھکانا کیا ہے اپنے درد کی بے انتہائی کا

کھڑا ہوں چشمۂ آبِ بقا سے دو قدم آگے
کہو اے خضر اب بھی حوصلہ ہے رہنمائی کا

بیانِ زخمِ دل لکھنے لگے ہیں خونِ دل سے ہم
گراں خاطر تھا اُن کو رنگِ ماتم روشنائی کا

جھلک ہی گر نظر آئے کہیں اس روئے تاباں کی
تو دیدوں طاقتِ نظّارہ ہدیہ رونمائی کا

یہ کیسا دیکھئے موسم میں انقلاب آیا
کہ زُہد چھوڑ کے زاہد سوئے شراب آیا

کبھی نہ سامنے میرے وہ بے نقاب آیا
خیال میں بھی پسِ دیدۂ پُر آب آیا

کچھ اِضطراب کے ساتھ اس طرح شباب آیا
کہ ہوش بعد میں اور پہلے ہی حجاب آیا

یہ مختصر سی ہے اپنے شباب کی رُوداد
اک انقلاب گیا اور انقلاب آیا

ہوئی پسینہ پسینہ جبینِ صُبحِ بہار
چمن میں جب وہ گُل اندام بے نقاب آیا

کتابِ زندگی اپنی ہے ایسی درد بھری
کہ ہائے کا ورق اُلٹا تو اُف کا باب آیا

لے اب تو سو شبِ فرقت کے جاگنے والے
اُفق پہ دیکھ نکل کر وہ آفتاب آیا

خود اپنے حُسن کا جلوہ تھا دیکھنا منظور
اُتر کے قطرۂ شبنم میں آفتاب آیا

نالہ وہ نالہ ۔ نہ ہو ختم اثر ہونے تک
اشک وہ اشک ۔ بہے خونِ جگر ہونے تک

درد ہے درد پہ درماں کا اثر ہونے تک
آہ ہے آہ کسی کو نہ خبر ہونے تک

مرگ ہے مرگ مگر پیشِ نظر ہونے تک　　زندگی زندگی ہے موت کا ڈر ہونے تک
دیکھنا طولِ شبِ غم کا ہماری انداز　　ابتدا پہونچی ہے انجامِ سحر ہونے تک
سیکڑوں عشق میں انداز جنوں نے بدلے　　خاک پر رکھنے سے سر خاک بسر ہونے تک
کیوں دلِ ناداں لئے جاتا ہے بزمِ یار کو　　کس سے دیکھا جائیگا واں کثرتِ اغیار کو
سیکھ جاتا بھولنا میں بھی ترے اقرار کو　　یاد کرتا ہوں پر اپنی گرمیِ اصرار کو
سخت جانی کو بہت جوہر نمائی کا ہے شوق　　کیا کرے پر خوفِ خونِ حسرتِ تلوار کو
حیف ہے۔ دستِ جنوں تارِ رگِ جاں چھوڑ کر　　پارہ پارہ کرنے جائے۔ پیرہن کے تار کو
خود بخود سی جائیں زخمِ دل اگر پالیں کہیں　　آپ کے تارِ نگاہِ نرگسِ بیمار کو
آگ لگ جائے تری اس سوزشِ پنہاں کو ہائے　　پھونک ڈالا تار تارِ بسترِ بیمار کو

میری ہی قسمت کے پلٹوں نے سکھایا بیگماں
یہ سلیقہ گردشوں کا چرخِ ناہنجار کو

یہاں تک حالِ دل کہنے میں قاصر تھی زباں میری
کہ مشکل ہوگئی میرے لئے طرزِ بیاں میری
چلو چپ بھی رہو بس اب نہ کھلواؤ زباں میری
تمہاری داستاں ہے! کیا سنو گے داستاں میری
ادھر لذت ہے مرنے کی اُدھر جینے کا چسکا ہے
حیاتِ جاوداں میری نہ مرگِ ناگہاں میری
ٹپک پڑتا ہے گر اک قطرۂ خوں جوشِ گریہ میں
تو نادم ہوکے رو دیتی ہے چشمِ خوں چکاں میری
ہے اتنا رشک آپس میں کہ سر گرمِ فغاں ہوکر
کھلے جو لب کہیں میرے تو جل اُٹھی زباں میری
بس اب خاموش ہوتا ہوں کہ دل پر سننے والوں کے
اثر کرنے لگی ہے سوزشِ آہ و فغاں میری

سر کو مقصود جو سنگِ درِ جانانہ ہے ‏— آسرا تیرا مجھے ہمّتِ مردانہ ہے
دلِ دیوانہ کہیں اور ٹھکانہ کر لے ‏— اب اُنھیں خواہشِ ویرانیِ ویرانہ ہے
میں وہ بدمست مئے جور و ستم ہوں کہ فلک ‏— میرے میخانے کا اُلٹا ہوا پیمانہ ہے
جلوہ گہ ناز و تصوّر کا کبھی تھا یہ دل ‏— اب فقط حسرت و ارماں کا عزاخانہ ہے
تیری محفل سے اُٹھائے ہوئے سودائی کا ‏— جس جگہ بیٹھ گیا اُس کا وہ کاشانہ ہے

مجھکو یاں فخر ہے جس در پہ جبیں سائی کا
اُس کا ہمپایہ نہ کعبہ ہے نہ بتخانہ ہے

ہے درد کے لئے جاں اور درد جان کے لئے ‏— جگر تپش کے لئے۔ دل غمِ نہاں کے لئے
مریں تو خضر مریں عمرِ جاوداں کے لئے ‏— یہاں تو زندہ ہیں اک مرگِ ناگہاں کے لئے
کہاں تو گردشِ برگشتہ بخت پھرتی رہی ‏— کبھی تو باعثِ رشک ہوتی آسماں کے لئے
امید دل میں جو آنے نہ پائی خوب ہوا ‏— جگہ تھی پہلے ہی کم سوزشِ نہاں کے لئے

گلوں سے کہہ کے چلی عندلیب رو رو کر
بلا کی برق ہے بیتاب آشیاں کے لئے

ہر ادا اُن کی غضب ہوش رُبا ہوتی ہے ‏— اہلِ دل کو سبق آموز فنا ہوتی ہے
غیر کے واسطے پہلو میں اُدھر جا ہوتی ہے ‏— پھر ادھر دل کو نصیب آہ و بُکا ہوتی ہے
ایک محسورِ محبت ہی سے پوچھے کوئی ‏— ہوش کہتے ہیں کسے؟ بے ہُشی کیا ہوتی ہے؟
ناگہاں موت میں ملتی ہے کہاں لذّتِ درد ‏— تجھ سے لے جاں کنی تسکین فزا ہوتی ہے

کیا ملا زیست سے کیا موت سے مل جائیگا
دل کو بے فائدہ اُمیدِ جزا ہوتی ہے

اس غم میں ہے اے دل! کبھی اُس غم میں پڑا ہے ‏— کیا میٹھے بٹھائے تجھے کمبخت! ہوا ہے
معنی سے ترے مجھکو اجل! واسطہ کیا ہے؟ ‏— ہر صفحۂ ہستی مرا فرہنگِ فنا ہے

اک بُت ہی نہیں ہے کہیں مخصوصِ پرستش
بُت خانے کا بُت خانہ تا قبر کا خدا ہے

زندہ ہوں فقط مرگ کی امید پہ ۔ ورنہ
یہ قالبِ ہستی بھی تو جینے کی سزا ہے

آرام لحد میں مرا ہر خوابِ پریشاں
صدرو وزر قیامت کی حقیقت سے سوا ہے

کیا پوچھتے ہو حالِ دلِ زار شبِ غم؟
اک خون کا دریا ہے کہ آنکھوں سے بہا ہے

ہو لفظِ تمنّا مرا نشرمندۂ معنی
اے غیرتِ دل! حیف ہے افسوس کی جا ہے

ہجومِ دردِ دل سے خونِ چشمِ تر کو کیا نسبت
وہ طوفاں ہو کے اُٹھا تھا یہ قطرہ بن کے نکلا ہے

الٰہی خیر ہو زیرِ زمیں خاکِ غریباں کی
رقیبوں کو لئے وہ سامنے مدفن کے نکلا ہے

وہ میری آہ و زاری سُن کے باہر آ گیا لیکن
کسے معلوم؟ دشمن ۔ دوست یا کیا بن کے نکلا ہے

وہ نغمہ پیدا ہوتا ہے جو سیاروں کی حرکت سے
مری آتش نوائی کا کرشمہ بن کے نکلا ہے

شانِ تکمیلِ جنوں ہے کہ ترا دیوانہ
نشۂ عشق میں بے ہوش بھی ہشیار بھی ہے

ستمِ دردِ تمنّا ہے کہ اُلفت کا مریض
طالبِ زیست بھی ہے جان سے بیزار بھی ہے

نگہِ چشمِ تمنّا کا تماشا دیکھو
طالبِ دید بھی ہے خائفِ دیدار بھی ہے

دیدۂ آبلہ ٹپکائے نہ کیوں اشکِ نشاط؟
پیشِ پا دشت بھی ہے اور تہِ پا خار بھی ہے

نہ کرو شکوۂ محرومیِ قسمت نہ کرو
زندگی کھیل ہے یاں جیت بھی ہے ہار بھی ہے

علاجِ دردِ جگر ہم بھی آؤ کر دیکھیں
جب آج مر ہی رہے ہیں تو خیر مر دیکھیں

گلہ سرشت میں اپنی نہ شکوہ خُو اپنی
جو چاہیں ہم پہ ستم شوق سے وہ کر دیکھیں

نظر کو اہلِ نظر کی کہیں نظر نہ لگے
اگر ہے شوق نظارہ تو پھر اِدھر دیکھیں

خود اُس کو ہو گیا سودا کسی کی اُلفت کا
علاج کرتا ہے کیا ہم بھی چارہ گر دیکھیں

تمھارے حسن کے جلوے سے اک جہاں معمور
ہم اپنی ایک نظر سے کدھر کدھر دیکھیں

امین۔ پنڈت سروپ نراین صاحب رینہ رازدان امین ولد پنڈت
بشن نراین صاحب رینہ رئیس امرتسر۔

آپ شہر دہلی میں ۱۸۷۸ء میں پیدا ہوئے۔ ابھی چار پانچ برس کے تھے کہ آپ کے والد بزرگوار پنڈت بشن نراین صاحب رینہ رازدان بصیغہ ملازمت امرتسر میں تبدیل ہو گئے۔ چنانچہ شروع سے آخر تک امرتسر ہی میں تعلیم پائی۔ ۱۸۹۹ء میں پنجاب یونیورسٹی سے بی۔اے کی ڈگری لی۔ شروع ہی سے آزاد پسند طبیعت پائی تھی۔ چنانچہ تجارت کے صیغے کی طرف رجوع کیا اور پچیس سال تک اسی میں منہمک رہے ۱۸۹۴ء سے سوشل و ملکی کاموں میں دلچسپی لی ۲۸ سال ٹیمپرنس کی تحریک کے ساتھ گہرا تعلق رہا اور اپنا بہت سا وقت اس تحریک میں صرف کر دیا۔ کانگرس اور دیگر علمی مجالس مثلاً منروا لاج بزم اردو، بزم ادب، بزم سردش سے تعلق رہا۔ کانگرس کے کام میں ۱۹۱۹ء میں ایک مرتبہ جیل کا منہ دیکھنا پڑا۔

تصویر کشی۔ موسیقی اور شاعری سے اوائل عمر سے اُنس بدرجہ اتم تھا۔ مضامین نگاری اور تالیف و تصنیف کا شوق رہا۔ اکثر سوشل و علمی رسائل میں مضامین نثر لکھتے رہے۔ کئی سوشل مسدس اور نظمیں لکھیں اور جلسوں میں پڑھیں۔ چنانچہ مسدسوں میں "بہارِ بہار" "بگڑی بنی" اور "مکتبِ شیطان" مشہور ہیں۔ ڈراما نویسی کا خاص شوق رہا۔ چنانچہ شاعر ہوشربا دشمن جان اور انقلاب۔ کئی بار پنجاب و دیگر صوبہ جات کے مختلف شہروں میں اسٹیج پر آچکے ہیں۔ امرتسر میں کئی بار مصنف نے خود پہلا ڈراما ۱۵ سال کی عمر میں تصنیف کیا اور اسٹیج پر دکھلایا۔ مگر ان تمام ڈراموں کی آمدنی سوشل کاموں کے لئے وقف کر دی گئی۔

آپ ۱۹۱۱ء میں ولایت گئے اور وہاں پر امرتسر کی طرف سے ورلڈ ٹیمپرنس کانفرنس میں بطور ڈیلیگیٹ شامل ہوئے۔

۱۹۲۹ء میں آل انڈیا کشمیری پنڈت کانفرنس آپ نے ترتیب دی اور اس وقت تک



پنڈت سروپ نراین رینہ ۔ ایمن

اس کی ورکنگ کمیٹی کے سکرٹری آپ ہیں۔

بزمِ سروش امرتسر جو ایک ادبی انجمن ہے اور جس کا مقصد اردو۔ فارسی۔ پنجابی تمام زبانوں کے ادب کی اشاعت ہے۔ اس کے وائس پریسیڈنٹ بھی آپ ہیں۔ فارسی کلام دو برس سے شروع کیا ہے۔ اب زیادہ تر آپ کا رجحان فارسی کلام کیطرف ہے۔ نئی تصنیف جو ابھی تک طبع نہیں ہوئی ایک ہندی سوشل ڈراما ہے۔ جس کا نام "ورتمان بھارت" ہے۔

اردو اور فارسی کلام ابھی تک طبع نہیں ہوا۔ امید ہے کہ عنقریب طبع ہو جائیگا۔

آنکھ سے گر قضا کا کام لیا — لب سے آبِ بقا کا کام لیا
جذبِ خاموش کا اثر دیکھو — آہ سے کیا دعا کا کام لیا
اور اپنا بنا لیا تو نے — بے رخی سے ادا کا کام لیا
چرخ نے میرے پیسنے کے لئے — اپنے سر آسیا کا کام لیا
ہجر میں دردِ دل سنا کے اُسے — دل سے دردِ آشنا کا کام لیا
اہلِ دل نے علاجِ دل کے لئے — دردِ دل سے دوا کا کام لیا

تھا مجاز۔ ابتدائے عشق ایمن
اس سے کیوں انتہا کا کام لیا

ہے حُسن عارضی چمنِ نو بہار کا — کھٹکا یہاں لگا ہے ہر اک گُل کو خار کا
اس چشمِ ناتواں میں مری عکسِ روئے یار — ہے پردۂ خزاں میں مرقّع بہار کا
مژگاں کی اوٹ مردمِ دیدہ کے سامنے — ہے پردۂ حیا کسی عصمت شعار کا
مت ٹھوکروں سے کر اسے پامال سنگ دل — دل ہے یہ سنگریزہ نہیں رہگذار کا

نخانۂ جہاں سے تو ایمن نہ جام لے
اس میکدے میں کام نہیں ہوشیار کا

تاثیر جذب عشق سراسر عیاں ہے اب — وارفتگی وہی جو یہاں تھی وہاں ہے اب
اشکوں کے پھول تربتِ دل پر چڑھاؤنگا — یارانِ رفتگاں کا یہی اک نشاں ہے اب
سوزِ تپِ فراق مبدل بہ آہ ہے — جو جل رہی تھی آگ۔ اُسی کا دھواں ہے اب
یاد اُس کو کیا کیا ہے کسی نے بوقت مرگ؟ — بیمارِ ہجر لے جو رہا ہچکیاں ہے اب

امین سا شاعر اور یہ تاریکیِ مزار
اے روشنیِ طبع بتا تو کہاں ہے اب

سُن کے گُل آتش بجاں ہونگے فغانِ عندلیب — دل جلوں کی ہے حکایت۔ داستانِ عندلیب
بے وفا گُل۔ سبزہ بیگانہ۔ عدو گلچیں ہوا — سرزمینِ باغ نکلی۔ آسمانِ عندلیب
حُسن خاموشِ گُلِ نوخیز کا جادو ہے کیا — کیوں ہوئی جاتی ہے بند آخر زبانِ عندلیب
کون کہتا ہے کہ عشقِ بے زباں ہے بے اثر — چاک دامانی گُل ہے ترجمانِ عندلیب

پھول امین کے دہن سے جھڑ رہے ہیں بزم میں
آج کیا وہ بن گیا ہے ہمزبانِ عندلیب

فصلِ گُل میں پر کاٹے ہیں۔ تو بند مجھے صیّاد نہ کر
وہ ظلم ترا کیا کچھ کم ہے۔ یہ اور ستم ایجاد نہ کر
تجھکو رہنا منظور نہیں۔ دل میں مت رہ۔ پر توڑ نہیں
اس ارمانوں کی بستی کو او ظالم تو برباد نہ کر
اے دل ایماں کی بات کہوں۔ پتھر ہی تجھپر برسیں گے
تو اور بتوں سے جی بہلا۔ تو اور خدا کی یاد نہ کر
اس بیکس کا تو ہاتھ پکڑ۔ یہ بھی تو تیرا بندہ ہے
امین کب تجھ کو کہتا ہے۔ تو اوروں کی امداد نہ کر

ان تمنّاؤں کی بستی نہ اُجڑ جائے کہیں
دل میں اُس خانہ برانداز کے گھر ہونے تک
دیکھئے مجھکو کنکھیوں سے مگر یاد رہے
یہ مری تیر نوازی ہے جگر ہونے تک
عافیت کوش ہے ایمن تو کر عقبیٰ کا خیال
کاہشیں ساری اِدھر کی ہیں اُدھر ہونے تک

جو زعمِ زندگیِ مستعار کرتے ہیں
ہَوا کے جھونکے پہ وہ اعتبار کرتے ہیں
وہ آپ ہیں کہ نہیں دیکھتے اُٹھا کے نظر
اور ایک ہم ہیں کہ جاں تک نثار کرتے ہیں
جرس ذرا تو ٹھہر جا کہ کارواں والے
ابھی تو سیرِ سرِ رہ گذار کرتے ہیں
ازل سے کیوں ہیں یہ خورشید و ماہ سرگرداں
تلاش کس کی یہ لیل و نہار کرتے ہیں

میں دیوانہ ہوں۔ رسوائے جہاں ہوں۔ ننگِ محفل ہوں
یہ سب کچھ ہوں مگر تیرے پرستاروں میں شامل ہوں
جنوں میرا ہے وحشت خیز وارفتہ مزاجوں کو
صدائے ہُو سُنائی دے۔ وہ آوازِ سلاسل ہوں
زمینِ قبر کہتی ہے۔ ادھر آؤ۔ تھکے ماندو
میں کنجِ عافیت ہوں۔ دائمی راحت کی منزل ہوں
اماں کیسی۔ ہے طوفانِ حوادث سامنے میرے
جو موجوں کے تھپیڑے کھا رہا ہو۔ میں وہ ساحل ہوں
گنہ سب دُھل گئے ایمن کے رو کر جب کہا اُس نے
ترا بندہ ہوں یارب۔ گو گنہگاروں میں شامل ہوں

المدد! جذبِ دل اب کوئی بھی تدبیر نہیں
آہیں خاموش ہیں۔ اور نالوں میں تاثیر نہیں
عرصۂ زیست میں ہمنے تو یہی دیکھا ہے
تَوسنِ عمر کا کوئی بھی عنان گیر نہیں
دیکھتے آئے جو ہم خواب ہوا جاتا ہے
اس سے بڑھکر کوئی اس خواب کی تعبیر نہیں
ہجر کی ابتدا ہے اور میں ہوں
درد کی انتہا ہے اور میں ہوں

بے بسی اس سے بڑھ کے کیا ہو گی　　قلب بے مدعا ہے اور میں ہوں
جذب دل تو دکھا اثر ورنہ　　نالۂ نارسا ہے اور میں ہوں
عزم شبخوں نگاہِ جاناں کا　　دیدۂ سرمہ سا ہے اور میں ہوں
غیر ہیں اور چشمِ ساقی ہے　　میکدہ لٹ رہا ہے اور میں ہوں

میرے عصیاں ہیں امین اُسکا کرم
شرم سے سر جھکا ہے اور میں ہوں

کامل ہے ذوق دید تو پھر کیوں حجاب ہے　　عریاں ہے حسن تیرا تا مل نقاب ہے
برقِ نظر ہے جلوۂ نادیدہ چار سُو　　کر آرزوئے دید اگر تجھ کو تاب ہے
تخلیق حسن روزِ ازل سے ہے بہر دید　　پھر مجھ سے اُس حسین کو کیوں اجتناب ہے

حسن اور جفائے حُسن ازل سے تھا اک سوال
عشق اور وفائے عشق یہ اُس کا جواب ہے

اب کو بکو اُڑا ئے لئے پھرتی ہے صبا　　ہم خاک بھی ہوئے ہیں تو مٹی خراب ہے
اے کاروانِ ملک عدم سن کر ذرا قیام　　اک ناشناس راہ بھی پا در رکاب ہے

امین نہ ڈر کہ تیرے معاصی ہیں بے شمار
اُس بے نیاز کا بھی کرم بے حساب ہے

میں نہیں جانتا کہ باغ ہوں میں　　باغ میں گُل کہ گُل کا داغ ہوں میں
آرزو کے شراب خانے کا　　ایک ٹوٹا ہوا ایاغ ہوں میں
یا کسی دل جلے کی تربت پر　　ٹمٹماتا ہوا چراغ ہوں میں
مجھ سے ملتا ہے لامکاں کا پتہ　　وہ ہے منزل اگر سُراغ ہوں میں

جا کے پوچھو کلیم سے امین
محفلِ طور کا چراغ ہوں میں

مریضِ عشق کو اے جان دیکھتے جاؤ　　وہ کوئی دم کا ہے مہمان دیکھتے جاؤ

فنا پکاری۔ دمِ مرگ۔ اپنی ہستی کا   مآل۔ حضرتِ انسان دیکھتے جاؤ
کہاں وہ عہدِ وفا اور کہاں یہ دورِ ستم   یہی تھے آپ کے پیمان دیکھتے جاؤ
مجاز میں بھی حقیقت کا رنگ ہے **امینؔ**
بتوں میں جلوۂ سبحان دیکھتے جاؤ

ساقیا جام پہ دے جام نہ پوچھ !   مجھ بلا نوش کا انجام نہ پوچھ !
خود فراموشی ہے مجھکو مطلوب   داستانِ غمِ ایام نہ پوچھ !
بجلیاں دوڑ گئیں رگ رگ میں   جلوۂ حُسن لبِ بام نہ پوچھ !
ساز بھی اس میں ہے اور سوز بھی ہے   زاہدا کیفیتِ جام نہ پوچھ !
ایک بجھتی ہوئی چنگاری ہے   حسرتِ عاشقِ ناکام نہ پوچھ !
کام کر جاتی ہے جب ملتی ہے   آنکھ سے آنکھ کا پیغام نہ پوچھ !
نام دنیا میں ہے **امینؔ** کا مگر
اک زمانے کا ہے بدنام نہ پوچھ!

نہ کر خوار اُسکی الفت میں دلِ رنجور کی مٹّی   کہاں تو خاک کا ذرّہ۔ کہاں وہ نور کی مٹّی
نگاہِ معرفت میں پیکرِ خالق ہے ہر ذرّہ   انا الحق کہہ رہی ہے آجتک منصور کی مٹّی
وفائیں یاد آتی ہیں تو آنکھوں سے لگاتے ہیں   پسِ مُردن وہ رو کر۔ عاشقِ مہجور کی مٹّی
یہ فیضِ خاکساری ہے کہ جا پہونچی قیامت میں
سرِ دربارِ عالی۔ **امینِ** مغفور کی مٹّی

چمن میں پھول ہیں جب تک اور اُن میں بُو باقی   مشامِ دل میں رہے۔ تیری آرزو باقی
بھلا ہوا اشکِ ندامت۔ کہ اک فقط تو نے   گناہگاروں کی رکھ لی ہے آبرو باقی
غضب ہے بادِ سحر نے بجھا دیا تجھکو   ابھی تو شمع۔ بہت سی تھی گفتگو باقی
نہاں ہیں سینے میں یوں داغ رفتگاں جیسے   رفو ہوں چاک تو۔ لیکن رہے رفو باقی

رہِ مجاز میں کچھ دُور تک من و توُ تھے ذرا بڑھے تو رہا - ایک توُ ہی توُ باقی

حجاب سے جو نہیں لب پہ آتا ہاں - نہ سہی تمھاری آنکھ کہے دیتی ہے زباں نہ سہی
مثالِ غنچہ رہے تنگ اس چمن میں تو کیا فراغ دستی تو ہو عمر جاوداں نہ سہی
تمھارے دل میں سمایا ہوا ہے دیکھو تو نہیں ہے دیر و حرم میں وہ لامکاں سہی
ہو ذکر خیر ترا ہمنواؤں میں ایمن
عدو کی بزم میں تیرا نہ ہو بیاں - نہ سہی

بپا ہنگامہ کر رکھا ہے اس میں آرزؤوں نے سراسر میرا سینہ عرصۂ محشر سے ملتا ہے
روانی ہائے کاٹے جا رہی ہے عمر انساں کی دمِ تارِ نفس شاید دمِ خنجر سے ملتا ہے
دلِ ناداں توُ اس کی بزم میں جاتا تو ہے لیکن قضا کے سامنے ہوتا ہے - غارتگر سے ملتا ہے
ستارے ماہ زیرِ ابر کو رہ رہ کے تکتے ہیں کہ عاشق کوئی معشوقِ حیا پرور سے ملتا ہے

ایک 'ہاں' ہے تری - بقا کیا ہے اک 'نہیں' ہے تری - فنا کیا ہے
آخر اس عشق کی دوا کیا ہے توُ ہی دردآفریں بتا - کیا ہے
تجھ پہ مرتے ہیں کیوں یہ پروانے شمع کہدے یہ ماجرا کیا ہے
مے کو کہتے ہیں سب بُری شے ہے ہم بھی دیکھیں تو ساقیا - کیا ہے!
رختِ ہستی اُتار دینا ہے اور اس کے سوا فنا - کیا ہے
مذہبِ عشق میں کسے معلوم کہ روا کیا ہے نارواکیا ہے
ایمن آتا نہیں نظر برسوں
ان دنوں تیرا مشغلہ کیا ہے

عشق دے یا رب تو کردے عشق کے قابل مجھے بُت بنائے ہیں تو پتھر کا عطا کر دل مجھے
کب ہوا بیدل سمندِ شوق راہِ عشق میں تازیانہ ہو گئی دشواریِ منزل مجھے
کیا قرارِ زندگی کیا اعتبارِ عافیت جب سفینہ جسم ہوا اور موت ہو ساحل مجھے

سعیٔ حاصل ہے حقیقت میں مری درماندگی
مثل نقشِ پا ملی ہر گام پر منزل مجھے

ہوں سزاوارِ کرم ایمن برائے یوں امید
وہ گنہگاروں کی صف میں گر کرے شامل مجھے

حُسن پیشِ نظر جو توُ نہ رہے
عشق کی پھر یہ ہائے وہُو نہ رہے

دیدۂ تر ہو اور سرِ تسلیم
نہ رہے سجدۂ و وضو نہ رہے

تیرا ملنا جو سہل ہو جائے
پھر تری اتنی جستجو نہ رہے

آستاں تیرا گر اُسے ملجائے
دلِ آوارہ کُو بکُو نہ رہے

سامنے چشم مست ہو تیری
بزم میں ساغر و سبو نہ رہے

بلبلو! سیرِ بوستاں کر لو
پھر چمن میں یہ رنگ و بو نہ رہے

تجھ سے خالی رہے نہ دل میرا
ہو تصوّر ترا جو توُ نہ رہے

توُ ہو اور چشم تر ہو ایمن کی
اور پھر اُس کی آبرو نہ رہے؟

چین لینے دے ذرا۔ اے فتنۂ محشر مجھے
قبر کا کونا ملا ہے آج مر مر کر مجھے

در پہ امیدیں مری آآ کے پھر جائیں نہ کیوں
کر دیا محرومیوں نے یاس کا خوگر مجھے

دے رہا ہے اک نمونہ نقشِ باطل کا نشاں
اس مرقعِ خانۂ ہستی کا ہر پیکر مجھے

کون کہتا ہے کہ ہوں وارفتۂ عشقِ مجاز
ان بتوں میں ہے تلاشِ صورتِ بتگر مجھے

ایمن اُسکی بارگہ ہے اور فیضِ عام ہے
یہ ہوس ہے جو لئے پھرتی ہے یوں دردر مجھے

چار مصرعے

مصرع ۱

پوچھتے کیا ہو مدعا کیا ہے

دل میں ارمان لب پہ مُہرِ سکوت
کاش پوچھو کہ مدّعا کیا ہے

تم ہو اور میں ہوں اور خلوت ہے
کاش پوچھو کہ مدّعا کیا ہے

تم سرِ شام آج آئے ہو
کاش پوچھو کہ مدّعا کیا ہے

اور باتوں کا پوچھنا کیا ہے
کاش پوچھو کہ مدّعا کیا ہے

برزمین شورِ جنون گردیِ دیوانۂ ما — برفلک غلغلۂ نعرۂ مستانۂ ما
پَے بہ پَے جام بگیر از مئے کہنۂ عشق — ہوشیار است بہ کارش دلِ دیوانۂ ما
بگذر اے زاہد ازین صومعۂ تاریک ببین — مظہرِ نورِ ازل ہست صنم خانۂ ما
امینؔ است و شبِ تاریکِ بلاہائے فراق
کاش تو آئی و روشن کنی کاشانۂ ما

خوشا دمے کہ داشتم بہ صحبتِ نگار ہا — شرورہا - سرودہا - ہوائے جوئبار ہا
برائے تو دمیدہ گُل ز بہرِ تو رمیدہ بو — بہ یک بہارِ حسنِ تو نثار صد بہار ہا
بہ ہر چمن رسیدہ ام - بہ ہر روش خمیدہ ام — صبا پئے نوید تو - بہ ذکر تو ہزار ہا
فتادہ ام - بماندہ ام - مگر بہ منزلت رسم — چو نقشِ پائے رہروان میانِ رہگذار ہا
ترا کہ مے و ساغر اند اساسِ بزمِ انبساط — یکے ست خونِ کشتگان دگر گلِ مزار ہا

کفر میگویند روئے دلبر است — آشکارا صورتِ صورتگر است
کفرِ ایمان زا - ہم دارم بہ دل — اندرین بتخانہ نورِ بت گر است

هوش مرغ دل ز سَیرِ باغِ حسن   کین زمین را آسمانے دیگر است
امن و آسائش از و امین طلب
آنکه امن و عافیت را مصدر است

نوید بادہ پرستان سحاب مے آید   بہ بزم۔ مطرب و جام شراب مے آید
بگو بہ مرغِ سحر دم مزن بہنگام وصال   کہ صبح نیست۔ بتم بے نقاب مے آید
سوالِ دید کجا۔ عشقِ بے نیاز کجا   مرا سوال نہ کردہ جواب مے آید
شکست جام۔ شد آن بادہ و خیالش ماند   مگر چنان کہ خمارش بہ خواب مے آید
مشو ز لطفِ الٰہی تو نا امید امین
کرم ز بارگہش بے حساب مے آید

بہ مستے۔ دلِ خون گشتہ شرابے دارد   وز برشتہ جگرم تازہ کبابے دارد
شب ارمانم و آن ماہ حجابے دارد   بے نقاب است مگر طرفہ نقابے دارد
دم زند ہر کہ ازین زندگیِ نقش بر آب   چشم از آب روان ہمچو حبابے دارد
چہ کنم حُسنِ تو آئینۂ حیرانم ساخت   کہ جوابے نہ دہد ہیچ و جوابے دارد
تو ز بزم خود اگر راندۂ اورا چہ حذر
امینِ خستہ جگر نیز جنابے دارد

حُسن زیرِ نقاب مے ریزد   ماہتاب از سحاب مے ریزد
جرعہ جرعہ شراب دہ ساقی   قطرہ قطرہ سحاب مے ریزد
غم فراموش دارد از سے ساز   نغمۂ از رباب مے ریزد
امین آلودہ دامنی۔ چہ حذر   رحمتش بے حساب مے ریزد
یاران نوید اشاعرِ شیرین بیان رسد   یا عندلیب ہست کہ در بوستان رسد
ابر فیوضِ تو کہ بہ ہر مرزبان رسد   اے کاش رشحۂ بہ منِ تشنہ جان رسد

چون جلوه گاه یار به هر سمت یافتیم — هر جا کنیم سجده بدو آستان رسد
از خون کنیم مُهر سرِ نامۂ فراق — باید بدست یار چنین ارمغان رسد
ساقی بیا و بزم به نوعِ دگر بساز — در شیشه دُرد ریز که پیرِ مغان رسد

چون مرغ سدره بار نه یابد به بال و پر
در بارگاه عالیش امین چسان رسد

دارم به اعجازِ کسے فردوس ماوائے دگر — اثمار نورس میخورم از نخل طوبائے دگر
دارم سرِ دیوانگی از خاک صحرائے دگر — من قیسِ نجدِ دیگرم ـ مفتونِ لیلائے دگر
بودم پریشان حال چون ـ افتادۂ ـ درماندۂ — وادیٔ غم هجران چرا ـ بالائے غمہائے دگر
ساقی نه خواهم آب زر ـ دُردی کشِ دیرینه ام — نوشم دمادم بادۂ ـ از جام و مینائے دگر

من امینِ غم دیده ام یارب تمنائیست این
نومیدم از پیشت هران ـ دارم چو غمهائے دگر

زیادِ صحبتِ دیرینه یاد تازه کن — دلے بخند و به زخمِ جگر نمکدان باش
بپوش خرقه زپیرِ مغان به بیعتِ عشق — بیا به حلقۂ کفر و رہا ز ایمان باش
سخن چو شانه مجو ـ مو به مو ـ ز زلفِ نگار — به سیرِ حُسن و جمالش چو شیشه حیران باش
تو محو دیدِ تجلّیِ قلب شو امین — به طُورِ سینا درآ ـ چون کلیم عمران باش

کجاست تاب زبان را کند بیانِ فراق — ز اشکِ خونِ من لے جان ببین نشانِ فراق
به جانم آتشے زد ـ مغز و استخوانم سوخت — ز خاکِ تربتِ من پُرس داستانِ فراق
کجا دماغ که فهمد نکاتِ معنیِ عشق — نه داند آنکه درین درس گر زبانِ فراق
کجاست نطق ـ کجا جذبۂ خموش ـ که آن — به وصل ریزد و این است ترجمانِ فراق

سرِ وصال تو دارند حوریان امین
که خوردۂ به غمش تیر از کمانِ فراق

حُسنِ تو بہ حُسنِ گُلِ خندان نہ فروشم ‌ ‌ ‌ عکسِ تو بہ آئینۂ حیران نہ فروشم
قید تو بہ آزادیِ سلطان نہ فروشم ‌ ‌ ‌ دردِ غمِ عشقِ تو بہ درمان نہ فروشم
ہر اشک کہ در تو بہ فرو ریخت گُہر شد ‌ ‌ ‌ این گوہرِ غلطیدہ بہ عمّان نہ فروشم
امین تو سخن گفتی و سُفتی دُرِ نایاب
شعرے ز بیاضِ تو بہ دیوان نہ فروشم

از طوافِ حرمِ کعبہ چہ کارے دارم ‌ ‌ ‌ کہ درونِ دلِ من خانۂ یارے دارم
در عمل گاہِ جہان کار بہ جز یادش نیست ‌ ‌ ‌ دل بہ یار است اگر دست بہ کارے دارم
شد ندا از لحد - آہستہ خرام اے سرکش ‌ ‌ ‌ کہ تہِ خاک تنِ عاشقِ زارے دارم
امین از شعر مرا ہیچ دگر مقصد نیست
بس کہ زینسان دلِ دیوانہ بہ کارے دارم

اے دررگِ ہر ذرّہ - یک روح روان کردی ‌ ‌ ‌ در سبزہ نمو کردی - در جسم توان کردی
صبرم رود از دستم - زین حسنِ پسِ پردہ ‌ ‌ ‌ بے تاب ترم کردی - از ہر چہ عیان کردی
این است نہ دلداری - عین است ستمگاری ‌ ‌ ‌ کین عاشقِ صادق را مصروفِ فغان کردی
از رسمِ ادب لیکن امین تو نۂ غافل
دُرہائے سخن پیش - بایغ نظران کردی

چہ دَورا ہے ہمصفیران در چمن زار جہا نستے ‌ ‌ ‌ کہ ہر مرغیکہ بینم شکوہ سنج با غبانستے
ز اعجازِ سر شکِ خون بروئم لالہ زارے شد ‌ ‌ ‌ درونِ سینہ ام ازداغہائے یک گلستانستے
مثال اے شمع کم کن ماجرائے مرگِ پروانہ ‌ ‌ ‌ بساز از مطرب و میناکہ یک شب درمیانستے
ہمہ اعجازِ فضلِ بے نیاز است این کہ امین را
جبین بر آستان اشتے و جا بر آسمانستے

باخندہ جبین آید آن شوخ طرحدارے ‌ ‌ ‌ یا نورِ سحر ریزد - در صحنِ چمن زارے

ہرگاہ کہ تو آئی - ہمراہِ عدو آئی ہستی گلِ خوبی تو - داری مگراین خارے
تنہا دلِ بےچارہ - کے تاب جدل دارد داری چو صفِ مژگان - آمادۂ پیکارے
اے ماہ زمحجوبی نزدیک ترم کردی گہ گردم وگہ پیشم چون سایۂ دیوارے
زآلودگیِ دامن امین تو چرا رنجی
بازاست درِ رحمت از بہرِ گنہگارے

جلوہ افروز شود غیرتِ ماہے گاہے منزلِ ماہ شود غمکدہ گاہے گاہے
تاکجا سلسلۂ برق نگاہے پرسد نظرے ازمن وازاوست نگاہے گاہے
امین این رمزندانی کہ زراہِ توبہ برساند بہ سرِ عرش گناہے گاہے

بہار بہار

نویدِ گلشنِ ہستی کہ پھر بہار آئی ہوائیں بدلیں گلستاں نے تازگی پائی
چمن میں کرنے لگی پھر صبا گل آرائی نئے سرے سے ہراک برگِ گل میں جان آئی
نسیمِ خوش سے کلی بنگئی ہراک کونپل
ہوا کے فیض سے کلیوں سے پھول آئے نکل

ہُوا ہے شادی کا گھر آج سربسر گلشن لباس سبز کئے ہر شجر ہے زیبِ تن
بنا ہے لالہ جو گلگونۂ عروسِ چمن تو اس پہ پھولوں کے گہنے کا ہے عجب بن
سنوارتی کہیں سنبل ہے کاکلِ پیچاں
بسائیں عطر سے کپڑے کہیں گل وریحاں

کہیں تو ہاتھوں میں مہندی حنا لگاتی ہے چنبیلی پھولوں کے گجرے کہیں بناتی ہے
مسی کی ہونٹوں پہ سوسن دھڑی جماتی ہے تو جوئے آب صفا آئینہ دکھاتی ہے
حیا سے پتوں میں دُلہن نے مُنہ چھپایا کہیں
تو گُدگُدا کے صبا نے اُسے ہنسایا وہیں

شجر بہار کی ہر سو خوشی مناتے ہیں — پرند وجد میں خوش آمدی سُناتے ہیں
قصیدے کسکی ثنا میں یہ گائے جاتے ہیں — کہ بات بات پہ غنچے بھی مُسکراتے ہیں

جو چشم باز ہے نرگس تو مدح خواں سوسن
سرورِ عیش میں گاتی ہیں بُلبلانِ چمن

غرضکہ عیش و طرب کے ہیں ہر جگہ آثار — زمینِ باغ سراسر بنی ہے عشرت زار
ریاضِ دہر میں کچھ آئی اب کے ایسی بہار — کہ جسکے فیض سے گلخن بھی بنگئے گلزار

نہ صرف تیرے ہی گلشن نصیب چمکے ہیں
جہاں کے کھیل تماشے اسی کے دم سے ہیں

خوشی سے پھولے ہوئے پھر رہے ہیں خورد و کلاں — شراب عیش سے سرشار سب ہیں پیر و جواں
خوشی، مسرت و راحت ہے رُخ پہ سب کے عیاں — دلوں میں جوش ہے چہرے پہ تازگی کے نشاں

کمال شوق سے سب ہولیاں مناتے ہیں
گلال پھینکتے ہیں قمقمے اُڑاتے ہیں

کوئی تو کھیل تماشے کے شغل میں ہے مگن — برنگ بلبلِ شیدا کوئی ہے زمزمہ زن
کہیں سے کانوں میں آتی بسنت کی ہے بھن — کہیں بہار، کہیں پوریا، کہیں ایمن

صدائے خوش نے سُروں کا کچھ ایسا باندھا تار
کہ نغمہ زن ہوا ہر ذرّہ مثلِ موسیقار

ملیں شفیقوں سے مشفق۔ اُڑائیں سب ہولی — عزیز و مونس و ہمدم۔ منائیں سب ہولی
خوشی سے ادنیٰ و اعلیٰ۔ رچائیں سب ہولی — بُھلا کے رنج و الم مل کے گائیں سب ہولی

بھرا شرابِ محبت سے اپنا جام رہے
ہو ایسی ہولی کہ دنیا میں اپنا نام رہے

بخشی - پنڈت اُمکار نراین صاحب بخشی لکھنوی ایم۔ اے ایل ایل بی
خلف پنڈت اقبال نراین صاحب بخشی۔

آپ لکھنؤ میں وکالت کرتے ہیں۔ آپ کا کلام قومی رسالہ بہارِ کشمیر میں نکلا کرتا ہے چنانچہ چند نظمیں رسالہ مذکور سے منتخب کر کے درج کیجاتی ہیں۔

ہوں گنہگار اگر پرسشِ عصیاں کرنا — سرِ محشر مجھے یارب نہ پشیماں کرنا
ہیں گنہ اتنے کہ میزان کچھ آساں نہیں — سہو کچھ لکھنے ہی میں کاتبِ عصیاں کرنا
صرف کی عمر تو خدمت میں بتوں کی اُس نے — دل سے کافر کو کب آساں ہے مسلماں کرنا
طرفہ اعجاز دکھایا مژۂ تر تو نے — ورنہ آساں نہ تھا قطرہ کو طوفاں کرنا
آئینہ خانۂ ہستی سے انھیں تھا مقصود — اپنا ہی جلوہ دکھا کر مجھے حیراں کرنا
نیم جاں میں ہوں اگر آپ ہیں شمشیر بکف — آپ کے ہاتھ ہے مشکل مری آساں کرنا
رب کی بخشی ہوئی یہ جان ہے بخشی بخدا — نامناسب ہے صنم پر اسے قرباں کرنا

ولہ

گلا کٹا کے بھی قاتل کا حق ادا نہ ہوا — جو بار تھا مری گردن پہ وہ جدا نہ ہوا
ہماری آہ بھی رکھتی ہے صور کی تاثیر — کرینگے حشر بپا حشر گر بپا نہ ہوا
مٹا چکی ہے تمنائے ذوقِ پابوسی — نہ خاکِ پا مجھے ہونا تھا خاکِ پا نہ ہوا
دکھاتے ساری خدائی کو طور کا جلوہ — یہ بت جو دل میں ہے مشکل یہ ہے خدا نہ ہوا
تمام عمر رہی دل کو ایک اُلجھن سی — کسی کی زلف پریشاں کا مبتلا نہ ہوا

ولہ

بے پردہ کر کے چھوڑینگے حسنِ ازل تجھے — کھولینگے عقدہ حشر کا دستِ دعا سے ہم
پابندیاں نہ چھوٹینگی تا حشر وضع کی — باہر قدم نہ رکھینگے راہِ وفا سے ہم
آوازِ صور پر دلِ نالاں یہ بول اُٹھا — حاشا کہ اجنبی نہیں ایسی صدا سے ہم

بخشی جہاں میں ہم سے ہزاروں ہوئے گنہ
کس مُنہ سے کہئے عذر کرینگے خدا سے ہم

جلوۂ جاناں نہاں یوں ہے دلِ مانوس میں
جلوہ گر ہو شمع جیسے پردۂ فانوس میں

ہے نہاں بسمل کی صورت جان تنِ محبوس میں
سوزشِ پروانہ بیتابانہ ہے فانوس میں

دل میں ہے پرتو فگن عکسِ رخِ آئینہ رو
ہے تجلی طور کی اس شیشۂ معکوس میں

پہلوئے بسمل میں آکر یہ دکھایا ذوقِ شوق
تیر نے گھر کر لیا اپنا دلِ مانوس میں

میرے ساقی نے مجھے بخشی وہ بخشیؔ ہے شراب
نور جس نے بھر دیا ہے شیشۂ معکوس میں

سمجھ بیٹھے ہیں یہ رونے والے کہ اک دل کی بجھا چکے ہیں
ضرور اُبھریگا جوش اک دن یہ لاکھ اسکو دبا چکے ہیں

رُلا ہی چھوڑینگے تجھکو ظالم سنائیگا تو جو بیکسوں کو
کہ ایک نالہ سے دل شکستہ ہزار ہا کو رُلا چکے ہیں

ہزاروں پروانے خاک ہو کر ہوئے ہیں برباد انجمن میں
فسانے ابتک ہیں جنکے باقی اثر جو اپنا بتا چکے ہیں

کچھ ابتدا ہی میں ہم نے دل کئے ہیں سامان انتہا کے
جب آئے ہستی میں ہم تو پہلے قضا کو اپنی بلا چکے ہیں

یہ مجرمانِ محبت اک دن ضرور آزاد ہونگے بخشیؔ
اگر غلامی کے طوق میں ہم سزا گناہوں کی پا چکے ہیں

صورت رہے چمن میں یہ نقش و نگار کی
یارب جدا نہ گل سے ہو رونق بہار کی

کھلنے لگی کلی دلِ امیدوار کی
شاید نوید آئی چمن میں بہار کی

اک نور بیکسوں کی لحد پر ہے جلوہ گر
کیا صاف روشنی ہے چراغِ بہار کی

بے نیش کب جہاں میں میسر ہوا ہے نوش
ہے لطفِ گل کے ساتھ خلش نوکِ خار کی

اُٹھے صدائے صور پہ لیکن نہ یہ کھلا
انگڑائی خواب کی ہے کہ مستی خمار کی

جاؤں کہاں میں کوچۂ قاتل کو چھوڑ کر
آئی ہے راس دل کو ہوا اس دیار کی

بخشیؔ سنا ہے حشر کو عالم کا خاتمہ
آخر کچھ انتہا ہے غمِ انتظار کی

حقیقتوں کے اب ادراک میں کمی کیا ہے
میں مر مٹا ہوں تجسس میں زندگی کیا ہے

اگرچہ دست جنوں نے کیا گریباں چاک
نہ کردے آپے سے باہر تو بیخودی کیا ہے

ترا خیال مرے دل کے ساتھ ہے شبِ ہجر
میں روؤں کیوں مجھے ایذائے بیکسی کیا ہے

ہمارے دل ہی کے اندر ہے اک تجلیٔ طور
نگاہ شوق کو جلووں کی اب کمی کیا ہے

تو ایک قلزم ذخّار ہیں ہوں اک قطرہ
مجھے کمی ہے بہت کچھ تجھے کمی کیا ہے

ہر استخواں مرا بخشیؔ ہے مثل نے نالاں
نہ دم کشی سے صدا دے تو بانسری کیا ہے

خطا نہیں ہے مری کجروی میں رہبر کی
رفیق راہ ہے برگشتگی مقدّر کی

نشانِ سجدہ مٹیگا نہ سنگِ در سے حضور
سمجھئے آپ اسے اک لکیر پتھر کی

یہ رنگ پہلے نہ تھا لبِ حسین مے آشام
ترے لبوں نے بڑھا دی ہے شان ساغر کی

ہوا ہے قابلِ تبدیل اب یہ رختِ سفر
ہے میری روح کو خواہش جدید پیکر کی

سنو کہ گرم فغاں ہے مرا دلِ نالاں
قیامت اب نہیں محتاج صورِ محشر کی

ضرور مٹ کے رہیگا مرا نشانِ لحد
ہے اس پہ چشم عنایت کسی ستمگر کی

حریفِ نفس نہ بخشیؔ سے ہو سکا سر بر
تمام عمر کشاکش رہی برابر کی

مشق بسم اللہ اب کیجے خرام ناز کی
کوئی صورت ہو تو پیدا حشر کے آغاز کی

محرم دل۔ دے خبر کچھ پردہ ہائے راز کی
میرے کانوں کو تمنا ہے تری آواز کی

سیکڑوں جلوے جلو خانے میں دیکھے مدّتوں
دیکھنا ہے اب تجلّی جلوہ گاہِ ناز کی

بوئے گل کی طرح اُڑنے کی ہے طاقت روح کو
قدس کے طائر کو حاجت کیا پر پرواز کی

چشم ساقی نے دکھائیں بزم میں نیرنگیاں
ہر طرف اک نہر جاری تھی شرابِ ناز کی

دل جلے جب۔ کیوں نہ نکلے آہ پھر بیساختہ
آتشِ نالہ کو حاجت کیا ہے سوز و ساز کی

تھی ابھی قابل کہ ہو اندازِ جاناں پر نثار
جان یہ بخشیؔ ہوئی بخشی لبِ اعجاز کی

پوچھتے کیا ہو مریضانِ محبت کا مزاج — ہو رہا ہے دل میں قومی درد سے اک اختلاج
قوم کی حالت ہے ابتر اور دوا کی احتیاج — ہوں درست اخلاق جس سے چاہیئے ایسا علاج
نونہالانِ چمن میں سرکشی کی شان ہے
دیکھئے جس کو وہی فرعون بے سامان ہے
قابلِ افسوس ہے ان عورتوں کا حالِ زار — شوہروں کا جن کے ہے طرزِ عمل ناخوشگوار
آہ وہ زوجہ جو شوہر پہ ہو سو جاں سے نثار — بے رخی جائز نہیں شوہر کو اس سے زینہار
فرضِ اخلاقی یہی ہے اور یہی ہے فرضِ دین
اسکی پابندی ہے لازم قوم بھر پہ بالیقین
اِس سے بڑھکر یا الٰہی کونسی بیداد ہے — چھوڑدے زوجہ کو جو شوہر نہیں جلاّد ہے؟
رحم کے قابل جہاں میں وہ زنِ ناشاد ہے — ہوکے شوہر دار جس کی زندگی برباد ہے
دل ہے اُس مظلومہ کا مجروح تیرِ یاس سے
دادخواہِ ظلم ہے اب قوم کے اجلاس سے
جُرم جو اُس بیگنہ کا ہے وہ سُن لیجے حضور — پستہ قد ہونا۔ نہ ہونا رنگ میں مانند حور
قدرتی جو ساخت ہے اُس میں بشر کا کیا قصور — قد و قامت کو جو ناپے وہ ہے بالکل بےشعور
عذر بیجا کرکے یوں ہوتے ہیں خود بھی روسیاہ
نکتہ چینی قدرتی باتوں کی ہے بدتر گناہ
چھوڑدے شوہر اُسے ہرگز یہ اس قابل نہیں — جز فضیحت ایسی کج خلقی سے کچھ حاصل نہیں
قوم کیا مظلوم کی امداد پر مائل نہیں — شوہر ایسا حق بجانب ہو یہ ہم قائل نہیں
دائمی ہے یہ تعلّق اس کا چُھٹنا ہے محال
ہے سزاوارِ ملامت شوہرِ ناقص خیال
رحم ظالم شوہرو! ان بیکسوں کے حال پر — شرم آئے کاش تم کو زشتیِ اعمال پر

ناروا ہے ظلم ایسی ہستیِ پامال پر آفریں اُن عورتوں کے صبر و استقلال پر
ایک دیوی ہے یقیناً یہ ستم کش نازنیں
ضبط کی طاقت پر اُسکے آفریں صد آفریں
اس طرح کرتی رہی یہ زندگی اپنی بسر لخت دل کھاتی رہی پیتی رہی خونِ جگر
صورت تسکیں نہ آنی تھی نہیں آئی نظر درد فرقت میں تڑپتی ہی رہی بس عمر بھر
سینۂ پُر درد سے بارِ الم کیونکر ہٹے
ہے وفا کی پاؤں میں زنجیر وہ کیونکر کٹے
دل پگھل جائے وہ یارب آہ میں تاثیر ہو بے رُخی جاتی رہے سیدھی اگر تقدیر ہو
تصفیہ ہوجائے اب ایسی کوئی تدبیر ہو وہ معافی مانگ لے جسکی کوئی تقصیر ہو
چھوڑ کر ہٹ دھرمیاں انصاف ہونا چاہیئے
دل سے اب گردِ کدورت صاف ہونا چاہیئے
دونوں مل جُل کر الٰہی خرم و شاداں رہیں زندگی بے حظ نہ ہو جبتک یہ سب ساماں رہیں
چھوڑ کر حیوانیت کو صورتِ انساں رہیں زندگی بھر قوم کے شرمندۂ احساں رہیں
التجا بخشی کی یارب جلد تر منظور ہو
نرم ہو شوہر کا دل بے التفاتی دور ہو

برہمن - رائے خواجہ پنڈت چندربھان صاحب

آپ کے بزرگ سکندر بت شکن کے زمانہ میں کشمیر سے نقل مکانی کرکے اوّل آگرہ میں آباد ہوئے اور پھر آپ نے یا آپ کے والد بزرگوار نے اپنا وطن لاہور کو بنایا۔ ریاست گوالیار کے شاہی کتب خانہ میں ایک کتاب ہے جسکا شاعران کشامرہ نام ہے اس میں آپ کو شاعران کشمیر سے لکھا گیا ہے اور ایک غزل آغاز دیوان کی بطور نمونۂ کلام دی گئی ہے۔ آپ کی فارسی کی قابلیت عالمانہ درجہ کی تھی چنانچہ

پہلے شاہ جہاں کے دفتر میں خاص منشی تھے پھر شاہزادہ داراشکوہ کے میر منشی ہوئے طبیعت کی موزونی سے عاشقانہ و تصوّف دونوں رنگوں میں نہایت اچھا شعر کہتے تھے اور اُس وقت کے مشاہیر میں آپ کا شمار تھا ایک دیوان فارسی اور منشآت برہمن سے یادگار ہے۔ شاہزادہ کے مزاج میں بہت دخل تھا اور وہ اُنھیں نہایت عزیز رکھتے تھے اور ہر وقت اُن کے اعزاز و ترقّی کے خواہاں رہتے تھے ایک دن شاہزادے نے بارگاہ سلطانی میں کہ مجمعِ کاملان عصر تھا عرض کیا کہ دریں ولا منشی چندربھان سے عجیب شعر موزوں ہوا ہے اگر حکم ہو تو آکر عرض کرے۔ بادشاہ نے اجازت طلبی دی چنانچہ اُسی وقت حاضر ہوئے بادشاہ نے فرمایا کہ جو شعر بابا نے پسند کیا ہے سُناؤ انھوں نے بیت پڑھی۔

مرا دلیست بہ کفر آشنا کہ چندین بار   بہ کعبہ بُردم و بازش برہمن آوردم

بادشاہ کو یہ بیت سن کر غصّہ آیا اور حکم دیا کہ اس کافر کی گردن ماردو نواب سعد اللہ خاں وزیراعظم نے جو برہمن کے مربّی اور قدردان تھے ہاتھ باندھ کر عرض کیا کہ جناب عالی حضرت شیخ سعدی چارسو برس پیشتر تردید میں فرما گئے ہیں۔

خرِ عیسیٰ اگر بہ مکّہ رود   چون بیاید ہنوز خر باشد

اس شعر کے سُننے سے بادشاہ کا غصّہ فرو ہوا اور فرمایا کہ اگر اس وقت ایسا جواب بہم نہ پہنچتا تو آج ضرور یہہ کافر ہلاک کروا دیا جاتا شاہزادہ کو فہمایش کی کہ آیندہ ایسے اشعار کا تذکرہ ہمارے حضور میں نہ آیا کرے۔ داراشکوہ کے قتل کے بعد برہمن تارک الدّنیا ہو کر بنارس چلے گئے اور وہاں ایشور بھگتی میں مشغول رہے سنہ ۱۰۷۳ھ میں انتقال کیا۔

کنم ز سادہ دلی سدِّ دیدہ مژگان را   بمشتِ خس نتوان لبست راہ طوفان را
جگر فشان شدہ ام بازجائے آن دارد   کہ لالہ زار کُنم دامن وگریبان را

ہمیشہ زلف ترا اضطراب درکار است چگونہ جمع کند خاطرِ پریشان را
شبے خیال تو آمد بخواب و آسو دیم مگر زہم نکشا دیم چشم گریان را
برہمن از تو سخن بے دلیل میخواہیم
کہ اعتبار نباشد دلیل و برہان را
ہرگز کسے نکرد نگاہے بروے ما کس گرم تر ز اشک نیامد بروے ما
دانہ دانہ ہر کجا گشتے جدا تسبیح شیخ گر نبودے درمیانش رشتۂ زنّار ما

خان بہادر مرزا سلطان احمد صاحب نے رسالہ "زمانہ" مئی و جون ۱۹۳۱ء میں جو چندر بھان برہمن لاہوری کے متعلق ایک مضمون تحریر کیا ہے وہ قابل ملاحظہ ہے۔

شاہانِ مغلیہ کی حکومت میں چندر بھان برہمن لاہوری ملقب بہ خواجہ چندر بھان گورنر لاہور کے دفتر میں ایک معزز عہدہ پر ممتاز تھا "انشاء چہار چمنی" اُسکی تصنیف میں سے ہے چندر بھان کو نظم کا بہت شوق تھا شروع کتاب میں لکھتا ہے

این نیاز مند بہ دارالسلطنت لاہور کہ بمقتضائے لطافت آب و ہوا و اقسام نجم بہائے کہ دم حالات بہ قیمت اتحادے میز ندرسیدہ

ان فقرات سے پایا جاتا ہے کہ چندر بھان برہمن کا اصلی وطن لاہور نہیں تھا بسلسلۂ ملازمت لاہور آیا اور وہیں کا ہو رہا معلوم ہوتا ہے کہ لاہور کی رونق و شادابی اور خوبیِ آب و ہوا اور لطافت و نفاست نواح اُس وقت بھی عدیم المثال تھی رفعتِ مکاناتِ نوابی و وسعت آبادی کی بابت لکھتا ہے

عمارات منازل جنّت مشاکل سرکار نواب نامدار کہ بمقتضائے حسن مکان و وسعت فضائے و غائت صفاتے بانواع آرائیش و آراستگی یاد از قطع بہشت میداد تماشا نمود در ہر مکان و ہر محل دعائے دولت نواب فرشتہ صفات را ورد زبان ساخت اگرچہ بانی ایں منازل فردوس نشان ذات ملکی ملکات نواب جہانیان مآب است لیکن

درسرانجام مصالحہ واجتماع عملہ و محلہ واہتمام عمارات خواجہ ایشرداس داروغہ اظہار نیکوخدمتی وحسن سلیقہ خودمے نماید۔

اس تحریر سے معلوم ہوتا ہے کہ عہد مغلیہ میں ارکانِ ہنود کو خطاب خواجہ سے بھی مخاطب اور ممتاز کیا جاتا تھا چنانچہ اس کتاب میں بھی مصنف بہ سلسلۂ رقعات خواجہ لعل چند بخشی سرکار عالی خواجہ فتح چند خواجہ بندرابن خواجہ اودے بھان خواجہ تیج بہادر کا ضمناً ذکر کرتے ہیں حکومت مغلیہ میں بعض ہنود کو قانون گوئی اور بخشی ومرزا کا بھی خطاب دیا جاتا تھا اور ابتک ان کی نسلیں بھی اسمائے قانونگوئی بخشی ومرزا سے مخاطب ہوتی ہیں۔

لیکن کوئی ہندو خواجہ کے نام سے اب مخاطب نہیں کیا جاتا شاید ہندوستان کے کسی حصہ میں مسلمانوں میں تو عموماً بعض خاندانوں میں بوجہ مذہبی تقدس یا کسی خاندانی امتیاز کے اکثر لوگوں کو خواجہ کہا جاتا تھا اور جو بعض لوگ ہندوؤں میں سے مسلمان ہوئے ہیں انھیں بھی خواجہ یا خوجہ کہا جاتا ہے پہلے یہ خیال تھا کہ صرف انھیں ہندوؤں کو خوجہ کہا جاتا ہے جو کسی وقت ہنود سے مسلمان ہوئے ہیں خصوصاً وہ لوگ جو رازھہ قوم سے مسلمان ہوئے۔ چندر بھان کے رقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ اس نام سے اُن لوگوں کو بھی مخاطب کیا جاتا رہا ہے جو ہندو تھے۔ انشاء چندر بھان چہار چمنی یعنی چار حصوں پر منقسم ہے ہر حصہ میں مختلف اشخاص ممتاز اور نوابوں کے نام خطوط لکھے گئے ہیں طرز عبارت خطوط اور مضامین خطوط سے پایا جاتا ہے کہ یہ خطوط محض خطوط نویسی لکھانے کے خاطر ہی نہیں لکھے گئے بلکہ جو خطوط ضرورتاً وقتاً فوقتاً لکھے جاتے رہے انھیں جمع کر دیا گیا ہے۔ معلوم ہوا کہ عہد مغلیہ میں جیسے قتیل کو مرزا کا خطاب دیا گیا تھا ہنود کو خواجہ سے بھی سرفراز اور ممتاز کیا جاتا تھا۔ شاہ کا خطاب بھی دیا جاتا رہا ہے۔ پنجاب میں ایک مشہور ڈاکٹر چھنپت شاہ صاحب ہندو تھے چونکہ اُن کے

نام کے ساتھ شاہ کا لفظ لگا ہوا تھا اس واسطے حکومت انگریزی نے انھیں خان بہادر کا خطاب دیدیا۔ اُن مختلف خطوط سے جو حاکمانِ ملک اور نوابوں کے نام لکھے گئے ہیں ظاہر ہے کہ اس وقت بھی ایک آزادی کے ساتھ خط وکتابت ہوتی تھی ہم نمونہ کے طور پر ایک رقعہ نقل کرتے ہیں:۔

عریضۂ عقیدت آگین کہ بمنزلت رکن السلطنت الاعلیٰ مقدم الخلافت الکبریٰ اسلام خان نگاشتہ شد

نواب صاحب وقبلہ قدردان سلامت

اینکہ درین مدّت خود را بہ یاد ندادہ خبر از خود نداشت امروز کہ اندکے بہوش آمد آنچہ اوّل بہ یاد آمد این بود کہ خود را بہ یادِ صاحبِ مہربانِ دہم و مرادِ نامرادی خود بگیرم کہ چرا صاحبِ مربیِ من یادِ منِ دعاگو سراپا اخلاص نکردند اندکے بر سرِ انصاف نیایند کہ من انصاف از کہ خواہم داد از کہ طلبم چند آنکہ دستِ قلم من بدامنِ کاغذ می رسد اگر دستِ من بدامنِ نواب مہربان برسد داد خود بگیرم فریادرسا عذر پذیرا این داعی شب از روز در روز از شب نشناختہ با تمام این نسخہ بدیعہ ساعی و گرم است۔

ایک رقعہ میں مصنّف انشائے چار چمنی اُن کتابوں اور اُس نصاب کی تفصیل کرتا ہے جو اس عہد میں مروج تھا۔

(الف) لکھتا ہے کہ شروع میں ضروری ہے کہ طالب علم گلستان بوستاں اور انشاء ملّا جامی مطالعہ میں رکھے۔

(ب) جب کچھ لیاقت ہو جائے تو کتب اخلاق مثل اخلاق ناصری۔ اخلاق جلالی پڑھے۔

(ج) پھر تاریخ مثل جنّت السرور۔ روضۃ الخلفا۔ روضۃ السلاطین۔ تاریخ گزیدہ۔ تاریخ طبری۔ ظفر نامہ و اکبر نامہ وغیرہ۔

(د) مصنّف کہتا ہے کہ مجھے عنفوان شباب میں کلام مشاہیر ذیل کے پڑھنے اور دیکھنے کا موقعہ ملا۔

حکیم سنائی۔ مولانا روم۔ شمس تبریز۔ شیخ فرید الدین عطار۔ شیخ سعدی خواجہ حافظ۔ شیخ اوحدی۔ کرمانی۔ ملا جامی۔ ملا رودکی۔ حکیم قطران۔ عسجدی عنصری۔ فردوسی۔ فرخی۔ ناصر خسرو۔ جمال الدین۔ عبدالرزاق۔ کمال۔ اسمٰعیل۔ خاقانی۔ انوری۔ امیر خسرو۔ حسن دہلوی۔ ملا جمالی۔ ظہیر فاریابی وغیرہ وغیرہ۔

ناظرین معلوم کر سکتے ہیں کہ گذشتہ تعلیم و تعلّم میں کتب اخلاق اور ادبیات پر کس قدر زور دیا جاتا تھا۔

ہم چاہتے ہیں کہ پنڈت چندر بھان نے بسلسلۂ رقعات جو غزلیں لکھی ہیں وہ بھی ہدیۂ ناظرین کریں تاکہ یہ پتہ لگ سکے کہ مسلمانوں کی حکومت میں بھی ہنودنے فارسی اور عربی کے پڑھنے میں کس قدر ہمت اور شوق دکھایا تھا۔ ناظرین یہ بھی معلوم کر سکتے ہیں کہ اُن عہود کے ہندو شاعری میں کیا شوق اور مذاق رکھتے تھے اور ان کا ذہن بھی ہر زمانہ میں کیسے کیسے پاکیزہ اور لطیف نمونے دکھاتا رہا ہے۔

غزل

دارم دلے کہ ترک تمنّا گرفتہ است — دستِ نسیم و دامنِ صحرا گرفتہ است
ہرگز نہ می فتد بزمین طفلِ اشکِ من — مانندِ موج دامنِ دریا گرفتہ است
برقامتش فگن نظر و بر کنار باش — زین آتشِ بلند کہ بالا گرفتہ است

دارد بگوش اہلِ سخن راہ برہمن
نظمِ گہر زعقدِ ثریا گرفتہ است

مہرش ہمین نہ در دلِ ما جا گرفتہ است — در ہر دلے چو در دلِ ما جا گرفتہ است
کونین را بہ خلوتِ دل رہ نہ مے دہد — آزاد بہ کہ ترکِ تمنّا گرفتہ است
بے تابِ آفتابِ رُخش خشک کے شود — چشمِ ترم کہ خود بہ تماشا گرفتہ است
آرد فرو بہ بزمِ حریفان سرِ نیاز — باگردنے بلند کہ مینا گرفتہ است

باخویش ساختیم برہمن کہ روزگار
با اہلِ درد ترکِ مدارا گرفتہ است

مطلبِ اہلِ محبت گرمیِ بازار نیست — حرف بسیار است اما رخصتِ گفتار نیست
تار زلفِ عنبرینش تارِ موے بردہ ام — بر تنِ من ہر سرِ مو کمتر از زنّار نیست
کوتہ اندیشان بروے بیش وکم پیچیدہ اند — مردِ عارف را نظر براندک و بسیار نیست
مستیِ چشمش کند ہوشیار را مستِ نگاہ — ہیچ کس در دورِ چشمِ مستِ او ہوشیار نیست

در خیالِ او برہمن ماؤ شب ہاے فراق
ہمنشینِ ما بغیر از دیدۂ بیدار نیست

بیا کہ در دلِ ما بے تو آرزو گرہ است — دلِ شکستہ چو زلفِ تو مو بمو گرہ است
کجاست محرمِ رازے کہ عقدہ بکشاید — کہ آہ در جگر و نالہ در گلو گرہ است
زبسکہ دوختم و پارہ ساختم صد بار — ز چاک سینۂ من در دلِ رفو گرہ است
خبر ز تندیِ خوے کہ یافت حیرانم — کہ گل شگفتہ شد و بادہ در سبو گرہ است

خیالِ زلفِ تو تا در دلِ برہمن ماند
ز سینہ تا بزبان راہ گفت و گو گرہ است

دلم اسیرِ غمِ مدعا نمے گردد — بمدعا طلبی آشنا نمے گردد
دلم رموز شناسِ قواعدِ معنی ست — بہ اہلِ صورت ازان آشنا نمے گردد
کسے کہ لذتِ دردِ تو یافت میداند — کہ دردِ عشق بہ گردِ دوا نمے گردد

بہ اوجِ عشق برہمن نمے رسد ہرگز
کسے کہ سودہ ترا نقشِ پا نمے گردد

دلم بہ کوے محبت جریدہ می آید — ز شہر بندِ تعلق رمیدہ می آید
بہ پیشِ خاکِ رہش عذرِ رفتہ خواہد خواست — سرے کہ پیشتر از پا دویدہ می آید

ہوائے سجدہ آن آستان چنان دارم — کہ قد چو راست کنم سر خمیدہ می آید

بہ دیگرے نتوان کرد برہمن تکلیف
کہ طئیِّ راہِ محبت ز دیدہ می آید

چندر بھان نے اس کتاب چہار چمن میں شاہِ وقت ۔ باغ ۔ شہر اور مسجد کی تعریف میں بھی ایک مثنوی لکھی ہے ۔ ہم اس میں سے بھی چند اشعار حوالۂ قلم کرتے ہیں:۔

بادشاہ

زبانِ ہر کہ گویا در زبان است — ثناخوانِ شہنشاہِ جہان است
فلک ہر صبح سازد از برِ خویش — نثارِ خاکِ راہش گوہرِ خویش
ضمیرش مظہرِ نورِ الٰہی — شناسائے سفیدی و سیاہی
بہ کثرت گرچہ دارد آن جہاں‌کار — ولے باشد بہ خلوت با جہاندار

سخن ناگفتہ یابد از زبانہا
فرو گیرد ز حرفے داستانہا

عمارات

کنم رنگِ دگر طرحِ بیان را — دہم آبِ دگر تیغِ زبان را
بنازم بر عماراتِ شہنشاہ — کز و تا چرخ باشد یک قدم راہ
فضائے بامِ این بالا نشیمن — بود بر لوحِ گردون سایہ افگن
عمارت ہست با گردون برابر — چراغان شد درو رخشندہ اختر

چو بازارِ چراغان شاہ شد گرم
چراغِ ماہ شد در پردہ از شرم

باغ

درین گلشن زگلہا دستہ دستہ   صبا در ہر طرف گلدستہ دستہ
ہوایش دل کشا و دلنشین است   طراوت خانہ زاد این زمین است
شگفتہ ہر طرف گلہائے لالہ   گرفتہ برکفِ عشرت پیالہ
چو دیدم آب و رنگِ بوستان را   صدائے عیش دادم دوستان را
زبان در وصفِ گل بیتاب گردید
سخن تا بر لب آمد آب گردید

مسجد

شہنشاہِ زمانہ مسجدے ساخت   کہ گوئی بر زمین طرحِ نو انداخت
ز رفعت آسمان یک پایۂ او   مہ و خورشید زیر سایۂ او
رواقش قبلۂ اہلِ یقین است   تو گوئی مسجدِ اقصیٰ ہمین است
فضایش سجدہ گاہِ خاص و عام است   ہمانا مسجدِ بیت الحرام است
فلک گردد بہ گردِ آستانش
بود خیلے ملائک پاسبانش

حسرت موہانی سابق ایڈیٹر رسالۂ اردوئے معلّٰی۔ ماہ اگست ۱۹۰۳ء کے پرچہ میں برہمن کی قابلیت کو تسلیم کرتے ہوئے رقمطراز ہیں کہ:۔ برہمن تخلص چندر بھان نام۔ اکبر آباد کے رہنے والے تھے۔ افضل خاں شیرازی وزیر شاہجہاں کے ملازم تھے اور انھیں کے ذریعہ سے دربار شاہی میں باریاب ہوئے۔ کچھ دنوں سرکار دارا شکوہ میں منشی گری کے عہدہ پر مقرر ہو گئے اور بہت جلد اپنی چرب زبانی و طلاقت لسانی کی بدولت رتبہ مصاحبت تک پہونچ گئے۔ شہزادہ دارا شکوہ کی کوشش سے سلطنت شاہجہاں کے انتیسویں سال سرکار شاہی میں نوکری مل گئی اور خطاب رائے و

منصب مناسب سے سرفراز ہوئے۔ محی الدین اورنگ زیب شاہ عالمگیر کے زمانہ میں بھی اُن پر نوازشات شاہی مبذول ہوتی رہیں اور اُن کا تقرر خدمات نمایاں پر ہوتا رہا۔ آخر عمر میں نوکری سے استعفا دیکر شہر بنارس میں سکونت اختیار کی اور ۱۰۷۳ھ میں انتقال کیا۔ تصوّف کا رنگ اس زمانہ میں تمام شعراء کے کلام میں موجود ہے۔ برہمن بھی اس سے مستثنیٰ نہیں ہیں۔ اس انداز میں جو کچھ انھوں نے لکھا ہے اُس میں اور کسی مسلمان کے کلام میں مطلق تمیز نہیں ہو سکتی مثلاً دیوان برہمن کی پہلی غزل ہے:۔

اے برتر از تصوّر و وہم و گمانِ ما — اے درمیانِ ما و بُرون از میانِ ما
آئینہ گشتہ سینۂ ما از فروغِ عشق — شد جلوہ گاہ صورتِ معنی نہانِ ما
جا کرد در میانِ رگ و ریشہ مہر دوست — پرورده شد بمغز وفا استخوانِ ما
اُستادِ عشق حوصلہ فرمائے عاشق ست — صد جا شکست تا بلب آمد فغانِ ما
مانند غنچہ گرچہ خموشیم برہمن — لیکن پُراز نواست چو بلبل زبانِ ما

رباعی

ما راز مئے شبانہ مستی دگر ست — وارستگیِ ز قید ہستی دگر ست
ما برہمنیم لیک در مذہبِ ما — حق دیگر و شغل بُت پرستی دگر ست

برہمن کی غزلوں میں بھرتی کے بہت کم اشعار پائے جاتے ہیں زبان انکی نہایت شستہ ہوتی ہے اور بندش صاف مطلب بالکل عام فہم ترکیب درست ہوتی ہے اور بعض بعض مقامات پر نہایت خوب مثلاً کہتے ہیں ؎

صبح است ابر و گوشۂ باغے غنیمت است — بوے ز برگ گُل بدماغے غنیمت است
پروانہ وار در طلبِ آتشِ وصال — افتادگی بہ پائے چراغے غنیمت است
گو منزلِ مراد زما دور ست باد — در راہِ انتظار سراغے غنیمت است
با داغ عشق ساز برہمن کہ چند گاہ — الفت میانِ پنبۂ و داغے غنیمت است

ہر کہ پیش از صبحدم با ساغرِ صہبا نشست
سرفراز روزگار خویش چون مینا نشست
بیا کہ میتوو لم رنج بے حساب کشید
بیا کہ کارِ دل از غم باضطراب کشید
گر از تو جفا رفت نیامد گلہ از من
آئین جفا از تو خوش وحوصلہ از من
مرا در بزم رندان آبروے میتوان دادن
بہ یکتا جرعۂ مے رنگ و بوے میتوان دادن
زہے لبِ تو نمک ریز در شکر باری
شکنج زلفِ تو اندازۂ گرفتاری
ہرگز کسے نکرد نگاہے بسوئے ما
کس گرم تر ز اشک نیامد بروے ما
سوئے ما حاجتِ شمشیرِ ستمگاری نیست
بہ تغافل نگہِ مصلحت آمیز بس است
دلم بہ سنبلِ زلفِ تو تا قرار گرفت
میانِ سلسلۂ عشق اعتبار گرفت
خوش آن کسے کہ بہ صحراے ملکِ ناکامی
ز سیلِ حادثۂ آرزو کنار گرفت
برآورد ز گریبانِ صبح دست مراد
کسیکہ دامنِ شبہائے انتظار گرفت

ترکیب کی خوبی کو دیکھا۔ اب الفاظ کی لطافت اور بیان کی روانی ملاحظہ ہو
کہتے ہیں ؎

ہواے فصلِ گل و موسمِ بہاران ست
گلِ نشاط بدامانِ میگساران ست
ز تارِ زلف بآسودگان مدہ بوئے
کہ این وظیفۂ دلہاے بیقراران ست
جنونِ عشق برہمن کشد بمستی کار
کہ عشق آفتِ احوالِ ہوشیاران ست

دیگر

جوانی بود فصلِ عیش وعہدِ کامرانیہا
کجا آن فصل کو آن عیش کے آن شادمانیہا
حدیثِ عشق از گفتار و تکرار ست مستغنی
برہمن در محبت کفر باشد قصہ خوانیہا
تا ز کوئیش صبا نمی آید
دلِ عاشق بجا نمی آید
تا شناساے حال خود گشتم
کارِ دیگر ز ما نمی آید
آید از خاکِ کوے دوست بچشم
آنچہ از توتیا نمی آید

اے خطا پوشِ ما۔ ز ما بگذر که زما جز خطا نمی آید
از برہمن مخواہ کار دگر که ازو جز دعا نمی آید

نئے انگریزی مذاق یا انھیں کے بقول شائستہ مذاق کے لوگ اس بیان عشق و محبت کو فضول خیال کرینگے اور کہینگے کہ ہم تو مفید شاعری کے دلدادہ ہیں سو برہمن کے یہاں ایسے حضرات کی بھی دلچسپی کا سامان موجود ہے۔ رنگ محبت کے ساتھ فلسفۂ عمل کے امتزاج نے عجب کیفیت پیدا کردی ہے کہتے ہیں ؎

کفر بے رشتۂ زنار نمی آید راست کارکن کار کہ گفتار نمی آید راست
منزلِ عشق دراز ست سر از خواب برآر کار بے دیدۂ بیدار نمی آید راست
برہمن شیشۂ دل سخت نزاکت دارد چون شکستند دگر بار نمی آید راست

اس ضمن میں جو رباعیاں ہیں ان میں عمر خیام کا رنگ ہے مثلاً عشق کے متعلق لکھتے ہیں ؎

رباعی

سرمایۂ عیشِ جاودانی عشق ست سرچشمۂ آبِ زندگانی عشق ست
اسبابِ نشاط و کامرانی عشق ست عنوانِ صحیفۂ معانی عشق ست

دیگر

تا چند ز جورِ فلک آزردہ شوی وز گردشِ روزگار افسردہ شوی
چون غنچہ بجمعیت خود راضی باش زان پیش کہ گل شوی و پژمردہ شوی

اِن سب مثالوں کے دیکھنے سے معلوم ہوگا کہ برہمن کا پایۂ شاعری معمول سے کہیں زیادہ بلند ہے اور انھیں اساتذۂ زبان فارسی کے زمرے میں شامل ہونے کا بوجوہ احسن حق حاصل ہے کہتے ہیں ؎

ہر نفس بوے محبت آید از گفتار ما میتوان فہمید از گفتارِ ما مقدارِ ما
بیا بہ دائرۂ امتحانِ عشق ببین ولہ نشانِ راستی از قامتِ خمیدۂ ما

لازم آمد بر سرِ ما خدمتِ بت برہمن ولہ محو کے گرد دہر آن نقشے کہ در دلہا نشست
بریخت اشک چنان برہمن ز دیدۂ تر ولہ کہ آبِ تازہ بروے برہمنان آورد

برہمن۔ پنڈت داتا رام۔ آپکی شاعری نے مرزا جوان بخت بہادر اور مرزا خورم بخت بہادر کے دامانِ دولت کے سایہ میں فروغ پایا چند اشعار متفرق جو دستیاب ہوے درج ذیل ہیں۔

مشعلِ ماہ بود گر ہمہ درخانۂ ما نتواند کہ بَرَد ظلمتِ کاشانۂ ما
آبیاری کند ار کشتِ مرا آبِ حیات سبز جُز روزِ قیامت نشود دانۂ ما
سر بیچار گیم گرچہ بخاک افتادہ است پا بر افلاک زند ہمتِ مردانۂ ما
شاہی اگرت ہواست درویشی کن مرہم بودت ضرور دلریشی کن
افتادۂ راہِ طلب دلبر باش پس از ہمہ باش و باہمہ بیشی کن
خاطر روشندلان باشد چو اہلِ شب چراغ نیست فرقے در جلا اندر غلاف آئینہ را
بد نصیبی مرا بین کہ شکم می گُرزد این سیہ کاسہ فلک از غمِ مہمانیِ ما
عیبِ جوئی نہ کار مردانست شیوۂ تنگ ظرف و نادانست
ببین کرامتِ بتخانۂ مرا اے شیخ اگر خراب شود خانۂ خدا گردد
در تواضع کوش با گردن کشان تُند خو صید کن سیمرغ را گو قوتِ عصفور باش
در جہان گشتیم آخر چون جہان بے اعتبار آستین کے پاک سازد اشک از رخسار شمع
برہمن چیست عیب پوشیدن دیدہ نادیدہ مینوان گفتن
فیض صحبت بے اثر نگذارد از نیک و بدش چشم دلسوزی نمی باید ز دشمن داشتن
گر دستر سے ہست کشا دستِ کرم را اے راہ روِ ملکِ بقا توشہ بہم کن
تا قشقہ بر جبین منور کشیدۂ خط بر تجلّیِ مہِ انور کشیدۂ
یا بہر قتل عاشق دلخستہ جانِ من این قشقہ را مشابہِ خنجر کشیدۂ

آن جعد مسلسل کہ ز سر بر کمر افتاد — مارا شبِ یلدای قیامت بسر افتاد
موبافِ مکلّل بگہر می بینم — در پہلوی شام این چہ سحر می بینم
یا بر سرِ سنبلِ گلستانِ جمال — غلطان ہمہ شب شبنمِ تر می بینم
مسلسل جعد بر پشتِ گل اندام — طلسمی ساختہ از عنبرِ خام
مرصّع گوشوارہ گردِ دستار — بخوبی چون بہارِ نو بہ گلزار
براطرافش گہر چندان گرفتہ — کہ پروین عقد از گوہر شکستہ
نہ ہلال است کہ بر گنبدِ گردان پیداست — عکس نقشیست کہ از طرف کلہ ریختہ
چنان از مردمِ چشمت تجلّی جلوہ گر باشد — کہ خورشیدِ جہانتاب از فروغش بہرہ ور باشد

ولہ

از جنبشِ منجی‌پینِ (منجھے) جانان — لطفِ عجبی شدہ نمایان
گوئی کہ ز بحرِ حسن ماہی — بکشادہ دہن بخوش ادائی

ولہ

از لعل و گوہر است کجا افتخارِ گوش — باشد زیادہ از ہمہ چیز اعتبار گوش
ای بوالہوس بہ سیرِ خیابان چہ میروی — در بوستانِ حسن ببین نوبہار گوش
رہ بر سخن مدام شدہ تنگ در جہان — گر نیستی ہمارخِ چنین رہگذار گوش
ای زلف تابدار چہ پیچی دگر بہ پیچ — زینت برخ فزای کہ اینست بار گوش

ولہ

گل در چمن ز خجلتِ روی تو آب شد — چندان عرق نمود کہ آخر گلاب شد

ولہ

گر رخِ گلرنگش از زیرِ نقاب آید برون — نیست ممکن در چمن گل از حجاب آید برون
چون عرق افشان شود روی تو در عینِ عتاب — از سمن گل گردد و از گل گلاب آید برون

ولہ

ز لعل و گوہر و الماس قدرش افزونست — چو باغبان کند از نسترن حمایل تو
زبسکہ لالہ و نسرین و گل بہم دارد — شدہ است رشک فزای چمن حمایلِ تو
بسانِ برق کند خیرہ دیدۂ عشاق — چو جلوہ گر شود از پیرہن حمایل تو
حمایل از طلا بر سینہ دارد ماہ سیمای — کہ در گردش در آید آفتابِ عالم آرای

او در گلو حمایل گوہر کشیده است
یا شبنمے است کز گلِ حسنش چکیده است

پئے صیدِ دل در برِ نازنین
مسلسل کمندے حمایل ببین

وله

دو بازوے شفّاف آن گلبدن
چو گلدستۂ نسترن در چمن

نمودِ صفا از آستینش ہمان
چو شمعے بفانوس جلوه کنان

صد کمانِ صبر و طاقت را شکست
آه از نیروئے بازوے شما

در انگشت جانان چه انگشتری
که حیران از و دیدۂ مشتری

فروزان نگینش بصد آب و تاب
گرو برده از چشمۂ آفتاب

به تنویر نجمے ز اوجِ کمال
بتدویر چون ہاله گردِ ہلال

وله

باغبان انداخت فرش از نسترن پہلوے تو
لیک می ترسم که گیرو زان شکن پہلوے تو

با ہمه افتادگی بنگر بلند بہاے بخت
فرشِ مخمل را کند رشکِ چمن پہلوے تو

وله

نه این پوشاک زیبِ ساق ور انست
که نرخِ حسنِ خوبان زین گرانست

چو از زربفت پوشد از پئے شان
ہمانا برق رخشد زیرِ دامان

وله

بپا پیش کاب در کار از دو سمت است
عجب لطفے نمود ار از دو سمت است

یکے قطبِ شمالی را نمودار
دگر شکلِ جنوبی کرده تکرار

خاطرم در فکرِ کعبِ دلربا افتاده است
مہره ام در ششدرِ رنج و عنا افتاده است

گوئے سیمِ خام گویم یا حبابِ بحرِ حسن
بے تامل اینکه مضمون پیشِ پا افتاده است

نگارین پاشنه از روے انصاف
چو نارنج است سرخ و شسته و صاف

وله

چادرِ آبِ روان بر سرِ جانان دیدم
شبنم افتاده بروے گلِ خندان دیدم

چادرِ آبی تو تا پوشیدی اے سروِ روان
بر ہوا مانده ز حسرت طیلسانِ (چادر) آسمان

ستاره دوختی از زر بگردِ نیلگون چادر
نموده چرخ نیلی را ز خوبی ہا زبون چادر

چادرِ گلگون که داری بر بدن
داغ گشته لاله از وے در چمن

معجزِ گلگون سراپاے ترا پوشیده است — یا گلِ احمر براطرافِ چمن جوشیده است
گر سلامِ من قبول افتد چه دور — اوست مهرِ روشن و ما ذرّه ایم
پئے جواب سلامم چو دست بردارد — هزار پنجهٔ مرجان شکست بر دارد
می مالم دست در غم دوش — او کرد سلام رفتم از هوش
گفتم که جواب میتوان داد — حیرت در گوش گفت خاموش

ولہ
لطفِ صحبت را نمیدانم که گویم آشکار — اوست بامن یا منم با او بحیرانی درم
در عالمِ نازے و نوش خفتم تا صبح — با یارِ کرشمه کوش خفتم تا صبح
دولت بیدار بود و بختم بیدار — شب در برِ او چو دوش خفتم تا صبح

ولہ
بهله بر دست تا نگار کشید — دستِ امّید من نگار کشید
بهله (دستانه) گر حافظ نباشد پنجات را جان من — صد جراحت میزند بر دل مرا از پنجه باز

ولہ
صبا بوے ز پیراهن نیاوردی بسوے ما — غلط کردی ره و از ما بسوے نسترن بردی

ولہ
شوق دل میکشدم راست بسوے تو بلے — سیل از خود طرفِ دجله دویدن آموخت

ولہ
از لعلِ نوش زاے تو دشنام تلخ نیست — شیرینی است بسکه ز لطفِ عتاب را

(در صفت بندوق)

بود بندوق را قدرے که نتوان یافت پایانش را — مگر گردن کشان بر دوش بردارند پایش را

(در صفت خنجر)

خنجر بکفت ماهیِ دریائے وغاست — فلسش به تن از جوهر آهن پیداست
حاجت نبود بسوے بحرش که مدام — در آبِ روانِ خونِ اعدا بشناست

(در بیان ناقه وشتر)

چو اشتر کوه کوهانی سبکرو — شبا روز ست کارش باتگ ودو
مؤدّب صورتے پشمینه پوشے — ملایک سیرتے خانه بدوشے

بقطعِ دشت گوئی تند بادے قناعت پیشۂ خاکی نہادے
بہ تمکین و وقار آمد چو کوہے بر فنن بو العجب صاحب شکوہے
اگر لیلےٰ بران محمل نشستے دلِ قیس این چنین مجنون نگشتے
چھاپے زا بلے شیرش خورانده زصالح یادگار آن ناقہ مانده
سرے افراشتہ درراہ تسلیم نہد گردن بہ قربان گاہِ تسلیم
عجائب دست و پا فرخنده پیکر تعالےٰ شانہٗ اللہُ اکبر

برہمن ۔ نام ونشان معلوم نہ ہو سکا۔ ایک برہمن کشمیری نژاد ہیں
یہ نہ جانو کہ مری آنکھ سے آنسو ٹپکا نشترِ عشق لگا جس سے کہ لہو ٹپکا
برہمن عشق بتاں کی ہوئی لذت معلوم پکّے پھوڑے کی طرح جب دلِ بد خو ٹپکا

برہمن ۔ پنڈت بشمبھر ناتھ ٹھلل صاحب بی۔اے لکھنوی رائے بہادر خلف پنڈت

آپ گریجویٹ ہونے کے بعد اوّل راجہ اجیت سنگھ تعلقہ دار بیلہ پرتاب گڈھ کے کنور صاحب کے ٹیوٹر مقرر ہوے تھے۔ اُسی زمانہ میں پرتاب گڈھ ہائی اسکول کی ہیڈ ماسٹری خالی ہوئی چونکہ مسٹر نیسفیلڈ ڈائریکٹر سررشتہ تعلیم آپ کے مُربّی تھے اُنھوں نے آپ کو عہدہ مذکورہ پر مقرر کیا زیادہ حصہ آپ کی ملازمت کا پرتاب گڈھ میں صرف ہوا۔ وہاں سے آپ کا تبادلہ گورنمنٹ ہائی اسکول کانپور کی ہیڈ ماسٹری پر ہوا اور کانپور ہی سے آپ مستفید پنشن ہوئے۔

رائے بہادری کا خطاب بھی آپ کو کانپور ہی میں عطا ہوا تھا۔ بعد پنشن لینے کے آپ کا اتّفاق جبلپور جانے کا ہوا جہاں راجہ گوکل چند صاحب کی ملازمت میں تھوڑے عرصہ تک آپ رہے۔ اس کے بعد راجہ صاحب آواگڈھ (یو۔پی) نے آپ کی قابلیت کا شہرہ سُنکر اپنے کنور صاحبان کی تعلیم آپ کے

سپرد کی۔ اس خدمت کو آپ نے نہایت خوبی کے ساتھ انجام دیا۔ آوا گڈھ سے آپ کانپور واپس تشریف لے آئے اور وہیں آپ نے بعمر ساٹھ سال رحلت فرمائی آپ کے کئی شاگرد گورنمنٹ کے عہدہ ہائے جلیلہ پر ممتاز رہے منجملہ اُن کے حقیر مؤلف (ج۔ ن۔ ربینہ) کو بھی جناب موصوف کی شاگردی کا فخر حاصل تھا۔

۱۹۰۸ء میں آپ کانپور گورنمنٹ ہائی اسکول کے ہیڈ ماسٹر تھے اور قصیدۂ ذیل بمدح پنڈت گوپال کرشن صاحب گوکھلے سی۔ آئی۔ ای آپ نے تصنیف فرمایا تھا۔

قصیدہ

وہ کہ پنڈت گوکھلے از بہرِ عالم کارِ شان
شکرِ خالق افتخارِ عام از ایثارِ شان

ہر نفس بوئے محبت آید از گفتارِ شان
میتوان فہمید از گفتارِ شان مقدارِ شان

در محبت آنچہ می گویند اول میکنند
پارۂ بینش است از گفتارِ شان کردارِ شان

فقر را در مایہ داری باغنا سنجیدہ اند
در ترازو می زند مو اندک و بسیارِ شان

غیرِ حق را رہ ندادند در حریمِ دل چو دوست
راستی خود خضرِ رہ شد وہ چہ خوش رفتارِ شان

ہند چوں از بے سرو سامانی افتادہ بخاک
چشمِ بینا رشکہا افگند چوں سیارِ شان

چوں نمودِ بی بود شد بنمود مثلِ ہست و نیست
خارِ عشقِ ملک بنمودہ برخ گلزارِ شان

اے سرش گردند و جان کردند مالِ وقفِ او
عہدۂ خدمتگری شد حلقۂ زنارِ شان

خویشتن را خیر خواہی خیر خواہِ خلق گشت
خوابہا چون ابر رفت از دیدۂ بیدارِ شان

در نفاقِ زارِ ہند انداخت طرحِ مجلسے
ہر یکے چون مہر تابان در صفِ احرارِ شان

پیشِ اربابِ کرم این شرح می کردند و رد
داغِ دل را کیست غمخواری کند ہموارِ شان

دردمندیم و خبر کو دادہ از سوزِ درون
جز لبِ تشنہ دہن خشک چشم گوہر بارِ شان

یکزبان گفتند اے بلبل چرا این غلغلہ
ہست خواہی نیست شوید خیز چون گلزارِ شان

عشقِ ملک از قیدِ بندِ ہبہا برون آوردہ دست
کوکبِ خاصم نہفت طالع چو شد انوارِ شان

ہر کسے بیگانہ شد از خود چو آن پروانہ وار
گرد شمعِ عشق ملکش یافتہ اسرارِ شان

خوش قدومِ میمنت آوردہ آن قدسی صفات
طالعِ خوابیدہ شد بیدار از دیدارِ شان

آن رموزِ سلطنت آگہ۔ زیرک عالی مزاج
عاجز اندر پاسخے گردو ز استفسارِ شان

آن متاعِ خوش قماش آوردہ پیش از راست چپ تو
سرد کردہ جوشِ بد بین گرمیِ بازارِ شان

عاشقِ حبِّ وطن شد آن فدائے قوم خویش
ساخت محبوبِ دلِ خود بر ہمہ اصرارِ شان

چون نہ گرد آید دل ہر ہمہ تن پروانہ وار
شمعِ پُر حسنِ شان پُر جلوہ رخسارِ شان

چون نیاید جان نثارش اندرین کارِ عظیم
عالمے از ہند از ہند و مسلمان یارِ شان

نیست ممکن از کمندِ سیم و زر افگند نش
حلقۂ گوش است یاران بہرِ استحضارِ شان

از صدف ریزد گہر وز پستہ مغز آید برون
چون شود گرمِ تکلم لعلِ خوش گفتارِ شان

گفت او شد بر فلک در وعظ مثلِ انبیا
فرض را چون دل نشینم کردہ خود دلدارِ شان

لطف ہا گرد و پر آید بستہ دار وے بہ کف
ہمدمِ دردِ خیالش ہر کسے غمخوارِ شان

پر امید ہر دل کہ زان فیضِ گران مایہ شود
یک دلے را عالمے ممنون از تکرارِ شان

مرحبا صد مرحبا کز فیض فیّاضِ ازل
از نہالِ سعی بشگفتہ گل و ازہارِ شان

می توان گفتن نہ حرفے از صفاتِ گوہرے
بس دعا کن برہمن بر درگہِ غفّارِ شان

یا الٰہی ہمتش کن بدرقہ در راہِ عشق
عمر او بادا دراز از مقصد و مضمارِ شان

بریاں - ایک برہمن کشمیری نژاد بزرگ کا کلام ایک قلمی
بیاض میں نظر سے گذرا مگر کاغذ بوسیدہ ہوجانے
کیوجہ سے نام پڑھا نہ جا سکا۔

غیر کے پہلو صنم آٹھوں پہر چونسٹھ گھڑی
ہائے قسمت یہ ستم آٹھوں پہر چونسٹھ گھڑی

شاد اور خنداں پھریں ہیں روز و شب میرے عدو
میں پھروں باچشم تر آٹھوں پہر چونسٹھ گھڑی

رائے برجناتھ صاحب

ایک بیاض قدیم میں آپ کا ایک شعر مولف تذکرہ ہذا (جگموہن ناتھ رینہ)
کی نظر سے گذرا۔ بجز نام کے اور کچھ
درج نہ تھا

اضطراب اندر سخن عیب است دانا چوں ہلال
مصرعۂ برجستہ باید گو پس از ماہے بود

بسمل - پنڈت رام کشن صاحب ہاکسر متوطن دہلی

علم انگریزی سے بخوبی واقف و غوامض فارسی سے بکلّی ماہر فرشتہ خصلت بزرگ تھے۔

سرشکِ دیدۂ غماز کشفِ رازم کرد — فغان کہ پردہ ز روے غمِ نہان برداشت
سنبلِ مشکین بود یا زلفِ عنبر بوے دوست — نافۂ چین است یا خالِ رخِ نیکوے دوست
ماہِ نو یا سجدہ گاہِ عاشقان یا تیغ تیز — یا کمان یا نون قوسے یا بود ابروے دوست
لالۂ گلزار خوبی یا مہ اوجِ کمال — یا بود مہر سپہرِ دلبری یا روے دوست
اینکہ بسمل مُردگان را مید ہد جانے دگر — یا بود بادِ مسیحا یا نسیمِ کوے دوست
اگر نہ بادہ ز انگور باغِ بختِ من است — ہمیشہ چشمِ تو زینگونہ مستِ خواب زچیست
دل را ز چشم آن بتِ پُر فن نگاہدار — جنسِ گران بہاست ز رہزن نگاہدار
از لطفِ چرخ دم مخور ار دولتت دہد — خود را ز روبہ بازیِ دشمن نگاہدار
چون غنچہ خونِ دل خور و در حفظِ راز کوش — ہر دم زبان بکام چو سوسن نگاہدار
بر چاک ہاے سینۂ سوزان رفو مزن — از بہر آہ این دو سہ روزن نگاہدار
سر رشتۂ خرد مدہ از دست و گم مشو — خود را طفیلِ رشتۂ سوزن نگاہدار
نگاہ بر رخِ جانان نمی توان کردن — نظر بمہرِ درخشان نمی توان کردن

رباعیات

اے گشتہ نہان ز غایتِ پیدائی — عینِ ہمہ عالمی ز بس یکتائی
زان بیشتری کہ در عبارت گنجی — زان پاک تری کہ در اشارت آئی

خواہی کہ رہِ بکوے تحقیق بری — چون اہلِ حق از جدال میباش بری
با اہلِ خدا نشین و با ایشان باش — باشد کہ مگر ببالِ ایشان بہ پری

بسمل ـ پنڈت گنگا پرشاد صاحب

دامنِ دشت است سرخ از فیضِ دامانِ بہار — یابر آمد از تنورِ لالہ طوفانِ بہار
بلبلِ رنگین نوا از شعلۂ آواز خود — شمعِ گل را می فروزد در شبستانِ بہار
سوزنِ خار آورد در دستِ خیاطِ نسیم — تا بدوزد تکمۂ گل بر گریبانِ بہار

بسمل ـ پنڈت کالکا پرشاد صاحب لنگر صرف چند قطعہ تاریخ ولادت

فرزند پنڈت ہر نراین صاحب ـ مراسلہ کشمیر بابت ماہ مارچ ۱۸۷۸ء میں نظر سے گذرے جو ذیل میں درج ہیں :-

جتنے تھے احباب لگے پوچھنے — اس گلِ خوبی کی ہے تاریخ کیا
پوچھا جو بسمل سے تو باصد خوشی — مہرِ شرف ماہِ شرافت کہا
۱۸۷۸ء

ہوا ہر نراین کو فرزند جب — کہا سب نے پھولا یہ باغِ امید
تو بسمل نے باشادمانیِ دل — کہا یہ کہ روشن چراغِ امید
۱۸۷۸ء

ہر نراین جی کو فضلِ حق سے — آج یہ مژدۂ عشرت آیا
یعنی فرزند سعادت پیوند — باہزارانِ مسرت پایا
پتلی کی طرح سے اسکو ہر دم — رکھنی ہے آنکھ پہ اپنی دایا
فکر تاریخ جو بسمل کو ہوئی — گوہرِ کانِ شرافت آیا
۱۲۹۵ھ

پوچھے اگر تم سے کوئی لاکھ بار — نیّرِ تابانِ سعادت ہے کہو
۱۲۹۵ھ

بسمل - پنڈت سندر لال سر رشتہ دار محکمہ پرمٹ کانپور ولد بخشی ٹیکارام شیخ ناسخ مرحوم کے شاگرد تھے صاحب دیوان گذرے ہیں۔

یہ نہیں ناقوس اے طفلِ برہمن ہاتھ میں
کر رہا ہے مرغ دل اپنا یہ شیون ہاتھ میں

جو ہیں وابستہ وہ ہیں قیدِ علایق سے بری
دیکھ تو آتا نہیں صرصر کا دامن ہاتھ میں

گوری گوری انگلیاں یوں شب کو آتی ہیں نظر
شمعیں ہیں کافور کی گویا کہ روشن ہاتھ میں

آئینہ سے بھی کہیں شفاف تیرا ہاتھ ہے
آرسی پہنی ہے کیوں اے شوخ پُرفن ہاتھ میں

ہے یقیں واللہ اے بسمل پھڑک کر جی اُٹھوں
ہاتھ آجائے جو اُن کا بعد مُردن ہاتھ میں

ولہ

پنجۂ مرجاں ہیں کیا دستِ حنائی کی حضور
یہ بشر کی انگلیاں ہیں وہ شجر کی انگلیاں

دانتوں کے نیچے دبائیں انگلیاں اغیار نے
میں جو چٹکانے لگا اُس سیمبر کی انگلیاں

بسمل - پنڈت موتی لال صاحب کاٹھو چڑانے دہلی کالج میں تعلیم پائی تھی اور وہاں کے بڑے ممتاز مشہور متعلموں میں تھے انگریزی، اور فارسی زبان میں دستگاہ کامل رکھتے تھے تمام عمر عہدہ ہائے جلیلہ پر ممتاز رہے کئی سال گورنمنٹ پنجاب کی میر منشی گری کے عہدہ پر ممتاز رہ کر جوڈیشل اکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر درجۂ اول مقرر ہوئے اپنے وقت کے سر برآوردہ نامی بزرگوں میں تھے طالبعلمی کے زمانہ میں ایک تذکرہ بھی لکھا اور دو کتابیں مسمریزم میں انگریزی سے اردو میں ترجمہ کیں۔ انگریزی کی استعداد درجۂ عالمانہ تک تھی مسمریزم میں بھی اچھا دخل تھا تعلیم نسواں اور دیگر مضامین کے جلسہ میں سرکار سے تمغہ طلائی انعام پایا۔ باسٹھ برس کی عمر پاکر لاہور میں سفر آخرت اختیار کیا۔

ابر رحمت کے مزے آتے ہیں میخواروں کو
حق نے یہ مرتبے بخشے ہیں گنہگاروں کو



پنڈت موتی لال کاٹجو۔ بسمل

دیکھ گرنے میں نہ مستوں کو پکڑ او ساقی
سجدۂ شکر میں جانے دوے گنہگاروں کو

مزا رونے کا کب عاشق کو ہجرِ یار میں آئے
جگر کٹ کر نہ جب تک دیدۂ خونبار میں آئے

نہ آئے تم تو عذرِ خواب سے اور یاں یہ رونا تھا
کہ ٹکڑے دل کے کٹ کر دیدۂ بیدار میں آئے

تیری آنکھوں کی گردش کے سوا دیکھے نہ یہ ملتے
کہ دم میں جاے دم میں جان تنِ بیمار میں آئے

ہوتا ہے آج میرا دل پر ہوا ہوا
کرا ہتو اپنا قول کہیں بے وفا وفا

کیا فکر اسکو بحرِ حوادث کے جوش کی
جس شخص کے جہاز کا ہو ناخدا جدا

اور وسیہ اکڑتی ہے زلفِ نگار سے
کرتی ہے سر بسر یہ تو مشکِ خطا خطا

صحنِ چمن ہے ساقیِ جان بخش و دورِ جام
اب ہو کے تو ہوا نہ میرا دل گھٹا گھٹا

یہ سمجھے دیکھ کر ہم خال لب اُس آفتِ جاں کا
بجائے خضر زنگی پاسباں ہے آبِ حیواں کا

بہت سا فرق تجھ میں اور اُس میں ہے نکر دعوی
مہِ نو ہمسریِ ناخن و ابروے جاناں کا

بہا دیں اشک کے طوفاں سے کشتی نوح کی بھی ہم
اُٹھا دیں ایک پل کو ہم جو پردہ چشمِ گریاں کا

چمن میں سرو کہتے ہیں تمہارے سایۂ قد کو
فلک پر چاند رکھا نام عکسِ روے تاباں کا

عاقبت تک رہے پابستۂ زنجیرِ بلا
دیکھ پائے جو تری زلف گرہ گیر کے بل

ہر قدم پر اُس صنم کے دل مرا پامال ہے
واہ وا کیا چال ہے کیا چال ہے کیا چال ہے

حضرتِ دل آپ کیوں کاکل کے سودائی ہوئے
پھنستے ہو کس جال میں تم یہ بڑا جنجال ہے

بسمل تری نگاہ کا دم میں شہید ہے
اب تو نقاب رخ سے اُلٹ وقت دید ہے

دی نامہ کے جواب میں دو چار گالیاں
قاصد سے یوں کہا یہی خط کی رسید ہے

دنیا میں نہیں تیرے سوا کوئی حسیں اور
وہ اور ہیں اور تیری ادائے نمکیں اور

وہ بکھرے ہوئے بال ہی زلفوں کے بلا ہیں
اور اُسپہ یہ طرہ ہے کہ ہو چیں بہ جبیں اور

ولہ

بادۂ توبہ شکن کا جام بھر کر دیجئے
یا مرا سر توڑیئے یا آپ ساغر توڑیئے

توڑ ڈالیں گے ہمارا کاسۂ سر محتسب
محفلِ عشاق میں آ کر نہ ساغر توڑیئے

کیا شکستِ خاطرِ عاشق میں پاؤ گے مزا — اور یہی دل میں سمائی ہے تو بہتر توڑیئے

بصیر۔ پنڈت بشیشر ناتھ صاحب ریوول پنڈت بشمبر ناتھ صاحب ریوُ دہلوی۔ شاگرد مرزا یوسف علی خاں عزیز تلمیذ مرزا غالب۔

آپ بمقام سانبھر علاقہ ماڑوار میں ایک عرصہ تک بہ سلسلۂ ملازمت قیام پذیر رہے۔

سنتے ہیں ہار جیت وکیلوں کے ہاتھ ہے — سونپا مقدمہ ہمنے بھی نازواداکے ہاتھ

تاریخ ولادت فرزند ارجمند بخانہ پنڈت رادھاکشن پھپّو صاحب

فرزند جگر بند ہوا رادھاکشن کو — ہاتف وہیں بس بول اُٹھا اپنی بغل سے

تاریخ کی کیا فکر ہے کہہ یہ ہو مبارک — خورشید منوّر ہے طلوع بُرج حمل سے ۱۸۸۳ء

نہیں کاکل کشادہ ہے پری رو تیرے عارض پر — پرستاں کو نہ اُڑ جائے کہ اُسنے پر نکالے ہیں

قیامت کیا کرے برپا خدا جانے جوانی میں — ابھی سے ڈھنگ اُس بُت کے زمانے سے نرالے ہیں

ولہ

ابرو کو جان کعبہ مسلماں پڑھیں نماز — کالی کے دھیان میں ہیں جپیں ہندو نام زلف

کیونکر وہاں تلک ہو رسائی نگاہ کی — کچھ دن سے مُلکِ رُخ پہ ہوا انتظامِ زلف

کاکل نہیں ہے مصحفِ رخسار پر بصیر — طغرا کا یہ لکھا یدِ قدرت نے لامِ زلف

بلبل۔ پنڈت گوری شنکر صاحب لاہوری۔ شاگرد مولانا صہبائی مؤلف گلستانِ سخن لکھتے ہیں۔ نوجوان خوش مزاج پسندیدۂ اخلاق زباندانی میں اقران وامثال سے ممتاز ہے۔ صفائی سینہ اور پاکیِ کلام میں متاخرین سے سرفراز۔

اگر بچشم جہان نیست عزّتے غم را — چرا کنند سر سالہا محرّم را

بہ پیری است مرا زینتِ دگر حاصل — کہ جامۂ تنِ من از شکن اُتو دارد

گردشِ چشم ترا دیدم واز کار شدم — بیخود از گردشِ این ساغر سرشار شدم

دودِ شمعے پئے پروانہ نگر دو زنجیر — من چسان در خم آن زلف گرفتار شدم

خامشئے مانم طبع است زبان آور را — کند این نکتہ سیہ پوشیِ سوسن روشن

نہ دیدہ کسے غیر خالِ لبِ او — زنیلم نگین و زیا قوت خاتم

باوصلِ خود زاشک چہ پرسی سبب مرا — چون شیشہ گریہ رسم بود در طرب مرا

محوِ صفائے سینۂ او بود دوش دل — گویا گذر فتاد بشہرِ حلب مرا

ماراتپ استخوانی عشق — اے وائے کہ در شباب وادند

گشت ویران خانۂ دیوانۂ — ہر کجا ویرانۂ آباد شد

زاہداز محفلِ صہبا بگریز — ساحلِ خشک ز دریا بگریز

مُردم و باقیست شوقِ آن میان — استخوانم دستہ شد بر خنجرش

سرم گردد اگر اشکے زچشمِ تر فرو ریزم — شود در گردش از یک قطرہ آبی آسیابِ من

بلبل بفکرِ جمع زر و مال دل مدہ — باید کہ از جہان دل جمعی بہم کنی

بقاؔ۔ پنڈت ست رام بقایا صاحب ساکن کہنہ کدل سرینگر کشمیر۔

آپ نے بعمر ساٹھ سال سمت ۱۹۰۲ بکرمی میں درعہد شیخ امام الدین حاکم کشمیر وفات پائی۔ ضمیمہ بھی ملاحظہ ہو

قسم بجان تو بیمارم ونخواہم زیست — طبیب آمد و نبضِ مرا گرفت و گذاشت

ولہ

زخط تسکین دل افزود خال عنبر افشانش — فرح بخشِ دل مانند ریحان تخم ریحانش

ولہ

داغ غمت بر استخوان یک، دو، سہ، چار و پنج و شش — دادہ زکعبتین نشان یک، دو، سہ، چار و پنج و شش

ولہ

تا پردہ بر فتاد ازان رُو بہ یکطرف — یکسو پرید رنگ ز گل بُو بہ یکطرف

بلہن[1] **پنڈت** بہ سعی ڈاکٹر بُلہر زبان سنسکرت ۸ یا ۹ سو برس کی ایک کتاب وکرم ارک چرتر یعنی تذکرہ راجہ وکرم تربھون مل راجہ کلیان واقع ملک دکن

[1] صحیح نام بلہن پنڈت ہے۔ بلہن غلطی سے لکھا گیا۔

راجہ جیسلمیر کے ایک کتب خانہ میں دستیاب ہوئی ہے یہ پستک تاڑ کے پتوں پر سیاہی سے تحریر ہے۔ ایک صاحب نے اس کی ایک نقل لیکر بمبئی میں چھپوائی ہے مگر بعض بعض مقامات پر اس کی صحت میں شک ہے دوسرا نسخہ اس کتاب کا خاص کشمیر یا دیگر مقامات سے اگر میسّر آجائے تو یہ پستک بنام کلہن پنڈت بہ صحت تمام طبع ہوکر بدرجہا شہرۂ علم ملک کشمیر متصور ہوگی۔ اس پستک کے اکثر مقامات سے تاریخ راج ترنگنی کی مطابقت ہوتی ہے اکثر حالات قدیم تاریخ کشمیر و ہندوستان جو اب تک مشتبہ تھے اس پستک کے پڑھنے سے صحیح کئے گئے ہیں اس پستک کے اخیر میں شہر پرورپور کی نہایت تعریف ہے یہ شہر ملک کشمیر کے دریاے جہلم اور سندھ کے سنگم پر واقع تھا۔ یہاں کی عورتیں نہایت حسین اور ہر کام میں کامل تھیں اور سواے اپنی زبان کے سنسکرت اور پراکرت بھی اُن کی نہایت صاف اور شستہ تھی والیِ کشمیر اننت دیونام نہایت شجاع اور تحجیر تھا ایک مرتبہ اس کی حکومت کشمیر سے دریاے گنگ تک رہی اسکی رانی سُبھٹا نام نہایت ذی اقبال اور پارسا تھی اس رانی نے بذات خود ایک کالج اپنے نام سے قائم کیا تھا اور عالم اور فاضل پنڈت بیش قرار تنخواہ پر تعلیم طلباء کے واسطے ملازم رکھے تھے اس پستک کے پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ کلہن پنڈت شہر پرورپور دار السلطنت کشمیر سے ۳ میل کے فاصلہ پر بمقام کھون مکھ خاندان برہمنان مدھ دیش میں پیدا ہوئے تھے انکے باپ جیشٹھ کلش سنسکرت کے صرف نحو میں طاق تھے اور انہوں نے مہا بھاش کی شرح بھی لکھی تھی۔ ان کا دادا راج کلش اور پردادا مکتی کلش یہ دونوں اگنی ہوتر تھے وید نہایت خوش الحانی سے پڑھتے تھے ان کا بڑا بھائی اسٹھہ رام اور چھوٹا بھائی آنند دیو دونوں عالم و شاعر تھے۔ کلہن نے کشمیر ہی میں تعلیم پائی تھی خاصکر وید اور صرف و نحو میں مہا بھاش تک

اور مختلف شاعروں کی نظم کا درس رہا بعد اختتام تعلیم حسب دستور قدیم پنڈتان کشمیر۔ کلہن پنڈت نے سفر ہند اختیار کیا دریائے جمنا کے قریب آکر متبرک مقام متھراجی میں چندے قیام کرکے بوجہ اپنے علم و فضل کے شہرۂ آفاق حاصل کیا۔ متھراجی سے بندرابن اور بندرابن سے قنوج اور قنوج سے پریاگ یعنی الہ آباد اور پریاگ سے بنارس آئے یہاں راجہ کرن کی سبھا میں اُنکی نامی گرامی سبھا پنڈت اور شاعر گنگا دھر کو اپنے علم و ہنر سے مغلوب کیا اور ایک قصیدہ راجہ رامچندر جی کی مدح میں تصنیف کیا۔ سومناتھ پاٹن کے مندر کی تعریف سُن کر پچھم آئے بعد ادائے رسوم مذہبی سومناتھ جی سے تھوڑی دور پر دراول نام بندرگاہ سے جہاز پر سوار ہو کر دکن روانہ ہوئے گوکرن ناتھ ہوتے ہوئے بمقام رامیشور پہنچے وہاں سے جانب شمال وکرم نام راجہ کلیان کی سبھا میں تشریف لائے اس دربار میں کلہن پنڈت نے سب پنڈتوں پر فضیلت پائی اور خلعت میں نیلی چھتری اور مست ہاتھی ان کو عطا ہوا۔ باقی ماندہ زندگی کلہن پنڈت نے یہیں بسر کی۔

بہادر۔ راجہ بہادر سنگھ کشمیری الاصل برہمن ۔ میر انشاء اللہ خاں سے خاص عقیدت تھی اور کیوں نہ ہوتی انشا کی بذلہ سنجی معنی آفرینی اور حاضر جوابی ہر شخص کو مسخّر کرلیتی تھی ابتدا میں بہادر نے انشا سے ہی مشورہ سخن کیا تھا اور خود انشا بھی انھیں خاص طور سے عزیز رکھتے تھے۔ بہادر نہایت خلیق خوش مزاج با مروّت اور رنگین طبع رئیس تھے اُنکے اشعار ملاحظہ ہوں:۔

اے مشفق من ہم ہیں فقط بوسوں کے نوکر — تم چاہو کہ تنخواہ کرو بندے کی سب سوخت
سو دور رکھو دل سے ابھی لیں گے بٹھا کر — نوکر وہ نہیں ہم کہ کریں اپنی طلب سوخت
جب جاتا ہوں آئینہ ہی دیکھے ہے وہ خود بیں — اس طرف نہ دیکھے ہے مجھے ہے یہ عجب سوخت
یہ عرض مری سن لے تو اے مرے خداوند — یکبار سنوں میں کہ ہوا شہر حلب سوخت

بیجان۔ راے بہادر پنڈت جانکی ناتھ مدن صاحب دہلوی فرزند اصغر پنڈت اجودھیا ناتھ صاحب مدن معروف بہ ناتھ جی مدن۔ میر منشی و خزانچی بینک رسالہ بنگال نمبر ۳۔

آپ کی پیدائش ۱۸۲۱ء میں بمقام چھاؤنی بریلی جہاں رسالہ کا قیام تھا ہوئی۔ آپ کی تعلیم و تربیت اردو اور فارسی و سنسکرت میں زیر نگرانی پنڈت جے گوپال صاحب مدن جد امجد کے ہوئی۔ پنڈت جیگوپال صاحب چار بھائی ولد پنڈت صاجرام صاحب مدن کے تھے۔ پنڈت دیاندھان مدن سب سے بڑے بھائی تھے ان سے چھوٹے پنڈت جیگوپال مدن تیسرے بھائی پنڈت جوالاناتھ مدن اور سب سے چھوٹے بھائی پنڈت ہیمراج صاحب مدن تھے۔ پنڈت دیاندھان صاحب کا قیام زیادہ تر دہلی رہتا تھا۔ پنڈت جیگوپال صاحب علاقہ دموہ و ساگر میں تحصیلدار تھے۔ پنڈت جوالاناتھ فوج میں وردی میجر تھے اور پنڈت ہیمراج کے سپرد خدمات بخشی گری فوج و انتظام بینک تھا۔ پنڈت دیاندھان صاحب کی اولاد نرینہ میں پنڈت راجکشن مدن اودھ میں ہیں اور پنڈت گوپی کشن اور پنڈت برجکشن سرینگر میں ہیں۔ پنڈت جیگوپال کی اولاد میں پنڈت امرناتھ اور پنڈت دیناناتھ مدن دہلی میں ہیں۔ پنڈت جوالاناتھ صاحب لاولد تھے۔ پنڈت ہیمراج صاحب کے نواسے پنڈت جگموہن ناتھ صاحب رینہ شوق ڈپٹی کلکٹر پنشنر بجنور میں قیام پذیر ہیں۔ پنڈت للتا پرشاد صاحب خلف پنڈت ہیمراج صاحب کا انتقال عالم جوانی میں ۱۸۶۵ء میں ہوگیا تھا۔ پنڈت جانکی ناتھ صاحب دو بھائی تھے۔ بڑے بھائی پنڈت پران ناتھ صاحب مدن بعد وفات پنڈت اجودھیا ناتھ صاحب کے ۱۸۵۲ء میں میر منشی رجمنٹ مقرر ہوے مگر ان کی عمر نے وفا نہ کی کہ عین عالم شباب میں مفسدہ ۱۸۵۷ء میں



پنڈت جانکی ناتھ مدن بیجانؔ

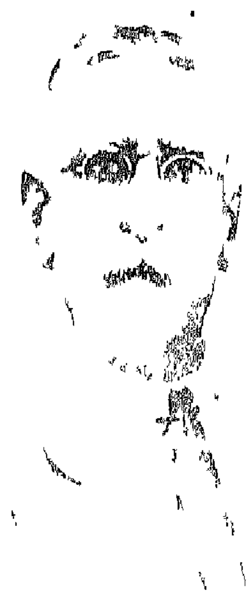
بمقام دہلی جبکہ وہ اپنی فوج کے اعلیٰ افسر کے پاس جاتے تھے لاعلمی میں گولی کا نشانہ ہوئے ان کی وفات سے خاندان کی بربادی کا آغاز ہوا۔ پنڈت جیگوپال کی عمر ۷۲ سالہ تھی۔ جانکی ناتھ کی عمر ۱۶ سالہ تھی۔ کوئی کام کا سنبھالنے والا نہ تھا بینک کا نقصان ایسا ہوا کہ آئندہ وہ بحکم سرکار بند کرنا پڑا۔ جانکی ناتھ ۱۸۵۶ء میں ملازم سرکار خزانچی اور میر منشی رجمنٹ زیر نگرانی جدا مجد بہ عنایت حکام فوجی قرار دئے گئے اور اُس وقت سے ۱۸۶۹ء تک فوج میں ملازم رہ کر فوج کے ہمراہ گشت میں رہے۔ ۱۸۶۹ء مقام چھاؤنی جہلم سے ملازمت ترک کر کے دہلی آ گئے۔ جہاں بحالت خانہ نشینی اکثر کتب مذہبی و تصوف جو انکی قلمی موجود ہیں اُن کی مصروفیت کا پتہ دیتی ہیں۔ ۱۸۷۱ء میں بعد پاس کرنے امتحان اکونٹنٹی وہ محکمہ ریلوے سرکاری میں ملازم ہوئے جہاں ۱۸۹۶ء تک ملازمت کے بعد پنشن یاب ہوئے۔ خدمات کے صلہ میں رائے بہادر کا خطاب اور خاص پنشن سے ۱۸۹۶ء میں ممتاز ہوئے تھے۔ ابتدائے عمر سے علمی و فلسفی کتب کا شوق تھا فلسفہ الوہیت یعنے اردو ترجمہ "سری مد بھگوت گیتا" کا جو مشہور اور معروف ہے۔ دورانِ ملازمت میں مرتب ہوا تھا۔ برہم ورشن گرنتھ ابتداً اردو میں تحریر کیا گیا تھا جس کو پنڈت دیناناتھ خلف اصغر رائے بہادر صاحب نے بزبان بھاشا تبدیل کیا ہے سری مد بھگوت گیتا طبع اول کا دیباچہ پنڈت موصوف کا تحریر کردہ تنبیہ الغافلین ہے اور عمدہ نمونہ زبان دہلی کا نثر میں ہے۔ مذاق کا کلام بہت پاکیزہ تھا ہزارہا اشعار۔ قطعات اور رباعیات اساتذہ کی ضمیر میں تھیں جو موقعہ موقعہ پر کام میں لائی جاتی تھیں۔ نظم تحریر کرنے کا اتفاق بہت کم ہوتا تھا خاص خاص اصحاب سے نظم میں اشارات چلتے تھے۔ مثلاً دیوان لالجی مل

جیپوری سے نظم میں خط وکتابت ہوتی تھی۔ ہندی بھاشا کی طرف رجحان زیادہ تھا۔جس قدر کلام دستیاب ہوسکا شامل کیا گیا ہے۔ ایک قلمی رسالہ اور ہے جو تلاش سے نہ مل سکا۔ موسیقی اور مذاق کلام نے پنڈت صاحب کو ہر بزم میں امتیاز کا پایہ دیا۔ تصوف نے اپنا قوی اثر اُن کے قلب پر ڈالا تھا۔ بعد پنشن لینے کے تمام وقت علمی مباحثہ اور مطالعہ کتب میں صرف ہوتا تھا۔ سنہ ۱۹۰۷ء ۱۴ جولائی کو بمقام دہلی سرگباس ہوے۔ کلام سے طبیعت کا رنگ بخوبی روشن ہے۔

چہ می پُرسی ز من چون کرد ہا از خود من دارا — نقاب افگندہ از ناز بر حسنِ جمال آرا
تراغیرِ تو کے بیند ترا غیرِ تو کے داند — تو خود در پردۂ من بودۂ بینا و ہم دانا
نہ ظاہر گفتنت آید نہ با من گفتنت شاید — دوئی این جا نمی گنجد کہ آمد خود بخود شیدا
شعاعِ مہر و مہ اینجا ندارد راہ گنجایش — نہ تابِ سوز آتش را نہ چشمک برق را یارا
چو روشن گشت شمعِ نورِ دانش اندرین مجلس — صبا از طرّہ افشاند دمادم عنبرِ سارا
مکانِ لامکان است این نشانِ بے نشان است این — نہ حرف است و نہ صوت اینجا نہ چون است و چرا اینجا
نہ مستوری نہ ہشیاری نہ مستی و نہ خود بینی — بہ یک مسطر ہویدا شد حدوث و ہم قدم آنجا

بگوشِ ہوش اگر شنوی ز بیجان این ندا آید
چو با جانان شدی محرم بدانی سرِّ جانان را

دریا میں جو موج ہو نمودار — کشتی سے ہو نا خدا خبردار
سفیدی پر جو خط کھینچا سیاہی ہو گئی پیدا — یہ صورت دیکھ کر دل سے ہوے معنی کے ہم شیدا
سویدا میں ہوئی صورت عیاں پنہاں ہے معنی — ہوا ظاہر کہ ہیں یہ صورت و معنی بہم پیدا
طے کرے راستہ سفر میں کوئی — فاصلہ جب کہ درمیاں ہووے
آپ ہی آپ میں ہے گھُل جانا — قُرب میں قُرب جب عیاں ہووے
ہے نشاں بے نشان کا ظاہر — بے نشاں جبکہ خود نشاں ہووے



پنڈت شام پرشاد گنجور۔ بیتاب

ایک عدد کو دو کر مانیں مورکھ پنڈت ایسے — ہم دونوں کو ایک بتاویں ایک ایک ہو جیسے
پردے میں سے کون پکارے ہر دم سمجھو بھیوا — آپے آپ بھیوا بناشی ہم ہی نرنجن دیوا
اکتائی کے باغ میں یارو دیکھو آنکھ مچولی — ترور پر سب پنچھی بیٹھے جب ہی آنکھیں کھولی
بلبل، مینا، طوطے، قمری بولیں اپنی بولی — ہنس کی بولی جو پہچانے وہ بولی انبولی
بید کتابیں پڑھ پڑھ پنڈت ایسا بھیا دیوانہ — بھولا بھٹکا بھٹک رہا ہے سار بید نہیں جانا
دھوئیں میں آکاش بنا کر وہاں ایک باغ لگاوے — دھواں تو ٹھہرن پاوے ناہیں سبھی نقش مٹ جاوے
اگنی کو پہچانے ناہیں جا میں دھواں نہ ہوئے — دھوئیں سے پہچانی اگنی بن دھواں نہیں کوئے
اگنی اندر اگنی باہر چاروں طرف کو پھیلے — اگنی ماہیں جو دھواں دیکھے چار طرف کو میلے
چھٹوں دِشا میں آپ سمایا — جت تت سوں میرے من بھایا
اندر باہر ڈھونڈت پھریا — ڈھونڈ تھکے نج آپا پایا

بیتاب - پنڈت شام پرشاد گنجور صاحب خلف اکبر پنڈت لالجی پرشاد صاحب تحصیلدار ریاست بھرتپور۔ اکبرآبادی۔

جناب ہمدم اکبرآبادی تحریر فرماتے ہیں کہ بیتاب صاحب جناب پنڈت بشمبھر ناتھ صاحب عرف صاحب مرحوم کے خویش ہیں۔ آپ کی تاریخ ولادت ساون بدی ماوس سمت ۱۹۲۸ ہے اور انسٹھواں سال چل رہا ہے۔ صاحب موصوف انگریزی اردو سے واقف ہیں۔ صغر سنی سے شوق شاعری ہے پہلے جناب شبیر حسین صاحب نسیم بھرتپوری کے شاگرد رشید ہوئے بعد ازاں استاد کے صلاح ومشورہ سے استاد الاستاد حضرت داغ دہلوی آنجہانی کے حلقہ تلمذ میں داخل ہوگئے۔ عرصہ دراز سے اس شوق کو ترک کر دیا ہے۔ آپ کا کلام بعض گلدستوں میں شائع ہو چکا ہے مگر کوئی بیاض موجود نہیں۔ کلام بہت مختصر ہے زیادہ تر غزلیں ہیں۔ ایک دو ساقی نامے دو تین مسدسات بھی لکھے ہیں۔

انداز بیان خوب ہے۔ آپ کا وہ مسدّس جو انکی بیتابانہ طبع نے بدھوا لواہ کے خلاف حضرت چکبست لکھنوی کے مشہور مسدّس کے جواب میں موزوں کیا تھا داد سخن حاصل کر چکا ہے۔ لباس مشرقی و مغربی دونوں مرغوب ہیں۔ روش آزادانہ اور شوخی بیتابانہ آپ کی پرستاریں ہیں۔ قومی درد اور حبِ وطن دل میں رکھتے ہیں وضعداری کے شیدا ہیں۔ پہلے ٹھیکہ داری کا شغل تھا اب مدت سے تجارت میں وارے نیارے کر رہے ہیں۔

غزلیات

دیکھئے کب وہ لائے ہیں تشریف — کام جب ہو چکا تمام مرا
ساقیا سر پہ ابر چھایا ہے — ہاں چھلکجائے اب تو جام مرا
ترے عاشق کا دم نکلتا ہے — اُس سے کہدے کوئی پیام مرا
جو کہ جھک کر سلام کرتے تھے — اب وہ لیتے نہیں سلام مرا
اک نہ اک دن تمہاری فرقت میں — کام ہو جائیگا تمام مرا
دل سے مجبور ہوں کہ ہے بیتاب — ورنہ ہے سب خیالِ خام مرا

دیگر

بمشکل دل سے آتے ہیں زباں تک — پہنچتے تھے جو نالے آسماں تک
نہ چھوڑینگے وفا کو حشر تک ہم — جفا تم بھی کرو چاہو جہاں تک
دعاؤں میں اثر کچھ آ چلا ہے — مرے نالے گئے ہیں آسماں تک
دمِ نظارہ آنکھیں ہو گئیں بند — مرے جاتے رہے تاب و تواں تک
دیا دل اُن کو تمنے اب تو بیتاب — اُٹھاؤ رنج و غم اُٹھیں جہاں تک

دیگر

عاشق ہم اس غرض سے دلِ مبتلا کے ہیں — انداز اسے پسند تمہاری جفا کے ہیں

غیروں کو تمنے مُنہ تو لگایا ہے دیکھنا
مطلب کے آشنا ہیں یہ ساتھی ہَوا کے ہیں

گھبرا کے غیر گھر سے تمھارے نہیں گیا
بگڑے ہوے حواس مرے نقشِ پا کے ہیں

پہنچا بھی میرا نالہ وہاں تک تو کیا حصول
مٹ جائینگے جو حرف مری مدعا کے ہیں

ہاتھوں میں رنگِ خون سہی جانے دیجئے
کیا آستین پر بھی یہ دھبے حنا کے ہیں

دیگر

اب ہجر میں جلتا ہے جگر دیکھتے جاؤ
للّٰلہ اِدھر ایک نظر دیکھتے جاؤ

جائیگی مری آہ رسا عرش بریں تک
آئیگا دعاؤں میں اثر دیکھتے جاؤ

یہ رشک ہے غیروں سے کہا اُسنے دمِ قتل
یوں کاٹ لیا کرتے ہیں سر دیکھتے جاؤ

میرے دلِ صد چاک پہ مرہم نہ لگانا
حسرت ہے فقط ایک نظر دیکھتے جاؤ

بیتاب مجھے کرکے خبر تک نہیں لیتے
کیا ظلم پہ باندھی ہے کمر دیکھتے جاؤ

دیگر

کس مصیبت میں پھنسی جان بڑی مشکل ہے
دم نکلتا ہے نہ ارمان بڑی مشکل ہے

صلح دشمن سے مری جان بڑی مشکل ہے
تم جسے سمجھے ہو آسان بڑی مشکل ہے

درد ہو۔ صدمۂ فرقت ہو۔ بلا ہو۔ غم ہو
پھر ٹھکانے رہیں اَوسان بڑی مشکل ہے

اپنے ہوتے تو میں سو طرح سے سمجھا لیتا
غیر ہیں اُن کے نگہبان بڑی مشکل ہے

جز خدا کون ہے ایسا ترا حامی **بیتاب**
تری مشکل کرے آسان بڑی مشکل ہے

دیگر

اُنکی زلفوں میں دل پھنسا بیٹھے
جان کو روگ کیا لگا بیٹھے

آے چپ چپ۔ خفا خفا بیٹھے
آپ کیا آے اور کیا بیٹھے

قاصدو جلد لوٹ آنا تھا
تم تو ایسے گئے کہ جا بیٹھے

کوستے ہیں رقیب کو دل میں
دے رہے ہیں تمھیں دعا بیٹھے

کون کل پی رہا تھا غیروں میں — آج تم بن کے پارسا بیٹھے
نہ تو واعظ شراب ہے نہ کباب — ایسی محفل میں کوئی کیا بیٹھے
ہو گئے رنج در کنار تمام — ہنس کے پہلو میں جب وہ آ بیٹھے
دمِ آخر ہماری بالیں پر — تم نے اچھا کیا جو آ بیٹھے
خوب بیتاب مل گیا موقع
حال دل سب انھیں سُنا بیٹھے

غیر سے دل لگائیے تو سہی — جھوٹ سچ آزمائیے تو سہی
سر بکف میں بھی ہوں رقیب بھی ہے — آپ مقتل میں آئیے تو سہی
کچھ تو ہو گی تسلّیِ ارماں — خاک ہی میں ملائیے تو سہی
خون میرا ہے میری گردن پر — آپ تیغ آزمائیے تو سہی
آج کیوں چپ ہو کیا ہوا بیتاب — حالِ دل کچھ سُنائیے تو سہی

تمھارے ہجر میں شب بھر تو جانکنی ہو گی — تڑپ تڑپ کے کہیں صبح جان دی ہو گی
ہمیں کرینگے جو کچھ ہم سے ہو سکی زاہد — اناڑیوں سے نہ جنّت میں میکشی ہو گی
کسی کا بعد فنا کون ساتھ دیتا ہے — شریکِ حال جو ہو گی تو بے کسی ہو گی
دوائیں کھانے سے فرصت نہیں تمھیں بیتاب
پھر ایسے حال میں کیا خاک شاعری ہو گی

کبھی بھولے سے جو میری طرف وہ آ نکلتا ہے — خوشی میں دل تو کیا آنسوں کلیجہ تک اُچھلتا ہے
ترے ہمراہ میں ہوں میرا دل ہے میرے ارماں ہیں — عبث تو ساتھ لیکر غیر کو باہر نکلتا ہے
وہ ایسا چڑھ گیا ہے آجکل بھڑ دل پہ غیروں کے — مری صورت سے نفرت ہے مرے سایہ سے جلتا ہے
گرہ سے نیری کیا جاتا ہے زاہد کیوں سے تو ملنے — مَیں اپنے دام کی پیتا ہوں تیرا دم نکلتا ہے
کبھی بیتاب کو دیکھا نہیں تم نے تعجب ہے — یہ اُسکا راستہ ہے اس طرف اکثر نکلتا ہے



پنڈت درگا پرشاد مشران۔ بیخود

اشعار متفرق

مَیکدہ پاک ہے ایسا کہ جنابِ واعظ — رہن دستارِ فضیلت کو یہاں رکھتے ہیں

اُنکی اُلفت کے صلہ میں نہ ملا کچھ **بیتاب** — فقط اک داغ کلیجہ پہ نشاں رکھتے ہیں

دل کی کشش نے اُنکو بھی **بیتاب** کردیا — نکلا نہ غیر کا کوئی ارماں تمام رات

بیخود - پنڈت درگا پرشاد مشراں صاحب لکھنوی خلف پنڈت شمبھوناتھ مشران صاحب ـــ حضرت بیخود نہایت خلیق۔ یار باش اور شاعر شیریں بیان تھے۔ آپ اضلاع اودھ میں ڈپٹی کلکٹر رہے اور اسی عہدہ سے مستفید پنشن ہوئے۔

آپ کے صاحبزادے پنڈت بشمبر ناتھ مشراں تھے آپ کے نبیرہ پنڈت شام ناتھ مشراں ایم۔ اے بیرسٹرایٹ لا۔ اسسٹنٹ سولیسٹر جنرل گورنمنٹ آف انڈیا کے عہدہ جلیلہ پر ممتاز ہیں۔ جناب بیخود نے ۱۸۹۷ء میں وفات پائی۔

قیدِ ہستی سے ترے بندے کہیں آزاد ہوں — یاد پر بھولے ہیں تیری کاش بھولے یاد ہوں

خود پھنسے بے دام ہم کیا شاکیِ صیاد ہوں — بندۂ اُلفت ہوئے ہیں کس طرح آزاد ہوں

تیری خاطر مٹ گئے ہیں نقش باطل کیطرح — تیری خاطر سے مٹے ہوں یا تجھے کچھ یاد ہوں

جب ہوئے پیدا تو روئے غم رہا تا مرگ ساتھ — عمر بھر وہ عیب کب چھوٹیں جو مادر زاد ہوں

راستی سے رہ تو وارستہ جہاں میں باغ باغ — بیخزاں رہتے ہیں مثلِ سرو جو آزاد ہوں

جوش پر بحرِ لطافت ہے شباب آنے کو ہے — موجزن ہے حسن کا دریا حباب آنے کو ہے

یاں ہے پیری واں لڑکپن دیکھئے قسمت کا کھیل — انکو ہے ذوقِ سخن اور مجھکو خواب آنے کو ہے

وقت آخر آئے وہ قسمت کھُلی آنکھیں ہیں بند — بخت جاگا ہی تو کب۔ جب مجھکو خواب آنے کو ہے

بیخودا جنت میں چل۔ لے حور۔ مینا۔ مے مدام
تیری خاطر واں طہورا کی شراب آنے کو ہے

آرزوے یار بودہ وصل دوست — داشت دردل دردِ ہجر و فصل دوست
چوں بحق پیوست تربھون ناتھ ہجر — گفت بیخود ہجر را شد وصل دوست

جب دُختر نور دیدہ مر جائے
دنیا کیا خاک پھر نظر آئے

زمیں پر دل جلا کر چل نہ ہرگز شادماں ہوکر — کہیں لائے نہ چکّر دود خاطر آسماں ہوکر
خدایا دے شرف بندے کو اپنے مہرباں ہوکر — حقیقی عشق ہو حاصل مجھے عشقِ بتاں ہوکر
ہوا گر دور آنکھوں سے تو ہے نزدیک تر دل سے — سمایا ہے تنِ عاشق میں تو معشوق جاں ہوکر
صبا بھڑکا کے گر اُس شعلہ رو کو لائی گلشن میں — جلیں بُلبل اُڑے رنگِ گلِ آتش دھواں ہوکر
ثنا کو لکھ سکے لوح و قلم میں کس کی طاقت ہے — یہ بندہ عجز سے قائل نہ ہو کیونکر زباں ہوکر
پئے دیدِ تجلّی مہر و مہ ابتک ہیں سرگرداں — ترے در تک نہیں پہنچے ابھی سارا جہاں ہوکر
گُنہ سے بھر گئی بیخود کی لے بحرِ کرم کشتی — لگادے پار رحمت پار بیڑا بادباں ہوکر

عجب بیخود کیا ہے مجھکو تو نے بے مے و مینا
پئے تعظیم جُھک جاتے ہیں یاں پیر مغاں ہوکر

نام اسکا لیکے پیتا ہوں جامِ شراب کو — شاہد بنا لیا ہے مہ و آفتاب کو
پچھلے سبق کو چھوڑ دو لا درسِ عشق لے — واعظ سے کہہ کہ طاق پہ رکھدے کتاب کو
قیدِ حیات تک رہا پابندِ نیک و بد — تعزیرِ عمر سمجھا ثواب و عذاب کو
پُر درد دل ہے میرا غمدیدہ دیدہ ہے — رو دیتا ہوں میں دیکھ کے چشمِ پُر آب کو

بیخود کہیں نہ کیوں مجھے ہنگام کیف مے
مینا پکار اُٹھتا ہوں جامِ شراب کو

یاسمن تن سرو قد غنچہ دہانے داشتم — گلرخے پیشِ نظر چون گلستانے داشتم
میزبان بودم زمانے میہمانے داشتم — در مکانِ این تنِ دل خستہ جانے داشتم
جاے او در دل و در دِل زمانے داشتم — لامکان را جاے در دل ہمچو جانے داشتم

راز دل ظاہر نہ کردم با گلے در باغِ دہر ہمچو نرگس دیدہ چون سوسن زبانے داشتم
بر زمین افتادہ کے دانستمے انجام کار کز پئے این بخت واژون آسمانے داشتم
منزلِ مقصود را نگرفتہ یارانِ طریق رہ غلط کردیم ہمرہ کاروانے داشتم
دوست با من بود ساغر ساقیِ مہ رو مدام مہر ور دل داشت ۔ بینا مہربانے داشتم

بیخودِ خاطر حزین از لوحِ ہستی محو شد
بہرِ نامِ نقشِ باطل این نشانے داشتم

تاریخ وفات پنڈت شیو کشن صاحب زبورا زدان عاشق

در جہان شد بے سخن یارِ سخن راز دان و واقفِ کارِ سخن
طوطیِ کشمیر از ہندوستان عندلیب نخلِ گلزارِ سخن
رفت پنڈت شیو کشن تا سوئے خلد عذر لنگ آمد بر فتارِ سخن
نُطق ناطق از تکلّم باز ماند بر زبانش بود گفتارِ سخن
جوہریِ جوہرِ عرضِ عروض رفت و کاسد کرد بازارِ سخن
کلمۂ حق داد سر ۔ تا داد سر داد تا جان آن وفادارِ سخن
وہ چہا از ناخنِ فکرش کشاد عقدہ ہائے بستۂ کارِ سخن
از فضیلت جامہ زیبِ سر بسر دست قدرت بستہ دستارِ سخن
شہسوارِ ابلقِ علم و ہنر خوش عنانِ بادر فتارِ سخن
تیز رانِ ادہم از جولانِ طبع فارسِ رہوارِ مضمارِ سخن
قوّتِ عطف عنانِ نظم و نثر داشت در کف بہرِ اظہارِ سخن
قاطعِ بُرہانِ باطن از زبان سَیف سان ہنگامِ پیکارِ سخن
جملہ معنی و بیان و حرف ازو برگ و بیخ و شاخ و اشجارِ سخن
از صفاتِ خوش بیانی تر زبان تازہ و سرسبز گلزارِ سخن

کرد رحلت عالمے از عالمے دور گشتہ پند و پندارِ سخن
چون نگر ید خون سخن بیخودِ حزین در فراقِ دوست غمخوارِ سخن
شد سوالِ بیخود از سالِ وصال گفت خامش دل بہ اصرارِ سخن
دہ ہزار و ہشت صد ہشتاد و ہفت مُرد مردے عاشقِ زارِ سخن
۶ ۱ ۸ ۸ ۷

تضمین

دلِ دیوانہ سی اُڑتی ہے پریشاں سر پر کیوں اُلجھتی ہے تری کاکلِ پیچاں سر پر
مُنہ لگی پائی ہے جا اُسنے جو لے جاں سر پر بل کیا کرتی ہے عشّاق سے جاناں سر پر

چڑھ گئی ہے بہت اب زلفِ پریشاں سر پر

پھر بہار آئی چمن میں کہ مصیبت آئی تازگیِ گلِ پژمردہ کی نوبت آئی
شورِ محشر ہے بپا پھر وہی آفت آئی فصلِ گل آئی جنوں میں کہ قیامت آئی

عندلیبوں نے اُٹھایا ہے گلستاں سر پر

مَیں کہوں گا مرے کہنے کا نہ تم مانو بُرا بارِ احسان تو کا ہیں لینا اچھا
ایڑی چوٹی سے اُتار و اُسے تم بہر خدا ڈالو چوٹی میں نہ مو بافت کسی کا بھیجا

پاؤں پڑتا ہوں نہ لو غیر کا احساں سر پر

کاخِ تن خاک ہے کیوں اس سے نہ پھر نسبت ہو خاکساری سے ملا خاک میں ناک
خاک کا پُتلا ہوں دیکھے تو مری صورت کو خاک کے ڈھیر کا ہوتا ہے گمار

ہے یہاں تک تو پڑی خاکِ بیاباں سر پر

خواب میں ملنے جو کل ماہ شبینہ آیا پہلو پہلو سے ملا سینہ بہ سینہ آیا
کھُل گئی آنکھ فلک بر سرِ کینہ آیا نالے ایسے کئے میں نے کہ پسینہ آیا

شانۂ خاطرِ صد چاک سے ہر آں سر پر

آدم ایسے ہوے کیا زیرِ نگیں جن کے نہ تھا انس و حیوان و پری جن میں تھا جنکا چرچا

پھر زر و مال کے بدلے اُنھیں تابوت ملا　　پائداری نہیں کچھ دولتِ دنیا کو ولا
لے گیا تخت اُٹھا کر نہ سلیماں سر پر

ہائے کیا حالتِ دیوانگی یار اپنی کہوں　　دیکھ میرا سر و پا تو ہی سمجھ خوب و زبوں
فرق کیا ہے مری حالت میں بحالِ مجنوں　　کانٹے تلووں میں مرے فرق پہ ہے داغِ جنوں
پاؤں میں دامنِ صحرا ہے گلستاں سر پر

سونے دے سو گیا گر خون کا پیاسا صیاد　　دم غنیمت سمجھ اب دیکھ نہ کرنا فریاد
فتنہ بیدار نہ کر بہر خدا رکھنا یاد　　ذبح کر ڈالیگا گر نیند سے چونکا صیاد
کیوں قضا کھیلتی ہے بُلبلِ نالاں سر پر

کیا کہوں غصہ میں بندہ کی نہیں سنتے ہیں　　جب ہوئے بُت تو خدا کی وہ نہیں سنتے ہیں
ہٹ میں آتے ہیں تو آدم کی نہیں سنتے ہیں　　آدمی کیا ہے فرشتہ کی نہیں سنتے ہیں
بھوت بن جاتے ہیں چڑھتا ہے جو شیطاں سر پر

خواب تھا کل کا سماں آہ جو تھا دور میں جام　　آج مطرب ہے نہ ساقی ہے نہ مینا و مُدام
کیا پڑا خواب میں بیخود ہے ذرا سوچ انجام　　سو چکا چین سے اب چیت اماں سرِ شام
دن گیا وصل کا آئی شبِ ہجراں سر پر

تضمین دیگر

وصل میں کیا تھی جو کاوٹ کیا رُکھائی آپ کی　　آرزو نکلی تمنا اب بر آئی آپ کی
ہو کے بیخود بھی نہ صورت دیکھ پائی آپ کی　　باعثِ وحشت ہوئی بے اعتنائی آپ کی
ٹھنکے چُنوانے لگی آخر جُدائی آپ کی

قتل منظورِ نظر ہے اک اشارہ کیجئے　　جاں ہے حاضر لیجئے مشکورِ منت کیجئے
زحمتِ جور و جفا کیوں اپنے ذمہ لیجئے　　خود گلا کاٹوں مجھے خنجر عنایت کیجئے
دیکھئے دُکھ جائیگی نازک کلائی آپ کی

جاں نکل جائے تو نکلے دل سے تیری چال ڈھال | عین الفت کی لگاوٹ سے غضب کی دیکھ بھال
کچھ محبت کی نظر غصہ سے کچھ وہ بول چال | آپ کی باتوں کا رہتا ہے مجھے ہر دم خیال
جب کوئی بولا صدا کانوں میں آئی آپ کی

ہم جو الفت سے بھی کچھ کہتے تھے تم دیتے تھے ٹال | اب تو ملنا بھی تمہارا ہو گیا امرِ محال
اب کہو کس سے کہوں میں اپنے دردِ دل کا حال | آپ کی باتوں کا رہتا ہے مجھے ہر دم خیال
جب کوئی بولا صدا کانوں میں آئی آپ کی

رات تھی یا تھی قضا سر پر کٹی فرقت کی رات | دم رہا آنکھوں میں مر مر کر کٹی فرقت کی رات
زندگی بھر اپنی رو رو کر کٹی فرقت کی رات | آپ کی جانے بلا کیونکر کٹی فرقت کی رات
دل تڑپ کر رہ گیا جب یاد آئی آپ کی

یاد تیری میں کیا کرتا ہوں نیند آتی نہیں | اشک رو رو کر پیا کرتا ہوں نیند آتی نہیں
جاں بلب ہوں گو جیا کرتا ہوں نیند آتی نہیں | کروٹیں شب بھر لیا کرتا ہوں نیند آتی نہیں
رات بھر بیتاب رکھتی ہے جدائی آپ کی

دیدۂ و دانستہ پہلے خود لبھایا جان کو | جب ہوا غائب نظر سے پھر نہ پایا جان کو
جان کے اس جال میں ہمنے پھنسایا جان کو | بیٹھے بیٹھے روگ الفت کا لگایا جان کو
کیوں نہ ان آنکھوں نے پھر صورت دکھائی آپ کی

مان لو بیخود کا کہنا چھوڑ دو اس ہٹ کو تمہیں | کب ملے گا لامکاں جا کر نہ تم بھٹکو کہیں
دربدر گھومو نہ چھو پاؤ گے چوکھٹ کو کہیں | جان دیدو یا پسِ دیوار سر پٹکو کہیں
اُس کے کوٹھے تک نہ ہوگی اب رسائی آپ کی

بیخود پنڈت مست رام صاحب۔ تذکرہ چمنستان کشمیر میں بجز ذیل کے تین شعروں کے اور کچھ حال درج نہ تھا۔

شبے کز مہر ماہِ عارضے چوں شمع در گیرم | فروزم مشعلِ آہے و شب را تا سحر گیرم

چو در تحریر وصفِ لعل شیرین شکر ریزم ورق از برگ گل آرم قلم از نیشکر گیرم
بدُر سفتن چو آمد لعل شیرانی به ایثارش ہزاران لعل و یاقوتِ تر از کانِ جگر گیرم

بیخود۔ پنڈت سومناتھ مبعی صاحب۔ لکھنوی خلف پنڈت سنگم لال مبعی صاحب

جناب بیخود فارسی کے عالم متبحر تھے اور عربی میں دستگاہ کامل رکھتے تھے۔ فرنگی محل کے عالم و فاضل مشہور عالم ہیں وہاں کے امتحان میں جب بیخود شریک ہوئے تو ممتحنوں نے آپ کی قابلیت کا اندازہ کرکے کہا کہ اگر آپ مسلمان ہوتے تو دستارِ فضیلت آپ کے سر پر ہوتی۔ اس سے یہ قیاس ہوتا ہے کہ شاید اس زمانہ میں قواعد تعلیم فرنگی محل اہل ہنود کے سر پر دستار فضیلت باندھنے کے خلاف تھے۔ اضلاع اودھ میں آپ تحصیلدار رہے اور حکام ضلع آپ کی لیاقت اور حسن کارگذاری کے ہمیشہ مداح رہے۔ ہنوز مستفید پنشن ہونے کا زمانہ دور تھا کہ آپ سخت علیل ہو کر بمقام لکھنؤ اپنے وطن میں رہ گرائے ملک بقا ہوئے

ایک شعر آپ کا لکھنؤ میں مشہور تھا دیکھئے مسئلہ تناسخ کو کس عمدہ پیرایہ میں ظاہر کیا ہے۔

بہ خوفِ ہجر و امیدِ وصال۔ جان زتنم ہزار بار برفت و ہزار بار آمد

پنڈت سومناتھ صاحب مبعی نے ایک قصیدہ عرفی کے ایک مشہور قصیدہ کے بحر میں کہا تھا اس کے دو شعر ابتک یادگار ہیں واقعی لاجواب ہیں عرفی کے قصیدہ کا مطلع ہے

صبحدم چون در دمد دل صور شیون زرا من آسمان صحنِ قیامت گرد داز غوغاے من

پنڈت صاحب نے اس مطلع کے جوڑ پر کیا خوب مطلع کہا ہے ؎

بسکہ حسرت می چکد از نالۂ آوائے من بزم محشر صحن خاموشان شد از غوغاے من

اور دوسرا شعر تو اس پایہ کا ہے کہ اس کا جواب عرفی کے قصیدہ میں بمشکل ملے گا

ہمتتِ والا یم از کون و مکان بگذشتہ است بر فضاے لامکان پر می زند عنقاے من
در بیابانِ جنون از بسکہ باشم گرم خیز شعلہ می خیزد بجاے گرد از صحراے من

کیا بلند پروازی اور معنی آفرینی کی داد دی ہے اگر صفائی بندش اور پاکیزگی زبان کو دیکھو تو معلوم ہوتا ہے کہ کسی ایران نژاد کی فارسی ہے اسی طرح پنڈت صاحب نے ایک مشہور شعر پر مصرعے لگائے ہیں ؎

ساقیا چون بطِ مے چند در آئی بخروش   کہ بیا در چمنِ خُلد و مۓ کوثر نوش
گرچہ او خود ہمہ نوش ست ولیکن من دوش   کردہ ام توبہ بدستِ صنمِ بادہ فروش
کہ دگر مے نخورم بے کفِ بزم آرائے

پنڈت پران ناتھ صاحب سابق پرنسپل مہاراج کالج گوالیار نے تحریر فرمایا ہے کہ مرحوم کی جودتِ طبع کی ایک خاص شہرت تھی اور علاوہ شاعر شیوا بیان ہونے کے علم ہندسہ کے مشکل حسابات زبانی حل کر دیتے تھے۔

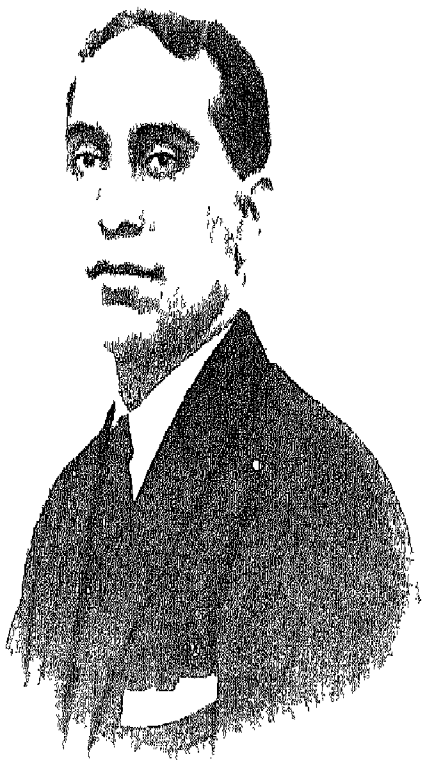
مخمس بر غزل آصفی

سازِ مرآت رخے دیدۂ حیرانے را   بمطرحِ نورِ جمالے بنما جانے را
غیرتِ بتکدہ کن کعبۂ ایمانے را   ساز آباد خدایا دلِ ویرانے را
یا مدہ مہرِ بتان ہیچ مسلمانے را

اے ز لطفِ تو ہر امید ہم آغوشِ حصول   ہر گہر از کرم وجودِ تو جیبِ مامول
چون صدف لب چہ کشایم پئے اظہارِ وصول   میتوانی کہ دہی اشکِ مرا رنگ قبول
تو کہ دُر ساختۂ قطرۂ بارانے را

اے کہ صافی کنی از زنگِ شبِ آئینۂ روز   بہ جفا پیشہ بتان حرفِ وفا ہم آموز
بتجلیت کہ بر وگُل شدہ نارِ جانسوز   چہرۂ لالہ رخان بہر عتابم مفروز
برمن آتشکدہ مپسند گلستانے را

گرچہ باشد ہمہ رہ بر وہم تیغ بران   غم نہ باشد کہ کند لطف تو مشکل آسان
شوم از تیرگیِ بختِ سیہ چون نالان   گر شود برقِ کرم شمع رہِ گرم روان



پنڈت کیلاس نراین کول۔ بیدل

بہ شبِ قطع توان کرد بیابانے را

تا بہ کے چرخ نہ با سوختہ جانان سازی　　خستگان را ہدفِ ناوکِ حرمان سازی
دود آہِ دلِ ما چند پریشان سازی　　روزِ ما تیرہ زخطِ لبِ جانان سازی

روزیِ خضر کنی چشمۂ حیوانے را

داغِ دل خونست بہ شوقِ خلشِ مژگانے　　زخم لب می مکد از ذوقِ نمک افشانے
وائے گر دردِ تو جان راند ہد درمانے　　تو کہ تن را سر و سر را نہ دہی سامانے

سر و سامان کہ دہد بے سر و سامانے را

ایکہ پاک است ز ترکیب وجود و آلات　　وحدتِ ذاتِ تو کثرت نگزیند ز صفات
چون فصیحی چو رسول آمدہ عاجز بہ ثبات　　آصفی کیست کہ توحیدِ تو گوید ہیہات

حدِّ وصفت نبود ہیچ سخنداںے را

بیدل۔ پنڈت کیلاس نراین کول صاحب خلف پنڈت شیونراین صاحب کول بی۔اے۔ ایل۔ایل۔بی ایڈوکیٹ مقیم مظفر نگر۔

آپ کے بزرگوں کا وطن دہلی ہے۔ آپ کے والد پنڈت شیونراین صاحب کول مُہرلالی دتّاتریہ پنجاب میں اسپیشل منیجر کورٹ آف وارڈس تھے اور کچھ عرصہ تک پنجاب چیف کورٹ میں سرکاری مترجم انگریزی زبان کے رہے۔ بعدہٗ ضلع لدھیانہ کی ایک ریاست ملوّد میں چیف منسٹری کے فرائض انجام دئے۔ وہاں سے سبکدوش ہوکر قریب ساٹھ سال کی عمر میں اپنے وطن دہلی میں واپس آکر قیام پذیر ہوئے۔ بیدلؔ کی پیدایش ۱۸۹۰ء میں بمقام دہلی ہوئی۔ آپ کی عمر سات آٹھ سال ہی کی تھی کہ آپ کے والد کو ایک نوجوان سردار کا (جن کی ریاست ضلع امرتسر میں تھی) اتالیق مقرر ہو کر جانا پڑا۔ اس سلسلۂ ملازمت کی وجہ سے بیدلؔ کی زندگی کے چار سال ایک گاؤں میں گذرے۔ جہاں بجز معمولی تعلیم انگریزی و فارسی کے اور کچھ حاصل نہ ہو سکا چونکہ

آپ کی تعلیم کا زمانہ ضائع ہوتا تھا آپ کے والد ملازمت سے کنارہ کش ہو کر ۱۹۰۹ء میں دہلی تشریف لے آئے اور وہاں آپ کو مدرسہ میں داخل کرانا چاہا مگر مدرسہ والوں نے آپ کو چوتھی جماعت میں بھی داخل کرنے میں تامّل کیا۔ مجبوراً آپ کے والد مرحوم تمام دنیاوی کاروبار سے قطعی کنارہ کشی اختیار کر کے ہمہ تن آپ کی تعلیم و تربیت میں بذات خود محو و مصروف ہوئے۔ ۱۹۱۲ء میں جب آپ نے اپنی عمر کا پندرھواں سال بھی ختم نہیں کیا تھا کہ آپ بحیثیت پرائیویٹ اسٹوڈنٹ میٹریکیولیشن کے امتحان میں شریک ہوئے اور اوّل ڈویژن میں آپ نے کامیابی حاصل کی۔ اس کے بعد مشن کالج دہلی میں داخل ہو کر ۱۹۱۷ء میں بی۔ اے کی ڈگری سیکنڈ ڈویژن میں لی۔ چونکہ آپ کے والد بزرگوار کو قانون سے ایک خاص دلچسپی تھی لہذا حسب خواہش اُن کے آپ نے آگرہ کالج کے لا کلاس میں داخل ہو کر ۱۹۱۸ء میں پریویس لا کا امتحان پاس کیا۔ لیکن اُسی سال بوجہ انتقال کرنے اپنے والد کے کالج چھوڑنا پڑا اور پھر ۱۹۲۱ء میں فائینل ایل۔ ایل۔ بی کے امتحان میں آپ کامیاب ہوئے اور آگرہ ہی میں آپ نے وکالت شروع کی۔ چند ماہ نہ ہوئے تھے کہ آپ کے خُسر پنڈت نرنجن ناتھ صاحب آغا نے جو اُسی زمانہ میں ڈپٹی کلکٹری سے مستفید پنشن ہوئے تھے اپنی خواہش ظاہر کی کہ آپ مظفر نگر میں جہاں وہ خود بھی سکونت اختیار کرنا چاہتے تھے وکالت شروع کریں۔ چنانچہ آپ نے پنڈت صاحب موصوف کی تعمیل ارشاد کو فرض سمجھ کر مظفر نگر میں آ کر مستقل طور پر قیام کیا اور اب آپ وہاں کے سر برآوردہ وکلا میں شمار کئے جاتے ہیں۔ مظفر نگر میں آپ کا مذاق سخن ایسا مقبول عام ہوا کہ سالانہ نمایش ضلع کی کمیٹی نے بصدارت صاحب کلکٹر بہادر آپ کو مشاعرہ نمائش کا سکرٹری منتخب کیا اور اب تک آپ اُس خدمت کو انجام دے رہے ہیں۔ مشاعرہ کے ساتھ ساتھ ہندی کوی سمیلن کی بھی آپ نے بُنیاد ڈالی اور ۱۹۲۸ء میں مشاعرہ نمائش کو

وسعت دے کر آل انڈیا مشاعرہ کا جلسہ ایک اعلےٰ پیمانہ پر منعقد کیا جس میں اکثر نامی شعرائے ملک نے حصہ لیا۔ شاعری کا شوق آپ کو اوائل عمر ہی سے تھا مگر اپنے والد بزرگوار کی ناراضگی کے خوف سے اُس کے اظہار کی جرات کبھی نہیں ہوئی۔ ۱۹۱۱ء میں جب آپ نویں جماعت کے کتابوں کا مطالعہ قریب قریب ختم کر چکے تھے ایک عجیب واقعہ پیش آیا جس کا ذکر اس موقع پر خالی از لطف نہ ہوگا۔ آپ کے والد نے آپ کو فارسی کا کچھ سبق یاد کرنے کو دیا۔ یاد کرتے کرتے آپ کے ذہن میں ایک لطیفہ آیا جس کو آپ نے نظم کر کے ایک پرچہ کاغذ پر لکھ لیا۔ اتفاق سے وہ پرچہ اُسی کتاب میں رہا اور آپ کو نیند آگئی۔ تھوڑی دیر بعد آپ کے والد نے آکر آپ کو جگایا اور اُس پرچہ کو دیکھ کر ظاہرا اظہار ناراضگی فرمایا اور اُس کو اپنے کیش بکس میں مقفّل کر دیا۔ اگلے سال جب آپ نے امتحان انٹرینس میں نمایاں کامیابی حاصل کی تو آپ کے والد کو یہ اطمینان ہوا کہ ذوق شاعری نے لڑکے پر کوئی خراب اثر نہیں ڈالا ہے۔ ۱۹۱۴ء میں آپ کی ایک نظم جو کالج میگزین میں شائع ہوئی تھی آپ کے والد کی نظر سے گذری اور اُن کو دیکھ کر انھوں نے مصرعہ جات ذیل دے کر آپ سے کہا کہ اچھا ان مصرعوں پر گرہ لگاؤ:۔

(۱) فصلِ خزاں کہیں ہے کہیں پر بہار ہے

(۲) چلا وہ تیر کی صورت کھنچا کماں کی طرح

چنانچہ تھوڑی دیر کی فکر کے بعد آپ نے دونوں مکمل شعر اس طرح پر عرض کئے

(۱) پژمردہ آرزوئیں ہیں سرسبز داغ دل — فصلِ خزاں کہیں ہے کہیں پر بہار ہے

(۲) نشانہ باندھ کے عاشق کے دل کا بہرِ نگاہ — چلا وہ تیر کی صورت کھنچا کماں کی طرح

اشعار بالا کو سن کر پنڈت صاحب مرحوم خوش ہوئے اور ایک روز انھوں نے جناب پنڈت امرناتھ صاحب مدن ساحر دہلوی سے فرمایا کہ لڑکا کچھ مذاق شاعری

رکھتا ہے اُس کو اپنی شاگردی کا فخر دیجئے۔ چنانچہ بیدلؔ اُس روز سے ایک فاضل اجل اور مستند شاعر وادیب کے زمرۂ تلامذہ میں داخل ہوئے اور شفیق استاد کی فیضِ صحبت سے بہرۂ وافی حاصل کیا۔ حضرت ساحرؔ دہلوی نے ایک ماہواری مشاعرہ کی بنیاد دہلی میں ڈالی اور ۱۹۱۶ء کے ایک مشاعرہ میں جو غزل "آستاں ہے آج" کی زمین میں بیدلؔ نے پڑھی تھی وہ آگے چل کر ناظرین والاتمکین کے نظر سے گذرے گی۔ حضرت بیدلؔ فرماتے ہیں کہ شاعری میں شروع سے اُن کا یہ اصول رہا ہے کہ شاعری کی قدیم وضع کو بالکل ترک نہ کیا جائے بلکہ اُسی میں جدید شاعری کی جھلک دکھا کر ایک دلچسپ پیرایہ پیدا کیا جائے۔ فارسی کی پیچیدہ ترکیبوں سے حتی الوسع آپ کو اجتناب ہے اور عام فہم سلیس اُردو لکھنے کا آپ کو خاص شوق ہے۔

دیدۂ دل وا ہوا اور قرب حاصل ہو گیا — بیخودی میں راستہ ہی مجھکو منزل ہو گیا
قبر میں جا کر سکونِ قلب حاصل ہو گیا — ختم جب افسانۂ بیتابیِ دل ہو گیا
کس سے پوچھیں حال ہم دیدِ جمالِ حسن کا — جس نے دیکھا تجھکو وہ خود تجھ میں شامل ہو گیا
شرحِ روزِ حشر۔ زاہد۔ میں بتاؤں۔ مجھسے پوچھ — جذب رنگِ اصلیت ہر نقش باطل ہو گیا
تابِ نظارہ نہ دی۔ نورِ جمالِ برق نے — دید میں اور مجھ میں خود اظہار حائل ہو گیا

کوچۂ عشق وفنا میں جب رکھا میں نے قدم
خود سے بیخود ہو گیا اور دل سے بیدل ہو گیا

ضعف سے اب میں دعاؤں کے بھی قابل نہ رہا — بارِ احسانِ اثر کا متحمّل نہ رہا
مطرب جوشِ جنوں کھینچتا ہے تار اسکے — لَے کا پابند جو یہ سازِ رگِ دل نہ رہا
دستگیرِ دلِ مایوس کوئی ہو تو کہوں — ضعف سے در دبھی اب اُٹھنے کے قابل نہ رہا
روح پہنچی عدم آباد بہ یک چشم زدن — وہ سبک رو ہوں کہ آوارۂ منزل نہ رہا
میں اِدھر اور وہ اُدھر مرگ تھی حدِّ فاصل — میرے اُٹھ جانے سے وہ پردۂ حائل نہ رہا

وسعتِ کون ومکاں تنگیِ زنداں سمجھا — تیرا دیوانہ جو پابندِ سلاسل نہ رہا

پیدائش وفنا کا سب راز کھل گیا تھا — ہر نقش مجھکو رنگِ نیرنگیِ بقا تھا

مانا اسیر تھے ہم منہ کس نے سی دیا تھا — در بند تھا قفس کا۔ فریاد کا تو وا تھا

اس شوق کا برا ہو بڑھ بڑھ کے روکتا تھا — اُن سے نہ کہہ سکا میں جو دل کا مدعا تھا

کچھ ابتدائے الفت کی انتہا نہ پوچھو — آسانیوں کا بڑھنا مشکل کا سامنا تھا

معذوریِ اسیری اس کا سبب بتا دے — آہوں نے کیوں کمی کی گر نالہ نارسا تھا

تسکین دل تھی اپنی اک مرگ کا مژدہ — ارماں تڑپ تڑپ کر خاموش ہو گیا تھا

وحشت الجھ رہی تھی اک چادرِ کفن میں — یعنے جنازہ تیرے مجنوں کا جا رہا تھا

کیوں فکرمند ہو تم آہ و بکا سے میری — منت کشِ اثر کب نالہ مرا ہوا تھا

آیا نہ تھا جو قاصد اک آس تو بندھی تھی
اب کیا بتاؤں بیدل نامہ میں کیا لکھا تھا

کہاں اے پنجۂ وحشت ٹھکانا اب رگِ جاں کا — نشاں ہے میرے دامن کی جگہ کچھ کچھ گریباں کا

مسیحائی کا دم بھرتے ہو مُردوں کو جلاتے ہو — مداوا کچھ نہیں آتا تمھیں بیمارِ ہجراں کا

دلِ ویرانہ کو وحشت مری صحرا میں لے نکلی — نیا ہے آج نظارہ بیاباں میں بیاباں کا

بگڑتے ہیں بگڑ کر اپنے منہ کو پھیر لیتے ہیں — گماں ہے آئینہ پر اُن کو میری چشمِ حیراں کا

تمھاری بزم میں گو ہوں مگر تم سیر کے دل میں ہو — تماشا ہے کہ خود مہمان میں ہوں اپنے مہماں کا

رہِ الفت میں کھو بیٹھا حواس و ہوش و دل اپنا
پتہ کیا خاک ڈھونڈیں بیدلِ گم کردہ ساماں کا

بالا بلند حوصلۂ عز و شاں ہے آج — نازآفریں چمن میں وہ سروِ رواں ہے آج

معمورِ عکسِ روئے نگاریں ہے جامِ دل — آئینہ خانہ غیرتِ صد گلستاں ہے آج

کل چشمِ دل سے پردۂ غفلت جو اُٹھ گیا — اک مشتِ خاک تاجِ سرِ آسماں ہے آج

حسنِ بتاں سے جلوۂ حق آشکار ہے — ہر بتکدہ میں نورِ تجلّی عیاں ہے آج
دل میں تصورِ رخِ گلرنگِ یار ہے — یا ایک عکسِ گل تہِ آبِ رواں ہے آج
بادِ صبا نے پردہ جو رخ سے ہٹا دیا — اک عالمِ سکوت میں ہر انس و جاں ہے آج

بیدل طریقِ عشق و وفا کا ہے راہرو
گمنام نام ہے تو نشاں بے نشاں ہے آج

کبھی جو آئے مرے گھر تو میہماں کی طرح — جو گذرے دل میں تو گذرے کسی گماں کی طرح
خیالِ زلفِ معنبر میں دل کو چین کہاں — کہ تیرہ بختی نے گھیرا ہے آسماں کی طرح
رواں جریدہ ہے شامِ فراق رہروِ عشق — اثاثہ پاس نہیں خانۂ کماں کی طرح
ثبات لطف کو ہے تیرے اور نہ قول کو ہے — بدلتی آنکھ ہے ظالم تری زباں کی طرح
بہار و بادۂ و بزم طرب سے کیا حاصل — سکون ہم کو نہیں دورِ آسماں کی طرح
ترے گدا میں ہمیں عیش و انبساط کہاں — کہ عشق غم سے ہے وابستہ جسم و جاں کی طرح

ہوائے وصل میں بیدل ہمارا طائرِ روح
قفس میں تنگ ہے اک مرغِ نیمجاں کی طرح

کیا جانے یاس کا ترا امید وار نام — جس نے سمجھ لیا ہو خزاں کا بہار نام
تقدیر کیا ہے ۔ اپنے کئے کا سیہ سفید — اعمال کا ہے گردشِ لیل و نہار نام
سمجھے سرورِ بادۂ ہستی کو زندگی — رندوں نے رکھ لیا ہے اجل کا خمار نام
دیدے کے جان کرتے ہیں حاصل بشر جسے — اُس عافیت کا کیوں ہے لحد کا فشار نام
ٹانکے لگا کے زخموں کو پژمردہ کیوں کیا — غنچوں کے کھل کے ہنسنے کا سمجھو بہار نام
وا چشمِ دل ہے اب نہیں کھٹکا ترا اجل — رکھا ہے زندگی کا ترا انتظار نام

بیدل ہرا ہوا کوئی تنکا جو قبر کا
اپنے لئے اسی کا ہے فصلِ بہار نام

بیٹھے ہیں لَو لگائے کسی کی لگن میں ہم — رہتے ہیں محو وعدۂ وعدہ شکن میں ہم
دل سوختہ ہیں گو ہیں تری انجمن میں ہم — آئے ہیں ساتھ لے کے بیابان چمن میں ہم
چپکے سے چھیڑ دیتے ہیں اُس نگہ باز کو — پاتے ہیں اندمال جو زخم کہن میں ہم
ہے رخصتِ بہار گلے مل کے پھول سے — شبنم کی طرح روتے ہیں صحنِ چمن میں ہم
اُن کی بھنویں تنیں تو بڑھے ہم بھی خم ہوئے — قاتل سے گھٹ کے رہ نہ سکے بانکپن میں ہم
صیّاد۔ ذبح کرتا ہے اتنا تو مان لے — اک چلتے چلتے دیکھ لیں گل کو چمن میں ہم
پردہ دوئی کا اُٹھ گیا اب کیا خبر نہیں — دل میں ہے تیری شکل کہ ایک پیرہن میں ہم

رنگینیٔ خیال ہے لطفِ بیان ہے
گویا زباں بھی رکھتے ہیں بیدل دہن میں ہم

نہیں اب دھجیاں بھی اے جنوں جیب و گریباں میں — فقط تارِ نفس اُلجھا ہوا سا ہے رگِ جاں میں
سکت باقی نہیں اتنی بھی اب بیمارِ جاناں میں — کہ تڑپے او تڑپ کر جان دے دے دردِ ہجراں میں
ترے بسمل نے وقتِ ذبح دم مارا نہ ہچکی لی — عجب پہلو تسلّی کا تھا تیری تیغ بُرّاں میں
ترے وحشی کے آنسو بھی عجب وحشت زدہ نکلے — کوئی ٹھہرا ہے مژگاں پر کوئی پہنچا ہے داماں میں
تجھی پر انحصارِ زندگی ہے غم کے ماروں کا — سہارا ہے ترا صبحِ قیامت شامِ ہجراں میں
اگر تو چاہتا ہے شیخ۔ سمجھے راز الفت کا — جمالِ روئے زیبا دیکھ۔ کیا رکھا ہے قرآں میں

وفورِ جوشِ وحشت میں نہ تھا کچھ ہوش اے بیدل
بیاباں تھا کبھی ہم میں کبھی ہم تھے بیاباں میں

قیدِ غم میں بھی مجھے شکوۂ بیداد نہیں — مائلِ صبر ہوں۔ شرمندۂ فریاد نہیں
نام گلشن کا نشیمن کا تو یاد آتا ہے — میں بھی آزاد کبھی تھا یہ مجھے یاد نہیں
وہ فنا ہوں کہ من و تو کا فسانہ معلوم — بیخودی کا ہے یہ عالم کہ خدا یاد نہیں
گلشنِ بیخودیِ دل ہے میسّر مجھکو — اس گلستاں میں کوئی خدشۂ صیّاد نہیں

ہاں۔ ذرا نورِ ازل پھر ہو تجلّی کوئی — تیرے بیہوش کو وہ پہلا سبق یاد نہیں
مٹنے والوں کو پسِ مرگ ہو کیا خاک تلاش — نقشِ پا۔ ہادیِ راہِ عدم آباد نہیں
ماجرائے غمِ دل کس سے کہوں کون سُنے — حال شیریں پہ نہیں۔ فرہاد کی روداد نہیں

شعر گوئی مرا پیشہ نہیں بیدل بخدا
خادمِ ذوقِ ادب ہوں۔ کوئی استاد نہیں

کب تک لگاؤں آگ ترے انتظار کو — کیوں پھونک دوں نہ اپنے دلِ بیقرار کو
صد آفریں ہے دیدۂ خونابہ یار کو — گلزار کر دکھایا ہے ہر خارزار کو
احساسِ درد کیا ہو ترے جاں نثار کو — گُلبن سمجھ چکا جو ہر اک نوکِ خار کو
وہ بادشاہ حُسن کہاں اور میں کہاں — سمجھاؤں کس طرح دلِ امّیدوار کو
دیوانگانِ عشق جنوں میں ہیں پختہ کار — وہ رکھ چکے ہیں طاق پہ سب ننگ و عار کو
اس غم کدہ میں زیست سے تنگ آ گئے ہیں ہم — آباد جا کے کرتے ہیں کُنجِ مزار کو
جوشِ جنوں میں اُڑ گئیں دامن کی دھجیاں — اب کھینچتا ہوں جامۂ ہستی کے تار کو
زاہد کو عُجبِ زہد ہے میں ہوں گناہگار — میں مانتا ہوں رحمتِ پروردگار کو

بیدل خرامِ ناز سے ہر دم بپا ہے حشر
بازیچہ ہم سمجھتے ہیں روزِ شمار کو

جلوۂ نورِ ازل مضمر ہمارے دل میں ہے — ساری دنیا کا تماشا آنکھ کے اک تل میں ہے
دونوں آنکھیں دیکھتی ہیں ایک ہی جلوہ ترا — تو ہی بتخانہ میں تو ہی کعبہ کی منزل میں ہے
پیتے ہی ایک جُرعہ اسرارِ حقیقت کھل گئے — مے کہاں وہ خُلد میں جو اپنے جامِ دل میں ہے
درد ہے اُس کا۔ کہیں غم ہے کہیں تصویر ہے — کوئی پہلو میں کوئی سینہ میں کوئی دل میں ہے
عمرِ زاہد تو نے کھوئی کیوں ریائے زہد میں — اب بھی آ رندوں میں کیا اس سعیِ لاحاصل میں ہے
شیشۂ دل سیکڑوں کے اسنے توڑے ناز سے — نغمہ شاید کوئی آوازِ شکستِ دل میں ہے

*مصرعِ ...

تیرے ملجانے سے ظالم وہ مزا ملتا نہیں
جو مزہ **بیدل** کو تیرے وعدۂ باطل میں ہے

جہاں میں لطفِ سخن ہے مرے بیاں کے لئے
زباں ہے میرے لئے اور میں زباں کے لئے

عزیز روئے ہیں میّت پہ کیا خبر اُن کو
مکیں روانہ ہوا ہے نئے مکاں کے لئے

کہو یہ برق سے اِن پر نگاہِ قہر نہ ہو
یہ تنکے لایا ہوں چُن چُن کے آشیاں کے لئے

نہیں ہے لطف و کرم تو ستم رہے قائم
بہانہ چاہئے کچھ میری داستاں کے لئے

نگاہِ یاس سے دیکھا کسی کو بسمل نے
یہ اختصار تھا کُل غم کی داستاں کے لئے

جفائیں سہنے کا خوگر بنا دیا اس نے
دعائیں کرتا ہوں مَیں دل سے آسماں کے لئے

کسی کے غم کے لئے جانچنی ہے وسعتِ دل
ملے ہیں رنج و الم مجھکو امتحاں کے لئے

جہانِ فانی کو **بیدل** تم اپنا گھر سمجھے
تمھیں بتاؤ یہ شایاں تھا میہماں کے لئے

بیخودی میں ہم نشانِ بے نشاں دیکھا کئے
خواب میں ہم اُس کی محفل کا سماں دیکھا کئے

ہجر کی شب چشم وا- اور گوش بر آواز در
راستہ ہم تیرا مرگِ ناگہاں دیکھا کئے

ہائے چُٹکی میں رکھی منقار ہی صیاد نے
آشیاں جلتا رہا ہم بے زباں دیکھا کئے

بسترِ غم پر کوئی بیمار دم توڑا کیا
اور وہ بربادیِ تاب و تواں دیکھا کئے

نیچی نظریں ان کی تھیں سکتہ تھا ہمکو وصل میں
وہ زمیں دیکھا کئے ہم آسماں دیکھا کئے

خاک میں مل کر مری **بیدل** رسائی ہو گئی
وہ رہے حیران و ششدر- پاسباں دیکھا کئے

جب اپنے سر سے دُور خودی کا خمار ہے
ہر وقت دل میں جلوۂ رخسارِ یار ہے

بتخانۂ جہاں میں ہے کافر بنا تو کون
جب تو ہی بُت پرست و بتِ گلعذار ہے

ناخن عطا ہوں گر تجھے اے پنجۂ جنوں
تارِ نفس اک آن میں پھر تار تار ہے

اللہ رے لاغری کہ ترے ناتواں کی نعش — اُڑتی صبا کے دوش پہ مثلِ غبار رہے
پتھر کے چار ٹکڑے ہیں سینہ پہ جاگزیں — تصویر بیکسی کی ہمارا مزار رہے
یہ وہ نہیں جسے تری ٹھوکر مٹا سکے — کچھ داغ آرزو بھی ہمارا مزار رہے
ہو محتسب سے بیدلِ سرمست بے خطر
تیری شفیع رحمتِ پروردگار رہے

ایک انگریزی نظم کا خیال نظم کیا ہے

علم اور عقل کا ہے یوں تو تعلق بیدل — لیک ہر ایک کا ہے اپنا جدا گانہ طَور
علم اُس سر میں ہے جنمیں ہیں خیال اَوروں کے — عقل اُس دل میں ہے جسمیں ہے خود اپنی غَور
علم مغرور ہے۔ میں جانتا ہوں ہر اک چیز — عقل کہتی ہے کہ افسوس۔ نہ جانا کچھ اور

رباعی

ہاں طبعِ رواں تیری روانی دیکھیں — خامے کی زباں سے گل فشانی دیکھیں
تقلید ہو قُدما کی تو جدّت بھی رہے — یعنے کہ بُڑھاپے میں جوانی دیکھیں

کرشن جنم

غلغلہ کون و مکاں میں ہے ترا کرشن جنم — محوِ شادی ہیں ملائک کہ ہوا کرشن جنم
ہنس کے غنچے سے بھی کہتی ہے صبا کرشن جنم — ہر کلی پھول کی دیتی ہے صدا کرشن جنم
بلبلو مژدۂ گل ہے کہ ہوا کرشن جنم
مندروں میں ہے ہنڈولوں کی سجاوٹ کیسی — اور متھرا میں گھٹاؤں کی بناوٹ کیسی
آجکل دل میں امنگوں کی رُکاوٹ کیسی — ماہ بھادوں سے ہے ہر دل کو لگاوٹ کیسی
ماہ وہ ماہ ہے یہ جس میں ہوا کرشن جنم
کنس سے راجہ کے بھی آنکھوں تلے پڑے ڈلے — اور سوتے ہی رہے رات کے پہرے والے
بڑھکے جمنا بھی نہ کیوں ایسے چرن دھو ڈالے — کیوں نہ تپ کر کے پھلیں تجھکو سُمرنے والے

کیوں نہ لے ایسوں کے گھر نند للا۔ کرشن جنم

بچپنے ہی میں دیئے قدرتِ کامل کے ثبوت خاک کر ڈالے بہ یک چشم زدن کنس کے دوت
تیری خدمت میں کمر بستہ تھے گوکل کے سپوت کون تھا فرد بشر تھا نہ جو تیرا مبہوت
تجھکو منظور تھا اظہار نہ تھا کرشن جنم

تیری قدرت کے کرشموں کو نہ سمجھے ناداں پردۂ غیب میں مسطور جو سمجھیں یزداں
غیر سے عرضِ شفاعت کی ضرورت ہے کہاں تیرے اوتار کے جلوے پہ ہے اپنا ایماں
حق پرستوں ہی کی امداد کو تھا کرشن جنم

کیوں نہ وہ دن وہ گھڑی قابلِ تعظیم بنے اور وہ ماہ نہ کیوں لایقِ تکریم بنے
خاکِ متھرا کی نہ کیوں رشکِ زر و سیم بنے کیوں نہ عبرت دہِ کنعان وہ اقلیم بنے
جلوۂ حق تھا جہاں جس میں ہوا کرشن جنم

جھومتا پھرتا ہے ہر ایک طرف ابرِ بہار نشۂ بیخودی و شوق سے ہو کر سرشار
آج مستِ مئے پندار ہے ہر اک ہشیار آج توحید کا ہے نغمہ سرا **بیدل** زار
ذکر ہر گھر میں ہے ہر لب پہ ترا کرشن جنم

بجرنگی ترانہ۔ بموقعہ رام لیلا

جھومتے جاتے ہیں مستِ مئے پندار کہاں کچھ نہ معلوم ہوا
بیخودی میں ہیں رواں آج یہ ہشیارِ زماں اِن سے پوچھے کوئی کیا
آج ہر سمت سے پھولوں کی مہک آتی ہے دل میں فرحت ہے سوا
ہے یہ ویرانۂ دنیا کہ ہے گلزارِ جناں کون سا گل ہے کھلا
جے کے نعروں کی صدا گونجتی ہے کانوں میں سنکھ اور بانگ درا
اور دل ہوتا ہے سو جان سے اُس پر قربان جشن یہ طرفہ ہوا
ولولے جوش کے اُٹھتے ہیں ہر اک سینے میں کوئی بُزدل نہ رہا

کس بہادر کا ہے دلدادہ ہر اک پیر و جوان
آج چرچا ہے نیا

کیوں نہ ہو۔ رام کی لیلا کا زمانہ آیا
مذہبی دور ہوا

نام بجرنگ کا ہر ایک کے ہے وردِ زباں
بچے کی ہر سُو ہے صدا

پھر نہ کس واسطے ہو جوش کا دنیا میں وفور
روز رحمت کی ضیا

اور ہندو بنے ہر ایک نہ کیوں شیر زباں
نام جب اُس کا لیا

فیضِ بجرنگ سے ہے آب سخن میں ورنہ
یہ بھی ہے ایک ادا

بیدلِ ہیچداں تیری یہ گفتار کہاں
واہ! یہ خوب کہا

غزلیات فارسی

ہست شیخ و برہمن در رشتۂ احسانِ ما
شد چراغ دیر و کعبہ۔ مشعلِ ایمانِ ما

در ہجوم یاس دیدم پرتوِ روے امید
صبح وصل اندر قفا دارد شبِ ہجرانِ ما

پھر سجدہ ہر کجا سر بر زمین بنہادہ ایم
شد خم محراب ما از ابروے جانانِ ما

آمد و رفتِ نفس شد عرصۂ عمرِ عزیز
تار بشکست و زمین شد پردۂ عصیانِ ما

بسکہ در راہِ محبت درد را دارم عزیز
تازہ میگردد ز ناخن زخم بے درمانِ ما

زخم دل را سوزن از بہرِ رفو درکار نیست
تیر باید از کمانِ ابروے جانانِ ما

پیشکش را بہر جانان چشم آرد دُرِّ اشک
گوہرِ نایاب دارد بحرِ بے پایانِ ما

در دلِ سبحہ است تارِ رشتۂ زنّارِ عشق
ہست کفر بُت پرستی دین ما ایمانِ ما

خوردہ ام خونِ جگر چند انکہ چون مینائے مے
اشکِ گلگون میرود از دیدۂ گریانِ ما

دیگر

جامِ مے دریادِ خوبان میزنم
کافرم آتش بہ ایمان میزنم

داغہائے دل گلستان ساختند
پہلوے با باغِ رضوان میزنم

لاف ہمچشمی ز چشم عاشقان
خندہ ہا بر ابر گریان میزنم

بیشتر تاموردِ رحمت شوم — غوطہ ہا در بحرِ عصیان میزنم
از گریبان حالیا تارے نماند — پنجۂ وحشت بدامان میزنم
تا شدم مستِ شرابِ معرفت — عقل را آتش بہ سامان میزنم

شد بہارِ عمرم و بیدل ہنوز
ساغرِ مے بے بہاران میزنم

سہرا

نئی ادا نئے انداز کا بنا سہرا — جو طرح دار ہے نوشہ تو بانا سہرا
دروغ کہتے ہیں پھولوں سے ہے بنا سہرا — یہ پھول بن گئے۔ ان کا شرف بنا سہرا
شمیم عیش سے نوشہ ہے بزم عطر آگیں — مشام تازہ کن خلق ہے ترا سہرا
یہ پھول غنچۂ ارمان ہیں محبّت کے — نسیم شوق سے کھل کر بنے ترا سہرا
شعاع مہر بھلا ابر سے رُکے کیسے — ضیاء رخ جو چھنی۔ نور ہو گیا سہرا
کسی حسین کے دیدار کی گھڑی آئی — خوشی سے پھول کے نوشہ کے سر چڑھا سہرا
شیام کہتے ہیں سندر سروپ ہے نوشہ — ہے بات دھرم کی اقبال کا بنا سہرا
فرشتے چرخ بریں پر ہیں محوِ دیدِ جمال — نہ دیکھا تھا کبھی اس آن بان کا سہرا
دعائیں دیتا ہوا وقتِ سعد آیا ہے — بلائیں لینے کو نوشہ کے آگیا سہرا
چلا تھا لشکرِ جرّار حسن۔ خیر ہوئی — پناہِ حسن پرستاں جو بن گیا سہرا
ہزار رنج سے بندشیں بندھیں لاکھوں — بڑے ریاض سے نوشہ کے سر چڑھا سہرا

عروجِ حسن جو پھولوں کو لے اڑا بیدل
فلک پہ بھیس بدل۔ کہکشاں بنا سہرا

بیدل - پنڈت چاند نراین زتشی صاحب

ملے گا چین نہ ظالم تجھے ستا کے مجھے
ملے گا خاک میں تو بھی مٹا مٹا کے مجھے
ہوا ہے سوزِ محبت سے خاک پروانہ
مثال شمع ملے گا نہ کچھ جلا کے مجھے

دلِ خلوت گزین را جلوۂ گاہِ یار می بینم
نگاہِ منتظر را تشنۂ دیدار می بینم
تصوّر در سراست و جانِ محزونِ طلب مضطر
چنان محوم ترا در رہ در و دیوار می بینم
ظہورِ جلوۂ تصویرِ عالم در نظر دارم
کہ نورِ معرفت در پردۂ اسرار می بینم
چنان در ذرّۂ خاک است پنہان شانِ یزدانی
چراغِ صد ہدایت۔ روشن وبیکار می بینم
مۓ صحبت بہ یادت ریختم در جام بیہوشی
سبک سر از خمارِ نشۂ افکار می بینم
جنون وقفِ تجلّی شد چو آتش زیر خاکستر
اگر از خویشتن غافل شوم ہشیار می بینم
درین پرواز شوخی جلوۂ رنگین تماشا کن
کہ باز عمِ حیا ہنگامۂ اغیار می بینم
سیہ بختی مرا از روز روشن ساختہ بیدل
چراغِ صبحدم را رفتہ از انوار می بینم

پریشان - پنڈت کامتا پرشاد پارمو صاحب خلف پنڈت جوالا پرشاد صاحب متخلص بہ آذری ابن پنڈت دیبی پرشاد صاحب پارمو متخلص بہ شوکت منیجر ریاست سیندی۔

پنڈت صاحب نے عین عالم شباب میں انتقال کیا سمت ۱۹۳۶ مطابق ۱۲۹۶ھ سال وفات ہے۔ تمام خاندان پنڈت جوالا پرشاد صاحب پارمو کا شاعر تھا فارسی اور عربی میں آپ کو دستگاہ کامل تھی اور انگریزی بھی کسی قدر جانتے تھے۔ آپ نے کینگ کالج میں شوقیہ تحصیل علم کی تھی اور وہیں سے ضلع اُناو کے مدرسہ رنجیت پورہ میں مدرّس مقرر ہو کر تشریف لے گئے بعد ملازمت چند سال کے مستعفی ہو کر خانہ نشین رہے۔

اُلفت مجھے لوگوں سے لڑاتی ہے کسی کی
کب بات مِرے دل کو خوش آتی ہے کسی کی
ہوتا ہوں ہیں بے فائدہ منّت کشِ ماہی
صورت ہی نظر خواب میں آتی ہے کسی کی
کہدو کہ خبردار رہیں ساکنِ دُنیا
ایک آگ یہاں آہ لگاتی ہے کسی کی
رندو کہیں برپا نہ قیامت ہو خبردار
پازیب بہت شور مچاتی ہے کسی کی
ہوں نزع میں لیکن یہی کہتا ہوں مِیں ہر دم
اے روح ٹھہر جا خبر آتی ہے کسی کی
رہتا ہوں پریزادوں کے مجمع میں ہمیشہ
لیکن نہ ادا دل کو لُبھاتی ہے کسی کی

میخواری سمائی ہے رگ وپئے میں پریشاں
چھٹتی نہیں جو علّتِ ذاتی ہے کسی کی

میں وہ نہیں ہوں کہ مجھکو اثر ہو کچھ ناصح
سُنا کے ساری نصیحت سُنائیگا پھر کیا
یہ ہمنے مانا وہاں حور ہیں یہاں پریاں
بہشت میں بھی اگر شیخ جائیگا پھر کیا
رہا مدّت تعشّق اپنے دل کو ایک گلرو کا
بہت اے عشق بازو مدّتوں ہمنے بھی غم تھوکا
جہاں ہے رات دن سرشار فیضِ علم سے تیرے
کبھی ہمپر بھی کر احسان ساقی ایک چلّو کا
زمانہ خود بخود مفتوں ہے ہر عضوِ مصفّا پر
تمھارے جسم کا پُتلا مگر پُتلا ہے جادو کا
صدمہ غمِ رحلت کا عیاں ہو نہیں سکتا
جو داغ عیاں ہے وہ نہاں ہو نہیں سکتا

پنڈت - پنڈت دیارام صاحب خلف پنڈت روپ چند صاحب۔ نواب عماد الملک غازی الدین خاں وزیر کی رفاقت میں باعزاز و آبرو زندگی آپنے بسر کی اور بوجہ جاگیردار ہونے کے دارالریاست فرخ آباد میں زیادہ تر آپ کا قیام رہتا تھا۔ فارسی کلام میں حافظ غلام محمد آزاد سے مشورہ لیتے تھے۔ شاہ عالم ثانی کے زمانہ میں فروغ پایا آپ کے کچھ شعر مولوی قدرت اللہ شوقؔ کے تذکرہ سے انتخاب کرکے درج کئے جاتے ہیں۔

کیا تو نے خراب خانۂ دل
اے صنم کچھ خدا کا ڈر نہ کیا

جان سے ہم گذر گئے لیکن　　کبھی تونے ادھر گذر نہ کیا

آیا جو وہ گُل تو گُل چمن میں　　پھولے نہ سمائے پیرہن میں
اے جاں اگر چلا تو یہ جان　　تجھ بن نہ رہے گی جان تن میں
پہنچی ہیں جو لب کی تیری باتیں　　بے قدر عقیق ہے یمن میں
لایا جو وہ جوئے شیر تو کیا　قطعہ　اُستاد تھا تیشہ کے وہ فن میں
آنکھوں سے بہاتا خوں کا دریا　　طاقت یہ کہاں تھی کوہ کن میں

اب تم بھی تو کچھ سلیقہ **پنڈت**
پیدا کرو شعر اور سخن میں

سُن سُن ہمارے آہ و نالے　　نالاں ہیں پاس رہنے والے
دیکھا ہے جب سے لالہ رُخسار　　جینے کے پڑے ہیں ہم کو لالے
ہوتی ہیں مژہ کی برچھیاں پار　　وہ شوخ ادھر جو دیکھے بھالے

ہم پر بھی نگاہ ڈالے **پنڈت**
اُس بُت کے خدا یہ دل میں ڈالے

تاب - **پنڈت مہتاب رائے صاحب** دہلوی آپ کا اصل وطن کشمیر تھا مگر کئی پُشت سے دہلی میں خاندان کی سکونت تھی استعداد علمی معقول اور شعر اچھا کہتے تھے اُنیسویں صدی کے شروع میں حیات تھے ذیل کے دو شعر اُن کی طباعی اور نکتہ سنجی کے کافی گواہ ہیں:-

تو ہوتی ہمیشہ سے تمھاری اگر ایسی　　تو کاہیکو نبھتی مری اے فتنہ گر ایسی
یا تنگ نہ کر ناصح ناداں مجھے اتنا　　یا چل کے دکھا دے دہن ایسا کمر ایسی

تاباں ۔ پنڈت مہتاب رائے ہاکچر صاحب

روایت ہے کہ یہ بارہ سال کی عمر کے تھے جب انھوں نے میر درد کے مشاعرہ میں یہ مطلع پڑھا تھا:۔

شعلہ بھڑک اُٹھا مرے اس دل کے داغ سے
آخر کو آگ لگ گئی گھر کے چراغ سے

مولانا آزاد نے آبِ حیات میں ان کا بھی تذکرہ کیا ہے کہ تاباں اس وقت گلے میں ہنسلی پہنے ہوئے تھے۔ کسی شاعر نے کہا حضرت اس طوقِ گلو کی شان میں کچھ فرمائیے تو انھوں نے فی البدیہ یہ فرمایا:۔

اسیری عشق کو منظور تھی میری لڑکپن میں
پہنایا طوق منّت کے بہانے میری گردن میں

تبسّم ۔ پنڈت راج اندر نراین بمرو صاحب متھرا باسی

تاریخ وفات شام نراین صاحب

بُرد قضا نو عمر جوانے حسرت و درد و حیف دریغا
حادثہ اش چوں گوش رسیدہ مثل کتان شد شیشۂ دلہا
بادلِ چاک و دیدۂ پُرنم سال وفاتش گفت تبسّم
بدلم رنج والم نہادہ شیام نرائین رفت ز دنیا

تاریخ تولّد نبیرہ پنڈت بنسی دھر صاحب چھبہ

خوشا وقت آمد زبانِ مبارک — بہ گلشن برآمد نہالِ مبارک
کہ در خانۂ نیک پنڈت جیبے — کہ بنسی دھر اینست نامِ مبارک

بہ زائید در حینِ فرخندہ عالم نبیرہ مبارک نبیرہ مبارک
پئے سالِ تاریخ جُستم چو از دل برآمد ز ہاتف صدائے مبارک
سرِ میم کم کردہ گوائے تبسم
مبارک ترا پورِ نوزا مبارک
۱۲۹۹ھ تخرجہ ۱۰۰-۱۳۹۹ھ

پنڈت تابہ رام ترکی۔ ساکن رعنا واڑی سرینگر کشمیر۔

آپ نے اکہتر سال کی عمر پائی اور سمت ۱۹۰۴ بکرمی میں بعہد مہاراج گلاب سنگھ آپ نے رحلت کی۔

جنگ نامہ مہاراجہ رنجیت سنگھ با محمد عظیم خان والی کشمیر

جہان گلشنے ہست بارنگ و بوے | کہ جز آب تیغش نہ بینی بروے
چو گل در ہوایش چہ خندد کسے | بہ نرگس دو چشمش چہ بندد کسے
نماند گل و لالہ و ارغوان | مگر نیکی و خوبیِ باغبان
ازین چرخ گردندہ غافل مباش | بغفلت درین قصر مائل مباش
ز چرخِ سیہ کار آبے مجوے | دل از اشک حسرت ز مہرش بشوے
بہ آزار مردم منہ پائے پیش | ز آزار بیرون ومے جائے خویش
بنامِ خداوند شمشیر و جام | کہ در بزم و رزم است از و کام و نام
خداوند تیغ و سپاہ و سپر | خداوند بخت و کلاہ و کمر
فرازندۂ خیمۂ بے طناب | طرازندۂ قبۂ آفتاب
زرہ در برِ چرخ گرداں از و | سنان در کفِ مہر تابان از و
علم شد از و چتر شاہنشہان | بیاراست از چرخ اطلس جہان
جہان را بشاہان بر آراست چہر | ز شاہان پسندید انصاف دہر

شنیدم که در بند چشم و عتاب / فگندی همه رشتهٔ آسا بتاب
ز سر رشته ات در شبانِ سیاه / به پیچید بر چرخ صد تا پر آه
به کشمیر آن آتش افروختی / که در یکدگر خشک و تر سوختی
مرا ایزد از بهر آن آفرید / که سازم همه تخم کین ناپدید
ز بختِ رسایم بداد آن کمند / که گردن کشان را بیارم به بند
مرا نیست آهنگ آزار کس / ز مضراب من نگسلد تار کس
مگر آنکه تابد سر از شانِ من / به تابد برو تیغِ رخشانِ من
ز فوجِ من ای قندهاری حذر / که آیند موران بشور از شکر
ز تن جان شیرین برونت کنم / چو آثار فرهاد خونت کنم
چنان بر تو پیکان کنم زهربار / که یاد آیدت گوشهٔ قندهار
ز خود دور این خواب خرگوش کن / ز روباه بازی فراموش کن
به بزمِ دلِ بینوایانِ تنگ / مزن بر نواهای چنگیز چنگ
بقانون بیداد تو تن مده / بفرمانم انگشت بر چشم نه
وگرنه چو طنبور آن سازمت / که از پوست بیرون رگ اندازمت
همه در نواخانه بندست کنم / چو نے یک قلم بند بندت کنم
در آتشکده سوزمت زان نمود / که یاد آیدت از خدای ودود
چو شد تنگی خلق از خُلق تو / کمندم شود حلقه در حلق تو
من اینک بگفتم بگرد از وغا / وگرنه تو دانی و روزِ وغا
چو این نامه برخواند دانا دبیر / بر آمد ز سالار افغان نفیر
به پیچید بر ابروان چون زره / شکن بر شکن زد گره بر گره
بر آشفت چندانکه ناید بگفت / تو گفتی که قاضی قضا کرد مفت

زسر رشتهٔ ذین به تدبیر کار | یکے انجمن گردشد سبحه وار
سپهدار افغان ازان نائے و نوش | زگرمی چو قلیان برآمد بجوش
که کج مج زبان هندی سست عزم | کجا دارد آهنگ افغان برزم
سبک مایهٔ راچه یا را بود | که هم پلهٔ سنگ خارا بود
ظفر آیتِ رایتِ ما بود | نشانِ من اِنّا فتحنا بود
بفرمود تا منشی آرد شتاب | کند از منش بدمنش در جواب
دبیر آمده خامه را تیز کرد | بهر نکته آهنگ آویز کرد
نگون گشت سرزان بیان خامه را | به قاضی سپردند پس نامه را

نامهٔ محمد عظیم خان

بنامِ خداوند تیغ و قلم | که هر نامه از نام او شد علم
خداوند مهر و خداوند ماه | ز بر گرمی و سردی او را پناه
باقصاے شام از کران تا کران | صف آراے هنگامهٔ اختران
ازو بر سرِ مهر اکلیل زر | وزو در کفِ ماه سیمیں سپر
جهان را بلندی و پستی ازو | زبردستی و زیردستی ازو
خداے که ز و نقش بیم و امید | بگیتی سیاه آفرید و سپید
اگر نقش خوب است گر حرف زشت | نگردد ورق زانچه در سرنوشت
اگر حال کشمیریان شد نزار | مکافات بد راچه تدبیر کار
زفیضِ بهاران شود خار سبز | نگردد ولے خار دیوار سبز
مرا کام بزم و مرا نام رزم | خداوند همّت مرا داد عزم
زند تیغ من پر توِ آفتاب | تو اندر شبِ هند سر گرم خواب
چو از باغ کشمیر آیم برون | کشم هند چون داغ لاله بخون

مکش تیغ کین بے تمیزی مکن | مزن دم ز شمشیر تیزی مکن
مپز در دلِ خود خیالات خام | ز آتشکده بر زبان نآر نام
گرفتم سپاہست فزون ز اختر است | شعارِ سنانم فروزان تر است
اگر بر زبان نام جنگ آوری | نه مردی بود گرد رنگ آوری
اگر صلح خواہی زہے بخت تو | مبارک بتو افسر و تخت تو

لشکر آراستن مہاراجہ رنجیت سنگھ

دگر روز چون صبح تابنده مہر | بسر بست و ستار زرتار مہر
شہِ دادگر چیرۂ زر بہ بست | برآمد چو خورشید آتش پرست
برافزود در مغز اہلِ وقار | صدائے نقاره صدای نقار
بجوش آمد از ہند دریاے فوج | ز عنبر زده ہر طرف موج موج
ادیمِ زمین یافت بوے سمن | کہ بیرون برآمد سہیل از یمن
زمین بیخود و آسمان شد ز ہوش | عجب راح ریحانی آمد بجوش
تو گوئی زمین شد چو کشتی روان | عَلَم ہاے دریا پئیش بادبان
جہان صرف گردِ سپاہان شده | خروش سپہ تا سپاہان شده
ہمہ ہندیان دامنِ کین زده | گرفتہ جہان دُود آتشکده
بدینگونہ می رفت ہر یک دلیر | کمندے بہ بازو سمندے بزیر
باقصاے کشمیر در دشت و در | کشیدند از درّۂ سر بدر
کشیدند صف زیر کوهِ گران | ہمہ تیغ بندان و جوشن وران

آمادۂ جنگ شدن عظیم خان

کہ چون شاه ہند آمد از کین بجوش | برآمد بہندوے چرخ این خروش
خبر یافت سالار افغان زکار | کہ شد کینہ ور شاه کشور شکار

پدید آمده فوج از بهر جنگ / جدا گشته موجی ز دریای گنگ
ز پیکان چو بشنید این دار و گیر / بر اندام او موی شد همچو تیر
چنین گفت با لشکر خویشتن / که پوشند در زیر خفتان کفن
سحرگه که این تیغ جوشن شگاف / درخشان شد از لاجوردی غلاف
همه تیغ داران برون تاختند / چو تیغ از میان گردن افراختند
دو لشکر چو مژگان کشیده صف / کمان ها بدوش و سنانها بکف
دلیران کابل در کین زدند / بهابرو پئے هندیان چین زدند
تلاطم بر آمد ز دریای فوج / برون آب شمشیر شد موج موج
هوا گشت گریان در آن کارزار / بحال دل خستگان اشکبار
زره ها درین سیل گاه شتاب / بخون غرق چون دام ماهی در آب
همه هندیان غرق در دشت و در / چو زنار ساغر بخون تا کمر
ز وقت سحر تا بهنگام شام / چو خورشید در عرصهٔ ننگ و نام
شبانگه که این پشت خم زال پیر / سپر از کف افگند و شد سبحه گیر
دو صف همچو مژگان بگشتند باز / ز آورد با نیزه های دراز
عظیم آنکه رای ستیز آمدش / بترسید فکر گریز آمدش
که لشکر سراسر پراگنده دید / زمین کنده از خسته آگنده دید
بترسید الحق ازین دار و گیر / که از حقه بازی ندارد گزیر
گرفتند در پیش و پس راه را / زمین بوسهٔ خدمت شاه را

بازگشت در لاهور

نه پندارد این مرغ بی آشیان / که این دانه صد دام دارد نهان
بباد صبا شد هما نگه سوار / ازان گل زمین چون گل نو بهار

قیامت بہ کشمیر و مساز گشت | چو خورشید از تیغ کوہ باز گشت

مناجات

خدایا نیاید ز من پوز شے | نشد گرم ہنگامۂ سوزشے
ز مہرِ تو بر سینہ داغے نسوخت | دلم را ببالین چراغِ بسوخت
ز چشمم نیامد گہر ریزیۓ | چو شبنم نکردم سحر خیزیۓ
بہ گلزار عمرم بہارے نماند | بدستم جز از خار خارے نماند
سرم پا نگر دیدہ در راہ تو | نشد روے من سوے درگاہ تو
ز دستم نیامد چو ابرِ گہر | نہ اشکے نہ آہے نہ سوزِ جگر
بکارت نہ پرداختم ساعتے | نکردم بہ کف تحفۂ طاعتے
شدم گرم عصیان بگفت و شنود | سیہ کاری از من بر آورد دُود
بمن سوزِ تو می نسازد اثر | شدم خشک در فکر دامان تر
ہمہ خرمنِ عمر بر باد رفت | مرا توشۂ راہ از یاد رفت
عقوبت مکن انفعالم بس است | مرا طعنۂ آن زعالم بس است
سیہ کار چون نامہ ام مو بمو | ازان است چون خامہ ام سر فرو
عرق از رُخم میچکد گر براہ | گناہ از زمین می دمد چون گیاہ
بہ پیشِ کہ نالم ز عصیانِ خویش | پشیمان خویشم پشیمان خویش
کہ پژمردہ گشتم بہ انجام کار | بیکبار اے ابر رحمت ببار
خدایا توئی خلق را چارہ ساز | نداری بنازِ کسے را نیاز
شبِ تیرہ را صبح روشن ز تو | تجلّی ثمر نخلِ ایمن ز تو
بدرگاہ تو نا امیدی کجاست | گر امید بیتاب دارو بجاست
ببخشی ہر آن کس کہ عذر آورد | قبولش کنی ہر چہ نذر آورد

ز انعام تو اندرین صید گاہ — قبا یافت طاؤس و ہد ہد کلاہ
ز طوقِ تو قمری نہ کوٗ کوٗ زند — کہ یا ہوٗ بہ ذکرِ تو ہوٗ ہوٗ زند
توئی مردم و مرغ را غمگسار — بمُردم بمرغِ دلم رحمے آر
مبین در گناہم بہ بین در کرم — محک بر نیاور کہ ناقص زرم
کرِیا نگر انکسارِ مرا — بہ بخشاے احوالِ زارِ مرا
کشیدہ است عصیان بسویم سپاہ — ندارم جز این چارہ گر قلبگاہ
بمیدان کشم فوجداران اشک — گنہ را کشم تیر بارانِ اشک
بگریم بعذرِ گنہ زار زار — بیارم سرشک از مژہ بار بار
کنم گریہ بر خواب ریزم شرر — کشم نالہ بیدار سازم اثر
بزاری بنالم چو عذر آوران — بگویم کہ اے داورِ داوران
گناہِ گذشتہ بروئیم میار — گذشت آنچہ بر من تو ہم درگذار
کہ دستم بگیر اندرین اضطراب — توئی ابرِ رحمت من از شرم آب
قدم چنگ شد ہر رگم گشت تار — نوازشگری را بسازی تو کار
بتارِ نفس چون رسد چنگ گرگ — تو باشی مرا سازگارِ بزرگ
چو گویند جامِ اجل نوش کن — مرا از مئے ہوش مدہوش کن
نسازی مرا در صفِ اہلِ دل — ز کردار امروز و فردا خجل

ز خمخانۂ فیض در انتظار
بدہ یک دو ساغر کہ چشمم است چار

تسکین ۔ پنڈت گنگا داس صاحب

فیضی نے اپنے تذکرہ میں ان کا حال اس طرح لکھا ہے کہ ایک جوان تھا نیک عقیدہ کشادہ رو مہذّب و خوشخو ۔ گاہے گاہے رنجش ہمّت میدان

ریختہ گوئی میں خوب دَوڑاتا تھا یہ اُن کا کلام ہے:۔

ناصح یہ نصیحت اب تم کرنے ہو کیا بیٹھے
جو ہوئے سو ہوئے دل اُس سے لگا بیٹھے
عقل و خرد و طاقت اور صبر و شکیبائی
جب سامنے وہ آیا ہم سب یہ لُٹا بیٹھے
کب غم سے ہمیں تسکیںؔ۔ آفات زمانہ سے
اب ہم شہِ مرداں کے داماں تلے آ بیٹھے

تسلیمؔ۔ پنڈت رام نراین صاحب

ان بزرگوار کا قیام ایک مدّت تک علیگڈھ میں رہا
کلام باوجود تلاش کے دستیاب نہ ہوسکا۔

تمکینؔ۔ پنڈت بخت مل صاحب خلف الصدیق پنڈت لچھمی رام صاحب فدا۔ دہلی کے رہنے والے تھے جو کچھ فکر سخن کرتے تھے اپنے والد بزرگوار کو دکھا لیتے تھے ۱۸۴۸ء میں زندہ تھے۔ آپ کے اشعار ذیل ملاحظہ ہوں:۔

مشتاقِ قدمبوسی ہے ہر خار بیاباں　　لائی ہے ولا یہ تری شوریدہ سری رنگ
ولہ
نہ ہو لختِ جگر گر سدّ راہ اشک آنکھوں میں　　تو ڈوبیں طائرانِ سدرہ تا منقار پانی میں
ولہ
جب سے کافر وہ کٹیلی نظر آئیں آنکھیں　　ہمنے ہرگز نہ کسی بت سے ملائیں آنکھیں

پنڈت جے نراین تنخواہ صاحب

تذکرہ چمنستان کشمیر میں صرف ایک رباعی درج تھی

در عالم وادید چو شد وادیدہ　　پنہان و پدید ہر کسے رادیدہ
چون دیدہ بہ دیدن تو باشد باشد　　نادیدہ چو دیدہ دیدہ چون نادیدہ

توقیرؔ۔ پنڈت کاشی ناتھ در صاحب خلف پنڈت جوالا ناتھ صاحب۔

پنڈت رامیشور ناتھ در صاحب وکیل ہائی کورٹ مقیم کانپور خلف اصغر پنڈت کاشی ناتھ در صاحب توقیرؔ نے اپنے والد بزرگوار کی سوانح عمری کو زیور طبع سے آراستہ کیا ہے۔ یہ ایک چھوٹی سی دلچسپ کتاب ہے اور اُس میں جناب توقیرؔ کا کلام نظم و نثر درج ہے۔ حضرت توقیرؔ نے اپنے حالات زندگی خود اپنے قلم سے تحریر کئے ہیں جن کا اعادہ بجنسہ اس موقع پر کیا جاتا ہے۔ ناظرین والاتمکین ملاحظہ فرمائیں:۔

پیدائش میری خاص جاورہ کہ مثل بہار نام اس کا گلشن آباد ہے سمبت ۱۹۰۰ بکرمی ماہ بدی ایکم یوم شنبہ میری ولادت کا روز ہوا سمبت ۱۹۱۴ بکرمی غدر ۱۸۵۷ء میں میری عمر چودہ سال و پانچواں ماہ قریب الاختتام تھا اور اتفاق سے اُس وقت خاص دہلی میں میرا قیام تھا سخت مصائب پیش آئیں۔ اظہار اس کا خالی از طوالت نہیں اس لئے اس کو قلم انداز اور مطلب دیگر کو بدست یاری قلم مدعا رقم باز کرتا ہوں۔ سمبت ۱۹۱۵ بکرمی میں دہلی سے جاورہ آکر بہ تحصیل علم مصروف و مشغول ہوا والدین کا قدمبوس حصول ہوا استادی پنڈت بھولا ناتھ صاحب منتخب فضلائے روزگار تھے میرے والد اور وہ محب صادق اور باہم غمگسار تھے اور دونوں معزز و دیرینہ ملازم جاورہ سرکار بپاس الفت والدم استاد ممدوح نے بشتاب ہرچہ تمامتر بتعلّم و تعلیم کتب درسیہ مثل انشائے مادھورام بہار دانش مینا بازار پنج رقعہ سہ نثر ظہوری ابوالفضل و طاہر وحید ششش فتح توقیعات کسری قصائد عرفی بدر چاچ انشاء بیدل حسن و عشق ساقی نامہ ظہوری وغیرہ مجھکو سہل طریقہ سے واقف موافق عقل و شعور کرا دیا۔ کسی کتاب کو تمام و کمال اور بعض کو جزو و دوجز پڑھایا اور جس قدر طلبہ صاحب استعداد ان کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے اکثروں کو مجھسے سبق دلواتے اور مباحثہ کراتے غیاث اللغات و مصطلحات الشعرا وغیرہ پیش نظر ہر وقت مطالعہ میں رہتی بایں تدابیر شائستہ گو بآسانی اس دریائے ناپید اکنار حصول علم سے باسرع



پنڈت کاشی ناتھ در۔ توقیرؔ

اوقات عبور کرا دیا اور چونکہ استاد صاحب علم صرف و نحو منطق و عروض و قافیہ کے بھی
عالم تھے اور نظم و نثر کے کلیم کلام بوجہ ان کی توجہ مُفرِط کے کسی قدر صرف و نحو کے قواعد
اور عروض و قافیہ سے بھی آگاہی اور شعر و تاریخ گوئی کے طریقہ سے وقفیت تمام حاصل کی
زمانہ سابقہ کے بادشاہ گردی میں جبکہ جسونت راؤ صاحب ہلکر بہادر و نواب میر خاں صاحب
بہادر پنجاب تک یورش کر کے داد دلیری و دلاوری دیتے تھے اُسی فوج کے ایک
حصّہ میں نواب غفور خاں صاحب بہادر بحیثیت ایک افسر اعلیٰ کے رہتے تھے۔ دیوان
منشا رام صاحب عرف کانجو کل فوج بخشی کے عہدۂ معزز پر ممتاز تھے اور میرے جدّ امجد
بھولا ناتھ صاحب در جوکہ دیوان صاحب کے خسر پورہ بھی تھے اور سیاق و سباق میں
لاثانی دیوان صاحب کے ماتحت تقسیم تنخواہ فوج میں شریک و انباز تھے۔ جب امن و
امان ہو کر صاحبان عالیشان انگریز بہادر مُلک مالوہ میں رونق افروز ہوئے مہاراجہ
ہلکر بہادر اندور و نواب میر خاں بہادر ٹونک تیس تیس لاکھ کے ملک ملنے سے مسرت اندوز
ہوئے۔ حضور نواب غفور خاں بہادر کو جاورہ آٹھ دس لاکھ روپیہ آمدنی سالانہ کا علاقہ
عطا ہوا۔ میرے والد پنڈت جوالا ناتھ صاحب در بڑے نیک نام و ہر دلعزیز تھے اُنھوں نے
اس سرکار کی ملازمت میں تمام عمر بسر کی عہدۂ میر منشی پر مامور تھے۔ حضور دربار معلّٰی
و حضرت نور خاں صاحب مدار المہام ان کی خیر خواہی و دیانت داری و تحریر منشیانہ
و خوشخطی و زود نویسی و معاملہ نگاری سے نہایت خوش و مسرور تھے۔ میں اور برادرم
نر بھون ناتھ اپنے والدین کا گیا شراد کر کے بیس سال ہوئے اس فرض کے
بارِ گراں سے سبکدوش ہوئے اور نور خوش قسمتی سے چہرہ افروز ہوئے۔ بعمر انتیس سال
یعنی سمبت ۱۹۱۹ بکرمی ریاست سیلانہ میں ملازم ہوا حضور کرامت ظہور مہاراجہ دولہ سنگھ
بہادر رئیس سیلانہ نے ایجنٹی مغرب مالوہ آگرہ کی چھاؤنی میں وکیل کیا اور بعد مرور
عرصہ بارہ سال بپاس میری نیکو خدمتی کے میرے بھائی راج کشن کو کہ وہ اس وقت

بعمر پندرہ سال تھا میری جگہ وکیل مقرر کر کے مجھکو کامدار اور جملہ امور ریاست کا کفیل کیا چھ سال میں نے بحیثیت کامداری نیکنامی کے ساتھ کوشش و تندہی بکارہاے سرکار کی اور بعدہ بتحریک بلند حوصلگی وحصول ترقی بخوشی خود کام سے علیحدگی اختیار کی اور بسفارش خان بہادر یار محمد خاں صاحب سی۔ایس۔آئی کامدار سرکار جاورہ ۱۹۳۶ سمبت بکرمی میں بعہد شری مہاراجہ منگل سنگھ بہادر رئیس الور تحصیلدار مقرر ہوا پچیس سال تک تحصیلدار رہکر سمبت ۱۹۵۹ میں پنشنر ہوا۔

آپ کے فرزند اکبر پنڈت اومکار ناتھ در صاحب انسپکٹر محکمہ آبکاری ریاست گوالیار میں ہیں۔ دوسرے فرزند پنڈت جیون ناتھ در صاحب بی۔اے سپرنٹنڈنٹ ریلوے میل سروس بمقام ناگپور قیام پذیر ہیں اور سب سے چھوٹے فرزند پنڈت رامیشور ناتھ در صاحب بی۔اے۔ایل۔ایل۔بی بہ سلسلۂ وکالت کانپور میں مقیم ہیں۔

شور یست در قلمروِ الفت زنامِ ما — پر از صداست کوس محبت بہ بامِ ما
مانند بلبلیم کہ دور اُفتند از چمن — بادِ صبا بہ بر سوئے آن گل پیامِ ما
در دستِ ما حقیر چو دُرد است جامِ جم — لبریز چون ز بادۂ درد است جامِ ما
شد آشنائے گریہ بصد رنگ چشمِ گل — زان خندۂ کہ زد گلِ رنگین کلامِ ما
گردشِ چشمِ تغافل گردشِ ایامِ ما — پختہ مغزی از جنون رفع خیالِ خامِ ما
از جنون و عشق میدارند بے خبری بسے — باعثِ ننگ است در دنیا پرستان نامِ ما
جامِ مے نوشند از خمخانۂ وحدت مدام — صبر میدارد دلِ پُر درد دُردِ آشامِ ما
عمر میگذرد بخوشحالی و نیکو اختری — چہرۂ و زلف است اے توقیر صبح و شامِ ما

در سرم سودا سے ما از بسکہ آغاز جنون است
دل ہمیخواہد خدا سازد بخیر انجامِ ما

چہ نور است بر روے جانانِ ما — چو آئینہ این چشم حیرانِ ما

چو گل چاک گشته گریبانِ ما — که خارت گرفته است دامانِ ما
قدم رنجہ فرمائیت سنگدل — ز احسان کنی مشکل آسانِ ما
چو توقیر محراب ابروے یار — مسلّم شده دین و ایمانِ ما
ندانیم گبر و مسلمان چرا
تعرض کنانند در شانِ ما

مثل خورشید درخشان روے تابانِ کسے است — غیرتِ عقدِ ثریا سلک دندانِ کسے است
در دلِ خود خارِ غم از روے خندانِ کسے است — گریۂ ابرِ بہار از چشم گریانِ کسے است
مثل نرگس چون نے خواہد مژه برہم زدن — چشم من محوِ تماشائے گلستانِ کسے است
سر بسر سر رشتۂ جمعیت از دستم ربود — حیرتِ دارم چنین زلفِ پریشانِ کسے است
کاشکے بودے مرا نقدِ صفا اندر گره — گوہرِ بختِ سفید از سفتہ گوشانِ کسے است
مُہرِ خاموشی بلب آشفتہ و محزون دلم — من نمیدانم کہ سر بر خطِّ فرمانِ کسے است
بس خوشم توقیر پیشِ شاعران اندر سخن
مثل کامل اوستادم عزت و شانِ کسے است

از روئے انورِ تو چو یکسو نقاب شد — خجلت کشید صبح و خور در سحاب شد
برقِ جہان فروز ازان خندۂ کہ دید — از خود بروے خاک بصد اضطراب شد
بر عارضش چو عرق بر آمد بروے آب — شبنم تری نمودہ و گل نیز آب شد
گویند عاشقان کہ بُتِ پُر جفا چہ کرد — خود مُردہ ایم غمزه و نازش با چہ کرد
در حیرتم ہر آئینہ آئینۂ دلم — بُرد از من و بسنگ زد این دلربا چہ کرد
دل کرد خون و برد بغارت متاعِ صبر — دستِ نگار بست تو دزدِ حنا چہ کرد
توقیر آن یگانہ و یکتا علیم ہست
با خاطرم تطاولِ زلفِ دوتا چہ کرد

ازان روزے کہ من در سر ہوائے گلبدن دارم — دماغ خود پریشان از تماشائے چمن دارم

خدارا یک نظر فرما بمن از شعلۂ رویت — بیا بنگر سمندر وار در آتش وطن دارم

سوے این تشنہ لب چشم آب دہ اے شوخ بے پروا — کہ چشم از آبِ حیوانِ لب و چاہِ ذقن دارم

چرا من بارِ منت برکشم از باغبان اے دل — ہزاران گل بدامن چون ز چشم خویشتن دارم

زبس در شعر گفتن میخورم خونِ جگر توقیر

ہوس در دل زخوبیہائے طرزِ برہمن دارم

تو و تیغ جور راندن بہ سرم زناز کردن — من و سر فرو بہ بُردن ادب و نیاز کردن

عجب آتشیست سوزان زغم فراق در دل — کہ ز اضطراب دارد چو شمع گداز کردن

من و جان فدا نمودن تو و در عتاب بودن — من و در زغم کشودن تو و عیش ساز کردن

من و دست برکشادن بدعاے زور دستت — تو و دستِ خویشتن را بجفا دراز کردن

چہ بلاست تُرک چشمت کہ ز ترک مہر دارد — بہ قلم و دلِ من سر ترکتاز کردن

سخنم زفیضِ کامل توقیر رنگ بگرفت

بود النسب از کمالش در مدح باز کردن

دامنِ حسن و صفا را کہ طراز آمدۂ — بر حسینانِ دل افروز فراز آمدۂ

بر سر کشتنِ من برنگ و تاز آمدۂ — ایکہ در بزم بصد عشوۂ و ناز آمدۂ

پئے آن است کہ جویائے نیاز آمدۂ

مطلع مخمس بطرز دیگر

بہرِ خونریزیِ عشاق کہ باز آمدۂ — عاشقان را فلکِ شعبدہ باز آمدۂ

بر سر کشورِ دل دست دراز آمدۂ — ایکہ در بزم بصد عشوۂ و ناز آمدۂ

از پئے گرمیِ بازار نیاز آمدۂ

مر صفت از چہ تو بر کاہشِ تن شد مجبور — سوختہ آتش غم جان و دلِ تو از نور

سر کشید است چرا از سرِ تو شعلۂ طور　　شمع گر ساز بہ پروانہ نداری منظور
از چہ در بزم بہ این سوز و گداز آمدۂ

دوش بستم چو خیالِ رُخِ آن غنچہ دہن　　کر و گل در نظرم سیر و تماشائے چمن
دیدہ چشمم رُخِ آسیب از ان سیب ذقن　　دلم از زلف چو وارست خطش گفت بمن
اندکے باش کہ از راہ دراز آمدۂ

حُسن گر عین عنایات خداوندی نیست　　کاشفِ رمز و کنایات خداوندی نیست
حُسن گر رافعِ رایات خداوی نیست　　حُسن گر مظہرِ آیات خداوندی نیست
من چرا بندۂ تو بندہ نواز آمدۂ

سرو قد لالہ عذاریست نگار گلرو　　ابروان مثل کمان چشم سراپا جادو
دل چسان جمع کند کس ز پریشان گیسو　　لطفِ نظّارۂ بیرون چو دُرو نست کہ تو
رفتی اینک ز برم اے دل و باز آمدۂ

شد دیت خندۂ جان بخش شہیدانِ ترا　　قتل سازی و کنی زندہ بصد ناز و ادا
از رہِ مہر بیا جلوہ نمائی فرما　　از کہ آموختۂ این ستم لطف نما
کہ خودم کشتی و خود بہر نماز آمدۂ

نہ عجب نیست کہ در چشمِ صدف دارد جا　　در جہان جملہ پئے لخت دلانند فدا
کیست کو نور بصر را کند از دیدہ جدا　　من چسان افگنم از چشمِ خود اے اشک ترا
کہ ز خلوتکدۂ دل ہمہ راز آمدۂ

بسکہ نیرنگِ طلسمیست مبیں روے بتان　　بیوفائی ست ز بس عادتِ درخور بتان
پُر حذر باش چو **توقیر** ہم و سوے بتان　　نیتلا نیست ترا شرم کہ در کوے بتان
عہد کردی کہ دگر نایم و باز آمدۂ

خسته دل حور و ملک جن و بشر می بینم خاطر آشفته و پر خوف و خطر می بینم
سینه صد چاک ز غم خاک بسر می بینم این چه شوریست که در دور قمر می بینم
همه آفاق پر از فتنه و شر می بینم

جهل دکّان بکشاده در دانش بند است بے تمیزی بکمال است و ببین تا چند است
باشد آسوده و خوش آنکه نه دانشمند است ابلهان را همه شربت ز گلاب و قند است
قوّت دانا همه از خون جگر می بینم

لایقان تنگ و خراب اند ز بد افعالان احمقان خوش گذرانند و به شادی بالان
فیل با بار کفیل است و به سختی نالان اسپ تازی شده مجروح بزیر پالان
طوق زرّین همه در گردن خر می بینم

دوست با دوست سر کینه سراسر دارد هر کس از همسر خود رنج برابر دارد
اتّفاق زن و شو حکم نوادر دارد هیچ شفقت نه برادر به برادر دارد
هیچ مهر نه پدر را به پسر می بینم

هست اولاد به نالایقی خود قادر روے کم خدمتی آورد بزیر چادر
والدین ار شده مخدوم ز شادو نادر دختران را همه جنگ است و جدل با مادر
پسران را همه بدخواه پدر می بینم

زاهدا گوش بنه حیله مجو نیکی کن از خرابات زمان هیچ مگو نیکی کن
مثل توقیر بره راست بشو نیکی کن پند حافظ بشنو خواجه برو نیکی کن
زانکه این پند به از گنج و گهر می بینم

قصیده توقیر در منقبت رئیس جاوره

حبّذا فرمانروائے کشور دانشوری از وجودت برفزوده عزّت و شان سروری
فرسخا اے طالعت روشن چو مهر خاوری آب شد از فیض احسان تو ابر آذری

کاخِ جاہت در علو دارد غلو از بسکہ ہست	آستانِ او طرازِ آستینِ برتری
خوش امورِ دین و دولت را برائے ارجمند	زینتِ دیگر فزوده داد دادِ بہتری
میفزاید آبرو ارباب فضلِ عقل را	گوہرِ علم و ہنر را ہست ذاتت جوہری
زانتسابِ ذات پاکت لے بہارستان خلق	آب و رنگے برگرفتہ گلستانِ افسری
آفتاب رائے تو جائیکہ نور افشان شود	کیست تا راند سخن از وصفِ مہرِ خاوری
ہر دُرے کز بحرِ طبعت آمده بر روئے آب	زیبد ار بر خاک ریزد آبروئے گوہری
از پئے تحریرِ مدحِ نزادہائے طبع ات	کاغذے باید نزاکت دار چون خوے پری
جوہرِ اوّل بعلم و عقل تو ثانی شود	گر نماید ذرّہ با خورشیدِ رخشان ہمسری
میسزد گر از وفورِ حشمت و اجلال تو	طالع ات نازان شود بر طالعِ اسکندری
محتشم نوّاب شوکت جنگ گردون احتشام	ہست یکتائے زمان در دانش و داد آوری
از کمالِ عدل تو ترسم مبادا سربسر	ترک سازد تُرکِ من آئین جور و دلبری
گشت یکسر بے سر از سر پنجۂ تہدید تو	ہر سرے بے مغز کو سر کرد طرزِ خودسری
داری آن دستے کہ ہر انگشت دستت میکند	از پئے جانِ حسودان کارِ تیغِ حیدری
کیست مردے کز شجاعت پیش تیغت دم زند	اے کہ رایت میفرازد رایتِ بالاتری
نیست عالم اندر عالم غیر ذاتِ قدسِ تو	زانکہ علّامی و در ہر علم داری برتری
ہر کہ شد علّامۂ دوران بفیضِ ذات تست	نیست در عالم کہ با علمِ تو جوید ہمسری
جانبِ سرچشمۂ امید با بذلِ کرم	اہلِ علم و فضل را چون خضر دایم رہبری
میفزاید آبروے جوہرِ اہلِ خرد	ایکہ نازد از وجودت صدرِ والا گوہری
مہرِ تو در جملہ عالم شد عَلَم مانند مہر	چون سلیمان زیرِ حکمِ مہرِ تو جن و پری
روبروے مطربانِ بزمِ عشرت زائے تو	زہره را زہره کجا تا آن کند خنیاگری
یا الٰہی تازه گلہاے نجوم پُر ضیا	ہست آرایش پئے گلزارِ چرخِ اخضری

باد خرم گلشنِ اقبال آن گردون جناب
از دعائے بندۂ توقیر و نیکو اختری

استتی سری مہادیو جی مہاراج

عجب با شان اکبر بود شب شا ہے کہ من دیدم — ز برہمان بشن برتر بود شب شا ہے کہ من دیدم
جٹا جوٹش مثالِ تاجِ شاہنشاہِ دوران بود — خدائے بحر و ہم بر بود شب شا ہے کہ من دیدم
نہایت پاک و ہم ظاہر نشانِ بے نشان ظاہر — بنورِ خود منور بود شب شا ہے کہ من دیدم
جمالش حیرت افزا سوئے چپ شکتی نظر پیرا — ظہورِ گنگ بر سر بود شب شا ہے کہ من دیدم
مزیب جسم از زیور لباسِ فاخرہ در بر — ز خوشبوہا معطر بود شب شا ہے کہ من دیدم
بہشتم زیب بدن ہم منڈ مالا رونقِ گردن — بہر ہر چرم غضنفر بود شب شا ہے کہ من دیدم
سہ چشم و چار بازو مہ جبین نرگاؤ اسواری — بساز بیا و خوشتر بود شب شا ہے کہ من دیدم
مکین در سینۂ بھگتان مکانش لامکان باشد — زحسن خورشید انور بود شب شا ہے کہ من دیدم
صبح حسن و جٹا جوٹش سہ چشم و چار بازو یش — بہ تن زود راکش زیور بود شب شا ہے کہ من دیدم
بسا خوش آن مبارک نام مکتی را دہد پیغام — پئے بھگتی چہ خوشتر بود شب شا ہے کہ من دیدم
سدا شیونام والا از برہما بشن و ہر اعلے — ز عقل و فہم برتر بود شب شا ہے کہ من دیدم
نرآکار و نرنجن سرو بیاپی ظاہر و باطن — برہما بشنو و ہر بود شب شا ہے کہ من دیدم
ز قدرت کرد پیدا ہفت افلاک ہفت اختر را — کہ شا ہے ہفت کشور بود شب شا ہے کہ من دیدم
ہنومان گشتہ راون کشت لنکا را فتح کردہ — مطیع رامچندر بود شب شا ہے کہ من دیدم
برہما بشن و خلقت جملہ فانی و فنا گردند — بقائے روز محشر بود شب شا ہے کہ من دیدم
یا دراکِ رموزِ قدرت و سرِ کمالاتش — فلاطون عقل ششدر بود شب شا ہے کہ من دیدم
عجب دریائے فیض و جود ہر جا ہر طرف موجود — رقم ساز مقدر بود شب شا ہے کہ من دیدم
بہ بخشد گنہ و عصیان ما را از خداوندی — بنا عفوِ مکرر بود شب شا ہے کہ من دیدم

چہ وصفِ او بیان سازم کہ از یک ذرہ تا خورشید
فروغش بسکہ مُضمر بود شب شاہے کہ من دیدم
بیا توقیر حاصل کن تو شرفے از غلا بیش
رحیم و بندہ پرور بود شب شاہے کہ من دیدم

قطعہ تاریخ وفات پنڈت رام ناتھ صاحب شیوپوری دہلوی

آن رام ناتھ عموی عالی دماغ من
دانشورے کہ چشم زمانہ دگر نہ دید
موزون طبع و شاعر و یکتا مورّخے
حاضر جواب و نکتہ رسی شد برآن مزید
درویش بود گرچہ بہ ظاہر تخلصش
لیکن مثال او شہِ ملکِ سخن کہ دید
از گردشِ سپہر بہ دہلی وفات یافت
توقیر آہ سرد ز سوزِ جگر کشید
تاریخ را بہ سمبتِ بکرم سروش گفت
درویش رام ناتھ بہ جنت بیارمید

غزلیات اُردو

عجب ہے حُسن اُس بُتِ حسین کا کہ رنگ فق ہو حورِ چیں کا
وہ نازک اندام نازنیں کا جو دیکھے دل شق ہو یاسمیں کا
ہوا ہے جانسوز ناظریں کا نظارہ رخسار آتشیں کا
وہ پیچ و خم زلفِ دلنشیں کا نمونہ ہے دُودِ عنبریں کا
میانِ لب ہائے سُرخ جاناں نہ سلک دنداں ہوئے نمایاں
وہ نور افشاں ہے لعل رخشاں یہ جلوہ ہے عقدِ گوہریں کا
جگر ہے غم سے وہ شعلہ ریزاں کہ دل ہے اک برقِ آتش افشاں
عجب نہیں جل کے ہو پریشاں جو خرمن اس چرخِ چنبریں کا

وہ جام دل میرا تھا بِ دید لب مقابل ہوا اس سے خورشید
وہ مے ہے اس میں کہ جام جمشید قطرہ ہے دُردِ تہ نشیں کا

ہوئے ہیں توقیر سب سخنداں مگر کہاں کاملِ زباندان
قلم ہے بس اس کا مشک افشاں کہ روسیہ ہے ہو نکتہ چیں کا

ہے تعجب مجھکو وہ بالا بلا کیونکر ہوا
اُس کا رُخ گُل کے لئے حسرت فزا کیونکر ہوا

خندۂ جاں بخش اُس قاتل ستم ایجاد کا
کُشتۂ تیغ نگہ کو خونبہا کیونکر ہوا

حلقہ اُس کے عشق کا گردن میں میری طوق ہے
حلقۂ چشمِ فسوں گر فتنہ زا کیونکر ہوا

گر نہ تھی مظلومیت تقدیر میں عشّاق کے
وہ ستمگر بانیِ جور و جفا کیونکر ہوا

جو کہ مجنوں وار بحرِ عشق میں ہیں غوطہ زن
اُن کی کشتی کے لئے وہ ناخدا کیونکر ہوا

ہے مجھے افسوس از بس بے مرادست دعا
اس کے دامن تک نہ پہونچا نارسا کیونکر ہوا

ہے دوا ہر درد کی توقیر کہتے ہیں یہ سب
پھر مریضِ عشق اُس کا لادوا کیونکر ہوا

نہیں ہے زلف پری رو ہے پیچ و تاب میں سانپ
دکھائی دیتا ہے عاشق کو بسکہ خواب میں سانپ

جو کنٹھا موتی کا تھا اُس پری کے زیب گلو
تو عکس زلف سے دکھیا دُرِ خوش آب میں سانپ

نہیں ہے مصحف رخ پر وہ کاکلِ مشکیں
لپٹ رہا ہے بڑے شوق سے کتاب میں سانپ

صنم کی کاکلِ پُرخم سیاہ رنگ کو دیکھ
ہزار بار نگر آیا پیچ و تاب میں سانپ

یہ چند شعر میں کرتا ہوں پیشکش توقیر
جسے ہو دعویٰ سخن کا کے جواب میں سانپ

کشتۂ عشق ترا ہوش میں آئے کیونکر
زندہ دل ناز مسیحا کا اُٹھائے کیونکر

اے کماں ابرو ترے تیر نظر کا زخمی
داغ پر داغ ہیں جو دل میں دکھائے کیونکر

لاکھ تدبیر کرے شایقِ دیدار ترا
بے اجازت درِ دولت پہ وہ آئے کیونکر

اگر صورت کو دیکھوں مہ لقا کی | کروں جاں کو نچھاور رو نما کی
جنوں ہے خبط ہے تم کو طبیبو | یہ بیماری ہے دردِ لادوا کی
جلا کر جسم کو میرے کیا خاک | عجب گرمی ہے آہِ شعلہ زا کی
نہیں پہونچا گیا دامن تک اُس کے | یہ کوتاہی ہے دستِ نارسا کی
اِدھر بھی اک نظر ہو شاہِ خوباں | دعا لو مجھ گدائے بے نوا کی
کبھی ہوگا موثر جذبۂ دل | عبث ہے فکر اُس نا آشنا کی
تصور کر کے عاشق نے تمھارا | کری بند آنکھ ایسی پھر نہ وا کی
نہیں مخفی ہے تم سے رازِ دل کا | ضرورت کیا ہے عرضِ مدعا کی

نہ آیا وہ کماں ابرو جو توقیر
دعا کے تیر نے شاید خطا کی

ہر وقت آنکھ ہے ترے رُخ پر لگی ہوئی | چُھٹتی نہیں بلا ہے ستمگر لگی ہوئی
بجھتی نہیں ہے سینۂ سوزاں میں ناصحا | جو آگ ہے محبتِ دلبر لگی ہوئی
تیغِ نگاہِ یار سے کھا کر ہزار زخم | مُہرِ سکوت ہے بھدہن پر لگی ہوئی
وہ شعلہ رو وہ زلفِ سیہ فام دُود رنگ | ہے سوزِ دل کو آفتِ مضمر لگی ہوئی

بالا بلا ہے ناز و کرشمہ ہے فتنہ زا
توقیر آفتیں ہیں ترے سر لگی ہوئی

دلا عزم سفر کرنا سمجھ اور سوچ کر پہلے | یہ وہ ہے عشق کی منزل کہ اس میں ہے خطر پہلے
عیاں ہے عاشقوں کو درجۂ بہتر ملے پیچھے | یہ وہ ہے زہرِ قاتل جس کا ہوتا ہے اثر پہلے
جنونِ عشق ایک آفت بلا اور سخت مشکل ہے | بشر پاتا ہے یاں پر امن پیچھے اور شر پہلے

اجل آجاوے میری جان جب نکلے گی قالب سے
مرا محبوب مجھکو دیکھ لیگا اک نظر پہلے

جب تک کہ نظر بر رُخِ جاناں نہیں کرتے
خوش ہو کے دل و جان کو قرباں نہیں کرتے
گلزار طرب خیز و ہم خُلدِ دلاویز
یہ ہمسریِ کوچۂ جاناں نہیں کرتے
جو خوش ہیں غمِ ہجر میں اور صبر ہے دل کو
وہ وصل دلارام کا ارماں نہیں کرتے
ایسا ہے تعلّق اُنھیں پابندیِ غم کا
آزادی سے خوش ہو کے کبھی ہاں نہیں کرتے
ہمدردی اُنھیں ایسی ہے بس درد والم سے
وہ درد کا اپنے کبھی درماں نہیں کرتے
توقیر وہ ایسے ہیں غمِ عشق کے مارے
مرجاتے ہیں پر جینے کا ساماں نہیں کرتے

نوروز

مے نوش اک زمانہ ہے در جامِ انبساط
آواز کوس آتی ہے بر بامِ انبساط
وردِ زبانِ عام ہے یہ نامِ انبساط
نوروز لے کے آیا ہے پیغامِ انبساط
ہو رشکِ صبح عید یہ روشن سحر تجھے

دل تیرا خورّمی سے گلستاں سرا رہے
اور عندلیب عیش کا دستاں سرا رہے
فضلِ خدا سے باغِ تمنّا ہرا رہے
دامن گُلِ مراد سے تیرا بھرا رہے
آمد ہو سالِ نو کی مسرت اثر تجھے

جب تک چمن میں تازگی اور گُل میں بُو رہے
اور دلربائے غنچہ دہن خندہ رو رہے
جب تک کہ دورِ چرخ بریں چارسو رہے
محفوظ چشمِ زخم زمانہ سے تو رہے
پہنچا سکے نہ تیغِ حوادث ضرر تجھے

خندہ سے رشکِ تازہ بہارِ چمن ہو تو
اور خلق سے خجل کن مشکِ ختن ہو تو
یوسف سا یادگار زمان و زمن ہو تو
سرمست ساغرِ مئے حُبِّ وطن ہو تو
ہوں اس کے گھونٹ راحتِ قلب و جگر تجھے

سہرہ

تربھون ناتھ کے چہرہ پہ جب آیا سہرہ
ایسی شادی ہوئی پھولوں نہ سمایا سہرہ

فیض از بس لیا مہرِ رخِ نورانی سے
آب گوہر کی طرح چہرہ پہ لایا سہرہ

گرچہ پا بوسیِ نوشہ میں وہ ہر بار جھکا
عہدۂ شکر سے لیکن نہ برآیا سہرہ

چشمِ نرگس نے کبھی سہرا نہ دیکھا ایسا
گوشِ گل کے نہ کبھی سننے میں آیا سہرہ

سر سلامت رہے جس سر پہ یہ باندھا سہرہ
ہاتھ قائم رہے وہ جس نے بنایا سہرہ

شعر کی کیوں نہ ہو توقیر سخندانوں میں
آفریں ہو اُسے جس نے یہ سُنایا سہرہ

کیا صفت سہرہ کی ہو چرخ بریں پر توقیر
پریوں نے اِندر کی محفل میں یہ گایا سہرہ

جگت - پنڈت جگت نراین بھان صاحب خلف پنڈت جے کرشن بھان صاحب
پنڈت سروپ نراین بھان صاحب عاصی آپ کے فرزند دوم تھے۔ آپ ایک مدت دراز تک محکمہ نمک ممالک متحدہ آگرہ و اودھ میں ملازم رہے۔ جناب عاصی کے سوانح عمری بلا حظ ہو۔

مثنوی در حمد باری تعالیٰ

امیر ست و آمرزگارِ جہان
امیری گدا را بہ بخشد ہمان

بری از ثنا - بُرد بارِ جہان
بہ من بخشد از فضل تاب و توان

پناہِ صغیر و کبیر است او
پری دار در ہر ضمیر است او

توانا و توبہ پذیر است او
ترا و مرا دستگیر است او

ثنایش چہ گویم کہ ثانیش نیست
ثبات و خرد بخش و دانش یکیست

جمیلِ نکو کار بیشک یکیست
جمالش بدل بین کہ مہراند کیست

چو او چارہ سازد بہ بیچارگان
چرا بیکسان را شود نیم جان

حریمش پناہے بہ آزادگان
حمایت کنِ حالِ افتادگان

خداوند پست و بلند است او — خردمند و دانش پسند است او

دوائے دلِ دردمندان کند — دعا را پذیرا بہ ہر آن کند

ذمِ او مکن ہرچہ او آفرید — ذلیل آن نہ ذرّہ کہ مہرش گزید

رہش را نباشد قریب و بعید — رہا شد ز دنیا کہ در خود بدید

زر و زور با عاجزان میدہد — زبانے بہ کج مج بیان میدہد

ژکیدن بجز وصفِ راہش بود — ژرف را سکون از نگاہش بود

سرِ سروران است بے اشتباہ — سپاہِ جمالش چو خورشید ماہ

شہنشاہِ ہر دو جہان است او — شہان را بسجدہ فزود آبرو

صبوری دہِ زاہدانِ نکو — صراحی دہِ رند و میخوارہ او

ضیابخشِ خورشید و سیّارہ دان — ضمیرش کہ داند بجز عارفان

طلب طالبان را کند پُر ہنر — طوالت بود گفتگوے دگر

ظلالِ بزرگی بعالم فگند — ظلوم است در پیشِ او ناپسند

طویلش نباشد منم راست گو — عدالت نخواہم مگر فضلِ او

غمم نیست چون اوست غُربانواز — غلامانِ خود را بود کارساز

فروتن نواز است و فریادرس — فروزندۂ شمعِ خاموش و بس

قدیر است و ہم کارسازِ جہان — قلم وصفِ او چون نماید بیان

گر آید بفضلِ خود اے دوستان — گرامی کند بیکسانِ جہان

لبیب است و لاثانی الطاف دوست — لئیم است آن گو نہ درخورد اوست

نظیرش بود نادر اے مہربان — یم لطفِ او ہفت دریا عیان

وحیدِ زمان است و دور آنچنان — ورا جز پناہش نہ جستن توان

ہمہ اوست مُرشد بود رہنما — ہمہ از وجودش نباشد جدا

یکے را بکن یاد اے دلربا — یکے ہست در ہر عدد جا بجا
جگت کیست کو داند اسرار او
بود پنڈت عاجز ز دربار او

جلالی - پنڈت دھرم چند کول جلالی صاحب

آپ نے زیادہ حصّہ زندگی کا شملہ میں گذارا نہایت ہر دلعزیز بزرگ تھے۔ ۱۸۷۷ء میں دربار قیصری کے متعلق آپ نے ایک عمدہ نظم کہی تھی افسوس ہے کہ وہ دستیاب نہیں ہوئی۔ آپ فارسی کے اعلیٰ درجہ کے شاعر و ناثر تھے۔ آپ کے لڑکے رائے بہادر پنڈت رادھا کشن کول جلالی مرحوم جو ڈپٹی کمشنر کشمیر تھے۔

تاریخ ولادت فرزند

شکرِ فیاضے کہ از جوشِ دو عالم را قیام — خاص فیضِ جاودان لفظش بمن فرمود عام
دانۂ فیضش کہ از کشتِ امیدم بردمید — بر دہد خرمن برآورد ہمچنین خرمن مدام
گوہرِ شہوار کز گنجِ عطایش یافتم — درّۃ التاجش کند دولت مدام از احترام
یعنی از برجِ حرم گاہ مہین پورم دمید — اخترِ اقبال و دولت با فروغِ احتشام
چترِ فضلِ کبریا ظلّ اب و اعمام بود — بر سرش دایم چو نورِ مہر بر ماہِ تمام
ضمن سالِ ہندوی نامش ملک گفت از فلک — از علوِ طالعش شایان نراندر ناتھ نام

سمت ۱۹۳۴ ب

عیسوی سالش جلالی از سرِ دعوات گفت
سربلند از بخت و از اقبال باد اشاد کام

۱۸۸۱ء

تاریخ وفات پنڈت لالجی پرشاد ٹکو

نبود و مبادا چنین ہیچ گاہے — ز جورِ زمان شورشِ آہے آہے
کہ دانشورِ ملک و دولت پناہے — بخوُ رخرد زینت و قربِ شاہے
دبیر یکہ سر مشق دانش زِ کلکش — امیر یکہ ز و خلق را فخر و جاہے
وزیر یکہ سرکار بہا و آپڑ از وے — بہ ترتیب جز و کل امداد خواہے
جہان شادمان خلق ہم زیرِ حکمش — کہ شد عید و نوروز ہر صبح گاہے
دریغا کہ رفت از جہان مرد احسان — پئے منزلِ قربِ حق زاد راہے

بہ شد منقطع واے آن کن دولت | تاسف کنان شاہ با اشک آہے
ازین ماتم سخت ہر سو وران ملک | زگریہ پدیدار ابر سیاہے
زبس حسرت وغم بدیوانگی خلق | بجز خاک کس را نہ بر سر کلاہے
بہ این صدمہ از ہندی وعیسوی سال | جلالی نوشتست این دو مصرعہ بہ آہے

گذشت از جہان آہ صاحب شکوہے
بباغ جنان یافت آرام گاہے

جودت - پنڈت ٹھاکر پرشاد مشران صاحب

میکند جوشے جنون آوارہ صحرا مرا | کیست غمخوارے کہ زنجیرے کند در پا مرا

اشک من راست بگو میل چہ دیدن داری | آمدی بر سر مژگان وچکیدن داری
استخوانِ تنِ خود را بفراقت جانان | سرمہ کردم کہ بسر سرمہ کشیدن داری

سیکڑون قتل کئے عاشقِ دلگیر ابتک | تسپہ خوں تشنہ ہے قاتل تری شمشیر ابتک
کبھی پہونچی نہ سر بام کمندِ الفت | دھاگے دیتا ہے مجھے رشتۂ تقدیر ابتک
صدمۂ آہ شرر بار سے تیری جودت | چرخ کھاتا ہے برابر فلکِ پیر ابتک

جوہر - پنڈت دینا ناتھ صاحب خلف پنڈت دیبی پرشاد صاحب

عرف سالباے - لکھنوی - شاگرد امانت -

قتل کرا و قاتلِ بے پیر اپنے ہاتھ سے | غیر کو دیتا ہے کیوں شمشیر اپنے ہاتھ سے
زلف چھو کر اس بت کافر کی قیدی ہم ہوئے | ہاے دل میں پڑ گئی زنجیر اپنے ہاتھ سے

جب تلک ہوتی نہیں تقدیر اسے جوہر بہم
بن نہیں پڑتی کوئی تدبیر اپنے ہاتھ سے

جیون۔ جیون لال شیو پوری صاحب مقیم کلکتہ

آپ کلکتہ میں عرصہ سے مقیم ہیں اور رائل ایکس چینج میں تجارت کرتے ہیں۔ نہایت مہمان نواز با وضع رئیس ہیں۔ کبھی کبھی فکر سخن کرتے ہیں طبیعت پُرشوق اور جدت پسند پائی ہے۔

دردِ کی دل کو شکایت ہے کہ اچھا نہ ہوا میں ہوں مسرور کہ ممنونِ مسیحا نہ ہوا
کون وہ دل ہے کہ جو دل ترا شیدا نہ ہوا کون وہ جا ہے کہ جس جا ترا چرچا نہ ہوا
ایک تو ہے کہ زمانہ کو ہوئی چاہ تری ایک میں ہوں کہ مرا پوچھنے والا نہ ہوا
حشر میں غل تھا کہ اک اور قیامت آئی
آشکارا جو جنونِ دلِ دیوانہ ہوا

قیامت اُٹھ رہی ہے کمسنی میں شوخیاں ہو کر بپا وہ کونسا محشر کریں دیکھیں جواں ہو کر
اسیری میں اثر ایسا دکھا سوزِ نہاں اپنا کہ جل اُٹھیں قفس کی تیلیاں آتش فشاں ہو کر
میں وہ برگشتہ قسمت ہوں کہ میرے آشیانہ پہ بجائے آبِ باراں آگ برسی بجلیاں ہو کر
ہماری بدنصیبی اک نصیحت ہے زمانہ کو ہوا ہے قصۂ غم عام اپنا داستاں ہو کر
مقدر میں الٰہی میرے پیدا ایسی گردش کر کہ لوں میں بھی عوض اس آسماں سے آسماں ہو کر
نہ جانے کون سے اعمال کا ثمرہ دیا جیون
خدائے مہرباں نے ان دنوں نامہرباں ہو کر

ہمارے قتل کا اچھا بہانہ ہے وہ کہتے ہیں تماشائے دلِ بسمل تہِ شمشیر دیکھیں گے
یہی سودا رہا گر حضرتِ دل زلف پیچاں کا تو اک دن دست و پا میں آپ کے زنجیر دیکھیں گے
وہ اپنے حسن کا انداز میری آنکھ سے پوچھیں بھلا آئینۂ حیراں میں کیا تصویر دیکھیں گے
تمنا کوئی اے جیون نہ برآئی ترستے ہیں
ابھی تک ہے یہی حسرت کہ کب کشمیر دیکھیں گے

سر میں سودا عشق کا جب سے جنوں نے کر دیا — شغل مجھ وحشی کے بہلانے کو اچھا کر دیا
چاہئے تھا آبروئے یار کا کچھ تو خیال — آتشِ شوقِ زلیخا تو نے یہ کیا کر دیا
شیخ جی نے کر لیا شوخِ بتِ لندن سے عشق
عشق نے کفر و مسلمانی کو یکجا کر دیا

شکوہ

آج اظہارِ غمِ جور و ستم کرنا ہے — شکوۂ غفلتِ اربابِ کرم کرنا ہے
نقشۂ رنج و محن صرفِ قلم کرنا ہے — قوم کی حالتِ پُر درد رقم کرنا ہے
دل کو پہلو میں نہیں چین کہ غم بھاری ہے
لو جگر تھام کہ فریاد کی اب باری ہے
ہاتھ آئے ہیں زمانے کے تماشے کیسے — چٹکلے چھوڑے نئے یاروں نے کیسے کیسے
باہمی شوہر و زوجہ کے یہ جھگڑے کیسے — روح و قالب میں طلاقوں کے ہیں چرچے کیسے
ان دنوں خون زمانہ کا ہوا بسکہ سفید
کوئی باقی نہ رہی مذہب و ملّت کی بھی قید
تھی ہدایت یہ پسر کو کہ ولایت جائے — خوشہ چیں مغربی تہذیب کا ہو کر آئے
مُلک میں نام ہو عزّت ملے رتبہ پائے — اچھی لڑکی کوئی تو تان کی گھر میں آئے
جلوۂ لیلیٔ یورپ کا تماشائی ہو
مغربی طرز کا مجنون ہو شیدائی ہو
کی پسر نے بخوشی حکمِ پدر کی تعمیل — ہو گئی آکسن و کنٹبی بننے کی سبیل
عشوۂ و حسنِ فرنگی قیامت تمثیل — رفتہ رفتہ ہوئی دل اور طبیعت پہ دخیل
الغرض قوم کی ہستی سے ہوئے بیگانہ
سایۂ مسِّ پری رو کے بنے دیوانہ
باپ نے چاؤ سے بیٹے کی رچائی شادی — پر اُسے قوم کی لڑکی سے نہ بھائی شادی



پنڈت چاند نرائن رینہ - چاند

جی میں دُلہن تھی بہت شاد کہ آئی شادی　　　خلوتِ خاص میں نوشاہ کو لائی شادی
شرم سے یاں تھا چراغِ تہِ دامن کا گماں
اور تصوّر میں تھا واں اک بتِ لندن کا سماں
اپنا سمجھا ہو جسے اُس کا پرایا ہونا　　　یک بہ یک یاس کا امّید میں پیدا ہونا
عوضِ عیش تھا یوں خونِ تمنّا ہونا　　　خطِ تقدیر میں لکھا تھا نہ اچھا ہونا
فکر بیمار مسیحا کو نہ منظور ہوئی
وصل کی رات بھی گویا شبِ مہجور ہوئی
حسرتیں خاک ہوئیں رہ گئے دل کے ارماں　　　پھول کھلنے بھی نہ پائے تھے کہ آپہونچی خزاں
کس طرح دردِ دلِ کشتۂ غفلت ہو بیاں　　　ہر گھڑی آبر کا یہ شعر تھا بس وردِ زباں
شکل امید تو کب ہم کو نظر آتی ہے
صورتِ یاس بھی بن بن کے بگڑ جاتی ہے

مزا تو جب ہے کہ میکشی میں۔ رہے نہ کچھ ہوش بیہوشی میں
بچی کھچی جو ہو وہ بھی دیدے تو میرے ساقی ترا کرم ہے
میں کیا بتاؤں ہے کیا نظارا ہے کون کون اس میں جلوہ آرا
دلِ حزیں گو ہے پارہ پارہ۔ مرے لئے تو وہ جامِ جم ہے
جو یادِ پرماتما میں جیون حقیقتِ آتما کو سمجھے
تو کوئی جینے کی اُس کو راحت نہ کوئی مرنے کا اُسکو غم ہے

چاند۔ پنڈت چاند نراین رینہ صاحب خلف پنڈت کنور نراین رینہ صاحب
آپ پنڈت شیو نراین رینہ صاحب شمیم ایڈوکیٹ ہائی کورٹ پنجاب کے نبیرہ ہیں اور بمقام گورداسپور بعہدۂ اکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر ممتاز ہیں۔ آپ سوز و ساز کے رنگ میں ڈوبے ہوئے ہیں۔ آپ نے ایک دردمند طبیعت پائی ہے اور آپ کے کلام کی سادگی و سلاست

اور جذبات قابل داد ہیں۔

غزل

میرے دل کا کبھی پورا کوئی ارماں نہ ہوا
مجھ پہ اے خوبیِ قسمت ترا احساں نہ ہوا

لذّتِ دردِ محبّت کا کہوں کیا عالم
یہ تو اچّھا ہوا اس درد کا درماں نہ ہوا

قطرۂ بارشِ رحمت کو ترستا ہی رہا
میں وہ غنچہ ہوں کہ اب تک گلِ خنداں نہ ہوا

کشتیِ دل! ہے عبث خوفِ تلاطم تجھ کو
بحرِ الفت ہی وہ کیا جس میں کہ طوفاں نہ ہوا

شوقِ پرواز ہی کو چاند بھلایا دل سے
میں وہ قیدی ہوں جو منّت کشِ زنداں نہ ہوا

لذّتِ اندوہ کا شیدا مرا دل ہو گیا
یعنی میں دنیا میں اب جینے کے قابل ہو گیا

کیا کہوں لذّت جو بحرِ عشق کی موجوں میں ہے
رو دیا میں گر کبھی دیدارِ ساحل ہو گیا

لے چلا واپس مجھے منزل کا شوقِ انتظار
سعیِ پیہم سے اگر میں قُربِ منزل ہو گیا

کیا کوئی کشتی نہیں باقی رہی طوفانِ موج
تو جو یوں آسودۂ دامانِ ساحل ہو گیا

رازِ الفت سے شناسا چاند مجھ کو کر دیا
دل مرا منّت کشِ بزمِ عنادل ہو گیا

ہے تلاشِ درد میں جو مبتلا وہ درد ہوں
آرزوئے ربطِ ملّت ہے جسے وہ فرد ہوں

ہمنشیں ہے درد کا میرے مداوا کیفِ درد
فکرِ درماں سے سوا ہوتا ہے جو وہ درد ہوں

گلستانِ آرزو سرسبز ہو کیونکر مرا
رشکِ صدبادِ خزاں جو ہو وہ آہِ سرد ہوں

رہ وہی ہے چاند میری اور ہے منزل وہی
کارواں اقبالؔ ہے میں کارواں کی گرد ہوں

اِدھر کمالِ عشق ہے۔ اُدھر کمالِ حسن ہے
اِدھر جبیں ہے فرش پر۔ اُدھر دماغ عرش پر

اِدھر ہیں دل میں ولولے۔ اُدھر ہیں سرد مہریاں
اِدھر بہار کی ہوس۔ اُدھر خزاں ہے جوش پر

مَیں ذرّہ ہوں تجھ سے ملا چاہتا ہوں الٰہی میں کیا ہوں یہ کیا چاہتا ہوں
ہے دستِ جنوں میرا پھر محوِ وحشت میں دامن کو اپنے سیا چاہتا ہوں
نہیں ذوقِ ساحل مجھے بحرِ الفت میں موجوں میں تیری رہا چاہتا ہوں
عجب سادگی ہے جو خود ہے مداوا اسی درد کی میں دوا چاہتا ہوں
ترے فیض بخشی سے اے ابرِ رحمت میں قطرہ سے دریا ہوا چاہتا ہوں
میں خوابیدہ موجوں کو دریائے الفت پیامِ تلاطم دیا چاہتا ہوں
کرے چاند جو نارسائی کو رسوا
تمنّا وہ پیدا کیا چاہتا ہوں

میری تقصیر ہے۔ دے مجھکو سزا اے تقدیر جس نے رسوا کیا تجھ کو وہی ارماں ہوں میں
غمِ فرقت کی دوا دل سے جو پوچھی میں نے اشک کہنے لگا چپکے سے کہ درماں ہوں میں
دلِ مضطر میں یہ کس طرح سمائی ہوگی وسعتِ آرزو اتنی ہے کہ حیراں ہوں میں
آرزو! رہنے دے خوابیدہ مجھے چھیڑ نہ تو آکے تڑپے گی تو جس میں وہی زنداں ہوں میں
عشق تو جستجوئے حُسن میں آوارہ ہے حُسن کہتا ہے کہ ہر چیز میں پنہاں ہوں میں
منظرِ اوج نے کتنا مجھے بیتاب کیا
صورتِ دودِ سیہ چاند پریشاں ہوں میں

منزلِ حق سے وہ باطل ہوں کہ کوسوں دور ہوں ہوں تو میں ظلمت مگر محوِ تلاشِ نور ہوں
مانعِ دید آنکھ ہے اور دل کو سودا دید کا تو کسی صورت سے آجا دل میں مَیں مجبور ہوں
بیخودی۔ ہمدم! مری منّت کشِ مینا نہیں مست رکھتی ہے جسے الفت میں وہ مخمور ہوں
جلوہ فرما دل میں تو۔ محروم تابِ دید مَیں میں تجلّی بھی ہوں۔ موسیٰ بھی ہوں کوہِ طور ہوں
کیوں نہ روؤں ہمنشیں! میں اپنی قیدِ زیست پر
چاند ہوکر محفلِ انجم سے کتنا دور ہوں

فلک! تجھ تک میں پہونچوں گا تخیّل کے غباروں میں   کہ شاید شاہدِ الفت ملے تیرے ستاروں میں
نہیں آساں رہِ منزل میں کچھ اپنا گذر ہمدم   اُلجھتی ہے مری کوشش تمناؤں کے خاروں میں
تجھی میں ہے نگاہِ عشق! احسن دلربا پنہاں   سمجھتی ہے جسے تو مدتوں سے لالہ زاروں میں

زخمۂ امید اک دن ٹوٹ کر رہ جائے گا   "بے صدا ہو جائیگا یہ سازِ ہستی ایک دن"
ٹکڑے ہو ہو کر نکلتا گر نہ دل آنکھوں کی راہ   چشمِ گریاں! خونِ دل کو تو ترستی ایک دن
بحرِ رسوائی کی موجوں میں چھپی - اُبھری! اگر   ناخدا تھی کشتیِ دل کی جو مستی ایک دن

سوا ہو درد مجھ کو جس قدر فکرِ مداوا ہو   الٰہی میرے پہلو میں کبھی وہ دردِ پیدا ہو
مجھے نفرت ہے شورش سے میں ہوں خلوت کا شیدائی   دلِ خاموش ہو عزلت ہو میں ہوں اور صحرا ہو
جنونِ عشق کا پردہ اگر آنکھوں سے اُٹھ جائے   یہ مجنوں ہو نہ صحرا ہو نہ محمل ہو نہ لیلیٰ ہو

اگر اے چاند میرے دل کو کوئی چیر کر دیکھے
کہیں داغِ الم ہو اور کہیں خارِ تمنا ہو

برق میں بھی یہ اُسی شوخ کا انداز نہ ہو   یہ کہیں محوِ تبسم وہ فسوں ساز نہ ہو
داستانِ دلِ پُر درد نہ پھیلے ظالم   "اس طرح توڑ مرے دل کو کہ آواز نہ ہو"
زخمۂ دل کو نہیں تارِ نفس سے الفت   بے صدا کس طرح ہستی کا مری ساز نہ ہو
دل سے میں آرزوئے اوج مٹا کر دیکھوں   شوقِ پرواز کہیں مانعِ پرواز نہ ہو

کس طرح ان پہ کھُلا رازِ دلِ مضطر چاند
بینوائی ہی کہیں منکشفِ راز نہ ہو

الٰہی کونسی وہ آرزو ہے دل میں آنے کو   جسے چشمِ عدو سے دل تڑپتا ہے چھپانے کو
جگہ کس کس کو دوں دل میں - کروں کس کس کی خاطر   تڑپتی ہیں ہزاروں آرزوئیں دل میں آنے کو
نہیں ہے یہ تڑپتی اپنی فکرِ نارسائی پر   ہے میری آرزو بیتاب میرے ہی مٹانے کو
مجھے بے خانماں پاکر بنی مونس مری صرصر   اُڑا لائی کہیں سے وہ کسی کے آشیانے کو

میں قسمت مثالِ صبا چاہتا ہوں

مئے بیخودی میں پیا چاہتا ہوں میں سوئے فلک اب اُڑا چاہتا ہوں
خدا سے گذارش کیا چاہتا ہوں اسے دل کی خواہش کہا چاہتا ہوں
میں قسمت مثالِ صبا چاہتا ہوں

صبا نے وہ جوبن کھلایا ہوا ہے تبسّم سا ہر گل پہ آیا ہوا ہے
اور اُس سیمتن کو رجھایا ہوا ہے ہر اک مرغِ دل کو پھنسایا ہوا ہے
میں قسمت مثالِ صبا چاہتا ہوں

صبا اُن کے گھر میں اُڑی جارہی ہے صبا اپنے انداز دکھلا رہی ہے
صبا ناز سے ان کو بہلا رہی ہے صبا کی ادا ان کو کیا بھا رہی ہے
میں قسمت مثالِ صبا چاہتا ہوں

نہ جانے صبا کیا سُنانے لگی ہے ہنسی ان کے چہرے پہ آنے لگی ہے
وہ کس کس طرح سے رجھانے لگی ہے وہ کیوں اس قدر ان کو بھانے لگی ہے
میں قسمت مثالِ صبا چاہتا ہوں

نہیں اپنی قسمت پہ کوئی بھی شاکر یہ دیکھیں تو لگتی ہے اک چوٹ دل پر
رہو چاند تم اپنی قسمت پہ صابر نہ لاؤ یہ خواہش دروں قلبِ مضطر
میں قسمت مثالِ صبا چاہتا ہوں

"زمیں پر رہ کے بھی ہو محفلِ انجم کا شیدائی"

طبیعت آشنا ہونے لگی تھی میری رفعت سے
زباں ہونے کو تھی منّت پذیرِ تابِ گویائی
یہ ممکن تھا کہ میں انجم کی محفل میں پہونچ جاتا
طبیعت میں مری تھا موجزن ذوقِ خود افزائی

ریاضِ آرزو کے میرے پژمُردہ ہوئے بوٹے
کوئی ایسی ستم آلودہ گلشن میں ہوا آئی
مرا فردا جھلک سے ہوگیا محروم کچھ ایسا
طبیعت سے مری جاتا رہا رنگِ شکیبائی
کبھی تھی فکر حاضر کی۔ نظر تھی گاہے فردا پر
عجب عالم میں بیٹھا تھا۔ صدا یہ غیب سے آئی
تو زیرِ دام رہ کر بھی تمنّا رکھ بلندی کی
زمیں پر رہ کے بھی ہو محفلِ انجم کا شیدائی
ترا ذوقِ فلک بوسی دبے گا دام سے کیونکر
اُڑا لے جائے گی اس کو بھی تیری شانِ رعنائی
تو محوِ بندگی بھی ہو نہیں پابند ہو سکتا
نہیں گوہر صدف میں بند رہ کر آب کھو سکتا

مکالمہ

نقابِ قدرت کو چاک کر دیگی میری دیوانگی۔ الٰہی
تجھے میں آخر کو دیکھ لوں گا نہ رکھ تو اپنے کو یوں چھپا کر
نہیں ہے موسیٰ کی آنکھ میری کہ ہو نہ جو درخورِ تجلّی
مجھے بھی اک بار آزما لے چمک کا طوفان پھر بپا کر
تجھے ہے منظور گر مٹانا جہاں سے اپنے تمیز۔ ملّت
نہاں پھر ہو جانا چشمِ عالم سے اپنا پیکر اُسے دکھا کر

جواب

عیاں ہو کر بھی مَیں نا آشنائے چشمِ ظاہر ہوں
ارے ناداں مَیں مثلِ بوئے گل محرومِ پیکر ہوں

تڑپ بن کر ہوں بجلی میں چمک بن کر ستاروں میں
گل و لالہ میں رہتا ہوں میں پوشیدہ ہوں خاروں میں

صبا بن کر پراگندہ ہوں - بو بن کر پریشاں ہوں
ترے دل سے نکلتا ہی نہیں جو میں وہ ارماں ہوں

مَیں قطرہ ہوں مَیں دریا ہوں مَیں گُل ہوں اور گلستاں ہوں
کہوں کیا اپنی وسعت کی مَیں ذرّہ ہوں بیاباں ہوں

میری ہستی نہیں ہے ہستیِ محسوس ظاہر میں
میں ڈھل جاتا ہوں مثلِ مے ترے جامِ تصوّر میں

نشاط و غم

نشاط

غم! بتا تُو رہنے والا کونسی بستی کا ہے؟
ہے کہاں تیرا نشیمن راز کیا ہستی کا ہے؟

میں تبسّم بن کے انساں کے لبوں پر ہوں عیاں
زندگی کے تیری لیکن اور ہی ہیں کچھ نشاں؟

مقصدِ ہستی جو ہے تیرا تجھے معلوم ہے
راز کیا میری بھی ہستی کا تجھے معلوم ہے؟

قلبِ انساں کو تہ و بالا سدا رکھتا ہے تُو
اپنی ہستی میں بتا پوشیدہ کیا رکھتا ہے تُو؟

جوابِ غم

کوہ میں صحرا میں ہوں میں بحر میں طوفاں میں ہوں
گل میں ہوں بلبل میں ہوں شبنم میں ہوں انساں میں ہوں

اَوج میں پستی میں ہوں منزل میں ہوں غربت میں ہوں
آہ میں نالے میں ہوں شیون میں ہوں فرقت میں ہوں

بے خبر سنجیدگی سے تو- پہ سنجیدہ ہوں میں
واقفِ بادِ بہاری تو -خزاں دیدہ ہوں میں
تیرا پر تو میری ہستی کو فنا کرتا نہیں
پہلوئے انساں میں سوجاتا ہوں پر مرتا نہیں
وسعتِ دل سے اگر تھوڑا بھی بڑھ جاتا ہوں میں
اشک بن کر چشمِ انساں سے نکل آتا ہوں میں
دل کو فردا کے لئے ہشیار کر دیتا ہوں میں
چشمِ انساں کو ذرا بیدار کر دیتا ہوں میں
سرمہ بن کر چشمِ انساں میں سما جاتا ہوں میں
عالمِ فانی کی اصلیت کو دکھلاتا ہوں میں
عارضی منظر دکھا کر دل کو خوش کرتا ہے تو
ہو حقیقت آشنا باطل پہ کیوں مرتا ہے تو

امید و یاس

یاس

رازِ ہستی اپنا تو امید کر مجھ پر عیاں
اور حقیقت کی مری بھی مجھ سے کہہ تو داستاں
تو ہوئی بتلا شناسائے تبسم کس طرح
اور بنی امید تو محبوبِ عالم کس طرح
خرمنِ ہستی مرا کیسے جلا دیتی ہے تو
شمع میری زندگی کی کیوں بجھا دیتی ہے تو

جوابِ امّید

تیری ہستی کا جہاں میں یاس میں آغاز ہوں
محفلِ عالم میں تو گر سوز ہے میں ساز ہوں

میری ہی بگڑی ہوئی اے یاس تو تصویر ہے
میں اگر تدبیر ہوں ۔ تو نا رسا تدبیر ہے

مَوت میں میری ہے پوشیدہ ترا رازِ حیات
بے صدا ہے سامنے میرے ترا سازِ حیات

کیا خبر ناداں تجھے دنیا میں کیا کرتی ہوں میں
ذرّے ذرّے کو شناسائے خدا کرتی ہوں میں

یادِ ایّامِ گذشتہ کو فنا کرتی ہوں میں
دل کو فردا کی جھلک سے آشنا کرتی ہوں میں

زندگی کیا ہے؟ مسلسل امتحانِ آرزو
ایک میں ہی ہوں جہاں میں پاسبانِ آرزو

سازِ عشرت کے لئے ہستی مری مضراب ہے
بحرِ عالم کا میں ساحل ہوں جو تو گرداب ہے

راہ گم کردہ مسافر کا دیا بنتی ہوں میں
کشتیِ بے بادباں کا ناخدا بنتی ہوں میں

آرزوئے دیدِ گل بن کر دلِ بلبل میں ہوں
اور تمنّائے گلستاں بن کے میں ہر گل میں ہوں

کشتیِ محوِ تلاطم کے لئے ساحل ہوں میں
رنج وغم ۔ درد و الم کی آخری منزل ہوں میں

میں نہاں جس دل میں ہوں وہ دل سراپا نور ہے
اختر تابندہ سے بھی اس کی منزل دور ہے

مردہ دل کو اپنے جادو سے جِلا دیتی ہوں میں
تو سُلاتی ہے جسے اُس کو جگا دیتی ہوں میں

پنڈت برج نراین چکبست صاحب خلف پنڈت اودت نراین صاحب چکبست لکھنوی۔

پنڈت برج نراین چکبست ۱۸۸۲ء میں بمقام فیض آباد پیدا ہوئے تھے لیکن چند ہی سال کے بعد لکھنؤ جو اُن کا آبائی وطن تھا چلے آئے اور یہیں نشو ونما پائی ۱۹۰۵ء میں بی۔ اے کی ڈگری کیننگ کالج سے حاصل کی اور ۱۹۰۷ء میں ایل۔ ایل۔ بی کا امتحان پاس کیا اور لکھنؤ میں وکالت شروع کی پیشہ وکالت میں بھی بہت جلد کامیابی حاصل کی اور تھوڑے ہی عرصہ میں ان کی قانونی قابلیت اور حسن تقریر کا اثر پبلک پر نمایاں ہونے لگا۔ چکبست مرحوم کا جو وقار اپنے ہم پیشہ لوگوں اور حکام کی نظروں میں تھا اس کا اندازہ اُن تقریروں سے ہوتا ہے جو مسٹر جسٹس اسٹوارٹ چیف جج عدالت عالیہ چیف کورٹ اودھ اور مسٹر کنڈل ڈسٹرکٹ جج لکھنؤ نے مرحوم کی وفات کے بعد وکلا کی جماعت کے سامنے کیں اور جس کے بعد مرحوم کے اظہار غم میں تمام عدالتیں بند ہوگئیں چکبست کو اوائل عمر ہی سے شعر کہنے کا شوق تھا اور پہلی غزل بارہ برس کی عمر میں کہی تھی چند سال ہی میں اُن کی خلقی ذہانت اور طبیعت داری نے ایسا رنگ دکھلایا کہ ہر طرف سے تحسین کے نعرے بلند ہونے لگے اور اہل سخن نے ان کو اپنی محفلوں میں قدر و اعزاز کے ساتھ جگہ دی۔ چکبست مرحوم کو ابتدا ہی سے اساتذہ کے کلام پڑھنے کا شوق تھا۔ آتش۔ غالب۔ انیس وغیرہ کے کلام کے شیدائی تھے چنانچہ ان کے مسدس میں انیس اور غزل میں آتش کی تقلید کا اثر نمایاں ہے۔



پنڈت برج نراین چکبست

ان کا کلام اور ان کے مضامین کشمیر درپن۔ خدنگ نظر۔ ادیب اور زمانہ وغیرہ میں وقتاً فوقتاً چھپتے رہتے تھے اور نہایت دلچسپی سے پڑھے جاتے تھے افسوس کہ ان رسالوں میں سے زمانہ کے سوا بہتوں کا وجود بھی باقی نہ رہا۔

مؤلف تذکرہ خمخانہ جاوید چک بست کی شاعری و قابلیت کی نسبت اس طور پر مدح سرا ہیں کہ "پنڈت برج نراین صاحب وکیل ہائی کورٹ ہیں لفظ چک بست آپ کا عرف ہے۔ تخلص شروع سے رکھا ہی نہیں، لہذا ہم حیران ہیں کہ شعر و شاعری کے لکھنے میں کس خطاب سے مخاطب کریں اور یاران سخن سنج سے کیا کہکر تعارف کرائیں اکثر رسالوں میں آپ کا کلام عرف کو تخلص قرار دیکر درج ہوتا ہے ناچار ہم بھی ایسا کرنے مجبور ہیں آپ کے خط کا خلاصہ قابل تحریر ہے":۔

جناب والا۔ تسلیم۔ آپ نیازمند کے سوانح زندگی دریافت کرتے ہیں حیران ہوں کہ کیا لکھوں اوّل تو میں باضابطہ شاعر ہی نہیں ہوں تخلص کا بھی گنہگار نہیں۔ چک بست میرا عرف ہے نہ کہ تخلص سولہ سترہ برس سے شعر و سخن کا مذاق ضرور ہے لیکن ایک دیوان بھی تیار نہیں ہوا ایسی حالت میں مجھے باضابطہ شاعروں کے زمرے میں داخل کرنا ہی بیکار ہے لیکن خیر مجموعہ میں تو میرا نام آ ہی گیا اب آپ کو زندگی کے حالات کیا لکھوں لکھنؤ وطن ہے عمر تقریباً اٹھائیس سال ہے اپنے دوستوں کا دل بہلانے کو کبھی کبھی شعر کہہ لیتا ہوں پرانے رنگ کی شاعری یعنی غزل گوئی سے ناآشنا ہوں لیکن اُسکے ساتھ میرا عقیدہ ہے کہ محض خیالات کو توڑ مروڑ کر نظم کر دینا شاعری نہیں۔ میرے خیالات کے مطابق خیالات کی تازگی کے ساتھ زبان میں شاعرانہ لطافت اور الفاظ میں تاثیر کا جوہر ہونا ضروری ہے لیکن میں پھر آپ کو لکھتا ہوں کہ میں قدردان سخن ہوں

سخنور نہیں جس کا نام شاعری ہے وہ اور چیز ہے جو بہر حال مجھے نصیب نہیں۔

چکبست کے کلام میں خیال کی بلند پردازی اور شوکت الفاظ بہت زیادہ ہے۔ آپ کے دیوان سخن میں جدھر نظر اُٹھا کر دیکھئے قدرتی مناظر کے سین مختلف جذبات سے فوٹو نظر آتے ہیں۔حب وطن۔آداب و اخلاق کے دلفریب تصاویر تو کثرت سے دکھائی دیتی ہیں مگر محض حسن و عشق کے چرچے بہت کم۔ واقعات کے نظم کرنے میں آپ کی قابلیت اور مشاقی مسلّم ہے ایک چھوٹا اور معمولی واقعہ بیان کرنے کے لئے پہلو بدل بدل کر کبھی بند مسلسل لکھ جاتے ہیں تشبیہات خوب برتتے ہیں بعض جگہ اسلوب بیان میں ایسی روانی اور دلکشی ہوتی ہے کہ اساتذہ کے کلام کا دھوکا ہوتا ہے رامائن کے جو سین آپ نے نظم کئے اُن کی دلچسپی اور دلفریبی حدّ توصیف سے باہر ہے کاش اس طرح پوری کتاب نظم اردو کے قالب میں ڈھل جاتی تو علم ادب اردو میں ایک قابل قدر اضافہ ہوتا۔

منشی بلرام کشن صاحب ماتھر نے چکبست کی جواں مرگی پر اظہار افسوس کرتے ہوئے جس قابلیت سے مرحوم کی شاعری پر اپنے مضمون مندرجہ رسالہ زمانہ کانپور ماہ فروری ۱۹۲۶ء میں بحث کی ہے اس کا ایک دلچسپ حصّہ اس موقع پر درج کیا جاتا ہے۔

"افسوس کہ لکھنؤ سے ایک ایسی ہستی اُٹھ گئی جس کی قادرالکلامی اور معجز بیانی کا ایک عالم شیدائی تھا اور جس کے اخلاق اور اوصاف کا ایک زمانہ مداح تھا سچ یہ ہے کہ پنڈت برج نراین چکبست مرحوم کی یکایک وفات سے جو صدمہ ادبی دنیا کو پہونچا ہے وہ محتاج بیان نہیں۔چکبست مرحوم اُن چند اہل کمال میں سے تھے جنھوں نے زبان اردو کی شاعری اور انشا پردازی میں ایک عظیم الشان تغیّر پیدا کر دیا ہے اور جو دور جدید کے اُن سچے اور وفادار رہنماؤں میں سے تھے جنھوں نے پُرانے تنگ اور دشوار گذار راستوں کو ترک کر کے ایک ایسا نیا اور پُر فضا میدان پیش نظر کر دیا ہے جس کی سیر میں اہل نظر کو رنگینیِ قدرت کا لطف حاصل ہوتا ہے۔چکبست ایک

رنگِ سخن کے موجد تھے اور غزل میں فلسفانہ اور اخلاقی خیالات کا ادا کرنا ان کی جودت طبع کا بہترین اور قابل قدر کارنامہ ہے اس میں شک نہیں کہ ان کا کلام نئے خیالات کا مرکز اور ان کی زبان عام جذبات کی ترجمان ہے مگر لطف کی بات یہ ہے کہ نئے خیالات اور فطرتی جذبات کے ادا کرنے پر بھی ان کے کلام میں شاعرانہ صنّاعی اور الفاظ کی بندش اور زبان کی پاکیزگی جو اردو شاعری کے جوہر ہیں موجود ہیں اور یہ ایسی بات ہے جس نے اُن کے کلام کا لطف دو بالا کر دیا ہے اور اردو شاعری میں ایک روح تازہ پھونک دی ہے"۔

چکبست مرحوم نے اپنی زیرِ ادارت ایک رسالہ صبحِ اُمید کے نام سے لکھنؤ سے نکالنا شروع کیا تھا مگر وہ بھی کچھ عرصہ کے بعد بند ہو گیا۔ یوں تو پنڈت برج نرائن چکبست کی زندگی میں سیکڑوں واقعات ایسے ہوئے ہونگے جن میں ان کی علمی قابلیت اور جدّت طبع کی آزمائش کا موقع ہوا ہوگا لیکن جو معرکہ آرائیاں گلزارِ نسیم کے مباحثہ کے متعلق ۱۹۰۵ء میں ہوئی تھیں اور جن میں چکبست نے سب سے بڑا حصّہ لیا تھا وہ زبان اردو کی تاریخ میں ایک پُر لطف اور یادگار سرگزشت ہے اس مباحثہ کا بالتفصیل ذکر کرنے کی ضرورت نہیں کیونکہ اس کے حالات ابتدا سے انتہا تک مرزا محمد شفیع شیرازی صاحب لکھنؤ نے اپنے بے نظیر مجموعہ میں جو مباحثہ گلزار نسیم معروف بہ معرکۂ چکبست و شرر کے نام سے شایع ہوا ہے نہایت خوبی سے بیان کر دئے ہیں۔ چکبست کی عمر اُس وقت تقریباً بیس سال کی تھی اور طالبعلمی کا زمانہ تھا مگر مولانا شرر کے جوابات جس قابلیت اور خوبی سے انھوں نے دئے ہیں وہ ان کے مذاق سلیم کا بہترین نمونہ ہے اور اس کا اثر یہ ہوا تھا کہ تمام اہل کمال نے اُس وقت چکبست کا ساتھ دیا اور انھیں کو حق بجانب ٹھہرایا۔ مولانا حسرت موہانی فرماتے ہیں کہ مسٹر چکبست نے جو جواب کہ اردوے معلّٰی میں دیا ہے وہ بھی دیکھنے کے قابل ہے خصوصاً سند کے اشعار

بہم پہونچانے میں اُن کی تلاش حیرت انگیز ہے۔ دوسری جگہ فرماتے ہیں غالباً مسٹر چکبست کے مضمون (جواب) دیکھنے سے پہلے بہت سے لوگوں کا یہ خیال ہوگا کہ ان کا کوئی جواب ہو ہی نہیں سکتا لیکن مسٹر چکبست نے جس محنت اور قابل تعریف تلاش کے ساتھ اساتذہ کے اشعار سے مثالیں اور سندیں بہم پہونچائی ہیں اس کی داد ان کے حریفوں کو بھی دینا پڑیگی اور اگر انصاف سے کام لیا جاوے تو اکثر غلطیوں کے الزام سے نسیم کو بری کرنا پڑیگا۔ چکبست کی شاعری زیادہ تر پولیٹکل شاعری ہے جس میں حب الوطنی اور جذبات قومی کے اعلیٰ نمونہ موجود ہیں کہتے ہیں:۔

دل کئے تسخیر بخشا فیض روحانی مجھے
حبِّ قومی ہو گیا نقش سلیمانی مجھے

ایک موقع پر اور کہا ہے:۔

روشن دلِ ویراں ہے محبت سے وطن کی
یا جلوۂ مہتاب ہے اُجڑے ہوئے گھر میں

ان کا قول تھا جس انسان میں ایثار اور وطن پرستی کا مادّہ نہیں وہ درجہ انسانیت سے گرا ہوا ہے چنانچہ فرماتے ہیں:۔

مٹا جو نام تو دولت کی جستجو کیا ہے
نثار ہو نہ وطن پر تو آبرو کیا ہے
لگا دے آگ نہ دل میں تو آرزو کیا ہے
نہ جوش کھائے جو غیرت سے وہ لہو کیا ہے

فدا وطن پہ جو ہو آدمی دلیر ہے وہ
جو یہ نہیں تو فقط ہڈیوں کا ڈھیر ہے وہ

ہوم رول کی اہمیت و ضرورت کو یوں ظاہر کرتے ہیں:۔

زباں کو بند کیا ہے یہ غافلوں کو ہے ناز
ذرا رگوں میں لہو کا بھی دیکھ لیں انداز
رہیگا جان کے ہمراہ دل کا سوز و گداز
چتا سے آئے گی مرنے کے بعد یہ آواز

طلب فضول ہے کانٹے کی پھول کے بدلے
نہ لیں بہشت بھی ہم ہوم رول کے بدلے

چکبست کی شاعری میں ایک خاص بات یہ ہے کہ وہ اپنے کلام میں زیادہ تر ایسے مناظر پیش کرتے ہیں جو ہندوستان ہی سے تعلق رکھتے ہیں ان کے استعارات تشبیہات میں عموماً ان فطرتی مناظر اور تواریخی واقعات کا ذکر آتا ہے جن کو ہندوستان کا بچہ بچہ جانتا ہے اور اس کی وجہ سے ان کے کلام میں ایک خاص اثر پیدا ہو جاتا ہے چنانچہ ان کے کلام میں کوہ ہمالیہ، دریائے گنگ، ارجن، اکبر اور رانا وغیرہ کے حالات کا ذکر بکثرت ملیگا۔ پہاڑوں سے ابر اُٹھنا ہندوستان کا ایک خاص نظارہ ہے فرماتے ہیں:۔

یہ خاک ہند میں پیدا ہیں جوش کے آثار　　ہمالیہ سے اُٹھے ابر جیسے دریا بار
لہو رگوں میں دکھاتا ہے برق کی رفتار　　ہوئی ہیں خاک کے پردے میں ہڈیاں بیدار

ہندوستانی مظلوموں کی حالت بیان کرتے ہوئے کیا خوب کہا ہے:۔

پڑھی نماز تو اُجڑے گھروں کے صحرا میں
اگر نہائے تو اپنے لہو کی گنگا میں

"خاک ہند" میں فرماتے ہیں:۔

گوتم نے آبرو دی اس معبد کُہن کو　　سرمد نے اس زمیں پر صدقے کیا وطن کو
اکبر نے جام الفت بخشا اس انجمن کو　　سینچا لہو سے اپنے رانا نے اس چمن کو

سب سور بیر اپنے اس خاک میں نہاں ہیں
ٹوٹے ہوئے کھنڈر ہیں یا ان کی ہڈیاں ہیں

چکبست مرحوم کی تنقید کی خوبی یہ ہے کہ خیالات اور ذاتی حملوں سے پاک اور بری ہے اور وہ باوجود نکتہ چینی کرنے کے جادۂ اعتدال سے کبھی باہر قدم نہیں رکھتے ہیں ایک مضمون کے شروع میں کہتے ہیں:۔

اُلجھ پڑوں کسی دامن سے میں وہ خار نہیں
وہ پھول ہوں جو کسی کے گلے کا ہار نہیں

اپنا اصول تنقید گلزار نسیم کے مباحثہ کے متعلق اُس مضمون میں جو اودھ پنچ میں شایع ہوا خود بیان فرماتے ہیں کہ جہاں تک میری ذات سے تعلق ہے میرے قلم سے ایک نقرہ بھی ایسا نہ نکلے گا جس سے کسی بندہ خدا کی توہین ہو

ادب آموز ہے ہر ایک ذرّہ اپنی وادی کا
نہیں ممکن کہ گرد اُڑ کر پڑے رہرو کے دامن پہ

اپنا اصول تو یہ ہے:۔

محبت سے بنا لیتے ہیں اپنا دوست دشمن کو
جھکاتی ہے ہماری عاجزی سرکش کی گردن کو

مثنوی گلزار نسیم کا دیباچہ جس نے ادبی دنیا میں ایک حشر برپا کر دیا تھا چک بست مرحوم کی مضمون نگاری کی اعلیٰ ترین مثال ہے اور اس میں فن تنقید کی پوری شان نمایاں ہے۔ مرزا محمد شفیع شیرازی جن کا ذکر اوپر آچکا ہے اپنی یادگار تصنیف مباحثہ گلزار نسیم میں فرماتے ہیں "انصاف ہمیں یہ کہنے پر مجبور کرتا ہے کہ جناب چک بست کے قلم سے جو مضامین جناب شرر کے اعتراضات کے جواب میں شایع ہوئے ہیں ان میں پوری شان تنقید قائم ہے اور اپنے مخالفین کی شان میں ایک لفظ بھی ایسا استعمال نہیں کیا ہے جو مذاق سلیم کے پایہ سے گرا ہوا ہو۔

چک بست کی زندگی اور ان کے خیالات اور عقائد پر پنڈت بشن نرائن در مرحوم کا بہت بڑا اثر تھا اور اس میں شک نہیں کہ ان کی وطن پرستی اور صدق دلی اور پاک نفسی کا ہر شخص معتقد تھا۔ سوشل ریفارم کے وہ حامی تھے مگر مغربی شان اور نمائش کو وہ ترقی نہیں سمجھتے تھے ان کا اصول تھا کہ ریفارم صدق دلی اور سادگی

کے ساتھ باطنی اصلاح اور اخلاقی درستی سے ہوتا ہے نہ کہ ظاہر داری اور نمائش سے اُن کے خیالات کا اندازہ اُس نظمِ بے مثل سے جو "پھول مالا" کے نام سے شایع ہوئی ہے ہو سکتا ہے۔

علمی قابلیت اور قومی ہمدردی کے علاوہ چکبست مرحوم کے ذاتی صفات ایسے تھے جنھوں نے ان کے احباب کے دلوں کو تسخیر کر لیا تھا ان کا اخلاق انکے مزاج کی سادگی ان کی مروت یہ باتیں ایسی ہیں جو ان کے ملنے والوں پر جادو کا اثر رکھتی تھیں خود فرماتے ہیں:۔

دلِ احباب میں گھر ہے شگفتہ رہتی ہے خاطر
یہی جنت ہے میری اور یہی باغِ ارم میرا

افسوس کہ ایسی قابلِ فخر ہستی یکایک ہماری نگاہوں سے اوجھل ہو گئی مگر جو احسانات چکبست مرحوم نے زبان اور قوم پر کئے ہیں ان کی یاد جب تک زبان اردو میں خیالات اور جذبات کے تحریر و تقریر میں ادا کرنے کی تاثیر ہے اور جب تک شاعری اور علم ادب انسانی تہذیب کے جزو اعظم ہیں برابر قائم رہے گی ان کا پُر جوش کلام ہمیشہ دلوں کو متاثر کرتا رہیگا مرحوم کا ارادہ تھا کہ بنگالی زبان سے بہترین حالات و جذبات کو زبان اردو میں نظم کریں مگر افسوس ہے کہ قبل از وقت وفات نے ان کے ارادوں کا خون کیا اور ان کی آرزو پوری نہ ہو سکی ۱۲ فروری ۱۹۲۶ء کو بمقام راے بریلی جہاں وہ ایک مقدمہ کے سلسلہ میں گئے تھے یکایک ریل پر بعارضہ فالج مبتلا ہو گئے اور چند گھنٹوں کے بعد اس دار فانی سے رحلت کی حضرت محشر لکھنوی نے انھیں کے مشہور مصرع سے تاریخ وفات نکالی ہے ؎

کیسی بے وقت اجل آ گئی محشر افسوس — روح رخصت ہوئی اک لفظ کہا اور نہ سنا
ان کے ہی مصرع سے تاریخ ہے ہمراہِ عزا — موت کیا ہے انھیں اجزا کا پریشاں ہونا
۱۳۴۴ھ

۱۸۹۴ء میں جب چوتھی سوشل کانفرنس کشمیری پنڈتان بمقام لکھنؤ منعقد ہوئی تھی تو اُس وقت چک بست کی عمر تقریباً بارہ سال تھی۔ موزونیِ طبع زمانۂ طفولیت ہی سے اپنا رنگ دکھانے کو بیتاب تھی۔ چنانچہ اُس جلسہ کانفرنس میں جو پہلی نظم اپنی تصنیف کی ہوئی اُس مرحوم نے پڑھی تھی وہ حسب ذیل ہے۔

حُبِّ قومی کا زباں پر اندنوں افسانہ ہے ۔۔۔ بادۂ الفت سے پُر دل کا مرے پیمانہ ہے
جس جگہ دیکھو محبّت کا وہاں افسانہ ہے ۔۔۔ عشق میں اپنے وطن کے ہر بشر دیوانہ ہے
جبکہ یہ آغاز ہے انجام کا کیا پوچھنا ۔۔۔ بادۂ الفت کا یہ تو پہلا ہی پیمانہ ہے
ہے جو روشن بزم میں قومی ترقّی کا چراغ ۔۔۔ دل فدا ہر اک کا اس پر صورتِ پروانہ ہے
مجھسے اس ہمدردی و الفت کا کیا ہو بیاں ۔۔۔ جو ہے وہ قومی ترقی کے لئے دیوانہ ہے
لُطف یکتائی میں جو ہے وہ دوئی میں ہے کہاں ۔۔۔ برخلاف اس کے جو ہو سمجھو کہ وہ دیوانہ ہے
نخل الفت جن کی کوشش سے اگا ہے قوم میں ۔۔۔ قابلِ تعریف اُن کی ہمتِ مردانہ ہے
ہے گلِ مقصود سے پُر گلشنِ کشمیر آج ۔۔۔ دشمنی نا اتفاقی سبزۂ بیگانہ ہے
دُر فشاں ہے ہر زباں حبِّ وطن کے وصف میں ۔۔۔ جوش زن ہر سمت بحرِ ہمّتِ مردانہ ہے
یہ محبت کی بنا قائم ہوئی ہے آپ سے ۔۔۔ آپ کا لازم تہِ دل سے ہمیں شکرانہ ہے
ہر بشر کو ہے بھروسہ آپ کی امداد پر ۔۔۔ آپ کی ہمدردیوں کا دور دور افسانہ ہے

جمع ہیں قومی ترقی کے لئے اربابِ قوم
رشک فردوس انکے قدموں سے یہ شادی خانہ ہے

چک بست الٰہ آباد کے ایک مشاعرہ میں مدعو کئے گئے تھے مگر بوجہ علالت شرکت سے معذور رہے اور جواب میں اشعار ذیل اُسی زمین میں جس میں کہ مشاعرہ کا مصرع طرح تھا بھیجدئے تھے۔

پا بہ زنجیر نقاہت سے ہوں مجبوری ہے ۔۔۔ کششِ بزم سخن سے مجھے انکار نہیں

مزلِ عیش مجھے گوشۂ گمنامی ہے دل وہ یوسف ہے جسے فکر خریدار نہیں
تنِ خاکی سرِ پرواز کہاں سے لائے دل تڑپتا ہے قدم مائلِ رفتار نہیں
رونقِ بزم نہیں میرے قدم کی محتاج فکر بیکار ہے پھولوں میں اگر خار نہیں
ذکر کیا آئیگا بزمِ شعرا میں اپنا
میں تخلّص کا بھی دنیا میں گنہگار نہیں

رامائن کا ایک سین

راجہ رامچندر جی کا ماں باپ سے رخصت ہونا

رخصت ہوا وہ باپ سے لیکر خدا کا نام راہِ وفا کی منزلِ اوّل ہوئی تمام
منظور تھا جو ماں کی زیارت کا انتظام دامن سے اشک پوچھ کے دل سے کیا کلام
اظہار بیکسی سے ستم ہوگا اور بھی
دیکھا ہمیں اُداس تو غم ہوگا اور بھی
دل کو سنبھالتا ہوا آخر وہ نونہال خاموش ماں کے پاس گیا صورتِ خیال
دیکھا تو ایک در میں ہے بیٹھی وہ خستہ حال سکتہ سا ہوگیا ہے یہ ہے شدّتِ ملال
تن میں لہو کا نام نہیں زرد رنگ ہے
گویا بشر نہیں ہے تصویرِ سنگ ہے
کیا جانے کس خیال میں گم تھی وہ بے گناہ نورِ نظر پہ دیدۂ حسرت سے کی نگاہ
جنبش ہوئی لبوں کو بھری سرد ایک آہ لی گوشہ ہائے چشم سے اشکوں نے رُخ کی راہ
چہرہ کا رنگ حالتِ دل کھولنے لگا
ہر موئے تن زباں کی طرح بولنے لگا
آخر اسیرِ یاس کا قفلِ دہن کھلا وا تھا دہانِ زخم کہ بابِ سخن کھلا
ایک دفترِ مظالمِ چرخِ کہن کھلا افسانۂ شدائدِ رنج و محن کھلا

دردِ دلِ غریب جو صرفِ بیاں ہوا
خونِ جگر کا رنگ سخن سے عیاں ہوا

رو کر کہا خموش کھڑے کیوں ہو میری جاں
میں جانتی ہوں جس لئے آئے ہو تم یہاں
سب کی خوشی یہی ہے تو صحرا کو ہو رواں
لیکن میں اپنے منہ سے نہ ہرگز کہوں گی ہاں
کس طرح بن میں آنکھوں کے تارے کو بھیجدوں
جوگی بنا کے راج دُلارے کو بھیجدوں

دُنیا کا ہو گیا ہے یہ کیسا لہو سفید
اندھا کئے ہوئے ہے زر و مال کی امید
انجام کیا ہو کوئی نہیں جانتا یہ بھید
سوچے بشر تو جسم ہو لرزاں مثالِ بید
لکھی ہے کیا حیاتِ ابد اُن کے واسطے
پھیلا رہے ہیں جال یہ کس دن کے واسطے

لیتی کسی فقیر کے گھر میں اگر جنم
ہوتے نہ میری جان کو سامان یہ بہم
ڈستا نہ سانپ بن کے مجھے شوکت و حشم
تم میرے لعل تھے مجھے کس سلطنت سے کم
مَیں خوش ہوں پھونک دے کوئی اس تخت و تاج کو
تم ہی نہیں تو آگ لگاؤں گی راج کو

کن کن ریاضتوں سے گزارے ہیں ماہ و سال
دیکھی تمہاری شکل جب اے میرے نونہال
پورا ہوا جو بیاہ کا ارمان تھا کمال
آفت یہ مجھ پہ آئی ہوئے جب سفید بال
چھٹتی ہوں اُن سے جوگ لیا جن کے واسطے
کیا سب کیا تھا میں نے اسی دن کے واسطے

ایسے بھی نامراد بہت آئیں گے نظر
گھر جن کے بے چراغ رہے ہونگے عمر بھر
رہتا مرا بھی نخلِ تمنّا جو بے ثمر
یہ جائے صبر تھی کہ دعا میں نہیں اثر

لیکن یہاں تو بن کے مقدّر بگڑ گیا
پھل پھول لا کے باغِ تمنّا اُجڑ گیا

سرزد ہوئے تھے مجھ سے خدا جانے کیا گناہ   منجدھار میں جو یوں مری کشتی ہوئی تباہ
آتی نظر نہیں کوئی امن و اماں کی راہ   اب یاں سے کوچ ہو تو عدم میں ملے پناہ
تقصیر میری خالقِ عالم بحل کرے
آساں مجھ غریب کی مشکل اجل کرے

سُن کر زباں سے ماں کی یہ فریاد درد خیز   اُس خستہ جاں کے دل پہ چلی غم کی تیغ تیز
عالم یہ تھا قریب کہ آنکھیں ہوں اشک ریز   لیکن ہزار ضبط سے رونے سے کی گریز
سوچا یہی کہ جان سے بیکس گذر نہ جائے
ناشاد ہم کو دیکھ کے ماں اور مر نہ جائے

پھر عرض کی یہ مادرِ ناشاد کے حضور   مایوس کیوں ہیں آپ الم کا ہے کیوں وفور
صدمہ یہ شاق عالمِ پیری میں ہے ضرور   لیکن نہ دل سے کیجئے صبر و قرار دور
شاید خزاں سے شکل عیاں ہو بہار کی
کچھ مصلحت اسی میں ہو پروردگار کی

یہ جعل یہ فریب یہ سازش یہ شور و شر   ہونا جو ہے سب اُس کے بہانے ہیں سر بسر
اسباب ظاہری میں نہ اُن پر کرو نظر   کیا جانے کیا ہے پردۂ قدرت میں جلوہ گر
خاص اُس کی مصلحت کوئی پہچانتا نہیں
منظور کیا اُسے ہے کوئی جانتا نہیں

راحت ہو یا کہ رنج خوشی ہو کہ انتشار   واجب ہر ایک رنگ میں ہے شکرِ کردگار
تم ہی نہیں ہو کشتۂ نیرنگ روزگار   ماتم کدہ میں دہر کے لاکھوں ہیں سوگوار
سختی سہی نہیں کہ اُٹھائی کڑی نہیں
دنیا میں کیا کسی پہ مصیبت پڑی نہیں

دیکھے ہیں اس سے بڑھ کے زمانے نے انقلاب
جس سے کہ بیگناہوں کی عمریں ہوئیں خراب
سوزِ دروں سے قلب و جگر ہو گئے کباب
پیری مٹی کسی کی کسی کا مٹا شباب
کچھ بن نہیں پڑا جو نصیبے بگڑ گئے
وہ بجلیاں گریں کہ بھرے گھر اجڑ گئے

ماں باپ مُنہ ہی دیکھتے تھے جن کا ہر گھڑی
قائم تھیں جنکے دم سے امیدیں بڑی بڑی
دامن پہ جنکے گرد بھی اُڑ کر نہیں پڑی
ماری نہ جنکو خواب میں بھی پھول کی چھڑی
محروم جب وہ گُل ہوئے رنگِ حیات سے
اُن کو جلا کے خاک کیا اپنے ہاتھ سے

کہتے تھے لوگ دیکھ کے ماں باپ کا ملال
ان بیکسوں کی جان کا بچنا ہے اب محال
ہے کبریا کی شان گذرتے ہی ماہ و سال
خود دل سے دردِ ہجر کا مٹتا گیا خیال
ہاں کچھ دنوں تو نوحہ ماتم ہوا کیا
آخر کو رو کے بیٹھ رہے اور کیا کیا

پڑتا ہے جس غریب پہ رنج و محن کا بار
کرتا ہے اس کو صبر عطا آپ کردگار
مایوس ہو کے ہوتے ہیں انساں گناہگار
یہ جانتے نہیں وہ ہے دانائے روزگار
انسان اُس کی راہ میں ثابت قدم رہے
گردن وہی ہے امرِ رضا میں جو خم رہے

اور آپ کو تو کچھ بھی نہیں رنج کا مقام
بعدِ سفر وطن میں ہم آئیں گے شاد کام
ہوتے ہیں بات کرنے میں چودہ برس تمام
قایم امید ہی سے ہے دنیا ہے جس کا نام
اور یوں کہیں بھی رنج و بلا سے مفر نہیں
کیا ہوگا دو گھڑی میں کسی کو خبر نہیں

اکثر ریاض کرتے ہیں پھولوں پہ باغباں
ہے دن کی دھوپ رات کی شبنم انھیں گراں

لیکن جو رنگ باغ بدلتا ہے ناگہاں وہ گُل ہزار پردہ میں جاتے ہیں رائیگاں
رکھتے ہیں جو عزیز انھیں اپنی جاں کی طرح
ملتے ہیں دست یاس وہ برگِ خزاں کی طرح
لیکن جو پھول کھلتے ہیں صحرا میں بے شمار موقوف کچھ ریاض پہ ان کی نہیں بہار
دیکھو یہ قدرت چمن آرائے روزگار وہ ابر و باد و برف میں رہتے ہیں برقرار
ہوتا ہے اُن پہ فضل جو ربِّ کریم کا
موجِ سموم بنتی ہے جھونکا نسیم کا
اپنی نگاہ ہے کرم کارساز پر صحرا چمن بنے گا وہ ہے مہرباں اگر
جنگل ہو یا پہاڑ سفر ہو کہ ہو حضر رہتا نہیں وہ حال سے بندے کے بیخبر
اُس کا کرم شریک اگر ہے تو غم نہیں
دامانِ دشت دامنِ مادر سے کم نہیں

ماں کا جواب

یہ گفتگو ذرا نہ ہوئی ماں پہ کارگر ہنس کر وفورِ یاس سے لڑکے پہ کی نظر
چہرہ پہ یوں ہنسی کا نمایاں ہوا اثر جس طرح چاندنی کا ہو شمشان میں گذر
پنہاں جو بیکسی تھی وہ چہرہ پہ چھا گئی
جو دل کی مُردنی تھی نگاہوں میں آگئی
پھر یہ کہا کہ میں نے سُنی سب یہ داستان لاکھوں برس کی عمر ہو دیتے ہو ماں کو گیان
لیکن جو میرے دل کو ہے درپیش امتحان بچے ہو اس کا علم نہیں تم کو بے گمان
اس درد کا شریک تمھارا جگر نہیں
کچھ ماتا کی آنچ کی تم کو خبر نہیں
آخر ہے عمر ۔ ہے یہ مرا وقت واپسیں کیا اعتبار آج ہوں دنیا میں کل نہیں

لیکن وہ دن بھی آئیگا اس دل کو ہے یقیں　　سوچو گے جب کہ روئی تھی کیوں مادرِ حزیں
اولاد جب کبھی تمھیں صورت دکھائے گی
فریاد اس غریب کی تب یاد آئے گی

اِن آنسوؤں کی قدر تمھیں کچھ ابھی نہیں　　باتوں سے جو نہ مجھ یہ وہ دل کی لگی نہیں
لیکن تمھیں ہو رنج یہ میری خوشی نہیں　　جاؤ سدھارو خوش رہو میں روکتی نہیں
دنیا میں بیحیائی سے زندہ رہوں گی میں
پالا ہے میں نے تم کو تو دکھ بھی سہوں گی میں

نشتر تھے رام کے لئے یہ حرفِ آرزو　　دل ہل گیا سرکنے لگا جسم سے لہو
سمجھے جو ماں کے دین کو ایمان و آبرو　　سُننی پڑی اُسے یہ خجالت کی گفتگو
کچھ بھی جواب بن نہ پڑا فکر و غور سے
قدموں پہ ماں کے گر پڑے آنسو کے طور سے

طوفان آنسوؤں کا زباں کر رہا تھا بند　　رُک رُک کے اس طرح ہوا گویا وہ دردمند
پہونچی ہے مجھسے آپ کے دل کو اگر گزند　　مرنا مجھے قبول ہے جینا نہیں پسند
جو بے وفا ہے مادرِ ناشاد کے لئے
دوزخ یہ زندگی ہے اس اولاد کے لئے

ہے دُور اس غلام سے خود رائی کا خیال　　ایسا گمان بھی ہو نہیں میری یہ مجال
گر سَو برس بھی عمر کو میری نہ ہو زوال　　جو دین آپ کا ہے ادا ہو یہ ہے محال
جاتا کہیں نہ چھوڑ کے قدموں کو آپ کے
مجبور کر دیا مجھے وعدہ نے باپ کے

آرام زندگی کا دکھاتا ہے سبز باغ　　لیکن بہار عیش کا مجھکو نہیں دماغ
کہتے ہیں جس کو دھرم وہ دنیا کا ہے چراغ　　ہٹ جاؤں اس روش سے تو کُل میں لگے گا داغ

بے آبرو یہ بنس نہ ہو یہ ہراس ہے
جس گود میں پلا ہوں مجھے اسکا پاس ہے

بن باس پر خوشی سے جو راضی نہ ہونگا میں   کس طرح مُنہ دکھانے کے قابل رہونگا میں
کیونکر زبان غیر کے طعنے سہونگا میں   دنیا جو یہ کہے گی تو پھر کیا کہونگا میں
لڑکے تھے بیحیائی کو نقشِ جبیں کیا
کیا بے ادب تھا باپ کا کہنا نہیں کیا

تاثیر کا طلسم تھا معصوم کا خطاب   خود ماں کے دل کو چوٹ لگی سُن کے یہ جواب
غم کی گھٹا سے ہٹ گئی تاریکیِ عتاب   چھاتی بھر آئی ضبط کی باقی رہی نہ تاب
سرکا کے پاؤں گود میں سر کو اُٹھا لیا
سینہ سے اپنے لختِ جگر کو لگا لیا

دونوں کے دل بھر آئے ہوا اور ہی سماں   گنگ وجمن کی طرح سے آنسو ہوئے رواں
ہر آنکھ کو نصیب یہ اشکِ وفا کہاں   ان آنسوؤں کا مول اگر ہے تو نقدِ جاں
ہوتی ہے ان کی قدر فقط دل کے راج میں
ایسا گُہر نہ تھا کوئی دشرت کے تاج میں

فریاد قوم

ہے آج اور ہی کچھ صورت بیاں میری   تڑپ رہی ہے دہن میں مرے زباں میری
چھدینگے قلب وجگر تیر ہے فغاں میری   لہو کے رنگ میں ڈوبی ہے داستاں میری
مبالغہ نہیں تمہید شاعرانہ نہیں
غریب قوم کا ہے مرثیہ فسانہ نہیں

وطن سے دور تباہی میں ہے وطن کا جہاز   ہوا ہے ظلم کے پردے میں حشر کا آغاز
سُنیں تو ملک کے ہمدرد قوم کے دمساز   ہوا کے ساتھ یہ آتی ہے دُکھ بھری آواز

وطن سے دور ہیں ہمپر نگاہ کر لینا
ادھر بھی آگ لگی ہے ذرا خبر لینا

جو مٹ رہے ہیں وطن پر یہ ہے صدا اُن کی		لہو پکار رہا ہے یہ ہے وفا اُن کی
بندھی ہے عالم تہذیب میں ہوا اُن کی		غضب کی جا ہے جو گردن جھکی ذرا اُن کی
تمھارے دل میں نہ الفت کی ہوک اُٹھے افسوس
وطن کا قافلہ پردیس میں لُٹے افسوس

ٹرینسوال کے حاکم وفا شعار نہیں		کچھ اُن کے قول کا دنیا میں اعتبار نہیں
ہماری قوم پہ احساں کا ان کے بار نہیں		یہ ظلم کیوں ہے ہم اُن کے گناہگار نہیں
اگر وہ دولت برطانیہ کے پیارے ہیں
تو اہل ہند اُسی آسماں کے تارے ہیں

مگر جفا سے نہیں ظالموں کو مطلق عار		اُجاڑتے ہیں وہ بستی جو تھی کبھی گلزار
جہاں خوشی کے ترانوں کا گرم تھا بازار		سُنائی دیتی ہے واں بیڑیوں کی اب جھنکار
کیا ہے بند مسافر سمجھ کے راہوں کو
پہنائی جاتی ہے زنجیر بے گناہوں کو

لُٹے ہیں یوں کہ کسی کی گرہ میں دام نہیں		نصیب رات کو پڑ رہنے کا مقام نہیں
یتیم بچّوں کے کھانے کا انتظام نہیں		جو صبح خیر سے گذری امیدِ شام نہیں
اگر جئے بھی تو کپڑا نہیں بدن کے لئے
مرے تو لاش پڑی رہ گئی کفن کے لئے

نصیب چین نہیں بھوک پیاس کے مارے		ہیں کس عذاب میں ہندوستان کے پیارے
تمھیں تو عیش کے سامان جمع ہیں سارے		وہاں بدن سے رواں ہیں لہو کے فوارے

جو چُپ رہیں تو ہَوا قوم کی بگڑتی ہے
جو سر اُٹھائیں تو کوڑوں کی مار پڑتی ہے

وطن سے دور بھی ہیں اور خانہ ویراں بھی اسیرِ یاس بھی ہیں اور اسیرِ زنداں بھی
تباہ حال ہیں ہندو بھی اور مسلماں بھی ہوے ہیں نذرِ مصیبت کے دین و ایماں بھی
پڑھی نماز تو اُجڑے گھروں کے صحرا میں
اگر نہائے تو اپنے لہو کی گنگا میں

اگر دلوں میں نہیں اب بھی جوشِ غیرت کا تو پڑھ دو فاتحہ قومی وقار و عزّت کا
وفا کو پھونک دو ماتم کرو محبّت کا جنازہ لیکے چلو قوم و دین و ملّت کا
نشاں مٹا دو اُمنگوں کا اور ارادوں کا
لہو میں غرق سفینہ کرو مرادوں کا

کہاں ہیں ملک کے سرتاج قوم کے سردار پکارتے ہیں مدد کے لئے در و دیوار
وطن کی خاک سے پیدا ہیں جوش کے آثار زمین ہلتی ہے اُڑتا ہے خون بن کے غبار
جگہ سے اپنی ہے چتوڑ کی زمیں سرکی
لرز رہی ہے کئی دن سے قبر اکبر کی

بھنور میں قوم کا بیڑا ہے ہندوؤ ہشیار اندھیری رات ہے کالی گھٹا ہے اور منجدھار
اگر پڑے رہے غفلت کی نیند میں سرشار تو زیرِ موج فنا ہوگا آبرو کا مزار
مٹے گی قوم یہ بیڑا تمام ڈوبے گا
جہاں میں بھیشم و ارجن کا نام ڈوبے گا

جنھیں رُلائے نہ اب بھی یہ قوم کی افتاد سیاہ قلب وہ ہندو ہیں کنس کی اولاد
مگر وہ کیا ہیں کسی کی بھی گر نہ ہو امداد اثر دکھائیگی جادو کا قوم کی فریاد
اُٹھیں گے خاک کے تودوں سے دستگیر اپنے
زمین ہند کی اُگلے گی سورما بیر اپنے

دکھا دو جوہرِ اسلام اے مسلمانو! وقارِ قوم گیا قوم کے نگہبانو!
ستونِ مُلک کے ہو قدرِ قومیت جانو! جفا وطن پہ ہے فرضِ وفا کو پہچانو!
نبیؐ کے خُلق و مروّت کے ورثہ دار ہو تم
عرب کی شانِ حمیّت کے یادگار ہو تم
کرو خیال کچھ اسلاف کی حمیّت کا دیا تھا دشمنِ قاتل کو جام شربت کا
معاملہ ہے یہاں بھائیوں کی عزّت کا یہ فرض عین ہے سودا نہیں مروّت کا
اگر نہ اب بھی ہوا اسلام کا جگر پانی
ہزار خندۂ کفر است بر مسلمانی
اگر نہ قوم کے اس وقت بھی تم آئے کام نصیب ہوگا نہ مرنے پہ بھی تمھیں آرام
یہی کہے گا زمانہ کہ تھا برائے نام وہ دھرم ہندوؤں کا وہ حمیّتِ اسلام
ذرا اثر نہ ہوا قوم کے حبیبوں پر
وطن سے دور چُھری چل گئی غریبوں پر
رہیگا مال نہ ہمراہ جائیگی دولت گئی تو قبر تلک ساتھ جائیگی ذلّت
کرو جو ایک روپے سے بھی قوم کی خدمت تمھاری ذات سے ہو اک یتیم کو راحت
ملے حجاب کی چادر کسی کی عصمت کو
کفن نصیب ہو شاید کسی کی میّت کو
جو دب کے بیٹھ رہے سر اُٹھاؤ گے پھر کیا عدوے قوم کو نیچا دکھاؤ گے پھر کیا
جفاؤ جور کی ذلّت مٹاؤ گے پھر کیا تم اپنے بچوں کو قصّے سناؤ گے پھر کیا
رہیگا قول یہی اُن سے اُن کی ماؤں کا
لہو رگوں میں تمھاری ہے بیحیاؤں کا

مٹا جو نام تو دولت کی جستجو کیا ہے ۔۔۔ نثار ہو نہ وطن پر تو آبرو کیا ہے
لگا دے آگ نہ دل میں تو آرزو کیا ہے ۔۔۔ نہ جوش کھائے جو غیرت سے وہ لہو کیا ہے

فدا وطن پہ جو ہو آدمی دلیر ہے وہ
جو یہ نہیں تو فقط ہڈیوں کا ڈھیر ہے وہ

پھول مالا

روشِ خام پہ مَردوں کی نہ جانا ہرگز ۔۔۔ داغ تعلیم میں اپنی نہ لگانا ہرگز
رنگ ہے جن میں مگر بوئے وفا کچھ بھی نہیں ۔۔۔ ایسے پھولوں سے نہ گھر اپنا سجانا ہرگز
نقل یورپ کی مناسب ہے مگر یاد رہے ۔۔۔ خاک میں غیرتِ قومی نہ ملانا ہرگز
رنگ و روغن تمھیں یورپ کا مبارک لیکن ۔۔۔ قوم کا نقش نہ چہرے سے مٹانا ہرگز
رُخ سے پردہ کو اُٹھایا تو بہت خوب کیا ۔۔۔ پردۂ شرم کو دل سے نہ اُٹھانا ہرگز
دل تمھارا ہے وفاؤں کی پرستش کیلئے ۔۔۔ اس محبت کے شوالہ کو نہ ڈھانا ہرگز
نقدِ اخلاق کا ہم نل کی طرح ہار چکے ۔۔۔ تم ہو دمینتی یہ دولت نہ لٹانا ہرگز
خاک میں دفن ہیں مذہب کے پرانے پاکھنڈ ۔۔۔ تم یہ سوتے ہوئے فتنے نہ جگانا ہرگز
اپنے بچوں کی خبر قوم کے مردوں کو نہیں ۔۔۔ یہ ہیں معصوم انھیں بھول نہ جانا ہرگز
اِن کی تعلیم کا مکتب ہے تمھارا زانو ۔۔۔ پاس مَردوں کے نہیں انکا ٹھکانا ہرگز
کاغذی پھول ولایت کے دکھا کر ان کو ۔۔۔ دیس کے باغ سے نفرت نہ دلانا ہرگز
نغمۂ قوم کی لے جس میں سما ہی نہ سکے ۔۔۔ راگ ایسا کوئی ان کو نہ سُنانا ہرگز
گو بزرگوں میں تمھارے نہ ہو اس وقت کا رنگ ۔۔۔ اِن ضعیفوں کو نہ ہنس ہنس کے رُلانا ہرگز
ہم تمھیں بھول گئے اسکی سزا پاتے ہیں ۔۔۔ تم ذرا اپنے تئیں بھول نہ جانا ہرگز

کس کے دل میں ہے وفا کس کی زباں میں تاثیر
نہ سُنا ہے نہ سنوگی یہ فسانا ہرگز

قوم کے سورماؤں کی الوداع ۱۹۱۴ء

ساحلِ ہند سے جرّارِ وطن جاتے ہیں
کچھ نئی شان سے جانبازِ کہن جاتے ہیں
رن میں باندھے ہوئے شمشیر و کفن جاتے ہیں
تیغ زن، برق فگن، قلعہ شکن جاتے ہیں

سامنے ان کے ظفر برہنہ پا چلتی ہے
اُن کی تلوار کے سایہ میں قضا چلتی ہے

اُن کی رگ رگ میں ہے پیوست شجاعت کے چلن
رن کا میدان ہے ان کے لئے ماں کا دامن
عرصۂ جنگ کی موت ان کو ہے اک شب کی دلہن
مر کے تلوار سے حاصل ہو تو خلعت ہے کفن

جوش اُن میں جو ہے اس جوش کا اب دور نہیں
ساٹھ پُشتوں کے سپاہی ہیں کوئی اور نہیں

ہاں دلیرانِ وطن دھاک بٹھا کر آنا
طنطنہ جرمن خود بیں کا مٹا کر آنا
قیصری تخت کی بنیاد ہلا کر آنا
ندّیاں خون کی برلن میں بہا کر آنا

ناؤ تلوار کی ہے پار لگانے کے لئے
یہی گنگا ہے سپاہی کے نہانے کے لئے

جاں نثار آج تمھارا سا زمانہ میں نہیں
ہاں دکھا دو کہ ہو تاجِ شہِ لندن کے نگیں
دوست کیا چیز ہے دشمن ہو فدائے تحسیں
آسماں وجد کرے بول اٹھے رن کی زمیں

یوں تو لڑنے کو بہت شہ کے نمکخوار لڑے
اور ہی شان سے لیکن یہ وفادار لڑے

جس گھڑی معرکۂ جنگ میں ہو تیغ علم
سورما لڑتے ہیں اس طرح پکارے عالم
دل ہو ارجن کا جگر بھیم کا انگد کا قدم
موت کے وقت نظر میں ہو شبیہ بھیشم

جس کا قابو نہ ہٹا موت کی تدبیروں پر
سایۂ تیغ میں آرام کیا ... تیروں پر

وہ یورش ہو کہ ہو شیرازۂ اعدا برہم ‌ ‌ ‌ اک امنڈتے ہوئے دریا کا ہو پیدا عالم
جو کسی سے نہ جھکا وہ سرِ مغرور ہو کم ‌ ‌ ‌ پہلے بر آن میں جو پہونچے وہ تمھارا ہو قدم
"واہ گرو" کہہ کے بڑھو خون کے محضر کھلجائیں
پھر ہری سنگھ کی تلوار کے جوہر کھلجائیں

تم کو اعزاز ملا ہے یہ وطن کا اعزاز ‌ ‌ ‌ دیکھنا اب ہے شجاعت کا تمھاری انداز
خاکِ یورپ پہ دلیری سے ہو اپنی ممتاز ‌ ‌ ‌ تیغ ہندی کی اصالت پہ زمانہ کو ہو ناز
قوم کا اوج بڑھے نام وطن زندہ ہو
روح پرتاب کی جنّت میں نہ شرمندہ ہو

یا ظفریاب تمھیں دیکھ کے دل ہو بشاش ‌ ‌ ‌ آئے یا سوئے وطن خون میں ڈوبی ہوئی لاش
سر جدا تن سے ہو یا ہو تنِ بسمل صد پاش ‌ ‌ ‌ گوشۂ امن و اماں کی نہ ہو آنکھوں کو تلاش
موت معراج ہے اِس دشت کے راہی کیلئے
آنچ تلوار کی جنّت ہے سپاہی کے لئے

گو کہ دنیا سے مٹے شوکتِ قیصر کا سراغ ‌ ‌ ‌ شعلۂ تیغ سے مرجھائے نہ تہذیب کا باغ
گُل نہ ہو دل کے شوالے میں حمیّت کا چراغ ‌ ‌ ‌ بے گناہوں کے لہو کا نہ ہو تلوار میں داغ
راستہ ہے یہی قوموں کی تباہی کے لئے
خونِ معصوم کا دوزخ ہے سپاہی کے لئے

مادرِ قوم کا ہے اپنے سپوتوں سے پیام ‌ ‌ ‌ خطۂ ہند کا اس جنگ میں روشن رہے نام
تیغ خوں ریز نے جس شان سے چھوڑا ہے نیام ‌ ‌ ‌ اپنے مسکن میں اسی شان سے پائے آرام
شاعرِ گوشہ نشیں شکر خدا کرتا ہے
جنگ ہو تم کو مبارک یہ دعا کرتا ہے

نوحہ جات

نوحۂ بشن نرائن صاحب در

صدمۂ عام یہ ہے قوم کا پیارا نہ رہا بے زبانوں کی زباں دل کا سہارا نہ رہا
گلشنِ علم و ادب کا چمن آرا نہ رہا مطلعِ دانش و بینش کا ستارا نہ رہا
سب یہ غم ایک طرف ایک طرف غم اپنا
جس سے دنیا نہیں واقف وہ ہے ماتم اپنا

ہم نے دیکھے ہیں ترے اشکِ محبّت اکثر جن پہ صدقہ ہیں زبان اور قلم کے جوہر
دو نگینے تھے حمیّت کے تیرے قلب و جگر ہوئی غیروں کو نہ اُس پاک خزانہ کی خبر
ظاہری حُسنِ لیاقت کے یہ دیوانے ہیں
شمع دیکھی نہیں فانوس کے پروانے ہیں

دولتِ علم و ہنر سے نہیں دنیا خالی بزمِ عالم کی یہ رونق نہیں جانے والی
پر ہے کمیاب ہے وہ جوہر وہ سرشتِ عالی آدمیّت کی بِنا جس نے ازل میں ڈالی
کچھ بڑی بات نہیں فاضلِ دَوراں ہونا
آدمی کے لئے معراج ہے انساں ... ہونا

آدمیت کی یہ تصویر مٹی جاتی ہے حسن اخلاق کی تدبیر مٹی جاتی ہے
جذبۂ خیر کی توقیر مٹی جاتی ہے ہم مٹے جاتے ہیں تقدیر مٹی جاتی ہے
دلِ مایوس محبّت کا عزا خانہ ہے
اپنی آنکھوں میں یہ دنیا نہیں ویرانہ ہے

ہے نظر میں تری ہستی کے ستارہ کا زوال وہ شبِ غم کی سیاہی وہ نظر کا بھونچال
تب بھی سودائے وطن تھا ترے جینے کا مآل خوف کہتے ہیں کسے موت کا آیا نہ خیال
کاہشِ تن سے طبیعت کی جلا کم نہ ہوئی
روشنی شمع کی گھُلنے سے ذرا کم نہ ہوئی

تجھ کو یوگی کہوں یا عالمِ بالا کا سفیر
تھا الگ اہل جہاں سے تیری مٹّی کا خمیر
آنچ دنیائے دنی کی جو رہی دامنگیر
کیا سبق روح کو لینا تھا یہاں رہ کے اسیر

کیا اسی طرح سے فطرت کی صفا ممکن تھی
کیا اِسی آگ میں جلنے سے جلا ممکن تھی

روشِ عام سے تجھ کو نہ سروکار رہا
جوہرِ خاص کا ہستی سے طلبگار رہا
گو کہ جنجال میں دنیا کے گرفتار رہا
اپنے دامن کو سمیٹے ہوئے ہشیار رہا

رنگ دنیا سے رہا عالمِ فانی میں جدا
جیسے لہروں سے کنول رہتا ہے پانی میں جدا

تجھکو معلوم نہ تھا دولتِ دنیا کیا ہے
حرص کیا شے ہے زر و مال کا سودا کیا ہے
خود پرستی کا زمانہ میں تقاضا کیا ہے
عیش کیا چیز ہے راحت کی تمنّا کیا ہے

تو نہ سمجھا کبھی غیروں کی مدد کے غم میں
اپنی راحت کا بھی ساماں ہے اسی عالم میں

کارِ دنیا میں گرفتار ہیں جو دنیا دار
اُن کو دیکھا ہے تیری بیخبری سے بیزار
تو کہاں اور کہاں اُن کی نظر کا معیار
پھول جو اُن کے لئے ہیں وہ تجھے تھے خس و خار

لطف اس بیخبری کا وہ اُٹھائیں کیونکر
خاک میں لوٹتے ہیں عرش پہ جائیں کیونکر

خلعتِ نور طبیعت کو دیا قدرت نے
آبرو علم نے دی ظرف دیا غیرت نے
خود پسندی کو گوارا نہ کیا عادت نے
سات پردوں سے نکالا تجھے خود شہرت نے

تو مگر جوہرِ ذاتی کو دباتا ہی رہا
اپنے دامن میں چراغ اپنا چھپاتا ہی رہا

شہرۂ عام کو سمجھا نہ لیاقت کا صلا
نکتہ چینوں سے شکایت نہ رقیبوں سے گلا
دیدۂ غیر میں کھٹکی نہ طبیعت کی جلا
تو زمانہ سے مہِ نو کی طرح جھک کے ملا

عاجزی دل کی جھلکتی رہی پیشانی سے
تو وہ دریا تھا جو واقف نہیں طغیانی سے

دل محبت پہ فدا آنکھ مروّت سے غنی — تجھکو دشمن کی بھی منظور نہ تھی دل شکنی
مگر انصاف کے حق میں ہو اگر نیشِ زنی — پھر نہ تھا تجھسے زیادہ کوئی جرأت کا دھنی

شیر نر معرکۂ عام کی سرگرمی میں
طفلِ معصوم سے ملتا ہوا دل نرمی میں

آج کل مہر و وفا میں ہے تجارت کی ادا — کوئی بیکس کا نہیں دوست بجز ذات خدا
یوں ہوا کرتے ہیں یاران کہن دل سے جدا — جیسے پتّوں سے گرا دیتی ہے پانی کو ہوا

جس کا اقبال زمانہ میں چمک جاتا ہے
اسکو بچپن کے رفیقوں سے حجاب آتا ہے

نہ ہوا فرق ترے رنگ محبت میں عیاں — دھوپ دولت کی رہی یار رہی افلاس کی چھاں
تیری خدمت سے ہوا احباب کی مشکل آساں — دین تیرا تھا یہی اور یہی تیرا... ایماں

ایک ہی وضع رہی ایک ہی انداز رہا
اپنے پیاروں کی غلامی پہ تجھے ناز رہا

بدنصیب ایسے بھی ہیں تجھسے جو بیزار رہے — آکے دنیا میں فقط تیرے دل آزار رہے
ایسے بے درد زمانہ کے گنا ہگار رہے — مگر احسان سے تیرے نہ سبکبار رہے

ان کو شرمندہ کیا تو نے محبت کر کے
خود گنہگار ہوئے تجھسے عداوت کر کے

دل ہو تیرا سا تو دنیا کی حقیقت کیا ہے — تن پرستی پہ جو ہو صرف وہ دولت کیا ہے
غیر کو جس سے نہ راحت ہو وہ راحت کیا ہے — جس میں سودا نہ ہو کچھ بھی وہ طبیعت کیا ہے

زندگی یوں تو فقط بازیِ طفلانہ ہے
مرد وہ ہے جو کسی رنگ میں دیوانہ ہے

نوحۂ پنڈت پرتاب کشن گورٹو

اے فدائے یاس و حرماں اے شہیدِ آرزو
خاک کے دامن میں کیسا بےخبر سویا ہے تو
چشمِ دل کو باعثِ حیرت ہے تیری جستجو
پھول تھا پر ہاتھ سے جاتا رہا مانندِ بو
لالہ و گل سے طبیعت تو نے بہلائی نہیں
کیا ہوا باغِ جہاں کی تجھکو راس آئی نہیں

قلزمِ عالم کی تو نے سیر کی مثلِ حباب
خواب کا نیرنگ تھا یا تھا ترا حسنِ شباب
برق کا جلوہ تھا یا قوسِ قضا کی آب و تاب
یا شرر یا قطرۂ شبنم میں عکسِ آفتاب
خانۂ تن تھا ترا سیلِ فنا کے واسطے
شمع تیری زندگی کی تھی ہوا کے سامنے

ایک دم میں لُٹ گئی تیری جوانی کی بہار
آہ ایسے بھی زمانہ سے گئے کم... سوگوار
خود مرادیں اور تمنائیں ہیں تجھسے شرمسار
دل ہے پہلو میں ترے یا آرزوؤں کا... مزار
کون کہتا ہے کہ ہے زیرِ کفن میت تری
خاک و خوں میں مُنہ لپیٹے ہے پڑی حسرت تری

پاؤں پھیلا کر جو یوں سویا ہوا ہے بےخبر
کیا ہے خوابِ مرگ میں خوابِ جوانی کا اثر
دیکھ آنکھیں کھولکر عالم ہے کیا پیشِ نظر
آئی ہے سرِ بہشتی فردوس سے روحِ پدر
سرو قد اُٹھا نہیں جاتا اگر تعظیم کو
ہاتھ ہی اپنا ہلا دے آخری تسلیم کو

کچھ خبر ہے تجھ کو اے دلدادۂ خوابِ فنا
ہے سرِ بالیں پہ کیا ہنگامۂ محشر بپا
نعرہ ہائے درد یہ کیسے ہیں یہ ماتم ہے کیا
چاک ہے کس کا گریباں کون ہے سر دھن رہا
ہے تڑپتا کون دل چھننے سے کس کا سیر ہے
بال کس نے لاش پہ کھولے یہ کیا اندھیر ہے

دیکھ تیری بیوۂ غمگیں پہ کیا افتاد ہے
محوِ حیرت یاس سے وہ کشتۂ بیداد ہے
مُہرِ خاموشی لبوں پر دل میں تیری یاد ہے
خانۂ ویراں کی صورت خاطرِ ناشاد ہے
خاک آلودہ مسرت ہائے پنہاں ہوگئیں
آرزوئیں دل کی سب خوابِ پریشاں ہوگئیں

دردِ دل اس کا لبِ خاموش کہہ سکتا نہیں
اشکِ حسرت دیدۂ پرنم سے بہہ سکتا نہیں
بند سینے میں مگر طوفاں یہ رہ سکتا نہیں
یہ وہ صدمہ ہے کہ دل انساں کا سہہ سکتا نہیں
محوِ حیرت ہمنشیں ہیں اس کی آہِ سرد سے
سوزشِ پنہاں عیاں ہیں اسکے رنگِ زرد سے

خواب میں سنتا ہو جیسے نغمۂ شیریں بشر
جس سے طاری دل پہ ہو کیفیتِ جادو اثر
یہ نوائے روح پرور بند ہو جائے اگر
آنکھ کھلتے ہی سیاہی شب کی ہو پیشِ نظر
اک عجب عالم ہو تب اس کے دلِ بیتاب کا
جاگنے پر اس گھڑی اُلٹا گماں ہو خواب کا

بس یہی عالم ہے تیری بیوۂ ناشاد کا
نغمہ ہائے عیش سے تھے کان جس کے آشنا
ہو گیا ہے اب جو تیرا سازِ ہستی بے صدا
کس تحیّر کس پریشانی میں ہے وہ بینوا
کیا کہے دردِ جگر منہ سے کہا جاتا نہیں
تیرے مرنے کا اُسے ابتک یقیں آتا نہیں

مادرِ ناشاد تیری وہ ازل کی سوگوار
پہلے ہی اُسکی نگاہوں میں تھی دنیا تنگ و تار
تیرے دم سے تھا بندھا شیرازۂ صبر و قرار
ہائے اس بیکس کا اب بیڑا کریگا کون پار
آج اس کا مایۂ تاب و تواں جاتا رہا
ناخدائے کشتیِ بے بادباں جاتا رہا

وہ اسیرِ بیخودی تیری یتیمِ خرد سال پھول سے چہرہ پہ اُسکے ہے جمی گردِ ملال
کچھ طلسمِ آفرینش کا نہیں کھلتا مآل پیرِ گردوں کے ستم سے مجھکو حیرت ہے کمال

ہائے معصوموں پہ بھی ظالم ترس کھاتا نہیں
یہ رولاتا ہے انھیں رونا جنھیں آتا نہیں

کیا وہ ناداں ہیں، جو کہتے ہیں زرہِ اعتبار مصلحت رہتی ہے رنج و درد میں بھی آشکار
ہے فسانہ یہ حدیثِ صبر و تسکین و قرار خوابِ ہستی کی نہیں تعبیر ایسی زینہار

میں نظامِ دہر میں کچھ مصلحت پاتا نہیں
اس سمندر کا مجھے ساحل نظر آتا نہیں

خاک میں تجھکو ملانا تھا اگر با اشک و آہ کس لئے تجھ پر ہوئی وا منزلِ ہستی کی راہ
ساتھ تیرے کیوں ملے مٹی میں اتنے بے گناہ زندگی جن کی ہے اب وابستۂ حالِ تباہ

لب فغاں کو چشم ہے آنسو بہانے کے لئے
دل ہے جلنے کو جگر ہے داغ کھانے کے لئے

وائے بر قسمت یہ کیا نیرنگِ دوراں ہو گیا تو عدم آباد پہونچا گھر بیاباں..... ہو گیا
ہائے کیا دل تھا کہ وقفِ یاس و حرماں ہو گیا یا تمناؤں پہ اپنی آپ قرباں..... ہو گیا

نو بہارِ زندگی میں تو رہا ناکامِ عیش
لب تلک آنے نہ پایا تھا کہ چھلکا جامِ عیش

عیش و عشرت کے ہزاروں جب بنے ساماں کئے وہ مئے راحت کے بدلے خونِ دل اپنا پئے
کیسے کیسے رنج تجھکو نامرادی نے دئے ہائے تو دنیا میں آیا تھا اسی دن کے لئے

داغِ حسرت یادگار اپنا ہمیں دیکر گیا
خود زمانہ سے دلِ پُر آرزو لے کر گیا

پھر رہی ہے دیدۂ مشتاق میں صورت تری
کھیلتی رہتی تھی ہردم تیرے ہونٹوں پر ہنسی
ہے ہمارے پردہ ہائے گوش میں اب تک بسی
گفتگو تیری جوانی کی امنگوں سے بھری
اب وہ لطفِ زندگی حاصل نہ ہوگا خواب میں
جانشیں تیرا کہاں ہے صحبتِ احباب میں

اب وہ ربط و ضبط وہ اگلی ملاقاتیں کہاں
وہ بگڑنا اب کہاں وہ میل کی باتیں کہاں
دل لگی کی ہر گھڑی ہر دم نئی گھاتیں کہاں
وہ زمانہ اب کہاں وہ دن کہاں راتیں کہاں
بے مزہ تیری مئے لطفِ جوانی ہو گئی
داستانِ عیش اپنی بھی کہانی ہو گئی

ساتھ کس کے ہو گی اب وقتِ سحر سیرِ چمن
گرم کس کی گفتگو سے ہو گی شب کی انجمن
خندہ پیشانی سے دیگا کون اب دادِ سخن
کون ہو گا موت پر مجھ خستہ جاں کی نوحہ زن
تو مرا ہمدرد سچا آشنا جاتا رہا
زندگی کا لطف مرنے کا مزا جاتا رہا

چشمِ ظاہر بیں کو اب دیدار تیرا ہے محال
ہے مگر آراستہ تجھ سے مری بزمِ خیال
یہ وہ عالم ہے جسے مانا ہے سب نے لازوال
ہو مخل یاں اپنی صحبت میں فلک کی کیا مجال
ہاں فنا کر دونگا میں نیرنگیِ تقدیر کو
آئینہ میں دل کے رکھوں گا تری تصویر کو

صحبتِ احباب میں ہیں گر یہی رنج و الم
کاشکے پیدا ہوئے ہوتے کسی صحرا میں ہم
زندگی کا عیش ہوتا اور نہ مرنے کا ستم
ہاں اگر ہوتا تو ہوتا ایک تنہائی کا غم
نوحہ خواں ہوتا نہ کوئی چرخ گرداں کے تلے
قبر بن جاتی کہیں ریگِ بیاباں کے تلے

ہے مگر یہ دارِ فانی وہ طلسمِ دل نشیں
یاد کم رکھتی ہے اس کی زحمتیں طبعِ حزیں
یہ وہ عقدہ ہے جو فکر و غور سے کُھلتا نہیں
جہل سے بدتر نظر آتی ہے عقلِ دوربیں

ہائے اس دنیا کی پابندی عجب دلگیر ہے
خود پہنتا ہے جسے انساں یہ وہ زنجیر ہے

لارڈ کرزن سے جھپٹ

نظمِ ظریفانہ

وہ شبِ تار میں تاروں کا فلک پر جمگھٹ
چھپ گیا آنکھ سے بدلی جو زمیں نے کروٹ
دیکھنا شرق میں وہ صبح کا تارا چمکا
وہ عروسِ سحر نور نے اُلٹا گھونگٹ
بڑھ کے رضواں نے وہ جنّت کے دریچے کھولے
آئی وہ گلشنِ فردوس سے پھولوں کی لپٹ
چونک اُٹھا پیرِ فلک بانگ لگائی ایسی
مرغ نے گریہ مسکیں کی جو پائی آہٹ
گدگدایا جو نسیمِ سحری نے آکر
نازسے سبزۂ خوابیدہ نے بدلی کروٹ
نظر آتا ہے گلستاں میں پرستاں کا سماں
گُل کھلے ہیں کہ ہے پریوں کا چمن میں جمگھٹ
یہ بہارِ چمنستاں یہ سحر کا عالم
ہاں ذرا بادۂ گلرنگ تو لانا جھٹ پٹ
ہاں وہ ہلوا جو مل جائے کہیں تھوڑی سی
شیرِ مادر کی طرح شیخ بھی پی لے غٹ غٹ
دیکھنا لیکے صراحی ہرا ساقی آیا
جام میں بادۂ گلرنگ دیا اُس نے اُلٹ
اب میں پیتا ہوں لبوں تک مرے ساغر پہونچا
ختم مے ہوگئی تو حلق سے اُتری تلچھٹ
آگیا جوش طبیعت میں بڑھی گردشِ خوں
ڈورے آنکھوں کے ہوئے لال بھری گرماہٹ
نشہ میں چُور ہوں اور سوجھتی ہے دور کی آج
ڈر ہے کرزن سے نہ ہو جائے کہیں مجھ سے جھپٹ
لیجئے سامنے میرے ہے شبیہِ کرزن
رنگ اس طرح بدلتی ہے کہ جیسے گرگٹ
سُرخ غصّہ سے کبھی زرد کبھی صدمہ سے
خوف کے مارے کبھی رنگ میں ہے نیلاہٹ

آئے ہیں آپ تو کچھ حضرتِ کرزن سنئے
آپ اگر منہ کے کڑے ہیں تو ہوں میں بھی منہ پھٹ

آگیا طیش مجھے دل کا نکالوں کا بخار
صاف کہتا ہوں نہیں بات میں اپنی بنوٹ

مانیئے گا نہ بُرا آدمی ہیں آپ شریف
عالمِ نشہ میں بک جاؤں اگر کچھ سٹ پٹ

ہاں یہ کیوں آپ کے گم ہوگئے تھے ہوش و حواس
کنووکیشن میں یہ دکھلائی ہے کیا جھلاہٹ

گُل فشانی کے عوض دور کیا دل کا بخار
خوب پھینکا سرِ احباب پہ کوڑا کرکٹ

دیں صلاحیں ہمیں کس رنگ کی ماشاء اللہ
خوب ہم جانتے ہیں آپ ہیں جیسے نٹ کھٹ

گالیاں کس لئے در پردہ سنائیں ہم کو
ناچنے نکلے تو پھر مُنہ پہ یہ کیسا گھونگھٹ

یاد رہجائیگی لیکن ہے وہ ٹھوکر کھائی
توسنِ طبع کو اب پھر نہ اُڑانا سرپٹ

اہلِ بنگال نے کیا خوب کیا ہے حملہ
کیا تری فوجِ مضامیں نے ہے کھایا گھونگھٹ

مُنہ دکھانا تجھے واجب نہیں کلکتہ میں
اب مناسب ترے رہنے کے لئے ہے چنہٹ

خوب بوچھار ہوئی چار طرف سے تجھ پر
پائنیر تک کو نہ خوش آئی تری زیٹ زپٹ

کانگرس والے تو کیا خوش نہیں تجھسے انہیں
دشمنِ ملک علیگڈھ کے پُرانے کھوسٹ

تاج وقعت کا اُٹھا سر سے ترے چلتے وقت
بے چراغ آئے نظر صبح کو جیسے ڈیوٹ

جس سے ناشاد رعایا ہے وہ ہے دَور ترا
کر دیا ملک کو اس پانچ برس میں چوپٹ

بس ترا چل نہ سکا قحط و وبا سے کچھ بھی
شہر ویران ہیں آباد ہوئے ہیں مرگھٹ

اب مناسب ہے یہی کیجئے پنجرا خالی
ہم بھی خوش آپ بھی خوش دور کہیں ہو جھنجھٹ

تو ہو جانے پہ جو راضی تو قسم سر کے ترے
کر کے چندہ تجھے ہم لے دیں ولایت کا ٹکٹ

اور جو تجھکو نہیں منظور یہ احساں لینا
بھیجدیں ہم تجھے بیرنگ بنا کر پیکٹ

یہی اقرار یہی قول یہی وعدہ تھا
او سخن ساز زباں ساز فسوں گر نٹ کھٹ

پھونک ڈالے تری اسپیچوں کے بنڈل ہمنے
اب کی ہولی میں جلائے نہیں چیلے بن کٹ

چیمبرلین سے اُستاد کا شاگرد ہے تو
یاد ہیں مل کے مقولے نہ اصولِ بکیٹ

کونسل کے جو ترے ممبر سرکاری ہیں
وہ بھی کم بخت ہیں سب چور کے ساتھی گلکٹ

یا الٰہی یہ چلی بادِ مخالف کیسی
آگیا اُڑکے جو لندن سے یہ کوڑا کرکٹ

ہیں مگر ملک میں دو چار تہمتن یاں بھی
آستیں تیرے مقابل میں جو بیٹھے ہیں اُلٹ

یاد رکھ حشر تلک بھی نہ تجھے بھولے گی
گو کھلے کی وہ پچھاڑ اور وہ مہتا کی ڈپٹ

چل یہاں سے تو ولایت میں خبر لینگے تری
چین سے رات کو سوئیگا نہ تو اک کروٹ

دادخواہوں کا پولس ہے وہی دربارِ عظیم
پارلیمنٹ میں لکھوائیں گے ہم تیری رپٹ

بچ گیا واں بھی تو پھر حشر میں ہوگا انصاف
کام آئے گی خدا سے نہ تری زیٹ زپٹ

تالیاں پیٹیں گے رسوائی پہ تیری مظلوم
دیدنی ہوگی قیامت میں تیری گھبراہٹ

اب بھی آ ہوش میں انداز حکومت کو بدل
مرد ہو کر تجھے واجب نہیں یہ تریاہٹ

سوچ انجام کو اک روز ہے سب کو مرنا
ہے نمکخوار ہمارا تو نہ کر ہم سے کپٹ

بیٹھ کر سیِ وزارت پہ سنبھل کر پیارے
آہِ مظلوم نے شاہوں کے دئے تخت اُلٹ

اب ہرا نشہ اُترتا ہے میں ہوتا ہوں خموش
بس ترے واسطے کافی ہے یہی سرٹیفکٹ

آگیا ہوش مجھے کھل گئیں آنکھیں لیکن
اب وہ کرزن نظر آتے ہیں نہ وہ اُنکا چرٹ

میرے مولا مری بگڑی کے بنانے والے
تو ہی تقدیر اب اس خطۂ بیکس کی اُلٹ

شاہِ اڈورڈ کا اقبال بڑھا دنیا میں
جس پہ سر پھوڑتے ہیں وہ ہے اُسی کی چوکھٹ

بس زباں اب نہ ہو تو معرکہ آرائے سخن
رشک سے ہر قدِ سودا نہ کہیں جائے اُلٹ

اے عروسِ سخن اللہ رے جوبن تیرا
لاٹ صاحب کو بھی ناتھے ہے تری زلف کی لٹ

حضرت پنچ سے بگڑیں گے تو بن جائیں گے
لاٹ صاحب کو مناسب نہیں یاں گھبراہٹ

دل ہی بجھا ہوا ہو تو لطفِ بہار کیا
ساقی ہے کیا شراب ہے کیا سبزہ زار کیا

دیکھا سرورِ بادۂ ہستی کا خاتمہ
اب دیکھیں رنگ لائے اجل کا خمار کیا

اب کی تو شام غم کی سیاہی کچھ اور ہے
منظور ہے تجھے مرے پروردگار کیا

جس کی قفس میں آنکھ کھُلی ہو مری طرح
اس کے لئے چمن کی خزاں کیا بہار کیا

خلعت کفن کا ہم تو زمانہ سے لے چکے
اب ہے عروسِ مرگ تجھے انتظار کیا

اعمال کا طلسم ہے نیرنگِ زندگی
تقدیر کیا ہے گردشِ لیل و نہار کیا

چلتی ہے اس چمن میں ہوا انقلاب کی
شبنم کو آئے دامنِ گل میں قرار کیا

تغییر حالِ زار ہے بس اک نگاہِ یاس
ہو داستانِ درد کا اور اختصار کیا

چھٹکی ہوئی ہے گورِ غریباں پہ چاندنی
ہے بیکسوں کو فکرِ چراغِ مزار کیا

کہتے ہیں جسے ابر وہ میخانہ ہے میرا
یہ رعد نہیں نعرۂ مستانہ ہے میرا

گر پڑتا ہوں جب جھوم کے مستی میں زمیں پر
اے شیخ وہی سجدۂ شکرانہ ہے میرا

پیتا ہوں وہ شے نشہ اُترتا نہیں جس کا
خالی نہیں ہوتا ہے وہ پیمانہ ہے میرا

ہر ذرّۂ خاکی ہے مرا مونس و ہمدم
دنیا جسے کہتے ہیں وہ کاشانہ ہے میرا

عاشق بھی ہوں معشوق بھی یہ طرفہ مزا ہے
دیوانہ ہوں میں جس کا وہ دیوانہ ہے میرا

کہتے ہیں خودی کس کو خدا نام ہے کس کا
دنیا میں فقط جلوۂ جانانہ ہے میرا

شاعر کا سخن کم نہیں مجذوب کی بڑ سے
ہر ایک نہ سمجھے گا وہ افسانہ ہے میرا

دردِ دل پاسِ وفا جذبۂ ایماں ہونا
آدمیت ہے یہی اور یہی انساں ہونا

زندگی کیا ہے عناصر میں ظہورِ ترتیب
موت کیا ہے انھیں اجزا کا پریشاں ہونا

ہم کو منظور ہے اے دیدۂ وحدت آگیں
ایک غنچہ میں تماشائے گلستاں ہونا

دفترِ حسن پہ مُہرِ یدِ قدرت سمجھو
پھول کا خاک کے تودے سے نمایاں ہونا

گل کو پامال نہ کر لعل و گہر کے مالک
ہے اُسے طرّۂ دستارِ غریباں ہونا

سر میں سودا نہ رہا۔پاؤں میں بیڑی نہ رہی — میری تقدیر میں تھا بے سر و ساماں ہونا
ہے مرا ضبط جنوں جوشِ جنوں سے بڑھکر — تنگ ہے میرے لئے چاک گریباں ہونا

پاؤں زنجیر کے مشتاق ہیں اے جوشِ جنوں
ہے مگر شرط ترا سلسلہ جنباں ہونا

چمن کو دیدۂ عبرت سے دیکھ اے بلبل — گلوں سے پھوٹ کے رنگِ خزاں نکل آیا
ازل کے دن جو تباہی کی فال دیکھی گئی — تو نامِ کشورِ ہندوستاں نکل آیا

ولہ

جو نکتہ سنج تھے ان کا نشاں نہیں ملتا — سنائیں کس کو سخن قدرداں نہیں ملتا
مٹایا گردشِ دوراں نے اسطرح مجھکو — کہ بیکسی کو بھی میرا نشاں نہیں ملتا
کہاں احاطۂ ہستی سے بھاگ کر جاؤں — نئی زمین نیا آسماں نہیں ملتا

ہوئے قفس سے رہا بھی تو کس مصیبت میں
اندھیری رات ہے اور آشیاں نہیں ملتا

رفتہ رفتہ یہ بڑھا جلوۂ تصویرِ بہار — سبز پوشان چمن بن گئے تصویرِ بہار
بس ترا حسن رہا قید لوازم سے بری — پیکرِ گل کو پنہائی گئی تصویرِ بہار
دیکھنا خامۂ قدرت کی یہ رنگ آمیزی — ورقِ گل پہ لکھا نامۂ تقدیرِ بہار
صبحدم آئینۂ آب میں ہے عکسِ چمن — کھینچدی ہے یدِ قدرت نے یہ تصویرِ بہار
سیکڑوں پھول کھلے پر نہ کھلی دل کی کلی — ہم قفس میں نہیں شرمندۂ تاثیرِ بہار
عکسِ مہ قطرۂ شبنم میں ہے شبنم گل پر — پردۂ شب میں چمک اٹھی ہے تقدیرِ بہار

پردۂ خاک سے گل جام بکف نکلا ہے
مے کی تاثیر سے کچھ کم نہیں تاثیرِ بہار

مری بیخودی ہے وہ بیخودی کہ خودی کا وہم و گماں نہیں
یہ سرور ساغرِ مے نہیں یہ خمارِ خوابِ گراں نہیں
یہ حیات عالمِ خواب ہے نہ عذاب ہے نہ ثواب ہے
وہی کفر و دیں میں خراب ہے جسے علمِ رازِ جہاں نہیں
وہ ہے سب جگہ جو کرو نظر وہ کہیں نہیں جو ہو بے بصر
مجھے آج تک نہ ہوئی خبر وہ کہاں ہے اور کہاں نہیں
نہ وہ خُم میں بادہ کا جوش ہے نہ وہ حسنِ جلوہ فروش ہے
نہ کسی کو رات کا ہوش ہے وہ سحر کو شب کا سماں نہیں
یہ زمیں پہ جن کا تھا دبدبہ کہ بلند عرش پہ نام تھا
انھیں یوں فلک نے مٹا دیا کہ مزار کا بھی نشاں نہیں

مغرب کے بوستاں میں جو رنگِ خزاں نہیں — سنتے ہیں اس زمین پہ یہ آسماں نہیں
بلبل کی طرح شور مچاتے ہیں رات دن — جو آشنائے لذّتِ دردِ نہاں نہیں
دوشِ صبا پہ رہتا ہوں مانندِ مرغِ بو — شاخِ شجر کو بار مرا آشیاں نہیں
جادو کسی کے حسن کا چلتا ہے رات دن — بیکار نقش بندیِ کون و مکاں نہیں
کیا دیکھتے ہی دیکھتے دنیا بدل گئی
واللہ وہ زمیں نہیں وہ آسماں نہیں

کس واسطے جستجو کروں شہرت کی — اک دن خود ڈھونڈھ لیگی شہرت مجھکو

ولہ

ناشاد رہے ناکام رہے تقدیر ہی اپنی پھوٹ گئی
جس شاخ پہ ہمنے ہاتھ دھرا وہ شاخ وہیں سے ٹوٹ گئی
اب چین کہاں آرام کہاں امّید کہاں ارمان کہاں
آئی تھی الم کی فوجِ گراں وہ دل کی بستی لوٹ گئی

انھیں یہ ہے چمن آرائے دہر کی صورت
شجر لگا کے جو شوقِ ثمر نہیں رکھتے

جو قدر اشک محبت کی ہے ان آنکھوں میں
یہ آبرو تو صدف میں گہر نہیں رکھتے

وہ دل ہیں کیا جو نہیں دردِ دل سے واقف ہیں
جگر وہ کیا ہیں جو سوزِ جگر نہیں رکھتے

ولہ

فنا نہیں ہے محبت کی رنگ و بو کے لئے
بہارِ عالمِ فانی رہے رہے نہ رہے

رہے گی آب و ہوا میں خیال کی بجلی
یہ مشتِ خاک ہے فانی رہے رہے نہ رہے

جو دل میں زخم لگے ہیں وہ خود پکارینگے
زباں کی سیف بیانی رہے رہے نہ رہے

مٹا رہا ہے زمانہ وطن کے مندر کو
یہ مرمٹوں کی نشانی رہے رہے نہ رہے

جو مانگنا ہے ابھی مانگ لو وطن کے لئے
یہ آرزو کی جوانی رہے رہے نہ رہے

روح کو اپنی ہے عشقِ جوہرِ حسنِ لطیف
گل سے بڑھ کر ہے خیالِ رنگ و بو میرے لئے

خانہ ویرانی مری سب چاہتے ہیں شکلِ دُر
اک بلائے جاں ہے میری آبرو میرے لئے

قطرۂ شبنم جسے طوفاں ہے وہ بلبل ہوں میں
بوئے گل ہے باعثِ دردِ گلو میرے لئے

روح و قالب کی طرح روزِ ازل پیدا ہوا
لکھنؤ کے واسطے میں لکھنؤ میرے لئے

جہاں میں یوں ہوں زباں جس طرح دہن کیلئے
سخن ہے میرے لئے اور میں سخن کے لئے

خراب غفلتِ احباب سے ہوئی مٹی
ہماری لاش پڑی رہ گئی کفن کے لئے

ولہ

گل نہیں تو بوئے گل ہی سے معطر ہو دماغ
کوئی رکھدیتا قفس میرا ہوا کے سامنے

رنج و راحت کا سبب دنیا میں کچھ پایا نہیں
حشر میں ہم صاف کہدینگے خدا کے سامنے

صبحِ وطن یعنے مجموعۂ کلام چکبست مطبوعہ "انڈین پریس لمیٹڈ الہ آباد" کے نسبت جو دیباچہ فخرِ قوم "سر تیج بہادر سپرو" کے قلم گوہر بار نے تحریر کیا ہے وہ اس قابل ہے کہ آبِ زر سے لکھا جائے۔ آپ جیسے سخن فہم اور قدردان سخن نے جو رائے چکبست

مرحوم کے شاعری کے متعلق ظاہر کی ہے اس کے لطف سے وہی قدردانانِ سخن بہرہ اندوز ہو سکتے ہیں جو خود بھی اس بحرِ ناپیدا کنار کے شناور ہیں۔ کُل دیباچہ کے اعادہ کرنے کی اس تذکرہ میں گنجائش نہ تھی اس لئے اس کا انتخاب بغرض تفریح ناظرین والاتمکین ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔

چکبست صاحب کو میں پچیس برس سے جانتا ہوں اور شاعری و انسانی زندگی کا اعلیٰ معیار جو ہمیشہ وہ اپنے مدِّنظر رکھتے ہیں اس کی دل سے قدر کرتا ہوں۔ میں اپنی زندگی کے ان لمحوں کو اپنی حیات کا بہترین سرمایہ سمجھتا ہوں جن میں مجھکو سچّی اور اصلی روحانی مسرّت ان کا کلام پڑھ کر حاصل ہوئی ہے۔ ان کے اور دوستوں کی طرح مجھکو بھی اس امر کا افسوس ہے کہ زمانہ نے اس شاعر کو اس قدر فراغت نہیں دی ہے کہ وہ اس فن کی جانب کافی طور پر توجہ کرے جس کے لئے وہ خداداد قابلیت اپنے ساتھ لایا ہے اور جس قابلیت میں وہ آپ ہی اپنا نظیر ہے۔ قسمت کا یہ پھیر ہے اور عجیب حیرت انگیز قصہ ہے کہ پنڈت برج نراین چکبست اور سر محمد اقبال کو اس امر کی مجبوری ہو کہ ان دونوں کی شاعرانہ زندگی پیشۂ وکالت کے ساتھ وابستہ رہے۔

پنڈت برج نراین چکبست کا ادبی مذاق خاص الخاص لکھنوی ہے اور وہ لکھنؤ کے ادبی رنگ میں از سر تا پا ڈوبے ہوئے ہیں۔ فارسی اور اردو زبانوں میں انکی معلومات جامع اور وسیع ہیں اور اُردو کے اساتذہ کے کلام پر انکو پورا عبور حاصل ہے۔ انکے طرزِ بیان پر لکھنؤ کی ٹکسالی زبان کی مُہر لگی ہوئی ہے۔ لیکن بایںہمہ ان کو دورِ جدید کے شاعر ہونے کا

خاص طور پر امتیاز حاصل ہے۔

چکبست کی شاعری کی تحریک کا باعث کبھی تو حبِ وطن کا جوش ہوتا ہے اور کبھی کوئی گذشتہ یا حال کا تاریخی واقعہ ان کے خیالات کو پرواز میں لاتا ہے کبھی قدرت کے نظاروں یا مذہبی رازوں کے انکشاف سے وہ اپنی نظموں کو آراستہ کرنے میں مدد لیتے ہیں اور کبھی انسانی جذبات اور احساس کی سچّی تصویریں کھینچکر عبرت کا سبق دیتے ہیں۔ قومیت کا خیال ان کی شاعری کی ساخت کا جزوِ اعظم ہے۔ ان کی شاعری ایسی شاعری ہے جس کا اثر نوجوانوں کے دل و دماغ پر اُس کلام سے کہیں زیادہ ہوتا ہے جو کہ گذشتہ معیارِ سخن کے قاعدوں سے جکڑا ہوا ہے۔

برج نراین چکبست دَورِ جدید کے صرف ترجمان ہی نہیں ہیں بلکہ اِس دَور کے نمائندوں میں ان کا پایہ بہت بلند ہے۔

برج نراین چکبست کی شاعری و کمال کے ان کے سب ہمعصر قائل ہیں آیندہ جس قدر زمانہ گذرتا جائیگا اور اردو شاعری مصنوعی قیود سے آزاد ہوتی جائیگی اور آزادی کی فضا میں اُس کو نشوونما پانے کا موقع ملیگا۔ برج نراین کی شہرت بتدریج بڑھتی جائیگی اور آیندہ نسلیں اس امر کو تسلیم کریں گی کہ وہ دَورِ جدید کے رہنماؤں میں سے ہیں۔

حالی۔ پنڈت جے نرائن صاحب تنخواہ لکھنوی

پنڈت جی نراین صاحب تنخواہ لکھنؤ کے رہنے والے تھے اور یہیں تعلیم بھی پائی عربی و فارسی کی لیاقت بہت اچھی رکھتے تھے۔ خوشنویس اعلیٰ درجہ کے تھے شاگردوں کی تعداد بھی کثیر تھی۔ ناخن سے بھی بہت اچھا لکھتے تھے۔ ایک قصیدہ اُن کے ہاتھ کا بخط ناخن لکھا ہوا اور اُنھیں کا تصنیف کیا ہوا اُن کی وفات کے بعد ۱۸۶۴ء کی

نمایش میں بھیجا گیا تھا اور اُس پر اوّل انعام ملا تھا۔ عہد شاہی میں نواب شرف الدولہ بہادر وزیر اودھ کے سر رشتہ دار تھے اور چونکہ نثّار اعلیٰ درجہ کے تھے کہا جاتا ہے کہ اکثر مراسلات شاہی اُنھیں سے لکھوائے جاتے تھے۔ شعر شاعری کا بھی مذاق رکھتے تھے اور اپنا کلام کافی چھوڑا تھا مگر افسوس کہ مکان میں آگ لگ جانے سے سب ضایع ہوگیا۔ اپنے بڑے لڑکے پنڈت مہاراج نراین صاحب تسحواہ مرحوم ڈپٹی کلکٹر ممالک متحدہ کو آپ نے خود تعلیم دی تھی اور شروع ملازمت میں اُنھیں عمدہ مشورہ دیتے رہتے تھے۔ اس تعلیم و مشورہ کا اثر پنڈت مہاراج نراین صاحب کی زندگی پر ایسا پڑا کہ وہ تمام عمر گورنمنٹ اور عوام میں بوجہ اپنی لیاقت اور ایمانداری کے نہایت نیک نام اور مشہور رہے۔

قصیدہ در مدح ملکہ معظّمہ قیصرہ ہند

آنکہ با فرّ و عظمت و شان است — پایۂ اوج او بہ کیوان است
خسروِ نامورِ سرِ انگلینڈ — کہ بر و چتر ظلِّ سبحان است
حضرتِ ملکۂ معظّمہ — کہ جہانگیر و ہم جہانبان است
وارثِ افسرِ شہنشاہے — ابن سلطان و بنت سلطان است
در ثنائے جنابِ والایش — سخنِ انتخاب من۔ آنست
کہ بہ ہندوستاں بجان بخشی — ہمہ مردم تن اند و او جانست
مہرِ او عام ہمچو مہرِ خدا — قہر او خاص قہر یزدانست
در شجاعت بود یدش شمشیر — کفِ ہمّت چو ابر نیسانست
در عدالت مدار بر قانون — کہ بہ منشائے عدل برہانست
ہست دستور او یگانۂ عہد — افسرِ سروران و اعیانست
وائیسرائے و گورنر و جنرل — اشجع و اعدلِ جہان آنست

نام سرجان لارنس لارڈ — پیکرِ فیض و جود و احسانست
مدح آنہا کُنم کہ ملک اودھ — ہم منوّر بمقدمِ شان است
چارلس جان وینگ فیلڈ امیر — حق گزین حق رسان و حقدانست
دانش و فہم را از وقعت — مغزِ فطرت دماغِ عرفانست
کرنل القاب بیرو صاحب نام — کہ برو ہر کسے ثنا خوانست
حکمِ او زندہ کرد عہد مسیح — از امان گفتنش بہ تن جانست
نذر بیروے کمال و اہل ہنر — بسکہ منظور طبعِ سلطانست
مجمعِ بستہ ہمچو دستۂ گُل — کہ از و داغ باغِ رضوانست
بے بِدا دو قلم زنا خنِ من — روے کاغذ چو ماہ تابانست
حالیا من دعاے شاہ کنم — کہ ہمیں خدمتِ دعا خوانست
بادۂ کامیا بیش ہر دم — باد در جام تا کہ دورانست
دایما زیر حکمِ مُحکمِ او — باد دنیا و ہر چہ درآنست

رباعی

در عالمِ وادید چو شد وا دیدہ — پنہان و پدید ہر کسے را دیدہ
چون دیدہ بدیدن تو باشد باشد — نادیدہ چو دیدہ۔ دیدہ چون نادیدہ

حالی۔ پنڈت بھگوانداس ساکن حبہ کدل سرینگر کشمیر

صبا بگلشن بہ بر تو راہے — بہ نو بہاران بگو زکا ہے
رساں سلامے ازین گیاہے — بگوش خدّام ما نگاہے
کہ بس اسیرم بہ تیرہ شامی — بصبح روشن نماے راہے
سرشک گلگون زدیدہ بارم — چہ جرم سرزد زبے گناہے
بہ کنگرش رہ اگر نیابی — بگیر با خود کمند آہے

تو بادشاہی و از ترحم | برس بفریادِ منِ دادخواہے
زتیرہ بختی مکدّرم من | امیدوارم زنورِ شاہے
کہ چشمِ جانم بود منوّر | اگر بروبم کُنی نگاہے
بمہر بانی شفیعِ من شو | کہ سر بمو بہم پُر از گناہے

حبیب۔ راجہ بابو پنڈت راج نراین تنکو صاحب ساکن رانی کٹرہ لکھنؤ۔

آپ راجہ بابو کلکتہ والے کے نام سے مشہور تھے۔ آپ کے لڑکے بھیم نراین جی تنکو کو پنڈت کشن لال جی سکھیا کی لڑکی منصوب تھیں۔ مکرّمی پنڈت راج ناتھ صاحب عرف صاحب کی زبانی مولّف شوق نے یہ روایت سُنی ہے کہ ایک مرتبہ ترکاری والی آپ کے مکان پر ترکاری فروخت کرنے کو آئی اتّفاق سے اسکے پاس وزن کرنے کو باٹ نہ تھے۔ اس پر راج نراین صاحب کی والدہ نے اپنے ہاتھوں سے طلائی کڑے نکال کر کُنجڑن کے آگے ڈال دئے اور ترکاری اُن سے وزن کی گئی پنڈت صاحب موصوف کے برادرِ عزیز اندر نراین جی تنکو نے بڑے ناز و نعم میں پرورش پائی تھی۔ مشہور ہے کہ ان کے کنکوّے کا پیچ پانچ پانچ سو روپیہ کی بازی پر لڑتا تھا۔

اے خالقِ ارض و سما از نیست پیدا ماسوا | اے ہادیِ راہِ ہدیٰ اے قاضیِ حاجت روا
لوح و قلم عرشِ بریں ہر دم بحکمِ تو قریں | ذاتِ تو ربّ العالمیں ربّا کریا کبریا
اے برتر از وہم و گماں ہر مو اگر گردد زباں | حمدت نیاید در بیاں باشد اگر فہم و ذکا
اربعہ عناصر یک بیک قایم بحکمِ تو فلک | در شوقِ تو جن و ملک سبحان بے چون و چرا
خورشید و ماہ و مشتری فرزندِ آدم یا پری | صنعِ تو در صورتگری اے صانعِ جلّ و علا
اے صاحبِ کون و مکاں وے مالکِ ہر انس و جاں | اے دستگیرِ ناتواں وے داورِ دار البقا

ذاتت مبرّا از علل دائم منزّه از خلل — علمِ تو از علم و عمل در باطنِ اهلِ صفا

دلها همه تاراجِ تو جانها همه آماجِ تو — عالم همه محتاجِ تو ای داورِ روزِ جزا

عشق و محبّت در جهان انداخته شور و فغان — از حکمت گشته عیان این شیوهٔ جور و جفا

مرتاض و عابد متّقی عاصی و فجّار و شقی — هر کس به فیضِ عاشقی شد موردِ لطفِ خدا

در یادِ تو سروِ چمن استاده و گل خنده زن — قمری بکوکو نعره زن با عندلیب خوشنوا

از تو بتانِ گلبدن شمشاد قد رشکِ چمن — غنچه دهان گل پیرهن لاله رخِ رنگین ادا

عاشق ز تو در دردِ سر هر دم خورد خونِ جگر — سرگشته هر شام و سحر در وادیِ رنج و عنا

بغض و حسد در انجمن هر کس بنائید سخن — بر دیگری شد حرف زن از خودستائی خودستا

من عاجز و درمانده ام از بر نمط ناخوانده ام — در درد و غم اگنده ام مبذولِ فضلِ خود نما

حیران بکارِ خویشتن هستم بصد رنج و محن — بنگر بحالِ زارِ من ای قادرِ مشکلکشا

افسوس عمری شد تلف چون خر پئ آب و علف — سودی نه حاصل شد بکف لعنت بر این حرص و هوا

از دل بسر افگندگی گاهی نه کردم بندگی — دارم بسا شرمندگی از فرطِ عصیان و خطا

بس کن حبیب اینک بیا کن بر توکّل متّکا

هر نوع مریضِ درد را شد کوی او دار الشّفا

فاعلِ مطلق توئی ای کردگارِ دو جهان — واحدی صمدی قدیری لاشریک لامکان

انچه میخواهی کنی از قدرتِ خود آنچنان — قادری بر فعل و مختاری بکارِ این و آن

آستانِ عالیِ تو سجده گاهِ بندگان — داورِ عالی جناب و مالکِ کون و مکان

رونق افزا هست از مهرت زمین و آسمان — عشرت آباد است از الطافِ تو بیت الجنان

ذاتِ پاکت خالق و قایم قدیم و مستعان — ظاهر و باطن ز تو معمور ای جانِ جهان

پردهٔ پندار و غفلت اوفتاده درمیان — زین جهت ایجان از تو کس نمی یابد نشان

ای گلِ رعنا همیشه جلوه افروزی بدهر — هر طرف چون بوی گل حسنِ تو پیدا در جهان

میدہی مخلوق را از ہر چہ میبایست داد | شکر احسانت ادا سازد کجا تاب و توان
از سرِ رحمت فقیرے را تونگر می کنی | میدہی از غیب در یک لمحہ گنجِ شایگان
جملہ مخلوقات یابد رزق از درگاہِ تو | رازقا بر خوانِ احسانِ تو عالم میہمان
بے سبب پیدا نہ کردی عالمِ ایجاد را | آفریدی از برائے ذکر خود این جسم و جان
شد مشرف روحِ انسانی ز فیضِ معرفت | ناطقہ از شہدِ تحمیدِ تو شد رطب اللسان
باغِ عالم یافت سرسبزی ز ابرِ رحمتت | این گلستانِ جہان را نیست جز تو باغبان
گلشنِ ایجاد را رونق ز فیضت دادہ اند | شاہدانِ گل عذار و لالہ رو غنچہ دہان
ہر نہالے کز بہارِ لطف تو سرسبز شد | نُزہتش را تا ابد پژمردہ کے سازد خزان
آن چراغ را کہ افروزی تو از نورِ قدیر | نیست او را ہیچ باک از شدتِ بادِ وزان
در رہِ عشق تو ہر کس جان خود سازد فنا | بالیقین او را تو مے بخشی حیاتِ جاودان
خود بخود معلوم شد معنیِ مضمونِ عدم | خامۂ قدرت چو شد بر صفحۂ ہستی روان
روز و شب شام و صباح و دائما محفوظ دار | یا الٰہی بندۂ خود را ز آفاتِ زمان
طاعتت یکدم نکردم از حضورِ صدقِ دل | وا دریغا در معاصی رفت عمرم رائگان
راستان مستوجبِ آمرزشِ خود گشتہ اند | بندہ پرور چشم کن بر حالِ زارِ عاصیان
روزِ محشر فی الحقیقت چون توئی فریادرس | ز آتشِ دوزخ خدایا دہ مرا امن و امان
تا بماند یادگار این طبع زادم بعد من | فکرِ ناقص با زلالِ حمد شد رطب اللسان
اے خداوندِ کریم آوردہ ام این چند شعر | در حضورت نذر از من کن قبول این ارمغان

نیست جز درگاہِ تو ملجا و ماوائے حبیب
رحم فرما بر گدائے خویش اے شاہِ جہان

حشمت - پنڈت پیم نراین کول صاحب شاگرد آمانت - ایک زمانہ دراز تک آپ بہ عہدۂ تحصیلدار ریاست نواب محمد باقر علی خاں صاحب بہادر خیر آباد ضلع سیتاپور مامور رہے۔

صلحنامہ بوقت واپسی بشن نراین در صاحب از انگلستان

مشہور زمانہ میں بری ہے — کیا تفرقہ ہے برادری میں
آٹا گیلا ہے مفلسی میں — افسوس ایکا نہیں کسی میں
افسوس کی بات ہے سراپا — بالفعل جو چھٹ گئے اعزّا
بھائی، بہن اور کوئی بھتیجا — لڑکی، داماد یا نواسا
کیا درد ہوا ہے دل میں پیدا — جوڑوں سے الگ ہوئے ہیں اعضا
ایک بھائی کے گھر ہوا جو جانا — پانی تھا نہ پان تھا نہ حقّا
آنسو آنکھوں میں جھٹ بھر آیا — اشکوں کو پیا الم کو کھایا

بیٹھے رہے نقش پا سے ششدر
لوٹے چھاتی پہ رکھ کے پتھر

لندن کو گئے بشن نراین — عالم فاضل ذکی و پُر فن
دانائی سے با وجوہ احسن — واں کر کے چراغِ قوم روشن

واپس بصد احتشام آئے
با مقصد و با مرام آئے

جس وقت یہ عازم سفر تھے — صاحبزادے جو ذی ہنر تھے
ساعی و معین چارہ گر تھے — باتوں سے نہیں بہ زور و زر تھے

کہتے تھے تمھیں ملائیں گے ہم
جب آؤ گے ساتھ کھائیں گے ہم

اس راز سے ہم سبق تھے آگاہ ظاہر ہوئی عام پر جب افواہ
غُل شور مچایا سب نے ناگاہ لیکن ہوا کارگر نہ دلخواہ
اربابِ کلب نے کچھ نہ جانا
قائم رہا واں کا آنا جانا

کایستھ کی قوم لعلِ روشن ساتھ اُن کے گئے تھے جو کہ لندن
جب آئے وہ کرکے سیر گلشن خوش خوش گلِ آرزو بدامن
سب قوم نے اُن کے ساتھ کھایا
جھگڑے ہوے کچھ نہ کچھ قضایا

ہے قوم شریف تر ہماری جو بارھواں ڈنڈ برہم چاری
ادھکاری بہت بڑے پُجاری سنتو کی ستوگُنی پُجاری
اُس نے کیا اک فساد برپا
اِستادہ کیا دھرم کا جھنڈا

سُنئے یہ طرفہ ماجرا ہے ہر ایک اس میں چراغ پا ہے
قاتل یہ پلا کا مخمصہ ہے دورانِ زماں کا اقتضا ہے
گو درد ہے لا علاج لیکن
سب چاہیں تو ہے دوا بھی ممکن

کشمیر کی آئی ایک بُوِ ستھا پونا کی منگائی ایک بُوِ ستھا
یاں کی بھی منگائی ایک بوستھا اپنی بھی سنائی ایک بُوِ ستھا
تدبیر سے پیرانچت کرائی
ظاہر ہوئی صورتِ صفائی

اس کارروائی کو نہ مانا پیدا کیا اس میں شاخ شانا
کاشی کا منگا کے تانا بانا منظور تھا بس اُنھیں بہانا
تھے اُن کے شریک بھی بکثرت
قایم ہوسے دو فریقِ ملّت

اس کا انجام سونچنا تھا کیا رنگ ہے آج۔ پہلے کیا تھا
لڑکوں کا مزاج دیکھنا تھا بے سمجھے نہ ہاتھ ڈالنا تھا
اک جوش میں آکے بے محابا
اک دم کیا سب نے مل کے دھا[12]

واجب نہ تھی اس میں گرم جوشی لازم تھی بلکہ پردہ پوشی
یہ امر تھا لایقِ ..... خموشی ہم صورتِ فعلِ بادہ نوشی
اس آگ پہ پانی ڈالنا تھا
جھنجھلانا نہ تھا سنبھالنا تھا

وقت اور ہے جائے غور ہے یہ انصاف سے صاف دور ہے یہ
اخراج کا کوئی طور ہے یہ اب دھرم سبھا کا جَور ہے یہ
دو ایک مرض ہوں تو دوا ہو
سَو عارضوں کا علاج کیا ہو

ممکن نہ تھا ایک بشن نراین ہمدرد تھے جن کے سب تہمتن
یا وصفِ صفائیِ ..... قراین کرشیجین رہیں اور سب برہمن
انجام کو ایک نے نہ سونچا
ایک دم سے سبھا نے آدبوچا

بڑھنی گئی جب دلی کدورت پوجنے لگی سوپنکا کی مورت
فتنہ نظر آیا بن کے صورت نارد جی نے دیکھ دی مہورت

اپنوں کا کیا نہ غیر کا پاس
سرپٹ دوڑائے اسپِ قرطاس

اک ساتھ کے کھانے والے بھائی موصوف بمہر و آشنائی
کیوں کم ہوے کیا ہوا... سمائی بھائی کی بُرائی کسکو بھائی

تضحیک آپس کی کی جو شایع
کیا مفت کیا ہے وقت ضایع

جب غیر نے دیکھی وہ کتابت بول اُٹھا کہ واہ رے شرافت
یہ لوگ تھے کیسے با لطافت کیا اِن کی خدا نے پھیر دی مت

تہذیب و حیا سے ہو کے عاری
اک ایک کی کر رہا ہے خواری

یہ قوم رہی بہ خوش نہادی باہم مشہور اتحادی
تہذیب و ادب حیا کی عادی خوش رونی میں زیبِ روے شادی

اس جنگ سے خوار ہو رہی ہے
نفسانیت اس کو کھو رہی ہے

نفسانیّت میں ہے ندامت حاصل نہیں کچھ بجز ندلّت
شیطاں پہ کرو ہزار لعنت کیوں ہوتے ہو اپنے منہ فضیحت

انسانیت ہے کارِ مرداں
ہے مہر و وفا شعارِ مرداں

جس سینہ میں یہ بھرا ہے کینہ بے شک وہ دریدنی ہے سینہ
بے حرف وفا بچشمِ بینا خاتم کا خراب ہے نگینہ
ہے مرد وہ جس میں ہے محبت
نامرد کی پھوٹ ہے علامت

ہے دَورِ زمانہ بسکہ خیرہ اُس کا نہیں ایکساں وتیرہ
پُر نور کبھی کبھی ہے تیرہ ہر رنگ کا اس میں ہے ذخیرہ
کُل شئے کو ہے انقلاب اس میں
ہر لحظہ ہے پیچ وتاب اس میں

اے بھائیو ساکنانِ دہلی مہر و مہِ آسمانِ دہلی
زینت دہِ دودمانِ دہلی اے جان و دلِ جہانِ دہلی
سالک رہِ اتّفاق کے ہو
یکسر قاتل نفاق کے ہو

عالی ظرفانِ مُلکِ پنجاب صاحب خردانِ مُلکِ پنجاب
والا گہرانِ مُلکِ پنجاب اے نام و نشانِ مُلکِ پنجاب
مغلوب ہے دل خجل خرد ہے
اب کیجئے مدد کہ وقت بد ہے

اے ساکنِ خاص الہ آباد از فسق و فجورِ دہر آزاد
چوں سنگم از اتّفاق دلشاد سرسبز بشکل سرو و شمشاد
سب مل کے ہو ہادیِ طریقت
پیرو رہیں شاد رَو براحت

اے خطۂ خاکِ پاکِ کشمیر　　ہم ہیں دور از دیار دلگیر
صحبت نے یہاں کی کی وہ تاثیر　　پوشاک رہی نہ واں کی تقریر
ہمدردی رہی نہ اگلی اُلفت
تھی ایک خورد و نوش وہ بھی رخصت
اصحاب سبھا سے ہے یہ خواہش　　اربابِ صفا سے ہے یہ خواہش
احبابِ رسا سے ہے یہ خواہش　　اسبابِ وفا سے ہے یہ خواہش
اصلاح میں متفق ہو ایسے
ہے راگ کو جیسے میل لَے سے
حاصل ہو کمال کم ہو کاہش　　باہم مل جاؤ بے غل و غش
قایم جو رہیگی یونہیں رنجش　　اس کوڑھ میں ہوگی آگے خارش
آئندہ کو طول میں ہے نقصان
ہو عرض قبول تو ہے احسان
اے یارو تمھیں خدا کی سوگند　　عیّارو تمھیں خدا کی سوگند
دیندارو تمھیں خدا کی سوگند　　ہوشیارو تمھیں خدا کی سوگند
ہو فضلِ خدا سے سب خردمند
کر دو بابِ انانیت بند
طرفین سے صلح کا ہو پیغام　　ہو منعقد ایک جلسۂ عام
باہم خورد و نوش ہو بہ آرام　　چندے سے ہو صرف کا سرانجام
پیر و مرشد خموش بیٹھیں
انجام اسے جملہ نوجواں دیں
حشمت کر ختم اس بیان کو　　اب تھام لے اشہبِ زباں کو

کر یاد خدائے انس و جاں کو   لاحول حسودِ۔۔۔ بدگماں۔۔۔کو

لے مانگ دعا بصد ایادی

بانیکی و باخوش اعتقادی

یارب میرے نامہ کو اثر دے   ہر حرف قبولیت سے بھر دے

بیننده کو دوربیں نظر دے   اُٹھ جائیں دوئی کے دل سے پردے

تاریکی جہل دُور ہو جائے

دانائی کا کُل ظہور ہو جائے

ہر ایک کی زباں پر ہو یہی شور   ہے عید خوشی میں ہیں شرابور

بدبیں حاسد کی آنکھ ہو کور   ہو دشمنِ قوم۔۔۔۔زندہ درگور

شر دور جو ہو تو بول اُٹھیں غیر

تاریخ ہے آج ختم۔۔۔۔بالخیر

۱۸۸۷ء

حضور ۔ پنڈت سری کشن صاحب لکھنوی

سُنتے ہی حال زار مرا تم جو سو گئے   کیا آپ نے بنایا کوئی قصّہ خواں مجھے

بعدِ فنا پڑے رہیں کوچہ کے آس پاس   تھوڑی سی دے زمین اگر آسماں مجھے

ڈھونڈھا کہاں کہاں نہ ملا یار کا پتہ   چلتا ہوں پیچھے جو کوئی لامکاں مجھے

گالی نہ دیکھے پاس سے اپنے اُٹھائیے   اتنا سبک نہ کیجئے کہ گذرے گراں مجھے

دنیا کو لے نہ جاؤنگا ڈرتا ہے کیوں فلک

رہنے دے ایک دن کے لئے میہماں مجھے

حضوری۔ پنڈت دیوہ رام کاچرو صاحب ساکن زینہ کدل سری نگر کشمیر۔ عہد مہاراج رنبیر سنگھ میں آپ نے بعمر ساٹھ سال سمت ۱۹۳۶ بکرمی میں وفات پائی۔

اے برتراز خیال و قیاس و گمانِ ما
درخلوتِ حریم وصالت امانِ ما

از دل براہِ دیدہ بجوشید چون محیط
بگرفت طفلِ اشک زمین و زمانِ ما

امروز دست چُست بدامان دوست زن

فردائے حشر اوست حضوری ضمانِ ما

افگند زغم در آب مارا
آرام دلِ خراب مارا

اے ساقیِ بادۂ محبّت
بُردہ قدحِ شراب مارا

از خشم بمن نگہ نکردی
شد بحرِ کرم سراب مارا

آتش چکند بمن حضوری

بس مہرِ ابو تراب مارا

بُردی دلم بعشوہ و کردی جگر کباب
برباد شد ز عشقِ بتان موسمِ شباب

بیوجہ نیست گریۂ خونین بروئے زرد
سرمیزند ز بحرِ دلِ تنگ این حباب

بس شکوہ ہائے درد حضوری زغم مکن

دردہر نیست جز غمِ ساقی لُبِ لباب

تیزیِ تیغِ غمزۂ جادو
دولت از کار آگہان بگرفت

تر شدہ دامنم ز اشکِ حضور
ساقیم توبہ دردہان بگرفت

خمارے بدل بختہ آب معرفت است
برآنکہ خام قصور است جامِ بادۂ سُرخ

خدا رحیم و غفور است نوش کن مے ناب
علاجِ ضعفِ حُسو (کمی بینائی) راست جامِ بادۂ سُرخ

رفیقِ راہِ خدا نیست جز دو دیدۂ تر
براہِ حق دمِ پُر آہ و چشمِ تر بہتر

سزائے روسیاہی ہا زحق موئے سپیدم شد
ریاضِ سینہ را فقر و فنا رعنا و زیبا بس

سرم را تاج دہ از پاے خود مطلوب دل دارم | کہ دستم چیست دامانِ تو گیرد دلفریبا بس

دیگر

شمار معصیتم گر بروز حشر کنند | زمین زمان پُر و خالی شود ازان عمل و غش
شنیدہ ام کہ ہزار عندلیب با صد برگ | بروے گل نکشید ند بادۂ بیغش
شفیع تست حضوری بحشر دامنِ تر
بہ بین کرامتِ ظاہر ز چشم دریا وش

فراق عین وصالست در دلِ عارف | بجز خدا کہ کند حلِ مشکلِ عارف
فسانہ کم کن و نورِ خدا علانیہ بین | کہ نیست جز دلِ بے کینہ شاملِ عارف

گل از خاک سرچون برآورد و گفت | بدہ ساقیا آب بیجا دہ رنگ
گران گشت بر سینہ ام بارِ غم | بکن فارغم ساقی آزادہ رنگ
گر آن آشنا بر من آرد گذر | ز بیگانہ شویم ز سجادہ رنگ
گذر کن بہ میخانہ جامے بنوش
حضوری کن از بادہ آمادہ رنگ

ندانم عارضست این یا گل است این | سر موے کسے یا سنبل است این
نسیم دلکشاے نو بہاران | فرح دہ یا شمیم کاکل است این
نگاہِ چشم نرگس این چنین نیست | ز چشمِ ساقی دریا دل است این

ہوش بردی زہے بہ پیمانہ | ساقی از حق مساز بیگانہ
ہر تمنّا - کہ در دلِ ما بود | بردی از سے نہ حکم پیمانہ
ہوسِ تازۂ بدل دارم | حلّ مشکل مجو بہ افسانہ
ہر زمان بر سرِ حضوری نہ
منّتے از وصال بر شانہ

مناجات

الٰهی از غمت خون کن دلِ من   ز عشقت وادیِ غم منزلِ من
بکن آباد اشک آباد بچشم   کریم گوید مبارکباد بچشم
لبِ من خشک از سوزِ جگر کن   زر آبادِ زخم آباد تر کن
زنیشِ عشق نوشم در گلو ریز   درِ اسرار خود در گوشم آویز
ز دردِ شوق درمانم عطا کن   دوا کن مهربانی کن شفا کن
دماغم را چنان کن سرخوش از عشق   که گردد جسم و جانم بیهش از عشق
اگر سازم نیاسنے از جهالت   ندارم طاقتِ بارِ کمالت
خرد کاندر بیانِ حمد لال است   بیان کردن زبان را کے مجال است
فلک را بیستون برپا نمودی   زمین را بسته بر یکجا نمودی
مه و خورشید سرگردانِ راهت   وشاقانِ سرائے کارگاهت
زمیں را از خلایق تازه کردی   فلک را از ملائک (اعلام) غازه کردی
نه گل بے خاک رنگے می پذیرد   بغیر از باغبان آبے نگیرد
ز تو پیدا شد آن چیزے که پیدا است   هویدا زآنچه هست از تو هویدا است
مزیّن کردی از روحی ملک را   مرصّع کردی از انجم فلک را
ز عشقت سر برآورده کماهی   ز وحدانیّت داده گواهی
به طبعم از کرمها یاری کن   دلے خالی کنم دلداری کن
زبانم را بهمّت تر زبان کن   بیانم را انیسِ هر زبان کن

قلم را تازه تر کن تا نویسد
ز حالِ عشق بے پروا نویسد



پنڈت بشمبر ناتھ مشران حیاؔ

رباعی

شاخ قلمش سبز بہارے دارد فرد رقمش بنفشہ زارے دارد
طاؤس قلم زشوق گلگشت خطش از ریشہ ہمیشہ خارخارے دارد

فرد

فرزند اگرچہ عیب ناک است در چشم پدر ز عیب پاک است

ولہ

دست حاجت چو بری پیش خداوندے بر کہ رحیم ست وکریم است وغفور است وودود
از ثرے تا بہ ثریا بہ عبودیت او ہمہ در ذکر مناجات قیام اند وقعود
کرمش نا متناہی نعمش بے پایان ہیچ خواہندہ ازین در نرود بے مقصود

رباعی

این فصل کہ چون صحن چمن روح افزاست وحشت زدگان را بہ طرب جادہ نماست
در چار حد عالم اگر میخواہی تا نیش نیابی کہ بسے بے ہمتاست

حیا۔ پنڈت بشمبر ناتھ مشران صاحب خلف پنڈت درگا پرشاد صاحب۔

آبرمرحوم کے ہمجلیسوں میں تھے۔ زندہ دل پاک باطن طبیعت نہایت بامذاق تھی۔ روتے کو ہنسانا اُن کے بائیں ہاتھ کا کھیل تھا۔ افسوس ہے کہ بجز ایک شعر کے اور کلام آپ کا دستیاب نہیں ہوا۔ آپ صوبہ ممالک متحدہ میں بعہدۂ منصفی سرفراز تھے۔ عین عالم شباب میں مرض ہیضہ میں مبتلا ہوکر بمقام کانپور رحلت کی۔

نقاب کی نہیں محتاج پاک دامانی حیا کا پردہ ہے عصمت مآب آنکھوں میں

حیران۔ پنڈت کشن نراین صاحب بنارسی

بارے بگو کجا رود از آستان تو بیمار تو شکستۂ تو ناتوان تو

در ہجر تو سخت بیقرارم رحمے — تاب غم تو دگر ندارم رحمے
تا چند جفا و جور و بیداد کنی — رحمے رحمے بہ حال زارم رحمے

مارا بسرت جز سر زلف تو سرے نیست — جز چشم تو در ہر دو جہانم نظرے نیست

حیرت - پنڈت اجودھیا پرشاد گرٹو صاحب لکھنوی

آپ جرأت لکھنوی کے شاگرد تھے۔ شیفتہ ان کی بابت لکھتے ہیں کہ پنڈت صاحب نے چند مثنویاں کہی تھیں اور ایک مختصر سا دیوان بھی مرتب کیا تھا فن موسیقی کے بڑے مستند ماہر گذرے ہیں افسوس کہ عین عالم شباب میں ۱۳۲۴ھ میں ۳۵ سال کی عمر پا کر اس دنیا سے چل بسے۔ مولف نغمۂ عندلیب آپ کے متعلق لکھتے ہیں کہ پنڈت اجودھیا پرشاد نام۔ لکھنؤ مسکن۔ جامع مثنوی ہائے کثیر۔ تعلیم موسیقی دلپزیر۔ تیر اندازی میں قدرت قوی۔ خوش گلوئی میں رشک حنجرۂ داؤدی دہلی میں بعمر سی و پنج سال آئینہ ہستی سنگ قضا نے چور کیا۔ ایک شعر اُن کا بطور یادگار درج کیا جاتا ہے۔

برنگ نقش پا اُس کی گلی سے اُٹھ نہیں سکتا
ہوا ممنون احساں خوب اپنی ناتوانی کا

حیرت - پنڈت برجموہن لال گُھر صاحب لکھنوی۔ خلف پنڈت کیشو ناتھ صاحب۔

نواب چھلکی قدر صاحب کے رفقا میں سے تھے کچہری میں تحریری کرکے بسر اوقات کی۔ طبیعت فقیرانہ پائی تھی اکثر سادھوؤں اور درویشوں کی صحبت میں رہا کرتے تھے آپ کا مکان کشمیری محلہ میں تھا۔ فرماتے تھے کہ انسان کا فرض ہے کہ یاد الٰہی میں مصروف رہے ورنہ "بھجن بنا بیل پرائے بنیہو"۔



پنڈت تربھون ناتھ آغا۔ حضرت

تاریخ وفات بشن چندر جی گورو بید

بشن چندر طبیب عصر نمود — جامۂ مرگ ناگہان در بر
مادرِ ناتوانِ او زین غم — کوفت سنگِ گران بسینہ وسر
حیف آن نوجوانِ مرگ نصیب — خود گذشت و گذاشتہ مادر
شد بہ ہمشیرہ اش ازین ماتم — عرصۂ زیست عرصۂ محشر
پورِ او نوجوان گوپی ناتھ — ہمہ تن داغ شد زمرگ پدر
پسرِ خورد نام سدّھولال — سوخت داغِ الم بہ سینہ وسر
حالِ مرگش شنید چون حیرت — بہرِ تاریخ خورد خونِ جگر
رخِ اقبال تافت از دنیا — داغِ خود او بداد با مادر
سنہ ۱۸۸۱ء

حضرت۔ پنڈت تربھون ناتھ آغا صاحب خلف پنڈت سورج ناتھ آغا صاحب۔

آپ الہ آباد یونیورسٹی کے گریجویٹ ہیں اور ایل۔ ایل۔ بی کی ڈگری حاصل کرکے الہ آباد ہی میں آپ نے وکالت شروع کی ہے۔ آپ ایک ہونہار نوجوان ہیں اور بہت تھوڑے عرصہ سے ذوق شاعری نے آپ کے جذبات کو اُبھارا ہے۔

ایسا ہے کون دہر میں جسکو تری خبر نہیں — کونسی شئے ہے اے خدا جس پہ تری نظر نہیں
ہائے جگر ہے پاش پاش دامنِ دل بھی چاک ہے — کہتا ہے کون بیخبر عشق میں کچھ اثر نہیں
دل مرا لے کے کیا کیا کچھ نہ وفا کی قدر کی — گذری تھی اُس پہ ہائے کیا تم کو ذرا خبر نہیں
دیکھو یہ میری بے کسی ہے یہ غضب کی بے بسی — میری شب فراق کی شام تو ہے سحر نہیں
اِن پہ ہے دل کا آسرا اُن سے ہے لطفِ زندگی — حسرت و غم کو چھوڑ کر جائیں کہاں خبر نہیں
چیں بہ جبیں نہ ہوجیئے تیرِ نظر چلائیے — قبضہ میں آپ کے ہر دل نہیں یا جگر نہیں

دیگر

سچی الفت کے اگر آپ خریدار نہیں
دل پہ آنچ آنے کا پھر میں بھی روادار نہیں

آج رہ رہ کے مرا دردِ نہاں اُٹھتا ہے
کیا کہوں کس سے کہوں کوئی بھی غمخوار نہیں

مرمٹوں عشق میں تیرے یہ تمنّا ہے مری
آرزو جس کو شفا کی ہو وہ بیمار نہیں

مری ہستی مرے مالک یوں ہی برباد رہی
کوئی رہبر کوئی مونس کوئی غمخوار نہیں

دل شوالہ بنا بُت یار کی تصویر بنی
کعبۂ و دیر سے کچھ ہم کو سروکار نہیں

دیگر

جوشِ جنوں ہے آپ کے مسحورِ عشق کو
صحرا کے لطف ہیں دلِ خانہ خراب میں

آیا بھی اور چلا بھی گیا نامہ بر مگر
میں سوچتا رہا کہ لکھوں کیا جواب میں

میں ختم داستانِ شبِ ہجر کر سکوں؟
وسعت ہی اس قدر نہیں روزِ حساب میں

حضرت کو بات بات ہے ناصح کی ناپسند
تاکیدِ توبہ کرتا ہے ظالم شباب میں

رو دیا میں اپنا ہی چاکِ گریباں دیکھکر
اب نہ رکھیگی کہیں کا یہ پریشانی مجھے

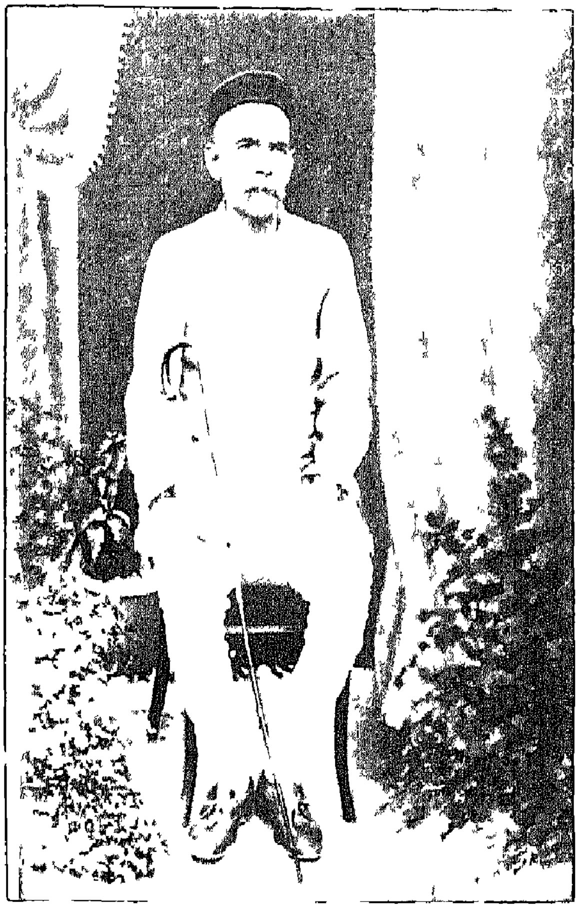
کائناتِ دہر میں ہے اُسکے جلووں کا ظہور
ذرّہ ذرّہ سے عیاں ہے حسنِ پنہانی مجھے

حق پرستی نے مری چشمِ عقیدت کھول دی
ذرّہ ذرّہ سے ملی تعلیمِ روحانی مجھے

ولولے اب دل کے حضرت جوش پر آنے لگے
کاش سکھلا دے کوئی طرزِ غزلخوانی مجھے

خادم یا داس پنڈت ہردے نارائن بھان صاحب خلف پنڈت جگت نراین بھان صاحب اکبرآبادی۔

آپ کا شجرہ خاندان راجہ جے رام بھان صاحب سے ملتا ہے۔ یہ محمد شاہ بادشاہ کے عہد میں کشمیر سے دہلی آئے تھے اور رفتہ رفتہ مدارجِ اعلیٰ پر پہونچے راجہ کا خطاب ملا



پنڈت ہردے نراین بہان ۔ خادمؔ

تو عرض کیا کہ ہم لوگوں کو عوام خوجہ کہتے ہیں یہ ہماری کسر شان ہے بجائے اسکے ہر ایک کشمیری برہمن کو پنڈت کہا جاوے۔ بادشاہ نے منظور کر کے منادی کرادی کہ اگر آیندہ سے کوئی کسی برہمن کشمیری کو خوجہ کہیگا تو وہ سزا پائے گا عام اس سے کہ کشمیری برہمن خواندہ ہوں یا ناخواندہ اُن کو پنڈت کہا جائے یہ رواج ابتک جاری ہے۔ آپ کے والد پنڈت جگت نراین بھان صاحب ۱۸۱۵ء میں بمقام دہلی پیدا ہوئے اُن کی والدہ دسویں دن ہی بیمار پڑ گئیں اور قریب گیارہ ماہ بعد اسی بیماری میں سُرگ لوک کو سدھا گئیں اُن کی پرورش دادی صاحبہ کے آغوش عاطفت میں ہوتی رہی آپکے دادا حضرت پنڈت جے کرشن داس صاحب ان کی ولادت کے کچھ عرصہ بعد آمراوتی دکھن چلے گئے تھے اور وہاں تحصیلدار رہے دس بارہ سال کے بعد جب واپس آئے تو ان کی ماں نے ان کو پھر واپس جانے نہ دیا اور وہ محکمہ پرمٹ شاہی میں اخیر عمر تک پروانہ نویس رہے اور غدر ۱۸۵۷ء میں ایک ظالم کی گولی کا نشانہ ہوکر راہی ملک عدم ہوے۔ پنڈت جگت نراین صاحب بھی محکمہ پرمٹ شاہی میں بعہدہ سپرنٹنڈنٹی مامور رہے اور پھرتے پھراتے قصبہ بادلی تحصیل جھجر ضلع رہتک میں تبدیل ہو آئے اور اسی ضلع میں ۱۸۶۶ء میں پنشن پائی اور ایک مکان میں جو دفتر پرمٹ کے پاس خود ہی بنوایا تھا مقیم رہے جنوری ۱۸۷۹ء میں بغرض قیام متھراجی میں آئے اور ۱۹ر مارچ ۱۸۷۹ء کو تین روز بخار میں بیمار رہکر سُرگ کی راہ لی تین لڑکے اور چار لڑکیاں چھوڑ گئے تھے اس کے بعد ہی ۸ر جون ۱۸۷۹ء کو خادم کی والدہ بھی اپنے پتی کی سیوا میں سُرگ دھام کو چلی گئیں یہ پنڈت جواہر لال ہکو صاحب کی ہمشیر تھیں۔

ہمیں محبت سے اُس پری نے دیا جو جام شراب آدھا
یہ آب کوثر سے کم نہیں ہے شراب آدھی گلاب آدھا

گھٹائیں آئی ہیں کالی کالی برس رہے ہیں گرج کے بادل
سبو کے ہمکو دیدے ساقی پلا نہ جام شراب آدھا

خفا ہیں ہم اپنی زندگی سے تجھ کا ئے سر ہیں کہ قتل کردو
کیا جو تیغ نگہ سے گھائل کیا یہ کار ثواب آدھا

ہمیں محبت سے اُس پری نے دیا جو جامِ شراب آدھا
یہ آبِ کوثر سے کم نہیں ہے شراب آدھی گلاب آدھا

گھٹائیں آئی ہیں کالی کالی برس رہے ہیں گرج کے بادل
سبُو سے ہم کو دیدے ساقی پلا نہ جامِ شراب آدھا

خفا ہیں ہم اپنی زندگی سے جھکائے سر ہیں کہ قتل کردو
کیا جو تیغِ نگہ سے بسمل کیا یہ کارِ ثواب آدھا

چھپا کے زیرِ نقاب چہرہ پلٹ کے آنچل جو دیکھتے ہو
یہ بدرِ کامل ہلال کیوں ہے اُٹھا دو باقی نقاب آدھا

نہیں ہے جینے کی اب تمنّا دیا ہے دل جب سے اس پری کو
کیا ہے خادم کو گرچہ بسمل ابھی ہے باقی عتاب آدھا

مجسّم ہو کے دنیا میں وہ آئے بے نشاں ہو کر
کریں توصیف کیا اُن کی بیاں ہم بے زباں ہو کر

ظہورِ کرشن کا جلوہ ہے ہر ذرّہ میں عالم کے
ہمارے جسم میں بستے ہیں وہ روح رواں ہو کر

رقیبوں سے جو ملتے ہو مجھے کیا مار ڈالو گے
مری آنکھوں میں آ بیٹھو رہو یا دل میں جاں ہو کر

نہ مانوں گا نہ مانوں گا قدم چھوڑوں تو کیوں چھوڑوں
مصیبت کیوں سہوں دنیا میں تم سا قدرداں ہو کر

نہ زندہ ہوں نہ مردہ ہوں بھروسا فضل کا پر ہے
تماشا دیکھ لو آکر پڑا ہوں نیم جاں ہو کر

اگر بخشے تو ہے قادر نہ بخشے تو خوشی اُس کی
دلِ پُرغم جو جلتا ہے یہ نکلے گا دھواں ہو کر

اُلجھن سی ہو رہی ہے یہ جانِ نزار میں — آتا نہیں قرار دلِ بے قرار میں
اُمیدِ وصلِ یار میں جیتے تو ہیں مگر — برسوں گذر چکے ہیں اسی انتظار میں
دوری میں ایک صنم کے تڑپتے ہیں رات دن — چین آئے کس طرح ہمیں لیل و نہار میں
غالبؔ کی طرح مے سے غرض دل لگی نہیں — غافل جہاں سے ہو کے پڑا ہوں خمار میں
پیماں شکن سے اب تو نہ دل کو لگاتے ہم — پر کیا کریں کہ دل ہی نہیں اختیار میں
عاصی ہوں سر جُھکائے کھڑا ہوں حضورِ شاہ — رحمت سے مجھ کو بخشنے تو ہے اختیار میں

خادم تمام عمر تو عصیاں میں کی بسر
اب کچھ گزار خدمت پروردگار میں

ولہ

ہے جو سیدھی مری تقدیر نہیں — راست آتی کوئی تدبیر نہیں
تاکہ پیدا نہ ہو ثانی تیرا — ہمنے کھینچی تری تصویر نہیں
تیری چتون نے نہ مارا ہو جسے — ایسا دنیا میں کوئی بیر نہیں
بُجھ گئی سوز میں جل کر آخر — شمع کو حاجتِ گُلگیر نہیں
یادِ حق میں جو ہوئے متوالے — اُن کو کچھ حاجتِ تکبیر نہیں
درد مند رکھتے ہیں آہوں میں اثر — کیوں مری آہ میں تاثیر نہیں

عشق سے تیرے ہے خادم بدنام
اور ظاہر کوئی تقصیر نہیں

مُنہ پہ زلفوں کو گراتے کیوں ہو — ابر میں چاند چھپاتے کیوں ہو
ہم سے نفرت ہے تو نفرت ہی سہی — اَور کو گھر میں بُلاتے کیوں ہو
دل رقیبوں سے لگا کر صاحب — ہم کو باتوں میں اُڑاتے کیوں ہو
میری تربت پہ جو آتے ہو کبھی — ساتھ اغیار کو لاتے کیوں ہو

بیوفائی تمھیں بھاتی ہے تو پھر
پہلے تم دل میں سماتے کیوں ہو

کیوں دیر ہے کرشن جی لگائی — کیوں سنتے نہیں مری دُہائی
اب تو مجھے اپنا داس کر لو — کی در پہ بہت دنوں گدائی
ہے پیکِ اجل زمانِ پیری — دن ڈھل گیا شام ہونے آئی
لو جلد خبر کہ وقت کم ہے — ہاں دیر کی اب نہیں سمائی
در پر تو ترے کھڑا رہونگا — دربار میں گر نہیں رسائی

بخشش سے اگر نہال کر دو
تو کیا نہیں شانِ کبریائی

کیوں کر نہ ہو اضطراب دل کو — ہے غم کی گھٹا جو دل پہ چھائی
درشن دیکر نہال کیجے — کیوں شکل ہے پردہ میں چھپائی
کی فکر ہزار بار دل نے — مایا نہ تری سمجھ میں آئی
مایا میں جگت پھنسا ہوا ہے — ظاہر میں کہیں نظر نہ آئی
بھگتوں کے تو ہو سدا سہایک — پر داس کی یاد ہے بھلائی
دریائے کرم سے جام دیکر — میری تو نہ تشنگی بجھائی
بھگتی ہے نہ کرم نہ گیان مجھکو — کیوں کر ترے در پہ ہو رسائی
پیدا جو ہوا مریگا بیشک — ہاں بات یہ ہے بنی بنائی
پھر کیوں نہ رکھا ہمیں عدم میں — کیوں ہم کو حیات کھینچ لائی

ہوں داس تمھارا رادھے برشیام
لو شرن میں اپنے جا دوں رائی

رباعی

زندگی جسم میں ہے روح کی تحویل کا نام   موت اجسام سے روحوں کا جدا ہونا ہے
روح مرتی نہیں مرتا ہے یہ جسم اے خادم   بس اسی جسم کو دنیا سے فنا ہونا ہے

مناجات

ببخشائے اے قادرِ کبریا   گناہِ منِ عاصیے پیر را
پناہِ ضعیف و توانا توئی   صوابم نما اے کہ دانا توئی
کُنی عاجزاں راسزاوارِ تخت   تو گردن کشاں راکُنی زیرِ سخت
عزیزِ جہاں ہر کہ دمسازِ تو   نداند کسے درجہاں رازِ تو
ہمہ داں ہمہ آشکارا تُرا   بہ عفوم نوازی کہ یارا تُرا
نہاں از نظر ہم درخشندۂ   ضیا مہر و مہ راتو بخشندۂ
ندانم کسے راکہ شاہم توئی   ز شرّ و مصائب پناہم توئی
مرا با شہانِ جہاں نیست کار   بہ فضلِ تو پیوستہ امیدوار
نگاہِ کرم گر بہ یادم کُنی   زر و گنج بخشی و شادم کُنی
پناہم بدہ ہم سرافراز کُن   درِ خرّمی را بہ من باز کُن
بیادت گُزارم ہمہ صبح و شام   کہ ماندم اسیرِ معاصی مُدام
سرِ بندگی پیشت انداختہ   نہ باشم بہ حرص و ہوس ساختہ
نگہ از کرم کُن گدائے توام   بدہ جامِ عرفاں کہ غافل شوم
امیدم بدہ جبہ سائے توام   بہ افکارِ دنیا نہ مائل شوم

بہ دنیا و دیں خادمِ خویش را
غنی ساز اے شاہ درویش را

ہندی

کبھی آؤ جی بہاری جی ہمارے انگنا　　کوئی مکھ میں ہمارے جمنا گنگ نا
کاہیکو بن میں اکیلے پھرت ہو　　برکھبھان دُلاری جی تمہارے سنگ نا
رادھے بر شام بہاری کی جے ہو　　ہمکو بھی دیجے جڑاؤ کنگنا
تمہارے تو در کے بھکھاری بنے ہیں　　اور سے ہم نہیں سیکھے منگنا

پریم کا رنگ رنگادو داس کو
اور رنگ نہیں چاہوں رنگنا

جمراج سے ہم کو کیا کھٹکا　　جب رادھے شام سے من اٹکا
من موہ لیا مرا موہن نے　　روپ بنا ناگر نٹ کا
سکھی رہی جل کیسے بھروں کاہنا　　مکھ روکے کھڑا ہے پنگھٹ کا
آگے بڑھوں تو وان لگاوے　　پٹ کھولدیا مری گھونگھٹ کا
کر بر جوری موری بہیاں مروریا　　مرا ڈار دیو سر تیں مٹکا
جل نہ بھروں تو کیسے کروں ری　　موہِ ساس ننند کا ہے کھٹکا

داس جنگل چھپ کے بلہاری
موہِ درس دکھا دو مور مکٹ کا

ہولی

ہوری کھیلت ہر رادھے رانی کے سنگ

عبیر گلال گگن لوں چھایو　　انگنا میں پھیلو ہے رنگ　　ہوری کھیلت
شام سُندر کے سنگ سکھا سب　　سکھیاں ہیں سب رادھے رانی کے سنگ　　ہوری
اِت کیسر اُت دُودھ کی مٹکیا　　کھیلت ہیں با ڈھو اُمنگ　　ہوری
شیاما شیام پر سیر کھیلیں　　ڈارت کیسر رنگ　　ہوری

تک تک بھر مارت پچکاری ساری کی ساری بھئی ہیں سُرنگ ہوری کھیلت
چھوندرس کھیل پرسپر مانچو بھیج گیو سارو انگ ہوری
وہ پکرٹت وہ بھج بھج جاوت مدھ بھرے جھومت مانو متنگ ہوری
(ہاتھی) ۱۳
کُودت جھومت گاوت ڈولت باجت ڈھپ اور جھانجھ مرِدنگ ہوری
نول دُلھن بر کبھان کشوری شیام کرشن گھن دامن سم انگ ہوری
شِیو برہماد ک دیکھن آئے گایتری گورا لئے سنگ ہوری

داس جُگل چھب کے بل جاوت
پرست چرنن شری جمنا گنگ
ہوری کھیلت ہر رادھے رانی کے سنگ

رادھے بر شام جپو بھائی

کیوں تو مورکھ ہوا ہے بندے لوبھ موہ کے کاٹ دے پھندے
دن بیتا دُنیا کے دھندے اب سنجھیا ہونے آئی رادھے بر
پربھو مالک تو بندا ہے پربھوجی آنند کندا ہے
یہ جگ جھوٹا دھندا ہے کون پِتا کسکی مائی رادھے بر
ہری کے چرن میں چِت لاؤ رین دناں منگل گاؤ
اس جگ کی سُدھ بُدھ بسراؤ رہ ہر کے چرن میں سر نائی رادھے بر
ترا کوئی سنگ نہ ساتھی ہے کس دھوکے میں دن راتی ہے
جب موت اچانک آتی ہے پھر کچھ تان بن ہے پچھتائی رادھے بر
تم رادھے شیام کی جے بولو ہر دم ہر نام کی جے بولو
سُندر گھنشام کی جے بولو داس کہے ہر سے چت لائی
رادھے بر شیام جپو بھائی

خازن - پنڈت سہجرام کول صاحب ساکن شیخہ محلہ سرینگر کشمیر

آپ نے بعمر ۶۳ سال سمت ۱۹۴۴ بکرمی میں درعہد مہاراج رنبیر سنگھ رحلت کی
(ضمیمہ بھی ملاحظہ ہو)

در تعریف کشمیر جنت نظیر

خوشا ملکِ کشمیرِ جنت نظیر / کہ از باغِ جنت بسے دلپذیر
چہ جنت چو زین آب رشحش رسید / بدان خورمی سر ز طوبے کشید
ہوایش معطّر ز بادِ شمال / ہمہ تازہ جان بخشِ نخل و نہال
نسیمش تنِ مردہ را جان دہد / شمیمش ہمہ ریح ریحان دہد
نہالِ طراوت ازین سرزمین / کشیدہ سرِ خود بعرشِ برین
طراوت بہ نزہت شدہ ہمنفس / طراویدہ از ہر گلِ تازہ رس
لطافت ز آبش چنان موجزن / کہ بر روح نازد ز لطفش بدن
ہمہ آبجویش روان پرور است / صفا بخش سرچشمۂ کوثر است
چہ کوثر چو کوثر ہزاران ہزار / درین سرزمین سر زدہ چشمہ سار
ارم در ارم باغ در باغ بین / ازین باغہاے کہ دارد گزین
چمن در چمن گلستان گلستان / پُر از نرگس و سنبل و ارغوان
زیکسو سمن در چمن مشک بیز / ز دیگر سوئے یاسمن مشک ریز
زیکسوے فوّارہ و آبشار / ز دیگر طرف حوض فوّارہ دار
زیکسوے بستان سراے بلند / ز قصرِ بہشتی نگارین دو چند
کنون نیز مہاراج عالی دماغ / بہر جایش آراست بسیار باغ
ہمہ پُر گل و نرگس و نسترن / بساتین بساتین چمن در چمن
ہمان سرورانش بسے گلستان / بیارا ستندش بطرزِ جنان
یکے دل پسند عبہری ساختہ / بعنبر ستانیش پرداختہ

یکے نخلۂ خوش بیار استش زپُر بار اشجار نو خاستش
یکے را ہوس شد ہوائے چنار یکے را ہوا سایۂ بید زار
یکے لالہ زار و دگر یاسمن یکے گلبن و دیگرے نسترن
یکے حوض و تالاب فوّارہ دار یکے آبجوئے و دگر آبشار
بدین خوش روی ہاش آبِ روان کہ آبش بود قوّتِ جاودان
زہر را ہش آب روانست و باغ زہر سوے اشجار و کوہ است و راغ

در تعریف باغ شالمار و باغ نشاط و تالاب ڈل و باغ نسیم و باغ نگین کشمیر

بہ بین این فرح بخشِ جان شالمار چنین جوے با حوض فوّارہ دار
چنین گلشنِ تازۂ و مشک خیز چنین نہر دلکش بدین آب تیز
چنین قصر برتر زعرشِ برین چنین صفۂ سنگہاے گزین
بہ بین این نشاطِ پُراز انبساط زباغِ جنان پُر سرور و نشاط
ہوایش چنان خوشتر آمد بجان کہ باشد ہواے نسیمِ جنان
ہمان حوض فوارہ دارش چنین کہ فوّارہ خیز و بعرشِ برین
ہمان آن خیابان ہاے گلش پُراز یاسمین و پُراز سنبلش
ہمان کاخ ہاے بہشتی رواق کشیدہ سر از چوسق سبز طاق
ہمان آب تالاب ڈل دلفزاے فزایندہ جان دیدۂ دلکشاے
نہ ڈل چشم دل این زمین کردہ باز نہ چشم است بل سرمہ در چشم ناز
نہ کوہست بر خلۂ شالمار کشیدہ است عشرت بگردون حصار
ڈل است آنکہ آبش صفا پرور است بنوشندگان بر صفا آور است
صفا بخش آئینہ ہاے دل است بہ روشن ضمیران صفاے دل است

به بین این نسیم و به بین این نگین
نگین اند در خاتم این زمین

نسیم است پُر از نسیم خیار
فرح بخش دل چون نسیم بهار

نگین است نام آور باغها
بهر خاتم باغ ازو داغها

چه بستانسراهاست عالی مکان
نگارین تر از خانهٔ چینیان

بهشت است کشمیر فرحت فزای
زآب و هوای چنین دلکشای

ذل است آنکه دلها نماید شکار
زآب و هوا و گل و بید زار

بهارش گل گلستان آورد
خزان خندهٔ زعفران آورد

شتا چونکه کافور بارش شود
سمن دستهٔ دست چنارش شود

چه کشمیر سبز آخر عالم است
نه کشمیر جان پرور آدم است

نه کشمیر جان بهشت برین
بهشت برینے بروے زمین

نه کشمیر جان جهان آمده
جهان پرور ملک جان آمده

بهر جاے گل چهره آراسته
زشبنم عرق بر رخش ساخته

چه گل کان بهشتے یا درجهان
که نشگفته زین دلکشا گلستان

همه میوه اش نوش تر از شکر
همه جانفزا دل پذیرنده تر

بهر چار سویش جبال بلند
کشیده سر از فکرت هوشمند

همه پُر زشمشاد و سرو و چنار
همه سبز از سبزی شاخسار

در تعریف هری پربت

خصوصا که این پربت دلپسند
که اندر دل شهر شد سر بلند

بود سر در هر همه کوهسار
بود سخت سنگین شکوه و وقار

بلندی نشانش فراز نظر
ز دامن نخواهد برآورد سر

نہ کوہ است کوہِ سرور آمدہ — نہ پربت بلے کوہِ نور آمدہ
ز نورش منور جہان ہر زمان — ز فرش زمین تا سر آسمان
بخاکش بر افلاک سر می نہند — زمین بوس بالائیش میدہند
شکوہش فزون دان زکوہِ جہان — مبین آشکارش بہ بین از نہان
دران درگہِ خاص افلاکیان — نشستہ است چون بر زمین خاکیان
ہمہ عرشیانِ ملائک صفات — دران جاے پاک اند قایم بذات
مشرف ازان خلقتِ عالم است — ز دیو و پری و بنی آدم است
ندارد چنین جاے در شش جہات — شرف بخش و روشن کنِ کائنات
بصاحب کماے زہ کار و بار — بکامل عیارے ہمہ ہوشیار
جہان این چنین کشور از ہر زمین — درین ہفت اقلیم کردہ گزین
ہمہ نقشبندانِ گلزار چین — زگلہاے این گلستان نقش چین
شدہ ہند با چار دانگِ تمام — بہ این یک ملاحت چو ہندو غلام
خراسانیان زین ملاحت خوشند — پئے این ہوس خال بر رخ کشند
چہ ترک و خراسان چہ ہند و چہ چین — بنازند کرمان است این سرزمین
ولیکن تو اریخ کشمر بہ پے — طوامیر دعوے شان کردہ طے

ہمہ حرف دعوے شان رد کنند
بخیر و جموّن درجش از حد کنند

غزل

بہ بین کہ بر سرِ قامت تیغ ناز کشیدہ — گناہ ہیچ نہ بینم کہ جز نیاز چہ دیدہ
بیا کہ مردم دیدہ بمنظرِ چشمم — براے یک نگہت چار چشم گردیدہ
گران مبر کہ سبک گوئیت سبک سازد — سخن بگوے بمیزان طبع سنجیدہ

گرت ہواست کہ سیرِ فضاے دل بکنی   برو اگر بتوانی بدیدہ گردیدہ
بزخمِ تیرِ تو خازن ز سینہ کردہ سپر
سپار تیر کہ تیرِ تو دل پسندیدہ

الٰہی روشنائی دہ بنورے شمعِ جانم را   کہ بخشد روشنائی خانۂ چشمِ روانم را
کجا نورِ نگاہِ چشمِ باطن تا کند ظاہر   مکانِ لامکانم را نشانِ بے نشانم را
چنان از دولتِ فقر است مستغنی دلِ خازن
کہ بخشد رائیگان از شعر گنجِ شائیگانم را

چند بر قتلم بناز اے ترکِ من تازی بیا   پر نیازم بر کشم چند انکہ می نازی بیا
عشقِ گلرویان نمیدانی کہ رسوا سازدت   بلبلا رویت سیہ شد با ازین بازی بیا
خازنا شعر سبک آید گران بر گوشہا
گوش کن کوشش نما بر نکتہ پردازی بیا

غنچہ گردید دل بہارِ منست   شد جگر خون و لالہ زارِ منست
گفت عشق است یار سینہ فروز   گفتمش بین کہ در کنارِ منست
گفت غم خور تو غم ندانی چیست   گفتمش یارِ غمگسارِ منست
عشق کاریست کاشکارت نیست   عاشقم کارش آشکارِ منست
دلِ پُر داغِ من بہ لالہ چو دید   گفت این بندہ داغدارِ منست
محتسب گویمت بہ بانگ بلند   عاشقم عشق کاروبارِ منست
خازن از کارِ من چہ میپرسی
کارِ من عشق و عشق کارِ منست

بوے خوش از بہار می آید   مگر آن گلعذار می آید
خون دل تا فشاندمش پامال   کہ بدستِ آن نگار می آید

اے صبا مقدمت خنک از تو　　بوے آن گلعذار می آید

ولہ

عشق سرداد چہ بیباید کرد　　کارم افتاد چہ بیباید کرد

پیش رو شکوۂ زلفش کردم　　پس سر داد چہ بیباید کرد

بستۂ سلسلۂ مہر و وفاست　　دل آزاد چہ بیباید کرد

بندۂ عشقم واے مرشد راہ　　کنم ارشاد چہ بیباید کرد

برق در خرمن صبرم افتاد　　داد برباد چہ بیباید کرد

ولہ

نازم کہ نازنین زہمہ بے نیاز شد　　جان برد مش نیاز وز جان ہم نیاز شد

بلبل بروے گل منگر زخم خار چین　　عاشق زسوز وصل بدل ہجر ساز شد

پروانہ بین کہ سر بسر تاب شمع داد　　ناآوردتاب وصل وبسوز وگداز شد

خازن غزل سراے عشّاق ساز کرد

چون عاشقانہ راست مقام تو ساز شد

خبیر۔ پنڈت رتن لال اوکھل صاحب خلف الصدق پنڈت نراین داس اوکھل صاحب ضمیر۔

ملک الشعراء دہلی۔ اُردو فارسی دونوں زبانوں میں شعر کہتے تھے۔ آپ اپنے یتیم ہو جانے کا ذکر یوں فرماتے ہیں:۔

خورد سالی میں اُٹھا سایہ پدر کا سر سے

ورنہ تم دیکھتے ہوتا میں غزلخوان کیا

ان کا کتب خانہ جس میں علمائے قوم کے کلام کا عجیب و غریب ذخیرہ موجود تھا جل کر خاک ہو گیا۔ اب تک ادھ جلی کتابیں دہلی میں پنڈت پرتھی ناتھ اوکھل صاحب کے مکان میں پڑی ہوئی ہیں اتنی فرصت کسے کہ اس انمول خزانہ کی جانچ کرے۔

وہ گل جو ہووے ساتھ چمن میں تو بلبلو ولہ ہاتھ اُس کا لیکے ہاتھ میں خنداں پھرا کروں

دل مضطرب ہے اُس کی جدائی میں اے خبیر شاید کہ غم غلط ہو غزلخواں پھرا کروں

دشت وحشت میں مجھے جیب و گریباں کیسا ولہ دیکھو پھرتا ہوں کوئی دم میں میں عُریاں کیسا

طفل دل گر نہ پڑے اُس کو ادھر لاؤ تم جھانکتا ہے یہ سدا چاہ زنخداں کیسا

خورد سالی میں اُٹھا سایہ پدر کا سر سے ورنہ تم دیکھتے ہوتا میں غزلخواں کیسا

خرد - پنڈت رام نراین تکّو صاحب شاگرد حافظ دستگیر - مبین -

پنجاب میں آپ تحصیلدار پنشنر تھے پنڈت شیام نراین کپتان پلٹن نجیبان آپ کے فرزند ارجمند ملازم ریاست جے پور تھے اب سورج نراین صاحب آپ کے نبیرہ جے پور میں موجود ہیں -

ہم آپ سے نہیں جاتے یہاں سے گھبرا کر

کسی کے جذبۂ دل کا اثر ہے کیا کہئے

خوّرم - پنڈت گلاب رائے مجّو صاحب متخلص بہ خوّرم -

آپ کا وطن دہلی تھا آپ کے صاحبزادہ پنڈت کنھیّا لال شنگلو صاحب عرف مجّو مبارک تخلص ڈپٹی کلکٹر تھے جن کے فرزند پنڈت سورج نراین منصف تھے جو زمانۂ عین شباب میں رہگرائے ملک بقا ہوئے

وصف چشمش گر نویسد کلکِ مشک افشانِ ما ہے سزاوار بیتِ ابرو مطلعِ دیوانِ ما

بس کہ ما محو تماشائے بتان گردیدہ ام دیدۂ آئینہ شد این دیدۂ حیرانِ ما

کردہ گل فصلِ بہاری بازائے دستِ جنون این قبا و این گریبان ست و این دامانِ ما

شد دلِ ما در خمِ زلفِ کسے خوّرم اسیر

کفر سودا کرد و رعشق بتان ایمانِ ما

خوش کند کے سیرِ گلشن خاطرِ ناشادِ ما ساقیا از شمعِ بزم و جامِ مے کن یادِ ما



پنڈت رام نراین تکو - خرد

زلف مشکین چشم جادو قدِ بالاے کجاست — سنبلِ ما نرگسِ ما سروِ ما شمشادِ ما

شد بهم از اشک و آه و نفس و چشم ما بعشق — آبِ ما و آتشِ ما خاکِ ما و بادِ ما

ره نمے یابیم در کویش بکوشش کے رسد — نالهٔ ما زاریِ ما آهِ ما فریادِ ما

ساقیا ساغر پُر از مے کن که شد پیرِ مغان — مرشدِ ما هادیِ ما پیرِ ما اُستادِ ما

خط و زلف چشم و ابروے بتان خوّرم بود
حلقهٔ ما دامِ ما زنجیرِ ما صیّادِ ما

داریم ز بیدادیِ صیّاد شکایت — در موسمِ گل دوختہ چاکِ قفسِ ما

خوّرم گله از کوتهیِ بخت سیاه ست — با زلف درازش نبود دسترسِ ما

که نگارد ز من نگارِ مرا — شرحِ دردِ دلِ فگارِ مرا

شبِ هجران کم از قیامت نیست — سحرے نیست شامِ تارِ مرا

به مزارم دمی بیاؤ ببین — کفنِ چاک تار تارِ مرا

زخم بر زخم خورد آه نکرد — مرحبا این دلِ فگارِ مرا

گلِ رخسارهٔ کسے خوّرم — چاک زد دامنِ قرارِ مرا

گل گریبان چاک زد باز از براے عندلیب — ساقیا مے ده که مے آید نواے عندلیب

گریهٔ بلبل نگشتے گر طراوت بخشِ گل — خندهٔ گل میشدے کے دلکشاے عندلیب

دیگر

می بری نامه بر از من چو بدلبر کاغذ — نگهش دار که بند ست دلم در کاغذ

چه نویسم چه بگویم چه کنم نے دارم — نه زبان و نه بیان و نه میسّر کاغذ

کاغذِ عمرِ خود از مرگ طلب میکردم — گفت خاموش که شد داخلِ دفتر کاغذ

خوّرم این ذوقِ پریدن بخطِ شوقم شد
که برآورد پر از رشتهٔ مسطر کاغذ

خواهم آن می که بود ذات و صفاتش آتش — کیفش آتش مزه اش آتش و ذاتش آتش

چه عجب هندو اگر پیشِ بتان سوخت چراغ — که نهان ست و عیان در دلِ لاتش آتش

خورّم از سوزِ دلِ خود چہ نماید تحریر
شعلہ سر می زند از کلکِ دوات آتش

نرخِ جانِ عاشقی بالاست از کالائے زلف — گرم بازارِ جنون ماست از سودائے زلف
سر بسر عقد پریشان ست گر وا می کنم — جز پریشانی ندارم حاصل از فحوائے زلف
باز بانِ شانہ اے مشّاطہ خواہی عرض کرد — مو بمو از حالِ من در حضرتِ والائے زلف
می کند دیوانہ خورّم ے بر واز دیدہ خواب
داستانِ قیسِ دل افسانۂ لیلائے زلف

رخِ خوبِ تو اے نگارِ فرنگ — کرد بر مہر و ماہ قافیہ تنگ
پیشِ زلفِ تو مشک رفت از بو — پیشِ روے تو رفت گل از رنگ

دیگر

بیان کنم بکہ از درد و آہ زاریِ دل — کہ برقِ خرمنِ جان ست بیقراریِ دل
رخصت شد از نظرم غائب و دلم از بر — بفکرِ دیدہ روم یا بسوگواریِ دل
ہزار گونہ شب و روز می دہد رنجم — رسیدم آہ بجان از مزاجداریِ دل
شکیب و تاب و توان جملہ رفت از تن آہ — نماندہ آہ ہم از بہرِ غمگساریِ دل
بجنگ خانہ کجا خیر باشد اے خورّم
دل است در پئے جان جان بود بخواریِ دل

ہمچون چنار در غمِ جانانہ سوختم — سرتا بپا چو شمع و پروانہ سوختم
از حالِ ما کسے نشد اے وائے با خبر — عمرے بہ پیشِ محرم و بیگانہ سوختم
کردیم سر شکایتِ زلفش شبے بدل — در چشمِ خویش خواب بہ افسانہ سوختم
خورّم بعشقِ ماہ وشے برق جلوۂ
ہمچون چراغِ وقف بہ ویرانہ سوختم

کند با ابر دعوی چشمِ گریانے کہ من دارم — زند با برق پہلو آہِ سوزانے کہ من دارم

زاشکِ سرخ و زردم بسکہ رنگِ بوالعجب ریزد　بود رشکِ پرِ طاؤس دامانے کہ من دارم
نہ در دیرم نہ در مسجد نہ در کفرم نہ در ایمان　برہمن شیخ بالا ہست ایمانے کہ من دارم

کسے در عشق گلر دسے بدل کے گل کند خورّم
زداغِ سینہ ام یک لالہ بستانے کہ من دارم

واسوخت

حیف صد حیف دگر نردِ دغا باخت فلک　در ششش و پنج بلا خاطرم انداخت فلک
بند در ششدرِ غم مہرۂ جان ساخت فلک　با سپاہِ الم از چار جہت تاخت فلک

دو ششم بود غرض آہ دو خالم افتاد
بازیِ یافتہ ام باز فلک داد بباد

گریہ برابر کند دیدۂ چون عمّانم　خندہ بر برق زند آہ شرر افشانم
گر شود گوشِ مَلَک بر فلک از افغانم　کُرّۂ نار بود در تہِ دل پنہانم

رخصتِ آہ دہم گر دلِ شیدائی را
آتشے در زنم این گنبدِ مینائی را

بلبل از نالہ و افغانِ من آگاہ بود　سنبل از حالِ پریشانِ من آگاہ بود
گل زچاکِ دل و دامانِ من آگاہ بود　غنچہ از تنگیِ زندانِ من آگاہ بود

شاہدِ وحشتِ من کوہ و بیابان باشد
واقفِ آبلہ ام خارِ مغیلان باشد

نیست کس ہم نفسم آہ بجز رنج و الم　نیست کس ہمدمِ من آہ بجز جور و ستم
نیست کس مونسِ من در شبِ فرقت جز غم　نیست کس تا شودم روزِ مصیبت ہمدم

رنج و اندوہ و الم ہمدمِ ہمزادِ من است
فکر و اندیشہ و غم ارثِ خداداد من است

درگذشتم زسرِ مذہب وایمان اکنون خیرباد ست زمن باہمہ یاران اکنون
ہمچو مجنون زدہ ام چاک گریبان اکنون کردہ ام مسکنِ خود کوہ و بیابان اکنون
برگزیدم زجہان گوشۂ تنہائی را
می زنم خوش بہ فلک نوبتِ رسوائی را

ریختہ درسرِ من شورِ بتے رعنائے ترک جادو نگہے کجکلہے مرزائے
پرُادا ہوش ربا حور لقا خودرائے زسر افگندہ بپا گیسوے عنبرسائے
عارضش مطلعِ والشمس رُخش رشکِ قمر
کاکلش سورۂ واللیل لبش تنگِ شکر

طرفہ عیّار و ادا فہم سراپا جادو رندِ پُرکار و ستمگار و سمن بر گُل رو
جنگجو عربدہ خو مژہ نگاہش آہو مژہ اش تیرِ قضا قوسِ بلا آن ابرو
عارضش آفت و چشم آفت و خدّش آفت
کاکلش آفت و زلف آفت و قدّش آفت

آمد آن شوخ بہ این وضع و با این انداز بست و آویخت دلم در خمِ گیسوے دراز
گلبدن غنچہ دہن سرو جمالے طنّاز کرد از لطف قدم رنجہ بسویم با ناز
رشکِ گلزارِ ارم کلبۂ احزانم کرد
خورّم آباد صنم خانۂ ویرانم کرد

سجبتے طرح نمودند رقیبان باہم دفترِ شکوہ کشودند زمن پیشِ صنم
با صد افسانۂ و افسون و فریب ہردم از منِ انجام نمودند دلش را برہم
کرد افسونِ حریفان بدلِ او تاثیر
باز برگشت چو برگشت زسویم تقدیر

گشت غم سلسلہ جنبان بدلم بازدگر دہر انداخت دگر کوہِ فراقم بر سر
بست برکینۂ من چرخِ ستمگار کمر باز بشکست جنون شیشۂ عیشم بہ حجر

داد بر باد فلک صحبتِ دیرینۂ ما
نمک آمیخت بہ سے شیر بہ لوزینۂ ما

الغرض عرض من آن شوخ پذیرا فرمود باز در کلبہ ام از لطفِ قدم رنجہ نمود
درِ فرحت بہ رخِ خاطرِ مغموم کشود کیکِ اندوہ (بیقرار گرنا) در انداخت بہ شلوارِ حسود
للّٰہ الحمد کہ یار آمد و غم از دل رفت
مشکل آسان شد و آسان ز دلم مشکل رفت

شکر صد شکر کہ یار آمد و عید آمد و دید روزِ غم شد سپری یار شب وصل دمید
یاس رخصت شد و امّید قوی گشت پدید نقد را دید چو مرزا بہ تکلف خندید (دل)
قصہ درد تو خورّم بہ نہایت آمد
آنکہ میکرد شکایت بحکایت آمد

ناتوانی کی وہ حالت ہے کہ ہر کروٹ میں شکنِ فرش سے پہلو میں ہیں نشتر پیدا
ہمنے اُس دست نگاریں سے جو پایا بیڑا اپنے ہی قتل کو بس آپ اٹھایا بیڑا
جاں سپاری میں نہ کی چون و چرا پر ہیہات ہاتھ سے اُسکے کبھی ہاتھ نہ آیا بیڑا
کیوں نہ سرسبز ہو محفل میں تری بات کہ آ
خوّرم اُس نے ترے دینے کو منگایا بیڑا

یار آیا بام پر ہو بے حجاب غل مچا عالم میں نکلا آفتاب
سیکڑوں خط بھیجے اُس نوخط کے پاس ایک خط کا بھی نہیں آیا جواب
دل جلا کیا کوئی آتا ہے یہاں
خوّرم آتی ہے مجھے بوئے کباب

دیکھ لے اُس زلف کو چہرہ پہ بل کھاتے ہوئے جس نے دیکھا ہو نہیں کالے کو لہراتے ہوئے
سیکڑوں دل باز گیسو میں اُلجھ کر رہ گئے جا پھنسے شانہ میں لاکھوں پیچ تن کھاتے ہوئے

یاد آتی ہے مجھے خورّمؔ جو وہ زلفِ سیاہ
سانپ پھرتا ہے مری چھاتی پہ لہراتے ہوئے

خورشید۔ پنڈت پیارے لعل تکرو صاحب

آپ پنڈت درگاپرشاد مگسی المتخلص بہ عاجزؔ کے ہمعصر تھے۔ آپ کا زیادہ حصہ عمر کا بہ سلسلۂ ملازمت ریاست بھرتپور میں گذرا ۱۸۷۵ء میں آپ بھرتپور ہی میں مقیم تھے۔

اگر خاموش بنشینی عیاں بینی جمالِ او — وگر بر نطقِ خود باشی برآئی از وصالِ او
نوائے خورشید مثل خود بخاموشی موافق شو — ز نورِ خویش ہم بینی تو نورِ بے مثالِ او

ایضاً

خموشی رتبۂ تقدیر دارد — سخن سرمایۂ تدبیر دارد
اگر عقل است چون خورشید روشن — کہ جوہر عرض را تنویر دارد

خورشید۔ رائے بہادر پنڈت جوالا پرشاد شنگلو صاحب ایم۔اے۔ ایل۔ ایل۔ بی

آپ رائے بہادر پنڈت جانکی پرشاد شنگلو صاحب اکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر مرحوم کے فرزند اکبر ہیں اوائل شباب میں موزونیٔ طبع کے باعث طبیعت شعر گوئی کی طرف مائل تھی اُسی زمانہ کا کلام ہے۔ ایک مدت دراز سے فکر سخن کی طرف آپ نے توجہ نہیں کی ہے اب آپ گورنمنٹ پروسیکوٹر لاہور ہیں۔ قبل اس کے آپ چیف کورٹ پنجاب لاہور میں وکالت کرتے تھے۔ آپ بتاریخ ۲۵ دسمبر ۱۸۶۶ء بمقام لاہور پیدا ہوئے ۱۹۲۹ء میں او۔ بی۔ ای کا خطاب گورنمنٹ برطانیہ سے آپ کو عطا ہوا ہے۔

آزمانا تجھے ہم چاہتے تھے مدت سے — تیغ جلاّد دکھا آج تو جوہر اپنا
خون ہی تن میں نہیں جسکا کہ ڈر ہے قاتل — کس لئے چلتا ہے دامن تو بچا کر اپنا
جسکو کہتا ہے تو خورشید قیامت واعظ — دیکھ ہے داغ نہاں اُس سے تو بڑھکر اپنا
ایک حسرت ہی گئی ساتھ مرے زیر لحد — اور کوئی بھی نہ ساتھی ہوا مر کر اپنا

مانگا بوسہ تو کہا تو بھی ہوا اس قابل مُنہ تو جا دیکھ ذرا آئینہ لیکر اپنا
نہ ہوا دست قضا سے بھی یہ کشتہ پنہاں ہائے مر کر بھی نہ ٹھیرا دلِ مضطر اپنا

کیوں نہ خورشید فلک پر ہو دماغ آج ترا
باغ ہے جام ہے اور پاس ہے دلبر اپنا

خوب دھوکے میں انھیں رکھا دلِ صد چاک نے وہ یہی سمجھے کہ شانہ گیسوئے پُرخم میں ہے
چشم بینا چاہیئے علم حقیقت کے لئے کیا نہیں ذرہ میں ہے جو نیّرِ اعظم میں ہے
بے ضرر مشکل ہے دنیا میں حصولِ منفعت کیا کوئی بے خار گل اس گلشنِ عالم میں ہے
مے وہ دے ساقی جو ہو آئینۂ رازِ نہاں کیف دنیا دی وگرنہ یوں تو جامِ جم میں ہے
شب حیات افزا ہے عالم روز پیغامِ اجل راز قدرت کا نہاں اک قطرۂ شبنم میں ہے
اک نظر شفقت کی انکی باعثِ وحشت ہوئی میرے زخموں کے لئے اُلٹا اثر مرہم میں ہے
بے ثباتی ہستیِ عالم کی طشت از بام ہے ابتدائے آفرینش سے فلک ماتم میں ہے
رہی مر کر بھی تلاشِ جاناں بن گئی خاک بگولا میری
کسرِ شاں ہے یونہی پر چلنا آبلوں پر ہے کفِ پا میری
آتشیں گال پہ تل بن جاتا تھا جو قسمت میں ہی جلنا میری
قبر میں مونسِ تنہائی ہیں آرزو، دل کی تمنا میری

کب سنبھالے سے یہ سنبھلتے ہیں حضرتِ دل بھی جب مچلتے ہیں
جانا کوچہ کا ہم نہ چھوڑینگے جب تلک ہاتھ پاؤں چلتے ہیں
یاں چراغاں ہے دل کے داغوں سے وہاں گھی کے چراغ جلتے ہیں
کہنے سننے سے وہ رقیبوں کے میری چھاتی پہ مونگ دلتے ہیں

خورشید۔ پنڈت بلدیو کشن ٹنکو صاحب خلف پنڈت رام کشن ٹنکو صاحب

آپ کے والد بزرگوار ریاست جموں کشمیر میں بعہدۂ سپرنٹنڈنٹی پولس ممتاز تھے۔ آپ خود لاہور میں انسپکٹر تحصیل چونگی رہے اور نیز ٹیمپرنس ایسوسی ایشن لاہور و کشمیری پنڈت نیشنل ایسوسی ایشن کے سکرٹری تھے اوائل عمر سے شاعری کا شوق تھا عشقیہ غزلیں کہنے سے اجتناب رہا زیادہ تر ٹیمپرنس سوسائٹی کے سالانہ جلسوں اور نیز دیگر مجلسوں میں داد سخن لیا کرتے تھے آپ اپنا دیوان مرتب کر رہے تھے مگر عمر نے وفا نہ کی۔ کلام میں سادگی ہے زبان شستہ اور نفیس مضامین عموماً اخلاقی رنگ میں ہیں۔ آپ کی ولادت بمقام لاہور ۱۸۷۹ء یا ۱۸۸۰ء میں ہوئی تھی ۱۹۱۸ء میں ایک معزز عہدہ پر مقرر ہو کر عراق عرب کا سفر آپ نے پسند کیا وہاں پہنچکر ایک سال کے بعد بعارضہ تپ محرقہ جان بحق تسلیم ہوئے۔

قصیدہ جشن تاجپوشی شہنشاہ جارج پنجم

غنچیاں کھل گئے فصلِ چمن میں اب بہار آئی
شمیم اٹھکھیلیاں کرتی نویدِ جانفزا لائی

عروسانِ چمن پر اک بلا کا آج جوبن ہے
ہر اک اپنی ادا پر خود بخود مفتون و شیدائی

یہ دہلی ہے کہ جنت آگئی ہے باغ دنیا میں
کہ حوریں بھی فلک پر آج ہیں دیکھو تماشائی

یہ کیسی آمد آمد ہے کہ مہر و ماہ بھی آکر
تصدّق ہو رہے ہیں گردِ تختِ جلوہ افزائی

صدائے بلبلاں امروز می آید ز چمنستاں
کہ تاجِ خسروی برسر نہادہ شاہ انگلستاں

مری شاخِ قلم نے آج کی ایسی گل افشانی
چمن سے بلبلیں آئیں مری سننے زباں دانی

ہوا جلوہ فگن یہ کون بر تختِ سلیمانی
کہ پریاں خلد سے اتریں پئے تعظیم سلطانی

یہ ہے وہ کون شاہنشہ کہ جسکے باغ عالم میں
زمیں ظلِّ ہما ہے اور فلک ہے سایہ یزدانی

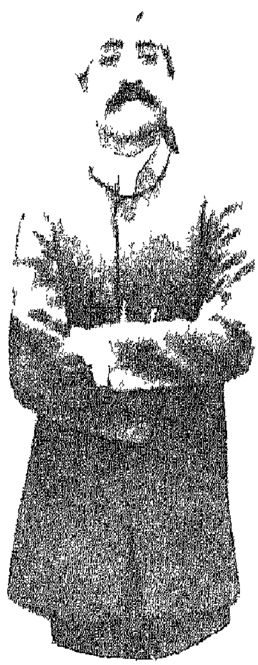
یہ خسرو کون ہے جسکے درِ ایوانِ دولت پہ
سکندر کو بھی حاصل ہے یہاں فخرِ نگہبانی

یہ ہے نوشیرواں وہ کون جسکے عہد شاہی میں
نہیں کوئی خیالِ مذہبِ گبر و مسلمانی

ندا آئی ہمارے جارج پنجم شاہ انگلستاں
پہنکر آئے اورنگِ شہی پر تاجِ شاہانی



پنڈت اودھکار نراین بخشی ۔ بخشی



پنڈت بلدیو کشن تکوؔ خورشید

ازین باعث درین دنیا صدائے شادمانیہا
بدامن از درِ رحمت مرادِ کامرانیہا

ہمایوں فال ہے نیکو سیر نیکو طبیعت ہے
تو اے قیصر جہاں میں منبعِ بحرِ سخاوت ہے

تری درگاہ سے امّید ہے ہر دم فلاحت کی
کہ تو کانِ مسرّت ہے کلیدِ گنجِ راحت ہے

رعایا ہند کی طیّار ہے اب جاں نثاری پہ
کہ اس میں اک زمانے سے وفاداری کی عادت ہے

وہاں چشمِ عنایت یاں سرِ تسلیم خم اپنا
وہاں بخشش کی خُو اور یاں فدا ہونے کی خصلت ہے

تجھے وکٹوریہ کی گود نے پالا ہے برسوں تک
دہن میں تیرے اُسکے دودھ کی ابتک حلاوت ہے

جہاں میں رہنمائی کو تری ایڈورڈ ہفتم تھے
کہ جن کی اک زمانے کی زباں پر آج مدحت ہے

بفضلِ خویش واکن غنچۂ امیدواران را
بدہ حقِّ وفاداری بہ منت جان نثاران را

دعائے خیر ہے تجھ پر سدا ظلِّ الٰہی ہو
ہما بن کر ترے سر پر یہ چترِ تاجِ شاہی ہو

نگاہِ خوں چکاں شمشیر سے تیری عدو چھپیں
ترے اقبال سے دشمن کی دنیا میں تباہی ہو

فلک پر مہر و مہ بھی نور سے تیرے ضیا پائیں
نظر جو بد لگائے تجھکو اس کی روسیاہی ہو

سدا دورِ حکومت ہند والوں پر رہے قائم
ترا عہدِ شہی ماہ فلک سے تا بماہی ہو

ندا آمد پئے تاریخ از خورشید نیکو فال
شود مثلِ ہما۔ اقبالِ تخت و دولت و اجلال
۱۹۱۱ء

نظم

آج دہلی بنی ہے رشکِ چمن
آج دہلی بنی نئی دولھن

اس کی اک اک ادا نرالی ہے
کیوں نہ ہو نازکی یہ پالی ہے

لاڈلی ہے شہانِ ذی جم کی
یہ دُلاری ہے جارج پنجم کی

حسنِ ہندوستاں کا نازیہ ہے
سارے عالم کا ایک رازیہ ہے

اس کے خوں سے وفا کی بو آئے — شہ پہ قربان کیوں نہ ہو جائے
آج شہ کی سواری آنی ہے — یہ بھی پھولوں نہیں سمانی ہے
کیوں نہ ہو آج شاہِ انگلستاں — اور شہنشاہ ملکِ ہندوستاں
جلوہ گر ہونگے تختِ دولت پہ — حکمراں ہند کی رعیّت پر
مہر و ماہ آکے سر جُھکائینگے — خلعتِ زر یہاں سے پائینگے
ہم بھی امیدوار ہیں شاہا — تیری بخشش کے اور کرم کے سدا
عدل روشن جہاں میں ہو تیرا — تیرے انصاف کا بجے ڈنکا
دارا کو یاں رسائی کیونکر ہو — پاسباں جب ترا سکندر ہو
بُرجِ افلاک پر رہے سایہ — ہر گھڑی ہے دعا یہی شاہا
آج کہتے ہیں سب یہی تجھکو — تخت پر بیٹھنا مبارک ہو
شاعروں کو کہاں نصیب گُہر — تھالیاں نذر جو کریں بھر بھر
یہ ہیں سب کانِ علم کے جوہر — ہیں سخنور کے بس یہی گوہر
پیش کرتا ہوں طشتِ کاغذ پہ — ہوں جو منظور یہ مرے گوہر
میں یہ سمجھوں کہ پائی دادِ سخن — تو یہ سمجھے کہ بخشے لعلِ یمن

کیوں نہ خورشید بھی ضیا پائے
بزمِ شعرا میں نام پا جائے

نظم ذیل حضرت خورشید نے۔ (بصرہ۔ عراق) سے ماہ اپریل ۱۹۱۹ء میں اپنے برادر بزرگ کے پاس بھیجی تھی۔

تریاقِ عراق

میں کیا کہوں کہ کدھر ہوں میں اور کہاں ہوں میں
ہر اک کے دل میں ہوں گو آنکھ سے نہاں ہوں میں

اگرچہ بادیہ پیمائی اب ہے قسمت میں
مگر چمن کا وہی مرغِ خوش بیاں ہوں میں
کہاں وہ خطۂ ہندوستاں کہاں یہ عراق
کہاں وطن کی وہ گلیاں ہیں اور کہاں ہوں میں
نہ کوئی خویش واقارب نہ مونس و غمخوار
نہ کوئی اپنا ٹھکانا کہ لامکاں ہوں میں
نظر سے دور ہوں احبابِ قوم کی لیکن
ہر اک کی آنکھ میں مردُم صفت عیاں ہوں میں
اگرچہ ہوں میں یہاں وقفِ خدمتِ قیصر
ہوں اپنی قوم کا خادم مگر۔ جہاں ہوں میں
ازل سے خدمتِ قومی کا ہوگیا خوگر
کہ اپنی قوم کا مدت سے مدح خواں ہوں میں
ہوں باغِ قوم کا میں ایک خوشنوا طائر
کہ شاخِ نخلِ اُخوّت پہ نغمہ خواں ہوں میں
اگرچہ جسم یہاں ہے وہاں ہے دل حاضر
نمایاں بزم میں اب صورتِ بیاں ہوں میں
کہیں سے دیکھتا ہوں چھپ کے حالتِ جلسہ
ہوں سب سے دور بھی اور سب کے درمیاں ہوں میں
ہر ایک آتا ہے ممبر پہ جا سے اُٹھ اُٹھ کر
ہر اک کے سنتا مضامین خوش بیاں ہوں میں
نہ کوئی کہتا ہے دل کی مگر یہ حیرت ہے
پریشاں خاطر و انگشت در دہاں ہوں میں

نہ مجھکو کوئی سُناتا ہے حالِ زارِ وطن
کسی سے قوم کی سنتا نہ داستاں ہوں میں
جو ہوتا جذبۂ دل قوم میں کھنچا آتا
کہ خود ہوں صاحبِ دل اہلِ جسم وجاں ہوں میں
ہر اک نظر میں یہاں اور وہاں عیاں ہوں میں
یقیں کیوں نہو خورشیدِ دوجہاں ہوں میں

میں آج حالتِ قومی تمھیں دکھاؤنگا — جو داستاں نہ سنی ہو کبھی سُناؤنگا
بیاں کریگا وہ اپنی زباں سے کیفیت — دہانِ زخم سے پھاہا جو میں اُٹھاؤنگا
یقیں ہے بزم میں بہ جاے اک شطِ طوفاں — جو اپنی آنکھ سے قطرہ کوئی گراؤنگا
میں آج شور مچاؤنگا اپنے نالوں سے — جو سو رہے کسی غفلت میں ہیں جگاؤنگا
دکھاؤنگا اُنھیں کس سمت جارہا ہے جہاں — یہ موجِ بحر رواں ہے جدھر دکھاؤنگا

یقیں ہے جوشِ اُخوّت ہو اُن میں کچھ پیدا
وہ اب بھی کرکے دکھادیں جو قوم سے نہ ہوا

نہ قوم میں ہے ترقی کی جستجو باقی — نہ کوئی اپنی تمنّا نہ آرزو باقی
یہ بوستانِ اُخوّت تو کھل رہا ہے مگر — کہاں گلوں میں ہے وہ توصیت کی بو باقی
نہاں ہے ظلمتِ کاوش میں نورِ ملّتِ قوم — نہیں دلوں میں وہ مہر و وفا کی خو باقی
اہمیت نہ اُخوّت نہ اہلیت قائم — نہ اب رگوں میں محبت کا ہے لہو باقی
نہ آرزوے ترقی نہ ہے خیالِ فلاح — رہی مگر ہے مجالس میں گفتگو باقی
مثالِ غنچۂ تصویرِ غنچۂ بستاں — ہے رنگ و روغنِ قوم آج ہو بہو باقی
رہا اگر جو یہی طور عالمِ غفلت — نہ قوم ہی یہ رہیگی نہ ہیں نہ تو باقی
اگر ہے جوشِ اُخوّت تو پھر زمانے میں — کرو وہ کام کہ رہ جاے آبرو باقی

اُٹھو کہ قوم کا سب کاروبار آپ سے ہے
کہ باغِ قوم میں فصلِ بہار آپ سے ہے

رہیگی چشم میں موجِ خمار اب کب تک — رہیگا خواب میں لیل و نہار اب کب تک
یہ کاہلی یہ تغافل یہ طرزِ استغنا — یہ زندگی کا رہیگا شعار اب کب تک
لگیں گے چرکے پہ چرکے کھلیں گے زخم پہ زخم — بچا رہیگا دلِ داغدار اب کب تک
اگر ہے دردِ محبت تو ایک ہو جاؤ — یہ فرقے قوم کے دو تین چار اب کب تک
دلوں کو صاف کرو بغض اور کدورت سے — یہ آستیں میں چھپاؤ گے مار اب کب تک
کسی سے دب کے رہو حیف ہے تاسف ہے — جہاں میں زندگیِ بے وقار اب کب تک

کسی کی عقدہ کشائی کرو تو بہتر ہے
ہر ایک سے جو بھلائی کرو تو بہتر ہے

چہ چیز لازم و ملزوم بہر مہر و تپاک — کہ آشتی بہ اخوت و دشمنی بہ نفاق
بہ بین چہ لذت عشق است در محبتِ قوم — بہ شوق او تو شوی او بہ شوقِ تو مشتاق
چو سود دائما تریاق جستجو کردن — اگر بکارِ اخوت شوی ہمیں تریاق

عجیب شاعرِ معجز بیان توئی خورشید
کہ از زمینِ سخن پیدا کردہ تریاق

نہ وہ اوصاف ہیں ہم میں نہ وہ الفت رہی دل میں
ہماری غفلتوں سے دیکھئے سارا وطن بگڑا

ذرا دیکھو تو بگڑی کس قدر حالت ہماری ہے
روش بگڑی چلن بگڑا ہمارا پیرہن بگڑا

اگر دل میں خیالاتِ من و مائی نہ لاؤ تم
تو اس اُجڑے چمن کو آج ہی رونق بہ پاؤ تم

زباں سے کیا کہوں میں کون ہوں دنیا میں کیا ہوں میں
بشر کی ہستی موہوم کا اک آئینہ ہوں میں
مری ہستی بنائی خاک کے ذرّوں نے رل مل کر
اسی باعث سے تو اک خاک کا پُتلا بنا ہوں میں
خدا کی جب نظر میں کُل بشر دنیا کے یکساں ہیں
تو پھر کیوں یہ خلش رہتی ہے ہندو اور مسلماں میں
نہیں بگڑا ہے اب بھی کچھ اگر تھوڑا سنبھل جاؤ کدورت چھوڑ دو اور جانبِ اصلاح تم آؤ
طبیعت میں مری کچھ ان دنوں ایسی صفائی ہے
صفائے آئینہ منہ دیکھنے کو دل میں آئی ہے
فروغِ ماہ تاباں جذبۂ دل نے مرے لوٹا
یہاں سُرخی ہوئی پیدا وہاں زردی سی چھائی ہے
کہاں لکھا ہے مذہب میں کرو تم بیر آپس میں
غضب ہے گر زمانے میں جدا بھائی سے بھائی ہے

خورشید۔ پنڈت سورج پرشاد کول صاحب خلف پنڈت آسا رام صاحب

پھولو نہ بلبلو چمنِ بے ثبات پر
غنچوں کی جو چٹک ہے وہ کوسِ رحیل ہے

خوشدل۔ پنڈت دیارام کاچرو صاحب ساکن رعناواڑی کشمیر۔
آپ نے ۱۸۶۸ء بکرمی میں بعمر ۸۸ سال وفات پائی۔ اس وقت عطا محمد خاں حاکم کشمیر تھا

اے صبا خود را رساں آں منزل و کاشانہ را عرضِ حالِ خستۂ زارم بکن جانانہ را
ما فدائے وصلِ یارِ شمعِ رخسارِ خودیم نیست باک از سوختن ہرگز بدل پروانہ را

منکه از روزِ ازل مستِ الستم کرده اند — کے دہم از دستِ ساقی شیشۂ و پیمانہ را
بہرہ یاب از فضلِ ایزد میشوند افتادگان — خاکساری سبز آخر کرد خوشدل دانہ را

واشد چو برگِ گل بہ ثباتِ زبانِ ما — حسنِ قبول یافت چو بلبل بیانِ ما
در وصفِ ذات و شرحِ صفاتِ کمالِ تو — انگشتِ حیرت است زبان در دہانِ ما
از عکس غیرِ ذات مصفّاست سینہ ام — روشن ز نورِ معرفتت گشتہ جانِ ما
اندوہ دہر جملہ فراموش کردہ ایم — یادِ نشاط حسن تو جان و جہانِ ما
چون گل بہ گلشنے کہ گزیدیم جائے خویش
خوشدل رسیدہ از کرمش آب و نانِ ما

جمالِ ذات بیچون است بنگر سر بسر پیدا — بجز انوارِ رویش نیست چیزے در نظر پیدا
ز انوارِ الٰہی ہر شجر دیدم اثر پیدا — تو نخلِ طاعتے بنشان کہ میگردد ثمر پیدا
بنازم رازقے را کز کمالِ صورتِ خاصش — کہ گردد روزیِ ہر ذی حیاتے بے خبر پیدا
بخواہ از درگہِ آن قادرِ مطلق تو حاجت را — بود سر سبزیِ حشمت ز اشکِ چشمِ تر پیدا

ساکنِ کعبہ و بتخانہ نہ تنہاست خدا — بہ تامل بنگر در ہمہ پیداست خدا
ہر کجا می نگری برہمن و مومن گبر — دلِ ہر کس تو بدست آر کہ آنجاست خدا
چند روزے اگرت دہر کجی پیش آرد — دل قوی دار کہ کارِ تو کند راست خدا
گرچہ دور از سرِ آن کوے کنون ماندہ ایم — باز بینیم جمالِ تو اگر خواست خدا
ذات یکرنگ خداوند جہان پنہان است
خوشدلا خوب بہ بین در ہمہ پنہانست خدا

ہست پیوستہ بابر کرمش چشمِ امید — رسد از فضل صدف سان بدہن دانۂ ما
ماتہی دست بسودائے جہان آمدہ ایم — از عطائے تو بود گنج بویرانۂ ما
مسکنِ خویش سرِ کوے تو میخواہد بس — جا نگیرد بہ گلستان دلِ دیوانۂ ما

پیش ما رندان تفاوت نیست دشت وخانه را
دوست میداریم افزون ز آشنا بیگانه را

شیشه داری پیش رو بیش مکنی رنگین زبان
قصد داری تا کنی خون در جگر پیمانه را

گر ز سیر بوستان دل تنگم از حالم مپرس
هر که شد دیوانه دارد دوست تر دیوانه را

بغیر کوے تو ما را هواے باغ کجاست
جهان اگر همه پر گل شود دماغ کجاست

گرفتم اینکه جهان را گرفته بوے بهار
مرا دماغ کجا دل کجا فراغ کجاست

خمار کشت مرا زود باش اے ساقی
بده شراب مصفا بده ایاغ کجاست

زبے نشان که نشانها گم است در رهِ او
بگو براے خدا راهبر سراغ کجاست

گل است وباغ وبهار وصداے شور سرود
کجاست قلقل میناے وایاغ کجاست

نموده ایم ترا باغ پیشکش خوشدل
سراغ خلوتِ عیش ونشاط راغ کجاست

هیچ گل نیست که او را بقفا خارے نیست
هر کجا صاحبِ خلقے است جز آزارے نیست

همچو گل با دلِ پاره ز عشقش هستم
که بجز خوردنِ خون در چمنم کارے نیست

تا قیامت دلِ بیچاره سلامت باشد
که جز او در سفرِ عشق تو غمخوارے نیست

تنم از غمزه چو با دام مشبک کرده است
چون من از ناوکِ چشمِ تو دل افگارے نیست

گشت چون لاله ورق داغ ز دستت خوشدل
چون تو در دفترِ اعمال سیه کارے نیست

زشت وزیباے جهان در دیدهٔ بینا یکیست
رتبهٔ دُرّ و حزف در مشربِ دریا یکیست

نوحهٔ غم صوت بلبل خندهٔ گل شورِ زخم
در مقام جلوهٔ تسلیم پا برجا یکیست

خون کشان را نیست غم از گرم وسردِ روزگار
در بهاران وخزان پیراهنِ مینا یکیست

در غمِ هجرانِ او خوش مجلس افروزیم ما
شمعِ بزم وشعلهٔ آهِ نهانِ ما یکیست

آهِ درونم از سرِ مژِ نگاه کیست | داغ دلم ز عشوهٔ چشمِ سیاه کیست
اخگر بجاے اشک فرو ریخت دیده ام | آن شعله خونه گفت که این دادخواه کیست
بلبل به ناله آمد و گل جامه چاک کرد | در جست و خیز شعلهٔ پُر نور آه کیست
نے مانده است طاقت و نے تاب و نے توان | در دستبردِ صبر دلِ ما نگاه کیست
از جورِ طرح طرحِ تو گر دل خراب نیست | آن آهِ زار و نالهٔ سوزان گواه کیست

ازبس فریب ریخت نمک بر جراحتم
خوشدل بہ بین بہ این تگ و دو جلوہ گاہ کیست

گه ناله گاه آه گهه افغان ز من جهد | اے واے چون کنم که مرا اختیار نیست
نخلِ خزان رسیدهٔ هجرانم و مرا | جز زخم سینه داغ جگر برگ و بار نیست
هر جا که سوخته ایست برو پر زنیم ما | پروانه ایم و شور و شر از ما شعار نیست
دل شد شکسته گر ز فراقِ تو خوب شد | مینا شکسته باد به بزمے که یار نیست

خوشدل مرا بروزِ فراق وصال او
حرفے بغیرِ آه و فغان یادگار نیست

می طپد وقتِ خزان ناله کند فصلِ بهار | شورشِ بلبلِ شوریده نوا را عشق است
غنچه ها گل شد و هر خار و گیاهے سرسبز | وا نشد غنچهٔ دل جور رهوارا عشق است

صفیرے همچو بلبل میتوان کرد | حکایت گوشهٔ گل میتوان کرد
نگاهے عشوهٔ نازے ادائے | بحالم کے تغافل میتوان کرد
گریبان چاکیِ شوریدگان را | رفو از تارِ کاکل میتوان کرد
فلک بیرحم و دلبر شوخ و دل زار | کجا صبر و تحمل میتوان کرد
بهار است و نگار است و چمن سبز | سخن از سنبل و گل میتوان کرد
درین آشوبگاه پُر شر و شور | بفضلِ حق توکل میتوان کرد

سرِ شوریده دارم از غمِ دہر دماغے تازہ از مُل بیتوان کرد
بغم تا چند می باشی تو خوشدل
بہ غمخواری توسّل بیتوان کرد

بسیرِ گلشن و صحنِ چمن خوش عشرتے دارد زہر برگِ گلے یاقوت در سرِ عبرتے دارد
نوا سنج است مطرؔ شیشہ پُرمے دلبر استادہ بخور سندی و خوشوقتی دلِ من نوبتے دارد
نقاب افگند از رخ گرم شد در مجلس افروزی زشمعِ محفلم پروانہ امشب غیرتے دارد
نمیدانم بیانِ وصفِ نیکِ کیست مقصودش قلم را درگُہر باری چو نیسان سرعتے دارد
بمانی یا الٰہی با طرب با عیش و باشادی
درین گلشن گل و بلبل بہم تا الفتے دارد

برمرغ پرشکستۂ و خون گشتۂ دلم از تیغِ ابروے تو چگویم چہار سید
درباغ و بوستانِ جہان جائے امن نیست از داغہاے لالہ من این ندا رسید
آنکہ از خاطرِ من گرد کدورت می شُست از سرِ لطف و نوازش عرقِ روے تو بود
آنکہ از جوہرِ خود طعنہ ہمی زد بر تیغ آیتِ فتح و ظفر آن خمِ ابروے تو بود

ولہ

باخت دل صبر و قرار و ہوش و ہر چیزیکہ داشت جام برکف خندہ برلب آن مہِ طنّاز بود
رحم کن برحالِ زارِ خستۂ دل دادۂ ناشکیبائے کہ از شب گوش برآواز بود
اے حریفان وقت دریابید و جامِ مے رسید در بہاران بر زبانِ بلبل این آواز بود

ولہ

چرخِ فلک بکامِ تو شد شد نشد چہ شد مرغِ ہوس بہ دام تو شد شد نشد چہ شد
تہ جرعہ ایست مایۂ عیشِ جہانیان گر قطرۂ بجامِ تو شد شد نشد چہ شد
در عالم نمود کہ بودیست بے ثبات اقبال و بخت رامِ تو شد شد نشد چہ شد
خوشدل ازین جہان ہمہ نالان گذشتہ اند حاصل اگر مرامِ تو شد شد نشد چہ شد

این چنین برپا قیامت گر کند شور و شرم یاد داغ دل دہد از آفتابِ محشرم
بسکه در شبهاے ہجرت گشت چشمم شعله خیز رشتهاے شمع شد از نورِ مژگانِ ترم
سینه ام در بوستانِ دہر از بس داغ شد لاله آسا نیست جز خونِ جگر در ساغرم
چون کنم یاران ندارم چارۂ پروانه سان از براے سوختن دادند این بال و پرم
نیست خوشدل داغِ عشق او درون استخوان
درمیانِ پنبه زار افتاده چندین اخگرم

ایکه میپرسی زراه و رسمِ دہر از من مپرس مستِ عشقِ واله‌م درماندۂ کارِ خودم
غیر او در راهِ جانان ہیچکس ہمدم نشد من رہینِ منّتِ این نالۂ زارِ خودم
دوش آن ابروے پُر چین عقل و ہوش و صبر برد من شهیدِ آب و تابِ تیغِ دیدارِ خودم
بحر سان در آرزوے جستجوے کوچۂ دست و پاے میزنم حیرانِ رفتارِ خودم
غنچه سانم سر بزانو در تماشاے گلے عاقلی را کن تماشا خود طلبگارِ خودم

وله

فیض بخشا بر درت من این چنین افتاده ام خرمنِ احسان توئی من خوشه چین افتاده ام
چون تو خورشیدِ منی کن دستگیری از کرم شبنمِ پُر اعتنیا جم بر زمین افتاده ام
نامور بودم کنون دل کنده ام از دستِ چرخ فی المثل دانی که چون نقشِ نگین افتاده ام
از عنایاتِ خودم دریاب تا کے میدوم شهسوار جودی و من در کمین افتاده ام
ہم دعا گوے توام ہم مدح خوان در ہر زمان منّتے دارم به احسانت رہین افتاده ام

وله

طعنه زن از سوزِ دل در اشکِ تر بحر و برم نیست ابرِ برشکالی ہمچو مژگانِ ترم
در خیالِ عارضش از حالِ زارِ من مپرس دل دو نیم از غمزۂ ترکانه اش چون خنجرم
ایکه پرسی خوشدل از سامان راهِ عشقِ یار
جز عصاے آه نبود در ره او رہبرم

رباعی

در چمن از ابرِ جودت سبزه ریحان و گل است   شکرِ احسانِ تو دایم بر زبانِ بلبل است
از یمِ الطافِ تو پیوسته سرشار است خُم   وز بیانِ وصفِ خلقت جامِ مے در قلقل است

اشعار

آمد بهار و وا شده گل می وزد نسیم   وقت است اے صبا که تماشا کند کسے

وله

سوے چمن و باغ بصد ناز خرام   یکدستِ تو قانون و دگر دستِ تو جام

وله

سرخرو شاد و کامران باشی   همچو گُل تازه در جهان باشی

وله

ز رشکِ این چراغان ماه در تاب است و میسوزد
تماشا بین که عکسش نیز در آب است و میسوزد

مخمس

آن از آن روزیکه چون مجنون بصحرا تاختم   نقدِ جان و دل براهِ عشق لیلیٰ باختم
سینه از فکرِ جمالِ مهوشان پرداختم   اے پری در عشقِ تو دیوانه خود را ساختم
زلفِ تو زنجیر کردم در گلو انداختم

مسکن و ماواست صبح و شام ما را کوئے تو   اے دماغِ عالمے پُر نکهت از گیسوے تو
نیست چون من تشنهٔ از فیضِ آبِ جوئے تو   دیده بودم روے تو دانسته بودم خوے تو
دیدهٔ و دانسته خود را در بلا انداختم

خوار در راهم فگند و یک نظر یارم ندید   حالِ جسمِ ناتوان و چشمِ خونبارم ندید
همچو فردِ باطلی افتاده در کارم ندید   یک نگاهِ لطف از چشمت دلِ زارم ندید
حیف از آن عمرے که دنبالِ تو ضایع ساختم

دیگر

دوش دیدم مست و مخمور ت بگلشن از شراب   عالمے را از فروغِ عارضت دل شد کباب
یک نظر بر حالِ من کن خسته ام از بس عتاب   تا فگندی ماه من زان عارضِ گلگون نقاب
رفت صبر از چرخ و نور از ماه و تاب از آفتاب

نیست جز نقشِ وصالت در دل و در دیدہ من قاصد آمد نامه بر کف تازه شد امیدِ من
کرده بودی بهر استقبال چون تاکیدِ من مژده دادم دیده را کامد برون خورشیدِ من
صبحدم از پرده امشب از حیا دوش از حجاب

شد پریشان تارِ گیسویش بهر سو عطر بوئے گل بجُست وجوئے او افتاده در بازار و کوئے
هست یوسف ثانیِ آن ماه روئے مشکبوئے حسنِ روز افزونِ آن خورشید عارض بُرده گوئے
شب ز مه دوش از هلال و صبحدم از آفتاب

درمیانِ نکته سنجانِ وحیدِ خوش مذاق نیست چون خوشدل غریبے در تهِ نیلی رواق
الفراق از بذله گویانِ خوش الحان الفراق خواند عرشی تا ز اشعارِ تو مطرب در عراق
محتشم مدهوش و میلے مست و وحشی شد خراب

نظمِ پُرغم

الٰهی غنچۂ امید بکشاے بهارِ گلشنِ کشمیر بنماے
بخندان چون لبِ غنچه دلِ تنگ که گویم شکر احسانت بصد رنگ
کرامت کن نشاطِ صبحدم را نصیبے ز ان نسیم این شامِ غم را
مرا حبِ وطن آشفته تر کرد نمیدانم چرا قسمت بدر کرد
کجا آن سیرِ کشتی و کجا من کجا آن شالمار و کوهِ دامن
کجا آن جوششِ فوّاره الله که از یادش بگردون میرود آه
کجا یاران و دمسازانِ یکرنگ کجا مطرب کجا ساقی کجا چنگ
مبادا کس ز یاران دور چون من غریب و بیکس و مهجور چون من
نمانده طاقتِ هجران ازین بیش که دل آغشته در خون شد جگر ریش
ز جوشِ گریۂ چشمم اچهول شد بهت شد تار شد نالاب ڈل شد
خوشا حالِ شما اے دوستداران که ممکن هست گلگشتِ بهاران

بهنگام طرب ہوے برآرید | بیادم نغمۂ درد سر آرید
کہ یارب ہمصفیرِ ما کجا شد | چہ شد از بزم ما غائب چرا شد
ندانم کرد شرحِ درد دوری | صبوری بہ صبوری بہ صبوری
کہ کوہِ دردِ ہجران بس فرونست | دلِ تنگم نگر یک قطرہ خون است
بدل صد داغ دارم ہمچو لالہ | ولے کردم بفضلِ حق حوالہ
کنون داریم از تو این رجا را | کہ گاہے یاد مہجوران خدا را
گہر افشان کنید از لطف خامہ | کہ روحانی ملاقات است نامہ
بیا ساقی بدہ رطلِ گرانم | کہ از سوداے ہجران سرگرانم
بیا ساقی بدہ آن بادۂ ناب | کہ از خود میروم چون مست درخواب

درین محنت سراے بیمواسا
غم از دل دور کن خوشدل خدارا

دامودر پنڈت کاچرو صاحب ساکن رعناواڑی سرینگر کشمیر

آپ نے بعمر باسٹھ سال سمت ۱۹۰۷ بکرمی میں رحلت کی اس وقت مہاراج گلاب سنگھ حکمران کشمیر تھے۔ ایک پورانی بیاض سے اشعار ذیل لئے گئے ہیں۔

تاریخ گریخت اکرم

اکرم تیرہ بخت روے سیاہ | درجہان آبروے خود را ریخت
خواستم از فراریش تاریخ | گفت ہاتف کشیدہ آہ گریخت

ڈر پنڈت رتن لال ہکّو صاحب

آپ کی اہلیہ محترمہ پنڈت لچھمی نراین صاحب عرف بھیّاجی اکبرآبادی کی لڑکی تھیں۔ مجبوری ہے کہ آپ کے مفصل سوانح دریافت نہ ہوسکے۔ ۱۸۷۵ء میں آپ

ریاست بھرتپور میں ملازم تھے۔ کتاب مجمع البحرین موّلفہ پنڈت درگا پرشاد صاحب مگسی المتخلص بہ عاجز میں آپ کی ایک نظم نظر سے گذری وہ ذیل میں درج ہے۔

در صفت خاموشی

فارغ ازاین وآن بُدم یکبار — گلعذارے بخوابم آمد در
طرفہ عابد فریب ماہ وشے — آمد و بُرد عقل و ہوش از سر
چون نشان خواستم زنام او — یافتم بستہ بر دہانش در
گفت دل این نگار رعنا کیست — اَدَبش بانگ زد خموش و نگر
این عروسے است خامشی نامش — جسم او عرض و جان او جوہر
جن و انس و مَلَک بعشقِ وے — غرق دریاے شوق چون گوہر
گر تو میلِ مواصلت داری — رونمارا بیار جان و جگر
چون ادب ساز کرد این آہنگ — در رگِ جان خلید چون نشتر
عذر چون خواست دل بہ قطع زبان — کہ بجسنِ خود از خطا بگذر
رحم فرمود آن نگار و مرا — از تہِ دل گرفت تنگ بہ بر
آسمان کوس شادیانہ نواخت — ہاتفم گفت تہنیت از بر

خوش خیالِ کہ دُر بکار آورد
حق چنین است نیست کار بشر

درویش۔ پنڈت رام ناتھ ٹمٹمی صاحب لکھنوی
(ضمیمہ بھی ملاحظہ ہو)

قصیدہ در تہنیت جشن خطاب قیصر ہند

بہ بزمت اے ملکہ جشن نو مبارک باد — بجشن و بزم طرب باد خانہ ات آباد
کہ جام دل کہ لبالب نہ شد ز بادۂ عیش — کہ عیش تا بہ رخِ جان درِ طرب نکشاد

خجستہ با تو ہمایون خطاب قیصر ہند
بہ ہند قیصر و قیصر بہ ہندمیون باد

کشم چہ صورتِ نایاب جشنِ بزم خطاب
دعاش خوش وہم از دل کہ چشم بدمرساد

پری بزیر نگینِ تو دیدہ عالم را
کند بعظم تو سوگند از سلیمان یاد

تو دلفریبِ جہان جان نوازِ دورانی
کشادہ درِ امن و امان بروے عباد

تو مشکلاتِ جہان حل کنی چنانکہ بعدل
شہے نہ عقدہ کشا شد نکردہ ہر دل شاد

کہ بردہ گوے سبق از شہانِ کشورِ ہند
تو ئی چنانکہ بہ لندن نہ شد چنین اوستاد

ز روز عدلِ تو رفت آنچنان بخواب کہ باز
شبے نیامدہ بیدار دیدۂ بیداد

چہ از سکندر و دارا چہ از جم و خسرو
بہ بزم و رزم عجب ہستی از ہمہ آزاد

طلسم بستۂ حاسد کشاید از اعجاز
فسانہ ات چہ بافسونگری ست سحر ایجاد

بود عدوے تو بر خاستہ ز پایۂ تخت
بود بکرسیِ عزمت نشستہ نقشِ مراد

بہ دہلی آنکہ درو جلسہ منعقد کردی
بجمع جملہ رئیسان و راجگانِ بلاد

ز عہدِ راجہ یدھشٹر بجز توا ے ملکہ
کس از ملوک چنین جلسہ را نداہ داد

فلک زمین شدہ ثابت بچشم غور نگر
خیمۂ بروج و سیارہ راجگان عماد

بیادگاریِ این جشن عدہ سالِ مسیح
دلم چو کرد سوال از طبیعتِ جواد

سرِ حساب گرفتا برسمِ ہندسہ دان
نمود ہفت بہ ہفت و بہ ہشت یک بنہاد
۱۸۷۷ء

ولہ

مستم ز دورِ جامِ غم خواہم نہ صہبائے دگر
ہستم بہ بازارِ جنون سرگرم سودائے دگر

آمد خیالِ دلبرم یارب کجا جایش دہم
دل خواہدش در برکنم جان ہیز ندرائے دگر

دریا۔ پنڈت پھمرام صاحب دنپوری

آپ کا کچھ حال معلوم نہیں ہوا۔ ایک بیاض میں صرف ایک شعر درج تھا۔

بہ غربت میبرد گردونِ گردان بے محل مارا
نمیدانم کہ روزی میبدو اندیا اجل مارا

دریا۔ پنڈت رتن ناتھ بخشی صاحب لکھنوی خلف پنڈت امرناتھ بخشی صاحب شعلہ جو سبحان علی خان کمبوہ کے دیوان اور ناطق بلگرامی و میر اوسط علی رشک کے شاگرد تھے۔ زبان فارسی اور اُردو کی تحصیل عالمانہ درجہ کی تھی اور بڑے زبردست ادیب اور محقق تھے تخمیناً پچیس برس ہوئے پیرانہ سالی میں بمقام لکھنو انتقال کیا چند شعران کی نتائج افکار کے ہاتھ آئے تبرکاً درج تذکرہ کئے گئے مولف تذکرۂ ہنود نے کیا خوب لکھا ہے کہ باپ بیٹے نے دو عنصر آبی و آتشی مسخر کرلئے ہیں۔

روایت ہے کہ دریا نے اپنے ایک ہمعصر آبر پر شاعرانہ چوٹ کی تھی اور یہ شعر کہا تھا:۔

طعامچی پسرے قصد شاعری کردست | دماغ بیہودہ بخت وخیالِ باطل بست

اس کے جواب میں آبر نے بھی ایک پُرمزہ شعر کہا تھا جس کا صرف مصرع ثانی حضرت راوی کو یاد رہا وہ یہ ہے:۔

یہ آبر وہ ہے کہ دریا کو دھار پر مارے

اے مرے عقدہ کشا عقدہ کشائی کیجئے | تار جاں میں گرہیں پڑ گئیں ارمانوں کی

ہے گوش گل کی یا کہ چراغِ قمر کی لو | اللہ جانے دل کو لگی ہے کدھر کی لو

دریا دلوں سے ڈرتے ہیں روشن ضمیر بھی | تھرّا رہے کیوں نہ پانی میں شمعِ قمر کی لو

دُزدان زخم پانی چراتے ہیں کیوں عبث | گل ہووےگی نہ آتشِ داغِ جگر کی لو

نادیدے ہیں رقیب نہ دیکھا کرو انھیں | نظر لگیں نہ جائے یہ شمع نظر کی لو

کھینچوں جو آہ سرد تو ٹھنڈے ہوں دوزخی | دریا کے آگے پانی ہے نارِ سقر کی لو

تاریخ وفات شیونراین بہار

زمرگِ شیونرائن جانِ غمکش | ملال آگین اندوہِ جہان شد

برائے اہلِ این اندوہ جانکاہ | حدیث عیشِ عالم داستان شد

زبس اندوہ این غم رفع بیجاست | بسر از بہر آہم آسمان شد
بساز و ضعف چون با جانِ غمگین | کہ تاب و طاقتم صرفِ فغان شد
پریشانی کشید از بس دراین غم | دلِ من غیرتِ زلفِ بتان شد
فرو بردیم سر در جیب فکرت | کہ دریا را تلاشِ سال آن شد

دلم افزود آہ و گفتہ تاریخ
بہارِ عیش عمرِ او خزان شد

صیاد برطپیدنِ من اعتنا نہ کرد | صد فصل گل گذشت ز دامم رہا نہ کرد
اے من فدائے قدرتِ صید افگنی تو | ہر تیر غمزہ کہ فگندی خطا نہ کرد
صد خنجرِ ستم ز تغافل بہ دل شکست | از پیشِ ما گذشت و نگاہے بما نہ کرد
از شامِ بختِ خویش ستمہا کشیدہ ام | صبحے نشد کہ در الم مبتلا نہ کرد

پرسید حال و قصہ دردم شنید و رفت
گوشِ قبول بر سخنِ مدّعا نہ کرد

خواب آمد نہ تیغ ستم ایجاد مرا | سایۂ سرو بود سایۂ جلّاد مرا
سہل مشمر فنِ رندی کہ شدم پیر و ہنوز | سبقِ بادہ کشی میدہد استاد مرا
بندۂ حلقہ بگوشم سرِ خدمت دارم | وائے من گر بکند سرو من آزاد مرا
رنگینیِ شفق کو نہ کیجے خیال سرخ | ترکِ فلک نے آج نکالی ہے شال سرخ
صیّاد فصلِ گل میں جو مجھکو کرے اسیر | روؤں یہ اشک خوں کہ نظر آئے جال سرخ
ساقی شرابِ ناب پلائے جو غیر کو | پڑ جائیں کیوں نہ شیشۂ خاطر میں بال سرخ

زر پاشیِ کریم ازل سے نہیں بعید
ہو جائیں سائلوں کے جو دستِ سوال سرخ

مخمس بر غزل آصفی

تا کجا شرح دہم قصۂ ہجرانے را — تا بکے باز نمایم غم پنہانے را
چند بر راہ نہم دیدۂ حیرانے را — ساز آباد خدایا دلِ ویرانے را
یا مدہ مہر بتان ہیچ مسلمانے را

(گمنامی)

اے خدائے دو جہان بہرِ غلامانِ رسول — گوشۂ چشم سوئے گوشہ نشینانِ خمول
عرضِ حاجت بجنابِ تو بہ ہیچ ست فضول — بینوائی کہ دہی اشکِ مرا حسنِ قبول
تو کہ دُر ساختۂ قطرۂ بارانے را

یارب از دستِ فلک چند بنالم شب و روز — از کرم دیدۂ شامِ شبِ ہجران بر دوز
مفگن بر سرِ من برقِ فراقِ جانسوز — چہرۂ لالہ رخان بہرِ عتابم مفروز
بر من آتشکدہ مپسند گلستانے را

میکشد جان زتنم طولِ شبِ ہجرانے — چند از دستِ فلک ظلم و ستم برجانے
دردِ پنہانِ دلِ زارِ مرا درمانے — تو کہ تن را سر و سر راندہی سامانے
سر و سامان کہ دہد بے سر و سامانے را

اے خداوند کرم گستر و خلاقِ جہان — غمِ آفاق بیاید تو پزیرد پایان
مشکلے نیست بعالم کہ نگردد آسان — گر شود برقِ کرم شمعِ رہِ گرم روان
بشبے قطع توان کرد بیابانے را

بہرِ سرہاے جہانے سر و سامان سازی — مور را از کرمِ خویش سلیمان سازی
عاشقان را ہمہ حیران و پریشان سازی — روز ما تیرہ زخطِ لبِ جانان سازی
روزیِ خضر کنی چشمۂ حیوانے را

خواہد از چشمۂ فیضِ تو خضر آبِ حیات — کیست دریا کہ بجوید ز مدیحِ تو نجات
اہلِ عرفان نتوانند کہ گویند صفات — آصفی کیست کہ توحیدِ تو گوید ہیہات
حدِ وصفت نبود ہیچ سخندانے را

داغ دے جاتے ہیں جب آتے ہیں
یہ شگوفہ نیا وہ لاتے ہیں

یار تک بار کہاں پاتے ہیں
راستہ ناپ کے پھر آتے ہیں

پھر جنوں وحشت نہ دکھلائے کہیں
آج تلوے مرے کھجلاتے ہیں

ٹال جاتے ہیں جو بوسہ مانگوں
بات مطلب کی چبا جاتے ہیں

کسکو ہے تاب جو چھوئے سرِ زلف
بال کیوں آپ کے بل کھاتے ہیں

ایک غم ہو تو اُٹھائے کوئی
رنج پر رنج سہے جاتے ہیں

نگہِ لطف کبھی تو کیجے
کوئی دم رحم بھی فرماتے ہیں

پھول کا جام پلا اے ساقی
کانٹے تالو میں پڑے جاتے ہیں

کنگھی کے نام سے ہوتے ہیں خفا
بات سُلجھی ہوئی اُلجھاتے ہیں

پھر نہیں سکتے جو یاران عدم
خواب میں بھی تو نہیں آتے ہیں

سخت جانی نے کیا ہے حیراں
ہم تو مرنے بھی نہیں پاتے ہیں

درد دل کس سے کہیں اے دریا
کوئی غمخوار نہیں پاتے ہیں

قطعہ تاریخ دیوان پنڈت بشمبھر ناتھ منشی المتخلص بہ ہجر

تا گرفتہ رنگ تضمین ہفت بند
شش جہت پُر شد زبانگ آفرین

حبذا نظمے کہ ہر بیتے ازو
گنج معنی دارد اندر آستین

خوشہ اش را مرغ سدرہ دانہ گر
خرمنش را چون عطارد خوشہ چین

بسکہ از معنی حلاوت میچکد
کام جانم یافت طعم انگبین

از بیاضش صبح را رنگِ صفا
در سوادش نور عینِ حور عین

خامۂ دریا نوشتہ سال او
دفترِ اعجاز آیاتِ مبین

از عارضِ تو رنگِ گلِ تر شکست و ریخت — وز نرگسِ تو ساغرِ عبهر شکست و ریخت
از بسکه شرحِ خستهٔ دلها نوشته بود — تا بُرد نامه بالِ کبوتر شکست و ریخت
تا غیر را به لطف و عنایت نواختی — بنیادِ صبرِ عاشقِ مضطر شکست و ریخت
بکشو و کارِ تشنه لبان را ز لالِ عشق — از خشکیِ گلو دمِ خنجر شکست و ریخت
طوفانِ اشک هستیِ عالم به آب داد — از موجِ گریه گنبدِ بے در شکست و ریخت

دریا بس است در دو جهان دستگیرِ تو
دستے که بازوِ درِ خیبر شکست و ریخت

نه تنها داد بر باد آه زارِ من غبارِ من — فلک را سوخت در شبهاے تارِ من شرارِ من
چه میکردم اگر در رهگذر استاده میماندم — عبث بر باد داد آن شهسوارِ من غبارِ من
بیابانِ مرگ کرد آخر مرا از جوشِ وحشت‌ها — فلک را خوش نیامد در دیارِ من مزارِ من
زبس بگداخت سوزِ عشق مغزِ استخوانم را — برنگِ شعله خیزد از مزارِ من غبارِ من

به پرواز آمد آخر طائرِ روحِ من اے دریا
نکرد آن آهوِ آهو شکارِ من شکارِ من

مخمس بر غزلِ کلیم

کس نه پرداخت بجز درد به غمخواریِ دل — گرچه بگذشت ز حد غلغلهٔ زاریِ دل
نه همین چشمِ تو شد باعثِ بیماریِ دل — خمِ زلفت دگر دامِ گرفتاریِ دل
که در و موے نگنجید ز بسیاریِ دل

جنگ با عاشق و با غیر نمودی آزرم — سرد مهری بمن و با دگران صحبتِ گرم
شرم یادت که نکردی ز دلِ افگارم شرم — دید چون بیکسیِ ما دلِ آهن شد نرم
ماند پیکانِ تو در سینه بغمخواریِ دل

بیوفائیست همه کار و فاداریِ دوست — کو زبانے که دهد شرحِ ستمگاریِ دوست

ز طالع و فریاد ز دلداری دوست خندہ بر بخت زنم یا بوفاداری دوست
گریہ بر خویش کنم یا بہ گرفتاری دل

صبح صادق شد و شام اجل شد ظاہر مہر برنامد و شد روزِ حیاتم آخر
چون نباشد دلِ پُر غم بہ مداوا قاصر یک نفس فرصت و صد حرف گرہ در خاطر
وائے گر گریہ نیاید بہ مددگاری دل

دلِ صیاد و غم نالۂ مرغانِ قفس اے اسیرانِ بلا اینہمہ خام است ہوس
شاہبازے نہ نہد گوش بر آوازِ مگس راہزن را نبود باک ز فریادِ جرس
ترکِ یغما نکند غمزہ ات اززاری دل

تاکہ دریاست بہ غمخانۂ عشقِ تو مقیم یادِ تو مونس و دردِ تو بود یار و ندیم
کس نیامد بمددگاری انسانِ سقیم عشق چون تیغ کشد بر سرِ بیچارہ کلیم
کیست جُز داغ کہ آید بہ سپرداری دل

دماغ۔ پنڈت پرمیشور ناتھ تکو صاحب خلف پنڈت راجناتھ تکو صاحب ہونہار نوجوان تھے ۱۹۲۷ء میں بعارضہ ہیضہ وفات پائی۔ (ضمیمہ بھی ملاحظہ ہو)

مستِ خیال جانیئے اُس بادہ خوار کو کُل کائنات سمجھے جو کیفِ خمار کو
ایسا مٹا دیا ہے دلِ خاکسار کو ڈھونڈھا کرو گے حشر میں میرے مزار کو
قسمت کا کچھ قصور نہ تھا عقل کا قصور منظور تھا یہی مرے پروردگار کو
اس سے کہیں زیادہ دلوں میں ہے ارتباط نسبت جو تیرے وعدہ سے ہے اعتبار کو
واحسرتا کہ چل بسے ارمانِ دل تمام اب دیکھتے ہو کیا مرے اُجڑے دیار کو
دونوں میں کون اچھا ہے خود دل سے پوچھیئے غمخوار کو سمجھتے ہو یا دلفگار کو
دل کھول کر کہوں گا جو کہنے پہ آگیا میں بھی اُٹھا نہ رکھوں گا اب بار بار کو
اگلا سا مجھ میں جوش نہ پہلا سا وہ خروش
پوچھو نہ اب دماغ کے تم حالِ زار کو



پنڈت پرمیشور ناتھ ٹکرو ۔ دماغ

دیری۔ پنڈت راجہ کول عرض بیگی صاحب ساکن سدقاضی زادہ سرینگر کشمیر۔

سمت ۱۹۴۴ بکرمی میں آپ حین حیات تھے

از بہر خدا پند مگوئید بہ گوشم ۔۔۔ کز حلقہ بگوشانِ بتِ بادہ فروشم
افتادگیِ شمع شد از تیز زبانی ۔۔۔ استادہ ازانم کہ درین بزم خموشم
واعظ مگر از فیض ہوا مست جنون شد ۔۔۔ باجوش گل و لالہ چسان بادہ بنوشم
ترسم رسد آن خویش پیرِ سیدنِ حالم ۔۔۔ از خود خبرم نیست کہ بیگانۂ ہوشم
از غیب بگوشِ دلم آورد سروشے
دیری تو قدح نوش کہ من عیب بپوشم

بے رخت رنگ بہارا ے گلِ خندان آتش ۔۔۔ دُود بوے گل و گل شعلہ گلستان آتش
باغبان تخم شرر کاشت درین باغ مگر ۔۔۔ کہ دمیداست بجاے گل و ریحان آتش
شعلۂ فکرتِ دیری چہ رسا افتادہ است
کہ رسیداست زکشمیر بہ ایران آتش

مرغ دل یارب در آتش دوش گرمِ نالہ بود ۔۔۔ دانۂ دامش شرار و شعلۂ جوالہ بود
میچکد از چشم تر امروز اشکِ داغدار ۔۔۔ دل بصحراے جنون شب ہانشینِ لالہ بود
چشم شوخ عاقبت تاراج یک نظارہ کرد ۔۔۔ در دلِ زاہد خیالِ طاعتِ صدسالہ بود

دلِ سختش ہنوز نرم نشد ۔۔۔ سنگ از گریہ ام خمیر شدہ است
چرخ از اختران زرہ پوش است ۔۔۔ یارب آہِ دلِ کہ تیر شدہ است
غنچہ دیدم عصا گرفتہ زشاخ ۔۔۔ طفل یارب چگونہ پیر شدہ است
دیری از درس خانۂ عشقم
مصرعۂ زلف دلپذیر شدہ است

حسبِ حالِ دل اگر خواهم نوشت — نامه بر لختِ جگر خواهم نوشت

خاطرِ دریادلان رنجد اگر — سرگذشتِ چشمِ تر خواهم نوشت

لاله میجوشد ز چشمِ دوستان — گر ز داغِ دل خبر خواهم نوشت

دیگر

زمین و آسمان را زیر و بالا ساده روے کرد — که صبح از آبِ آئینه رخش را شست و شوے کرد

مگر آن غنچه لب امروز بر سر میزند گل را — که با گلچین چنین گستاخ بلبل گفتگوے کرد

ز نابِ آتشی گل دستِ گلچین سوختن دارد — که آهنگِ چمن با شیشهٔ مے شعله خوے کرد

ولہ

ندانم اینچه نیرنگ است رخسارِ فرنگش را — که چشمش ترک دارد آشتی با خالِ هندوے شگفت

ولہ

فغانِ عندلیب از گوشهٔ صحرا بگوش آمد — مگر در بوستان رفته است چون دیری غزلگوے

شعر

گل بسر جاے ز زر کرده و ماغش عالیست — لاله داغ است که از زرکفِ دستش خالی است

ولہ

ثباتِ عمر از امروز تا فردا که میداند — مبادا پُر شود پیمانهٔ خالی ساز مینائے

غزل

بجامِ یار ز خونم شراب گلرنگ است — زبے نشاط چو گل جامه در برم تنگ است

چنان بگوشِ دلم پندِ پیر میسازد — که دلنشینِ من آوازِ دلکشِ چنگ است

شعر

خوشا روزے که دیری رخت از کشمیر بندد — قدمها جانبِ گنگ از رهِ پنجاب بر دارد

ولہ

آن سرو ناز با قدِ دلجو به یکطرف — زین چشم آب خیز روان جو به یکطرف

از وحشتِ دلم به بیابان خبر که کرد — مجنون به یکطرف شد و آهو به یکطرف

دیری ز شوقِ مصرعِ صائب دلم شگفت
گلها تمام یکطرف آن رُو به یکطرف

شب که در بزمِ سخن زان قدِ موزون میرفت — تا سحر دُودِ دلِ شمع بگردون میرفت

شب که با حسنِ خدا داد بتے جلوه نمود — تا سحرگه صفتِ صانعِ بیچون میرفت

کرد فریاد چو زنجیر سحر دُودِ چراغ — شب که افسانه ز سوزِ دلِ مجنون میرفت

امشبم نوبتِ لختِ جگر و قاشِ دل است — دی شبم تا سحر از دیدهٔ تر خون میرفت

تا سحر شمع نیسوخت پرِ پروانہ ۔ بسکہ تکرار شب از چشم پُر افسون می رفت
ولہ
عاقبت زاہد تمنائے مئے گلرنگ کرد ۔ شیشۂ مے در شکست و توبہ کار سنگ کرد
ولہ
فارغم از سیم وزر سیم وزرم دیدار دوست ۔ مارِ زلفم ۔ قانعم از گنج بر رخسارِ دوست
یار برسر پائے بر آتش بہ سیرِ باغ بود ۔ حسرتے دارم بہ دل از گرمیِ رفتار دوست

دیری از خونِ جگر گلؔ پروری کن باغ باغ
یک گلے آخر رسد بر گوشۂ دستار دوست

بالبِ جوے ولبِ جامِ شراب ۔ بے لبِ میگونِ جانانم چہ کار
از گریبان چاکی اے مجنون مناز ۔ بے لباسم باگریبانم چہ کار
ولہ
دلِ من آب شد در خون نشست و نیست آرامش ۔ اگر بلبل نر نجد شبنمِ گل می نہم نامش
ولہ
باغبان رخنۂ دیوار عبث می بندی ۔ دل بہ صد راہ رود سوے بیابان از ما

دیوانہ۔ پنڈت برجناتھ کاک صاحب خلف پنڈت شیو پرشاد کاک صاحب

آپ ایجنٹ گورنر جنرل بہار راجپوتانہ کے دفتر میں میر منشی تھے۔ علم انگریزی و فارسی میں استعداد کلّی رکھتے تھے بلکہ سنسکرت میں بھی کافی مہارت پیدا کی تھی۔ ۱۸۷۵ء میں آپ زندہ تھے اور پنڈت درگا پرشاد صاحب عاجزؔ نائب سرشتہ دار راج بھرتپور کے ساتھ آپ کے خاص تعلقات مخلصانہ تھے۔

رباعیات

زبان درمیکشد در کام اگر مرد خبردار است ۔ کہ لبہا غنچہ تا بکشاد در پہلوے او خار است
من از کلکِ فرنگی نکتۂ خوش یاد میدارم ۔ زبانِ سرمہ مالیدہ کلیدِ گنجِ اسرار است
ایضاً
از سخن باشی چو قمری بستۂ طوقِ نیاز ۔ وز سکوت آئی بہ آزادی چو سرو سرفراز
گفتگو با بے زبانی رُو سیہ خط را کند ۔ خامشی بادہ زبان بخشد بسوسن اہتزاز

رباعی

دیدی کہ زبانِ خامہ سرداد بباد گویائی بلبلش بقید اندر داد
با شمع زبانِ شمع۔ دیدی کہ چہ کرد خنجر بزبانِ خویش در خون افتاد

ایضاً

تسلیم۔ کہ جسم را روان است سخن جانِ تنِ مرد را ضمان است سخن
لیکن چو بدیدۂ تامل نگری آخر نہ بجسم ہنر جان است سخن

ہاں اے دلِ دیوانہ ذرا ہوش میں آتو تقریر میں دو ایک سخن شعر سُنا تو
جادو کی کرامات کریں جس کو یقیں لوگ خامہ سے ہی اعجازِ مسیحائی دکھا تو

دیوہ۔**پنڈت دیوہ کول** صاحب سرینگر کشمیر میں ۱۸۸۵ب مطابق ۱۸۲۸ء میں پیدا ہوئے اور ۶۴ سال کی عمر پاکر ۱۹۴۹ب مطابق ۱۸۹۲ء میں عالم جاودانی کو سدھارے آپ نے ابتدائی درسی تعلیم اسوقت کے مشہور اور نامور اُستادوں سے مکتب میں حاصل کی۔ فارسی اور عربی میں کامل دستگاہ رکھنے کے علاوہ سنسکرت اور ہندی سے بھی بخوبی آشنا تھے۔ فارسی میں شعر کہا کرتے تھے۔ فن مصوری اور نقاشی میں بے نظیر تھے۔ بعض اوتاروں کی دستی تصویریں اور خاص کر سری کرشن چندر مہاراج کی راس لیلا کا مرقع اس طرح تیار کیا ہے کہ آجکل بھی قابل قدر نمونے خیال کئے جاتے ہیں۔ ششیش ناگ کی تصویر ایسی باریکی اور کمال سے کھینچی ہے کہ موجودہ مصوّر دنگ رہ جاتے ہیں۔ فن موسیقی میں بھی آپ کو کمال حاصل تھا۔ طبیعت عارفانہ اور سادہ پائی تھی چنانچہ اپنے گرو سوامی طوطہ کاک جی مہاراج (جو کشمیر کے ایک عارف کامل تصور کئے جاتے تھے) سے خاص عقیدت رکھتے تھے۔ ان کے نام جو خطوط (نظم و نثر) فارسی میں آپ نے لکھے ہیں اس وقت تک محفوظ ہیں۔ ان کے مطالعہ سے آپ کی دلی ارادتمندی اور فارسی زبان میں آپ کی مہارت بخوبی ثابت ہوتی ہے۔

آپ ایک دیوان بھی چھوڑ گئے تھے۔ جو دستبردِ زمانہ سے تلف ہو چکا ہے۔ فقط چند منتشر غزلیں دستیاب ہو سکی ہیں جنہیں سے یہاں انتخاب درج کیا جاتا ہے۔ آپ حکومتِ کشمیر میں سررفترِ دیوانی کے عہدے پر مامور تھے۔ جو ان دنوں ایک ذمہ دار اور قابلِ عزت عہدہ سمجھا جاتا تھا۔ آپ پنڈت نندلال کول طالب کے جدِّ بزرگوار تھے۔

اے نامِ فرّخِ تو سر انجام کارِ ما — یا درخِ تو شمع شبستانِ کارِ ما
در وقت نو بہار بیا در کنارِ ما — تا در کنار ما شگفد نو بہارِ ما
چون شد روان ز سردم چشم براہ تو — زود آکہ برگذشت ز حد انتظارِ ما
داریم دیدہ باز بود تا کہ بر رسد — ہمراز ما و ہمدم ما ہم نگارِ ما
سوزم بسانِ شمع من از ہجر روے تو — آخر تو رحم کن بدلِ بیقرارِ ما
صیّاد وار در طلبِ تو شتافتم — افتیدمت بدام و نگشتی شکارِ ما
بردی بغمزہ سر بسر اے یارِ سنگدل — ایمان وتاب و طاقت و صبر و قرارِ ما
گر بگذری ز جرمِ منِ ناتوان غریب — یا دآوری بیک رقمِ خوش نگارِ ما

در خدمتِ حضور نشینانِ بزمِ تو
بادا قبول بندگیِ جان سپارِ ما

چو نقلِ سجدۂ آن آستانِ دل ستان سازم — بہ خارستان عقل و جان بہارِ گلستان سازم
چہ خوش باشد کہ جان و دل نثارِ جانِ جان سازم — سرش گردم سرش گردم فدایش کن فکان سازم
بہ شوقِ لعل میگونت بہ ذوقِ بانگِ مخزونت — مے از خونِ جگر خوارم نے از آہ و فغان سازم
بہ آبِ آتشِ رویت بہ تابِ تارِ گیسویت — کباب از لختِ دل دارم ربابِ سوزِ جان سازم
نہ بینم سایۂ آن دولتِ بیدار را روئے — زبس از غافلی ہر لحظہ ما خوابِ گران سازم
ہمی خواہم ہمی خواہم قدم از فرقِ سر کردہ — بپا بوست سر افرازم بدرگاہت قران سازم
غبارِ خاکِ کوے تو بہارِ حسنِ روے تو — بچشم از سرمہ اندازم بخاطر دلستان سازم

غزل بادام

چشمِ نظارۂ من گرچہ بود چون بادام | نیست بے گلشنِ رخسارِ تو عینِ بادام
گر بسیر گل و باغ کنم بے رخِ تو | سر گلو گیر غل و پاے روانم بادام
در گذر جانبِ خویشان واجانب فتدم | خویشتن بے تو بہ بینم ہمہ بادا بادام
گوہر قیمتے گرد رہ ...... نعلینت | کے برابر نگرم نقدِ دل وجان بادام
کم زمیخانۂ فیاضۂ خاصت چہ شود | تشنۂ گر بکشائی ز تہِ صہبا دام
اے کہ بناے عماراتِ بقا از نظرت | ویر ویرینۂ ویرانہ ز تو آبادام

گر پذیری بہ نوازش ز تو خواہم بادام
کہ قدمگاہِ سگانت بدر دل بادام

ہندی شعر کا نمونہ ؎

جو پی پوچھے ارے سلگا تو کہہ ہاں جی سلگتا ہے
میں حقّے کے بہانہ سے دھواں دل کا نکالونگا

از استخوانِ خانۂ چشمِ من اے نگار | آیا بود کہ حلقۂ انگشت پا کنی
نے نے ندیدہ در جۂ خود خواندم این خیال | گر نعلِ کفشِ خاص بہ بندی روا کنی
دل سوختہ خام کار کند عرضکے خفیف | بر صیفِ دل ز پا شوئے خاصم ثنا کنی

پئے فرشِ تو بر خواہم دلِ صد پارہ خود را
کہ دوزم گنبۂ گلدار از تارِ نگاہِ تو

گرچہ آہم دل وجان فاختہ گون ساختہ است
برگِ سبزے ز سہی سرو تو گاہم نرسید

خوش آنکہ ہمنشینِ تو باشد بہ پیشطاق
حسرت بر آنکہ جفتِ الم باشد از تو طاق

نہ جنبیدی زجا از کین و تمکین این چنین باید
برنجیدی دلِ مسکین و تسکین این چنین باید

خوشا شبے کہ درآغوشِ ما مقام کنی هلالِ قامتِ مارا مہ تمام کنی
چہ شد چہ شد کہ ترا رسمِ آشنائی نیست بیا بیا کہ مرا طاقتِ جدائی نیست

مثنوی کے چند شعروں کا نمونہ

اے شمع منورا منم دُور مانند لگن بقربت از نور
چون شمع منوری دل افروز آخر نہ منم گلِ جگر سوز
گر تیرہ درون و رُو سیاہم ہم در قدمِ تو عذر خواہم
کز دردِ دلم ترا خبر نیست وز خونِ جگر ترا اثر نیست
خون میخورم اینچہ مہربانی است جان میکنم اینچہ زندگانی است
سابق گفتی بعینِ ادراک بردار ز تودۂ کلان خاک
درداکہ چہ طور گوئی این بار کز کندۂ مور خاک بردار
تاکے بہ نیازِ ہر تو الہ برشاہ و شبان کنی حوالہ
از خرمنِ خویش دہ ذکاتم منویس بہ این و آن براتم
تا چند مرا بماہ و خورشید پروانہ دہی بہ لطفِ جاوید

ڈاکٹر پنڈت دھرم نراین صاحب میرٹھی

غنچہ سان سرور گریبانم نمیدانم چرا گہہ چو نرگس ماندہ حیرانم نمیدانم چرا
گہہ بلب چون برق خندانم نمیدانم چرا گہہ چو ابر از دیدہ گریانم نمیدانم چرا
نے بکس دل دادم و نے دست در زلفے زدم سربسر حالِ پریشانم نمیدانم چرا
نے ہوائے گل بدل نے گشتِ گلشن آرزو ہمچو شبنم زار و گریانم نمیدانم چرا
نے چو خسرو شاد و نے غمگین بشکلِ کوہکن خوابِ شیرین شد ز چشمانم نمیدانم چرا

ہرزبان خارِ ملامت ہائے صحرائے جنون — میزند دستے بداما نم نمیدانم چرا
میخلد چون خار دریائے نگاہ مردمک — سبزۂ نوخیز بستانم نمیدانم چرا
گہ خیالِ مُصحفِ رخ گہہ سرِ زنارِ زلف — گاہ کافر گہہ مسلمانم نمیدانم چرا
گہہ بحسن آتشین زد آتشِ در جانِ من — منکہ ہردم برق جولانم نمیدانم چرا
مطلعِ مہرِ رُخ خواہد شدن یارب مگر — چون سحر چاکِ گریبانم نمیدانم چرا
دل بدستِ تندخوئے دادم اوّل بیدرنگ — آخر از کردہ پشیمانم نمیدانم چرا
حیرتے دارم بخود یارب کہ چون زلفِ بتان — ہرزمان خاطر پریشانم نمیدانم چرا
با دلِ بے آرزو یارب بچندین آرزو — دست در دامانِ حرمانم نمیدانم چرا

ہمچو ابر و برق ذاکر بے محابا روز و شب
گاہ گریان گاہ خندانم نمیدانم چرا

ذرّہ - میرزا راجہ رام ناتھ صاحب خلف الرشید مرزا راجہ کدار ناتھ صاحب امیر عہد عالمگیر ثانی و شاہ عالم ثانی - آخر الذکر بادشاہ کے مقرب بہ اختصاص اور پیشکار و ناظر رہے اور چونکہ بادشاہ کا تخلص آفتاب تھا اس رعایت سے اپنا تخلص ذرّہ رکھا چاوڑی میں راجہ کدار ناتھ کی گلی ابتک اس خاندان کی یادگار ہے ایک شعر تبرّکاً درج ہے۔

ترے کوچہ میں روز و شب پڑا رہتا ہے یہ ذرّہ
بجا ہے ایسے دیوانہ کے مطلب کو ادا کرنا

ذکا - پنڈت آفتاب بھان صاحب ساکن شہلی تنگ سرینگر کشمیر آپ نے پینتیس سال کی عمر پا کر سمت ۱۸۷۳ بکرمی میں وفات پائی - اس وقت آزاد خاں حاکم کشمیر تھا۔

مدّعائے ہر دو عالم یافتم — جانِ جان و ذاتِ آدم یافتم

جانِ جان را دیده ام درجانِ خود — من همه دریا درین نم یافتم
درمکانِ خلد هم آرام نیست — لامکان را جاے بے غم یافتم
جان جانِ خویشتن درخویشتن — ازدل وجان تاگذشتم یافتم
بحرِ وحدت را درونِ خود ذکا
کوزهٔ تن تا شکستم یافتم

جهان ودین وایمان دادم ازدست — زجامِ عشق هستم دمبدم مست
زشوقِ نشئهٔ عشقش دمادم — خوش آن مستے که باشد کوزه دردست
زمین وآسمان میناے خالیست — زهے رندے که او مستانه بشکست

دیگر

ندارم بیدلان پرواے جان را — ندانم آشکارا و نهان را
چو بالاتر شده از شش جهت دل — نمیداند زمین وآسمان را
چو از کون ومکان بیدل گذشتم — مکان کردم زهر سو لامکان را
ز دردو داغِ عشق اے دل چه پرسی — نباشد پنبه زخمِ عاشقان را
مرا کشتی ز وصلِ خود چه پرسی
نباشد وصل و هجرت کشتگان را

هرکس شناخت خود را بینا شود بعالم — خود را عیان به بیند درجن وانس وآدم
درعالمِ حقیقت جز من کجا بود کس — هم یارِ خویش هستم هم آشناؤ محرم
این کثرتِ دو عالم جز وحدتِ خدا نیست — بالله که دیگرے نیست عین است هر دو عالم
این چار عنصر اے جان از من شده است پیدا — من نے ز آب وخاکم نے ز آتش وز بادم
من روحِ صاف پاکم از جسم نیست باکم — از روے کیف پاکست هرکس زمن زنده دم
عنقاے لامکانم درخود بود مکانم
ازخود روود بهر دم درخویش باز آیم

من بے نشانم در نشان من لامکانم در مکان
من بے جہانم در جہان بے این وآن در این وآن
من صادقم در صادقان من کاذبم در کاذبان
من عاقلم در عاقلان دیوانہ در دیوانگان
ہم جسم و ہم روح آدم ہم کشتیِ نوح آدم
ہم قید و مفتوح آدم آزادہ از کون و مکان
ایمان من جانانِ من عشقت بود سامان من
ہر دم توئی مہمانِ من زان رفتم از ہر دو جہان
نے رند و نے زاہد منم نے عاشق و عابد منم
بتخانہ نے مسجد منم من جانِ جانان بیگمان
تنہا ز لاہوت آدم زانجا بجبروت آدم
وانگہ بملکوت آدم ناسوت را کردم عیان
ناسوت را در تن بہ بین ملکوت از دل کن یقین
جبروت را با خود نشین بیخود بہ لاہوتی نہان
اے آفتابِ معرفت از لطف مہرِ بے صفت
بالاتری از ہر صفت ماہوت را کردی مکان

نے کہترم نے بہترم از ہر چہ گوئی بہترم | جز روے جانان ننگرم جز حق نباشد در سرم
این نقد ہستی را برم آن جنس مستی را خرم | ناموسِ عالم را درم کے عاشقِ سیم و زرم
نے ظاہرم نے مظہرم از ہر دو عالم برترم | من در برِ آن دلبرم او نیز باشد در برم
نورٌ الانور آدم ہم موسے طور آدم | ہم نفخ و ہم صور آدم ہم آفتاب محشرم
از سوزِ او چون اخگرم بر باد شد خاکسترم | ذات بہ دُر بالاترم از بسکہ والا گوہرم

نے مومنم نے کافرم از کیش و مذہب برترم | از دین و ایمان بگذرم در این و آن می ننگرم
پیدا منم پنہاں منم در ہرچہ خواہی آں منم | مشکل منم آسان منم چون من بوحدت آدمم

از لطف مہرِ عاشقان در ہجر و وصلِ صادقان
گشتم ذکا از عارفان از ہر دو عالم برترم

ذکا۔ پنڈت سری کسن ہستوالو صاحب خلف پنڈت دیارام ہستوالو صفا

امین عدالت دیوانی فرخ آباد ۱۸۷۰ء کے قریب زندہ تھے۔ کلام بہم رسیدہ میں سے چند اشعار درج ہیں۔

ذرا دیکھو اے بتِ سفاک در پر شور غوغا ہے | ترے کوچہ میں قاتل رقصِ بسمل کا تماشا ہے
بہانے سے ہمارے خون کے غش تجھکو آئیگا | ارے قاتل تو کم سن ہے ابھی کیا تو نے دیکھا ہے
زر و مالِ جہاں کی کچھ ہوس باقی نہیں دل کو | فقط دیدار کی اُس شوخ کے دل کو تمنا ہے
نہایت سخت جاں ہوں میں نہایت سخت جانوں میں | نہ ٹوٹے خنجرِ بُراں کہیں یہ مجھکو خطرہ ہے

نہیں اُس بُت سا کوئی سنگ دل ساری خدائی میں
ہوا عاشق تو کیوں اُس کا ذکا کچھ تجھکو سودا ہے

قطعہ تاریخ گلدستہ لطیف

نادر رباعیات لکھی ہیں لطیف نے | مثل اس کے ایک رباعی بھی لکھنا محال ہے
تاریخ اے ذکا لکھو از روے انکشاف | گلدستہ یہ لطیف کا کیا بے مثال ہے

۱۳۱۴ ہجری

راحت۔ پنڈت کشن لال باشندہ متھرا

آپ ضلع فرخ آباد میں تحصیلدار تھے

دل کو سامان ہوا بے سر و سامانی سے | خوش گذرنے لگی اب جامۂ عریانی سے

راز دان۔ پنڈت سری کشن صاحب

کشمیر میں اُن بلند پایہ شاعروں کی یادگار تھے جن پر اہل کشمیر کو ہمیشہ فخر و ناز رہیگا۔ پنڈت صاحب موصوف ایک اعلیٰ پایہ کے فلسفی اور شاعر تھے سنسکرت زبان پر عبور رکھنے کے علاوہ اُردو اور خصوصاً فارسی پر بھی آپ کامل دستگاہ رکھتے تھے آپ کا شہرہ انگلستان اور فرانس تک ہو چکا ہے چنانچہ آپ کی کشمیری نظموں کا ایک مجموعہ انگریزی میں مسٹر ای گریرسن نے شائع کیا ہے جس کا ترجمہ غالباً فرانسیسی زبان میں ہو چکا ہے اور بہت پسند کیا گیا ہے کچھ متفرق نظمیں سوامی ہر بہر کول جی نے ہر بہر کلیان کے نام سے شایع کی ہیں جن کی قبولیت کا یہ عالم ہے کہ کشمیر کے ہر گلی کوچہ میں اُن کی وجد انگیز اشعار گونجتے رہتے ہیں۔

ماخوذ از صبح کشمیر اپریل ۱۹۲۷ء

راز دان۔ پنڈت رام چندر صاحب برہمچاری ساکن چھپرہ

پیدا کیا ہے ہم کو خدا نے برائے رنج　　　حاصل کسی سے کچھ نہیں ہوتا سوائے رنج
ہم کو صبا بھی لائی نہ بوئے گلِ نشاط　　　ایسی دماغ و جاں میں بھری ہے ہوائے رنج
دنیا میں لائی ہے ہمیں قسمت برائے رنج

راز دان۔ پنڈت شارکا پرشاد صاحب

نظم ذیل کی خوبی یہ ہے کہ ہر شعر کے پہلے حرف کو بالترتیب ملانے سے "بہار کشمیر" (قومی ماہواری رسالہ) پڑھا جاتا ہے۔

ب۔ بہار کے ہیں یہ وہ دن انھیں نہ تم کھونا　　　چمن نہال رہے جس سے بیج وہ بونا
د۔ ہمیشہ تاک میں غافل کی چرخ رہتا ہے　　　جو چاہو خیر تم اپنی نہ بے خبر سونا
ا۔ امیر ہو تو غریبوں کی بھی خبر لینا　　　غریب ہو تو نہ سرمایۂ ذکا کھونا

ر - رسوم شادی وغم کی جو ہے پسند اصلاح
تو داغِ حرص کو دامن سے پہلے تم دھونا
ک - کمی نہیں ہے لیاقت کی یا شرافت کی
کمی ہے الفتِ قومی کی جس کا ہے رونا
ش - شمع ہے قوم تو پروانہ تم بنو اس کے
تمہارا کام ہے بس قوم پر فدا ہونا
م - مدد پہ قوم کی ہر دم رہو کمر بستہ
نہ دن میں چین کی پروا نہ رات کو سونا
ی - یہ وہ زمانہ ہے اس وقت گر نہ ہمت کی
تو پھر محال ہے دنیا میں سرخرو ہونا
ر - ریاضِ قوم ہے محتاج تخم الفت کا
خدا کے واسطے کانٹے نہ بیر کے بونا

رتن - پنڈت آنند لعل صاحب مقیم بھدرواہ ریاست کشمیر

کشمیر ہے پیارا جنت نشاں ہمارا
ہر اک کی جانِ جاں ہے روحِ رواں ہمارا
کشمیر کی ہے وادی جنت نشاں جہاں میں
جھلم کا آب زمزم ہے جانِ جاں ہمارا
پُر لطف سیر ڈل کی نظارہ ہائے دلکش
کرتے ہیں خیر مقدم جلوہ کناں ہمارا
شکتی کے شو کے مسکن ہیں دو بلند پربت
شکتی ہے اپنا حافظ شو پاسباں ہمارا
اپنے وطن کی لکھیں تعریف ہم نہ کیونکر
پھولے پھلے ہیں اس میں ہے گلستاں ہمارا
غربت میں بھی ہیں تازہ گلہائے سینۂ دل
اب کیا بگاڑیگی تو بادِ خزاں ہمارا
پھولے پھلے الٰہی قائم رہے ابد تک
کشمیر کی ریاست اور حکمراں ہمارا
صد شکر یا الٰہی - تیرا کرم رتن پر
سنسار میں وطن ہے رشک جناں ہمارا

رحمت - پنڈت گنگا پرشاد صاحب ولد پنڈت موتی لال صاحب

لکھنوی - شاگرد حضرت سید آغا حسین صاحب امانت ۱۲۶۹ھ میں بروقت ترتیب تذکرہ سراپا سخن ان کا عالم شباب تھا عرصہ ہوا قضا کر گئے کلام ملاحظہ ہو:-

ہم رند کس طرح نہ دعا دیں اٹھا کے ہاتھ
دیتا ہے جام پینے کو ساقی بڑھا کے ہاتھ

ملتا ہوں غم سے میں کفِ افسوس راہ میں — چلتے ہیں ساتھ غیر کے جب وہ ملا کے ہاتھ
اے غیرت مسیح ترا عشق لے گا جاں — ہے موت میری اُس مرض لا دوا کے ہاتھ
آنکھوں سے اپنی پنجۂ خورشید گر گیا — جس روز آ گئے نظر اس مہ لقا کے ہاتھ

رحمت خوشی سے پاؤں نہ پھیلاؤں کس طرح
دیکھوں گلے میں اپنے جو اُس مہ لقا کے ہاتھ

رسوا۔ پنڈت گنگا پرشاد صاحب دہلوی

اے پری کوچہ سے تیرے کیوں قدم اُٹھتا نہیں
پڑ گیا مجھ پر بھی کیا سایہ تری دیوار کا
تھے مجھے ہنگامۂ محشر پہ کیا کیا اعتراض
جب تلک دیکھا نہ تھا عالم تری رفتار کا

رشید۔ پنڈت کنور بہادر صاحب خلف پنڈت گنیش پرشاد صاحب

فرخ آبادی شاگرد منشی امداد حسین سفیر۔

سنتے ہیں آج وہ بُت تیغ بکف آتا ہے
کون روکیگا جو قسمت میں شہادت ہوگی

رضا۔ پنڈت جے جے رام صاحب بہادر

خاندان بہادر پہلے بنارس میں رہتا تھا۔ پنڈت جے جے رام بمقام غازیپور ایک مدت دراز تک تھانہ دار رہے اور زمانہ غدر کے قریب وہیں انھوں نے رحلت کی۔ پنڈت ہر سہائے صاحب بہادر آپ کے خلف الصدق تھے۔ پنڈت صاحب موصوف نے غازیپور سے سند وکالت حاصل کی اور وہیں چند روز بعد منصف مقرر ہوئے۔ پنڈت سورج نراین صاحب بہادر پنشنر سب جج

حضرتِ رضاؔ کے پوتے ہیں اور لکھنؤ میں قیام پذیر ہیں علاوہ کلام نظم کے ایک کتاب رقعات نثر رضاؔ کی تصنیفات میں تھی جس کو سب جج صاحب موصوف نے دیکھا تھا مگر قبل اس کے کہ وہ شایع کیجاے بالکل ضائع ہوگئی۔

کس بر مزار ما نرسد از دیار ما — سوز و بحال ما دل شمع مزار ما
بنگر بہ آتشیں رخ زیبا نگار ما — اے بیخبر ز سوزِ دلِ داغدار ما
سوز و ز آتشِ غم و دم بر نیاورد — صد آفرین بہ ضبطِ دلِ پختہ کار ما
در قتلِ ما مضائقہ شمشیر او کند — اے وا عدوے ماشدہ جسم نزار ما

آتش علاج سوختۂ آتش است و بس
غیر از غمش دگر کہ بود غمگسار ما

صد جفا بینم و یک نالہ ز جورت نکنم — مُہر گویا زدۂ بر لبِ اظہار مرا
حالِ دل گر ہمہ ناگفتہ بماند چہ عجب — کہ نیاید بنظر محرمِ اسرار مرا
خیر بادِ خرد و ہوش نگویم چکنم — چشم مستِ تو وہد ساغرِ سرشار مرا

ساقیا ساقیا شراب شراب — مطربا مطربا رباب رباب
گل ببو گل ببو بہار بہار — بادہ خور بادہ خور سحاب سحاب
کام من کام من برار برار — از لبت از لبت شتاب شتاب
وصل تو وصل تو سرور سرور — ہجر تو ہجر تو عذاب عذاب
دردِ من دردِ من غم است غم است — داروم داروم شراب شراب
ذرّہ ام ذرّہ ام تو مہر تو مہر — بر سرم بر سرم بتاب بتاب
بر رُخت بر رُخت رقیب رقیب — بنگرد بنگرد حجاب حجاب

از رضا از رضا مرنج مرنج
تا بکے تا بکے عتاب عتاب

از کشمکشِ ہر دو جہان آمدہ آزاد تا در خمِ زلفِ تو دلم گوشہ نشین است
تا بر قدِ رعنائے تو افتاد نگاہش چون سبزہ سرِ سرو ز خجلت بزمین است
بشتاب کہ جان دادنِ مشتاق تو ظالم موقوف نگاہت بدم باز پسین است
در غارتِ دلہا بُوَدش طرفہ تلاشے
آن چشم سیہ گرچہ رضا گوشہ نشین است

چشم جادو نگہت گرچہ خموش آمدہ است از اشارات و ادا سکتہ فروش آمدہ است
ساقیا بادہ بدہ بادہ کہ از رحمتِ حق مژدۂ تازہ بگوشم ز سروش آمدہ است
فارغ از آرزوے آب و شراب است رضا
ہر کہ از نشئۂ توحید بجوش آمدہ است

خو کن بہ غم و درد کہ راحت بجہان نیست جز حسرت و حرمان بجہان گذران نیست
در گلشنِ حسرت ثمر و بر دریغا نخلے نتوان یافت کہ پامالِ خزان نیست
با سنگدلان حرفِ غمِ عشق مگوئید کین دُرِّ ثمین درخورِ ہر گوش گران نیست
پابندِ طرب را نرسد لافِ محبت کین کوچہ تماشہ گہِ راحت طلبان نیست
بیہودہ رضا چند شوی طالبِ راحت
خو کن بہ غم و درد کہ راحت بجہان نیست

تا دلم رہ بسرِ زلفِ سمن بوے تو یافت طرفہ آرامگہے در شکنِ موے تو یافت
وہ چہ دل دُزد نگارے کہ بہ دورِ چشمت ہر کرا دل شدہ گم در خمِ گیسوے تو یافت
نشود مائل فردوس کہ دل خستہ رضا
لطفِ صد روضۂ رضوان بسرِ کوے تو یافت

منم کہ شیوۂ من غیر جانفشانی نیست توئی کہ رسمِ تو جز خشم و بدگمانی نیست
برآر خنجر و کن امتحانِ عشق مرا کہ لافِ الفتِ دلدادگان زبانی نیست

چو من بمهر و وفا هم فلک ندارد یاد ترا اگر بجفا در زمانه ثانی نیست
دلم ز گردشِ چشمِ تو پائمال غم است بسر شکایتم از دورِ آسمانی نیست
بتان همیشه جفا بر دلم روا دارید
مگر به شهر شما رسم مهربانی نیست

گرچه در پرده عاشقی هنر است چکنم آه و ناله پرده در است
خونِ دل میرود ز چشمِ رضا وز فراق تو مبتلا جگر است

چشمت از خنجرِ مژگان پئے قتلم برخاست این چنین کار نه از گوشه نشینان زیباست
حاجتِ شرح بیان درد و الم را نبود آنچه در سینه نهان ست ز رویم پیدا ست

شهیدِ عشق را نازم که چون پروانهٔ مشهد نه فکرِ گور در خاطر نه پروائے کفن دارد
عبث چشمِ طوافِ کعبه داری از رضا زاهد که دل از فرط سودائے بتان رشکِ سمن دارد

رفت دلدار - چه می باید کرد دل شد از کار چه می باید کرد
مدتے شد که ندارم خبرے از دلِ زار چه می باید کرد
دل بزلفِ سیهٔ پُر شکنش شد گرفتار چه می باید کرد
فتنه انگیز نگه - عشوه بلا غمزه خونخوار چه می باید کرد
نکند آه ز خونم پرهیز چشم بیمار چه می باید کرد
راه صد قافلهٔ دل زده آه زلفِ طرار چه می باید کرد
ای رضا نخل امیدم هیهات
ندهد بار چه می باید کرد

نه فکرِ عنبرِ سارا نه ذکرِ مشک چین دارد سویدائے دلم سودائے خالِ عنبرین دارد
من آن صیدم که خود را خود رسانم بر سرِ تیرش عبث بهرِ شکارم آن کمان ابرو کمین دارد
بشبے گیسوے جانان راز غفلت مشک چین گفتم هنوز آن نازنین چین از خطایم بر جبین دارد

مسی مالیدہ لبہا لیش بود آن غنچۂ سوسن — کہ چون وا از تبسم شد بہارِ یاسمین دارد
بہ بزمش چون روم از مہر گرم پرسشم گردد — مگر از سوزِ جانم آگہی آن نازنین دارد
نگر دارد خیالِ قتلم آن گلگون قبا ورنہ — چرا چین بر جبین از کین برنگِ آتشین دارد

رضا حور و پری را بر دلم کے دسترس باشد
کہ این کشور لبِ لعلِ کسے زیرِ نگین دارد

بر رخ ز حیا نقاب تا کے — از عاشقِ خود حجاب تا کے
از نالہ عاشقان بیتاب — چون زلف روی بہ تاب تا کے
در پیش رخِ عرق فشانش — مذکورِ گل و گلاب تا کے

آہستہ کہ روز حشر پیش است
در قتل رضا شتاب تا کے

مخمس بر غزل واقف

گہ باغ را ساخت ماوا دلِ من — گہ جائے خود کرد صحرا دلِ من
جائے نشد وا اصلا دلِ من — صد غنچہ بشگفت الّا دلِ من

اے وائے دلِ من اے وائے دلِ من

تا حد بطوفِ مسعودِ کعبہ — سودے نہ برداشت از بودِ کعبہ
محروم برگشت از جودِ کعبہ — مقبول دیرو مردودِ کعبہ

کافر دلِ من ترسا دلِ من

روزے نہ نالید بیتاب از درد — یک شب نکردید بیخواب از درد
چشمش نبارید سیلاب از درد — نے خون شد از غم نے آب از درد

آہن دلِ من خارا دلِ من

دید از نکویان بیداد آخر — کس را نیاید زو یاد آخر

زین غم سرا رفت ناشاد آخر   در کنج ہجران جان داد آخر
بیکس دلِ من تنہا دلِ من

از حال زارش کس چون طرازد   چون شمع از غم ہر دم گدازد
رنگ از نقابت بر رخ چو بارد   با سنگ طفلان یا رب چہ سازد
نازک دلِ من مینا دلِ من

حالِ من و یار دارد شنیدن   من در غمِ او او در غمِ من
کارے نداریم با آرمیدن   از جذب الفت دارد طپیدن
آنجا دلِ او اینجا دلِ من

بتخالہ برلب گر جا نہ کردے   گر چہرہ زردی پیدا نہ کردے
گر نالہ حشرے برپا نہ کردے   گر گریہ رازش افشا نہ کردے
زیسان نہ گشتے رسوا دلِ من

در گریہ از ابر چشمم سر آمد   غرقاب جانم چون گوہر آمد
دامن رضا را از خون تر آمد   وا قفت سر شکم رنگین بر آمد
امروز چون شد گویا دلِ من

مخمس بر غزل قتیل

اے تازہ گل از خزان چہ دانی   وز آفت مہرگان چہ دانی
نالیدن بلبلان چہ دانی   تو زمزمۂ فغان چہ دانی
بیتابی عاشقان چہ دانی

ہستی برقیب گرم یاری   بر خود نظرے نمیگماری
آئینہ بہ پیش رو نیاری   از حسنِ خود آگہی نداری
حالِ منِ خستہ جان چہ دانی

اے آفتِ جان حور و انسان قربان تو باد دین و ایمان
از خامشیم مشو پریشان جمع اند برِ تو یاوہ گویان
قدرِ منِ بے زبان چہ دانی

منِ بے تو طپان بخاک درِ رہ تو گرم طرب درونِ خرگہ
مہرِ تو منِ آزمودم اے مہ بیدردئہ ز درد آگہ
دردِ منِ ناتوان چہ دانی

گے حال رضا بچشم دیدی کے بر سرِ وقت او رسیدی
کے در برِ جانش آرمیدی اشعار قتیل کے شنیدی
سوزِ دل اے جوان چہ دانی

ولہ

بر سرم چند نہ آئی آخر بندم از دل بکشائی آخر
تا بہ کے رو نہ نمائی آخر بیتو ام کرد جدائی آخر
جان فدائے تو کجائی آخر

اے کہ در جور و جفا یکتائی بستم نامزد ہرجائی
بر منِ دل شدہ شیدائی جور کن جور کہ چون تنگ آئی
بر سرِ مرحمت آئی آخر

اے مرا طرّہ طرار تو کُشت حسرتِ نرگسِ بیمار تو کُشت
جا منِ پردۂ رخسار تو کُشت خلق را حسرتِ دیدار تو کُشت
چند برقع بکشائی آخر

گاہ چون جان بہ تنِ زار منی گہ ز دل رخت بدر میفگنی
طرّہ جادوگری و سحر منی اے کہ نزدیک تر از جان تنی
اینہمہ دور چرائی آخر

دررسد مرگ بہ انسان روزے | جان زتن۔ تن رمد ازجان روزے
بگذر از کینۂ ایمان روزے | کفر و دین ہر دو یکے دان روزے

گردد این نغمہ سرائی آخر

گشت تا محرمِ رازِ توفیق | دارد از صدق نیازِ توفیق
چون رضا برد نمازِ توفیق | شد بجان بندۂ نازِ توفیق

مظہرِ نور خدائی آخر

رباعیات رضا

تاچند شوی عاشقِ زارِ دنیا | دل شیفتۂ نقش ونگارِ دنیا
ازدست مرو برنگ و بویش کہ شود | درچشم زدن خزان۔ بہارِ دنیا

بادیدۂ کم مبین بسوئے فقرا | در حضرتِ شان شرطِ ادب آربجا
ہرچند خراب اند بظاہر لیکن | آبادیِ باطن است این طائفہ را

لب بند بکارِ قدرازچون وچرا | درخواہشِ حق چون وچرا نیست روا
بیرون مرو ازمسلکِ تسلیم رضا | اولیٰ بود از ہمہ رضائے مولیٰ

نازم بدلے کہ لذتِ درد دروست | درسوز و گداز باشد از الفتِ دوست
ہرآدمی کہ می زید دور از عشق | حیوان بہزار درجہ ازوے نیکوست

بابرہنہ خار اطلسِ گل دادند | با اہلِ خمار ساغرِ مُل دادند
نازم بعنایتش کہ ہرجزوے را | چون می نگرم مرتبۂ کل دادند

خواہی کہ کشی سرز گریبان شرف | زنہار مدہ دامنِ تسلیم زکف
بین فیض توکل کہ بقعرِ دریا | سیراب شود زآب گہرکام صدف

یارب نظرے بخش کہ نورت بینم | درجلوۂ شاہدِ ظہورت بینم
پروانۂ شمع قربتم گرنکنی | پروانگی ام دہ کہ زدورت بینم

کے بہر طوافِ کعبہ سازی آہنگ — زینگونہ کہ سرخوشی بہ بانگِ نے وچنگ
رُو کن بہ پرستیدنِ حق اے سرمست — تا چند پرستشِ مئی و شاہدِ سنگ

آسان کُنِ مشکلِ من زار توئی — در حالتِ بیکسی مددگار توئی
از یاریِ یارانِ جہان مستغنی است — آنرا کہ ز لطف یاور و یار توئی

آگاہ نشد کسے ز اسرارِ ازل — این عقدہ نکرد فکرتِ انسان حل
ہوش و خرد و وہم و قیاس اند رضا — در دَرکِ حقیقتِ خدا لایعقل

تخمے کہ زمانہ در زمین می کارد — عشق است کہ از خاک بُرون می آرد
عشق است کہ غنچہ را چو مجنونِ بہار — بیساختہ بر جامہ دری می آرد

غیر از کرمت پُشت و پناہم نبود — جز مرحمتِ تو تکیہ گاہم نبود
خجلت زدہ از زشتیِ اعمالِ خودم — بے عفوِ تو چارۂ گناہم نبود

اے یادِ تو دافعِ بلا و تشویش — ذکرِ تو بود مرہمِ جان و دلِ ریش
در خواب ہم از خیالِ دنیا گذرم — مشغول بدار آنچنانم با خویش

فرزانہ کسیکہ شد بعشقش مجنون — دیوانہ بود ہر آنکہ لافد ز فنون
نزدیکِ رضا بتر ز خبط است جنون — عقلے کہ نگردد بخدا راہنمون

ہرچند کہ آمد عملم زشت و زبون — بیرون و درونم ہمہ زرق است و فسون
با اینہمہ بے طاقتی و پُر گنہی — نومید نیم ز لطفہائے بیچون

اے بیخبر از دورنگیِ وضعِ جہان — یکسان نبود گردشِ چرخِ گردان
تا بر تو شود تلوّنِ دہر عیان — ہم روئے بہار بین و ہم سوئے خزان

گرچہ از عمرے کشیدم پا بدامانِ کفن — ہمچنان دستِ غمِ او میکشد دامان ہنوز
کشتۂ زلفِ ترا نازم کہ از تاثیرِ عشق — می دمد از تربتِ او سنبلِ پیچان ہنوز

گرچہ پنہان کردۂ قتلِ رضا ازمردمان
طرز خونریزی بود پیدا از آن مژگان ہنو

نالۂ و آہ و فغانم کام نیست | یار اگر نغمہ سرا میخواہد
نیک و بدنیست بدستِ من مست | میکنم ہر چہ خدا میخواہد

دُرِ مقصود بکف می آری
گوہر از فصل خدا میخواہد

یارب زطریق بد نگہدار مرا | زینگونہ مطیع نفس مگذار مرا
ابلیس پلید چند گمرہ کندم | اے ایزدِ پاک روبرہ آر مرا

یارب طلبت مقصدِ جانم بادا | ذکرت وردِ لب وزبانم بادا
جزیاد تو بے سود بود یادکسے | نفرت از یاد این وآنم بادا

ہرچند گنہگارم در باب عذاب | مستوجب بازپرس درروز حساب
چون اسم مبارکت کریم است وغفور | بس از منِ مغفرت طلب روے متاب

خوش آنکہ دلم سفر بسوے توکند | وز پردۂ چشم جستجوے توکند
ازآرزوے ہمدمی اہلِ جہان | گردیدہ نفور آرزوے توکند

دارم پیوستہ قیل وقال بےسود | ہستم شب وروز درخیال بےسود
یارب زکرم بخویش مشغولم دار | باز آر زسوداے محال بےسود

دریادِ خدا کسے کہ دل شاد بود | از بندِ غم زمانہ آزاد بود
کے لطف خدا کند فراموش مرا | گرنام خدا دمبدمت یاد بود
من بندہ آنکہ صاحب جود بود | پیوستہ گرہ کشاے مقصود بود
القصہ بہر کار و بہر شغل رضا | جویائے رضا مندیِ معبود بود

مخمس بر غزل صائب

چاک در پیرہنِ شرک دلیرانہ زدند　　برکمرِ دامنِ توحید چو فرزانہ زدند
کے دم از رسم ورہِ کعبۂ بتخانہ زدند　　سالکانے کہ قدم در رہِ جانانہ زدند
پشتِ پا بر فلک از ہمتِ مردانہ زدند

گر بخواہید کہ تا آخرِ عمر از اوّل　　دل و دین را نرسد آفت و آشوب و خلل
طائرِ جان رہد از کشمکشِ دامِ حیل　　چشم ازان حال بپوشید کہ در روزِ ازل
برق در خرمنِ آدم بہمین دانہ زدند

پیش جانان نتوان بود خفیف الحرکات　　ہوسِ بوس و کنار است معینِ شہوات
عاشق آن بہ کہ بود عاشقِ ترکِ لذّات　　عشق و ہنگامۂ آغوش طرازی ہیہات
شمع دستی است کہ بر سینۂ پروانہ زدند

وہ کہ از سادہ دلی صاف فریبے خوردند　　بحر بگذاشتہ رو سوے سراب آوردند
مبتلا چون نہ بردِ سرِ خجلت گردند　　مستی از شیشۂ و پیمانۂ خالی کردند
رہروانے کہ درِ کعبۂ و بتخانہ زدند

دل کہ کردند سیہ مست ز چشمِ نازش　　نیست از بیخبری فکرِ سر و دستارش
بسکہ افتادہ بہ بیہوشیِ مطلق کارش　　خندۂ صبحِ قیامت نہ کند بیدارش
ہر کرا راہ بآن نرگسِ مستانہ زدند

از قدیم است مرا کار بعشقِ جانان　　سینہ بریان ز ازل دارم و چشم گریان
نیم امروز بملکِ غم و دردش سلطان　　لالہ در سنگ نہان بود کہ آتش دستان
سکۂ داغ بنامِ منِ دیوانہ زدند

چون رضا ہر بشرے را صمدِ عزّ و جل　　کرد پیدا بہ سرانجام جدا گانہ عمل
رند زاہد نہ شود ہیچگہ از مکر و حیل　　صائب از زہد برون آے کہ در روزِ ازل
طبلِ رسوائیِ ما بر درِ میخانہ زدند

مخمس بر غزل سعدی

ہر قدم با لغزشِ پا میروی غالباً سرمستِ صہبا میروی
منتی وز بنگوئے تنہا میروی سرو بیبین سا بصحرا میروی
سخت بد عہدی کہ بے ما میروی

سو بسو مردم بجست وجوئے تو گوش بر آواز گفت وگوئے تو
مجمعِ اہلِ نظر در کوئے تو اے تماشا گاہِ عالم روئے تو
تو کجا بہرِ تماشا میروی

میروی راہِ وفا یا میکشی میکشی وست از جفا یا میکشی
میکنی دردم دوا یا میکشی می نوازی بندہ را یا میکشی
می نشینی یکنفس یا میروی

کس بدین شانِ خود آرائی نرفت کس بدین اندازِ برنائی نرفت
کس بدین لطفے کہ می آئی نرفت کس بدین خوبی و رعنائی نرفت
ہمچنین میرو کہ زیبا میروی

عالمے مجورِ رخ چون ماہ تست طالبے ہمراہیئے دلخواہ تست
نے رضا تنہا بجولان گاہ تست دیدۂ سعدی بدل ہمراہ تست
تا نہ پنداری کہ تنہا میروی

مخمس بر غزل خود

بسر بریم بآرام رم نمیدانیم شکر فروش نشاطیم سم نمیدانیم
کجاست خانۂ درد و الم نمیدانیم ز فیضِ پیر مغان چیست غم نمیدانیم
دکانِ بادہ کم از بزم جم نمیدانیم

بجلوہ گاہِ ارادت گذر بود مارا　　بشاہراہِ اطاعت سفر بود مارا
زآب شکر لبِ خشک تر بود مارا　　ہمیشہ برخطِ تسلیم سر بود مارا
زتیغ زن گلہ ہمچون قلم نمیدانیم

بگرد شوئی رخسارِ عہد دریائیم　　متین بہ بستن پیمان برنگ خارائیم
چو سرو در چمنِ مہر۔ پائے برجائیم　　بمرغزارِ وفا آن غزال رعنائیم
کہ از کمین گہِ صیّاد رم نمیدانیم

برو بکارِ خود اے واعظ از تو بیزاریم　　بسوے اہلِ ریا روے دل نمی آریم
سرے بمشربِ رندانِ با صفا داریم　　زصدقِ دل مئے ومعشوق را پرستاریم
چو زاہد از رہ ورسمِ حرم نمیدانیم

کسیکہ کردہ جدا مغز نغز را از پوست　　زبان بگو نہ کشاید خلافِ خواہش دوست
بسر رود رہِ تسلیم ہر کہ طالبِ اوست　　ہر آنچہ میرسد از دوست بہر ما نیکوست
زبیش شکر وشکایت زکم نمیدانیم

خداے عزّ وجل را ہزار حمد وثناست　　کہ طبع ما نکشید ار کسے مذلّت خواست
چو بحر وکان۔ گہر وزر ز ذاتِ ما پیداست　　سرشکِ دیدہ رخِ زرد۔ گوہر وزرِ ماست
کجاست خانۂ اہل کرم نمیدانیم

نیفگنیم بدیوارِ سرِّ حق رخنہ　　بکشفِ راز نگردیم مور دِ طعنہ
دہیم شرحِ چسان حالِ شوقِ لب بستہ　　ادب نہادہ بلب مُہرِ خامشی ورنہ
رموزِ عشق ز منصور کم نمیدانیم

ہزار شکر خدا صد ہزار شکر خدا　　کہ دل تہی است ز اندیشہ ہاے بے سرو پا
بکس دہیم نہ دشنام ونے کنیم دعا　　ز فکر نیک وبد دہر فارغیم رضا
طریق مدحت وآئین ذم نمیدانیم

مخمس بر غزل شہید

گہ چو مے از لفِ عشقِ تو بجوش آمدہ ام — گہ چو نے از غم و دردت بہ خُروش آمدہ ام
ہمچو زُہاد کجا زہد فروش آمدہ ام — از ازل کافرِ زنّار بدوش آمدہ ام
ہندوئے زلفِ ترا حلقہ بگوش آمدہ ام

تا درین عالمِ ایجاد گذارم افتاد — نہ طرب میکنم از بیش و نہ از کم فریاد
میبرم در ہمہ احوال بسر با دلِ شاد — گر دہی صاف و گر دُرد ہمہ نوشم باد
ساقیا چون لبِ پیمانہ خموش آمدہ ام

بسکہ در شرب مُدامم شب و روز است غلو — ہمچو مینا ز مئے لعل پُرم تا بہ گلو
چون خُمِ بادہ مجو از منِ میکش تگ و پو — منم آن رند ز خود رفتہ کہ مانند سبو
مست در بزم بتان دوش بدوش آمدہ ام

گہ شوم مضطرب از مہر رخت ذرّہ مثال — گاہ پروانۂ جانباز بران شمعِ جمال
دولتِ بحر دیَم را نبود بیم زوال — میروم از کششِ شوقِ تو از حال بحال
گے چنان رفتہ ام از خود کہ بہوش آمدہ ام

ہر کہ در میکدۂ پیر مغان رُو آرد — ابرِ رحمت بسرش از مئے گلگون بارد
نشئۂ ساغرِ مُل لالہ بچشمش کارد — عالمِ بیخبری طرفہ تماشا دارد
ساقیا جامِ میم دہ کہ بہوش آمدہ ام

گرچہ ہر لحظہ مرا بے سببی رنجانی — قدرِ ہر بوالہوسے بیش ز من میدانی
لیک با اینہمہ دارم سرِ جان افشانی — رونما نقد روانم بتو باد ارزانی
گو گران بر دولت اے عشوہ فروش آمدہ ام

بے سبب گرچہ بترغیب رقیبِ پرفن — بمیان بر زدہ قتلِ رضا را دامن
نتوانم کہ زحکمِ تو بہ پیچم گردن — چون شہید دل و دین باختہ با تیغ و کفن
سر بکف بر درت اے عربدہ کوش آمدہ ام

مخمس بر غزلِ حافظ

برکمر دامنِ امداد چو فرزانه زدند   قدمِ جهد بآبادیِ ویرانه زدند
عَلَمِ تقویتِ مشربِ رندانه زدند   دوش دیدم که ملایک درِ میخانه زدند
گلِ آدم بسرشتند و به پیمانه زدند

چون بروزِ ازلی نوبتِ ایجاد رسید   جمله مخلوق بدل مائلِ کارے گردید
آدمی زاد فنِ عشقِ الٰهی ورزید   آسمان بارِ امانت نتوانست کشید
قرعهٔ فال بنامِ منِ دیوانه زدند

پیش ازین گرچه زغمازیِ اربابِ فساد   یار را بود سرِ جنگ باین خاک نهاد
حالیا از مددِ اخترِ فرخنده نژاد   شکر ایزد که میانِ من و او صلح فتاد
حوریان رقص کنان ساغر و پیمانه زدند

بحقارت منگر بر منِ مست و مبهوت   هست از هستیِ من زینتِ بزمِ ناسوت
نه همین همدمِ من آمده اهلِ جبروت   ساکنانِ حرمِ سرِّ عفافِ ملکوت
با منِ راه نشین ساغرِ شکرانه زدند

دار معذور اگر در پئے مطلوب دویم   گامزن در طلبِ کام بهر سوئے شویم
خوشه هائے هوس از مزرعهٔ دنیا درویم   ما بصد خرمنِ پندار ز ره چون نرویم
چون رهِ آدمِ خاکی بیکے دانه زدند

تهمتِ سوزِ عبث بر دلِ خود بند و شمع   خنده بر خویش چو سودا زده بپسند و شمع
کے بدل سوختگان سلسله پیوند و شمع   آتش آن نیست که از شعلهٔ او خندد شمع
آتش آنست که در خرمنِ پروانه زدند

چند پرسی ز منِ دل شدهٔ غم پرورد   سببِ حسرتِ هر لحظه و وجهِ رخِ زرد
متحیّر مشو از حالتِ من اے همدرد   نقطهٔ عشق دلِ گوشه نشینان خون کرد

هچو آن خال که بر عارضِ جانانه زدند

هست در رشتهٔ اسرارِ ازل طرفه گره / این گره وا نشد از ناخنِ فکرِ که و مه
شکوهٔ اهل ملل را بزبان جاے مده / جنگِ هفتاد و دو ملت همه را عذر منه
چون ندیدند حقیقت رهِ افسانه زدند

شد ز فیضِ سخنش طبع رضا معنی یاب / داد اشعارِ ترش کیفیتِ بادهٔ ناب
کرد دل جلوهٔ معشوقهٔ نطقش بیتاب / کس چو حافظ نکشید از رخِ اندیشه نقاب
تا سرِ زلفِ عروسانِ سخن شانه زدند

مخمس بر غزل فیضی

نگر گشتی ز شوقم آگه اینک / که زنیسان جلوه کردی ناگه اینک
بجان مشتاقم اے رشک مه اینک / اگر در دیده مے آئی ره اینک
وگر دل میبری بسم الله اینک

نماید بیخودم حسنِ نمایش / رباید طاقتم لطف و ادایش
برد هوشم ز سر آوازِ پایش / دلِ من مے طپد از جلوه هایش
که می آید ندانم وه وه اینک

ز هجرش در حواسم اختلاف است / غمش بر سینه ام چون کوه قاف است
با ختر ناله ام گرم مصاف است / شب و روز آه من گردون شگاف است
گواهِ حالِ من مهر و مه اینک

اگرچه از عداوتهاے گردون / به هجرش روز من گردیده شبگون
من و یادِ رخِ آن سروِ موزون / خیالش چون تواند رفت بیرون
که چشم بسته خون نه بر نه اینک

ز هجرِ او بجائے ناامیدی / بدامن بُرده پائے ناامیدی

دہم سر نالہ ہائے نا امیدی — من وتحتِ سرائے نا امیدی
حریفِ عشق را خلوتگہ اینک

رقیب است وشبستانِ وصالت — بو و دست وگریبانِ وصالت
زیم تا کے بہ حرمانِ وصالت — برآنم تا ز دامانِ وصالت
کُنم دستِ تمنا کوتہ اینک

بہ خونریزِ رضا از تندیِ خو — مکن آلودہ جانان دست وبازو
نباشد شیوۂ بیداد نیکو — بقصدِ خونِ فیضی اے جفاجو
مکش تیغِ ستم شاہنشہ اینک

مخمس بر غزل صائب

ز دوستان رہ ورسمِ عدو نمی آید — کجی زراست روان ہمچو مہ نمی آید
کسیکہ خوب بود زشت از و نمی آید — زگُل محافظتِ رنگ و بو نمی آید
بغیر لطف ز روئے نکو نمی آید

منم کہ تشنگیم کم نہ گردد از دریا — چگونہ حظ برم از یک دو ساغرِ صہبا
بحالِ من کرمے ساقیا برائے خدا — بپائے خُم برسانید مشتِ خاک مرا
کہ دستگیریِ من از سبو نمی آید

کسیکہ دامنِ آزادگی زَنَد بمیان — بجیبِ او نرسد دستِ آفتِ دوران
فقیر در سفر ایمن بود ز راہزنان — اگر ز سیلِ حوادث جہان شود ویران
بنائے خانہ بدوشان فرو نمی آید

اسیرِ کشمکشِ دہر تا بکے مانی — مبین بچشم ہوس در تنعّمِ فانی
بخیز از سرِ دنیا نشین بہ آسانی — زجنبشِ مژہ آسودہ است قربانی
تردّو از دلِ بے آرزو نمی آید

اگر ز جرم گنہ چون رضا شوی تائب — شوی بحضرتِ شاہنشہِ یقین نائب
نگر دی از درِ تسلیم یکزمان غائب — کسیکہ رہ بمقامِ رضا برد صائب
دگر بہ ہیچ مقامے فرو نمی آید



پنڈت دوارکا ناتھ رینہ ۔ رعنا

رعنا۔ پنڈت دوارکا ناتھ ریہ صاحب خلف پنڈت منوہر ناتھ ریہ صاحب۔

حضرت رعنا سنہ ۱۸۸۰ء میں بمقام لکھنؤ پیدا ہوئے تھے۔ آپ جناب پنڈت جانکی ناتھ مدن صاحب المتخلص بہ ہیجان کے نواسہ اور جناب ساحر دہلوی کے بھانجہ ہیں۔ آپنے انگریزی میں امتحان فرسٹ آرٹس پاس کرکے سنہ ۱۹۰۶ء میں پلیڈرشپ کے امتحان میں کامیابی حاصل کی اور تقریباً ۹½ سال تک فیض آباد میں وکالت کرتے رہے اسکے بعد آپ مئی سنہ ۱۹۱۵ء میں بمقام دہرہ دون منتقل ہوئے اور جب سے وہیں قیام پذیر ہیں۔ آپ کو اپنی ابتدائی عمر سے شعر و سخن کا شوق تھا اور بہ ظاہر یہ ورثہ آپ کو اپنے ننہال سے ملا ہے سنہ ۱۹۲۴ء میں آپکو حاجی مولانا محمد خاں صاحب غریب سہارنپوری مرحوم سے فخر تلمذ حاصل ہوا۔ جولائی سنہ ۱۹۲۶ء میں آپکے لخت جگر گیان ناتھ ریہ نے صرف ۲۰ سال کی عمر پاکر داغ مفارقت دائمی دیا اور اس حادثۂ جانکاہ نے ایک مدت تک آپ کو اندوہ و الم میں گرفتار رکھا مگر ویدانت کی کتابوں کے مطالعہ سے دنیائے ناپائدار کی اصلیت و کیفیت جب روشن ہوئی تو رفتہ رفتہ بار غم گھٹنے لگا اور طبیعت نے علم حقیقی کی تجسس میں پلٹا کھایا چنانچہ اب آپ کے کلام میں بجائے رنگ تغزل کے دوسرے رنگ کی جھلک نمایاں ہے۔

نوحہ لالہ لاجپت رائے

درِ وطن کے تھے دربان عمر بھر پیارے　　　کمر کسی تھی سپاہی کے ٹھاٹھ تھے سارے
جب آنکھ ہونے لگی بند نیند کے مارے　　　جگا کے قوم کو تم سو رہے تھکے ہارے

بڑے دُلار سے مادر نے تھا تمھیں پالا
غریب ہند کو اب داغ دے گئے لالہ

سیاپا پڑ گیا ہونے لگا کڑا ماتم　　　قریب و دور سے سُن کر اُمنڈ پڑا عالم
نہ زوجِ محترمہ کے حواس تھے قایم　　　وفورِ درد سے آتے تھے غش پہ غش پیہم

وہ بھیڑ تھی کہ جدھر دیکھو اُس طرف سر تھا
کھوا کھوا سے رگڑتا تھا چلنا دوبھر تھا

عجیب برق اثر تھی اُس ایکدم کی کشش　　　سبھی کو کھینچ کے لے آئی اُسکے غم کی کشش
دلوں کو لے گئی اُس غلو ہمم کی کشش　　　نہ کھینچ پائیگی تصویر غم قلم کی کشش

پرے جمے ہوئے در پر تھے پیشگاہی کو
ادائے فرض میں سردار کی سلامی کو

جنازہ سج کے گلِ خوشنما کے ہاروں سے
کہا یہ زوج نے رو رو کے سوگواروں سے
بندھے تھے پریم کے دھاگے میں جو ہزاروں سے
وہ رشتہ کاٹ چلے آج رشتہ داروں سے

"یہ جا رہے ہیں اجل ان کو لینے آئی ہے
سُہاگ لُٹ گیا اے بھائیو دُہائی ہے"

یہ داغ وہ نہیں مٹ جائے جو مٹانے سے
یہ درد وہ نہیں دب جائے جو دبانے سے
یہ آگ وہ نہیں بجھ جائے جو بجھانے سے
چتا جلائی تو عنصر لگے ٹھکانے سے

اگن اگن میں ملی جل میں جل ہوئے سب پاک
ہوا ہوا میں خلا میں خلا و خاک میں خاک

نکل سکا تھا ابھی تک نہ کچھ غبارِ وطن
اجل نے چھین لیا ہم سے تجھکو یارِ وطن
بڑھا ہوا تھا تری شان سے وقارِ وطن
بغیر تاج کے تو ہی تھا تاجدارِ وطن

رہا تھا دَیر و حرم شیخ و برہمن میں بھید
کئے تھے خدمتِ قومی میں سر کے بال سپید

جو رہنا اور بھی کچھ روز جسم و جان کا سنگ
دبی دبائی نہ رہ جاتی کچھ دلوں میں اُمنگ
اجل نہ آئی تجھے اے قضاءِ بے آہنگ
اُٹھا لیا درِ پنجاب کا جو تو نے پلنگ

وفا پہ ایک فرشتہ کو چلتے ٹوک دیا
رفاہِ عام کے دریا کو بہتے روک دیا

وطن میں کوئی بشر انتخاب نکلے گا
چمن سے کوئی تو رشکِ گلاب نکلے گا
زمانہ اپنی مصیبت کا خواب نکلے گا
شبِ سیاہ چلی آفتاب نکلے گا

بہت نہیں ہیں جواب رہنما ہمارے ہیں
سحر قریب ہے چھٹکے ہوئے ستارے ہیں

سوائے صبر کے چارہ ہے اور کیا رعنا
گیا، شہید ہوا ہائے اپنا دیوانہ

عزیزو۔ طرزِ عمل اُس کا بھول مت جانا لباس سادہ طبیعت رہے فقیرانہ
نصیبِ مرگ ہو بھارت پہ مٹنے والے کو
بڑے ہی لاڈ سے اِس مفلسی میں پالے کو

گائے کی فریاد (۱)

گائے کی فریاد ہے میں تنگ انسانوں سے ہوں
ہے دُہائی! سخت عاجز اپنے بیگانوں سے ہوں
ہوں تو حیواں پر مخاطب سب زباں دانوں سے ہوں
چاہتی اب فیصلہ ہندو مسلمانوں سے ہوں
اپنی چھاتی سے تمھیں پالا ہے حق لے لوں گی میں
حشر کے دن دودھ اپنا تب تمھیں بخشوں گی میں
جب تمھاری ماں نہ تھی اُس وقت بھی دائی تھی میں
دودھ کو جب تم ترستے تھے تو کام آئی تھی میں
جس کے کھونٹے سے بندھی اُسکی ہی کہلاتی تھی میں
جھانکتی کیا دوسرا گھر کوئی ہرجائی تھی میں
جو پڑی سردی کہ گرمی سب کو تن پر سہ گئی
جو ملا سوکھا ہرا اُس کو ہی چر کر رہ گئی
حق مرے بچوں کا تھا پر دودھ لے لیتے تھے تم
جب وہ پیتے تھے تو مُنہ تھن سے ہٹا دیتے تھے تم
چھوٹے بچھڑوں کے جُوا کندھوں پہ دھر دیتے تھے تم
خشک بھوسہ ڈال کر محنت کڑی لیتے تھے تم

پھر بھی مجھسے حضرتِ انساں یہ دل میں مَیل ہے
میں گئو ہوں آپ کی بچھڑا ابھی میرا بَیل ہے

ہندیوں کے زور کی ابتک مثالیں ہیں ہری
بیر ارجن کی کماں جستِ ہنومانِ جری

پتلی سوکھی ہڈیوں میں کیا ہے اب طاقت دھری
کر سکو گے تم قوی قوموں کی کیسے ہمسری

قدر کی جب تم نے میری تم پہ میں شیدا ہوئی
دودھ چھوڑا جب سے میرا بُزدلی پیدا ہوئی

اب بھی میری نصیحت ہے کرو کچھ انسداد
ظلم مجھپر جب نہ ہوگا دور ہوگا سب فساد

عمر طبعی کو پہونچکر تم رہو گے دل میں شاد
جو عدو ہونگے تمھارے وہ رہیں گے نامراد

خوش رہو آباد ہو تم بس یہی منظور ہے
میں دعا دیتی ہوں ماتا کا یہی دستور ہے

مانتے تھے مجھکو بابر اور اکبر ذی وقار (۲)
خاندانِ مُغلیہ کے تھے جو نامی تاجدار

تھے وزیرِ سلطنت بھی دوربین و ہوشدار
دولتِ اسلامیہ کے معتمد خدمت گذار

قدر کی شاہوں نے اپنے ناصحوں کے رائے کی
یہ سمجھکر ہندؤں میں منزلت ہے گائے کی

اُن کے شاہانہ کرم پر ہر بشر کو ناز تھا
جس کو دیکھا خلعت و جاگیر سے ممتاز تھا
ہند کے ہندو مسلمانوں میں باہم ساز تھا
سلطنت کی پائداری کا یہی اک راز تھا

خدمتِ ادنیٰ سے مل جاتے تھے اعلیٰ مرتبے
بارِ نعمت اس قدر تھا لوگ رہتے تھے دبے

کیسے شاہانِ سلف تھے خوش نصیب و ذی جلال
جن کے سکوں میں ابھی تک مول سے دونا ہے مال
حکمرانی خوب کی دل میں رہا ہر دم خیال
کام ہو ایسا۔ نہ ہو ہرگز رعایا کو ملال

زور ہو وہ سلطنت میں جو نہ ہو فولاد میں
اُنسیت کی خشت رکھدی اس لئے بنیاد میں

کون بھڑتا میرے لالوں سے کسی میں دم نہ تھا
بھاگتے تھے جیسے کالوں سے کوئی قائم نہ تھا
گھر بھرا تھا مال سے افلاس کا عالم نہ تھا
مرگِ بےہنگام سے ۔ اس طور کا ماتم نہ تھا

تھی تراوت مغز میں۔ ہندی تھے وہ روشن دماغ
سات تاگے ڈالتے سوزن میں شب کو بے چراغ

بیگموں کی باغ میں آتی تھیں سج کر ڈولیاں
ساتھ ہوتی تھیں کنیزیں اور کچھ ہمجولیاں
شوق سے بہرِ تماشہ باندھ کر سب ٹولیاں
دودھ کی پچکاریوں سے کھیلتی تھیں ہولیاں

آجکل وہ دودھ یوں ناپید مثلِ مُشک ہے
گھونٹ بھر کے واسطے بچّوں کا تالو خشک ہے

اس زمانہ کا سدا قائم رہا یکساں نہ طَور
کل نظارہ اور تھا۔ ہے آج کچھ۔ کل ہوگا اور
بیٹھنے دیتا نہیں تسکین سے گردوں کا دَور
نیشِ عقرب سا نکالا چرخ نے دیرینہ جَور

چھا گیا موسم خزاں کا پتّیاں جھڑنے لگیں
بیٹھے بٹھلائے دلوں میں گُتھیاں پڑنے لگیں

راج گھر کا کھو چکے اب مانگنے بیٹھے سوراج
ہاتھ پہلے دھو چکے کیا پوچھتے ہو اب علاج
تم میں تھی جب تک سکت پُرساں تھے سب حالِ مزاج
کس نے پر سد برادر کی مثل صادق ہے آج

اب گُرو کہتے ہیں تم تختی کا ملنا سیکھ لو
پھر کھڑے ہونا ذرا گھٹنوں پہ چلنا سیکھ لو

کام تم سے ہے۔یہاں کوئی ہزار آتا رہے
مَیں مٹوں تم پر تمھیں غیروں کا پیار آتا رہے
وہ کرو جس سے مجھے بھی اعتبار آتا رہے
دل بہت بیتاب ہے کچھ تو قرار آتا رہے

غیر ہوں مسرور ہے تم کو یہ شرمانے کی بات
تم رہو مجبور ہے مجھکو یہ مر جانے کی بات

ہے درِ مقصد تمھارا دور منزل ہے کڑی
تم رہے جاتے ہو پیچھے ہے یہی مشکل بڑی

بڑھ چلو کچھ غم نہیں ہے اب ذرا قسمت لڑی
ساتھ چلنے کو تمہارے ہے گئو ماتا کھڑی

گو سفر میں ہوں نہ دانے تک چبانے کے لئے
میں تو زندہ ہوں ٹھکانے تک ٹکانے کے لئے

نظم دیگر

مرے اہلِ وطن کہیے کہ اب تدبیر کیا کیجے
نہایت بر سرِ پرخاش ہے تقدیر کیا کیجے

کسی ظالم سے اپنے درد کی تقریر کیا کیجے
بنے نا آشنا جو خود اسے تحریر کیا کیجے

نہیں ملتا ہے دم لینے کا موقع سخت اُلجھن ہے
بلاؤں پر بلا آتی ہیں بے تقصیر کیا کیجے

مذبذب اور بے ترتیب سے خوابِ پریشانی
کہے کیونکر کہ کیا دیکھا۔ کوئی تعبیر کیا کیجے

بگڑتی جا رہی ہے دن بدن بیمار* کی حالت
دوا کیا ہو دعا میں اب نہیں تاثیر کیا کیجے

غزلیات

جو ذوق شوق دل میں تھا آیا گیا ہوا
برائی آرزو مرے حق میں برا ہوا

جب تک غرض ہے اہلِ غرض کو ہے التفات
خالی صراحی دیکھ کے ساغر جدا ہوا

تحریر مرغِ روح کی قسمت میں قید تھی
محبوسِ خاک و آتش و آب و ہوا ہوا

بوئے اڑی تھی کچھ گُلِ رخسارِ یار سے
پکڑی گئی تو ہوش صبا کا ہوا ہوا

ہے ضبطِ اشک عشق و محبت کا پردہ دار
ڈر ہے نہ بہ چلے کہیں پانی رکا ہوا

دیکھا ہے میں نے قلزمِ ہستی کا جزر و مد
نقشہ مری نظر میں ہے بدر و ہلال کا

حیرت میں آنکھ آنکھ میں تل تل میں کائنات
عالم یہ دیکھئے مرے حسنِ خیال کا

گُل سے مذاق اور نہ بلبل سے دل لگی
صدمہ ہے باغباں کو کسی نونہال کا

انجام کیا ہو جامۂ خاکی کا کیا نہ ہو
رعنا یہ تنگ وقت ہے اب دیکھ بھال کا

---

* ہندوستان۔

کعبہ سے اُٹھ کے آئے دلِ خستہ جان پر ‏ ‏ ‏ ترجیح دی نئے کو پُرانے مکان پر
اُن کو بجا ہے ناز جو ہے اپنی شان پر ‏ ‏ ‏ ہم کو بھی فخر ہے کہ مٹے آن بان پر
گردونِ دوں کو آہ بچا کر نکل گئی ‏ ‏ ‏ یوں چڑھ گیا مزاجِ فلک آسمان پر
دیکھے فلک جو حُسن ترا انقلاب خیز ‏ ‏ ‏ زیرِ زمیں فلک ہو۔ زمین آسمان پر

تیرِ نظر جو چل گیا۔ آ ہی گئی قضائے دل ‏ ‏ ‏ مانیں ہزاروں منّتیں رد نہ ہوئی بلائے دل
آ کے زباں کی نوک تک پھر گئے شکوہ ہائے دل ‏ ‏ ‏ پکڑی گئی وہ بے زباں نکلی مگر خطائے دل
خاطرِ حق شناس میں سنگ نہیں ہے سنگِ بُت ‏ ‏ ‏ کرتا ہے کسکی بندگی کوئی تو ہے خدائے دل
ارضِ دلِ حزیں میں آ۔ دیکھ مزارِ بے نشاں ‏ ‏ ‏ دفن ہیں کتنی حسرتیں بسگئی کربلائے دل

اتنی تو ہم وہ حسرتیں اتنی سی دل میں جائے دفن
رعنا ہجوم کے لئے تنگ ہے تنگنائے دل

تیرے ذکرِ مظالم سے ذرا تسکین ہوتی ہے ‏ ‏ ‏ نہ کام آئے زباں میری جو میں فریاد کرتا ہوں
یہاں چھوٹا قفس تارِ نفس بھی ٹوٹ جائیگا ‏ ‏ ‏ ارے صیاد ایسا تو نہ کہہ۔ آزاد کرتا ہوں
اسیری میں رہا جب تک دمِ صیاد بھرتا تھا ‏ ‏ ‏ رہا جب سے ہوا صیاد ہی صیاد کرتا ہوں
تمھارا یہ کرم کیا کم ہے آ کر قبر پہ میری ‏ ‏ ‏ اُسے برباد کرتے ہو جسے آباد کرتا ہوں
نزاکت نے تری ناکام لذت ہی مجھے چھوڑا ‏ ‏ ‏ بھروسہ تجھپہ کب اے بازوئے جلاد کرتا ہوں

آنکھوں سے نمائش کی فضا دیکھ رہے ہیں ‏ ‏ ‏ قدرت کے نمونے بخدا دیکھ رہے ہیں
اُکھڑی ہوئی گردوں کی ہوا دیکھ رہے ہیں ‏ ‏ ‏ گردش میں اُسے صبح و مسا دیکھ رہے ہیں
آ کر سرِ بالیں مری بیتابیٔ دل کو ‏ ‏ ‏ سُنتے ہی نہ تھے کان سے یا دیکھ رہے ہیں
ساقی ہمیں دے اور مئے عشق کے ساغر ‏ ‏ ‏ ہم اپنے ابھی ہوش بجا دیکھ رہے ہیں

شوخی کا جوش ہے جو زمانِ شباب میں ‏ ‏ ‏ مچلا ہے حُسن میں نہ رہونگا حجاب میں
ہوتا ہے بے نقاب وہ حُسن آج خیر ہو ‏ ‏ ‏ جو عمر بھر خیال میں آیا نہ خواب میں

ہر گوشہ آرزوؤں سے آباد ہو گیا ‏— ویرانہ اب کہاں دلِ خانہ خراب میں
اہلِ نظر کو قلت و کثرت میں فرق کیا ‏— کوزہ میں بحرِ ہند ہے۔ دریا حباب میں

نہ بیٹھا تیرِ نظر جم کے ناگہاں کس دن ‏— اُٹھا نہ دردِ جگر کہکے اَلاماں کس دن
کسی کی یاد میں تنگ آگے دردِ فرقت سے ‏— نکل گیا دلِ وحشی کدھر۔ کہاں۔ کس دن
بہار ہو کہ خزاں۔ ہم قفس کے بندوں کو ‏— ہوا نصیب گلستاں میں آشیاں کس دن
اُڑا کے پَر کی طرح صاف دل کو چُٹکی میں ‏— دیا ہی تیرِ نظر نے پتہ نشاں کس دن
دکھائی دور سے دی دل کی خانہ آبادی ‏— درِ دہن سے نہ نکلا مرے دھواں کس دن
بچا بچا ہی پھرا ڈر سے آہِ سوزاں کے ‏— نہ دور دور رہا ہم سے آسماں کس دن

حسین یکتائے دَوراں۔ موجبِ تائیدِ وحدت ہو
سراپا نور ہو یا امتزاجِ کفر و ملت ہو
صبا میں تازگی۔ گلشن میں فرحت۔ گل میں نکہت ہو
روانی آب میں۔ بُو گل میں۔ آتش میں حرارت ہو
مئے اُلفت کے پیاسے۔ لذتِ دیدار کے بھوکے
ترے کوچہ میں آ نکلے۔ اِدھر چشمِ عنایت ہو
حلاوت کے۔ ہلاکت کے۔ مزے دونوں ہیں آنکھوں میں
گھُلا دو زہر کے پیالوں میں جیسے گُل کا شربت ہو
مقدر پھر نئے سر سے بنایا جا نہیں سکتا
بھلی ہے اپنی قسمت۔ ہو۔ بُری ہے اپنی قسمت ہو
یہ ارمانوں سے کہدو پاس جو تھا اس نے لوٹا
دھرا اب کیا ہے جو ناخواندہ مہمانوں کی دعوت ہو
ترے نقشِ قدم میں ہیں ہزاروں خُلد کے نقشے
کوئی ڈھونڈے۔ کہیں زیرِ قدم پامال جنت ہو

فصل گل آئی گئی تیرا بھلا صیاد ہو ہائے اتنا بھی نہ پوچھا شاد یا ناشاد ہو
تیغ اٹھتی ہی نہیں خنجر سنبھلتا ہی نہیں اس نزاکت پر ستم ہے مائل بیداد ہو
اس قدر ذوقِ اسیری ہے طبیعت میں مری سب سے کہتا ہوں چلو لیکر جہاں صیاد ہو
ہے زمانہ سے نرالا اُس کا اندازِ ستم اے دلِ نالاں انوکھی طرز سے فریاد ہو

پوچھو نہ وجہ گریۂ بے اختیار کی یاد آئی بلبلوں کو خزاں میں بہار کی
رونا ہے ابر دیدۂ گریاں کے سامنے کرتی ہے برق نقل دلِ بیقرار کی
آنا ہے فاتحہ کے لئے تو شتاب آ ہم مر مٹوں میں جان کہاں انتظار کی
رعنا کو کیوں جلاتا ہے اے آسماں عبث
یہ ہے چراغِ بزم نہ شمع مزار کی

ہونے کو سحر آئی - اب شب میں رہا کیا ہے سوتا ہے مسافر تو - کر ہوش بجا کیا ہے
دل اُس سے لگائیں کیا - دل اسپہ جتائیں کیا عقبیٰ کی خبر کس کو - دنیا کی ہوا کیا ہے
جیتے ہیں نہ مرتے ہیں - مرتے ہیں نہ جیتے ہیں ایسوں کی دوا کیا ہو - ایسوں کی دعا کیا ہے
زاہد نے مئے احمر - پی چھان کے - کی حکمت چھٹتے ہی کہا دارو - میں نے جو کہا - کیا ہے؟
سرگوشیاں کرتی ہے - تنہائی میں ہر گل سے بتلا تو ترے دل میں - اے بادِ صبا کیا ہے
جب دل کہیں آتا ہے - کیا اُسپہ گذرتی ہے کون اِس سے نہیں واقف - تمسے بھی چھپا کیا ہے

مر کر ملی زمین جو دو گز مزار کی ہے ایک کائنات گدا تاجدار کی
آنکھیں پھرا رہی ہیں کسی کی تلاش میں گردش نہیں گئی مرے لیل و نہار کی
وہ گل نہیں رہا وہ مرا دل نہیں رہا داغ ایک چیز اُس کی رہی یادگار کی
رتبہ بڑا ہے ضبط کا - اتنی خبر تو ہے کیا کیجئے کہ بات نہیں اختیار کی
دستِ جنوں نے چاک کیا جامۂ شکیب بالکل قباء صبر و سکوں تار تار کی

کردے تو فیصلہ میری قسمت کا ایک بار — اے چرخ۔ چھیڑ خوب نہیں بار بار کی
درپردہ میرے زمزمۂ حق پہ کان ہیں — ظاہر میں سُن رہا ہوں صدا تار تار کی

جراحت زیرِ شمشیرِ نظر ہے — نمائش کی زمانہ پر نظر ہے
خیالِ نقشِ پا ہے مہر و مہ پر — حسینوں کی بڑی اونچی نظر ہے
ہیں مستانِ محبت واقفِ راز — وہی ہے باخبر جو بیخبر ہے
کوئی آرام کیا پائے زمیں پر — کہ سر پر آسمانِ فتنہ گر ہے

خداوندِ دو عالم رحم کر وہ وقتِ پستی ہے — زمیں زیرِ قدم ہر گام دو دو ہاتھ دھستی ہے
ٹپکتا ہے لہو آنکھوں سے نالے ہیں لبِ دل پہ — وطن کی شکلِ مسکیں سے بڑی غربت برستی ہے
یہاں بھی چین سے سونے نہیں دیتا ہمیں کھٹکا — زمینِ گور کو سمجھے تھے ہم راحت کی بستی ہے
کسی کی جان ہے لب پر کسی کا دم ہے آنکھوں میں — فلک پر اپنے جانبازوں کو خاکِ ہند کستی ہے

عیوض زر کے دعائے خیر دیدیتے ہیں سائل کو
ہمارا دل غنی ہے گرچہ رعنا تنگدستی ہے

بیٹھے بٹھلاے اسیرِ زلفِ پیچاں ہو گئے — لو مبارک حضرتِ دل پا بہ جولاں ہو گئے
بار کاندھوں پر مرے انبارِ عصیاں ہو گئے — مختصر۔ دنیا سے اب چلنے کے ساماں ہو گئے
آنکھ کا پردہ جو تھا کچھ اُن کو منظورِ نظر — دل کے پردہ میں رہے۔ ظاہر میں پنہاں ہو گئے

جلوہ فرما کہ تحیر میں نظر ہو جائے — عالمِ ہوش مرا زیر و زبر ہو جائے
ہم بھی ہیں ایک ہوا خواہِ چمن او بُلبل — کہہ تو دے پیکِ صبا سے کہ ادھر ہو جائے
شام ہے۔ دوریِ منزل ہیں تھکے ماندے ہیں — ایسی صورت ہو کہ آسان سفر ہو جائے
موت بھی مانگوں تو بڑھ جا کے مری قیدِ حیات — تیر بن کر جو قضا آئے سپر ہو جائے

طور پر کون چڑھے بہرِ عبادت رعنا
آؤ اک سجدہ سرِ راہ گذر ہو جائے

لیکے بارِ جرم و عصیان و خطا سر پر چلے
کس لئے آئے تھے اِس دُنیا میں ہم کیا کر چلے
لوحِ قسمت میں ازل سے تھا جو کچھ لکھا ہوا
کر کے سارے کام وہ ہم جانبِ محشر چلے
اے جنوں پاؤں میں جسکے آبلے ہوں سیکڑوں
کس طرح صحرائے وحشت میں وہ کانٹوں پر چلے
تو سمندِ ناز پر ہو۔ ہم رکابی میں تری
پاؤں اپنے سر پہ رکھکر فتنۂ محشر چلے
رُخ پھرا رعنا مجازی سے حقیقی کی طرف
پاؤں پیدا کر جو سوئے دوست بے رہبر چلے

جلوہ فرما ہر طرف جب نور وہ اپنا کریں
کیوں نہ حیرت ہو ہمیں ہم کیوں نہ پھر چیں کیا کریں
کس جگہ سر کو جُھکائیں کس جگہ سجدا کریں

اے فلک کبتک رہیں ہم مرضیِ صیاد پر
کیوں نہ اب اُڑ جائیں کھڑکی توڑ کر پر کھول کر
موسمِ گُل آگیا بیٹھے قفس میں کیا کریں

صبحدم بادِ سحر کیونکر اُڑا کر لے گئی
بوئے گل کو آنکھوں آنکھوں میں جُرا کر لے گئی
جو ہُوا ہو جائے کیا اُس چور کا پیچھا کریں

رعنا۔ پنڈت سورج نراین رینہ صاحب بی۔ اے خلف پنڈت شام نرائن رینہ صاحب مقیم سرینگر کشمیر۔

آپ نے کشمیر ہی میں ہوش سنبھالا اور ایک عرصہ تک ریاست کشمیر میں مختلف عہدوں پر مامور رہے۔ آپ حقیر مولّف تذکرہ ہذا (ج۔ن) رینہ کے حقیقی چچازاد بھائی ہیں۔

جلوۂ وحدت کند بیدار بر افگن نقاب
بے حجابان را حیا کے میشود زنجیر پا
چاک کردہ بے حجابی پردۂ پندار را
بے حجابان را حیا کے میشود زنجیر پا
بے حجابی نورِ مہر و مہ ہویدا میکند
بے حجابان را حیا کے میشود زنجیر پا

ولہ

رندے نداشت تابِ تجلّی ذوالجلال
گمراہ گشت و حکم خدا را بہانہ ساخت
دل را بہ ہجر بردو غمم داد در بدل
این جور و جبر کرد و رضا را بہانہ ساخت



پوچھتے ہیں سب کہ رعنا کون ہے　　نام ہو گمنام تو بتلائے کون

پنڈت سورج نرائن رینہ۔ رعناؔ

چشمِ نگاہ رحم ازو داشتم ولے — تاخیر کرد و صبح و مسارا بہانہ ساخت
پرسیدمش کہ این خلشِ جان چہ میدہی — اغماض کرد و عارض و سمارا بہانہ ساخت

مارا بکشت و باز بخون دست سرخ کرد
این حیلہ اش بہ بین کہ حنارا بہانہ ساخت

شکوہ سنجی ست نہ زیبا بمکافاتِ عمل — وہ نفہمد کہ درین حکمت یزدانی چیست
مضطرب شد دلِ عابد ز فراقِ معبود — چون میسّر شدہ دیدار پریشانی چیست
جذب صادق دلِ روشن۔ و بصیرت درکار — رو بخلوت و بیاموز کہ عریانی چیست
طالبی جلوۂ معشوق تو خود را بشناس — بین کہ در گوشۂ دل لمعۂ نورانی چیست

ولہ

پڑھو پستکوں کو سنو وید کو تم — بھرے اُن میں ہیں واکھیاں کیسے کیسے
کریں مرد تو شادیاں جتنی چاہیں — ہیں بیوہ کے حق میں گماں کیسے کیسے
سہیں طعن و تشنیع خاموش رہکر — روا انپہ ہیں ظلم یاں کیسے کیسے
قوانین قدرت سے منکر ہوئے ہیں — یہ پیدا ہوئے جاہلاں کیسے کیسے
گریباں میں مُنہ ڈالکر کچھ تو سوچو — زمانہ دکھائے سماں کیسے کیسے

جہالت و خود غرضی و بغض و نخوت
یہ ادبار کے ہیں نشاں کیسے کیسے

کوئی بیوگاں کی بُکا کو تو سُن لے — یہ کیا قوم میں اب ہوا چاہتا ہے
رواں اشک ہیں اُن کی آنکھوں سے پیہم — یہ سیلاب طوفاں ہوا چاہتا ہے
یہ لامذہبی ہندوؤں کی ہے کیسی — زمانہ دگرگوں ہوا چاہتا ہے

نمودار رعنا ہیں آثار ایسے
نگوں چرخ گردوں ہوا چاہتا ہے

رفیق - پنڈت لچھمی نراین صاحب بنارسی خلف پنڈت آفتاب رائے صاحب

درغمت خونِ دل بینائے شراب است امشب | جام در شوق لبت چشم پرآب است امشب

ولہ

جگرم خون شد واز چشم چکیدن باقیست | بعد ازیں بیتو ندانم کہ چہ دیدن باقیست

رکن - پنڈت کشوری لال ٹوپہ صاحب خلف پنڈت موہن لال ٹوپہ صاحب دہلوی

آپ کے کلام کا ایک مختصر مجموعہ طبع ہوچکا ہے۔ایک مدّت دراز سے فکر سخن کی طرف آپ نے توجہ نہیں کی ہے۔

انتخاب ساقی نامہ سال نو بابت ۱۹۰۸ء

اے ساقیِ دلنواز آنا | ساتھ اپنے مے وصراحی لانا

ایک ہاتھ میں جام ہو بلوریں | جس میں ہو بھری شراب رنگیں

ہو دوسرے ہاتھ میں وہ مینا | قُلقُل کی ہو جو صدائیں دیتا

ہاں کھولدے کاگ دخت رز کی | دکھلادے مے طرب کی شوخی

جو ہووے ولایتی وہ دیجو | اوردام بھی چوگنے ہی لیجو

اک سال سے منتظر ہیں بیٹھے | اورخون جگر ہیں رند پیتے

ساقی ترا میکدہ ہو آباد | ناشادوں کا کردے آج دل شاد

وہ مے کہ ہو شوخی میں قیامت | ہر قطرہ میں جسکی ہو شرارت

گلرنگ ہو اور دو آتشہ ہو | دیکھے اُسے جو کوئی نشہ ہو

میخواروں کو بیخودی میں لائے | نیرنگی کا ماجرا دکھائے

نے پا کی خبر نہ سر کا ہو ہوش | افکار زمانہ ہوں فراموش

نے دل میں خیال دلربا ہو | نے سینہ میں آرزو ذرا ہو

نے سر میں سر پری وشاں ہو | نے آنکھوں سے دید گلرخاں ہو

ہوں گوش کچھ اس طرح سے مدہوش | سیماب ہو جس طرح ہم آغوش

کچھ تجھکو خبر ہے پیر فرتوت　　کیا کیا نہ کئے ہیں اس نے کرتوت
گردش ہوئی آسماں کی کیسی　　آفات زمیں پہ آئیں کیسی
کس ملک پہ تھا وبال نازل　　کس ملک پہ تھا زوال کامل
کس شاہ سے بخت تھا مساعد　　کسکا ہوا ملک و مال زائد
کس دیس پہ آگئی مصیبت　　کس ملک کو کھا گئی عداوت
دے جام کہ ساقیا سنادوں　　حالات گذشتہ سب بتادوں

ہاں سن لے قصیدہ دل لگاکر
تمہید کا خاتمہ ہے اس پر

عالم یاس ہے تاریکی ہے تنہائی ہے　　شب فرقت میں نہیں کوئی بھی دلبر اپنا
مجھ سا بدبخت زمانہ میں نہ ہوگا کوئی　　دل ہے قابو میں نہ پہلو میں ہے دلبر اپنا

رنج جھیلے بتوں کے اُف نہ کیا　　اے دلِ غمگسار کیا کہنا
کوبکو خاک چھانی ساری عمر　　گردشِ روزگار کیا کہنا

ایک ٹکٹکی سی بندھ گئی بس رُک گیا قلم　　مضمون سوجھا جب نگہِ انتظار کا
کہتا ہے مجھسے دل کہ ہوں مجبور کیا کروں　　یہ طفلِ اشک اب نہ رہا اختیار کا

خدا کے سامنے اے رکن ہوگا　　ہمارا ہاتھ اور دامن کسی کا

دمِ تحریر جوشِ وحشت میں　　کچھ کا کچھ میں نے لکھدیا مطلب
لبِ لعلیں سے اپنی زندہ کرو　　معجزِ عیسوی سے کیا مطلب

لغزش ہے پائے ساقیِ میکش کو بے طرح　　ڈر ہے نہ آفت آئے سرِ جام پر کہیں

آگ تھی کیا گرم خونِ عاشقِ دلگیر میں　　کس طرح چھالے پڑے قاتل تری شمشیر میں

کسی کی یاد میں دل کو لگائے بیٹھے ہیں　　ہم اپنا گلشنِ ہستی مٹائے بیٹھے ہیں

دولت قرار سے نہیں رہتی ہے ایک جا اِس کا ہے قاعدہ اِدھر آئی اُدھر گئی
معبود کو نہ رتن کبھی یاد بھی کیا یہ عمر ساری مفت میں یوں ہیں گذر گئی
سادگی سے نہیں بہتر ہی کوئی نقش و نگار اس لئے گل کو پسند ایک بھی زیور نہ ہوا

مجھ مصیبت زدہ مسافر سے کیا نشاں پوچھتے ہو منزل کا
قیس کی نکلے حسرتِ دیدار گر اُلٹ جائے پردہ محمل کا
اک نظر آکے دیکھ او قاتل دم نکلتا ہے تیرے بسمل کا

رتن دیوانہ بن گئے ہو کیوں
عشق ہے کس پری شمائل کا

کیسے گھبرائے ہوئے بے چین ہو حالت کیا ہے خیر ہے حضرت دل آج یہ وحشت کیا ہے

رندؔ۔ پنڈت کنور کرشن کول صاحب مقیم بنارس

وہی نہیں ہے تو لطفِ بہار کیا ہوگا شراب و شیشہ گل و سبزہ زار کیا ہوگا
ہم اپنا حالِ دلِ زار و دردِ پنہانی کہیں ہزار اُنھیں اعتبار کیا ہوگا
سرورِ بادۂ ہستی کے ولولے دیکھے الٰہی دیکھیں اجل کا خمار کیا ہوگا
ازل سے جن کے مقدر میں ہے سیہ بختی لحد پہ اُن کی چراغِ مزار کیا ہوگا
مٹا کے قبر مری ٹھوکروں سے یوں بولے نشانِ ننگ یہ مشتِ غبار کیا ہوگا
مرے گناہ کی دھمکی نہ دے نکیر مجھے قوی ہے رحمتِ پروردگار کیا ہوگا

کہا جو رند نے کچھ عرض بھی تو فرمایا
پُرانا رونا وہی بار بار کیا ہوگا

مجھے حیرت ہے میں خود کیوں نہاں ہوں یوں عیاں ہوکر
جُدا اپنے سے ہوں کیوں آپ اپنے درمیاں ہوکر
تپش جو دل میں ہے کس سے کہوں وہ آگ بھڑکی ہے
مری آہیں نکل آئیں کلیجے سے دھواں ہوکر

بچا تھا ایک دل لے دے کے اپنا مونس و ہمدم
چلا آنکھوں سے آخر آج وہ بھی خوں چکاں ہوکر

ہمارے داغ ہائے دل کی وقعت آپ کیا جانیں
پس مردن یہ چمکے آسماں پر کہکشاں ہوکر

مجھے دھمکی ہے روز حشر بھی پنبہ دہن رہنا
کرینگے کیا جو بول اٹھا مرا ہر مو زباں ہوکر

الٰہی خیر ہو جانِ حزیں کی سخت مشکل ہے ۔۔۔ وہی آتے ہیں قابو میں نہ قابو میں مرا دل ہے
عبث گل ہائے تر کا خون کیوں گلچیں نے کر ڈالا ۔۔۔ ذرا سن باغباں گلشن میں کیا شورِ عنادل ہے
بیاں لذّتِ زخم جگر کا اب مزہ آیا ۔۔۔ دہانِ زخم بسمل میں زبانِ تیغ قاتل ہے
نہیں ہے فرق ظاہر اور باطن عشق کامل میں ۔۔۔ کبھی لیلےٰ ہے محمل میں کبھی لیلےٰ میں محمل ہے

کہیں کیا رندؔ تم سے حال ہم اپنی تباہی کا
سفینہ غرقِ دریا ہوگیا اور پاس ساحل ہے

رند۔ پنڈت گنگا پرشاد پارمو صاحب لکھنوی خلفِ پنڈت ڈیبی پرشاد صاحب پارمو۔ جوان خوشرو و خجستہ خو مشرب رندانہ رکھتے تھے سررشتہ دار عدالت آگرہ رہ کر تحصیلدار و افسر پولس مقرر ہوئے اور ایک عرصہ تک میرٹھ۔ بریلی۔ بجنور۔ فرخ آباد۔ آگرہ۔ متھرا میں بہ سلسلہ ملازمت اقامت پذیر رہے۔ گلشنؔ ہمیشہ بہار میں لکھا ہے کہ نظیر الدین حسین شایقؔ سے اصلاح سخن لیتے تھے اور مصنّف کے بلاتکلّف دوست تھے بقول شیفتہؔ جرأتؔ کے شاگرد تھے اور یہی قول صفیرؔ بلگرامی کا ہے۔ ڈپٹی عبد العلیم اُن کی رعنائی جامہ زیبی۔ خوش خلقی۔ رنگین مزاجی۔ ہر دلعزیزی۔ انداز منشی۔ شگفتہ طبعی کی بیحد تعریف کرتے ہیں اور فی الحقیقت ان کی طبیعت کا رنگ کلام سے اچھی طرح ظاہر ہے زبان بہت صاف شیریں روزمرّہ پاکیزہ۔ محاورات کا استعمال بہت مناسب طریقہ سے کرتے ہیں مضامین میں تازگی اور خیالات میں جدّت اور نفاست ان کا حصّہ ہے۔

سیل تھوں تھا جو بہا آنکھوں سے ۔۔۔ تم نے دل کو نہ جگر کو دیکھا
دیکھ پھر ہم کو نہ دیکھیگا کبھی ۔۔۔ یار جو تو نے اُدھر کو دیکھا
نہ تو کی نالۂ شب نے تاثیر ۔۔۔ نہ اثر آہ سحر میں دیکھا
حسن پریوں کا سنا کرتے ہیں ۔۔۔ عشق دیکھا تو بشر میں دیکھا

اب تو چارہ کوئی باقی نہیں بیچاروں کا ۔۔۔ آخری وقت ہے پیارے ترے بیماروں کا
دنیا میں نہ ہو شیفتہ انسان کسی کا ۔۔۔ دل ہاتھ سے جاوے نہ مری جان کسی کا

مل چکا میں خاک میں اور دل میں ہے تیرے غبار ۔۔۔ جاں۔ مجھے اس قدر کس نے مکدّر کر دیا

سو بار میں اُس کوچہ میں جا شور کر آیا ۔۔۔ یہ بھی نہ کہا اُس نے کہاں تھا کدھر آیا
کیا خاک توقع ہو بھلا زیست کی یارو ۔۔۔ جب اشک کے ساتھ آنکھوں سے لختِ جگر آیا
سچ ہے کہ جو آ بنتی ہے جی پر تو عزیزو ۔۔۔ سوجھے ہے پھر اُس وقت نہ اپنا نہ پرایا
دم رکنے لگا نبضیں چھٹیں بیٹھ گئے دانت ۔۔۔ تس پر بھی وہ بے رحم نہ لینے خبر آیا

جلاتی ہے تپِ عشق آہ جیتے جی بدن میرا ۔۔۔ موے پر یا الٰہی کب یہ چھوڑیگی کفن میرا

ولہ

جی میں آوے ترے مل خواہ تو مت مل آکر ۔۔۔ پر وفاداروں کے ٹلتے ہیں کہیں دل آکر

ولہ

کوئی پھول گلشن میں تجھ سا نہ پھولا ۔۔۔ ہوا جب سے تو آشکارا زمیں پر
تری راہ میں فرش ہیں دیدۂ و دل ۔۔۔ نہ رکھ پاؤں پیارے خدارا زمیں پر

قطعہ

ہم اُٹھ تو چلے تری گلی سے ۔۔۔ لیکن دلِ زار ناتواں کو
پھر دیکھئے آہ اپنی تقدیر ۔۔۔ لیجاتی ہے اب کہاں کہاں کو

ولہ

بدن ہے یا سمن یا نسترن ہے ۔۔۔ الٰہی قد ہے یا سرو چمن ہے
خیالِ زلف میں رہنا پریشاں ۔۔۔ ارے دل یہ ترا دیوانہ پن ہے
جہاں وہ گلبدن ہو جلوہ فرما ۔۔۔ اگر بن ہے تو پھر وہ بھی چمن ہے

ولہ

نکلا کبھی نہ گھر سے وہ بے رحم ور تلک ۔۔۔ چوکھٹ سے اُسکی مر گئے سر مار مار کے

کئے زخم جگر کے ہائے درماں کتنے ہی ہمنے
گئے آخر کو مر۔ ہم۔ پر نہ کی تاثیر مرہم نے

ولہ

کاش وہ ترکِ خطا کاکل پیچاں باندھے
بے خطا جاتے ہیں زنّت گبر و مسلماں باندھے

ولہ

بھلا وحشت نہ کیونکر فصلِ گل میں دل کو ہو اے **رند**
لئے بادِ بہاری ہاتھ میں زنجیر پھرتی ہے

ولہ

رواں ہیں لختِ دل آنکھوں سے اور چہرہ پہ زردی ہے
یہ ہے کیا رنگ ہے ہے اور یہ کیا گل کھلا پیارے

گریباں چاک سر پر خاک لب خشک اور آنکھیں تر
زباں پر آہ اور دل یوں رہا ہے مبتلا پیارے

خدا حافظ ابھی سے ہے اگر یہ عشق کی گرمی
تو جلدی حال ہوگا **رند** کا سا آپ کا پیارے

فصلِ گل ہے اور ہنگامِ شباب — ہاں مغنّی نغمۂ چنگ و رباب
جرعۂ مے حضرتِ پیرِ مغاں — اب ثواب اس میں ہو صاحب یا عذاب
دیکھ اس بحرِ فنا میں آنکھ کھول — **رند** چشمک تجھ پہ کرتا ہے حباب

مانتے ہو گر برا معشوق کہنے سے تو جان — ہم تمھیں مشہور اپنا چاہنے والا کریں
آنکھ مجلس میں لڑایا مت کرو ہر ایک سے — تم ہمیں دیکھا کرو اور ہم تمھیں دیکھا کریں
جاویں گر کوچہ میں اُس کے تو ہے بدنامی کا ڈر — اور نہ جاویں واں تو کب تک ہجر میں تڑپا کریں
سخت مشکل ہے غرض کچھ بن نہیں آتی ہے بات — یوں کریں تو کیا کریں اور ووں کریں تو کیا کریں

بزمِ خوباں کو جو ساتھ انکے لگا میں چلنے — تو لگے کہنے طبیعت کہیں آئی ہوگی
خیر چلنے کو تو چل پر یہ ذرا رکھیو یاد — گر کہیں آنکھ لڑائی تو لڑائی ہوگی

دمبدم لب پہ آہ جاری ہے — بیقراری سی بیقراری ہے
جو وہ گلرو نہیں چمن میں تو آب — بوے گل سے دماغ بھاری ہے

دل کسی قدرداں کو دینگے رندؔ　　اب اگر زندگی ہماری ہے

روتا ہوں چپکے چپکے آتا ہے یاد جس دم　　وہ دیکھنا کسی کا نظریں چرا چرا کر

وہی فغاں ہے وہی آہ ہے وہی نالہ　　خدا کے فضل سے اپنا جو حال ہے سو ہے

ولہ

نہیں پیکاں پہ جو ہر نامہ اس نے تیر پر لکھا　　اشارا قتل کا قاتل نے کس تقصیر پر لکھا

ولہ

عشق تو وہ بد بلا ہے یہاں کہ غارت ہوگیا　　قیس تیرے ہاتھ سے فرہاد تیرے ہاتھ سے

دیکھ کر تصویر ہی لاچار ہم بہلائیں جی　　کھچ سکے شکل اُس کی گر بہزاد تیرے ہاتھ سے

اے جزاک اللہ مدت بعد سنتے ہیں کہ رندؔ

پھر ہوا ہے دشتِ قیس آباد تیرے ہاتھ سے

مارا مجھے ترسا کے جو بے ترس خدایوں　　کیا ہاتھ ترے او بُتِ بیداد گر آیا

یہ حال ہے میرا کہ تڑپتا ہوں شب و روز　　بے مہری پہ جب سے کہ وہ رشکِ قمر آیا

رنگینؔ۔ پنڈت دیانا تھ صاحب۔ آپ کے حالات معلوم نہ ہو سکے۔

عکسِ گل بر سبزۂ تر در چمن افتادہ است　　یا کہ مینائے شکست از دستِ مستانِ بہار

غنچہ زد ہر چند مُہرِ خامشی بر لب ولے　　خندۂ گل کرد افشار ازِ پنہانِ بہار

رونقؔ۔ پنڈت پریم ناتھ سادھو صاحب۔ آپ کے کچھ حالات معلوم نہ ہو سکے۔

کوئی ارماں نہ نکلا بے بقا گلزارِ دنیا میں　　کلی پژمردہ دل کی رہ گئی وقتِ خزاں ہو کر

کہاں تک درد ہو رونقؔ مرا منت کشِ ہستی　　کوئی آئے خبر گیری کو مرگِ ناگہاں ہو کر

کب تلک ہو غرور رعنائی　　نازشِ حسن و جامہ زیبائی

اُن پہ لازم تری نگاہِ کرم　　جتنے دل ہیں ترے تمنائی

کیوں نہ آئیگی جاں بلب کے کام　　بے سبب آپ کی مسیحائی

رنگ گیسو ہے طوطیائے نظر　　شمع کو شب ہے وجہ بینائی

تیرے گیسو کی مشکسائی ہے　　دلِ رونقؔ ہوا ہے سودائی

باغ عالم میں دم رہا کس کا　　ہے عبث اپنی خامہ فرسائی



پنڈت منموہن ناتھ رینہ

رینہ۔ پنڈت منموہن ناتھ رینہ صاحب ایم۔اے۔ایل۔ایل۔بی خلف پنڈت جگموہن ناتھ رینہ صاحب شوقؔ ریٹائرڈ ڈپٹی کلکٹر۔

آپ ماہ ستمبر ۱۸۹۲ء میں بمقام فتحپور پیدا ہوئے۔ ۱۹۱۶ء میں آپ نے ایم۔اے کی ڈگری انگلش میں حاصل کی اور ایل۔ایل۔بی کا امتحان ۱۹۱۷ء میں پاس کیا۔ دو برس تک ضلع الہ آباد کی عدالتوں میں وکالت کی اور اُسکے بعد ہائیکورٹ الہ آباد میں اپنا کام شروع کیا۔ اب آپ ایڈوکیٹ ہائیکورٹ کے ہیں۔

اگست سنہ ۱۹۲۰ء میں آپ انگلستان گئے اور پانچ مہینے قیام کرکے واپس آئے۔ آپ کی اہلیہ بھی سفر انگلستان میں آپ کے ہمراہ تھیں۔ آپ کے خسر دیوان پنڈت رادھے ناتھ کول صاحب المتخلص بہ گلشنؔ رئیس لاہور ہیں اور وہ بھی الہ آباد میں مستقل طور پر قیام پذیر ہیں۔

شعروسخن سے رینہؔ صاحب کو خاص دلچسپی ہے۔ آپ کا مذاق سخن ذیل کی غزل سے ظاہر ہوگا۔

کرشمہ دیکھئے گلکاریِ خونِ شہیداں کا
کہ منظر دیدنی ہے حشر میں قاتل کے داماں کا

طلسمِ رازِ الفت ہے کہ کھاتی ہے نظر دھوکا
جو داغِ دل سے پیدا لطف ہے سیرِ چراغاں کا

وفورِ شوقِ نظّارہ نے دل کو محو ہی رکھّا
قفس میں بھی رہا پیشِ نظر منظر گلستاں کا

کہاں ہے جوشِ وحشت کچھ مدد کرنا توانوں کی
کہ ہر ذرہ اذیّت کوش ہے تیرے بیاباں کا

رہینِ منّتِ جوشِ جنوں ہو دستِ وحشت کیوں
ازل سے چاک ہے پردہ مرے چاکِ گریباں کا

تسلّی دی بھی ظالم نے دمِ آخر تو یہ کہہ کر
کہ لے قصہ ہی ہوتا ختم ہے اب درد و درماں کا

جو ہیں اہلِ بصیرت انکو اپنی تلخ ہستی پر
تعجب کیا گماں گذرے اگر خوابِ پریشاں کا

ہم ایسی محفلِ صدق و صفا سے دور ہی اچھے
جہاں ہو بارِ خاطر تذکرہ بھی بزمِ رنداں کا

عدو نے اور میرا دل جلایا خندہ زن ہو کر
اثر اُلٹا جو دیکھا اُس نے میری آہِ سوزاں کا

امید و یاس کی اس کشمکش کو ہائے کیوں سہتے
نہ ہوتا گر یقیں رینا کسی کے عہد و پیماں کا

زار - پنڈت تربھون ناتھ زتشی صاحب دہلوی خلف الرشید پنڈت پرتھی ناتھ صاحب مرحوم تلمیذ داغ دہلوی - آپ نے پرورش و تعلیم و تربیت لاہور میں پائی اور ایام طالب علمی ہی میں حضرت داغ دہلوی کے تلمذ سے بہرہ ور ہوئے طرز گفتار پُر لطف ہے اور خوش بیانی میں فرد ہیں ۱۸۷۱ء سال پیدائش ہے - انگریزی فارسی اُردو ہر سہ زبانوں میں استعداد علمی معقول ہے - پہلے کئی برس دفتر اکزامنر آف اکونٹس لاہور میں کلرک رہے اب اکونٹنٹ ہیں - اوائل عمر میں شمیم تخلص کرتے تھے پھر زار تخلص اختیار کیا - شعر گوئی کا اب آٹھ دس برس سے کم اتفاق ہوتا ہے -

(ماخوذ از خمخانۂ جاوید جلد سوم)

سر کو سودا ئے لبِ جان بخش جاناں ہی رہا ... دل ہمارا آشنائے آبِ حیواں ہی رہا

دل ہمارا قید دامِ زلفِ پیچاں ہی رہا ... عشق میں بھی قائلِ توحید یزداں ہی رہا

پہلے تھا ہندوئے گیسو کا اور اب تل کا قیام ... کعبۂ دل دائم اپنا کافرستاں ہی رہا

اُٹھا جو روئے صنم سے نقاب محمل کا ... فلک پہ پھیکا پڑا رنگ ماہِ کامل کا

خلش جگر میں وہ پیکاں کی درد وہ دل کا ... وہ لب پہ آہ و فغاں وہ تڑپنا بسمل کا

ہے دل میں جلوہ فگن اپنے وہ شہِ خوباں ... بہت بلند ہے رتبہ اس اُجڑی منزل کا

ملے تھے **زار** سے ہم اب تو مر گیا ہوگا
تڑپ رہا تھا پہ تھا نام لب پہ قاتل کا

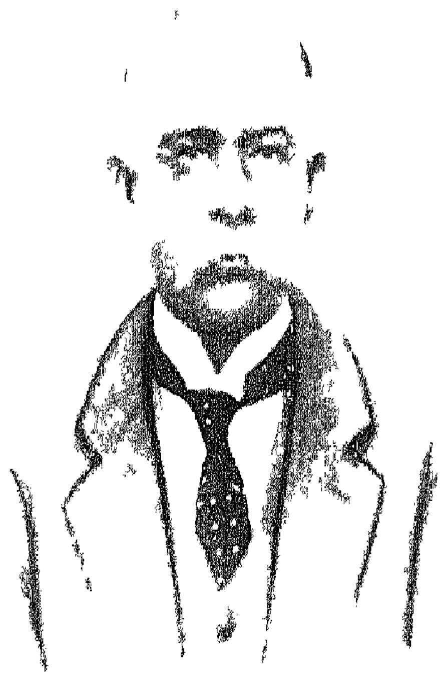
ماہرو وہ نظر آتے ہیں کہ جی جانتا ہے ... داغ بھی ایسے اُٹھائے ہیں کہ جی جانتا ہے

فتنہ پرداز ستمگار جفا جو قاتل ... تو نے وہ فتنہ اُٹھائے ہیں کہ جی جانتا ہے

چھیڑ کر زخم جگر ناوک مژگاں میرا ... تو نے وہ تیر لگائے ہیں کہ جی جانتا ہے

جاں بلب ہوں مر رہا ہوں عشق کا آزار ہے ... رنج مونس - یاس ہمدم - غم گلے کا ہار ہے

کیا کہوں نوکِ مژہ جب سے جگر کے پار ہے ... درد بھی رہتا ہے تو میٹھا عجب آزار ہے



پنڈت تربھون ناتھ زتشی۔ زارؔ

سوزِ دل دردِ جگر کا ہش جاں رنجِ فراق — سیکڑوں عشق میں یارب غمِ پنہاں نکلے
جس طرف دیکھ لیا تو نے بھری مجلس میں — کچھ تڑپتے ہوے نکلے کئی بیجاں نکلے
مَے کہیں جام کہیں اور مرے ہوش کہیں — ہم تری بزم سے کیا بے سروساماں نکلے

دم نکلتا ہے جو کہتا ہوں تو کہتا ہے وہ شوخ
دیکھیں ہم بھی تو تماشا یہ ذرا ہاں نکلے

فارسی

خاکِ رہ پامال رفتاریم ما — نقش پاے کوے دلداریم ما
چون غبار یم و سبکساریم ما — داغ دامنگیرِ آن یاریم ما
گاہ مست و گاہ ہشیاریم ما — دل بہ یار و دست باکاریم ما
بیعت از پیرِ مغان داریم ما — رند عالم سوز و میخواریم ما
مست میخواریم و سرشاریم ما — بے خبر از ذوق ہر کاریم ما
پا بجولان و گرفتاریم ما — جبر مجبوریم و لاچاریم ما
از گنہگار و سیہ کاریم ما — اعتمادِ رحمتش داریم ما
ذرّۂ نوریم و از ناریم ما — کے نظر بر کالبد داریم ما
جان فداے چشم جادوے توئیم — اے ہوادارِ فسون کاریم ما
بسملِ تیرِ نگاہِ ناز دوست — کشتۂ ارمان دلداریم ما
باطل و حق کفر و دین بازیچۂ — غیر از جان ہیچ پنداریم ما
شد دلم ویران و سامان سوختۂ — برقِ غم در دل نہان داریم ما
میکشِ جامِ فنا مستِ الست — غافلانِ خواب ہشیاریم ما
نکتۂ اندر حسابِ ہست و بود — گاہ اندک گاہ بسیاریم ما
حینِ مستی چشم ناز کیف مست — بے نیاز از چشم این داریم ما

چون فنا فی الله بقا باللہ بود — نقشِ این حق الیقین داریم ما

در فراقِ جانِ جان روحِ روان

زار و مهجور و دل افگار یم ما

سنگ اسود بتو ای شیخ چو ایمن کردند — صنمِ بتکده مختص به برہمن کردند

خصلت و خوی بتان صخره و آهن کردند — عوضِ دل برِ شان سنگِ فلاخن کردند

ست داغِ غمِ عشقش به دلِ من کردند — عارضش جنتِ نظارهٔ دشمن کردند

کامرانم نه دهان و لبِ سوسن کردند — نرگسی چشمِ بتان لطف نه برمن کردند

تندبادی بگرفتند نگاهم به نقاب — گلِ رخسار چراغِ تهِ دامن کردند

دهنِ یار مرا غنچهٔ سوسن گفتند — نامزد روی گلِ یار به گلشن کردند

جان بجانان چو سپردم ز مروت احباب — این چه رسمیست که خاکم تهِ مدفن کردند

مرغهای نظرِ بسملِ ز دیده نگاه — تیغ ابروی ترا شاخِ نشیمن کردند

طاق ابروی صنم سجده گه مومن ساخت — ترک چشمش چه فسون ساز و چه پرفن کردند

طلب و حسرت و ارمان و تمنا همه‌ها — جوق در جوق مرتب به دلِ من کردند

زخمهای دلِ من دوخته از لطف نظر — نیر مژگانِ تو هم رشتهٔ سوزن کردند

چشمِ تر آهِ سحر دردِ جگر زارِ نزار

سوزِ پنهانِ مرا بر همه روشن کردند

وقفِ دیدار جمالِ رخِ جانانه شوم — بیخودِ عشق و فنا باشم و مستانه شوم

محوِ ذاتِ تو شوم صرفِ تمنانه شوم — بی غم و بی طلب و بیخود و بیگانه شوم

ای خوشا بخت چو خاکِ درِ میخانه شوم — وقفِ پابوسیِ آن ساقیِ مستانه شوم

فکرِ عقبیٰ نه کنم طالبِ دنیانه شوم — ربط سازم به جنون بیخود و دیوانه شوم

ای خوشا وقت که صهباکش مستانه شوم — سرخوشِ بادهٔ و خود رفته و دیوانه شوم

دلِ صد چاک شوم زلف ترا شانہ شوم
بہ ہوائے لبِ میگون تو پیمانہ شوم

جان فدائے لبِ جان بخش تو جانانہ شوم
حلقہ در گوش توائے گوہرِ یکدانہ شوم

نشوم واقفِ اسرارِ فنِ محو خودی
سالکِ بیخودی و راہ فنا تا نہ شوم

گر دمے جلوہ بفرمائے بہ کاشانۂ ما
گردت اے شمعِ شب افروز چو پروانہ شوم

سوئے کعبہ نروم عزم کلیسا نکنم
بت پرستی کنم و صرف صنمخانہ شوم

بر سرِ تربتِ من فاتحہ آن شوخ نخواند
تا کہ منت کش اعجازِ مسیحانہ شوم

کعبۂ دینِ منی قبلۂ ایمانِ منی
بندہ ات چون بخدا کافرِ ترسا نہ شوم

ہمچو منصور سرِ دار انا الحق کہ بگفت
سرِ حق وا کنم و صاحبِ افسانہ شوم

دل و دین کرد سہ زار فسونِ چشمش
چارہ جو چون ز لبِ لعلِ مسیحانہ شوم

خود نما خود بیں وہ جب صرفِ خود آرائی ہوا
غرقِ حیرت دم بخود جلوہ تماشائی ہوا

شیخ نے دیکھا حرم میں برہمن نے دیر میں
کیسے پردہ میں رہا جو شوخ ہرجائی ہوا

مٹ گیا نقشِ صفات اور دل میں چمکا نورِ ذات
فارغ البال تمنا قلب شیدائی ہوا

کفر ایماں ہو گیا - عشاق کا ایمان - کفر
جلوہ گر کثرت میں جب وہ حسنِ یکتائی ہوا

شادکامِ دید ہے بیگانگیِ ہوش میں
عشق کے اندیشے کو حاصل نورِ بینائی ہوا

اہلِ دل دل میں مزے لیتے تھے بے چرچا کئے
وجہ نشرِ راز کیوں منصور سودائی ہوا

اپنے ذمہ لے لیا روزِ ازل الفت کا غم
ناتوانِ عشق کو زعمِ توانائی ہوا

بس رہا ہے جسم و دل میں زار کے وہ جانِ جاں
فصل میں بھی وصل اُس کا شغلِ تنہائی ہوا

نہ وقفِ خود نمائی گر وہ حسنِ پُر ضیا ہوتا
نہ عشق آتش زنِ سامانِ غیرت آشنا ہوتا

اگر دل بے خبر اور بے اثر رہتا تو کیا ہوتا
بھلا ہوتا بُرا ہوتا مقدر کا لکھا ہوتا

نہ دوزخ ہے نہ جنّت شیخ بس اللہ ہی اللہ ہے ۔۔۔ یہ تیرا دہم مٹ جاتا مقدّر گر رسا ہوتا
جب آئے جانبِ ہستی خودی کی چھا گئی مستی ۔۔۔ ڈبویا ہم کو ہونے نے نہ ہوتے ہم تو کیا ہوتا

تمنّا وصل کی اے زارؔ وجہ فصل ٹھہری ہے
جو ہوتی بے تمنائی حصولِ مدّعا ہوتا

رازِ کیا اس سوز و سازِ شمع و پروانے میں تھا ۔۔۔ لطف اک حاصل سراسر اُن کو جل جانے میں تھا
سرخوش و سرمست ہر اک رند بنجانے میں تھا ۔۔۔ جذبۂ پیرِ مغاں کا رنگ پیمانے میں تھا
خانقاہ و مسجد و کعبہ میں تھی جس کی تلاش ۔۔۔ جان تیکر وہ مکیں ہر دل کے کاشانے میں تھا
ذات نورِ پاک تھی اور میں حجابِ ذات تھا ۔۔۔ جلوۂ جاں پردۂ پندار اُٹھ جانے میں تھا
بے خبر دنیا و ما فیہا سے ہیں رندانِ مست ۔۔۔ کیا سرورِ سرمدی مدہوش ہو جانے میں تھا
لامکاں کا کیا مکاں اور بے نشاں کا کیا نشاں ۔۔۔ جستجو کا خبط پر الفت کے دیوانے میں تھا
آج جس کعبہ پہ اتنا ناز ہے مومن تجھے ۔۔۔ بات کل کی ہے شمار اُس کا صنم خانے میں تھا
اس خراب آباد میں آباد تھا کس کا خیال ۔۔۔ کس کا پرتو نور افشاں دل کے ویرانے میں تھا
کس کی تصویرِ تصوّر قلب کی تسکیں ہوئی ۔۔۔ بزم آرا کون آنکھوں کے جلو خانے میں تھا

بیخودی کی عافیت تھی حاصلِ عشق و فنا
یار کا اے زارؔ پانا اپنے کھو جانے میں تھا

ہر وقت دل میں ہے مرے پیکانِ اضطراب ۔۔۔ تیرِ مژہ کا دل سے ہے پیمانِ اضطراب
پھر غمزدوں کے دل کو ہے میلانِ اضطراب ۔۔۔ پھر شادماں ہیں گوشہ نشینانِ اضطراب
آ ہی نہ جائیں مجھکو ہے دل جن کا انتظار ۔۔۔ ساماں تو کر لے بے سر و سامانِ اضطراب
یہ عمر کٹ گئی مری امید و بیم میں ۔۔۔ قربانِ انتظار رہیں قربانِ اضطراب
غم کھا کے پی کے خونِ جگر ہم جیا کئے ۔۔۔ پوچھو نہ ہمسے لذّتِ پنہانِ اضطراب
پوچھو نہ غمزدوں سے مزے دردِ ہجر کے ۔۔۔ جان ان کی اضطراب ہے یہ جانِ اضطراب

بیروں ہے حرف وصوت سے میری حدیثِ غم — ہے یہ حدیثِ بسمل پیکانِ اضطراب
غم پروری ضبط محبت ہے شانِ عشق — اخفاے رازِ درد میں ہے آنِ اضطراب
ہے آرزوے دید کہ ہے اب بھی انتظار — وا نزع میں ہیں زار کی چشمانِ اضطراب

دیگر

آگیا ہے ہاتھ دیوانوں کے دامانِ بہار — ہے گریباں چاک یوں چاکِ گریبانِ بہار
مست ہیں مخمور ہیں سرخوش ہیں رندانِ بہار — ہیں خراب چشمِ ساقی میگسارانِ بہار
ایک وہ ہیں جن کو ہے مدت سے ارمانِ بہار — ایک یہ افسردہ دل میرا پشیمانِ بہار
عندلیبِ زار ہے وارستہ و شیدائے گُل — گُل ہم آغوشِ صبا شادان و فرحانِ بہار
مضطرب دل ہے مرا سرمایہ دارِ اضطراب — ہوں جہان بھر میں فقط میں اک پریشانِ بہار
وہ جنوں ساماں ہوں میں وحشیِ صحرا پسند — ہے بیاباں میری نظروں میں خیابانِ بہار
بسملِ تیغ نگاہِ ناز قاتل ہے کہ ہے — چاک دامانِ جنوں خاطر پریشانِ بہار
آرزو ارماں تمنا شوقِ حسرت انتظار — ہاے تیری آفتیں مہجورِ خوبانِ بہار

زار ہے آشام کرکے دین وایماں رہنِ مے
جان و دل سے ہے فداے مے فروشانِ بہار

دل ہمارا ہمیں ملتا ہی نہیں — جیسے پہلو میں کبھی تھا ہی نہیں
یہ نہ کہیئے کوئی ہمسا ہی نہیں — آئینہ آپ نے دیکھا ہی نہیں
حُسن میں چوُر ہے آنکھیں مخمور — نور کی شکل ہے یکتا ہی نہیں
آنکھ لڑتے ہی قیامت آئی — دل سنبھالے سے سنبھلتا ہی نہیں
تجھپہ عالم کی نظر اُس پہ تری — خوب پردا ہے کہ پردا ہی نہیں
کیا اُبھارا ہے اُنھیں غیروں نے — ہمسے اب میل گوارا ہی نہیں

مجھسے کہتے ہیں وہ باصد انداز
زار اب تو مرا شیدا ہی نہیں

رطب اللساں ثنا میں تری اہل قال بھی — گویا خموشیوں میں ترے مست حال بھی
کیوں ذوق دید ہے تجھے اور حسرتِ جمال — اے دل سنا ہے وادیٔ ایمن کا حال بھی
پندار جہل۔ وہم۔ خودی شر انانیت — عرفان رہ نجات سبیلِ وصال بھی
شوریدگان عشق ہیں مدہوش و حیرتی — ہیں کیف مست اور ہیں محوِ جمال بھی
الحاق جسم و جاں کا ہے ہنگامۂ عظیم — کُل سے ہے جز کی یہ جہتِ انفصال بھی
کیسی بقا کہاں کی فنا مرگ و زیست کیا — بینا نظر میں ایک ہے ماضی بھی حال بھی

جب زار درمیاں سے ہٹا پردۂ خودی
پھر جلوۂ جمال بھی ہے اور وصال بھی

دل کو قرار منزلِ عشق و فنا میں ہے — رنج و تعب سوا ہوسِ ماسوا میں ہے
مسکن حبیب کا دلِ اہلِ صفا میں ہے — جلوہ جمال کا اسی خلوت سرا میں ہے
مدہوش عشق بیخود و مستِ الست ہے — بے لوث شرک زمرۂ اہلِ فنا میں ہے
عالم نظر فریب ہے رہ دل الگ تھلگ — نکہت گلوں کی جیسے کہ بادِ صبا میں ہے
طالب سکونِ عشق سے مطلوب ہو گیا — مطلوب طالب طلبِ آشنا میں ہے
غوّاص بحر عشق کا حصہ ہوئی نجات — غفلت شعار فکر جزا و سزا میں ہے

اُلفت پرست زار کا کسب کمال کیا
دنیا کو چھوڑ چھاڑ کے یادِ خدا میں ہے

مریضِ غم ہوں عاجز ہو چکا ہوں دردِ ہجراں سے — مسیحائی کرو بدلو نہیں کو اپنی تم ہاں سے
پھریں اعدا سے ہوں وہ ملتفت مایوس ارماں سے — کبھی یوں بھی ہو یارب گردشِ گردونِ گرداں سے
کسک دردِ جگر کی ہے الٰہی جسکے پیکاں سے — رہے قائم خلش بھی دل میں اسکے تیرِ مژگاں سے
دوا کیسی دعا کیجے کہ مشکل ان کی آساں ہو — خدا بخشے مریضِ عشق درگذرے ہیں درماں سے
بہ فیضِ سوزِ الفت داغہائے دل بھڑک اُٹھے — ہے اپنا سینۂ صد چاک روشن اس چراغاں سے

جہاں محراب ابرو ہے وہیں پر چشم جادو ہے — تعاون کر رہا ہے۔ شانِ ایزد۔ کفر۔ ایماں سے
گلے پر میرے پھرتی ہے چھری رُک رُک کے تھم تھم کے — گلے مِل مِل کے خوں رویا ہے خنجر بھی رگِ جاں سے
جفا جو تُند خو ہے خود نما خود بیں ہے وہ کافر
لگایا دل جنابِ **زار** نے کس آفتِ جاں سے

دِل

علم عرفاں جس کا ہو اصلِ اصول — وصل جاناں جس کا ہو حاصل حصول
مرگ و ہم وزیست جو سمجھے فضول — جس میں نورِ ذات ہو ہر دم نزول
اہل باطن کے لئے دل ہے وہی

کار کُن ہے عالمِ فانی میں جو — ہے محرّک جسم انسانی میں جو
ایک ہے آگ اور پانی میں جو — ہے ہمیشہ یاد یزدانی میں جو
اہل باطن کے لئے دل ہے وہی

ذات اور ملّت کا جو جس میں نہ نام — جس کا ہو احساس سے بالا مقام
شاہدِ کُل بیخودی میں صبح و شام — راحت و کُلفت میں جو ہو شاد کام
اہل باطن کے لئے دل ہے وہی

مضطرب بالکل نہ ہو ہو برقرار — ہو نہ جس کو وہم ترک و اختیار
رستگاری کی طلب سے رستگار — اور ہو سرشار کیفِ یادِ یار
اہل باطن کے لئے دل ہے وہی

آئینہ ہے عکس میں جیسے نہاں — عکس آئینہ سے باہر ہے کہاں
اس طرح اپنے میں سمجھے بے گماں — باہر اندر ذات بیچوں کو عیاں
اہل باطن کے لئے دل ہے وہی

ہر طرف تردید سے تشبیہ سے — بے اثر تحقیر سے تمجید سے
مست ہر دم دید اور وادید سے — ہے جو سرخوش بادۂ توحید سے

اہل باطن کے لئے دل ہے وہی

فکرِ دنیا خواہشِ عقبیٰ سے دور　　　باقی و فانی شناس اہلِ شعور
منہمک اس میں نہ عالم سے نفور　　　جامِ عرفاں کے نشہ میں چور چور
اہل باطن کے لئے دل ہے وہی

طالبِ حق با صفا و نیک خو　　　مست کیفِ بیخودی بے آرزو
نام کو جس میں نہ ہو کچھ جستجو　　　خامشی ہو جس کی گویا گفتگو
اہل باطن کے لئے دل ہے وہی

ہو نہ جو وابستۂ امید و یاس　　　جس سے کوسوں دور ہوں بیم و ہراس
جو نہ ہو پابند لذّاتِ حواس　　　ہو شناسائے حقیقت خود شناس
اہل باطن کے لئے دل ہے وہی

فارغ از ما و منی شرکِ دوئی　　　منزلِ عشق و فنا کا منتہی
جہلِ پندارِ خودی سے ہو بری　　　سوختہ ساماں ہو ارماں سے تہی
اہل باطن کے لئے دل ہے وہی

ایک ہوں جس کے لئے صحرا و باغ　　　نورِ حق کا جس میں ہو روشن چراغ
جس میں دردِ عشق کا کچھ ہو سراغ　　　بادۂ توحید کا ہو جو ایاغ
اہل باطن کے لئے دل ہے وہی

نیستی کو سمجھے جو وارستگی　　　ہستیِ موہوم کو پابستگی
جس کو ہو شادی نہ ہو دل خستگی　　　ہو نہ نقد و ترک میں وابستگی
اہل باطن کے لئے دل ہے وہی

شرک جس کے ذہن میں ہو ما سوا　　　جس کو حاصل ہو وصالِ دلربا
زارؔ جو دلدار پر ہو مٹ چکا　　　جو نہ سمجھے یار سے خود کو جدا
اہل باطن کے لئے دل ہے وہی

زیرک - پنڈت گوبندہ کول ساکن رعناواڑی سرینگر کشمیر

آپ نے بعمر بچپن سال سمت ۱۸۹۱ بکرمی میں در عہد جرنیل میان سنگھ حاکم کشمیر وفات پائی۔

واسوخت مسدس بمنزلۂ سراپا

کاکلت آفتِ دین و دلِ ما گردیده — خوش بہ پشت از مددِ بختِ رسا خوابیده
دل از و آه شبِ صبحِ قیامت دیده — معنیِ نکتۂ سربستہ نکو فہمیده
وه چہ کاکل بسرِ سرو قدے کچکلے
نازل از عالمِ بالاست بلائے بسے

جبہات لوحِ بلورین ز صفا یکسانست — قشقۂ یاقوت صفت بر سرِ آن رخشانست
ہر طرف کاہشِ دل و قفِ نظر بازان است — ناز را تا بکف از چینِ جبین سوہانست
از صفائے تنت ایجان بہ چو سخن رانده شود
چون خطِ زیرِ نگین خطِ جبین خوانده شود

سروِ من قامتت افراختہ از گردنِ تست — صبحِ نوروزِ صفا باختہ از گردنِ تست
شمع از خانہ برون تاختہ از گردنِ تست — آہوے چین سپر انداختہ از گردنِ تست
گردنِ قا ز صفت رفعتِ دیگر دارد
در ہوا آه تماشائیِ او سر دارد

چشم بد دور صفائے کہ بناگوش تراست — طافتِ دم زدنِ صبح بہ پیشش بیجاست
حلقۂ گوشِ تو از خوش درِ انگشت نماست — چشم یک عالمِ دل چون مہِ نو بر وے واست
گوہرِ کان لطافت دُرِ گوشِ تو بود
کوکبِ صبحِ قیامت دُرِ گوشِ تو بود

بخت گیسوے تو عالی ور سا افتاده است — گرچہ اے شوخ ترا در تہِ پا افتاده است

این نہ گیسوست کہ شورش بجہان افتادہ است — از پے صید دلم دام بلا افتادہ است

دو جہان بستۂ این زلف دوتا می بینم
روے دلہا بتو اے ماہ لقا می بینم
عارضت آئینۂ صنع خدا می بینم — نقطۂ صنع بران خال ترا می بینم
چون رخت پُر عرق از جوش صبا می بینم — ہمچو پیمانۂ مے ہوش ربا می بینم

ہر کہ دل از ہوس روے تو بیتابش ہست
خار پشتے بنظر مہر جہانتابش ہست
ماہ روے تو کہ بینی الف این ماہست — روشن است اینکہ غم دوری آن جانکاہست
بینی و حلقۂ بینیت خدا آگاہ است — کہ مرا زین الف وہاے جگر پُر آہست

نیست گر بینیت این ابروے پیوستہ علَم
ہست مدّ الفے آفتِ جانِ عالم
ابرویت یاد ز شمشیرِ سیہ تاب دہد — قاصد وقتے کہ غضب از عرقش آب دہد
شرحِ بیدادِ غمش چون دلِ بیتاب دہد — ماہ نور از شفقِ غوطہ بخوناب دہد

جلوہ از ناز چنان ابروے خودرا دادی
کہ ہلال آمدہ بیتاب بچرخ از شادی
درفنِ کاہشِ دل چشم تو استادے ہست — نگہتِ تیز ترا از نشترِ صیادے ہست
بر من از دیدنِ پنہانِ تو بیدادے ہست — گردشِ چشم نکو رقصِ پریزادے ہست

چشم میگون چہ بلا فتنہ نما افتادہ است
این سیہ مست عجب ہوش ربا افتادہ است
تیر مژگان ترا گز نگہت شوخ تبر است — فتنۂ آلت و آشوب و بلا چارہ گر است
جنبشِ کلکِ قضا جنبشِ آن در نظر است — دفترِ دین و دل از وے ہمہ زیر و زبر است

قتلِ عاست نہان از نگہِ پنہانت
چشمِ بد دور زبرہم زدنِ مژگانت

وصلت اے جان زحیاتِ ابدم یاد دہد — باوجودیکہ دہانت زعدم یاد دہد
بے تکلّف زِ ارم روے تو ام یاد دہد — دہنِ تنگ تو ازمیم ارم یاد دہد

سخنت تلخ نماید دہنت شیرین است
چشمِ پُرکار تو الحق ہمہ سحرآئین است

زیبِ دندان زِمسی بسکہ دوبالا باشد — شام آرے محکِ نقدِ ثریا باشد
دُرِ دندانِ تو اے شوخ مصفّا باشد — عقدۂ خاطرِ دریا دُرِ دریا باشد

حیرتِ صافیِ دندان تو کردش غمناک
آب ازدیدۂ گوہر نتوان کردن پاک

لبِ خندان ترا ہوشِ رباہی بینم — گرچہ جان بخش ترا زآب بقاہی بینم
ہمچو یاقوت ہمہ رنگ و بہاہی بینم — بے سخن آتشِ خاموش نماہی بینم

نشنیدم سخنے زان لبِ خندان گاہے
نچشیدم مزۂ سیبِ زنخدان گاہے

دل کہ چون بالِ کبوتر بود افگار مرا — خوش بچاہِ ذقنت داشت سروکار مرا
آہ این چشمِ پُرآب وغمِ سرشار مرا — کہ بگردابِ بلا ساخت گرفتار مرا

سحر در بُردنِ دل میکند اے خرمنِ گل
غور کن سیبِ زنخدان تو چاہِ بابل

آستین مشرق و ساعد چو ستونِ سحر است — دست چون پنجۂ خورشید ازان جلوہ گر است
یارب انگشت نگارین توام درنظر است — آتش است یا زکفت رنگ حنا شعلہ ور است

زینتِ دست تو از ساعدِ سیمین باشد
دستۂ آئینہ آن بہ کہ بلورین باشد

هست آن کاسۂ زانوے تو یا جام بلور   چشم بد دور بود عینِ صفاؤ همه نور
نیست تا ساقِ تو شد جلوه گرے غیرتِ حور   ماهیِ چشمۂ خورشید کسے را منظور
تا خرامان شدی اے شوخ بہ این ناز و ادا
کرد پائے تو بپائے تو قیامت برپا

دفترِ شرحِ غمت اینکہ چنین وا کردم   فکرِ خود صرفِ حدیثِ تو سراپا کردم
بعد عمرے رہ حرفے ز تو پیدا کردم   گوش کن انچہ من از عشق هویدا کردم
چشم دارد دلِ زیرک ز تو گاہے گاہے
نگہے خندۂ نازے سخنے ایمائے

واسوخت

اختلاطِ تو نکو نیست بہ بدنامے چند   این ندانی کہ چہ کام است بخود کامے چند
باخبر باش کہ بے راہ روو گمراہند   از حقیقت همه غافل ز مجاز آگاہند
جملہ در کارِ تو اے شوخ دغا میخواہند
فرش در راہ تو چون آب بزیرِ کاہند

آنچنان باش کہ بدنام نسازی خود را   نکنی شہرہ بہ اغیار نوازی خود را
اے بہ از مہرِ رقیبان نگذاری خود را   پیشِ یارانِ دغا باز نبازی خود را
من بقربان تو از پند من آزردن چیست
نیست منظور بجز خیر تو بد بردن چیست

گرچنین است حدیثِ غمِ هجران نکنم   لب فرو بندم و از دردِ تو افغان نکنم
دیدہ گر بحر شود اشک بدامان نکنم   خورم از تیغِ تو صد زخم نمایان نکنم

شرح دادم ہمہ گر سوز و گدازِ خود را
کردہ ام عرض بتقریب نیازِ خود را

پیش ہر ناکس و کس شکوہ ات اے ماہ کنم　　نالہ از درد دلِ خستۂ خود آہ کنم
گلہ از جور فراقِ تو بصد راہ کنم　　صبر تا چند ز بے مہریِ جانکاہ کنم

دل و دین ہوش و خرد گر شود م قربانت
بر ندارم بخدا سر ز خطِ فرمانت

وہ کہ نازِ تو بلائے دل و دین می بینم　　با تو نیرنگ دگر اے بتِ چین می بینم
گاہ خندان لب و گہ چینِ جبین می بینم　　گاہ گاہے چنان و نہ چنین می بینم

غرض این است کہ بر یک نمط آئین تو نیست
فکر شادی و غم از لطفِ تو و کین تو نیست

گہ دو رنگی و گہ از رنگ جدا نامِ خدا　　جلوۂ صورت و معنی است ترا نامِ خدا
کار ما ساخت بہر رنگ خدا نامِ خدا　　نیست جز حرفِ تو ذکرِ لب ما نامِ خدا

از جفائے تو کہ حاشا دلِ ما تنگ بود
کے چنین قاعدۂ عاشقِ یکرنگ بود

گلِ رخسار ترا بہ ز چمن میدانم　　تنِ سیمین ترا بہ ز سمن میدانم
شامِ غربت برہت صبح وطن میدانم　　قدر بخششِ دگران قدر تو من میدانم

غیر من بر دگرے نیست عیان خوبیِ تو
من سراپا کنم اے شوخ بیان خوبیِ تو

زیرک - پنڈت گوبند رام صاحب آگار لکھنوی

آپ کو شاہ عالم کی رفاقت کا فخر عمر بھر حاصل رہا اور خاندان راے پنڈت گنڈارام

موبد سے محبت و قرابت کا واسطہ تھا

در ہجو شیخ علی حزیں

شہسواریکہ بدشت سخن از طبع روان — تاخت چون قدسی و طغرا و جلالا شہب
واصف خطۂ کشمیر شدو سکانش — کہ عجیب است و غریب اند عجم تا بعرب
آدم آنست کہ گویدز بہشت و غلمان — ہر چہ آید بدل از معنی لفظش برلب
نہ کہ چون مرتد مجہول فرومایہ فضول — کہ نہ از خلق خوشش بہرہ بود نے زادب
باشد از نقص خرو بیہودہ در عالم شعر — برخلاف ہمہ ارباب کمالش مشرب
چند در پنبۂ ایہام نہم درّ سخن — فاش گویم کہ کدامین بود آن بدمذہب
شیخ سلطان کہ حزین نام خطابش آمد — در سخن یافت درین جزو زمان تا منصب
بیحیا آب نہ در چشم و نہ بررو دارد — خاک او ساخت مخمّر زپئے خجلت رب
ہمچو پیکان بدلش غیر دل آزاری نیست — چون کمان خم نشود پیش کسے جز مطلب
خانہ اش نے بفلک ہست نہ بر روے زمین — سر بسر خانہ بر انداز چہ راس است و ذنب
ساکن دیر شدو زایر بتخانۂ ہند — غورکن بودن او را بہ بنارس چہ سبب
کیست در شیطنت اے شیخ بگو استادات — کہ عزازیل بود پیش تو طفل مکتب
فتنہ ہا زاد بہ ایران ز وجودت شاید — مادرت امّ خبائث شدہ چون بنت عنب
چون تو موذی نبرد راہ دگر رہ بوطن — روے سوراخ ندیدست و دو نوبت عقرب
حرف بد جز بزبان ولب بد کے آید — بد اگر در حق نیکان تو بگوئی چہ عجب

شعر از حزیں

سوز او در کعبۂ و بتخانہ یکسان دیدہ ام — من نمیدانم کہ ہندو یا مسلمان است شمع

جواب از زیرک

قشقہ دارد بہ جبین زنّار دارد در گلو — صاف ہندو می نماید کے مسلمان است شمع

مصرعہ حزین = جنت از ہندو مسلماں بر دو دوزخ را بزید
مصرعہ جوابیہ زیرک = پس یقینم شد کہ جا برلامکاں داریم ما
مصرعہ حزین = درین بزم رہ نیست بیگانہ را
مصرعہ زیرک = کہ پروانگی داد پروانہ را

یارب رسد بہ فیض جہانے زجاہ من — چون آسمان بلند شود پایگاہ من
دستم تہی است لیک چو مژگان چشم تر — مصروف ریزش است ہمہ دستگاہ من
کو فرصتے کہ ضعف بصر را کنم علاج — پا در رکاب ہست ز عینک نگاہ من
زبوئے پیرہن گردید از بس چشم من روشن — چو یعقوب نیست این منت ز نور دیدۂ خویشم
گرچہ رنگ خندہ می آرد بروئے کار گل — می خورد خون جگر در عشق آن رخسار گل
گلبن از رشک تماشائے چمن در آتش است — کاش افتادے بچشم رخنۂ دیوارہ گل
صبح دیدم کز شفق یکسر بخون غلطد ز رشک — آفتاب من چو زد بر گوشۂ دستار گل
چون طبیب نوبہار از شبنمش تبرید داد — از تپ عشق رخ او نیست گر بیمار گل

نیست جوش عشق ورنہ حسن آباد است دہر
ہست کم درباغ زیرک بلبل و بسیار گل

ولہ
زیرک بروے خاک دلم سوخت ہر کسے — خواہم کنم چو مردم آبی وطن در آب
بسکہ در یاد بنا گوش تو غلطانم بہ اشک — میکنم دایم شنا در خاک چون گوہر آب

ولہ
نالہ خواہم کہ بطرز دگر ایجاد کنم — دست دل گیرم و در کوے تو فریاد کنم

ولہ
زخم دل چند شود بہ لب جاناں مددے — خوان پر بے مزہ ہست نمکداں مددے
بازو دیوانہ ام از شہر بصحرا آورد — نیست کس سنگ رہش شوخی طفلاں مددے
بے دماغم چہ کنم آہ دمے نشنیدم — بوے پیراہن دل چاک گریباں مددے

سرخیِ روے بران شوخ بود امر محال | تا دلم خون نشود رشک رقیبان مددے
شد گرہ اشک بچشم۔ آبلۂ پاۓ مرا | در بیابان طلب خار مغیلان مددے
آشکار است ز اندازِ تغافل ہایش | میکند خون بدلم دیدنِ پنہان مددے

آب چشمم گذر اندست چو زیرک از سر
فکر معماریِ دل خاک نشینان مددے

شیخ محمد علی حزیں کی طبیعت تعصب سے خالی نہ تھی اور وہ زیرک کو ہمیشہ اپنا ایک زبردست حریف سمجھتا رہا۔ چونکہ دل میں غبار بھرا تھا۔ حزیں نے اسکو ایک ہجو میں دل کھولکر نکالا ہے چنانچہ اُس ہجو کے چند اشعار لکھے جاتے ہیں جس کا دنداں شکن جواب منجانب زیرک صفحہ ۳۷۴ پر درج ہو چکا ہے۔

در ہجو قوم کشامرہ

شرح قومے شنو از من کہ ندارند نسب | ادب و شرم و حیا غیرت از ایشان مطلب
یک ازین قوم ندید ست دو نوبت کشمیر | بر نگردد چو ز سوراخ بر آید عقرب
پے یک حبہ دوانند شتابان بدمشق | نزد ایشان دو قدم راہ بود تا بہ حلب
در محبت چو زباب (سرکش چوہے) و بہ مروت زنبور | بہ سخاوت چو غُراب (زاغ) و بشجاعت ارنب (خرگوش)
درحسب نامۂ شان از ہمہ خلق جدا ست | در نجابت بہ عزازیل رسانند نسب
گر کشند از تن زارت چو شپش (جوں) خون چہ غریب | در برند از کفت ایمان چہ بعید و چہ عجب
کفش و پاجامہ نماند بہ یکے از عجمی | لنگ و عمامہ تمامی برد از اہل عرب

تا نمیزاد ز دنیاے دنی کشمیری
کاش این قحبہ سترون بدے ابلیس عرب



پنڈت امرناتھ مدن۔ ساحر

ساحر۔ پنڈت امرناتھ مدن صاحب خلف راے بہادر پنڈت جانکی ناتھ مدن صاحب دہلوی۔

منشی سریرام صاحب مولف تذکرہ خمخانہ جاوید نے جناب ساحر کی سوانح بالتشریح قلمبند کئے ہیں چنانچہ تذکرہ ہذا میں بھی انکا اعادہ کیا جاتا ہے۔

پنڈت امرناتھ صاحب مدن راے بہادر پنڈت جانکی ناتھ صاحب مدن رئیس دہلی کے خلف اکبر ہیں آپ کی ولادت باسعادت ۲۹ مارچ سنہ ۹۳ء کو بمقام بانس بریلی ہوئی اس زمانہ میں آپکے والد ماجد وہاں محکمہ جنگی میں ملازم تھے مہاراجہ رنجیت سنگھ شیر پنجاب اور اُن کے جانشینوں کے مشہور دیوان راجہ دینا ناتھ صاحب آپ ہی کے خاندان کے ایک معزز رکن ہوئے ہیں راے بہادر موصوف کے برادر کلاں زمانہ غدر میں سنہ ۵۷ء سرکار انگلشیہ کی فوج میں صوبہ دار تھے آپنے ایسے نازک وقت میں اپنے فرائض منصبی کو نہایت خوش اسلوبی سے انجام دیا اور متعدد حکام بالادست نے اپنی رپورٹ میں آپ کے وفادارانہ رویّہ کا اعتراف کیا ہے پنڈت موصوف انھیں ایام پُرآشوب میں نشانہ تفنگ اجل ہوے گو راے صاحب بہادر کی عمر اس زمانہ میں ۱۷ سال کی تھی لیکن سرکاری افسرانِ فوج کی قدردانی سے ان کو صغیر سنی میں اپنے مرحوم بھائی کا عہدہ عطا ہوا ساحر صاحب بارہ برس کی عمر میں علامۂ عصر پنڈت پرشاد رام رازداں کے زمرۂ تلامذہ میں داخل ہوے اُنکے فیض تعلیم سے تین چار ہی سال میں اردو فارسی زبان کے ماہر ہوگئے لڑکپن میں آپ کو اساتذۂ اردو اور شعراے فارسی کے ہزاروں اشعار یاد تھے جنھوں نے معنی ہاب طبیعت میں شاعری کی استعداد اور قابلیت و ذوق پیدا کر دیا آپ کئی برس تک اکبرآباد میں مقیم رہے میرزا اوج۔ آغا صوفی۔ ماہ۔ صفی جیسے سخن ورانِ باکمال کے مشاعروں میں شرکت فرمائی اور میدان سخن میں کوس لمن الملک بجایا آپنے شعراے متقدمین کے نقشِ قدم پر چل کر سب سے پہلے فارسی زبان میں شعر کہا مولانا عبدالحلیم عاصم کاشانی سے جو دیگر مشرقی و مغربی زبانیں

جاننے کے سوا فارسی زبان کے ادیب اور زبردست شاعر بننے فارسی میں تلمذ اختیار کیا شفیق اُستاد کی توجہ سے چندہی روز میں علم عروض و قوافی میں اعلیٰ درجہ کی مہارت پیدا ہو گئی اور عمدہ شعر کہنے لگے ۲۲ سال کی عمر میں آپ اجمیر تشریف لے گئے اور وہاں احباب کی ترغیب سے ریختہ اُردو پر توجہ فرمائی پھر دہلی آکر پنڈت جواہر ناتھ ساقیؔ اور منشی رام رجپال سنگہ نیدؔ سے صحبت گرم رہی اور شعر و سخن کا مشغلہ جاری رکھا آپ دہلی کے گذشتہ شاعروں میں داد سخن لے چکے ہیں مستان شاہ کابلی منشی بہاری لال مشتاقؔ میر شاہجہاں کامل آپ سے محبت رکھتے تھے آپ نے سرکاری ملازمت کی اہم ذمہ داریوں کو ملحوظ رکھتے ہوئے کچھ دنوں تک شاعری کو خیر باد کہدی تھی۔ ۱۸۹۵ء میں شملہ جیسے پر فضا مقام پر قدرت کے رنگا رنگ نظاروں نے آپ کے شاعرانہ جذبات کو اُبھارا اور شوق رفتہ میں نئی روح پھونکنی چاہی مگر کار سرکاری کا ہجوم مانع سخن ہوا عرصہ دراز تک عہدہ تحصیلداری پر ممتاز رہے مگر شاعری کا مشغلہ جاری رہا اب آپ اپنے وطن دہلی میں رونق افروز ہیں اور ہر مہینہ کے اخیر ہفتہ کو مشاعرہ آپ کے دولتخانہ پر منعقد ہوتا ہے جسطرح آپ میدان نظم کے علمبردار ہیں اُسی طرح نثر میں بھی آپ کا پایہ نہایت بلند ہے سفیر کشمیر۔ کشمیر پرکاش۔ ورز ہمرتھ وغیرہ میں آپ کے مضامین نکلتے رہے ہیں ۱۸۸۶ء میں جو پرچہ بحر ساحر کے نام سے شایع ہوا تھا وہ آپ کی جادو نگاری کا اعلیٰ نمونہ تھا آپ متعدد کتب کے مترجم مؤلف مصنّف ہیں جہاں آپنے اُردو میں بھگوت گیتا کے خلاصہ کو نظم فرمایا ہے بشن پرانوں کا ترجمہ کیا ہے وہاں شعرائے انگلستان کے زریں خیالات کو بھی اپنی زبان کے سانچے میں ڈھالدیا ہے آپ قصیدہ رباعی قطعہ مخمس مسدس غرض جملہ اصناف سخن پر قادر ہیں ابتدائی۔ وسطی۔ آخری کلام کا ذخیرہ باریک ہیں معنی سنج اشخاص کے سامنے ہر زمانہ کے جذبات پیش کرتا ہے ظریفانہ کلام بھی قابل ستائش ہے بندش کی خوبی مضامین کی خوش اسلوبی قابل داد ہے زبان نہایت صاف ہے آپ خط و خال شاہد و ساغر کے پیرایہ میں جو عارفانہ خیالات

ادا کرتے ہیں وہ صاحبان ذوق پر وجد کا عالم طاری کر دیتے ہیں مقام فنا بقا۔ تجلّی وغیرہ کے مضامین سے آپ اُردو زبان کو پاکیزہ بنا رہے ہیں بازاری جذبات اور عامیانہ مذاق سے آپ کی شاعری کو کوئی تعلق نہیں آپ نہایت متین مہذب با اخلاق ملنسار منکسر المزاج شخص ہیں اب دہلی میں شاعری کا چرچا صرف آپکے دم سے ہے بیشتر اپنا وقت شعر و سخن کیخدمت میں صرف کر رہے ہیں اور سالانہ ذاتی صرف کثیر سے ایک بڑا مشاعرہ دہلی میں کرتے ہیں جس میں بیرونجات کے مشہور شعرا بلائے جاتے ہیں مؤلف تذکرہ خمخانۂ جاوید نے یکم جولائی ۱۹۱۴ء میں اپنی کوٹھی پر ایک جلسہ کا انعقاد کیا تھا جس میں حاذق الملک حکیم اجمل خاں۔ سر علی امام۔ نواب سید امداد امام اثرؔ۔ راجہ سر علی محمد خاں دالئی محمود آباد جیسے مشاہیر موجود تھے اس موقعہ پر ساحرؔ صاحب نے اپنا ایک قطع سنا کر داد سخن لی تھی جو انتخاب کلام کے ساتھ درج کیا جاتا ہے۔

حوصلہ وجہ تپش ہائے دل وجاں نہوا
شعلۂ شمع تیری بزم میں رقصاں نہوا

قیس تھا مست ازل جام انا لیلیٰ سے
تن کی عریانی سے مجنوں کوئی عریاں نہوا

لب منصور سے دی کس نے انا الحق کی صدا
تو اگر پردۂ پندار میں پنہاں نہوا

دل مٹا۔ پر نہ مٹا حرفِ محبت دل سے
کفر اسلام ہوا مرکزِ ایماں نہوا

مرکزِ عشق ہے دل دائرہ ہستی میں
میرے سیارہ سے ثابت کبھی گرداں نہوا

شب کو میرا نفسِ گرم ہے خورشید فلک
ورنہ خورشید فلک شب کو نمایاں نہوا

ہم رہے چشم عنایت سے ہمیشہ محروم
دل نشیں تیر نظر کا کوئی پیکاں نہوا

تم ہوا رمانِ جہاں دل ہے جہانِ ارماں
تم رہے دل میں تو مجموعہ پریشاں نہوا

چشم جاناں میں سماتے ہیں سمانے والے
موت سے آنکھ لڑانا کوئی آساں نہوا

دیدہ بینا ہے تو ہے شش جہت آئینہ حسن
جلوۂ یار سے پیدا ہے کہ پنہاں نہوا

ہے کرشمہ میرے ساقی کا عجب ہوش ربا
کہ مے صاف سے غارت گرِ ایماں نہوا

دل ہے بت خانۂ اصنامِ خیالی ساحر
تو وہ کافر ہے کہ بھولے سے مسلماں نہوا

دلہ

دل کی تسکین کو کافی ہے پریشاں ہونا
ہے توکل بخدا بے سروساماں ہونا

یوں تو ہر دین میں ہے صاحب ایماں ہونا
ہمکو اک بت نے سکھایا ہے مسلماں ہونا

کور دیدہ ہے جسے دعویِ بینائی ہے
شرط اول ہے یہاں دیدۂ حیراں ہونا

اے پری رو تیرے دیوانہ کا ایماں کیا ہے
اک نگاہِ غلط انداز پہ قرباں ہونا

دور جب دل سے حجابِ شبِ عصیاں ہوگا
چہرۂ شاہدِ مقصود نمایاں ہوگا

دردِ عشق اور ہر اک شخص کا حصہ ہو چہ خوش
وہی پائیگا جو اس گنج کا شایاں ہوگا

وہ سمجھتے ہیں کہ ہے میری تمنا اسکو
ہمکو ارمان ہے ہمیں کوئی بھی ارماں ہوگا

یوں تو ہر زخم جگر ہے مرا لذت کشِ درد
ہر ادا میں تیری اک ایک نمکداں ہوگا

جلا ہے کسقدر دل ذوقِ کاوش ہائے مژگاں پر
کہ سو سو نشتروں کی نوک ہے ہر ہر رگِ جاں پر

پڑا ہوگا مگر عکسِ عذار لالہ گوں ورنہ
یہ گستاخی ہمارا خون اور قاتل کے داماں پر

طریقِ عشق میں ہے رنج پہلے اور خوشی پیچھے
مدارِ صبح روزِ وصل ہے اک شامِ ہجراں پر

میری دیوانگی روزِ قیامت میرے کام آئی
قلم رحمت کا کھینچا اُس نے آخر میرے عصیاں پر

اگر اُنکے تغافل کو ہے دعویٰ اپنی تمکیں کا
ہماری خود فراموشی کو ہے ناز اپنے نسیاں پر

عشاق کا ضمیر ہے جامِ جہاں نما
مجھسے کہاں چھپینگے وہ ایسے کہاں کے ہیں

کون دیتا ہے تمہیں سنگدلی کا طعنہ
سخت جانی کی ندامت ہے بسر سر رہنے دو

وہ دستو تمکو مبارک رہے یہ شرب مدام
ہمکو لذت کشِ خونناب جگر رہنے دو

زاہد و یاد رہے نار جہنم کا عذاب　　خیر جا ہو تو مرا دامنِ تر رہنے دو

ساحر اب ترک وفا شیوۂ عشاق نہیں

ہرچہ آید کے لئے سینہ سپر رہنے دو

سرِ عرش بریں ہے زیر پائے پیر میخانہ　　کمالِ اوج پر ہے حسن عالمگیر میخانہ

زیارت کو چلے ہیں شیخ و زاہد فی امان اللہ　　خدا کی شان ہے کچھ پھر گئی تقدیر میخانہ

پری شیشہ میں ہے ساغر میں ہے خورشید نور افگن　　یہ ہے تسخیر میخانہ وہ ہے تنویر میخانہ

جو پہنچا میکدہ میں چھوڑ کر دیر و حرم ساحر

جھکا سر ذوقِ مستی میں زہے تاثیر میخانہ

آنکھیں قصور وار ہیں دل شرمسار ہے　　دو پردہ در ہیں راز کے اک پردہ دار ہے

خلوت میں انجمن ہے تو جلوت میں انجمن　　آئینہ سے نگاہ کسی کی دو چار ہے

آئی جو مجھکو نیند تصور میں ایک رات　　قطعہ　کیا دیکھتا ہوں سامنے تصویر یار ہے

میں نے بصد سماجت و منت کہا کہ یار　　کیوں میرے پاس آنے سے بوجہ عار ہے

سامان عیش جملہ مہیا ہے تو نہیں　　تیرے بغیر سینہ میں دل بیقرار ہے

آب رواں ہے کشتی مے اور جام زر　　سبزہ ہے گل ہے ابر ہے باد بہار ہے

موج طرب ہے جوش طبیعت ہے رنگ شوق　　سب کچھ ہے صرف ایک ترا انتظار ہے

یوں درفشاں ہو لب نازک کہ آخریں　　سن میرے قول کا تجھے کچھ اعتبار ہے

آساں نہیں ہے دولتِ دیدار کا حصول　　نامحرموں پہ راز یہ کب آشکار ہے

تو معتقد ہے دیدۂ دل کی نشاط کا　　بزم طرب ہے بادہ ہے روئے نگار ہے

یاس و امید و بیم و رجا ہے نفس نفس　　دل اک قمار خانۂ لیل و نہار ہے

الفت بتوں کی جسکے بسی آب و گل میں ہو　　ایسے صنم پرست کا کیا اعتبار ہے

فرصت نہیں جو غیروں سے تجھکو تو یہ بتا　　کیا واسطہ ہے مجھسے کہ یہ انتظار ہے

میں نے کہا یہ رنگ رچا تھا تیرے لئے
رنگینیوں سے تجکو اگر ننگ و عار ہے

غیروں سے آج ہے مرا خلوت کدہ تہی
اب تو ہے میں ہوں اور دلِ امیدوار ہے

یہ سنکے مسکرا کے وہ بولا کہ واہ واہ
مطلب کا اپنے یار بڑا ہوشیار ہے

غیروں سے کب ہوا تیرا خلوت کدہ تہی
پہلو میں تیرے ایک دلِ بیقرار ہے

دیکھا جو غور سے تو خجل ہو کے بول اُٹھا
اے دوست لے یہ تیرے قدم پر نثار ہے

آئی صدا کہ حیف ہے تیرے شعور پر
تیری انانیت سے مجھے ننگ و عار ہے

آئی ندا جو چاہے کہ بے پردہ دید ہو
کر شوق سے کنارہ کہ پھر ہم کنار ہے

یہ سنکے ہوش و عقل بھی رخصت طلب ہوئے
حیرت کدہ میں شوق سے اب رو بکار ہے

بے جام بادہ مستی ہے بے واسطہ مثال
بے شوقِ دید جلوۂ دیدار یار ہے

ساحر تیرا کلام ہے رؤیائے صادقہ
بیداری ایسے خواب کے اوپر نثار ہے

گر تصور نہ ہو تصدیق تو ہے نقص کمال
خود چلے آئیں سے کھنچے جذبۂ کامل ہے وہی

رسوائے عشق ہے تیرا شیدا کہیں جسے
عشاق میں مثال ہے رسوا کہیں جسے

ہے منزلِ فنا میں مرا ہم سفر وہ داغ
روشن چراغِ گنبد مینا کہیں جسے

سینہ چمن ہے غنچۂ دل ہے شگفتہ دل
تیری نگاہ ہے چمن آرا کہیں جسے

غم پر دریدہ ہے دلِ شوریدگانِ عشق
فرقت کی ایک رات ہے دنیا کہیں جسے

منسوب کفر دیر سے ایماں حرم سے ہے
اک رہ گیا ہوں میں کہ تمہارا کہیں جسے

وہ تیرہ بخت ہوں میری ظلمت کدہ کا نور
ہے روشنائی شبِ یلدا کہیں جسے

ہم غیر معتبر سہی ۔ اور غیر معتبر
کتنا بجا ہے آپکا جیسا کہیں جسے

ساحر نفس وہ دام ہے جسمیں کہ ہے اسیر
موجِ رمِ خیال کہ عنقا کہیں جسے

تو ہے اور بوے بیوفائی ہے — میں ہوں اور رنگ آشنائی ہے
آئینہ سے نگاہ جو دو چار ہوگئی — شبنم لطافتِ گلِ رخسار ہوگئی
عالم مٹا ہوا تیرے نقشِ قدم سے ہے — نقشِ قضا مگر تیری رفتار ہوگئی
غلط کہتے ہیں لوگ یک جاں دو قالب — میں تن ہوں وہ جاں ہے میں جاں ہوں وہ تن ہے
اسی کا تمکو دھوکا تھا اسی کا مجھکو رونا تھا — کہ وہ دشمن تمہارے تھے جنھیں تم یار سمجھے تھے
ہماری بت پرستی شیخ عین حق پرستی تھی — وہ مشرک تھے جو فرقِ سبحہ و زنار سمجھے تھے

غزلیات فارسی

حیا تم نقشبند صورت موج است آب آسا — وجود م در نظر ہنگامۂ وہم است خواب آسا
شود ہر ذرّہ از نورِ جمالت آفتاب آسا — اگر از درمیاں مارا براندازی نقاب آسا
صفاے معرفت رنگِ دورنگی برنمی تابد — کہ باشد رحمتِ حق بر سرِ عالم سحاب آسا
سوارِ توسنِ ناز است و بر خاکم گذر دارد — بیا قالب تہی کن بہر پا بوسش رکاب آسا
بیادش ہر نفس تارِ رگِ جانم بہ جنباند — پر آہنگ است ہر تارِ رگِ جانم رباب آسا
دلِ من نسخۂ اسرارِ الفت ہست تا دانی — بمعنی آشنا گردی اگر خوانی کتاب آسا
کمالِ سرد مہری راحتِ تسکیں اثر دارد — نفسہا سوخت در ذوقِ طپیدن اضطراب آسا
مرا کردند قسمت سوز و ساز اندر غمِ عشقت — بشرطِ آنکہ از من بر نخیزد بوکباب آسا
شکستِ شیشہ دل را صداے بر نمی خیزد — ز استغناے او دلہاست بشکستہ حباب آسا

منم سرمستِ جامِ بادۂ عشق و فنا ساحر
حرامم بادشرب کو خمار آرد شراب آسا

دوش دیدم گلِ رعنا بچمن جلوہ فروش — کز تماشاے رخش آمدہ بلبل در جوش
من بہ حال گل و گلزار نظر میکردم — کامد از شاخ گلم نالۂ بلبل در گوش
نالہ اش رنگ اثر داشت نہاں در ہر صوت — حلقے رفت کہ از من نہ اثر ماند و نہ ہوش

گفتم ایں نغمۂ دلکش زکہ آموختۂ — گفت شایستۂ ایں نکتہ نباشی۔ مخروش
گفتم اے طائر قدسی زدیار تو منم — گفت اگر زاہل دلی نکتہ بہ یاراں مفروش
گفتم از بادۂ ناب تو منم دُرد آشام — گفت ہیباش کہ صافی دہدت بادہ فروش
گفتم از نقدِ ہنر نیست بدستم چہ کنم — گفت سرمایۂ پندار بجائے بفروش
کافرِ عشق شدم بوسہ بہ پیمانہ زدم — منکہ زیں پیش تقی بودم و سجادہ بدوش
چوں زکیفِ مۓ گلرنگ دماغم تر شد — نغمۂ عشق زقانون وفا خورد بہ گوش
نالہ کردم بہم آہنگی بلبل پس ازاں — کہ نماندم دل و دیں صبر و خرد طاقت و ہوش

دید چوں بلبل بیدل بنوایم دمساز
بانگ فریاد بر آورد کہ ساحر خاموش

مژگاں سرخوش تو بمیخانہ آشناست — مستِ نگاہِ مست بہ پیمانہ آشناست
دل باکمند طرّۂ جانانہ آشناست — طوقِ بلا بگردنِ دیوانہ آشناست
باکوچۂ بتاں دلِ دیوانہ آشناست — زآنساں کہ برہمن بہ صنم خانہ آشناست
چشمت مگر زخون حریفاں شراب خورد — پائے نگہ بلغزشِ مستانہ آشناست
دستے رہین ساغرمے کردہ ام ولے — دستِ دگر بہ سبحۂ صد دانہ آشناست
باہم خوش است صحبت آتش دلاں عشق — پروانۂ چراغ بہ پروانہ آشناست
ماراکہ بربساطِ جہاں پشتِ پاز دیم — پہلو بہ بوریائے فقیرانہ آشناست

ساحر غبار تربتِ مجنوں بسر فشاند
دیوانۂ بماتمِ دیوانہ آشناست

اُردو

کیا شوق کا عالم تھا کہ ہاتھوں سے اُڑا خط — دل تھام کے اس شوخ کو لکھنے جو لگا خط
بیتابئ دل درج تھی خط میں کہ کبوتر — بے تاب ہوا بال پہ باندھا جو گیا خط

وہ درپئے جاں ہے کہ چلی صرصر جاں سوز — بیکار ہوا بال کبوتر تو اڑا خط
کب شوق کی آتش دمِ صرصر سے دبی ہے — پرکالۂ آتش تھا میرا شوق بھرا خط
اب برق نے چشمک سے یہ چاہا کہ جلا دے — سامانِ قضا دیکھئے ہمرنگ ملا خط
آگاہ کیا شوق کو بے تابئ دل نے — پیغام یہ آیا ہے کہ پہونچا ہے تیرا خط

آگاہ ہوا راز سے آسودہ ہوا دل
ساحر میری قسمت کا نوشتہ تھا میرا خط

مکاں کہیں تو مقرر رہو لامکاں کے لئے — نشان کوئی تو معین ہو بے نشاں کے لئے
ملا ہے جسم ہمیں امتیازِ جاں کے لئے — بشر وجود میں آیا ہے امتحاں کے لئے
نگاہ وقفِ جمال و خیال محو جلال — رہِ فنا میں ہیں دو نقشِ پا نشاں کے لئے
محیط عشق کی موجیں ہیں اضطرابِ سکوں — کہ مد و جزر ہے بحر بے کراں کے لئے
حضورِ قلب ہے سرمایۂ حیات دوام — نفس ہے خضر میرا عمرِ جاوداں کے لئے
میری نماز میں بہر وضو ہے جامِ طہور — صلائے ساقیِ کوثر ہے بس اذاں کے لئے
ہمارے دل میں یقیں کو ملی ہے گنجائش — کہ بس ہے وسعتِ کون و مکاں گماں کے لئے
چلی جو ساحلِ عمرِ رواں سے کشتیِ تن — نفس سے کام مشیت نے بادباں کے لئے
ہوا یہ شعلہ زبانی سے شمع کی روشن — کہ موم ہو ہمہ تن آتشیں بیاں کے لئے
میری نظر میں ہے اسم و صفت کی جلوہ گری — زبانِ حال ہے شاہد میری بیاں کے لئے
کہا یہ رحمتِ حق نے کہ ہے یہ حق سے بعید — کہ وقف ہو کوئی جلوہ کسی مکاں کے لئے
عیاں یہ حسن خود آرا کی خود نمائی ہے — کہ نورِ عین ہے چشم جہانیاں کے لئے
فروغِ علم سے روشن ہے شمع بزمِ سخن — صلائے عام ہے یارانِ نکتہ داں کے لئے

بقائے ذات میں ہے ماسوا فنا ساحر
یہ دل پہ نقش ہے تعویذ حرزِ جاں کے لئے

کیف مستی میں عجب جلوۂ یکتائی تھا — تو ہی تو تھا نہ تماشا نہ تماشائی تھا
حسن بے واسطۂ ذوق خود آرائی تھا — عشق بے واہمۂ لذّت رسوائی تھا
تیری ہستی میں نہ کثرت تھی نہ وحدت پیدا — ہمہ و بے ہمہ و باہمہ یک جائی تھا
پردہ در کوئی نہ تھا اور نہ در پردہ کوئی — غیرتِ عشق نہ تھی عالم تنہائی تھا
لا فنا تیری صفت تھی تیری ہستی کا ثبوت — بے نشاں تیرا نشاں صورت بینائی تھا
حال تھا حال نہ ماضی نہ تھا استقبال — از ازل تا بہ ابد جلوۂ رعنائی تھا
ذات قایم تھی بذات اور صفت تھی معدوم — کُن نہ تھا معرکۂ انجمن آرائی تھا
بزم میں تو نے جو اُلٹا رخ روشن سے نقاب — ایک عالم تیرے جلوہ کا تماشائی تھا
فتنہ زا حسن ہوا۔ عشق ہوا شور فگن — رم ہوا شوق فزا شوق تمنائی تھا
کوئی ثابت کوئی سیّارہ کوئی متحیّر — کوئی عاشق کوئی مجنوں کوئی سودائی تھا

حرف اور صوت میں آتا ہے کسی کا ہو کلام
ساحر آغاز میں "کُن" غایت پیدائی تھا

جلوہ ہے حسن طور کا صحن چمن میں گُل — شعلہ ہے شمع عشق کا دل کی لگن میں گُل
ہے جلوہ ہائے حسن سے چشم سخن میں گُل — ہر انجمن میں شمع ہے تو ہر چمن میں گُل
نوشِ حیات نیش ہے اے دل وطن سے دور — ہوتے نمو ہیں خاک سے خار وطن میں گُل
سبزہ میں خط کے ہے گُل رخسار دیدنی — کیا دلفریب جلوہ ہے صحن چمن میں گُل
شانِ جلال جلوہ میں آتی تو ہے ابھی — قندیلِ عرش گنبد چرخ کہن میں گُل

اب سادگی میں زینت آسودگی ہوا
دستار سر کا زیب جو تھا بانکپن میں گُل

عشق ازل جو سینۂ اہل فنا میں ہے — جلوہ مۂ ظہور کا جام صفا میں ہے
تسکینِ قلب اِک دم عشق و فنا میں ہے — نادان ہے دل کہ لذتِ حرص و ہوا میں ہے

چشمانِ پاک بیں ہے تیری جلوہ گاہِ حسن | ہر نقش معتبر نگہِ آشنا میں ہے
وہ عین علم نور علے نور ہے قدیم | جو ابتدا میں وسط میں اور انتہا میں ہے
دیکھیں جو چشمِ دل سے تماشائے اہلِ حسن | جلوہ جمالِ یار کا ارض و سما میں ہے
کب بارِ عشق کا تحمّل ہے دل و لے | ہمت بندھی ہوئی بہ نیرِ قضا میں ہے
دل جو ریا سے پاک ہے اور وقفِ یادِ یار | گنجینہ حسن و عشق کا قلبِ خفا میں ہے
کھل جاتی ہے جو گلشنِ دل کی کلی کلی | مژدہ بہار کا دمِ بادِ صبا میں ہے
مستی میں عیشِ نقد سے دیکھا جو دل غنی | رندوں کا جام آج کفِ پارسا میں ہے
چشمانِ مست یار ہیں مشتاقِ دلبری | مستی نگاہِ ناز میں شوخی ادا میں ہے

اسکی نظر میں ہستیٔ عالم ہے بے ثبات
ساحرؔ کو محوِ حسنِ کمالاتِ لا میں ہے

ہے صنم خانہ میرا ایمانِ عشق | اور میخانہ مجھے سامانِ عشق
رندی و مستی ہے میرا فرضِ عین | شاہد و مے مجھکو ہے فرمانِ عشق
بیخودی میں جب ہوا غرقِ فنا | ہو گئی ہستی میری قربانِ عشق
بیخودی میں یہ نظر آیا مجھے | ہے سراپا علم ہستی جانِ عشق
حسن سے معمور عالم ہو گیا | دور جب دل سے ہوا ارمانِ عشق
دل سے پوچھو لذتِ زخمِ جگر | ہو جگر کے پار جب پیکانِ عشق

برہمن جب سے بتِ کافر کا ہے
کفر ساحرؔ ہو گیا ایمانِ عشق

ہے ضیا بخشِ نظر ایک شمعِ روشن کا فروغ | چشمِ گل سے ہے نمایاں حسنِ گلشن کا فروغ
شمع ہے فانوس میں یا دل میں پنہاں سوزِ عشق | ماند ہے حسنِ بیاں سے میرے دشمن کا فروغ
روکشِ خورشید ہو سکتا ہے کب کوئی چراغ | جلوہ گر ہے یا چراغِ زیرِ دامن کا فروغ

قلبِ روشن اور دلِ تیرہ کی ہے ایسی مثال　　جیسے برقی روشنی میں کم ہو روشن کا فروغ
حسنِ صورت میں نہاں ہے نورِ معنی اسطرح　　جیسے حسنِ بت میں ہے قلبِ برہمن کا فروغ
اقتباسِ نُور سے ساحر ہوا روشن ضمیر
ہے جلالِ مہرِ انور ماہ روشن کا فروغ

تھی زبان آتشیں سے رات بھر گفتارِ شمع　　گرم تھا سوزِ دلِ پروانہ سے بازارِ شمع
سوز و سازِ عشق کا پابند ہے زنّارِ شمع　　ہے دلیلِ نیتی سرگرمی رفتارِ شمع
جب زبان و سوزِ ذاتی سے ہوئی قطعِ نظر　　مصدرِ فیضِ خلایق بن گئی سرکارِ شمع
سوزِ پنہاں سے نہو جبتک کوئی روشن ضمیر　　کیا سمجھ سکتا ہے کوئی معنیِ گفتارِ شمع
ہے مثالِ ہستی شبنم حیاتِ عارضی
دیکھ ساحر مہاں شب بھر کے ہیں آثارِ شمع

غزلیات فارسی

زخم را چشم صفا خیز ندیدست کسے　　اینقدر تیغ نظر تیز ندیدست کسے
غم عشق است کہ صد بزم طرب باز دہد　　دلِ غمگین طرب انگیز ندیدست کسے
جز لب یار کہ شور افگن و شکر ریز است　　شکریں خندہ نمک ریز ندیدست کسے
سرد مہریِ بتاں آتشم افگند بجاں　　چادرِ ماہ شرر ریز ندیدست کسے
جز کہ نیکہ سراسیمۂ گیسوے تو اند　　حلقہ دام دلاویز ندیدست کسے
ماجرا رفت میانِ من و شیخ و میکش　　چشم زانگونہ شر انگیز ندیدست کسے
غیر دل سوختگانِ اثرِ جلوۂ طور　　شوخئے برق شرر ریز ندیدست کسے
ساحرا شام فراق است سحر گاہ وصال
از سر شام سحر خیز ندیدست کسے

من ندیدم بمیان دیدم و چنداں دیدم　　حسن مستور بہستی ہمہ عریاں دیدم

حسن در جلوہ بہ آرائش امکاں دیدم | عشق دمساز بجاں بر سر پیکاں دیدم
حسن را جلوہ بہ تابات چہ دیر و چہ حرم | در صنم خانۂ دل جلوۂ جاناں دیدم
حسن یکتاست پس پردۂ پندار وجود | چشم بکشادم و در پیکر انساں دیدم
اے توئی مہر منوّر بہ سپہر توحید | پرتو حسن تو در آئینۂ جاں دیدم
تا جہالت بود از چشم دو بینا بہ حجاب | دیدۂ دل بتماشائے تو حیراں دیدم
نرسیدم ز خودی ہا بدم آب حیات | بیخودی خضر رہِ چشمۂ حیواں دیدم
غوطہ در خود زدم از غیر تو دزدیدہ نگاہ | تا نپرسی کہ جمالت بہ چہ عنواں دیدم
قلب عشاق کہ شد جلوہ گہِ حسن جمال | بے غبارش صفتِ آئینہ تاباں دیدم
چوں ز تقدیر ازل رندی و مستی من است | بخرابات مغاں جلوہ ز ایماں دیدم

ساحر از بخشش ہمہ جلوۂ جاں است عیاں
مہر در پیکر ہر ذرّہ درخشاں دیدم

گفتم بہ بہائے لب تو جاں بفروشم | گفتا چہ فتاد است کہ ارزاں بفروشم
عشق است ہوس نیست کہ آساں بفروشم | مشکل کہ گراں یابم و ارزاں بفروشم
جانست گرانمایہ اگر جاں بفروشم | حقا کہ بہ یک جلوۂ جاناں بفروشم
ایمانست نہ جانست کہ ارزاں بفروشم | گر دست دہد جلوۂ عریاں بفروشم
با بادۂ باقی ز کفِ شاہد یکتا | جانِ من و جاں تو کہ ایماں بفروشم
سرمایۂ پندار کہ گنجینۂ نقد است | ارزد کہ بجامِ مئے عرفاں بفروشم
بحریست پر آں قطرہ کہ با بحر بہ بیست | نادانہ دِ ایں نکتہ بناداں بفروشم
ازخود خبرم نیست اگر بیخودی اینست | یا بیہشیِ موسیِ عمراں بفروشم
رازِ سرِ الفت کہ ہویدا نتواں کرد | آں بہ دانا دل و بیجاں بفروشم
تا بوسہ زنم بر لبِ جام و لبِ ساقی | ہم کوثر و ہم روضۂ رضواں بفروشم

جز داغِ غمِ عشق مرا نیست متاعے
ساحر کہ منِ سوختہ ساماں بفروشم

حسنِ ازل صفات میں جب جلوہ گر ہوا — آئینۂ جمال وجودِ بشر ہوا
ترکِ وجود سے جو فنا میں گذر ہوا — نورِ بقا تجلّیِ تارِ نظر ہوا
کونین ہے جو نورِ تجلّی کی جلوہ گاہ — کُن سے فروغِ حُسنِ ازل جلوہ گر ہوا
نیرنگِ حُسن و عشق میں ذرات صفات کے — ایک شاہدِ ازل میرا مدّ نظر ہوا
اوسکی نظر میں ہستیِ عالم ہے نورِ ذات — نیرنگیِ صفات سے جو بے اثر ہوا
کیوں حُسنِ پردہ دار کی ہیں لن ترانیاں — منصورِ عشقِ راز کا جب پردہ در ہوا
ہے ذات پاک نورِ علیٰ نور بے نشاں — وہمِ خودی تعیّنِ علمِ خبر ہوا
وہ عینِ علم نورِ تجلّی میں ہے علیم — جو عالمِ صفات میں جب جلوہ گر ہوا
معلوم و علم و عالم و عرفاں میں نورِ ذات — اشراق و ہوش و صوت میں رنگِ اثر ہوا
صرفِ وجود و کل میں ہوا حُسن کائنات — اور جزو میں عینِ علم و وجودِ بشر ہوا
جو نورِ ذات مرکزِ عینِ صفات تھا — اپنی تجلیوں میں نہاں سر بسر ہوا
پنہاں شجر میں تخم ہوا تخم میں شجر — روشن ہے یہ مثال کہ دانہ شجر ہوا
قایم ازل سے دورِ تسلسل ہے تا ابد — ہنگامہ مرگ وزیست کا وہمِ نظر ہوا
جاں جسم ہوکے جلوۂ پندار بنگئی — جاں مبتدا ہوئی تو یہ جلوہ نظر ہوا

مرکز ہے نقطہ۔ نقطہ ہے خط خط ہے دائرہ
ساحر قدم حدوث میں حسنِ نظر ہوا

شاہد کہ ہستِ مطلق سرچشمۂ بقا تھا — قایم بذاتِ روشن بے رنگ ماسوا تھا
جسدم نشانِ ہستی نورِ قدم بنا تھا — لاجُنب و لاتغیر ایک جلوۂ بقا تھا
شاہد علیم بنکر بزمِ ازل میں آیا — جو بے ہمہ۔ ہمہ نقاب باہمہ ہوا تھا
واحد ہوا اثنیٰ ذات و صفات بنکر — وہ جلوہ تھا سکون کا یہ اضطراب کا تھا

تھا علم ذات شاہد قائم محیط روشن ۔۔۔ علمِ صفات نقشِ نیرنگیٔ و فنا تھا
حادث ہوا جو آکر حسنِ قدم کا جلوہ ۔۔۔ حسن علیم یکتا تثلیث بن گیا تھا
ایک سلسلہ تھا قائم پیدائش و فنا کا ۔۔۔ پیدائش و فنا میں جلوہ حیات کا تھا
یہ جسکو مانتے ہیں ہم سب حیات اپنی ۔۔۔ شاہد کا حُسن یکتا جلوہ میں آگیا تھا
ہمکو اَنانیت نے دیکھا ہے غیر اُس سے ۔۔۔ نامحرمی سے پردہ آنکھوں پہ پڑ گیا تھا
قدرت کا ایک کرشمہ کونین کا ہے جلوہ ۔۔۔ نیرنگیوں نے جسکو دلکش بنا رکھا تھا

منزل گہِ یقیں تھا ساحر وہ حُسنِ یکتا
خضرِ رہِ حقیقت عشقِ شکستہ پا تھا

دے دادِ بیکدوحی آ جان ہوا ہو جا ۔۔۔ اس گلشنِ ہستی میں ہمرنگ صبا ہو جا
آ حلقۂ رنداں میں مستِ مئے لا ہو جا ۔۔۔ ہستی سے گذر اے دل اور دم میں فنا ہو جا
تھا حسنِ خود آرائی مدّ نظر شاہد ۔۔۔ کُن حرف ارادت تھا معنی نے کہا ہو جا
موہوم سا اک نقطہ ہے تو صفحۂ ہستی پر ۔۔۔ نقش اپنا مٹا اے دل اور محوِ فنا ہو جا

آنکھوں میں سماتا ہے گر سُرمہ صفت ساحر
خاکِ درِ میخانہ بے بیم و رجا ہو جا

جلوہ سے جسے عار ہے بے پردہ اگر ہو ۔۔۔ ہے بے خبرِ حال جسے اپنی خبر ہو
اے بیخودی شوق وطن میں جو سفر ہو ۔۔۔ بے وہم فنا ہستیِ فانی سے گذر ہو
ہوں دیر و حرم جلوہ گہِ حُسن تجلّی ۔۔۔ گر سرمہ کشِ دیدۂ دل نورِ بصر ہو
صادق ہو اگر حُسن تو ہو حُسن ہم آہنگ ۔۔۔ ہو دلمیں اگر درد تو جذبہ میں اثر ہو
سرمست تیری نیم نگاہی سے ہوں ساقی ۔۔۔ ہشیار رہوں گر کرمِ نیم دگر ہو
پر تو ہے تیرے حُسن کا صورت ہو کہ معنی ۔۔۔ جلوہ ہے تیرے دم کا فلک ہو کہ بشر ہو
جاں جلوۂ مستوریٔ مستی کی ہو شاید ۔۔۔ دل جامِ مئے عشق سے سرشار اگر ہو

میں ہوں تو سراپا ہے مِرا رنگِ تعلق — پندارِ وجودی سے کہاں قطعِ نظر ہو
جب میں نہیں تو ہے ۔ تو نہ آمد ہے نہ ہے رفت — ہستی تِرا جلوہ ہو عدم وہمِ نظر ہو
میں ہوں نہیں اور تو ہے تو پیدا ہو کہاں شرک — فرقِ من و تو جزو مساواتِ نظر ہو
تو ہے تو سوا تیرے کہے کون کہ میں ہوں — وحدت میں جو کثرت نہ تجھے مدِّ نظر ہو
عریاں ہوں ہم ذوق میں جب حدت و کثرت — اس شانِ جلالی کی کسے تابِ نظر ہو
ہیبت سے ہراساں ہوں جہات و زمن و قطب — دہشت سے ہوں گم حدِ قضا ہو کہ قدر ہو

خاکِ درِ میخانۂ توحید ہو ساحر
پامالِ نگاہِ کرمِ اہلِ نظر ہو

قلبِ بے پندار نورِ جاں سے تاباں چاہیے — جلوہ گاہِ جانِ جاناں عینِ عرفاں چاہیے
پردہ ہائے بیخودی میں وصلِ عریاں چاہیے — پردہ دارِ حسنِ یکتا چشمِ حیراں چاہیے
مشعلِ وادیِ ایمن نورِ ایماں چاہیے — شعلہ تابِ طورِ برقِ خرمنِ جاں چاہیے
لن ترانی بے نیازو ربِّ ارنی نازِ عشق — بے نیازِ حسن و نازِ عشقِ عرفاں چاہیے
ذات اور اسم و صفت سے ہے ثلاثہ آشکار — جلوۂ تثلیث میں توحیدِ پنہاں چاہیے
وسعتِ کونین ہے جولاں گہِ ہوش و خرد — لامکانی لازمانی مستِ عرفاں چاہیے
حاصلِ روشندلی ہے جوہرِ انفاسِ پاک — زینتِ قلبِ مصفّا جلوۂ جاں چاہیے
ہیں سلوک و جذبِ عارف دیدۂ دل کا فروغ — نور پیدا چاہیے اور نار پنہاں چاہیے
ہے روا رندی میں جامِ بادۂ عشق و فنا — دمبدم ایک بیخودی کا ساز و ساماں چاہیے
کیوں نہ ہو روپوش پندارِ نفس میں نورِ جاں — پردۂ ظلمت میں پنہاں آبِ حیواں چاہیے
لمعۂ حسنِ ازل سے قلب ہے روشن ضمیر — محویت بے امتیازِ جان و جاناں چاہیے
بے من و بے تو ہے ایک کیفیتِ جامِ وصال — ترکِ ترکِ امتیازِ وصل و ہجراں چاہیے
قلب میں اعراب کے ایک حرفِ ساکن ہے نہاں — کیفِ مستی رنگِ مستوری میں پنہاں چاہیے

گلشنِ ہستی میں ہے گر طالب آسودگی　　پاک خارِ آرزو سے جیب و داماں چاہیئے
دل ہے ساحر کا ازل سے وقف تسلیم و رضا
تا قیامِ تن دم آب و لب ناں چاہیئے

خمسہ بر غزل عصمت بخارائی

زد ندا دوش بمن از تتق غیب سروش　　پُر کن از مے قدح و در رُخ ساقی مے نوش
گوش کن نغمۂ رنداں وز مستی مخروش　　سر خوش از کوئے خرابات گذر کردم دوش
بہ طلبگارئے ترسا بچۂ بادہ فروش

دل ہمہ محو تمنائے رخ دلدارے　　دیدہ ہا سر بسرم وقف سر دیدارے
شد دو چارم ز قضا مغبچۂ عیارے　　پیشم آمد بسر کوچہ پری رخسارے
کافرِ عشوہ گرے زلف چو زنار بدوش

للہ الحمد کہ فالِ طربم آمد راست　　خاطر آسود بہ تصدیق و منشور برخاست
روئے خوش در نظرم جلوہ زحیرت آراست　　گفتم ایں کوئے چہ کویست و ترا خانہ کجاست
اے مہ نو خم ابروئے ترا حلقہ بدوش

گفت اینجاست حرم محرمش از خاصانند　　تا بنائے ز درِ عشق درت نکشایند
گفتم ایں ناز بحال منِ بیدل مپسند　　گفت تسبیح بخاک افگن و زنار بہ بند
سنگ بر شیشۂ تقوے زن و پیمانہ بنوش

دیدہ را سرمہ ز خاکِ در میخانہ طلب　　دست بردار ز ہوش و دل دیوانہ طلب
نقد جاں نذر کن و جلوۂ جانانہ طلب　　تو بہ یکسو بنہ و ساغر مستانہ طلب
خرقہ بیروں فگن و کسوت رندانہ بپوش

پاک کن با مژہ خاکِ در میخانہ بسے　　از نم چشم بزن بر سر خاکش آبے
دیدہ کن فرش رہ پیر مغانش چندے　　بعد ازاں پیش من آ تا بتو گویم رمزے

راہ اینست اگر بر سخنم داری گوش

درگذشتم ز سپہر ما ومنی در کویش — در نوشتم ہمہ طومار ریا بردستش
در نہادم قدم از سر برہِ پابوسش — زود دیوانہ و سرمست دویدم پیشش

تارسیدم بمقامے کہ نہ دیں ماند و نہ ہوش

عشوۂ کرد و زجایم بہ ادائے بربود — جلوہ از شش جہتم دم بدم آمد بہ نمود
بود کونین بہ چشمم نظرِ آمدے بود — محو گشت از ورقِ کون ومکاں حرف وجود

نہ پری ماند نہ آدم نہ طیور و نہ وحوش

حالتے رفت کہ دیدم نہ بلنداست و نہ پست — نہ تمنا نہ دل ست و نہ شکست و پیوست
ہمہ مستی ہمہ عشق ست و ہمہ مست الست — دیدم از دور گروہے ہمہ دیوانہ و مست

از تب بادۂ شوق آمدہ در جوش وخروش

بے غم از محتسب و قاضی و شیخ و شناع — فارغ از کشمکش بیم ورجا صلح و نزاع
ہمہ سرمست ازل ہوش وخرد کردہ وداع — بے دف وساقی و مطرب ہمہ در وجد و سماع

بے مے وجام وصراحی ہمہ نوشانوش

من بفتوائے جنوں رخت ادب بربستم — کفر ورزیدم واز صومعۂ بیروں جستم
توبہ بشکستم و با جام و سبو پیوستم — چوں سر رشتۂ ناموس بشُد از دستم

خواستم تا سخنے پُرسم ازاں گفت خموش

بیزبانیست ادب دم مزن از لاف وگزاف — خبر از خویش در ینجا بود از وضع خلاف
بازبر گردنئی متصّف ایں اوصاف — این نہ کعبہ ست کہ با پائے سرائی بطواف

دین نہ مسجد کہ در وبے ادب آئی بخروش

ایں گذر جادۂ عشق است دریں مردانند — ایں مکاں منزلِ کیف ست دریں رندانند
ایں سراخلوت خاص است دریں خاصانند — ایں خرابات مغالست دریں مستانند

از دمِ صبحِ ازل تا بہ قیامت مدہوش
ساحرا حوصلہ کن بگذر ازیں دلتنگی ہوست ہست گذشتن ز سرِ نیرنگی
چوں تمنّاست ترا نغمہ ز ہم آہنگی گر ترا ہست دریں شیوہ سرِ یکرنگی
دیں و دانش بہ یکے جرعہ چو عصمت بفروش

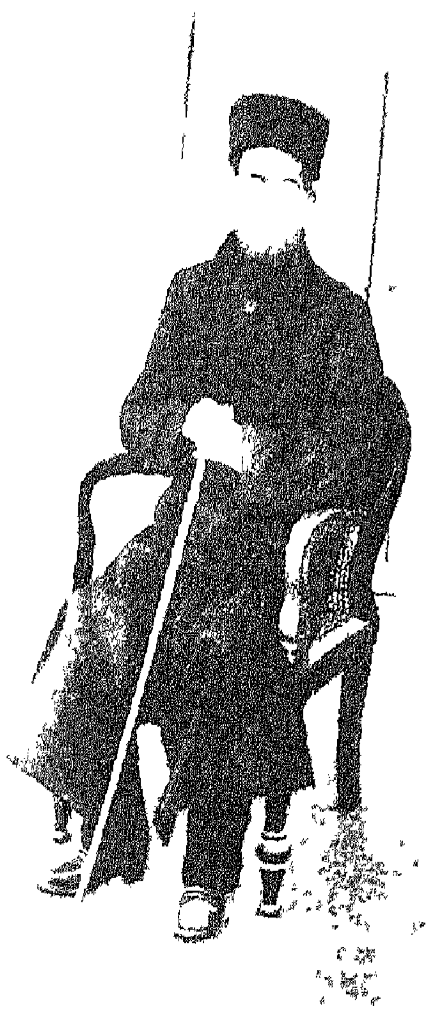
رندِ عالم سوز کو کیا ماسوا سے کام ہے دستِ شاہد ہے۔ مے باقی ہے۔ دورِ جام ہے
گم ہیں کیفِ بیخودی میں لفظ و معنیٔ عقل و ہوش آگیا جو کچھ زباں پر غیب سے الہام ہے
طایرِ قدسی ہے مجبورِ تمنّائے قفس کیا فضائے عالمِ ایجاد دلکش دام ہے
جلوۂ کثرت میں پیدا نورِ وحدت میں نہاں میم ہے حرفِ ارادت اور حد بے نام ہے
پرتوِ نورِ ازل میں جلوہ ہائے حُسن و عشق راد ہر کا ہے جانِ جاناں جانِ جاں گمنام ہے
ہے نیاز و ناز میں فطرت سے قلبی اتحاد جلوۂ یک جاں دو تن مثلِ توام بادام ہے
عاشقِ مجذوب ہے وارفتا میں کامگار
معتقد ساحر جو جذبہ کا کہیں ناکام ہے

منصور سے ہے اوجِ شرف دار کے لئے کافی ہے نکتہ محرمِ اسرار کے لئے
سر تا بپا ہے نور کا عالم نگاہ میں آنکھوں پہ ہم نے نقشِ قدم یار کے لئے
ہے کفرِ عشق جلوۂ ایمان و آگہی رحمت ہے عام کافر و دیندار کے لئے
اے ہوش الوداع۔ کہ ساقی کی چشمِ مست ہے جامِ بیخودی دلِ ہشیار کے لئے
رازِ درونِ پردہ ہے بے شوق دید فاش جلوے بہت ہیں طالبِ دیدار کے لئے
حیرت سے بیخودی میں فنا ہے نیازِ عشق موقوف نازِ حسن ہے پندار کے لئے
ساحر ہمیں ہے شاہدِ حُسنِ ازل سے کام
دیر و حرم ہیں جلوۂ انوار کے لئے

سادھو ۔ پنڈت کالکا پرشاد صاحب سادھو۔

خط بجواب خط پنڈت دینا ناتھ صاحب اوگرہ تحصیلدار نگارش شدہ

ہمایوں نامۂ خوش عنبریں بو ۔۔۔ مشام جان کی نزہت دلکا نیرو
بیاض اسکی جبینِ نعمت چیں ۔۔۔ سواد اسکا ہے مشک نافہ آہو
عبارت جانفزا اُسکی دل آویز ۔۔۔ دل و جاں دونوں کرتی ہے بہ قابو
مرے محسن ہیں دینا ناتھ پنڈت ۔۔۔ بہ عقل و علم و دانش چوں ارسطو
فریبؔ اُن سے ہے تحصیلداری ۔۔۔ نگھاسن میں مقرر ہے وہ خوش خو
رضامند اُن سے حاکم اور رعایا ۔۔۔ ہے اُنکی خُلق کی بس دُھوم ہر سو
اُنھوں نے یہ مجھے بھیجا خوشی سے ۔۔۔ مبارکباد نامہ اور ... لکھا تو
رہا خاموش کیوں ابتک سبب کیا ۔۔۔ نہ لکھا تونے کوئی قطع ... نیکو
کہ جس میں سال تاریخِ ولادت ۔۔۔ ہمایوں پُور وقتِ خود نکو ... خو
سودی آسوج کی چودس کو پیدا ۔۔۔ ہوا وہ رشک مہر و ماہ ہر دو
ترلوکی ناتھ اُس کا نام رکھا ۔۔۔ بہ احسن ساعت و آوانِ نیکو
یہ پڑھکر ہوش ہوا غفلت سے مجھکو ۔۔۔ کہ ہے افکار سے خاطر جو مملو
مقدم تر سمجھ تعمیلِ ارشاد ۔۔۔ ہوا اس فکر میں جو سر بہ زانو
یکایک دل نے میرے یہ دعا دی ۔۔۔ جیئے پنڈت ترلوکی ناتھ (۱۸۸۴ء) کز رو
یہ کہکر عیسوی دیگر بھی سُنئے ۔۔۔ ہوئی جو فکر دل کو کچھ تگاپو
کہا پھر بار نخل باغ امید (۱۹۴۱ء) ۔۔۔ بہ سمت سے پھلے پھولے وہ گلرو
اور ہاں وجہِ بہار باغ امید (۱۳۹۲ف) ۔۔۔ سنہ فصلی بھی ہے پہلو بہ پہلو
بنایا سال لیا ہیں کا بھی سا لکھا ۔۔۔ قدم لے رائے کے اور کہہ اسے تو
لکھی ہے پہلے جو تاریخ اُس میں ۔۔۔ سن ہجری بھی ہے اے میرے دلجو



پنڈت جواہر ناتھ کول غمخوار۔ ساقی۔

سنیں یہ چار تاریخیں جو دل سے ۔ گذارش ہیں نہیں فرق ایک سرِ مو

بجالایا ہوں صرف ارشاد سامی ۔ نہیں مجھ میں لیاقت ایک سرِ مو

مبارکباد ہر جملہ عـــزیزاں

ز پنڈت کالکا پرشاد سادھو

ساقی۔ پنڈت جواہر ناتھ صاحب غمخوار کول خلف راجہ پنڈت برج ناتھ صاحب کول ساحر دہلوی فرماتے ہیں کہ۔

پنڈت صاحب کے مورث اعلیٰ پنڈت سدانند صاحب کول کو جلال الدین اکبر بادشاہ نے طلب کیا تھا آخر عہد اکبری میں وہ کشمیر سے آکر آگرہ میں سکونت پذیر ہوئے جہانگیر اپنے ہمراہ لاہور و کشمیر لے گیا شاہجہاں کے وقت میں دہلی آئے منصب پنجہزاری سوار۔ جاگیر و مکان سکونت سب بادشاہ کی طرف سے تھا اعتماد السلطنت مشیر الملک مرزا راجہ پنڈت سدانند صاحب کول غمخوار برادران کے خطاب سے مخاطب کئے جاتے تھے اسی طرح یہ عہدہ بعد نسلاً قایم رہا سب بزرگ متقی اور اہل طریقت تھے اور سلسلہ طریقت بھی جاری رکھتے تھے محمد شاہ کے عہد میں جناب ساقی کے والد کے دادا راجہ پنڈت لچھمی نراین کول عالم تخلص بادشاہ کی شراب خواری سے گھبراکر بنارس چلے گئے بادشاہ نے بہت روکنا چاہا مگر اُنھوں نے کہا کہ عبادت کرنا چاہتا ہوں تارک الدنیا ہونے کا خیال غالب ہوگیا ہے نواب سعادت علی خاں برہان الملک کو اُن سے بہت الفت تھی انھوں نے کاشی جی میں رہنے نہ دیا اپنے ہمراہ اودھ لے گئے اُن کے فرزند راجہ صاحب رام نواب شجاع الدولہ کے دیوان رہے اور اُنکے فرزند راجہ بھولا ناتھ صاحب المتخلص بہ عارف کو نواب آصف الدولہ کے زمانہ میں انگریزوں نے اپنی ملازمت میں شامل کرایا شاہ عالم کے عہد سے جناب

ساقیؔ کے خاندان نے پھر دہلی میں سکونت اختیار کی جناب ساقی کے دادا راجہ پنڈت بدری ناتھ صاحب باطنؔ تخلص ریاست ریواڑی میں راجہ تلا رام کے نائب ریاست رہے رئیس ریواڑی نے ایام غدر میں سرکار انگلشیہ سے بغاوت کی اور آخر شکست کھا کر ملک روس کی طرف فرار ہو گیا اُنکے دادا صاحب نے ریاست کا کل کار و بار حضور دائسرائے بہادر کو سمجھا دیا اور خانہ نشین ہو گئے سرکار نے اُنکو ملازمت میں شامل رکھنا چاہا لیکن اُنھوں نے منظور نہیں کیا جناب ساقیؔ کے والد راجہ نان پارہ کے ملازمت میں رہے اور ساری عمر اُن کی وہیں صرف ہوئی وفات سے صرف دو سال پیشتر دہلی آ کر عبادتِ خدا میں مصروف رہے جناب ساقی نے ساری عمر درویشوں اور فقیروں کی خدمت گذاری میں صرف کی اور تیرتھوں میں پھرتے رہے۔

تعلیم اول گھر پر ہوئی اُنکے اُستاد پنڈت کنج لعل جی مہاراج ماسٹر رام پرشاد صاحب اور مولوی سید نظیر شاہ صاحب جیلانی تھے بعد میں گورنمنٹ کالج میں داخل ہو کر ایف اے تک تعلیم پائی اور والدہ اور قریبی عزیزوں کی وفات کے سانحات نے سلسلہ تعلیم منقطع کر دیا ابتدا میں غزلیں پنڈت امر ناتھ صاحب آشفتہ وصاحب عالم مرزا قادر بخش صاحب صابرؔ اور مرزا قربان علی بیگ سالکؔ کو دکھائیں اس پر دونوں صاحبان نے فرمایا کہ اُستاد سید ذکی آنے والے ہیں اُن سے اصلاح لیا کرو کئی غزلیں اُنھیں دکھائیں اور اس فن کے متعلق اُن سے فیض یاب ہوئے فارسی کلام جناب پنڈت اجودھیا پرشاد صاحب منشی مبتلا اتالیق مہاراجہ صاحب گوالیار اور جناب منشی ہر گوپال صاحب تفتہؔ و مولوی ضیاء الدین صاحب نیّر کو دکھائیں بعد میں کسی صاحب سے مشورہ کرنیکا اتفاق نہ ہوا جناب ساقیؔ کی یاد اُن کے احباب کے دل سے کبھی دور نہیں ہو سکتی ایسا زخم کاری ہے جو کبھی دور نہیں ہو سکتا شعرائے دہلی کی محفل میں اُنکے راہی ملک بقا ہو جانے سے عجب بے رونقی ہو گئی ہے اُنھوں نے نہایت سنجیدہ اور با مذاق

طبیعت پائی تھی زمانہ کی ناموافقت سے تمام عمر تنگی میں گذاری مگر باحوصلہ بزرگ کے چہرہ پر کبھی شکن تک نہ پڑی مرنے سے چند سال پہلے کچھ ترکہ ہاتھ آیا تھا مگر اس درویش باکمال نے اپنی روش نہ بدلی اور زر و مال کی کچھ حقیقت نہ سمجھی مرتے وقت ہندو کالج۔ کشمیر و دیا لہ یتیم خانہ کو کئی ہزار روپیہ عطا کر گئے ایسی باکمال ہستیاں ہندوستان کے لئے مایۂ ناز ہیں آپکے کلام سے چند غزلیں تبرکاً ذیل میں درج کی جاتی ہیں نہایت پُر گو تھے ہزار ہا غزلیں کہیں افسوس کہ بہت سا کلام ضایع ہوگیا پنڈت پرتھی ناتھ صاحب او کِل نے کلام جمع کیا تھا مگر وہ بیاض نہ معلوم کہاں گم ہوگئی کچھ پتہ نہ چلا مقام شکر ہے کہ چند مسودات مختلف پرچوں پر لکھے ہوئے جناب پنڈت شیو نراین صاحب ہاکسر رئیس دہلی نے نہایت احتیاط سے کشمیری ودیا لائبریری میں رکھوا دئے تھے انھیں ترتیب دے کر چھپوا دینے کا ارادہ کر رہا ہوں تاکہ اصحاب قوم حضرت ساقی کی طبیعت کے جداگانہ رنگ کو دیکھکر لطف باطنی اُٹھائیں اور خمخانہ ساقی کی دو آتشہ مے کے جام کے سرور سے ارباب قوم کو گونہ بے خودی حاصل ہو۔

دہلی کے اہل ہنود میں اردو شاعری کا چرچا بہت کچھ اس پرانے اُستاد کی ذات سے قایم تھا جناب ساقی کا ہر شعر ایک خاص معنی رکھتا ہے کہیں غالب کا رنگ جھلک رہا ہے کبھی مضامین کی شوخی بے ساختہ داغ کی یاد دلاتی ہے کہیں پے در پے صدمات اُٹھائے ہوا درد سے بھرا دل اپنی تڑپ کو ایسے پُر زور الفاظ میں ادا کرتا ہے کہ سننے والوں کے دل بھر آتے ہیں کہیں معرفت کا رنگ ہے کہیں مسئلہ آواگون پر بحث چھڑی ہوئی ہے اور کہیں کہیں رموز معرفت کو آسان اور دلچسپ پیرایہ میں بیان کیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ عجب ہمہ گیر طبیعت پائی تھی جو کچھ کہتے تھے خوب کہتے تھے خاص خاص بندشیں کلام کی زینت کو دوبالا کرتی ہیں

ساقی کی شاعری میں ایک خاص لطف اسوجہ سے حاصل ہوتا ہے کہ اُن کی شاعری بناوٹ اور تصنع سے خالی ہے دل کی جلن کا اظہار بغیر کسی رکاوٹ کے صاف صاف بیان کرتے ہیں اور اس لحاظ سے امیر مینائی کے لایق شاگردوں کے ہم پلہ معلوم ہوتے ہیں ساقی کی شاعری وہ شاعری نہیں جسے شاعر کی زندگی میں ہی لوگ بھول جاتے ہیں یہ وہ شاعری ہے جو جب تک اردو زبان قایم ہے قایم رہیگی اسکی وجہ یہ ہے کہ ساقی کے کلام میں تاثیر ہے اس کے سننے سے آپ محسوس کرتے ہیں کہ کن کن مدارج کو طے کرکے اُس کامل فن کا عشق مجازی عشق حقیقی میں بدلا ہوگا جناب ساقی کو شہنشاہ معظم کے جشن تاجپوشی کے موقع پر قصیدہ کے صلہ میں تمغہ اور سند عطا ہوئی تھی ساقی کی شاعری بعض اوقات تخیلات کی بلند پروازی کی وجہ سے اُنھیں نہایت ممتاز شعراے اردو و فارسی کا ہم پلہ بناتی ہے فقط لالہ سری رام صاحب مؤلف تذکرۂ خمخانۂ جاوید نے حضرت ساقی کی نسبت حسب ذیل گوہر افشانی کی ہے۔

سرسار بادۂ سخن دلدادۂ رنگ کہن پنڈت جواہر ناتھ دہلوی المخاطب "بلبل کشمیر" آپ کول فرقہ کے کشمیری پنڈتوں میں ادبی قابلیت کے اعتبار سے طرۂ امتیاز رکھتے تھے آپ کے مورث اعلیٰ پنڈت سدانند کول عہد اکبر شاہ میں وارد آگرہ ہوئے انکی بزرگی اور کمالات باطنی کے باعث شاہی دربار میں بڑی قدر و منزلت کی گئی اور پنج ہزاری اُمرا کے زمرہ میں جگہ دی گئی غمخوار برادراں کے لقب سے سرفراز کئے گئے۔

اُن کی اولاد میں راجہ صاحب رام نواب شجاع الدولہ کے مصاحب ہوکر اودھ چلے گئے اور اُن کے برخوردار راے بھولا ناتھ جو حضرت ساقی کے پردادا تھے گورنر جنرل کے میر منشی مقرر ہوئے پنڈت بدری ناتھ کول میر منشی صاحب کی قابل یادگار تھے جنکو راجہ صاحب بہ لوا ڑی نے اپنے ہاں دیوان مقرر فرمایا تھا ساقی صاحب کے والد پنڈت برج ناتھ صاحب کول موضع بیاس ضلع بلب گڈھ کے

بسوہ دار تھے آپ کچھ دنوں تک سرکاری ملازم رہنے کے بعد راجہ جنگ بہادر والئے نان پارہ کے مصاحبت میں داخل ہوئے اور وہاں نہایت اعزاز و احترام سے رہے ساقی صاحب کے نانا پنڈت رام کشن صاحب دہلوی بھی شاعر تھے جو بسملؔ تخلص کرتے تھے اور پرانی دہلی کالج میں ایک لائق اور قابل مدرس تھے۔

جناب ساقی کو پندرہ برس کی عمر میں شعر گوئی کا شوق پیدا ہوا حکیم لطیف حسین صاحب سے فارسی پڑھی اور شاعری میں پنڈت امرناتھ آشفتہ دہلوی سے شرف تلمذ حاصل کیا فارسی سخنوری میں میر شاہجہاں کاملؔ سے اصلاح لیتے رہے جب آشفتہ مرحوم پنجاب چلے گئے تو نواب سید محمد ذکریا خاںصاحب زکیؔ ارشد تلامذہ حضرت غالبؔ سے سلسلہ تلمذ مضبوط کیا زمانہ کی بے مہری نے حضرت زکیؔ مرحوم کو بھی دلّی میں نہ رہنے دیا وہ صوبہ جات متحدہ کے مدارس میں ڈپٹی انسپکٹر ہوکر وہاں چلے گئے تو انھوں نے اپنے احباب سے مشورہ سخن رکھا پنڈت امرناتھ صاحب ساحرؔ منشی رام رچپال سنگھ شیداؔ سے عرصہ تک شاعرانہ صحبتیں گرم رہیں تھوڑے دنوں کے بعد مولوی محمد حسین صاحب شہیدؔ الہ آبادی کے انتقال نے انکو شاعری کی طرف سے برداشتہ خاطر کردیا مگر دہلی کے مشاعروں نے پھر ابھارا اور اس میدان میں لاکھڑا کیا آپ مشکل اور سنگلاخ زمینوں میں اچھے شعر نکالتے تھے تصوف معرفت و یدانت سے دلکو لگاؤ تھا خیالات نازک اور لطیف تھے باطنی جذبات کو ظاہری الفاظ میں ادا کرنا انکا حصہ تھا آپ کے کلام بلاغت نظام میں بعض ایسے اشعار موجود ہیں جو قدما کی نازک خیالی کی یاد دلاتے ہیں نرالی بندشوں اور نئی ترکیبوں کے برتنے میں مشاق تھے وحدت الوجود اور مشاہدۂ حق کے مضامین شاعرانہ تخیل میں رنگا رنگ کیفیت پیدا کردیتے ہیں۔ نہایت پرہیزگار تھے۔ فقیر دوست۔ ملنسار خوش مزاج شخص تھے سادھوؤں جوگیوں اور صوفیوں کو دل سے عزیز رکھتے تھے ساقی صاحب مؤلف تذکرہ خمخانۂ جاوید کے مہربان تھے ۱۹۱۴ء میں چالیس پچاس غزلوں کا انتخاب خود ہی کرکے اُن کو دیا تھا اُسکے

دو برس بعد ۵۲ برس کی عمر میں ۱۹۱۶ء میں خفیف علالت کے بعد انتقال کیا۔ مسودات ذخیم چھوڑے تھے جنکو پنڈت امرناتھ صاحب مدن ساحر دہلوی اُن کے رفیق دیرینہ نے مرتب کرکے دیوان شایع کرایا ہے۔ ساقی صاحب لاولد فوت ہوئے۔ نمونہ کلام یہ ہے۔

ذوق نظارہ سرا دیدۂ حیراں نہ ہوا — پردۂ رخ اثرِ چشم نگہباں نہ ہوا
میں جو مجذوبِ ازل تھا نہ گئی محویت — صبح محشر سے میرا چاک گریباں نہ ہوا
ابنِ مریم کی صفت اسمیں ہے کیونکر مانوں — جس مسیحا سے میرے درد کا درماں نہ ہوا
ہم بھی گر پڑکے گدایانہ بسر کرتے ہیں — نہ سہی سر بفلک گنبدِ ایواں نہ ہوا
ہوکے یک جان و قالب بھی رہی ضد ہی — تم بھی ہندو نہوئے میں بھی مسلماں نہ ہوا

مجھکو خاموش جو دیکھا گلِ رعنا نے کہا
آج کیوں بلبل کشمیر غزل خواں نہ ہوا

جو بشر صورت آشنا نہ ہوا — راز باطن کا اسپہ وا نہ ہوا
جذبۂ شوق چاہئے سالک — اس سے جو ملگیا جدا نہ ہوا
فرض کی بحث میں لگے ہی رہے — فرض جو تھا وہ کچھ ادا نہ ہوا
خود شناسی خدا شناسی سے — بندہ بندہ رہا خدا نہ ہوا
سخت حیرت ہے اے دلِ مشتاق — کیوں اثر ہمدمِ دعا نہ ہوا

رند میکش ہے ساقی سرمست
یہ سیہ مست پارسا نہ ہوا

نقش مضمر ہے لا میں اِلّا کا — موج پردہ ہے روے دریا کا
یہ فریب نظر جو عالم ہے — عشق طناز ہے خود آرا کا
جرس آہنگِ صوتِ سرمد ہے — کیا ترنم ہے قلبِ گویا کا
پھر کہاں دل میں بوئے رنگ دوئی — کھل گیا جب خواص اشیا کا

امتزاج حسن و عشق کا کیوں ہے — جذب ہے عاشقانِ شیدا کا
یہ وجود و شہود کا پردہ — برقع ہے جلوۂ معرّا کا
کنزِ مخفی ہے اسکو وہ سمجھے — جو کہ عالم ہو سیر اسرار کا
حسنِ نظارہ سوز اُس گل کا — برق خرمن بنا تماشا کا
گُنگ گویا ہوا ہے حیرت میں — ہو گیا راز فاش اخفا کا

بادۂ بے خمار ہی ساقی
ذوق ہے تجھکو جام صہبا کا

آج جلوہ ہوا ہے کس گل کا — سنتے ہیں شور نالۂ دل کا
شیفتہ ہیں جمال زیبا کے — عشق ہے حسن کے تجمل کا
چشم میگوں کے ہم ہیں متوالے — شوق ہے ہمکو ساغرِ مُل کا
جلوہ افزا ہے وہ بہار چمن — ہے تماشا ہجوم بلبل کا
زلف کاکل کے دیکھنے والو — دیکھنا پیچ و تاب سنبل کا
ہے یہ مشہد شہید کا تیرے — تو بھی لے لے ثواب ایک قُل کا
ہیں زمانہ میں بے نیاز وہی — جن کا شیوا ہوا توکّل کا
وہ یگانہ ہے لاشریک واحد — واسطہ کچھ نہیں توسّل کا
گو یہ انسان ہے ایک جزو ضعیف — پر یہ باعث ہے مظہر کُل کا
آئے پیر مغاں کے حلقہ میں — مغبچے سُن کے شور قُلقُل کا

تیرا ساقی ہوا ہے زمزمہ سنج
تو بھی سن لے ترانہ بُلبُل کا

وہ گل رعنا نہیں سنتا فغان عندلیب — نالۂ جاں سوز میں ہے داستانِ عندلیب
دیکھ اے گلچین ظالم خانہ بربادی نہ کر — اس شجر کی شاخ پر ہے آشیانِ عندلیب

جلوۂ دیدار کی حسرت دمِ آخر بھی ہے — دم گھٹا جاتا ہے آئی لب پہ جانِ عندلیب
نالۂ بلبل کا شیدا ہو گیا وہ گلعذار — کیوں نہ ہو معجز نمارنگِ فغانِ عندلیب
ذوقِ نغمہ بھی تو سن اے گلرخِ شیریں ادا — کیا شکر گفتار ہے شیریں زبانِ عندلیب

ساقیِ حیرت نظر نقشِ قدم ملتا نہیں
کس طرف ہو کر گیا ہے کاروانِ عندلیب

کچھ ترحم بانیِ بیداد کر — خستہ دل ہیں قید سے آزاد کر
خود نمائے شوق بے پروا نہ ہو — ہم غریبوں کو کبھی تو یاد کر
منتظر تیرا ہوں اے رشکِ قمر — میرے غم خانہ کو بھی آباد کر
تیری فرقت نے کیا افسردہ دل — شاد میری خاطرِ ناشاد کر
ہیں فدا تیری محبت کے اسیر — رحم اُن کے حال پر صیاد کر
ماجرائے عشق سن کر یہ کہا — پھر بیاں حسرت بھری روداد کر

کون سنتا ہے ترا شور و فغاں
ترک ساقیؔ نالۂ و فریاد کر

دلکشا روح فزا نورِ صفا صبحِ بہار — خوشنما رنگ یہ منظر ہے خوشا صبحِ بہار
صبحدم دیکھ کے جلوہ تیرا سب ہیں دلشاد — ہم گرفتارِ قفس ہیں ہمیں کیا صبحِ بہار
تیرے مشتاق ہیں سبزانِ چمن گلشن میں — تیرے شیدا ہیں دم بادِ صبا صبحِ بہار

ناظرِ حسن صباحت ہے دل جلوہ پرست
ساقیِ زار کو ہے ذوق صفا صبحِ بہار

چہ افتادت ترا مشاطہ بہرِ زیب و تزئینش — بیا بنشیں اگر خواہی بچشم شوق من بینش
ہمیں آورد ضیا اللہ آں کان ملاحت را — کہ پارہ پارہ گردیدہ جگر از حسن تمکینش
غبارِ خاطرش پیداست از لوحِ مزارِ من — کہ میخواہد دہد بر باد ایں مشتِ غبارِ من

دہد یادم زشوخی ہائے وبیتابیٔ خاطر — بہ شوخی ساز کرد آخر چناں صبر و قرارِ من
نیارم تا دگر شکوہ بہ لب از اضطرابِ او — دلم آخر ربود از من بتِ زنّار دارِ من
زجوشِ بیخودی گاہے بدیرم گاہ در مسجد — چناں عشقم ربود از من زمامِ اختیارِ من
چہ اندیشم ضیاؔ از دار و گیرِ فتنۂ محشر
کہ میدارم ز رحمت سایۂ روز شمارِ من

کیا بتاؤں تمھیں کہتے ہیں کسے فتنۂ حشر — دو قدم دیکھ لو چلکر کہ قیامت کیا ہے
کوچہ یار میں آرام سے سونے والے — پوچھتے بھی تو نہیں گلشن جنت کیا ہے

ولہ

زلف پر پیچ دکھاتے ہیں مجھے — دیکھو دیوانہ بناتے ہیں مجھے

ولہ

خلش ناوک مژہ ہے مجھے — تیر مارے ہیں بے خطا تمنے

ولہ

اضطراب مرض عشق کی دیکھو تشخیص — مجھکو وحشت ہے اطبّا خفقاں کہتے ہیں
گر ہمارا دل صد پارہ نہیں ہے ساقیؔ — اور کیا ہے وہ جسے لوگ کتاں کہتے ہیں

ولہ

اُس کم و کیف کے اسرار جو انساں سمجھا — ہو گیا اہل نظر عالم امکاں سمجھا
کفر و ایمان کا عجب رنگ ہے نیرنگی میں — یہ وہ نیرنگ ہے کافر نہ مسلماں سمجھا
وسعتِ مشرب رنداں کا نہیں ہے محرم — زاہد سادہ ہمیں بے سر و ساماں سمجھا

ولہ

لطفِ نظر کرشمۂ حسن نگار تھا — سرمستِ رنگِ جلوہ دلِ بیقرار تھا
مجذوبِ عشق جان کے وہ ملتفت ہوئے — ہر ہر ادا سے رنگِ جنوں آشکار تھا
چشم کرم نواز خطا پوش ہو گئی — تقصیر وار جذبۂ بے اختیار تھا
آزادہ رو مرید تعلق نہو سکے — گو دلفریب یہ چمنِ روزگار تھا

ولہ

ہم کو محروم لقا کر دو گے بہکا نیکے بعد — زاہد و جلوہ نہیں کوئی صنم خانے کے بعد
گرمیٔ ہنگامہ سوزِ عشق کی روداد تھی — لطف کیا آتا کسیکو میرے افسانے کے بعد
رازداں کہہ تو سہی کیا تذکرہ تھا بزم میں — رنگ محفل کیا رہا میرے چلے آنے کے بعد

جام و مینا۔ خُم۔ سَبو پہلے کہاں آتے نظر　　رونما ساقی ہوئے ہیں سب یہ مےخانے کے بعد
بادۂ سرجوش کا ہے دور ساقی ہوشیار
دورِ ساغر اب نہ لینا ایک پیمانے کے بعد

ولہ

سنی ہے کیف میں ہمنے صدائے خندۂ دل　　نوائے جذبۂ دل ہے نوائے خندۂ دل
ہمارے نالۂ جانسوز دلنواز ہوئے　　بنا ہے رنگِ اثر رونمائے خندۂ دل
کیا ہے خندۂ زیرلبی نے محو ہمیں　　وہ محو ناز ہوا لب کشائے خندۂ دل
نگاہِ جذب کے مجذوب ہو گئے مدہوش　　بیاں یہ کون کرے ماجرائے خندۂ دل
فنا پذیر ہے کچھ اسکا اعتبار نہیں　　تماشہ ہے کوئی دم کا بقائے خندۂ دل

ولہ

پیا ہے شوق سے جام شراب خندۂ گُل　　دلیل راہ بنا آفتاب خندۂ گُل
کیا ہے ذوقِ تماشا نے محوِ نظارہ　　رہا نہ شوق میں کچھ بھی حجاب خندۂ گُل
ہوئی ہے بادِ صبا موجزن گلستاں میں　　بنا ہے موجِ تماشا سحاب خندۂ گُل
تمھارے خندۂ زیرلبی کا مست ہوا　　عیاں ہے چہرہ سے حالِ خراب خندۂ گُل
ہوا ہے بوجہ رفتارِ یار کا پامال　　عدم وجود ہے نقشِ برآب خندۂ گُل
کیا ہے جذبۂ دل نے نہیں بھی مائلِ شوق　　ہوئے ہیں سالکِ راہِ صوابِ خندۂ گُل
بہارِ طبع رواں رنگِ شاہدِ رعنا　　فروغِ نالۂ سوزاں۔ جوابِ خندۂ گُل

ولہ

ناز کو یہ ناز ہے اُسکے طرفدار ہمیں ہوں　　عشق نازاں ہے کہ اُسکے نازبردار ہمیں ہوں
حسن کو بھی خودنمائی سے حجاب آنے لگا　　شرم بھی شوخی سے کہتی ہے حیادار ہمیں ہوں
لطف ہو رازو نیازِ عشق کا جب آشکار　　تُو مرا دلدار ہو میں تیرے غمخوار ہمیں ہوں
زخم کاری دے رہی ہے کیوں مجھے تیغِ عشق　　میں تو اُسکے جرم ناکردہ گنہگار ہمیں ہوں
ساقیِ سرمست ہوں ساغر کشِ صہبائے عشق
میں بھی اے پیر مغاں تیرا ہی میخوار ہمیں ہوں

کوئی ہمدم ہے نہ ہمدرد ورفیق — ایک دل وہ بھی کسی کی یاد میں
شوقِ مشتاقِ شہادت دیکھنا — خود دیا خنجر کفِ جلاد میں
دل بھی اب پہلو تہی کرنے لگا — ہوگیا تم سا تمھاری یاد میں
ظلم کا دل اسقدر خوگر ہوا — لطف اب آنے لگا بیداد میں

ولہ

جنوں مشرب ہیں نیرنگِ تماشا دلمیں رکھتے ہیں — جنوں پیکر بتاتے ہی نہیں کیا دلمیں رکھتے ہیں
امیدیں جاں بلب ہیں کشتۂ حسرت تمنائیں — وہ کیوں گنج شہیداں سینۂ بسمل میں رکھتے ہیں
جنوں مستانِ ارمان جذبۂ شوقِ شہادت میں — تماشا دیکھئے خنجر کفِ قاتل میں رکھتے ہیں
جو ہے رازو نیاز نیستی وہ کھل نہیں سکتا — ہم اپنے دلمیں رکھتے ہیں وہ اپنے دلمیں رکھتے ہیں

ولہ

مشتاق ہیں صورت کے بے پردہ ہویدا ہو — کیا دیکھ سکیں اسکو جو پردے میں بیٹھا ہو
کیا دیکھتے ہو ہمکو حیرت کی نگاہوں سے — کچھ یاد نہیں آتا شاید کہیں دیکھا ہو
بے مثل تماشے ہیں نیرنگِ مظاہر کے — کیا جلوہ نظر آئے آئینہ جو الٹا ہو
ہم مستِ مئے جلوہ وہ ساقی رعنا ہو — اک ہاتھ میں ہو ساغر اک ہاتھ میں مینا ہو

ولہ

نظر مشتاقِ جلوہ شوق دامنگیر میخانہ — حجابِ کامگاری حسرتِ تعمیر میخانہ
یہ کیا تنویر ہے تنویر میں تسخیر میخانہ — نگاہِ رندِ ساغر نوش ہے تصویر میخانہ
خطِ ساغر لبِ نوشیں کا عکسِ حسن جلوہ ہے — دکھائی ماہ طلعت نے عجب تحریر میخانہ
مئے دوشیں کا ہمکو جرعۂ نوشیں نہیں ملتا — یہ نیرنگِ کرشمہ آج کیا ہے پیر میخانہ
کیا ہے محرمِ اسرار ہمکو جام صہبا نے — ہمارا کشف باطن مظہر تفسیر میخانہ
کہاں ہے میکدہ وہ ہے کرشمہ کا صنم خانہ — طلسمِ حیرت افزا عالمِ تصویر میخانہ
یہ میکش سب مرید حلقۂ دورِ تسلسل ہیں — کہاں آزاد ہو وابستۂ زنجیر میخانہ
جھلکتی ہے مئے گلرنگ کیا جام بلوریں میں — بنی نورِ سحر رنگِ شفق تنویر میخانہ
وہ گلرو شمع محفل ہم ہیں سرمستِ مئے جلوہ — حریفِ رو سیہ یارب نہو رہگیر میخانہ

فروغِ انجمن آرا ہوے ہیں ساقیِ حلقہ — تجلی خیز منزل کیوں تہو تنو بر میخانہ

ولہ

کیف و سرورِ عشق ہے غیب و حضورِ عشق ہے — جلوۂ نورِ عشق ہے آج میانِ میکدہ
نشۂ شوق کا اثر ہو جو گیا ہے سر بسر — پوچھتا ہے ہر اک بشر راہ و نشانِ میکدہ
جلوۂ خود نما ہوا پردہ کوئی نہیں رہا — ہمکو بھی آج کھل گیا رازِ نہانِ میکدہ
ہوش ہوئے تمھارے گم پی جو گئے ہو خم کے خم — دیکھتے ہی نہیں ہو تم رنگِ جہانِ میکدہ
جو ہے یہاں وہ مست ہے ساغرِ مئے بدست ہے — ساقیِ مے پرست ہے روحِ روانِ میکدہ

ولہ

چلے ہیں شوق میں ہم یا خدا بنے نہ بنے — وہ کیا سلوک کرے دلربا بنے نہ بنے
فریبِ جلوہ ہے نقش و نگارِ فطرت میں — جو محوِ دید ہو حیرت ادا بنے نہ بنے
فسونِ خیال ہے تحریکِ شورِ رعنائی — وہ مستِ ناز مرا خود نما بنے نہ بنے
بندھی ہے خندۂ زیرلبی سے کچھ امید — وہ زود رنج ہے زود آشنا بنے نہ بنے
وہ جذبِ قلب کے نیرنگ کا ہوا قائل — ہمارا آئینہ حیرت نما بنے نہ بنے

کبھی تو جامِ عنایت کا ہو غنی ساقی
یہ بے نیاز تیرا بینوا بنے نہ بنے

خود نما شوخ ہمیں محوِ لقا رہنے دے — حسن سے عشق کا کھٹکا یہ لگا رہنے دے
عشق کہتا ہے مجھے دلمیں چھپا رہنے دے — دیکھ پچھتائیگا پردہ نہ اُٹھا رہنے دے
میں نگاہِ غلط انداز کا دیوانہ ہوں — سامنے جامِ مئے ہوشربا رہنے دے
خاکساروں کی اُڑا خاک نہ اے مایۂ ناز — خستہ حالوں کو تہِ خاک دبا رہنے دے
ڈھیر حسرت کا ہے اسکو نہ مٹا اے ظالم — یادگاری کو مزارِ شہدا رہنے دے
کاوشِ عشق سے بیتاب نہو لطف تو دیکھ — دلمیں کانٹا جو چبھا ہے تو چبھا رہنے دے
میں بھی ہوں بلبلِ شوریدہ کسی گلرو کا — آشیاں باغ میں گلچین یہ مرا رہنے دے

ولہ

چشمِ حیرت سے تماشائے جہاں دیکھا کئے — عالمِ نیرنگ کی نیرنگیاں دیکھا کئے

حسنِ فطرت محرم رازِ جہاں دیکھا کئے — جو نہاں روئے نظر سے تھا عیاں دیکھا کئے
نقش پا بنکر غبارِ کارواں دیکھا کئے — خاکِ رہ ہو کر نشانِ رفتگاں دیکھا کئے
آگیا جسدم ہمیں عمرِ رواں کا کچھ خیال — ہم حباب موجۂ آب رواں دیکھا کئے
چشم حق بیں نے کیا عشاق کو صاف نظر — بے محابا جلوۂ حسن بتاں دیکھا کئے
منزلِ مقصود کا کوئی نشاں ملتا نہیں — آمد و رفتِ نفس کو جاوداں دیکھا کئے

ولہ

مشتاقِ جلوہ محو نظر ان کے ہو گئے — وہ دل کہاں کہ وقفِ تمنا کرے کوئی
اِک محشر خیال بنا رنگِ انتظار — کیا انبساطِ وعدۂ فردا کرے کوئی
اے فرش خاک منظر حیرت بلند ہے — پرواز تا بہ عرش معلیٰ کرے کوئی
رنگِ فسوں خیالئے عشاق دیکھنا — یہ آرزو ہے محو تماشا کرے کوئی

عرض نیاز ساقیِ میخوار ہے یہی
ہکو رہینِ ساغرِ صہبا کرے کوئی

یہ خوب جلوہ ہوا دلربا جلا کے چلے — شکوہ ناز کی نیرنگیاں دکھا کے چلے
یہ خوف تھا کہ نہ مجذوب ہو گریباں گیر — ہمارے پاس سے نکلے نظر بچا کے چلے
شہیدِ جلوہ تمھارا تھا بلبلِ تسخیر — یہ کیا کیا کہ اُسے خاک میں ملا کے چلے
قیام تھا یہ دمِ چند کچھ خبر نہ ہوئی — فریب ہستی ناپائدار کھا کے چلے

فارسی

پیش ازیں طبع ترا خوئے جفا بود نبود — درپئے سرزنش اہل وفا بود نبود
دست و پا بستن و خوں ریختن از تیغ نگاہ — شیوۂ نرگس و گیسوے دوتا بود نبود
تا چرا بوئے ازاں زلف بمن می آرد — ہر سحر جنگ تو با بادِ صبا بود نبود
یا رب از دست تو شبہا بہ فلک رفت فغاں — شکوہ با از ستمت پیش خدا بود نبود
تیغ بد عہد بے تو خون وفا ریخت نریخت — ستم و جور تو انگشت نما بود نبود

منوّر شد حریمِ دل بنورِ عشق پنہانم
کہ او در پردہ روپوش ست و من در جلوہ عریانم

تغافل شیوہ شوخِ ما سرِ شوقِ رمے دارد
چرا محروم جلوہ میکنی شوقِ فراوانم

مسلمانی مسلماں خواند و ہندو مرا ہندو
چہ نیرنگِ روش دارم بگیتی طرفہ انسانم

چو آں کافر ادا شوخم دلیلِ راہ شد ساقی
شہیدم کافرِ زنّار دارم نا مسلمانم

بہ ہجراں کے شکیبد اے ستمگر جانِ غمناکم
نمایاں سوزِ پنہاں کرد آخر سینۂ چاکم

نمودہ جذبِ قلبِ عشوہ اعجازم بآئینے
رہینِ جاذبۂ دلکش فدائے چشمِ نمناکم

چناں بیگانۂ تاثیر شد کیفیتِ قلبی
بزشتی وا نماید فتنہ پیکر طینتِ پاکم

ندارم ساقیِ میکش سرِ مستوریِ ہستی
سیہ مستم قلندر مشرب ہم من رند بیباکم

سبو بر دوش رقصاں ست رندِ پیرِ میخانہ
خوشا نظارۂ دلکش خوشا تصویرِ میخانہ

طلسمِ رازِ نیرنگِ کرشمہ۔ شعبدہ۔ عشوہ
خرد آشوب منظر شد فسونِ تسخیرِ میخانہ

بقا نقشِ فنا باشد چو نقشِ مدعا باشد
فنا کردیم خود را از پئے تعمیرِ میخانہ

ہمہ افسانہ بے معنی ست واعظ ایں چہ سر دادی
شدہ نوکِ زبانم ہر نفس تذکیرِ میخانہ

اگر آں شاہدِ سرمست ساقی روئے بنماید
لبِ ساغر دمِ عیسیٰ شود تنویرِ میخانہ

دلِ آزاد شد دیوانۂ رنگِ مئے حسنش
نگاہ مست ساقی در گلو زنجیرِ میخانہ

دمِ تیغِ تغافل ریخت خونِ عالمے یکسر
تو خود خوف از خدا اصلا نکردی کاش میکردی

ستم رانیز بر مظلومیِ ما سوخت دل از تو
وے رحمے بحالِ ما نکردی کاش میکردی

بباغِ آرزو ہیم غنچۂ امید نکشادی
لبِ خاموش را گویا نکردی کاش میکردی

ہمہ اے عشق برما بود ایں زور آزمائی ہا
تو ناصح را گہے رسوا نکردی کاش میکردی

قیامت بر سرِ ما انتظارِ حشر می آرد   گذارے بر مزارِ ما نکردی کاش بیکردی

سامی۔ کیلاس پنڈت در ساکن صفاکدل سرینگر کشمیر

آپ کا انتقال ۵۰ سال کی عمر کے بعد ہوا ہے۔ سنہ وفات معلوم نہیں ہوا۔

گفتمش از چہ سیاہست سرِ پستانت   گفت بشنو زمن اے بیخبر از صورت حال

بسکہ پستانِ من از لطفِ صفا آمدہ گرد   از پئے دفعِ گزند است بر آں نیلی خال

نے غلط مہر نہادند کہ تا عیاراں   دست بُردی نہ نمایند بر آں دُرجِ لال

الف از بینی و بالاش زابرو تدے   میم باشد دہن و طرۂ خم آمدہ دال

یعنی ایں آیتِ حسن است ندارد اوبلا   انتخابیست ازاں روئے زدیوانِ جمال

دیگر

چلنم یار عجب دلبر خود رائے ہست   وعدہ جائے و دلش جائے و خود جائے ہست

سینہ از داغِ غمت لالہ ستاں گردیدا ست   تو ہم اے شوخ بیا طرفہ تماشائے ہست

دیگر مرثیہ

چشمے کہ خوں نگرید از بن غصہ بستہ باد   دستے کہ سینہ چاک نکردہ شکستہ باد

موشاں امروز افغاں از تہِ دل سر کنید   خاکِ رہ از گریہ تر سازید و آں بر سر کنید

مستزاد

شمشیر بکف در پے راجہ بدیدیم   یک دشمنِ شوم

رفتیم دگر فتیم سرش ببریدیم   چوں شد معلوم

در صنعت مستزاد سامی تاریخ   بے نغمہ گفت

جان و جسد راجہ سلامت دیدیم   حاسد معدوم

غزل

اے در دلت از عاشقاں بے موجبے آزارہا   رنجند از ہم دوستاں اما نہ بیں مقدارہا

از بسکه خار محنتم در دل شکست از بار غم
چوں من ازاں جور و ستم در سینه دارم خارہا
نشنیده ام از ہیچ جا از ہیچ گل بوے وفا
چند آنکه گشتم چوں گدا گردِ گل و گلزارہا
گویند ترک او بگو زاں بت بحراب آرزو
چوں دل بود در دست او من چوں کنم ایں کارہا
زاں دم که در وادی غم گشتم برسوائی علم
از نام و از ناموس ہم دارم چو سامی عارہا

نہ مزاغصۂ عام است نہ اندیشۂ خاص
ہرکجا بانگ دف آمد منم آنجا رقّاص

ولہ

تاچند میدہی کُلہ ناز را شکست
بشکن بقدر گوشۂ چشمے نقاب را

ولہ

چشمم بخوں نشستہ تیر نگاہ کیست
رنگم زرخ شکستۂ طرفِ کلاہ کیست
خود را نشان تیر تو کردن گناہ من
نخچیر نیم کُشتہ بکشتن گناہ کیست
بوئے بہشت از در و دیوار میرسد
یارب نسیم راگذر از جلوہ گاہ کیست

مرزا راجہ سدانند صاحب کول غمخوار برادران اعتمادالسلطنت مشیر الملک۔

آپ آخر عہد اکبری میں کشمیر سے آگرہ میں سکونت پذیر ہوئے۔ کشمیر درپن اپریل ۱۹۰۵ء میں صرف ایک شعر نظر سے گذرا تھا وہ درج کیا گیا ہے۔ ساقی کے سوانح میں آپ کے حالات درج ہیں۔

من از پاسِ ادب ہرگز نمیگویم مسیحا نش
که جان پیدا کند تصویر قالی از کفِ پائش

سرشار۔ پنڈت رتن ناتھ صاحب در لکھنوی۔ خلف پنڈت بیجناتھ صاحب در۔

اہل کشمیر میں دو صاحب ایسے گذرے ہیں جنکی شہرت کا دامن قیامت کے دامن کے ساتھ وابستہ ہے ایک پنڈت دیاشنکر نسیم جنکے فیض سے چمنستان نظم کو شادابی حاصل ہوئی دوسرے حضرت سرشار جنھوں نے حدیقہ نثر اردو میں نئی روشیں نکالیں



پنڈت رتن ناتھ در سرشار

اور جنکی جادو بیانی کا شہرہ آج ہندوستان بھر میں ہے مگر واہ ری بے ہمتی کہ ایسے باکمال کی زندگی کے حالات کا پتہ چلنا ہمارے لئے دشوار ہے اور پھر ایسی حالت میں جبکہ اُن کو دنیا سے اُٹھے ہوئے کچھ عرصہ نہیں گذرا ہے دریافت کرنے پر سال ولادت نہ معلوم ہوسکا اندازہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جب حضرت سرشار لکھنؤ میں پیدا ہوئے تو محمد علی شاہ کا آخری عہد تھا چار برس کی عمر تھی کہ ان کے والد پنڈت بیج ناتھ صاحب درقعضا کر گئے ایسی صورت میں حضرت سرشار دامنِ مادری کے سایہ میں پرورش پاتے رہے کہتے ہیں کہ بچپن ہی سے شوخی کوٹ کوٹ کر بھری تھی ایّام طفولیت میں طباعی اور ذہانت زبان کی طرّاری کے پردہ میں اپنا رنگ دکھاتی تھی جس مکان میں رہتے تھے اُس کے پڑوس میں اہل اسلام کی مخدرات رہتی تھیں حضرت سرشار نے لڑکپن میں اُردو زبان انھیں شریف خاتونوں سے سیکھی اور اُنھیں کی فیضان صحبت سے ان کو بیگمات کی طرز معاشرت سے بہت کچھ آگاہی کم سنی کے زمانہ ہی میں ہو گئی تھی حضرت سرشار شاعری میں منشی مظفر علی اسیر کے شاگرد تھے اپنے اُستاد کو نہایت محبت کے ساتھ یاد کیا کرتے تھے کہ منشی اسیر خالی اُستاد ہی نہیں تھے بلکہ اُستاد گر تھے شاگردوں کو استاد بنا گئے حضرت سرشار کا کلام عاشقانہ اور رندانہ ہوتا تھا مگر طبیعت کی شوخی اور زبان کی پاکیزگی عجیب عالم دکھاتی تھی اکثر مضمون آفرینی کی طرف بھی جُھک پڑتے تھے لکھنؤ میں ایک مرتبہ مشاعرہ میں آپنے شعر پڑھا کہ مشاعرہ اُلٹ گیا۔

حال سب میری سخت جانی کا
بارٹھ کہتی ہے مُڑکے خنجر کی

واقعی کیا نازک خیالی اور باریک بینی کی داد دی ہے ایک اور شعر اُن کا اُنھیں حسب حال یاد آگیا۔

پینے پہ جب آتے ہیں تو پھر بس نہیں کرتے
میخانے میں سنتے نہیں سرشار کسی کی

ایک غزل کا مطلع ہے۔

سیاہ بخت و سیہ روزگار ہم بھی ہیں
جوابِ زلفِ پریشانِ یار ہم بھی ہیں

عجب بزلہ سنج حاضر جواب۔ ظریف اور خندہ جبیں شخص تھے بات بات میں نکتہ اور ہر نکتہ میں ہزاروں رنگینیاں بپا کرتے تھے ہمیشہ ہنستے بولتے رہتے تھے چہرہ پر مسکراہٹ نور برساتی تھی جس صحبت میں بیٹھ گئے معلوم ہوتا تھا کہ بلبل ہزار داستاں چہک رہا ہے زندگی بھر کبھی غم و غصہ اور رنج پاس نہ آنے پائے تمام عمر بیباکانہ اور آزاد حالت میں کاٹ دی طبیعت کبھی غور و فکر کے طرف مائل ہی نہیں ہوئی وہ اپنی طبیعت کو خوب پہچانتے تھے چنانچہ کشمیری سوشل کانفرنس میں جو قصیدہ پڑھا اسمیں تعلق کے اشعار کے زمرہ میں ایک شعر یہ بھی تھا۔

زباں وہ پائی کہ لے نطق سیکڑوں بوسے
طبیعت ایسی ملی شوخ جیسے چنچل نار

واقعی سرشار کی طبیعت ایک چنچل نار ہے جسکے ہر ادا میں شوخی اور بانکپن درجہ اعتدال سے بڑھ جاتے ہیں تو دیکھنے والے شرما جاتے ہیں مگر وہ خود نہیں شرماتی اس آزادی اور بیباکی کی وجہ سے کبھی شہرت یا جاہ و ثروت کی آرزو دل میں نہ آنے پائی زمانہ سے کمال کی سند مل گئی تھی مگر بے نیاز طبیعت نے کسی امیر یا رئیس کے در کیطرف رخ نہ کرنے دیا۔

تمنا دولتِ دنیا کی اے آتش نہیں رہتی
قناعت سے غنی اللہ کر دیتا ہے مسکیں کو

اخیر عمر میں حیدرآباد میں مہاراجہ کشن پرشاد صاحب رئیس کے دربار میں رسائی ہوگئی تھی مگر وہ بھی اپنی کوشش سے نہیں عجب ذہن خداداد پایا تھا فارسی اور عربی میں فاضلانہ لیاقت نہ تھی مگر طبیعت داری کا یہ عالم تھا کہ علما اور فضلار کی صحبت میں اپنا رنگ جما لیتے تھے حافظہ کی یہ کیفیت تھی کہ ہزاروں شعر فارسی اور اُردو کے ازبر تھے یہی اشعار مختلف موقعوں پر اپنے مضامین میں عجیب انداز سے چسپاں کئے ہیں بس معلوم ہوتا ہے کہ فلاں شعر فلاں موقع ہی کے لئے کہا گیا تھا۔

افسوس کی بات ہے کہ اس باکمال نے اپنی قدر آپ نہ کی بے اعتدالیوں نے بے طرح دلمیں جگہ کرلی تھی سرشار اسم با مسمیٰ تھے یہی وجہ ہوئی کہ اس زبردست مصنف کا کمال روز بروز زوال پر ہوتا گیا اور زندگی فارغ البالی کے ساتھ نہ بسر ہو سکی سنتے ہیں کہ اخیر زمانہ میں حیدرآباد میں بھی مہاراجہ کشن پرشاد نے انھیں بے اعتدالیوں سے ناراض ہوکر اپنا دست کرم کھینچ لیا تھا عام قاعدہ ہے کہ جب کوئی صاحب کمال ہوتا ہے تو اسکا کمال جوان ہوتا ہے لیکن سرشار کی عمر کے ساتھ اُسکے کمال میں بھی ضعف آتا گیا اس عالی فہم مصنف کو خود ہی امر کا حس تھا چنانچہ کشمیری کانفرنس والے قصیدہ میں اپنے تئیں یوں خطاب کیا ہے۔

ہے اس کمال پہ لیکن ہزار بار افسوس
کہ تو نے قدر نہ کچھ جانی اپنی خود زنہار

نہ آب و تاب وہ اگلی سی ہے نہ وہ رنگ و روپ — نہ ہیں وہ شاہد مضموں کے پھول سے رخسار
کمال کے لئے لازم جو ہے زوال ضرور — اب ایک قطرہ ہے پہلے تھا قلزم زخّار
نہ حافظہ ہی رہا وہ نہ قوّت ادراک — ہے کہاں سے ہر ایک شے کی حد ہے آخرکار

اُسی زمانہ میں تو بھی امیر ہو جاتا
قبول زر میں نہوتا اگر تجھے انکار

یہ زوال لازمی تھا نثاری ہو یا شاعری یہ سب دماغ کا کھیل ہے آب آتشیں نے جب دماغ ہی میں آگ لگا دی تو گل ہائے مضامین بھی آتش بازی کے پھول ہو کر رہ گئے طبیعت بجھ گئی کلام میں گرمی باقی نہ رہی یہ ممکن نہیں کہ ایسا ذہین اور ذکی شخص اس بلائے بے درماں کے اثر سے واقف نہ ہو چنانچہ اپنے مختلف فسانوں میں اس کی ہجو و مذمت میں کوئی دقیقہ نہیں اُٹھا رکھا ہے لیکن افسوس کا مقام ہے کہ اپنے اوپر بس نہیں چلا استاد سچ کہہ گیا ہے ع

چھٹتی نہیں ہے منہ سے یہ کافر لگی ہوئی

اس لکھنے سے ہماری مراد نکتہ چینی نہیں اگر کسی قسم کی گستاخی کا شبہہ بھی ہو تو ہم مرحوم کی روح سے نہایت ادب کے ساتھ معافی مانگتے ہیں بیشک یہ باتیں ہمارے دلوں کو عبرت کا سبق دیتی ہیں ہائے اس باکمال کا دماغ اگر اپنی اصلی حالت پر رہتا تو خدا جانے وہ کن کن بلند پروازیوں کی ہوا میں کیسے کیسے تارے انشا پردازی کے عرش سے توڑ کر لاتا بہرحال جن لوگوں کو ابھی کچھ دن اور اس خرابہ میں عمر کاٹنی ہے اون کو اسی دردناک مثال سے سبق لینا چاہئے۔

ماخوذ از تذکرہ ہزار داستاں عرف خمخانۂ جاوید جلد چہارم

شہریار اقلیم باکمال و فرماں روائے مملکت خیالی ناثر نامدار ناظم باوقار پنڈت رتن ناتھ صاحب سرشار آپ کے والد کا نام پنڈت بیجناتھ در تھا جو لکھنو کے ایک معزز کشمیری خاندان کے رکن تھے ابھی آپ بچپن کے گہوارہ میں ہوا کھا رہے تھے کہ شفیق باپ کا سایہ سر سے اُٹھ گیا ابتدا ہی سے شوخ اور چلبلی طبیعت پائی تھی ظرافت اُن کو نکتہ سنجی میں اپنا جواب نہ رکھتے تھے آخر کار خداداد ذہانت اور طباعی نے زبان کے پردہ میں اپنا رنگ دکھایا اور دنیائے ادب میں انھوں نے اپنے نام کا سکّہ جما یا محلہ میں اکثر شرفائے اسلام رہتے تھے آپ اُن کے گھروں میں بے تکلف کھیلتے کودتے

پھرا کرتے تھے اُن کی طبیعت میں قدرت نے غور و خوض کا مادّہ ودیعت فرمایا تھا زبان کی تحقیقات فصیح اور غیر فصیح محاورات کی جانچ پڑتال عامیانہ بولی اور خواص کی شائستہ گفتگو کے امتیاز کرنے کا شوق لڑکپن ہی سے تھا چند ہی سال میں اُن کو لکھنو کی زبان وہاں کے رسم و رواج طرز معاشرت تمدن کے نکات اسطرح دل نشین ہو گئے جسطرح کسی بچہ کو اہل زبان میں چھوڑ دیا جائے تو وہ بڑا ہو کر انہیں کے لب و لہجہ اور زبان کو ادا کرنے لگے جن گھروں میں ان کی آمد و رفت تھی وہ اُن کے واسطے ادب آموز کالج تھے اور آج اُسی تعلیم کی برکت سے اُردو کی فسانہ نگاری میں ان کا نام سب سے اول ہے۔

۱۸۷۶ء میں اخبار اودھ پنچ کا آغاز شباب تھا اور اس کو ایسے نامہ نگار ہاتھ آئے تھے جو ظرافت کے پیرایہ میں طرز معاشرت کی اصلاح کرتے اور فقرہ فقرہ میں زبان کی خوبیاں دکھاتے تھے اکبر الہ آبادی احمد علی کسمنڈوی پنڈت تربھون ناتھ ہجر مرزا مچھو بیگ ستم ظریف عاشق لکھنوی جیسے سحر نگاروں کی شوخ تحریریں مذاق پسند دلوں کو گدگدا تی تھیں حضرت سرشار بھی لکھیم پور کھیری سے ہفتہ وار مضامین روانہ کرتے تھے اُن کی اچھوتی انشاپردازی پر پنچ کو فخر تھا اور ناظرین اخبار ان کے لطائف وظرافت سُننے کو ہمہ تن گوش رہتے تھے جب منشی سجاد حسین ایڈیٹر اودھ پنچ نے اودھ اخبار پر حملے کرنے شروع کئے تو منشی نولکشور صاحب کو ان کا جواب دینے کے لئے ایک باکمال مضمون نگار کی ضرورت ہوئی اور سب کی نظر انتخاب حضرت سرشار پر پڑی انپر طرح طرح کے دباؤ ڈالے گئے بالآخر دوستوں کے اصرار اور اپنی ضرورتوں کی وجہ سے حضرت سرشار کو اودھ اخبار کی اڈیٹری قبول کرنی پڑی اور آپ اودھ پنچ کے نامہ نگاروں کی فہرست سے علٰحدہ ہو گئے اسی زمانہ میں فسانۂ آزاد بھی اودھ اخبار کے ساتھ نکلنا شروع ہوا۔ فسانۂ آزاد سے پہلے ہندوستان کی افسانہ نویسی۔ جادو۔ طلسم۔ پری۔ دیو۔ خلاف عقل واقعات سے لبریز

تھی زبان اور انشا پردازی کے اعتبار سے ایسی کتابیں اس روشنی کے زمانہ میں بھی مستند ہیں اور اُن کے پڑھنے والے خصوصاً لکھنؤ اور عموماً ہندوستان میں موجود ہیں حضرت سرشار نے قدما کی انشا پردازی کو بھی ہاتھ سے نہ جانے دیا اور مرزا رجب علی بیگ سرور سے بچکر اپنی طبع کی جولانی کے لئے الگ رستہ نکالا اور اُن واقعات کو قلم بند کیا جو فطرتِ انسانی کے مطابق ہوتے ہیں انھوں نے مصوّر کی آنکھ سے دنیا کی نیرنگیوں کا مشاہدہ کیا ہے اور لطافت و ظرافت کے پیرایہ میں نہایت شگفتہ اور پھڑکتی ہوئی زبان میں اس کا چربہ اُتارا ہے غم کے موقع پر غم اور خوشی کے محل پر خوشی کا اصلی نقشہ کھینچ دیا ہے مکالمات میں ہر طبقہ کی گفتگو کا لحاظ رکھا ہے اور اُنھیں محاورات اور اصطلاحات کا استعمال کیا ہے جو اس مقام پر بولی جاتی ہیں فسانۂ آزاد بظاہر تو ایک فرضی اور منگھڑت قصہ ہے لیکن حقیقت میں قدیم لکھنؤ کے تمدّن اور طرز معاشرت کی جیتی جاگتی تصویر ہے جس جگہ شریف بیگمات کی پاکیزہ بول چال اور پاک دامانی کا حال درج ہے وہاں عفّت کا حقیقی مرقع نظر آتا ہے جہاں شوق کے چوچلے دکھائے ہیں مردانہ الفت اور نسوانی عشقیہ جذبات کا بیان ہے وہاں اپنی شعلہ زبانی سے دلوں میں آگ بھڑکا دی ہے جہاں نوابی غفلت کے پلاٹ ہیں وہاں امیرانہ چال چلن رئیسانہ اطوار اور لکھنؤ کے تمدّن و معاشرت کا حال آئینہ ہو جاتا ہے اس میں شک نہیں ہے کہ سید انشا سعادت یار خاں۔ رنگین۔ جان صاحب بھی اسی میدان میں قدم فرسا تھے مگر ریختی کا دائرہ صرف بیگماتی زبان تک محدود تھا فسانۂ آزاد میں کیا کچھ نہیں عورتوں کے ساتھ مردانہ زبان بھی ہے افیونیوں اور چانڈو بازوں میخواروں کی اصطلاحیں بھی ہیں علوم فنون کے نظارے ادبی معرکہ آرائیاں قابل دید ہیں شرفا کی سنجیدہ باتیں اہل کمال کے نکات لایق شنید ہیں ہندوستان میں سب سے پہلا یہی فسانہ ہے جس نے ناول نگاری اور ڈراما نویسی کی بنیاد رکھی ہے اور اسکو دیکھکر فسانہ نگاروں کو یہ احساس ہوا ہے کہ قدرتی سین اور اصلی مکالمہ سے

انشاپردازی میں کسقدر زور پیدا ہو جاتا ہے فسانہ آزاد کے سوا اور بھی تصنیفات ہیں آپ نے الف لیلیٰ کو بھی اپنی زبان میں لکھا ہے جام سرشار۔ سیر کوہسار۔ کامنی وغیرہ بھی خوب ہیں لیکن۔ ع

قبول خاطر حسن سخن خدا داد است

تمام ادبی جماعتیں فسانۂ آزاد کی مُعتَرِف ہیں اور یہی نقش اولیں انکی بہترین یادگار رہے آنریبل پنڈت بشن نرائن صاحب درمرحوم کی ولایت کی واپسی پر جو طوفان شور و شر کا برپنڈتان کشمیری برادری میں اُٹھایا اُس سے یہ بیحد متاثر ہوئے اور اپنی خداداد ذہانت اور دور اندیشی و عاقبت بینی سے جو خیالات بحر طبع میں موجزن ہوئے مشہور مثنوی تحفہ سرشار میں جو اسی معرکہ کے متعلق قلم برداشتہ لکھی گئی تھی۔ بڑے دلچسپ پیرایہ میں ان کا ذکر کیا ہے یہ مثنوی جو اُن کے خاص برادری کے باہر بھی نہایت مشہور اور مقبول ہوئی اور جس نے بڑی حد تک سفر ولایت کے جواز کا فیصلہ کرنے میں آسانی پیدا کر دی اور طبیعتوں میں جو خود غرضی اور حسد کے جوش بھرے ہوئے تھے اُنھیں ہمیشہ کے لئے سرد کر دیا ان کی یہ خدمت سوشل ریفارم کے متعلق قابل ذکر اور لایق داد ہے زمانہ موجودہ کے مصنفین میں صرف مولانا آزاد دہلوی ایسے تھے جنکو سرشار کا ہم پلہ کہا جا سکتا ہے سرشار کی طرح وہ بھی طرز خاص کے موجد تھے اور دونوں کو اس بات کا لحاظ تھا کہ انشاپردازی میں ایسے غیر مانوس رنگ کو نہ برتا جائے جو ہندوستان کے مذاق سے الگ ہو یہ امر دیگر ہے کہ سرشار کی عبارت ظرافت کے رنگ میں شرابور ہے ایک ایک لفظ پر بیساختہ پن اور شوخی قربان ہے اور مولانا آزاد سلیس عبارت میں تاریخی۔ اخلاقی۔ علمی۔ نکات بیان کرتے ہیں

اصل یہ ہے کہ ان دونوں کا دماغ فیضان قدرت سے شاداب تھا سرشار میں زبان دانی کے علاوہ انگریزی سے اُردو میں ترجمہ کرنے کی خاص قابلیت تھی

اور ملک میں جو چند مترجم ہوئے ہیں ان میں درجہ اعلیٰ حاصل کیا تھا حضرت سرشار کو فن شعر میں منشی منظفر علی اسیر مرحوم لکھنوی سے تلمذ تھا اور ان کا نام بڑی محبت سے لیتے تھے آپ منشی نولکشور مرحوم کی ملازمت سے سبکدوش ہونیکے بعد حیدر آباد تشریف لے گئے وہاں مہاراجہ کشن پرشاد نے آپ کی قدر افزائی فرمائی آخر میں تپ دروں نے از حد لاغر کر دیا اور بھوک پیاس جاتی رہی کثرت شراب سے قوائے جسمانی مضمحل ہوئے اور حیدر آباد میں ۱۹۰۲ء کو خم کدۂ فانی سے عازم سیر مئیخانۂ جاودانی ہوئے ۵۵-۵۶ برس کی عمر پائی آپ کا کلام عاشقانہ و رندانہ رنگ کا ایک دلفریب مجموعہ ہے جس میں شوخی متانت زبان کی صفائی عجب لطف پیدا کرتی ہے کسی نے آپ کی تاریخ وفات کہی ہے۔

سرشار فصیح نکتہ پرور نہ رہا — سرمایۂ ناز اہل جوہر نہ رہا
اعجاز قلم کے جسکے سب قائل تھے — وہ نثر کا اُردو کی پیمبر نہ رہا

مہاراجہ کشن پرشاد کو آپ سے بہت اُنس تھا کیونکہ آپ ہر وقت کے حاضر باش مصاحب تھے ایک مرتبہ اثنائے گفتگو میں مولف تذکرہ نے مہاراجہ صاحب کی حیرت انگیز زباندانی و لہجہ اہل زبان کی تعریف کی تو مہاراجہ صاحب نے خود زبان مبارک سے فرمایا کہ یہ جو کچھ آپ دیکھتے ہیں ظہیر دہلوی اور پنڈت رتن ناتھ صاحب سرشار کی طفیل صحبت ہے ایسے راست باز اور قدردان اہل ہنر اب کہاں ہیں مہاراجہ پیشکار کا دم مغتنمات زمانہ سے ہے اب حسن پرستان سخن عروس فکر کی جلوہ آرائی سے ذوق حاصل کریں۔

سیاہ بخت و سیہ روزگار ہم بھی ہیں — جواب زلف پریشان یار ہم بھی ہیں
کیا قہر ہے کہ مفت میں بلبل تو قید ہو — گلچین جو پھول توڑے اُسے کچھ سزا نہو
اس بلبل اسیر کی حالت یہ روئے — جو فصل گل میں بند قفس سے رہا نہو

کہتا نہیں ہے مجھسے کبھی کچھ اُدھر کا حال　　　کمبخت دل انھیں سے کہیں مل گیا نہ ہو
نصیب جاگیں گے ایک روز حضرتِ سرشار
لپٹ کے سوئے گا وہ گل گلے لگائے ہوئے
دل ٹوٹ گیا سنتے ہی گفتار کسی کی　　　سنتا ہی نہیں اب یہ میرا یار کسی کی
پینے پہ جب آتے ہیں تو پھر بس نہیں کرتے　　　میخانہ میں سنتے نہیں سرشار کسی کی

ولہ

حال سب میری سخت جانی کا
باڑھ کہتی ہے مڑ کے خنجر کی

مدّاح جناب رسشپیر آیا ہے　　　وصّاف شہ عرش سریر آیا ہے
خورشید کی آنکھ کیوں نہ جھپکے سرشار　　　ہاں ذرّہ خاکِ کاشمیر آیا ہے

ولہ

بتوں کے در پہ سب کی جبہ سائی ہوتی جاتی ہے　　　انھیں کے قبضہ میں ساری خدائی ہوتی جاتی ہے
وہ چشم فتنہ زا سے دیکھکر آئینہ کہتے ہیں　　　بہت اے شوخ تجھ میں بیحیائی ہوتی جاتی ہے
شکایت پر کدورت کی دکھاتے ہیں وہ آئینہ　　　اشارہ ہے کہ اب دلمیں صفائی ہوتی جاتی ہے
نہ میں آتش نہ میں سیماب یارب کیا سبب اسکا　　　جہاں تک دل ملاتا ہوں جدائی ہوتی جاتی ہے
خدا جانے ہے یہ کیا بھید کیا ہوتا ہے اے کافر　　　جدھر تو ہے اُدھر ساری خدائی ہوتی جاتی ہے
امیدِ وصل کیا ہو عاشقِ ناکام کو اُس سے　　　مزاجِ یار میں اب پارسائی ہوتی جاتی ہے
پھنسا کر زلف میں دل عمر بھر انکی بلا رکھے　　　اسیری ہوتی جاتی ہے رہائی ہوتی جاتی ہے
مخاطب ہوں کسی سے بزم میں وہ چوٹ مجھپر ہے　　　میرے ہی سامنے میری برائی ہوتی جاتی ہے
یہ چرخ پیر دشمن ہے جو اس سرشارِ اعلیٰ کا
اسیری سے بھی بدتر بادشاہی ہوتی جاتی ہے

قطعہ تاریخ انتقال پنڈت شیو نرائن بہار لکھنوی - ہر مصرع کے حروف اول کے اعداد کے مجموعہ سے تاریخ نکلتی ہے -

اے بہارِ گلشنِ علم و ہنر کیا یہی تھا نخلِ الفت کا ثمر
ہم سے کہکر خیر باد دائمی کسطرف راہی ہوئے اے ذی ہنر
قاف سے تا قاف ہیں سب سینہ چاک یاس و حرماں سے دلو نپر سر بسر
ہو خزاں سے جب مبدّل نو بہار کیوں نہوں سب مثلِ بلبل نوحہ گر
گل ہوا باغِ لیاقت کا چراغ غنچۂ دل پر خزاں کا ہے اثر
ظلمتِ ہجراں سے ہے عالم سیاہ دل ہے زلفِ مہوشاں سے تیرہ تر
خاطرِ غمگیں یہ چھایا ابرِ غم رودِ غم کی ہے روانی الحذر

شیو نرائن سے ہے جنت میں بہار
۱۹۳۱ ۱۸۷۴ء
خلد کے خاصوں میں ہے وہ خاص تر
۱۲۹۱ھ

قطعہ تاریخ حسرت آیات پنڈت تربھون ناتھ سپرو ہجر

روانہ سوئے عدم ہو گئے جواں افسوس مرے برادر خوش فکر و بذلہ سنج ولیئق
عیاں ہو اسم اگر تربھون سے ناتھ ملے جو خُلق رکھتے تھے رکھتا ہے کب وہ کوئی خلیق
ظرافت انکی تھی لونڈی بلاغت انکی کنیز ندیم انکی تھی نیکی تو خیر خیر رفیق
دقیقہ رس وہ طبیعت خدا نے دی تھی اُنھیں کہ جسکے آگے نہو ایک کا کلام دقیق
عدو سے بھی نہیں رکھتے تھے دلمیں کینہ و بغض تمام خلق کے وہ مہرباں تھے سب کے شفیق
نہیں تھا اُنکے سوا کوئی جوہریِ سخن ہر ایک نقطہ تھا گوہر ہر ایک حرف عقیق
رُلائے ہنستے ہوئے کو کلام میں وہ اثر ہنسائے روتے ہوئے کو سخن میں وہ توفیق
کہے کلام کے اعجاز کو جو کوئی سحر فریب کار ہے مکّار ہے وہ اور زندیق
ہزار سال اگر غوطہ مارتے حکما پہونچتے تہ کو نہ دریائے فکر تھا وہ عمیق
یم معانیِ باریک کے شناور تھے خدائے پاک کرے بحرِ مغفرت میں غریق

سنِ وفات دعائیہ کر رقم سرشار

وصالِ ہجر ہو حوروں سے اے خدا عتیق

تاریخ وفات بہار

آئی خزاں گئی بہار، دیدۂ تر ہے اشکبار — طائرِ روح بیقرار، بلبلِ دل ہے دلفگار
کیوں اجی حضرتِ بہار، میرے شفیقِ غمگسار — جاؤ گے چھوڑ کر ہمیں، کیا یہی ہم سے تھا قرار
صبر ہو مجھ سے کیا بھلا، کس سے کہوں میں یا خدا — موج پہ ہے بہت میرا رنج و الم کا چشمہ سار
حوروں نے ناز سے کہا باغ ارم میں جابجا — چلئے قدم کی خاک لو آئے ہیں حضرتِ بہار

مرغِ سحر نے یوں کہا روئے الم سے برملا
آئی خزاں یہ کیا ہوا کر گئی کوچ نو بہار
۱۲۹۱ھ

تاریخ وفات پنڈت لچھمی نرائن صاحب وکیل

وکیل نامور لچھمی نرائن — ز دنیا رفت فخرِ خانداں مُرد
قضا کرد اعتبار دولت و علم — وقار و افتخارِ عزوشاں مُرد
ز موتِ او شدہ عالم جگر چاک — ز فوتِ او دلِ اہلِ جہاں مُرد
شدہ بیجاں ہمہ بخشِ یتیماں — شفیقِ حالِ زارِ بیکساں مُرد
شباب اندر غمش گردید پیری — جواں مُرد و بعینِ عنفواں مُرد
کفن پوشید درغم معنی از لفظ — عجب باریک بین و نکتہ داں مُرد
وکالت بازبانِ حال گوید — کہ فریاد است دیریں مہرباں مُرد
چرا ہر گل نباشد پیرہن چاک — کہ رشکِ عندلیبانِ جناں مُرد
بگرید تر زبانی تر زباں رفت — بنالد خوش بیانی خوش بیاں مُرد

شدہ تاریخ بالتعداد اشعار
جواں بخت و جواں دولت جواں مُرد

تاریخ طبع کتاب تزکِ جرمنی مصنفہ پنڈت بشمبر ناتھ صاحب۔ سپرد

صابر

شاعرِ شیریں زباں صابرِ معجز مقال | صابرِ معجز مقال شاعرِ شیریں زباں
بلبلِ رنگیں بیاں قمریِ باغِ سخن | قمریِ باغِ سخن بلبلِ رنگیں بیاں
داد سخن داد ہاں در تزکِ جرمنی | در تزکِ جرمنی دادِ سخن داد ہاں
از شعرائے زماں گوئے فصاحت ربود | گوئے فصاحت ربود از شعرائے زماں

وہ چہ طرزِ بیاں وہ چہ کلامِ لطیف | وہ چہ کلامِ لطیف وہ چہ طرزِ بیاں
رو کشِ زلفِ بتاں آئینۂ او آمدہ | آئینۂ او آمدہ رو کشِ زلفِ بتاں
ہر سطرش کہکشاں رشک دہ سلسبیل | رشک دہ سلسبیل ہر سطرش کہکشاں

گفت سروشی بخواں ساز ز تاریخ طبع

سال ز تاریخ طبع گفت سروشی بخواں ۱۲۹۲ھ

تاریخ وفات پنڈت راج نرائن صاحب تکو جیب

نیک شمائل صورتِ زیبا سینۂ فاطر خشخشو | خلقِ عمیم و ذہن رسا و فہم بلیغ و سیرت دلجو
ایسا بشر دیکھا نہ سنا اب ہو گا نہیں ثانی اسکا | مرنے سے جسکے دلمیں احبا رکھتے نہیں ہیں جا رو
دامنِ گل صد چاک الم ہے بلبلِ نالاں آہ بلب ہے | شورِ قیامت فتنہ بپا ہے سرو پہ قمری کہتی ہے کوکو
اب یہ دعا ہے باز رہے اس آمد و رفت کن فیکوں سے | خلد بریں ہو مسکن اوسکا جائے فرشتہ پہلو بہ پہلو

داغ بدل ہے ہاتفِ غیبی سنکے یہ مصرع حسرت کا

حیف چلا دنیا سے بہ عزت پنڈت راج نرائن تکو

اب ہند میں کیا رہا ہے بھائی | فریاد ہے ہند و ؤ دہائی (عظمت ہند)
مصری اسی باغ کے تھے اک گل | شاگرد تھے ہند کے جزو کل
ایک پھول اسی چراغ کے تھے | ایک بوند اسی ایاغ کے تھے

سقراط سے لیکے تا بہ لقماں | طفل مکتب تھے اہلِ یوناں
آگے اس کے زمیں سے تا مہ | سب کرتے تھے زانوِ ادب تہ
کپتائی کے بھی خدا تھے ہندی | اس کشتی کے ناخدا تھے ہندی
رامائن میں دکھائے وہ ڈھنگ | ہومر کا بھی جم سکا نہ کچھ رنگ
رنگت ملٹن کی بھی ہے پھیکی | سبحان اللہ بال میکی کا
کالیداس آں خدائے بینش | سرمایۂ نازِ آفرینش
مشہور جہاں کتاب اسکی | مقبول زباں کتاب اس کی
جھنڈے بیدک میں بھی گڑے تھے | یونانی بھی جیب میں پڑے تھے
تشریح کے بادشہ تھے ہندی | تشخیص کے بھی خدا تھے ہندی
دعویٰ جس کو ہو جان حل کا | دیکھے وہ فلسفہ کپل کا

وہ علم وہ فضل اب ڈبویا
جو کچھ سیکھا تھا سب وہ کھویا

تاریخ مطبع بہار کشمیر

بہ آبیاری رشحات فضل ربِ قدیر | بہار تازہ کنوں یافت مطبعِ کشمیر
ز فرطِ عیش و فرح ہر سخنور دانا | کُلاہ خویش بر انداختہ بچرخ اثیر
خوشا زمانِ طرب تو آماں کہ نخل مراد | بہ اہتزازِ نسیم مسرت است نفیر (تازہ)
جناب منشی پنڈت سری کشن تکرو | رئیس ابن رئیس و امیر ابن امیر
خلیق و زیرک و علامہ وجلیل | جلیل و صادق و راسخ و کیل خوش تقریر
بنائے مطبع نو چوں نمود مستحکم | برائے اہل تکشمر ذریعہ توقیر
زجوش حب وطن اہل قوم سر کردند | بہ شاخسارِ محبت ترانۂ دلگیر
چہ خوش زمہر سواخاقہ سالِ اجرائش | نمود بے سرِ اندیشہ کلک من تحریر

قصائد ذیل صفحہ ۴۴۱ و ۴۴۴ پر درج ہیں

پھلینگے پھولینگے گلزار قوم کے اشجار اٹھا ہمالیہ پربت سے ابر گوہر بار
بنائے مالنوں نے پیارے پیارے ہاتھوں سے وفور شوق سے گلہائے تر کے بند ہنوار
زباں وہ پائی کہ دے نطق سیکڑوں بوسے طبیعت ایسی ملی شوخ جیسے چنچل نار
وہی ہے تو کہ ترے فیض خوش بیانی سے نولکشور نے پیدا کئے ہیں پچاس ہزار
اودھ میں لچھمی نرائن نے وہ کیا تھا نام کہ جسکی ذات پہ نازاں تھا لکھنؤ کا بازار

قصیدہ فارسی

زہے عروج بہار و خہے نسیم بہار کہ سرخ سرخ نہاد ند گل بہ سروستار
ہواست معتدل و در فراخ با صحت مریض نیست کسے غیر نرگس بیمار
ز لطف نکہت گلہائے تازہ حیرانم کہ با نسیم کہ آموخت شیوۂ عطار

مثنوی تحفۂ سرشار

لختے بر داز دل گذرد ہر کہ زپیشم
من قاش فروش دل صد پارۂ خویشتم

لندن کی پلا دو آتشہ مے آ پیر مغاں کدھر چھپا ہے
ہُن برسے گا بیکدے پر اے یار رندوں کو جو تو کرے گا سرشار
داتا پلوا شراب اچھوتی خوش رنگ خوشبو تیز چوکھی
کوثر کی کھینچی نہیں ہے منظور لیڈی وائیں جسے پئے حور
سرجوش شراب ناب لاوے بوتل منہ سے مرے لگاوے
جنٹلمینوں کو دے ہوئیسکی کسکی رہی اور رہے گی کس کی

وہ بادۂ خوش گوار پلوا وہ بادۂ فرح بار پلوا
بدمست ہوں پیکے ایک چلو زاہد کو بنائیں خوب اُلو

اے شیخ تجھے خدا کی سوگند
رندوں کی گرہ میں باندھ لے پند

لے منہ سے لگا لے جام بادہ
ایک بوند ہی پی نہ پی زیادہ

بابا آدم تھے بھولے بھالے
جنّت سے گئے میاں نکالے

کیوں شیخ کو اجتناب ہے یہ
کچھ زہر نہیں شراب ہے یہ

ہاں ساقی ارزاں مئے شبانہ
دردہ دوسہ جام عاشقانہ

اکشا ہے مجھے بہت ہی مرغوب
نمبر وَن سے ہے کیف مطلوب

گھنگھور گھرا ہے آج بادل
میخانے کو کردے تو بھی جل تھل

برسادے شرابِ ناب ساقی
دکھلادے آفتاب ساقی

فتواے کاشی کا کون مانے
لاکھوں میں پیوں کھُلے خزانے

رِم جھم یہ برس رہا ہے پانی
بے مے ہے حرام زندگانی

وہ جام پلا کہ مست کردے
مضموں سے مرا دماغ بھردے

سرخوش ہوکر لکھوں کچھ اشعار
دُرریز ہو خامۂ گہربار

ہر چند کئی کلام منظوم
تصنیفِ سخنورانِ مخدوم

کیفی۔ غمخوار۔ ہجر۔ حشمت
شایع ہوئے ہیں بصد لطافت

پر بحرِ سخن سدا ہے باقی
دریا نہیں کاربند ساقی

یارب وہ مرے قلم کو دے زور
ہر سمت سے مرحبا کا ہو شور

مچ جائے میرے کلام کی دھوم
مقبول جو ہند سے ہو تا روم

جام مضموں چھلک چھلک جائے
پڑھنے والا پھڑک پھڑک جائے

یوں بلبل خامہ چہچہائے
طوطی بھی سنے تو جھیپ جائے

ہو خلد بریں میں نام میرا
جنّت پہونچے کلام میرا

سُن پائے تو آفریں کہے طور
شاباش کہیں نسیم مہر ور

ہو بحرِ سخن کی یہ روانی   در آیا کرے اس پہ دُر فشانی
پاؤں یہ سخنوریں عظمت   احسنت کہیں جنابِ حشمت
شایانِ ادیب نکتہ پرور   ذی جودت و خوش بیاں سخنور
دیکھیں جو یہ حورِ ماہ سیما   بے ساختہ کہہ اٹھیں اہا ہا
ڈھونڈھے سے نپائے کوئی ٹانچو   ول ڈن کہیں اسکو پڑھ کے وانچو
وہ گوہرِ درجِ قابلیت   وہ اخترِ برجِ قابلیت
چوتھی کی دو دلھن یہ مثنوی ہو   دیں ہجر دعا کہ تم پری ہو
وہ ہجر سخنورِ یگانہ   خلاقِ کلامِ عاشقانہ
ہو بہ گلِ مثنوی کی بو باس   بلبل ہوں ہزار جان سے پاس
شاکر کہیں واہ کیا سخن ہے   سبحان اللہ کیا سخن ہے
صدقے اسپر سے سیم و دینار   قربان طلائے دست افشار
مسرور فصیح نغز گفتار   تعریف کریں کہ واہ سرشار
در ملکِ سخن سخن پناہی   تو بحرِ علوم موج و ماہی
کیفی ہو شرابِ شعر سے مست   غمخوار یہ کہہ اٹھے سرِ دست
کیا لطفِ زباں ہے واہ وا واہ   کیا طرزِ بیاں ہے بارک اللہ
اطنابِ مُمل کو چھوڑ کر اب   سنیئے اس مثنوی کا مطلب
اک محسنِ قوم فخرِ کشمیر   ذی جودت و خوش بیان و تحریر
غیرت دہِ انوری و جامی   سحبانِ جہاں بہ خوش کلامی
ہمعصروں میں سب سے بڑھکے لائق   حلالِ غوامض و دقایق
جودت کا نہنگِ بحر اشام   محسودِ زمانہ روم تا شام
فردوسیِ طوس نکتہ رانی   جادوگرِ بابلِ معانی

سرمایۂ ناز ہند و کشمیر — یعنی اعزاز ہند و کشمیر
نوعمروں کی فوج کا وہ سرخیل — نیشن کی بٹیلین کا جرنیل
لائق فائق ذکی و پُرفن — یعنی پنڈت بشن نرائن
بچپن ہی سے تیز تھے بشن جی — مصداق تھی طبع اس سخن کی
بالائے سرش ز ہوشمندی — میتافت ستارۂ بلندی
تھا صغر سنی سے شوقِ تحصیل — تھی فکر علوم کی ہو تکمیل
جب نام خدا ہوئی جوانی — لندن جانے کی دل میں ٹھانی
لیکر کچھ مختصر سا ساماں — کپڑے بستر کتاب پکوان
رخصت ہوئے کہہ کے بادل شاد — جاتا ہوں ذرا الہ آباد
لندن ہوئے واں سے یہ روانہ — ہمراہ تھے عالم یگانہ
سائنس میں افتخارِ یورپ — ہر علم میں یادگارِ یورپ
مشہور زمانہ گال صاحب — فاضل فرزانہ گال صاحب
پہلے نہ کسی کو کچھ خبر تھی — دو اک دن میں یہ بات پھوٹی
مشرق سے رواں ہوئے بشن در — جسطرح اُفق سے شاہِ خاور
گھر گھر یہی شور تھا یہی ذکر — اپنے اپنوں کی سب کو تھی فکر
کہتا تھا کوئی کہ تار بھیجو — خود جاؤ اجورہ دار بھیجو
ہے ہے جو یہی رہا د تیرہ — ہو جائینگے سب کے لڑکے خیرہ
کلجگ کو خدا رکھے سلامت — ہے سب یہ انھیں کی تو عنایت
کہتا تھا کوئی یہ کیا ستم ہے — گرداب بلا میں اب دھرم ہے
ہلوگ برہمنانِ کشمیر — اولادِ حضور شاہِ رنبیر
بدلیں عیسائیوں کا سا بھیس — اور جا کے رہیں ملکش کے دیس

بھاگیں تو کہاں رہیں کہاں ہم — نوچیں گے اب اپنی بوٹیاں ہم
کہتا تھا کوئی دھرم ہوا ناس — کہتا تھا کوئی میں لوں گا سنیاس
کھاؤں گا نہ اب برادری میں — باقی نہ دھرم رہا کسی میں
ثابت قدم اسمیں ہم رہیں گے — مرجائیں گے اور دھرم نہ دینگے
بھنڈاری بھی تھے اُدھیڑ بُن میں — کھچڑی پکنے لگی تھی اُن میں
کہتے تھے بہ لہجۂ تیکشمر — لندن گومتت چھومنفُقن سُشر
بدھ چھے ہر ہر کران بیکار — سوری چھے لُکٹ ہباتِس یار
بگڑا رہا نیل کا جو یوں ماٹھ — اڈساٹھ گُسن تو اڈ گُسن آٹھ
باہم وہ لگے اُڑانے یہ زیٹ — لندنس اندر چھاشار داپیٹ
بھیجا گیا انکے نام اک تار — بیٹا لندن نجاؤ زنہار
خالہ جی کا وہ گھر نہیں ہے — بچے ہو تمھیں خبر نہیں ہے
سنتا کسکی تھا وہ جہاں گرد — روکے سے رُکے ہیں کب جوانمرد
تھا بسکہ بہت ہی چست و چالاک — سیدھا پہونچا وہ لندنِ پاک
لندن میں لگے وہ دندنانے — جھگڑا کیا یاں دھرم سبھانے
اک روز بُلا کے چند احباب — لڑکے نو عمر شیخ اور شاب
باہم لگے کرنے مشورہ سب — کچھ فکر دھرم کی چاہیئے اب
ڈوبی ڈوبی یہ ناؤ ڈوبی — ڈوبی ڈوبی بچاؤ ڈوبی
جز تیرے کون یا خدا ہے — اب تو ہی ہمارا ناخدا ہے
پتّا رہی ہے دھرم کی کشتی — مہماں ہے کوئی دم کی کشتی
منجدھار میں پڑ گئے ہیں بھائی — ہے لکھنؤ والوں کی دہائی
پہلے تو رہی بہت سی تکرار — طے یوں ہوئی بات آخرِ کار

خارج ہوں پران ناتھ بزار　　لندن جانے کے تھے جو ہمراز
گولر کے درخت میں پھلے آم　　نکلا املی کی جڑ سے بادام
خالد کو تو جرم سے ہو اقرار　　اور زید اسکے عوض چڑھے دار
سر پر پڑے چوٹ پاؤں ٹوٹے　　ماروں گھٹنا تو آنکھ پھوٹے
کچھ دن رہی گلمپ اور لڑائی　　باہم پھر ہوگئی صفائی
بچھڑے ہوئے پھر ملے ہیں ساقی　　لا بادہ اگر ہو خُم میں باقی
بوتل سے نہو گی میری سیری　　مشکیزے میں لا شراب شیری
یارو یہ نوید جانفزا ہے　　یارو یہ نوید دل کشا ہے
بہجت انگیز ہے یہ مژدہ　　فرحت انگیز ہے یہ مژدہ
یعنی احباب نے جبہ وی　　طے رات ہوئی مفارقت کی
جھلکا جھلکا سپیدۂ صبح　　ہلکا ہلکا سپیدۂ صبح
تارے چھپتے ہیں جھلملا کر　　ہے نور سا جلوہ گر فلک پر
بھینی بھینی مہک گلوں کی　　اور نغمہ زنی وہ بلبلوں کی
اے ساقیِ مہ لقا بدہ مے　　اے مرد خدا بخواب تا کے
وقتِ سحر اور خُنک ہوا ہے　　بے مے سب کر کرا مزا ہے
ایک چُلّو کے دینے میں یہ تکرار　　اُٹھو جاگو سحر ہوئی یار
دریا کی طرف چلے نہانے　　غٹ پریوں کے زنان خانے
مرغان چمن بہ نکتہ رانی　　چوں برہمنان بہ بید خوانی
نوبت زنگت جما رہی ہے　　شہنائی مزہ دکھا رہی ہے
بجتے ہیں خوشی کے شادیانے　　کیا دن یہ دکھائے ہیں خدا نے
رہکر دو تین سال لندن　　واپس آئے بشن نرائن

لندن میں مچی تھی دھوم جنکی شہرت اُنے سوا تھی کِن کی
جھنڈے گاڑے فرانس میں بھی اپیسچ وہاں بھی جاکے اک دی
لندن میں ہوا جو جلسۂ عام روشن کیا واں بھی قوم کا نام
تھے جمع ہزار ہا خرد ور علّامۂ عصر علم گستر
سب مہرِ سپہرِ نکتہ دانی شاہنشہِ مُلکِ خوش بیانی
بیٹھے رہے پہلے یہ بھی خاموش تقریر کو جب اُٹھے بصد جوش
بڑھ کے جودت نے لیں بلائیں مشتاق تھے سب کہ کچھ سنائیں
اُٹھ کر ہوئے گلفشاں وہ ایسے جھڑنے لگے پھول اُن کے مُنہ سے
دکھلائے آر میٹری کے وہ ڈھنگ ساری محفل میں جمگیا رنگ
آوازِ چیرز گونج اوٹھی ہر سمت صدا ہیر ہیر کی
ایک ہیل دماں تھاست گویا اک شیرِ ژیاں تھاست گویا
کہتے تھے یہ سامعین ذیجاہ احسنت احسنت بارک اللہ
عش عش کرتے تھے ڈیوک کیناٹ اور دم بھرتے تھے ڈیوک کیناٹ
جب تک یہ رہے مقیم لندن پڑھنے کا خیال تھا ہمہ تن
دل سے کئے سب علوم تحصیل کرلی بیرسٹری کی تکمیل
نیکی سے رہے بصد صفائی شہزادوں تک انکی تھی رسائی
خدمت ہیں برادران دیں کی خدمت میں ہر اک کیس میں کی
سرشار نیاز کیش و خستہ کرتا ہے یہ عرض دست بستہ
للہ نفاق کو کرو دُور سب لکھے پڑھے ہو چشم بد دور
مانا کہ دھرم کے پاسباں ہو بید ھرمی کے بھی تو رازداں ہو
چھُپ چھُپ کے وہ ہوٹلوں میں جانا کٹ لیٹ وہسکی پُوڈنگ اُڑانا

اور رنڈیوں کا وہ میل وہ ساتھ
کہنا گالو پہ پھیر کر ہاتھ
گورے ہاتھوں سے بی چلبجان
میں صدقے مجھے بنا دو اک پان
بیخوف گلوری لے کے کھائی
ہے خوب مزے کا پان جانی
اور اُسکا ہنس کے یہ سنانا
ہندوے کیا جانیں پان کھانا
باجی امّاں ہے اُس کا کیا نام
کل آیا جو تھا مُوا مخا رام
بھد بھد پھولی پھوری ایسا
نوبت کا نگوڑا جیسے دھونسا
یہ دیکھی ہوئی ہیں صحبتیں سب
ہمسے نہ دھرم کی لو ہبت اب
دھوبن کے اُترنا پر ملا گھاٹ
بھنگن ہو بغل میں لب پہ ہو باٹ
کھٹکن سے نہیں دھرم کا کھٹکا
ڈھونڈا اچھا یہ سہل نکا
نٹنی کو پلنگ پہ سلا نا
کیوں کتنی کہی ہے ہاتھ لانا
تڑکے شکلام بر دھرم ہو
شب کو بیڑن سے وہ کرم ہو
کیوں قبلہ اگر کوئی پری چھم
یا ناز و کرشمہ و خم وچم
بحرِ خوبی زپاے تا فرق
ہنستی۔ کہتی ہوئی انا البرق
پٹھر کاٹی ہوئی وہ بوٹی بوٹی
اُبھرا سینہ کھجوری چوٹی
پرکالۂ آتش وستم کوش
نسریں تن ونسترن بنا گوش
غیرتِ دہِ گل رخانِ نوشاد
شیریں حرکاتِ اور پریزاد
پازیب کو خوب چھجھاتی
پیاری پیاری چھبیں دکھاتی
لپٹا کے گلے کہے مری جاں
جو کچھ کہوں مان لوہیں قرباں
دنیا سے الگ تھلگ ہیں تم ہم
گوشے کا مقام ہو کا عالم
پی لو یہ شراب پر لگا لی
اُٹھیں ہیں گھٹائیں کالی کالی
ادھرم ہو دھرم ہو پن ہو یا پاپ
جو کچھ کہے سب وہ کیجئے آپ

اور میں بھی کہوں اُٹھا کے چلمن — تسلیم جناب و قبلۂ من
یہ عمر یہ سن یہ شورِ مرجاد — یہ بادہ یہ نقل یہ پری زاد
بڑھ بھس ہے اسیکا نام قبلہ — ہاں اور بھی ایک جام قبلہ
آئی نہ حضور کو ذرا لاج — کہئے وہ دھرم کہاں ہے مہاراج
اور جھیپ کے آپ منہ کو ڈھانپیں — مارے غصّے کے ہاتھ کانپیں
یہ سب ہے ڈھکوسلا رہے یاد — کسکا دھرم اور کہاں کی مرجاد
جب قوم کی قوم ہی پتت ہو — پھر کس کسکی پرائشچت ہو
سب کھاتے ہیں ایک جا پہ بیٹھے — دروازے گھر کے بند کر کے
تم لاکھ کہو یہ غُل مچا کے — ممبر ہیں ہم دھرم سبھا کے
یہ ساری اُڑان گھائیاں ہیں — معلوم ہے آپ کائیاں ہیں
چپکے سے ہمارے ساتھ کھانا — اور کھا پی کر ہوا بتانا
مسٹر تکو ادھر تو دیکھو — میری طرف اک نظر تو دیکھو
کیوں بندہ نواز وہ بھی ہے یاد — جب آپ گئے ...... الہ آباد
اور بیٹھ کے میرے ساتھ کھایا — اب پلٹی یہاں یہ آ کے کایا
سچ کہنا کیسی منہ کی کھائی — ہمنے بھی پتے کی کہہ سنائی
شُدھ ہو گئے کر کے ڈیڑھ سو جاپ — اچھے بگلا بھگت بنے آپ
بس بابا یاں قدم سے یار ڈنڈوت — ڈنڈوت ہزار بار ڈنڈوت
یہ تو کوئی ہمیں بتائے — اور پڑھ کے تو شاستر کو آئے
اخراج پتت کی راہ کیا ہے — بیرسٹر کا گناہ کیا ہے
آیا کشمیر سے بِوستھا — کچھ پنڈتوں نے یہ اُسمیں لکھا
اسطرح پرائشچت کریں آپ — کٹ جائیں یہ سارے آپکے پاپ

فتوے پونا سے بھی منگائے — موہن کشن اپنے ساتھ لائے
جب خیر سے ہو چکی پراچھت — کی جملہ برادری کی دعوت
ملنے بیٹھے شریک اِک ساتھ — پیارے لال اور جانکی ناتھ
ہردے نارائن اور بہادر — کوچک دُرج خرد کا وہ دُر
اکّے دوکّے نے پہلے کھایا — رفتہ رفتہ جتھا بڑھایا
دو کتریوں نے اسی خوشی میں — بلوایا انھیں اودھ پوری میں
کشمیر کے پنڈتوں کے احباب — گکّول وہ رئیس پنجاب
گوکل چند اک وکیلِ ممتاز — اور اہل اودھ کے مایۂ ناز
مل کے دونوں نے تار بھیجا — خوش خوش بصد افتخار بھیجا
وہ گوکل چند کی حویلی — ہو جیسے دُلھن نئی نویلی
آمد کی خبر ہوئی جو معلوم — سجوا دیا اپنا جوبلی روم
جب پہنچے وہاں بشن نرائن — گولے دغنے لگے دنا دن
باران گلاب و بارشِ گل — ہو کر بڑھے آگے با تجمّل
داخل محفل میں یہ ہوئے جب — تعظیم کو اُٹھ کھڑے ہوئے سب
سچّی تانیں لیہا رہی تھیں — گجراتن بیٹھی گا رہی تھیں
جُگ جُگ جیویں بشن نرائن — لندن سے بلسٹر آئے ہیں بن
گھر بیٹھے بہت سے ٹکڑے پائیں — بھر بھر جھوری اسرپیاں لائیں
سو ہندوؤں نے سبھا میں کھایا — ساتھ انکے ہر ایک کو کھلایا
کس کس کو نکال دیجئے گا — خارج کس کس کو کیجئے گا
لاہور کے ملگئے پھر احباب — شاباس بہادرانِ پنجاب
کشمیر کے پنڈتوں کے سرتاج — مشہور جہاں سری مہاراج

دانندۂ شاستر دمودھر — خود کہتے ہیں شُدھ ہوئے بشن در
پھر کاہے کی ہے عبث یہ تکرار — کاشی سے نہیں ہمیں سروکار
کشمیر کے حکم سے یہ اِکراہ — مرجاؤ اسی کا نام ہے واہ
کشمیر تو آپ کا وطن ہے — اور آپ کے باپ کا وطن ہے
آیا تو وہیں سے ہے یَوِستھا — پھر آپ کو اسمیں کیا ہے کھٹکا
لکھتے ہیں حلف سے اہل اسلام — ہیں متفق اُن سے تین حکّام
ہندو بھی وہاں کے کھتے ہیں سب — لندن میں رہے بقیدِ مذہب
اک دن فش مارکٹ سے لائے — مچھلی کے کباب خود پکائے
رہتی تھی قریب ایک فرنگن — طرّار و بہیج شوخ پُرفن
ہر بات میں سحر آفرینی — ہر رنگ میں شانِ نازنینی
چلتی تو زمیں میں سرو گڑتے — باتوں میں منہ سے پھول جھڑتے
اُس برق جمال کو بھی لائے — مچھلی کے کباب اُسے کھلائے
پکّے تھے کباب گو مزیدار — لیکن مرچوں کی بھی تھی بھرمار
کی مرچ نے کھاتے ہی جو گرمی — بولی جھلّا کے اُف ڈیر می
بائی جوو اس قدر کی مرچیں — بھر دی انگلینڈ بھر کی مرچیں
چل دُور میری زباں جلا دی — جا نی نا ٹی نے کیا بلا دی
اب بات بڑھاؤ مت زیادا — للہ رحم کرو خدا را
دیکھو تو کر قوم کا ہے کیا حال — پھیلایا ہائے کیوں دھرم جال
اسدرجہ بڑھا نفاق باہم — مضمون چھپنے لگے دھادھم
دینے لگے بھائیوں کو گالی — اچھی روش آپ نے نکالی
لڑکوں نے جو دیکھا یہ وتیرہ — سب ہوگئے ایک دم سے خیرہ

دھرمی اور ادھرمی سب سے تکرار — خم ٹھوک کے لڑنے پر ہیں تیار
دبلے پتلوں کو یوں ڈرانا — بانکوں کی گلی میں اب نہ آنا
بڑھ کر یہ زٹل کسی نے ہانکی — ایسی تیسی فرشتہ خاں کی
ہٹو بٹے ہیں اور جوان ہیں ہم — ڈنڑ پیل ہیں پہلوان ہیں ہم
شُدّھی لندھور کو لڑا دیں — بدّھو خاں کو زمیں دکھا دیں
ایک ایک کا دل بڑھا رہا ہے — بھترو نیہ اسے چڑھا رہا ہے
خوب ایکے اُڑایا تمنے خاکا — ڈنڑ مل دیں تمہارے آؤ آکا
کچھ غور کرو تو دل میں بھائی — وتھ کیسی دھرم سبھا کی رائی
ایک ایک کا بن رہا ہے دشمن — خواری پہ تُلا ہوا ہے ہر تن
بھولے ہیں اصول سب وفا کے — قربان ایسی دھرم سبھا کے
ہنگامۂ حشر اک بپا ہے — ماشا اللہ کیا سبھا ہے
چرچا ہے یہی ہر ایک گھر میں — ہر بونگ مچا ہے قوم بھر میں
یہ گت اس پھوٹ نے بنائی — لپاڈگی کی نوبت آئی
شر پر ہر ایک تلا ہوا ہے — اخراج کا در کھلا ہوا ہے
یہ بھی خارج ہو وہ بھی خارج — مرجاد میں ہو نہ کوئی ہارج
سمجھائے جو گالیاں وہ کھائے — جو بولے وہ راستہ بتائے
... ہیں ہمارے بھولے بھالے — دقیانوسی خیال والے
ڈھونڈھیں قصبوں میں لونوں کے کھیت — تبلائیں گگن کو راہ اور کیت
چھینکے جو کوئی تو ناک کاٹیں — منطق نہ بہت جناب چھانٹیں
عاری ہیں خرد سے اہل ونا اہل — ہر اک کی قبا میں دستۂ جہل
مرجاد کا غل مچانے والو — کلجگ میں دھرم بچانے والو

دنیا کی بھی کچھ تمھیں خبر ہے
یورپ علم و ہنر کا گھر ہے

اب ہند میں کیا رہا ہے بھائی
فریاد ہے ہندوؤ دہائی

مصری اسی باغ کے تھے اک گل
شاگرد تھے ہند کے جز و کل

اک پھول اسی چراغ کے تھے
اک بوند اسی ایاغ کے تھے

سقراط سے لے کے تا بہ لقماں
طفل مکتب تھے اہل یوناں

آگے اس کے زمیں سے تا مہ
سب کرتے تھے زانوِ ادب تہ

کبتائی کے بھی خدا تھے ہندی
اس کشتی کے نا خدا تھے ہندی

رامائن میں دکھائے وہ ڈھنگ
ہومر کا بھی جم سکا نہ کچھ رنگ

رنگت ملٹن کی بھی ہے پھیکی
سبحان اللہ والمیکی

کالیداس آں خدائے بینش
سرمایۂ نازِ آفرینش

مشہورِ جہاں کتاب اس کی
مقبول زماں کتاب اس کی

جھنڈے بیدک میں بھی گڑے تھے
یونانی جیب میں پڑے تھے

تشریح کے بادشاہ تھے ہندی
تشخیص کے بھی خدا تھے ہندی

دعویٰ جسکو ہے ہو جان مل کا
دیکھے وہ فلسفہ کپل کا

وہ علم وہ فضل اب ڈبویا
جو کچھ سیکھا تھا سب وہ کھویا

پڑھ سکتے نہیں ہیں ناگری تک
بیکار دھرم کی ہے یہ بک بک

گمراہ بھی رہنما بنے ہیں
مورکھ دھرماتما بنے ہیں

کچھ یہ بھی خبر ہے اے برادر
کیا کہتا ہے قوم کا خرد ور

وہ فرقِ علومِ ہند کا تاج
تحقیقِ ہلَل کا بحر مواج

ہمت میں جوان تو عقل میں پیر
سرمایۂ افتخارِ کشمیر

وہ غازہ کشِ عذارِ ادراک
وہ ماشطۂ نگارِ ادراک

افشانِ جبینِ بسیر یائی — وہ کشتۂ قوم وہ فدائی
عالی نسب اور خوش حسب ہے — مادھو پرشاد چک لقب ہے
کہتا ہے یہ فتنہ کیا بپا ہے — بالو کی گڑھی دھرم سبھا ہے
ہو بیرسٹر یہ منہ کی آتے — اور گیانی ہو اپنے کو بتاتے
جھوٹی ہے تمھاری سب کہانی — چُورن والوں کی جیسے بانی
نفسانیّت کی باگ موڑو — اس کجروشی کی راہ چھوڑو
سچّا ہے یہ قول حضرتِ چک — پتھر کی لکیر ہے یہ بیشک
بالو کی گڑھی دھرم سبھا ہے — سبحان اللہ کیا کہا ہے
کچھ ہجر کا بھی کلام ہے یاد — ماشاء اللہ خانہ آباد
حشمت نے دکھایا زورِ خامہ — کیا خوب لکھا ہے صلحنامہ
واجب نہ تھی اس میں گرمجوشی — لازم تھی بلکہ پردہ پوشی
انجام کو ایک نے یہ سوچا — اک دم سے سبھا نے دھر دبوچا
تہذیب و حیا سے ہو کے عاری — ایک ایک کی کر رہا ہے خواری
اصحابِ سبھا سے ہے یہ خواہش — اربابِ صفا سے ہے یہ خواہش
اصلاح میں متفق ہو ایسے — ہے راگ کو جیسے میل لَے سے
ہاں یہ تو دھرم سبھا بتائے — کتنے ہندو گئے اور آئے
لندن میں نہیں ہنود مفقود — ستّر اسّی ہیں اب بھی موجود
ہر فرقے کے ہیں جمع یکجا — کھنّا۔ سری باستم۔ متوچا
پنجابی۔ ناگر۔ اہل بنگال — ڈوبے چوبے وِجہت اگروال
کشمیریوں کے بھی دو تہمتن — کرتا کشن اور بشن نرائن
کاشی کے بڑے بڑے برہمن[۱۵] — پڑھتے ہیں مزے سے جا کے لندن

[۱۵] پنڈت امان ننکا جو تھاسے ورنیا برہمن کاشی نواسی اور لکشمی شنکر جی مدھ کے لڑکے دونوں کاشی سے لندن گئے ہیں

ممبر کوئی تو لاج کا ہے — کوئی برہم سماج کا ہے
کچھ لوگ بنے ہیں آریا بھی — کھنڈن کرتے ہیں مورتی کی
منتر میڈم کا بھی لیا تھا — کوٹھومی نے گور کھ دیا تھا
کس کس کو تپت بتائینگے آپ — کس کس سے دھرم بچائینگے آپ
دنیا کا بھی دیکھتے ہو کچھ رنگ — بیکار فضول ہے یہ سب جنگ
سرشار کی التجا ہو مقبول — کہتا ہے غریب بات معقول
ہیں جتنے دھرم سبھا کے ممبر — اور لبرل پارٹی کے افسر
اب قوم پر اپنی رحم کھائیں — بھڑکی ہوئی آگ کو بجھائیں
انصاف کی منزلیں کڑی ہیں — پندار سے گتھیاں پڑی ہیں
جو لوگ نفاق سے ہیں مخمور — ہوں بادۂ اتفاق سے چور

بس کن سرشارِ خستہ بس کن
اے سوختہ ضبط این نفس کن

قصائد ذیل چوتھی سوشل کانفرنس کشمیری پنڈتاں میں جو بمقام

لکھنؤ ماہ اکتوبر ۱۸۹۴ء میں منعقد ہوئی تھی حضرت سرشار نے پڑھے تھے۔

رباعیات ابتدائی

مداح جناب شبیر آتا ہے — وصاف شبیر عرش سیر آتا ہے
خورشید کی آنکھ کیوں نہ جھپکے سرشار — ہاں ذرۂ خاکِ کاشمیر آتا ہے

دوم

سرشار بلیغ و نکتہ داں آتا ہے — جنگاہ میں اک سیف زباں آتا ہے
کہتے ہیں جسے ملک معانی کا وزیر — وہ واصفِ شاہِ دو جہاں آتا ہے

اُردو

پھلیں گے پھولینگے گلزار قوم کے اشجار
اُٹھا ہمالیہ پربت سے ابر گوہر بار

ادھر بھی پڑ گیا اک دونگڑا اُسی مینہ کا
ہے جس سے گلشن قومی پر آج طرفہ بہار

بنائے مالنوں نے پیارے پیارے ہاتھوں سے
وفور شوق سے گلہائے تر کے بندھنوار

زبان پہ مفتی کے ہاتِ الصبوح کی ہے صدا
جناب شیخ نے بھی رہن رکھی ہے دستار

پڑا ہی رہتا ہے بھٹی میں رات دن قاضی
پسند ایسی کچھ آئی ہے صحبتِ خمّار

یہ دھوم دھام یہ لطف اور یہ جشن کا ساماں
جو دل نے دیکھا تو مجھ سے کہا کہ اے سرشار

یہی ہے وقت تیری طبع آزمائی کا
اٹھائے خامۂ گوہر فشان عنبر بار

گڑے ہیں تیری لیاقت کے دور تک جھنڈے
خجند و آمل و نوشاد و خلخ و فرخار

نظیر ہی نہیں رکھتا تو اپنے فن میں کوئی
کرینگے صاحب انصاف اس سے کب انکار

کلام کے تیرے مداح سب بڑے چھوٹے
بیان کے تیرے مشتاق سب صغار و کبار

زباں وہ پائی کہ ہے نطق سیکڑوں کو ہے
طبیعت ایسی ملی شوخ جیسے چنچل نار

وہی ہے تو کہ تیرے فیض خوش بیانی سے
نولکشور نے پیدا کئے پچاس ہزار

یقیں نہ آئے تو پڑھ لو فسانۂ آزاد
یہ لن ترانی نہیں واقعات ہیں سرکار

سخن کا مثل نہیں ہے قسم ہے قرآں کی
نہیں جواب تیرا ہند میں کوئی زنہار

تو نثر کا ہے شہنشاہ نظم کا سلطاں
زمانہ بھر میں ہے مشہور تحفۂ سرشار

لکھی پھڑکتی ہوئی مثنوی وہ لاثانی
کرے جو سنتے ہی بیتاب مرغ بسمل وار

جہان میں یہ جو مشہور ہے نئی دنیا
پرانے لوگ وہاں کے تیرے بیاں پہ نثار

خطوں پہ خط چلے آتے ہیں واہ کیا کہنا
کہاں شکاگو کہاں لکھنؤ سمندر پار

ہے اس کمال پہ لیکن ہزار بار افسوس
کہ تو نے قدر نہ کچھ جانی اپنی خود زنہار

کمال کے لئے لازم جو ہے زوال ضرور
اب ایک قطرہ ہے۔ تھا پہلے قلزم زخار

نہ آب و تاب وہ اگلی سی ہے نہ رنگ نہ روپ — نہ ہیں وہ شاہدِ مضموں کے پھول سے رخسار
نہ حافظہ ہی رہا وہ نہ قوتِ ادراک — سہے کہاں سے ہر اک شے کی حد ہے آخرکار
ہر ایک بات میں لازم ہے اعتدال ضرور — ہر ایک چیز کو اک حدِ خاص ہے درکار
اسی زمانہ میں تو بھی امیر ہو جاتا — قبول زر میں نہ ہوتا اگر تجھے انکار
غنیمت اب بھی سمجھ وقت کو نہ ضائع کر — ابھی تلک ہے ترا قدر دان ہزار ہزار
کوئی قصیدہ لکھ ایسا کہ جسکے حرفوں پر — کئی ہزار طبق ہوں زر و درم کے نثار
جو عیب ہیں ہیں تیرے وہ بھی مان لیں لوہا — کہیں کہ لڑیوں میں موتی پروئے ہیں سرشار
سنا جو دل نے یہ میرے کلام پند آمیز — تو خوابِ غفلت و پندار سے ہوا بیدار
کھلی جو آنکھ تو دیکھی یہ قوم کی حالت — کہ چھا رہا ہے نحوست کا ابر تیرہ و تار
جو فخرِ قوم تھے انکا کہیں پتہ ہی نہیں — نصیب انکی زیارت نہ ہوگی اب زنہار
کہاں ہیں رام نرائن کہاں ہیں شمبھو ناتھ — ججی کی بینچ کو جنسے شرف تھا اور وقار
ہماری قوم میں صرف ایک اسکالر — ہوا وہ عین جوانی ہی میں اجل سے دوچار
پران ناتھ کا ثانی نہیں ہے قوم میں اب — تھا بحرِ علم و فراست کا گوہرِ شہوار
کشامرہ میں ہوا اک رفارمر نامی — ریاضِ قوم میں تھی جسکے دم سے طرفہ بہار
بہت ہی جلد وہ دنیا سے اٹھ گیا افسوس — تھا لشکرِ لبرل کا قافلہ سالار
اودھ میں لچھمی نرائن نے وہ کیا تھا کام — کہ اسکی ذات پہ نازاں تھا لکھنؤ کا بار
زباں پہ بار خدایا یہ کس کا نام آیا — کہ میرے نطق نے بوسے لئے زباں کے ہزار
ہمارے اوجِ امارت سر کشن تکرو — خطاب رائے بہادر وکیلِ تجربہ کار
وہی تھے بانیِ صحبت مگر ہزار افسوس — نہیں ہیں آج کہ سب سنتے ان کی بھی گفتار
بلیغ نکتہ رس و نکتہ داں اجودھیا ناتھ — ہے جسکے نام پہ دل سے ہماری قوم نثار
ہماری قوم کا فخر اور تمام ہند کا ناز — نہیں وکیلوں میں جسکا سا ہے کسی کو وقار

انھیں کی شان میں سرجاج آیج حاکم نے — کہا یہ تیج سے پنڈت تھا بنیظیر دیار
کہاں تلاش کریں جلد چل بسے ہیہات — ترس رہی ہیں یہ آنکھیں محال ہے دیدار
بھلا کسیکو بھی حاصل ہوئے ہیں یہ اعزاز — بھلا کسیکو بھی حاصل ہوا تھا ایسا وقار
تھے ایک اور اسی کانفرنس کے بانی — نہیں ہے جنکا سا باوضع قوم میں زنہار
ہمارے مایۂ نازش جناب بھیروں ناتھ — تھے قومی جلسہ کے دل سے معین و پیروکار
مگر زمانہ نہیں باکمال سے خالی — ہیں اب بھی نامی و مشہور قوم کے سردار
سنیں بگوش دل اب سب برادرانِ قوم — جو دست بستہ کرے عرض بندۂ سرشار
نہیں ہے قوم میں کچھ اتحاد سے بہتر — ہیں ایسے جلسے غنیمت تو مغتنم حقنار
نہاں ہیں فائدے جو اتحادِ قومی میں — عیاں زبان سے ہوں یہ کس کو طاقتِ گفتار
ملیں اگر نہ کسی وقت رات دن باہم — تو صبح و شام کا شکل جہان میں ہو اظہار
مشام اہل تماشا نہ پھر معطر ہو — میانِ باغ نہ پھولوں کا ہو اگر انبار
نہ اتفاق کا رشتہ اگر ہو پھولو سنیں — کسی گلے میں نہ دیکھے کوئی گلوں کا ہار
ہو ایک جا نہ اگر اجتماع بالوں کا — بنے نہ زلف چلیپا نہ ابرو دلدار
بٹھائیں آ نقش بغض و عناد کو سب لوگ — بڑھائیں الفت قلبی کریں وفا کا شعار
یہی ہے ماحصلِ انعقاد کانفرنس — کہ جب قوم بڑھے اور دور ہو تکرار
ہماری قوم میں سب پردہ پوش ہو جائیں — کہ عیب جوئی سے ہوتا نہیں ہے خوش ستار
جو گتھیاں ہیں پڑیں انکو جلد سلجھاؤ — کہ ہو ہرا بھرا سوشل رفارم کا گلزار
سوسایٹی ہے جو لاہور میں بڑی لبرل — اٹھائیں ہاتھ نہ اسکی مدد سے بھی زنہار
ہماری قوم کے پرچے جو دو نکلتے ہیں — اڈیٹر اک کے مدن ہیں تو دوسرا اوتار
مدد ہے دو نو کی کل کاشمیریوں پر فرض — کہ انکے نام سے شایع ہوئے ہیں یہ اخبار
ہیں دو کمیٹیاں قومی تو دو ہی ہیں میگزین — ادھر یہ دو ہیں ادھر وہ ہوئے ہیں ملکر چار

قصیدہ ختم دعا پر کرو نہ دو اب طول — ہے طول باعثِ تکلیف سامعین سرشار
دروں کی قوم کو جبتک ہے کاشمیر میں اوج — ہو اُس پہ سر دیپہ جبتک وہاں کے دل ہیں نثار
الٰہی معز ترقی ہو اور بڑھے عزّت — رہے یہ صحبت پاکیزہ صورتِ گلزار
دعا پہ ختم قصیدہ ہوا تو دل نے کہا — بگوش ہوش شنو عرض این نحیف و نزار
زباں کی تیغ سے ایران زیر کرو ہاں — کہ خالی اردو ہی کہنا ہے تیر ننگ اور عار
ہو فارسی کے قصیدے کا رنگ ایسا شوخ — کہ وجد کرنے لگے روح انوری و وقار
خدا نے مجکو طبیعت جواں عطا کی ہے — فقط ہوں وہی بیاں اک شراب یک بہار

خبر کرو مرے خرمن کے خوشہ چینوں کو
لگا رہا ہوں مضامین تازہ کے انبار

قصیدہ فارسی

ا۔ بہار

نہ ہے عروج بہار و رخے نسیم بہار — کہ سرخ سرخ نہاد ند گل بہ سر دستار
ہوا ست معتدل و در مزاجہا صحت — مریض نیست کسے غیر نرگسِ بیمار
ز لطفِ نکہتِ گلہائے تازہ حیرانم — کہ با نسیم کہ آموخت شیوۂ عطّار
بسوئے غنچہ از انست رغبتِ بوسہ — کہ از و ہست عیاں تنگیِ دہان یار
بہ شاخ شاخِ چمن بہر گل عنادل را — کشودہ بابِ تنا از کشائیشِ منقار
بہارِ سرو و صنوبر چو در نظر آمد — خزاں بہ آتش خود سوختہ شدہ چو چنار
ز آب شبنمِ شب در شجر جیاں مملوست — کہ ہر گل است مشابہ بساغر سرشار
شداست شرکت درد و الم چناں معدوم — کہ خندہ زد گل اگر نالہ کرد بلبلِ زار
نہ ہے بہ وفاقِ نظر سوئے گل چو کردم تیز — بگوشم آمدہ آوازِ ان یکا دز خار
گواہِ کثرتِ رنگِ گلست قوسِ قزح — رسید موجے از و تا بہ گنبدِ دوّار

هزار آرزو از دل چو کرده گل از گل | هزار شهرهٔ آفاق شد به اسم هزار
چو عام کرد هوا میہماں نوازی را | خانہا و سرِ خویشتن به پائے نگار
نشانِ گردِ کدورت نہاں چو ظلمت کفر | صفائے باغ عیاں صورتِ دلِ بیدار
به پرس صدمهٔ دلبستگی دریں موسم | ز عندلیب که بر غنچه می زند منقار
برائے غازهٔ رخسارِ حور رضواں برد | ہر آں غبار که افشاند باغباں به کنار
علاجِ دیدهٔ بلبل به جوشِ گل اشک است | که سرخ چشم نه گردد ز کثرتِ دیدار
بہر طرف ز سیاہیِ داغ بنماید | چراغِ لاله فروزاں به نور در شبِ تار
ز شبنم است به دنیا سپیدیِ دمِ صبح | ز سنبل ست بعالم سیاہیِ شبِ تار
بہار را چو به شکلِ بہار بنوشتم | رہینِ منّتِ سہوِ من است لفظِ بہار
زہے عروسِ بہارے که وقت جلوهٔ او | به مشتِ غنچه نہد نقدِ زر برائے نثار
پُر است دامنِ گلشن ز قطرهٔ شبنم | مگر نسیمِ بہار ست ابرِ گوہر بار

۲- شراب

مناسب است دریں دورِ دورِ بادهٔ ناب | که دور نشه کند دورِ دور ہائے خمار
شراب صاف تر از آبِ کوثر و تسنیم | لطیف از عرقِ حور وقتِ بوس و کنار
ز خُم به سوئے سبو، وز سبو به جانبِ جام | رواں ز جام به سوئے دہانِ باده خوار
ز زاہدِ خشک شکن بر جبینِ خود دارد | که موج ہائے مئے ناب ساغرِ سرشار
به غیر نشه دماغے به سر چه بنماید | خزاں رسیده گل اندر چمن بفصلِ بہار
خوش ست سترِ تن از لائے دریں ایام | سبوئے باده بسر به ز طرّهٔ دستار
به صحن باغ ستے در نظر نمی آید | ز جام باده کفِ دست و از سبیب کنار
مشابہت دمِ سیر و کلام مست دارد | زباں به پائے و سخنہائے نغز با رفتار
چناں به دائرهٔ بزم دورِ جام مے ست | که انتہاست به نشئه و نه ابتدا از خمار

زخانقاہ کنوں تا بہ میکدہ آمد — صدائے اشرؔ بُواز ہر شکستِ استغفار
بہ طبع خوش سخنے گفتن است می شاید — تراوشِ سخن از لب چو ساغرِ سرشار

۳۔ تعلّیِ شاعرانہ

بہ عہد خویش منم رشکِ سعدیٔ شیراز — اگر از دستِ گلستاں زمن ہسے گلزار
بوجد روحِ کلیم از کلام من شب و روز — من از سلامتِ طبعِ سلیم دارم عار
بہ بیں بہ نثر چہ مضموں ہا رقم کردم — بہ بیں بہ شعر کہ دارد بہ علم من اشعار
پئے فسانہ بود مثنوی مناسب تر — قصیدہ رانہ تعلق نہ ہیچ از و سروکار
پُراست ساغر و پیمانہ ام زبادۂ علم — دہد بصدق گواہی تخلّصم سرشار
بہ بوستانِ سخن کبکِ خوش خرام منم — نمونۂ روشِ من ززاغ یا دشوار

۴۔ انکسار

دلیلِ قاطعِ بے مائگی ست کبر آئے دل — کہ برزمین ست سرِ شاخ ہائے میوہ دار
مناسب ست ازیں رہگذر کنارہ کشی — کہ غول راست درو گرم وقتِ شب بازار

۵۔ اتفاق

زاتفاق چہ بہتر ز اتحاد چہ خوش — مدبّر اوست کہ دارد بریں مدارِ کار
محبت ست و عداوت بہ دہر تا یارب — محبِّ قوم عزیز و عدو ذلیل و خوار

سرورؔ۔ پنڈت پیم نرائن صاحب لکھنوی

شب چو آمد ماہ ما بر بام ما — خندہ زد بر صبح روشن شام ما
زیستم در ہجر و مردم در برش — بہتر از آغاز شد انجام ما
وقف کردم شد عنایت بوسۂ
از زبان و لب برآمد کام ما

سرور۔ پنڈت گوپی کشن صاحب ولی خلف پنڈت بالکشن صاحب ولی

آپ پنجاب کے مختلف اضلاع میں جیلر رہے اور اب مستفید پنشن ہو کر لاہور میں قیام پذیر ہیں بہار کشمیر میں آپ کے مضامین اکثر نکلتے رہتے ہیں۔

ہے مال و زر کا ترے گھر میں جمع جتنا گنج — وہ ایکدم میں لٹا دے براہ مولا گنج
وہ بندہ ہیچ سمجھتا ہے گنج قاروں کو — خدا سے صبر قناعت کا جس نے پایا گنج

رہا کسی کے نہیں پاس آجتک سرور
جو جمع کر گئے اسکند اور دارا گنج

سرور۔ پنڈت لچھمی رام صاحب ہاکسر متوطن لکھنؤ

جب کشمیر کے چمن زار میں آوارہ وطنی کی آندھی آئی تو بہت سے ہوا خواہاں چمن اپنا مسکن چھوڑ کر بوئے گل کی طرح نکل کھڑے ہوے ان پریشان حالوں میں اکثر بلبل خوش لہجہ بھی شامل تھے جنکے کانوں میں نغمۂ شیراز سمایا ہوا تھا اور جنکی زبان پارسی شیرینی سے کامیاب تھی ان نو اسنجان کشمیر کو عموماً آب و دانہ کی کشش سرزمین دہلی کی طرف کھینچ لے گئی اور وہیں اون کی زمزمہ پردازیوں کی ہوا بھی بندھی مثلاً پنڈت داتارام برہمن کی شاعری نے مرزا جواں بخت بہادر اور مرزا خرّم بخت بہادر کے دامان دولت کے سایہ میں فروغ پایا یا پنڈت گوبند رام زیرک کو شاہ عالم کی رفاقت کا فخر عمر بھر حاصل رہا اسی طرح صیرفی و ضمیر کی شاعری نے دہلی کی خاک پر نشو و نما پائی اور یہ بزرگ دہلی ہی کی خاک کے پیوند ہوئے لیکن خاک کشمیر کا یہ ذرہ جس کا نام نامی زیب عنوان ہے لکھنؤ کی سرزمین پر آفتاب ہو کر چمکا۔

آج لچھمی رام سرور کے خاندانی حالات تفصیل کے ساتھ لکھنا ممکن نہیں کیونکہ اُن کے خاندان کا کوئی یادگار باقی نہیں اور اگر کوئی ہوتا بھی تب بھی اُس سے زیادہ مدد ملنے کی امید نہ تھی کیونکہ بزرگوں کے سوانحی حالات یادگار کے طور پر یا تبرکاً قلمبند کرکے

رکھنا ایشیائی تہذیب کا حصہ نہیں۔ اس حالت میں لچھمی رام سرور کے حسب و نسب کا حال لکھنا بھولے ہوئے خواب کا یاد کرنا ہے علاوہ بریں جو بزرگ اس وقت ہمارے سر پر سلامت ہیں اور جو اس گذرگاہ ہستی کی ستّر اسّی منزلیں طے کر چکے ہیں وہ بھی کہتے ہیں کہ جب انھوں نے آنکھیں کھولیں تو لچھمی رام سرور کا اس دار فانی سے کوچ ہو چکا تھا ان کہن سال بزرگوں نے اپنے بزرگوں سے جو کچھ لچھمی رام سرور کے متعلق سُنا ہے اور تبرّکاً مجھ تک بھی پہونچا ہے میں وہ غیر مسلسل حالات کاغذ و قلم کے سپرد کئے دیتا ہوں۔ تقریباً ڈیڑھ سو برس کا عرصہ ہوا کہ شجاع الدولہ کے آخری عہد میں یا آصف الدولہ کے ابتدائی عہد میں پنڈت لچھمی رام سرور کشمیر سے صوبہ اودھ میں آئے اور سعادت علیخاں کے دوران حکومت میں انھوں نے وفات پائی حضرت سرور کے سلسلہ معاش کے نسبت صرف اس قدر معلوم ہو سکا کہ وہ کچھ عرصہ تک قندھاریوں کے رسالہ میں وکیل رہے پنڈت زندہ رام تنخواہ اسی زمانہ میں اس رسالہ کے میر منشی تھے اور اُن چند سر برآوردہ اشخاص میں تھے جنکا وقار نواب کے دربار میں قایم تھا حضرت سرور انھیں کے ماتحت تھے۔

عبدالرحمٰن خاں کے لڑکے حبیب اللہ خاں قندھاریوں کے افسر تھے اور ایک خوشرو اور خوشرنگ جوان تھے سرور کی شاعرانہ طبیعت کا لوازمہ حسن پرستی بھی تھا چنانچہ حبیب اللہ خاں سے عشق تھا اور انھوں نے اپنی اکثر غزلوں میں اس خوبصورت جوان کے حسن کی تعریف کی ہے دو شعر تمثیلاً درج ہیں۔

کرد از حبیب حور بشکلِ بشر عیاں — سرور نگر تو صنعِ خدائے جلیل را
دادۂ سرور بہ یوسف نسبتِ روی حبیب — ہاں غلط کردی کہ حسنش راصفای دیگر است

کچھ زمانہ لچھمی رام سرور کا اندور میں بھی گذرا ہے اس کی وجہ یہ ہوئی کہ ایک زمانہ میں مفسدوں کی فتنہ پردازی کے سبب سے پنڈت زندہ رام تنخواہ سے

اور نواب سے بگڑ گئی اسپر پنڈت زندہ رام تنخواہ نے اودھ کی سرکار کو سلام کہا اور اندور کی راہ لی لچھی رام سرور نے بھی اپنے آقا کی رفاقت میں اسی سرزمین کا رخ کیا مہاراجہ ہولکر یعنی والی اندور ان لوگوں سے بہت عزت سے پیش آئے اور ان کے اعزاز اور پایہ کے مطابق اپنی لشکر میں عہدہ عطا فرمایا لیکن اندور کے دربار کے پرانے امرانے ان غریب الوطنوں کی بیخ کنی شروع کی اور مہاراجہ کو ان کے طرف سے بدظن کر دیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مہاراجہ ان لوگوں سے کم التفاتی سے پیش آنے لگے یہ ناقدری پنڈت زندہ رام کو بہت ناگوار گذری اور انھوں نے پھر اپنے قدیمی وطن کی راہ لی لچھی رام سرور کے دل میں جو آتش غضب اِن معاملات سے جوش میں آئی وہ زبان سے گرمی سخن بنکر ظاہر ہوئی انھوں نے مہاراجہ ہلکر کی ایک ہجو اندور سے چلتے چلتے کہدی مہاراجہ ہلکر کانے تھے اور دوسری آنکھ کو بھی نور کا کافی حصہ نہ ملا تھا لچھی رام سرور نے ہجو میں اس عیب کا بھی اشارہ کیا ہے فرماتے ہیں۔

یاراں ہوائے سیم و زر از سر بدر کنید — گیرید راہِ خانہ و ترکِ سفر کنید
زیں کور چشم چشمِ بھی داشتن خطاست — قطعِ نظر ز ہلکرِ کو تہ نظر کنید
گوید ہزار وقت ...... نمیدہد — از مکر و چاپلوسی ہلکر حذر کنید
ماندن کنوں بلشکرِ ہلکر صلاح نیست — اصلاحِ کار خود بصلاحِ دگر کنید

سرور پیادہ می رود و ہمرہاں سوار
اے وا اے با حبیب ز حالش خبر کنید

لچھی رام سرور سے ایک دیوان یادگار ہے جسکے قلمی نسخے شاذ و نادر کشمیری بزرگوں کے پاس موجود ہیں ایک نسخہ اس دیوان کا بخت رسا کی مدد سے میرے پاس آگیا اس میں تقریباً تین سو غزلیں ردیف وار درج ہیں دیوان کے آخر میں دو ایک ترجیع بند ہیں ایک مثنوی ہے اور ایک قصیدہ ہے قصیدہ اور مثنوی

حبیب اللہ خاں کی مثال میں ہے کلام کا رنگ دیکھنے سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اس نواسنج کشمیر نے بلبل شیراز کا طرز قریا اُڑایا ہے اور عاشقانہ اور رندانہ مضامین فصیح اور پاکیزہ زبان میں نظم کئے ہیں صفائی بندش سے طبیعت کی قدرتی روانی کا پتہ ملتا ہے۔ دقیق مضامین اور بلیغ ترکیبوں سے عام طور پر پرہیز کیا ہے چونکہ عمر کا بڑا حصّہ مصیبت ہی میں گذرا لہذا کلام میں ایک قسم کا درد بھی ہے چند اشعار تمثیلاً درج ہیں۔

باچشم کم مبین تنِ ظاہر ذلیل را — بحث از غلافِ کہنہ چہ تیغِ اصیل را
ناصح خموش گوش خراشم مشو کہ نیست — رہ در حریم خلوتِ من قال وقیل را
مفروش جلوہ زاہد خشک از ارم برو — عاشق بچشم تر نخرد سلسبیل را

دیگر

ہیچو رنداں نہ بود بادہ کشی پیشۂ ما — بادۂ ما ہمہ خونِ دل و دل شیشۂ ما
نیست خورشید کہ بر روئے فلک می تابد — جستہ از سنگ شرارے زدم تیشۂ ما
وہ چہ خوش گلبنِ رنگیں گلستانِ غمیم — آب از خونِ جگر یافتہ ہر ریشۂ ما

وصفِ ذاتِ تو حبیبا چہ بگوید سرور
نیست در بزم صفاتت رہِ اندیشۂ ما

نے مقیم مسجد و نے ساکنِ بتخانہ ایم — گشتہ ایم از کفر و دیں آزاد ما دیوانہ ایم
زاہدا مارا مدہ تکلیف از صوم و نماز — بندۂ پیرمغاں و خادمِ میخانہ ایم
ساختن باسوختن در عشق خوباں کار ماست — جلوہ گہ ہر جاکہ شمع ہست ما پروانہ ایم
در کنجِ غم افتادم و دمساز کسے نیست — درداکہ بفریادم و فریاد رسے نیست

در گلشن پُر خار و خسِ دہر ندیدم
یک مرغ خوش الحان کہ اسیرِ قفس نیست

بشور آمد جنوں در سینۂ من نالہ شد پیدا — گرہ شد نالۂ من بر لب و بتخالہ شد پیدا
چہ رنگیں آتشے زد در دلم عشقش کہ در گلشن — شرارے جست از داغم چراغ لالہ شد پیدا

رخصتِ آہ دہم گرد دلِ شیدائی را — آتشے درزدم ایں گنبدِ مینائی را
پردہ برداشت ز رُخ عشقِ تو رسوائی را — خیر بادیست زمن صبر و شکیبائی را

وله

مژدہ اے دل کہ ترا ہم نفسے می آید — عندلیبے ز چمن در قفسے می آید
ہر نفس قافلۂ عمر رواں می گذرد — گوش کن گوش کہ بانگِ جرسے می آید

وله

متجلی ست از تو خانۂ ما — رشکِ طور ست آشیانۂ ما
خواب در دیدہ سوخت اے سرور — آہ از گرمیِ فسانۂ ما

وله

بہار آمد بدہ ساقی شرابِ ارغوانی را — کہ تازیں آب سازم سبز نخلِ زندگانی را

وله

گر حواس آشفتہ ایم اے ہمنفس با ما مرنج — وز غمِ گیسو پریشانے پریشانیم ما
ہر دم از افغان و آہِ آتشین و چشمِ تر — رعد نالاں برق سوزاں ابر گریانیم ما

وله

داغہائے کہ بود در دلِ سودازدہ ام — لالہ زاریست کہ در دامنِ صحرائے ہست

وله

بے تو جاں بر لبم و ذوقِ طپیدن باقیست — یک نفس فرصت و صد نالہ کشیدن باقیست
غنچہ ساں بے تو بسے خون جگر خوردم و آہ — چوں گل از دستِ غمت جامہ دریدن باقیست

وله

گہ کرشمہ گہ نگہ گہ غمزہ گاہے ناز کرد — سحرہا در کارِ دل آں چشمِ جادو ساز کرد

وله

مہ شد تمام تا چو رخِ او شود نہ شد — کاہید باز تا خمِ ابرو شود نہ شد

وله

بوصفِ چشمِ تو سازم چو ابتدائے غزل — غزال سر زند از خامہ ام بجائے غزل

وله

مطرب نوازشے کن و سازِ طرب بساز — بنواز نے کہ نغمۂ مستانہ برکشیم

یہی رنگ کلام کا شروع سے آخر تک ہے زبان پر قدرت کا یہ عالم ہے کہ سنگلاخ زمینوں میں بھی اس شہسوارِ سخن کے قدم نہیں ڈگمگائے ہیں اور فصاحت کی شاہراہ نہیں چھوٹنے پائی چند شعر اس رنگ کے بھی ملاحظہ ہوں۔

اے دل چنیں بخون چو طپیدی چہ شد ترا — از تیغِ غمزہ کہ شہیدی چہ شد ترا
صد فصلِ نو بہار گذشت و دریں چمن — بلبل تو نالۂ نہ کشیدی چہ شد ترا

وله

یارب از دستم نیامد جز گنہگاری دگر — بسکہ دارم شرمساری گریہ می آید مرا

مزرعِ خشکِ امیدِ ما بلے ہم تر نہ کرد | از نوائے ابر بہاری گریہ می آید مرا

ولہ

فصلِ گل است اے چمن آرائے میکدہ | بگذار زیرِ سایۂ برتاک شیشہ را
افتادہ است بر سرِ خاک از فراقِ مے | بردار ساقیا ز سرِ خاک شیشہ را
از فیضِ رنگِ بادۂ رنگین برنگِ گل | برسنگ گرفتہ نہ بود باک شیشہ را

ولہ

شبے کسے بدر او طپیدہ ہیچ نہ گفت | چہ نالہا کہ ز دل برکشید و ہیچ نہ گفت
سحر شنید ز بلبل چو وصف روئے تو گل | بخوں طپید و گریباں درید و ہیچ نہ گفت
ہلاکِ شیوۂ آں سرکشم کز استغنا | مرا طپاں بسرِ راہ دید و ہیچ نہ گفت
نداز دہانِ تو حرفے بہ غنچہ باد صبا | ز شرم سر بہ گریباں کشید و ہیچ نہ گفت
وفائے سرورِ شیدا نگر کہ در عشقت | ہزار جور و جفا ہا کشید و ہیچ نہ گفت

ولہ

ز بادِ آں زلفِ عنبر بار گاہے راست گاہے کج | چہ خوش زیباست بر رخسار گاہے راست گاہے کج
گہے از قہر گہ از خشم چشم فتنہ پرداز ش | نگاہے میکند ہر بار گاہے راست گاہے کج

حافظ کی غزلوں پر اکثر غزلیں کہی ہیں اور بعض موقعوں پر خوب طبیعت داری دکھائی ہے حافظ کی اُس مشہور غزل پہ بھی غزل کہی ہے جس کا مطلع ہے۔

الا یا ایہا الساقی ادر کاساً و نا و لہا | کہ عشق آساں نمود اول ولے افتاد مشکلہا

اس زمین میں اکثر فارسی شعرائے زور مارے ہیں مگر میرے خیال میں حافظ کے بعد جیسا مطلع سرور نے کہا ہے اس پایہ کا شعر اس خاص زمین میں دوسروں کے یہاں نہ ملے گا سرور کا مطلع ہے۔

بہ تحریر آورم گر نامۂ بیتابیِ دلہا
نوشید خامہ جائے مدّ بسم اللہ بسملہا

ظہیر فاریابی۔ناصر علی اور ہلالی نے اس زمین میں غزلیں کہی ہیں ذیل میں حافظ کے شعر بھی تبرکاً لکھتا ہوں اور اُن شعرا کے بھی۔سب کا رنگ سخن ملاحظہ ہو۔

الا یا ایہا الساقی ادر کاساً و ناولہا حافظ کہ عشق آساں نمود اول ولے افتاد مشکلہا
من از باد صبا باور ندارم حلِّ مشکلہا ظہیر چہ حاصل عقدہ از زلفت کشود و لبت بردلہا
ز آب چشم من گلِ شد براہِ عشق منزلہا ہلالی ندانم تا چہ گلہا بشگفد آخر ازیں گلہا
محبت جادۂ دارد نہاں در خلوتِ دلہا ناصر علی چو تارِ سبحہ گم گردید ایں رہ زیرِ منزلہا
بہ مے سجادہ رنگیں کن گرت پیرِ مغاں گوید حافظ کہ سالک بے خبر نہ بود زراہ و رسمِ منزلہا
زخود شو بے خبر گر وصل جاناں آرزو داری سرور بود از خود بریدن اندریں رہ قطعِ منزلہا
شبِ تاریک و بیمِ موج و گردابے چنیں حائل حافظ کجا دانند حالِ ما سبکسارانِ ساحل ہا
ظہیر از موج ایں دریائے پایاں نیندیشد ظہیر خبر از وے ببر نزدیک بیدارانِ ساحلہا
زطوفاں سرشکِ خود بگردابے گرفتارم ہلالی کہ عمرِ نوح گر یابم نہ بینم روے ساحلہا
گذشتم از رہِ دریائے دل زیں کمنہ منزلہا ناصر علی دو عالم خشک بر جا ماند از حسرت چو ساحلہا
زند پہلو بہ طوفانِ بلا ہر موج اشکِ من سرور زجوشِ گریہ ام رشکِ دلِ دریاست ساحلہا
ہمہ کارم بہ خود کامی بہ بدنامی کشید آخر حافظ نہاں کے ماند آں رازے کزو سازند محفلہا
بہ ہفتاد و دو ملت گردشِ چشمِ تو می سازد ناصر علی بیک پیمانہ رنگیں کردۂ یک شہر محفلہا
اگر حور و پری پروانہ اش گردد سزد امشب سرور فتاد آتش ز شمع روے او در جانِ محفلہا
چوں آں مہ یار اغیار است گرد او مگرد اے دل ہلالی چرا پروانہ باید شد برائے شمع محفلہا
برائے دیگرانم زندہ گر بے بہرہ از خویشم ظہیر دہد نور ار چہ تاریک است پائے شمع محفلہا
حضوری گر ہمی خواہی ازو غائب مشو حافظ حافظ متیٰ ما تلق من تہوی دع الدنیا و اہملہا
ہلالی چوں حریف بزم رنداں شد بخواں مطرب ہلالی الا یا ایہا الساقی ادر کاساً و ناولہا
بوجد آورد امشب نغمۂ شیراز سرور را سرور الا یا ایہا الساقی ادر کاساً و ناولہا
علی امشب مئے شیراز در جام و سبو دارد ناصر علی الا یا ایہا الساقی ادر کاساً و ناولہا

اسیطرح بدھی رام سرور کے دیوان۔ میں اور غزلیں بھی حافظ کی غزلوں پر طبع کی جن

ثابت ہوتا ہے کہ سرور نے اپنا جام سخن حافظ کی شاعری کے شیریں چشمے سے بھرا ہے دیوان کے آخر میں ایک طوائف کی تاریخ وفات بھی درج ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ سرور کو تاریخ گوئی میں بھی کسی قدر کمال حاصل تھا تاریخ وفات مذکور کا آخری شعر یہ ہے۔

مُردگنّا وگشت بے سر و پا
نغمۂ ورقص وچنگ وطبلۂ وعود

ممکن ہے کہ اس زمانہ کے تہذیب یافتہ نوجوان یہ تاریخ دیکھکر زیر لب مسکرائیں لیکن انکو یہ خیال کرلینا چاہئے کہ ہر زمانے کی تہذیب کا رنگ جداگانہ ہوا کرتا ہے اس زمانہ میں گو کسی باکمال شاعر کے لئے ایک طوائف کی تاریخ کہنا ناموزوں سمجھا جائے مگر لچھمی رام سرور کے زمانہ میں ایسی باتیں معیوب نہیں سمجھی جاتی تھیں نیرنگ روزگار اسی کا نام ہے آج جن باتوں کو ہم آئین شرافت میں داخل سمجھتے ہیں ممکن ہے کہ سو برس بعد انہیں باتوں پر آیندہ نسلیں حرف رکھیں کسی نے سچ کہا ہے۔

چناں نماند وچنیں نیز ہم نخواہد ماند

جب حبیب اللہ خاں نے اودھ سے دکن کا رخ کیا تو سرور کو اپنے حبیب کی جدائی بہت شاق گذری چنانچہ اسی مضمون کی ایک غزل دردِ فراق کے لہجہ میں کہی ہے اس غزل کے چند اشعار درج ذیل ہیں۔

بدل عزم سفرائے راحت جاں داشتی رفتی
بہ کنج غم مرا درخوں طپاں بگذاشتی رفتی

نہ کردی آگہ از رفتن مرا نازم تغافل را
چرا اے آشنا بیگانہ ام انگاشتی رفتی

دلِ از حبّ وطن برداشتی اے خسروِ خوباں
علَم مردانہ در ملکِ دکن افراشتی رفتی

چو رفتی رفت صبر و طاقت و ہوش و قرارِ من
ستم ہا بر سرم کردی آتش کردی آ شتی رفتی

حبیبا از تو امیدِ وفا ہا بود سرور را
روا بروئے چنیں جور وجفا چوں داشتی رفتی

مفلسی اکثر اہل جوہر کی رفیق رہی ہے چنانچہ لچھمی رام سرور کا دامن بھی کبھی دولت

دنیا سے مالا مال نہیں ہوا جو مثنوی حبیب اللہ خاں کی شان میں لکھی ہے اس میں اپنی بیکسی کا بیان عجب درد آمیز لہجے میں کیا ہے حبیب اللہ خاں کو مخاطب فرما کر کہتے ہیں۔

توئی جوہر شناس گوہر من ... مبیں بر من بہ بیں بر جوہر من
بصورت در نظرہا گر حقیرم ... ولے در کشور معنی امیرم
ولے از دست غم گردیدہ ویراں ... دریں ویرانہ گنجے ہست پنہاں
چہ گنج وہ چہ گنجے پُر زگوہر ... چہ گوہر ہر یکے تابندہ اختر
منم آں طوطیِ شیریں ترانہ ... کہ ہستم در سخندانی فسانہ
ولے از گردشِ ایام اے وائے ... زجور بختِ نافرجام اے وائے
گرفتارِ قفس گشتم بہ زاغے ... ازیں غم بر دلِ من ہست داغے
خدا و نداز دستِ تنگدستی ... زپا اُفتادہ ام بر خاکِ پستی
بسے درماندہ ام سازم چہ تدبیر ... نمایم حالِ من پیشِ کہ تقریر
نہ غمخوارے مرائے غمگساریست ... نہ دمسازے نہ ہمرازے زیارت

چہ سازم حال خودرا باکہ گویم
علاجِ دردِ دل را از کہ جویم

لیکن باوجود اس مفلسی اور تنگدستی کے زمانہ نے لچھی رام سرور کے شاعرانہ کمال کی ضرور قدر کی ایک مرتبہ لکھنؤ میں مشاعرہ قرار پایا۔ اس وقت کے باکمال فارسی شعرا اس میں جمع تھے لچھی رام سرور کو بھی شوق سخن اس بزم سخن کی طرف کھینچ لے گیا اُس وقت کشمیر سے آئے ہوئے کم زمانہ گذرا تھا اور وطن کی محبت قدیمی پوشاک کی شکل میں دامنگیر تھی ایک پیرہن زیب تن تھا جس پر مفلسی کی گرد جمی ہوئی تھی کمر میں پٹکا بندھا تھا سر پر دستار رکھی ہوئی تھی اور ایک لوئی اوڑھے ہوئے تھے اس ہیئت سے یہ ایک گوشہ میں پائیں فرش جاکر بیٹھ گئے

مشاعرہ شروع ہوا شمع پر شمع پانی ہوتی چلی گئی مگر ان کی طرف کسی نے رخ بھی نہ کیا اتفاق سے ایک ایسے صاحب کی نظر اُن پر بھی پڑی جو ان کے جاننے والوں میں سے تھے اور اُن کے کمال سے بھی واقف تھے ان کی تحریک سے ان سے بھی غزل پڑھنے کی فرمایش کی گئی اور شمع ان کے سامنے بھی آئی بیشتر لوگوں نے سمجھا کہ یہ آوارہ وطن بہ ہیئت مسافر کیا پڑھے گا۔

لیکن جب انھوں نے اپنی غزل پڑھی تو تمام مشاعرہ تحسین و آفریں کے نعروں سے گونج اُٹھا اور اہلِ مشاعرہ نے اُن کی بہت عزت و توقیر کی رات آخر ہوئی مشاعرہ ختم ہوا اور صبح کی روشنی کے ساتھ لچھی رام سرور کی شہرت قدردانانِ سخن میں پھیل گئی پھر لکھنؤ میں ایک اور مشاعرہ ہوا جس میں یہ طرح تھی۔

ہمسر نگر بآں قدِ دلجو شود نہ شد

مرزا قتیل بھی اس مشاعرہ میں شامل تھے جب لچھی رام سرور نے اپنی غزل کا یہ مطلع پڑھا۔

مہ شد تمام تا چو رُخِ او شود نہ شد
کاہید باز تا خم ابرو شود نہ شد

تو مرزا قتیل نے اپنی غزل چاک کر ڈالی اور کہا کہ اس مطلع کے بعد غزل پڑھنا بیکار ہے اللہ اللہ کیا عالی ظرف لوگ تھے اور کیا زمانہ تھا مذہبی تعصب کی تاریکی نے انکے دلوں کو سیہ خانہ نہیں بنا دیا تھا ایک وہ زمانہ تھا کہ لوگ اہل ہنر کی قدردانی اپنے لئے باعث فخر سمجھتے تھے۔ ایک آج کل کا زمانہ ہے کہ تنگ خیالی اور کم نظری سے کام لینا اور اہل ہنر کی نکتہ چینی کرنا مذہب میں داخل سمجھا جاتا ہے کسی ایسے صاحب جوہر کی دستگیری کرنا جو گمنامی کے قعر میں پڑا ہوا ہے تو درکنار، ہا محض جہل اور تعصب کی بنیاد پر اُن صاحب کمالوں کے جوہر مٹانے کی کوشش کی جاتی ہے جن کے

سر پر زمانہ قبول عام کا تاج رکھ چکا ہے اور جن کی شہرت کی عالیشان عمارت سیکڑوں مخالفت کے طوفان جھیلنے کے بعد زبان حال سے پکار پکار کر کہہ رہی ہے کہ میرے دیواروں سے اب سر ٹکرانا فضول ہے۔ مگر جنکے سروں میں تعصب کا سودا سمایا ہوا ہے وہ ٹکریں لڑانے سے باز نہیں آتے اور اس فکر میں رہتے ہیں کہ شاید کوئی خشتِ کہن جنبش میں آجاوے۔

برج نرائن چکبست۔ کشمیر درپن ستمبر ۱۹۰۵ء

رخصتِ طوفانِ ہم گر اشکِ عالم گیر را   گم کند چوں موجِ دریا رشتۂ تدبیر را

ولہ

بدستے تیغ و در دستِ دگر پیمانہ میر قصد   تماشا کن کہ آں کافر چہ خوش ترکانہ میر قصد

ولہ

وقت سحر آں شوخ چو وا بند قبا کرد   خورشید بچرخ آمد و گل جامہ قبا کرد

ولہ

از رنگِ حنا کردہ نگاریں سر انگشت   خونِ دلم آں شوخ چہ انگشت نما کرد

ولہ

خوش وسمہ کشیدی خمِ ابروے دوتارا   کردی چہ سیہ تاب دمِ تیغ قضا را

ولہ

نشستہ طوطیِ خط بر لبِ شکر شکنش   در اں ہوس کہ سخن یاد گیرد از دہنش

ولہ

برگ ہاے لالہ می بینم چو در طرفِ چمن   آں کفِ پائے نگاریں یاد می آید مرا

ولہ

سرو را نسبت بقدش می دہی   آں قدر بے امتیازی سرو را

ولہ

ندیدم قصۂ از گفتگوے عشقِ شیریں تر   بتاریخ جہاں گشتم ہمیں یک داستاں دارد

ولہ

بتحریر آورم گر نامۂ بیتابیِ دلہا   نویسد خامہ جائے تدبسم اللہ بسملہا

اگر حور و پری پروانہ اش گردد سزد کاشب   فتاد آتش ز شمع روے او در جانِ محفلہا

نگر آں کارواں سالار خوبانِ سدا از رہ   کہ می آید بگوشم خوش صدائے زنگ محملہا

ز خود شو بیخبر گر وصل جاناں آرزو داری   بود از خود بریدن اندریں رہ قطع منزلہا

زند پہلو بہ طوفانِ بلا ہر موج اشکِ من   ز جوشِ گریہ ام رشکِ دلِ دریاست ساحلہا

بہ بیمارانِ چشمت زندگی بس مشکل افتاد است

سرت گردم بیا از یک نگہ کن حل مشکلہا

بہ وجد آورد امشب نغمۂ شیراز سرورؔ را	الا یا ایہا الساقی ادر کاساً و ناولہا
اے بیادت کعبہ ہا بتخانہ ہا	درغمت دیوانہ ہا فرزانہ ہا
اے بہ پیشِ شمع روئے روشنت	شمع رویانِ جہاں پروانہ ہا
مسجد و میخانۂ و دیر و حرم	ہمچنیں دیگر بے کاشانہ ہا
دیدم و دیدم فروغِ حسن تو	جلوہ گر چوں شمع در ہر خانہ ہا
کردہ ام ذکرِ لبِ میگونِ تو	میزند جوش از لبم میخانہ ہا
زلفِ شب را درغمِ زلفِ تو شب	تاسحر کردم ز مژگاں شانہ ہا
دوش درکوئے جنوں کردم گذر	بود دل درحلقۂ دیوانہ ہا
زاں مئے بیہشش سرت گردم بمن	ساقیا سرشار دہ پیمانہ ہا
تاشوم سرمست و ازمستی زسر	سرکنم خوش نغمۂ مستانہ ہا
فیض سرمد جو بدلہائے خراب	باشند آرے گنج درویرانہ ہا

یکدم اے سرورؔ زخود بیگانہ شو

کاشنائے او ہمہ بیگانہ ہا

میخواستم از خلق نہاں دردرونِ را	لیکن چہ کنم دیدۂ آغشتہ بخوں را
از قدِّ تو برپا شدہ صد فتنۂ محشر	شد سلسلہ جنباں سرِ زلفِ تو جنوں را
آن نرگس جادو گرِ ہاروت فنِ تو	دادست رواجِ دگرِ سحر و فسوں را
زاہد بنود محرمِ رازِ دلِ عاشق	از حالِ دروں چیست خبر مرد بروں را

سرورؔ مکن از شادی و غم شکر و شکایت

بشمار تو یکساں بجہاں خوب و زبوں را

متجلّی است از تو خانۂ ما	رشکِ طور ست آشیانۂ ما

نغمہ پرداز بزم درد و غمیم — آہ و افغاں بود ترانۂ ما
گرچہ از خود شدیم بیگانہ — نہ شد آں بیوفا یگانۂ ما
ما گرفتار حسنِ خوبانیم — خط و خال است دام و دانۂ ما
بے نشانی نشانِ ما باشد — ہست عنقا ہم آشیانۂ ما
ساکنِ خاکِ کوئے جانانیم — بامِ عرش است صحنِ خانۂ ما

خواب در دیدہ سوخت اے سرور
آہ از گرمیٔ فسانۂ ما

اے ز ثریٰ تا بہ ثریا توئی — ما ہمہ ہیچیم و خدایا توئی
جز تو بعالم نبود ہیچ کس — بودی و ہستی و تو باشی و بس
آب و گلے را بہم آمیختی — نقشِ وجود از عدم انگیختی
نخلِ جسد میوۂ جاں از تو یافت — نخلِ زباں شہدِ بیاں از تو یافت
شوق بدل مہر بجاں دادۂ — دُر بصدف لعل بکاں دادۂ
در غمت اے مرہمِ داغِ جگر — بے رخت اے چشم و چراغِ نظر
چشم سحر داغِ تمنائیاں — داغِ جگر چشمِ تماشائیاں
تا گہرِ وصفِ تو آرد پدید — گشتہ زباں گنجِ سخن را کلید
تیغ زبانان کہ بہ تیغِ زباں — گشتہ ہمہ کشورِ معنی ستاں
حلہ بہ پیشت سپر انداختہ — تیغ ترا سینہ سپر ساختہ
صبحِ ازل پرتوِ شب ہائے تو — فیضِ ابد نشۂ صہبائے تو
مرغِ سحر بلبلِ بستانِ تو — پیرِ خرد طفلِ دبستانِ تو
عشق ز داغت جگرے سوختہ — حسن ز باغت دلِ افروختہ
اے کرمت مونسِ ہر بیدلے — لطفِ تو آسان کُن ہر مشکلے

دل زدہ از دست گناہ آمدیم　　بر درت از بہر پناہ آمدیم
برکرم و بخششِ خود کن نظر　　از گنہِ ہمچو منے در گذر
در گذر از جرم و گناہانِ ما　　پاک بشو صفحۂ عصیانِ ما
درد و غم و راحت و آسایشے　　پُر کنم بخشش و بخشایشے
عمر بعصیاں بسر آوردہ ایم　　گر ننوازد کرمت مُردہ ایم
ما بکرم ہائے تو خو کردہ ایم　　از ہمہ سو سوے تو رُو کردہ ایم
در ہمہ رہ رُو بتو باشد مرا　　گر تو نہ بخشی کہ بہ بخشد مرا
ما بجہاں زندہ بنام تو ایم　　وز ہمہ آزاد غلامِ تو ایم
ہمدمی کن بتو دل بستہ ایم　　مرہمی کُن کہ جگر خستہ ایم
نامہ سیاہم و دلِ پُر ز بیم　　نیست عجب از کرمت اے کریم
گر ز کرم صبح کنی شام را　　ہمچو شبے تیرہ سر انجام را
از غمِ عصیاں شدہ کارم تباہ　　آمدہ ام بر درِ تو داد خواہ

کیست رسد جز تو بفریادِ من
دادرسا ہمتو دہی دادِ من

درخطاب باہل روزگار ماخوذ از مراسلہ کشمیر بابت ماہ ستمبر ۱۸۸۲ء

اے شدہ غافل ز جہاں ہوش کن　　بادۂ ایں حرف ز من نوش کن
شعبدہ بازانِ قضا و قدر　　تا شدہ از کتم عدم جلوہ گر
آبی و خاکی بہم آمیختند　　بیں کہ چہ نقشے عجب انگیختند
آب معلّق بہوا بر زدند　　خاکِ مطبّق چہ بجا بر زدند
ہر کہ چو عنقا ز جہاں گوشۂ　　گیری دگرسے ز وفا توشۂ
حقۂ افلاک نگوں ساختند　　مُہرۂ خاکیش درانداختند

مُہرہ چو در ششدرِ دنیا زدند　　نقشِ وفا بر پرِ عنقا زدند
نیست جہاں را اثرے از وفا　　اہلِ جہاں را خبرے از وفا
باہمہ کس نرد دغا باختہ است　　باختہ است آنکہ بأو ساختہ است
الحذر اے بازیِ ایں حقّہ باز　　مُہرہ خود دار از ایں حقّہ باز
بازیِ او بیں کہ چہا کردہ است　　ہے چہ ستم وہ چہ جفا کردہ است
ریخت بسا خونِ پریزادگاں　　خاک نشیں کرد چہ شہزادگاں
چشم کُشا چشمِ بعبرت بہ بیں　　شاہدِ حال ست نظامی بہ بیں
ہر ورقے چہرۂ آزادہ ایست　　ہر قدمے فرقِ ملک زادہ ایست
ہرچہ دریں حقّۂ مینائی است　　نیک بہ بیں سرمۂ بینائی است
ایں مہ و مہر آئینہ دارِ تو اند　　ہر شب و روز از پئے کارِ تو اند
ایں ہمہ در جامِ تو سم میکنند　　ہر نفس از عمرِ تو کم میکنند
ایں ہمہ در کارِ تو بس بے خبر　　بر سرِ کار آئی از خود درگذر
در پسِ دونان چہ دوی سایہ وار　　بگذر ازیں راہ و قدم پیش دار
جہل مکن سہل بکن قہر را　　جہد کن و شہد کن ایں زہر را
در قدمِ اہلِ دلاں خاک شو　　خاک شو از وسوسہ ہا پاک شو
پاک شو از خاک میاسا بخاک　　دامنِ دل را تو میالا بہ خاک
خاک مجو خاک بہ بیں خاکداں　　خاک شوی خاک دریں خاکداں
پائے شرف بر سرِ افلاک زن　　داغِ غنا بر دلِ ایں خاک زن
پُر خطر است ایں رہِ دنیا حذر　　ہست جز ایں شرطِ تو دانی دگر
راہ زناں کہ بدیں راہ در اند　　نقدِ تو ترسم کہ بغاوت برند
بہ کہ ازیں دائرہ بیروں شوی　　ورنہ تو دانی کہ جگر خوں شوی

در پے ایں جیفہ چہ افتادہ — نسبتِ خود را بہ سگاں دادہ

لوحِ دل از نقشِ ہوس سادہ گیر — ملکِ بقا بہر خود آمادہ گیر

ترکِ ہوس کن کہ بروزِ شمار — تا نشوی پیشِ خدا شرمسار

ترکِ ہوس آیۂ رحمت بود — برگِ ہوس مایۂ زحمت بود

پیروِ دل باش از دنیا گریز — از پئے نان آبِ رخِ خود مریز

پیشِ خداوند بہ ہنگامِ فن — خوار شود بندۂ عبد البطن

روز شبہا در خور و خواب گذشت — بیخبری ہاں ز سرابت گذشت

پیر شدی مستِ شرابی ہنوز — صبح شد آہ بخوابی ہنوز

بگذر ازیں مستی و ہشیار شو — وقت سحر آمدہ بیدار شو

نیست ز تو دولت تو جاہ تو — ہست بد و نیک تو ہمراہ تو

ایں ہمہ یاران کہ شفیق تو اند — تا لبِ گور رفیقِ تو اند

نیک نیابی چو رہِ بد روی — آنچہ بکاری تو ہماں بدروی

در رہِ دنیا چہ شوی دربدر — بر درِ دل شو کہ شوی بہرہ ور

بر درِ دل شو بہ مناجاتیاں — تا شوی از جملہ کراماتیاں

در دلِ خود شعلۂ داغے فروز — تو آتش آں شعلہ چراغے فروز

با دل و با داغ بساز و بسوز — روزے بشب آرو شبے را بروز

ہر کہ چو گل در چمن دہر زیست — لحظہ بخندید و زمانے گریست

راحت و محنت چو ہمی بگذرد — اے خنک آنکس کہ بریں بنگرد

سرور ازیں راحت و محنت گذر — ہر چہ رضا یست بر و کن نظر

مردِ خدا باش در رضا پیش گیر — بہر خدا راہِ خدا پیش گیر

چوں بد و نیکی بگذشتنی و راست — تن برضا دہ کہ رضا خوشتر است

نیست بعالم ہنرے بہ ازیں

تیر قضا را سپرے بہ ازیں

برابروان تو زد و نقطۂ ز خالِ سیاہ ولہ چہ خوش دو مصرع موزوں بہ انتخاب رساند

آن خالِ سیہ بر رخِ رخشانِ تو جانا ں ولہ ہندو بچہ ہست کہ خورشید پرست است

بر غلط نامند مردم لعل و یاقوت و عقیق ولہ ریخت از رشکِ لبش اشکِ جگر گوں آفتاب

لبِ لعلِ تو از پاں جانمن رنگ دگر دارد سخن بر غنچۂ گل خندہ بر گلبرگِ تر دارد

وقتِ سحر آں شوخ چو وا بند قبا کرد خورشید بچرخ آمد و گل جامہ قبا کرد

ہر شب بہ گریہ بے تو سحر می کنیم ما چوں شمع تا سحر مژہ تر می کنیم ما

تغافل ہائے چشمش از شرابِ لطف خالی نیست بمستی میدہد پیمانۂ صبر آزمائی را

مثنوی درشان حبیب اللہ خاں

پئے نذرِ تو خوش ایں تازہ اشعار مصفّا تر ز گوہر ہائے شہوار

بہ رسمِ پیش کش آوردہ ام من بسے خونِ جگر اخوردہ ام من

توئی جوہر شناسِ گوہرِ من ببیں بر من بہ بیں بر جوہرِ من

بصورت در نظر ہا گر فقیرم ولے در کشورِ معنی امیرم

ولے از دستِ غم گردیدہ ویراں دریں ویرانہ گنجے ہست پنہاں

چہ گنجے وہ چہ گنجے پُر ز گوہر چہ گوہر ہر یکے تابندہ اختر

منم آں طوطیِ شیریں ترانہ کہ ہستم در سخنداں فسانہ

ولے از گردشِ ایام ایوائے زجورِ بختِ نافرجام ایوائے

گرفتارِ قفس گشتم بزاغے ازایں غم بر دلِ من ہست داغے

چہ ہرزہ تاختم راہِ بیاں را ازایں رہ باز گردانم عناں را

بہ بندم لب کنوں زیں ژاژ خائی کنم تا چند چندیں خودستائی

چرا بیہودہ قیل و قال سازم ہماں بہتر کہ عرضِ حال سازم

خداوندا ز دستِ تنگدستی / ز پا افتادہ ام بر خاکِ پستی
بسے درماندہ ام سازم چہ تدبیر / نمایم حالِ خود پیشش کہ تقریر
نہ غمخوارے مرا نے غمگسارےست / نہ دمسازے نہ ہمرازے نہ یارےست
چہ سازم حالِ خود را با کہ گویم / علاجِ دردِ دل را از کہ جویم
مگر لطفِ تو سازد دستگیری / کہ در جود و سخاوت بے نظیری
بہ بخشا بر منِ مسکیں نگاہے / عطا کن گر زمیں آمد خطائے
چہ سازم شرحِ دردِ اشتیاقت / کہ زد آتش بدل سوزِ فراقت
منم دور از تو چوں ماہیِ بے آب / شب و روز از تپِ دل در تپ و تاب
ز دردِ دل بسے می نالم اے وائے / نہ پرسیدی گہے از حالم اے وائے
بجاں آمد دلم از دردِ دوری / ز غم جاں برلبم تا کے صبوری
ندارم بیش ازیں تابِ جدائی / ز حالم ایں ہمہ غافل چرائی
چو دورم آہ از بزمِ وصالت / بہ تسکینِ دلِ خود با خیالت
غزل خوانم بصد عجز و نیازی / بحسبِ حال و با سوز و گدازی
تغافل تا کجے از حالِ من زار / دل افگارم دل افگارم دل افگار
بدامِ دردِ محنت ہائے دوری / گرفتارم گرفتارم گرفتار
سرت گردم دوائے کن بدردم / کہ بیمارم کہ بیمارم کہ بیمار
بہ نقدِ جان و دل جنسِ غمت را / خریدارم خریدارم خریدار

حبیبا بے تو چوں سرور شب و روز
در آزارم در آزارم در آزار

بدارم چوں غمِ ہجراں نہایت / کنوں آں بہ کہ در مدح و ثنایت
دہم خوش زینتِ ذکرِ بتاں را / بہ توصیفِ تو بکشایم زباں را

سکندر طالعا دارا کلاها — فریدوں شوکتا جمشید جاها

چو گفتم در دعایت این غزل شاد رباعی خوش آندم این رباعی آمدم یاد

الٰهی بخت تو بیدار بادا — ترا دولت همیشہ یار بادا
گل اقبالِ تو دایم شگفتہ — بچشم دشمنانت خار بادا

چو گردید از دعایت خاطرم خوش — چہ خوش آمد بیاد این شعرِ دلکش
الٰهی در جہاں باشی بہ اقبال — جواں بخت و جواں دولت جواں سال

ز دست جورِ این گردونِ پُرفن — اسیرِ چاہِ غم ہستم چو بیژن
فتادم از جفایش در خرابی — ہمی سازد بمن افراسیابی
تو اے کیخسروِ خوبان عالم — نگاہے از کرم فرما بحالم
ز چاہِ غم برآرم مردمی کن — مشو غافل خدارا رستمی کن

زبیدادِ جہاں ہستم چو ناشاد — بہ پیشت این غزل خوانم بفریاد
دلم از جورِ گردوں شد غم آباد — بکن شادم بکن شادم بکن شاد
من از دستِ جفاہاے زمانہ — بفریادم بفریادم بفریاد
پناہ آوردہ ام بر درگہِ تو — بدہ دادم بدہ دادم بدہ داد
سرت گردم زبندِ محنت و غم — بکن آزادم بکن آزادم بکن آزاد
خرابم اے حبیب از غم چو صحرا — بکن آبادم بکن آبادم بکن آباد

ثناخوانِ تو ام ایخانِ ذیشاں — دعاگوئے قدیم از دل و جاں
خدارا اے شہِ خوبانِ عالم — بگوشِ دل شنو این عرضِ حالم
کنونم حاجتے خوش رُو بدادہ — کہ دارد کتخدائی بندہ زادہ
از این شادی بسی نازاں بخویشم — ولے از بے زری خاطر پریشم
نظر کن بر پریشاں حالیِ من — پُر از زر ساز دستِ خالیِ من

توئی حاجت روائے مستمنداں — درت دار الشفائے دردمنداں
توئی راحت دہِ جان و دلِ من — توئی آسان کُنِ ہر مشکلِ من
تو ابرِ رحمتے من کشتِ خُشکم — چہ گردد از تو اے ابرِ کرم کم
کہ سازی سبز کشتِ آرزویم — نریزد در جہانِ آبرویم
من از بیگانگی با حالِ خوارم — میانِ مردماں بے اعتبارم
نگاہے سوئے من کُن عزتے بخش — بہم چشمانِ خویشم عزتے بخش
بحالم ایں سخن نیکو عیاں است — کہ سرور از حبیب اللہ خاں است
بامید آمدم بر درگہت پیش — مکُن نومیدم اینک از درِ خویش
بہ بخشا چون منِ آوارۂ را — غریبے بیکسے آوارۂ را
بحالم اے حبیب اللہ رحمے — گدائے درگہ ام اے شاہ رحمے
ندارد شرحِ حالم چوں نہایت — غزلخوانم خوش اکنوں در دُعایت
خدا در ہر زمانت یار بادا — عدویت در دو عالم خوار بادا
بفرقِ خلق ہمچوں ابرِ نیساں — کفِ جُودِ تو گوہر بار بادا
ترا اے راحتِ دلہائے عالم — ہمہ با عیش و عشرت کار بادا
زفیضِ ابرِ احسانِ تو دایم — جہاں سرسبز چوں گلزار بادا
ابوبکر و عُمر عثماں و حیدر — بہردم یارِ تو ایں ہر چار بادا
کفِ جُودِ تو از بس دُرفشاں ست — بساماں از تو خوش کارِ جہاں ست
زجُودت بزمِ کیخسرو بیانے — ززورت رزمِ رستم داستانے
غلامِ درگہِ جاہِ تو قیصر — عَلَم بردادِ اقبالت سکندر
نکو طبعے نکو وصفے نکو خو — سخندانے سخن فہمے سخن گوئے
چہ خوش آمد بیادم بے کم و کاست — قبائے سروری برقامتت راست

بعالم پُر ز خوبیائے ذاتت — بخوانم ایں غزل خوش در صفاتت

تاریخ وفات گُنّا طوائف

دوش رقاصِ چرخ را دیدم — موپریشاں وجامہ کردہ کبود
سربہ کوبیدہ وموئے سرمیکند — دیدہ پُر آب وروئے خاک آلود
گفتمش اے ہمہ سراپا ناز — کہ بود پیشۂ تو رقص و سرود
اینہمہ نوحہ درغمِ کہ تراست — چوں چنیں گشتۂ ملال اندود
کز جہاں رفت راحت جانے — کہ بجاں مائلش جہانے بود
گفت با صد فغاں و نالہ وآہ — باولِ زار وجانِ ناخشنود
غمِ مرگش شکیب و صبر وقرار — از دل وجانِ عالمے بربود
چوں شنیدم من ایں ترانۂ غم — شُدو وچشم زگریہ ہمچو دورود
پئے سالِ وفات او کردم — بصد اندوہ سر بجیب فرود
رایں صدا آمدم ز پردۂ غیب — کہ ہمی خواند ہاتفے بسرود
مُرد گُنّا و گشت بے سروپا
نغمۂ و رقص وچنگ وطبلہ وعُود

سنہ ۱۲۲۸ھ

غزلیات

آنکہ زلفِ سیہ اش غیرتِ چیں است اینست — دل ز من بردہ کنوں درپئے دیں است اینست
تیغ در دست بصد ناز و ادا می آید — کُشت اے وائے مرا آنکہ ہمیں است اینست
ہر کہ دید آں رخِ رخشانِ ترا گفت اگر — جلوہ گر نورِ تجلّی بزمیں است اینست
دام افگندہ بدوش آنکہ زکاکُل دایم — آہ در صیدِ دلِ من بکمیں است اینست
خال ہندوے ترا دیدم و گفتم کہ اگر — رہزنِ زاہدِ سجادہ نشیں است اینست

چہ کنم گر بکنم نالہ کہ شب ہائے فراق　　انکہ دمساز دل و جان حزین است اینست

روے بر خاک درِ جلوہ گہِ دوست گذار
درجہاں سرور اگر خلد بریں است اینست

بے تو جاں بر لبم و ذوقِ طپیدن باقیست　　یک نفس فرصت و صد نالہ کشیدن باقیست
غنچہ ساں بے تو بسے خونِ جگر خوردم آہ　　چوں گل از دستِ غمت جامہ دریدن باقیست
مسجد و میکدہ و دیر و حرم گردیدہ است　　منزلے کو کہ براہِ تو دویدن باقیست
نیست نرگس کہ بجا کم زدہ سر چشمِ من است　　کہ ہنوزم ہوسِ روئے تو دیدن باقیست
کے شود رامِ من آں آہوے وحشی کہ ہنوز　　صد بیابان بہ من از خویش رمیدن باقیست

بر سرِ سرور ازاں سبزۂ نوخیز خطش
آفت تازہ ہنوز آہ دمیدن باقیست

ز تو اے ستمگر بیوفا ستم و جفا و وفا ز من　　ز تو ناز و خشم و عتاب ہا بہ دم نیاز و دعا ز من
شب و روز بے تو بنالہ ہا گذرد مرا بہ برم بیا　　سرِ من فدائے تو تا کجا تو ز من جدا تو جدا ز من
ورقے کشادہ برنگ و بو گل گلستاں صنما ز تو　　سبقے گرفتہ بہ ہاؤ ہو ہمہ بلبلان بخدا ز من
بہ منِ ستم کشِ غمزدہ ستمت کشیدہ ز یک بہ دہ　　شدہ ہر طرف ہمہ غمکدہ بہ فغان و نالہ بپا ز من
چہ بلاست نرگس سرمہ سا کہ نیاز و غمزۂ و عشوہ ہا　　زدہ راہِ دین و دلِ مرا بہ نگہ ربودہ مرا ز من
چہ بیاں کنم ز غم و الم کہ نمودہ بر سرِ من ستم　　بربودہ دل بچہ پیچ و خم خم و پیچ زلف و تا ز من
مہ من شبے تو ز خانۂ بدر آ مکن تو بہانۂ　　بشنو دمے تو فسانۂ دلِ مبتلائے بلا ز من
زدہ در دل آتشِ غم عجب بخدا کہ جان بلبم ز تپ　　بر آں سمن برِ غنچہ لب خبرے ببر تو صبا ز من
بفراقِ آں بتِ جلوہ گر شدہ ہمنشیں ہمہ خون جگر　　لب خشک و چشم ترم مگر تو مپرس حالِ مرا ز من
تو شہ منی و منم گدا نگہے کنی تو بمن چرا　　بگوائے ستمگرِ دلربا کہ چہ دیدۂ تو خطا ز من

زدہ ام بہ ملکِ سخنوری



پنڈت اقبال نراین بہادر - سعد

سزد ار کہ در فن شاعری سخنے رود ہمہ جا زمن

خداوندا درت دولت سرائیست
کہ خاکش بہر عالم کیمیائیست

سعادت سایۂ پروردہ باشد
کہ مہ بر آستانت جبہ سائیست

بد اندیش تو کس اندیشۂ بد
بہر دم مبتلائے بد بلائیست

دم تیغ تو ہر دم دشمناں را
سوئے ملک عدم خوش رہنمائیست

منم ذرہ تو رخشاں آفتابے
جہانے راز تو نور ضیائیست

جبیں با خاک پایت را بنازم
کہ بہر چشم سرور توتیائیست

سعد۔ پنڈت اقبال نرائن بہادر صاحب خلف پنڈت گوبند پرشاد صاحب شاگرد داغ دہلوی

۱۹۰۹ء میں آپ سب انسپکٹر پولیس تھانہ نہٹور ضلع بجنور تھے۔ اس سے پیشتر آپ اضلاع الہ آباد اور مراد آباد میں تقریباً بیس سال سب انسپکٹر رہے۔ آپ کی لیاقت انگریزی بہت اچھی تھی اور حکام آپ کی کارکردگی سے ہمیشہ خوش رہے جون ۱۹۱۲ء میں بمقام دھام پور ضلع بجنور اپنی عمر کے ۴۸ سال ختم کر کے آپ نے بہشت بریں کی راہ لی پنڈت ہر سہائے بہادر سب جج آپ کے چچا تھے۔ آپ کا کلام رنگ عاشقانہ اور تغزل میں ڈوبا ہوا ہے۔ سادگی زبان۔ سلاست اور لطافت بیاں کے نمونے آپ کی غزلیات ہیں۔ آپ نے اپنا دیوان اپنی زندگی میں تیار کر لیا تھا مگر عمر بیوفا نکلی اور اُس کے شایع ہونیکی نوبت نہ آئی آپ کو حضرت داغ دہلوی سے تلمذ حاصل تھا۔

انتخاب

دیوان سعد۔ پنڈت اقبال نراین بہادر

اللہ رے مرتبہ رخ انور کے نور کا
کرسی آسماں پہ ہے جلوہ حضور کا

کرتا ہے خون اور دلِ ناصبور کا — فرقت کی شب میں آ کے تصور حضور کا
کیا جانے آج وصل میں کیا ہو گیا ہے — دشوار تھامنا ہے دل ناصبور کا
مٹی ہماری جب اڑی سوئے فلک گئی — چھوٹا نہ عاجزی میں بھی دامن غرور کا

یاد ش بخیر خوب ہی تشریف اسعد
بادہ کشوں میں ذکر ابھی تھا حضور کا

ولہ
دیتی ہے یہ سبق ہمیں معدومے سرشک — بے نام مٹ گیا جو غریب الوطن ہوا

زلف سے پھر ہے سلسلہ دل کا — پھر ہوں محتاج میں سلاسل کا
دیکھکر رقص اپنے بسمل کا — اور ہے رنگ روے قاتل کا
بات ہی جب میری نہیں سنتے — پھر کہوں خاک مدعا دل کا
حشر میں خوفِ بازپرسی سے — زرد ہے رنگ روئے قاتل کا
وائے قسمت کہ خود ہی ڈوب گئے — جب نشاں پایا ہمنے ساحل کا

ولہ
منع کرتے ہیں وہ آنیکو لئے جاتا ہے دل — ہوں مصیبت میں سنوں ہائے میں کسکا کہنا

ولہ
نوید اے دل کہ ابتک ہے محبت کچھ نہ کچھ باقی — وگرنہ ہاتھ کیوں اوچھا پڑا گردن پہ قاتل کا
یہ کس نے آ کے وزدیدہ نگاہوں سے مجھے دیکھا — کہ ڈھونڈھے سے بھی سینہ میں پتہ ملتا نہیں دل کا
قدم سر کے نہ وقت قتل یارب اپنا مقتل سے — ہمارے پاؤں سو جائیں اٹھے جب ہاتھ قاتل کا
عجب کچھ بیخودی ہے جس جگہ بیٹھے وہیں بیٹھے — خیالِ گیسوئے پرخم ہے یا حلقہ سلاسل کا
ہمارے قتل سے باز آیا ہے یہ سوچ کر قاتل — وہاں زخم شاید کہہ اٹھیں کچھ مدعا دل کا

ولہ
عجب انداز سے دو ہی قدم وہ رہ گئے چل کر — یہ کہئے خیر گذری رہ گیا پردہ گریباں کا
نظر کے سامنے ہر دم جو اپنی بے ثباتی ہے — کفِ افسوس ملتا ہے ہر اک پتا گلستاں کا
عبث تم پوچھتے ہو حالِ بیتابیِ دل مجھسے — مری صورت کہے دیتی ہے صدمہ دردِ ہجراں کا
کہوں کیا حال ہے اک ایک کو اک ایک کا رونا — ادھر حسرت کو حسرت کا ادھر ارماں کو ارماں کا

وہ دیوانہ ہوں دیکھا جس نے دیوانہ ہوا وہ بھی   گریباں گل نے پھاڑا دیکھکر چاک گریباں کا

مل گیا داغِ تمنّا دل گیا   دل لگانے کا نتیجہ مل گیا
روز و شب ہے اک ہجوم بیخودی   دل کا آنا کیا تھا گویا دل گیا
وائے قسمت ہوش کب آیا مجھے   قافلہ جب سیکڑوں منزل گیا
وقت گذرا داغِ عصیاں جوڑ کر   کیا بتاؤں کیا گیا کیا مل گیا
قتل کر کے آج مجھ بے چین کو   اضطرابِ خنجرِ قاتل گیا
مژدہ ہو پیر مغاں کو مغبچوں کو ہو نوید
اب تو میخانے میں سعدؔ پارسا آنے لگا

ولہ

جلی زبان سے خود حالِ بیکسی کہتا   اگر خموش چراغِ مزار ہو جاتا
رہے بھی منتظرِ حشر تا کجا کوئی   جو ہونا ہو مرے پروردگار ہو جاتا
جو ناز سے وہ دکھاتے ادا کے بیبا کی   حجاب آنکھ سے خود شرمسار ہو جاتا
بھلا ہوا دلِ حسرت زدہ کا خوں ہوا   وگرنہ سینہ میں ارمان خار ہو جاتا

ولہ

آئینے کی طرح سے رہتا ہوں پیشِ روئے دوست   ہائے کس حیرت سے اب میں دیکھتا ہوں سوئے دوست
ہمنے تو جس شے کو دیکھا جلوہ تھا اسکا عیاں   ہمنے تو جس گل کو سونگھا صاف آئی بوئے دوست
ہے گلے میں وہ گلا چل جائے جسپر اس کی تیغ   سینہ میں سینہ ہے وہ جو ہو تہِ زانوئے دوست
مجھکو حیرت کا مزا اور اسکو چسکا ظلم کا   میں ہوں محوِ روئے تاباں دل ہے محوِ خوئے دوست

ولہ

کبھی آنسو کبھی ہو کر فغاں آج   نکلتا ہے مرا دردِ نہاں آج
کوئی آرام کیا دل کو ملیگا   بہت ہی مضطرب ہے آسماں آج
ہوا کچھ حال ایسا ہی دگرگوں   مرا منہ دیکھتا ہے رازداں آج

ولہ

ہجر کی شب تو ہمیں کیا کیا نہ تڑپاتی ہے نیند   موت کے مانند کیا فرقت میں سو جاتی ہے نیند
بخت خفتہ کی طرح جاگا نہ میں بھی عمر بھر   کوئی بتلا دے مجھے ایسی ہی کہلاتی ہے نیند

آرزوے دید جاناں سے نہیں آنکھوں میں جا — کیا قصور اسکا جو آنے ہی نہیں پاتی ہے نیند
آپ خنجر لیکے کچھ میری مدد تو کیجئے — میں بھی تو دیکھوں بھلا کیونکر نہیں آتی ہے نیند

ولہ

شکل آساں بسلموں کی آج فرماتی ہے تیغ — مژدہ باد اے مرگ انکے ہاتھ میں آتی ہے تیغ
دیکھو ابرو پر نہ آنے پائے کچھ چین و شکن — کام کی رہتی نہیں ہے بل جو کھا جاتی ہے تیغ
جانتے ہیں سب حقیقت اسکی جو کچھ ہے سو ہے — ہاتھ میں آتے ہی تیرے نام کر جاتی ہے تیغ
ہے مثل سچ ناتواں پر سب کے سب ہوتے ہیں شیر — دیکھ کر مجھ نیم جاں کو کیا ہی بل کھاتی ہے تیغ

بے نشاں ہیں زخم دل پر خنجر ابرو کے سعد
شعبدہ کرتی ہے یا کچھ کاٹ کر جاتی ہے تیغ

چٹکیاں لیتی ہیں سینہ میں تر چھی نظریں — ہیں تیرے تیر نظر میرے جگر کے عاشق
موت بھی انسے خفا یار بھی اُن سے ناراض — یا الٰہی رہیں اب ہو کے کدھر کے عاشق

ولہ

وہ طائر ہوں نہیں جو جاتا شاخ نشیمن تک — وہ گل ہوں جو نہ پہونچا ہو کسی گلچیں کے دامن تک
اثر اُن کو ہوا کچھ حد ہے ضعف ناتوانی کی — کہ آنکھوں نے نہیں چل سکتے طفل اشک دامن تک
ہمارا طرز نالہ سن لیا شاید کبھی اُس نے — کہ مصروف فغاں رہتا ہے ناقوس برہمن تک

ولہ

تم اگر آؤ تو جاے درد دل — تم اگر جاؤ تو آئے درد دل
دے ہی بیٹھے دل جب اک سفاک کو — دیکھئے جو کچھ دکھلائے درد دل
دل دھڑکنے کا نہ شکوہ کیجئے — اور سنئے ماجرائے درد دل
جان پر تو بنگئی ہے دیکھئے — اور کیا کیا رنگ لائے درد دل
رنگ رخ بن کر عیاں ہو جائیگا — چھپ نہیں سکتا چھپائے درد دل

اور کچھ تھوڑے سے دن باقی ہیں سعد
ہو چکی ہے انتہائے درد دل

یہ تنہا پاس ادب ہمکو تیرا اے خوبرو برسوں — نہ کی تصویر سے بھی ہمنے تیری گفتگو برسوں

کہلا آنا نجانا اپنا ہرگز باغ ہستی میں سبک روی سے عالم میں تھے مثلِ بونگ و بو برسوں
جنوں میں عادتِ جامہ دری تھی عیب پوشی کو گریباں پھاڑ کر دامن کا کرتا تھا رفو برسوں
دو رنگی دیکھ لی عشقِ بتانِ دیر کی ہمنے کبھی دیر و حرم میں اور کبھی تھے قبلہ رو برسوں

ولہ

خیالِ زلف ہے دیوانے دیوانوں میں رہتے ہیں پریشانی خوش آئی ہے پریشانوں میں رہتے ہیں
پتہ کیا پوچھتا ہے زاہدا رندانِ میکش کا لگائے تاکِ دخترِ رز کی میخانوں میں رہتے ہیں
نہیں اپنا کوئی اس باغِ عالم میں نظر آتا برنگِ سبزۂ بیگانہ بیگانوں میں رہتے ہیں
فغاں رکھتے ہیں لب پر حلقۂ گیسو کا سودا ہے برنگِ نالہ ہم زنجیر کے دانوں میں رہتے ہیں

ولہ

اثر تو ڈھونڈ کر پیدا ابھی ہو سکتا ہے نالے میں کریں کیا گر نہ ہو سننے کی طاقت سننے والے میں
دلِ محزوں میں غم اور غم میں غم لکھی جدائی کا اگر ہے پاس اپنے درد میں تو درد نالے میں
وہ لذت پائی جور و ظلم میں ہے یہ دعا اپنی یہی انداز یا خالق رہے تڑپانے والے میں

ولہ

ہمدمو پوچھتے کیا ہو مری بیماریِ دل بیخودی جائے ذرا ہوش میں آلوں تو کہوں
حالِ دل تم سے بیاں کرنے کا یارا ہی نہیں پہلے ہاتھوں سے کلیجہ کو دبا لوں تو کہوں
ہائے کس منہ سے کہوں کون سنیگا میری اپنی بگڑی ہوئی قسمت کو سنبھالوں تو کہوں
حالِ دل کی میرے تصدیق بھی ہوتی جائے سامنے حشر میں میں ان کو بلا لوں تو کہوں

ولہ

عرضِ حالِ دلِ افگار کروں یا نہ کروں جو گذرتی ہے وہ اظہار کروں یا نہ کروں
منع رونے کو مجھے کرتے ہو تم کیوں شبِ غم کچھ تسلیِ دلِ زار کروں یا نہ کروں
میری صورت ہی کہے دیتی ہے حالت میری عرضِ حال اپنا میں اے یار کروں یا نہ کروں
حشر ہوگا جو قیامت میں وہ رسوا ہوگا شکوۂ ظلم جفا کار کروں یا نہ کروں

ولہ

کیا حالتِ دل بیاں کیجئے ہمپر تو فلک ہی ٹوٹتے ہیں
اے لذتِ غم یہ خامشی کیا دو حرف نہ منہ سے پھوٹتے ہیں
پھوٹی قسمت کی ہے یہ تاثیر لکھتا ہوں تو حرف پھوٹتے ہیں

غفلتِ یارِ جفا کیش بھلا ہو تیرا
حسرت و یاس و تمنا لئے جاتا ہوں میں

وہ خبر لیں کہ نہ لیں حال سنیں یا نہ سنیں
دردِ دل ہے اسے چھاتی سے لگاتا ہوں میں

ولہ

ہاتھوں بکے ہوئے ہم ازل سے فغاں کے ہیں
ناقوس بتکدہ کے جرس کارواں کے ہیں

کہتے ہیں لختِ دل بہے اشکوں سے ہر گھڑی
ہم بھی تو ساتھ ساتھ اسی کارواں کے ہیں

ارمان پھر رہے ہیں مرے چار سو تباہ
بیچارے رہنے والے بتاؤں کہاں کے ہیں

ولہ

اشکِ چکیدہ دستِ تمنا بریدہ ہوں
نظروں سے گر گیا ہوں وہ آفت رسیدہ ہوں

سرمہ وہ ہوں جو آنکھوں میں کھٹکے ہر ایک کے
نظروں سے سب گرائیں وہ اشکِ چکیدہ ہوں

ولہ

مظلوم و تیرہ بخت ہوں اندوہ دیدہ ہوں
جو کچھ کہو ہوں سو ہوں غرض آفت رسیدہ ہوں

مٹتا ہوں بار بار عیاں ہو کے دھر میں
گویا میں اُنکے چہرہ کا رنگِ پریدہ ہوں

ولہ

دل کو گم میں نے کیا دل نے کیا گم مجھکو
کیا دکھاتے ہو یہ دزدیدہ تبسم مجھکو

ولہ

کبھی آنکھوں میں ہے کتا کبھی رخ پر آنسو
کس تمنا سے نکلتا ہے مرا ہر آنسو

ہائے کیا اُس بتِ بدخو کا اثر اُنہیں ہے
دل تو رک جاتا ہے رکتے ہی نہیں پر آنسو

الفتِ پردہ نشیں کا نہ کہیں حال کھلے
پی گئے خوف ہے ہم آنکھوں میں بھر کر آنسو

پرسشِ حالِ دلِ زار جو کی فرقت میں
گر پڑا آنکھ سے دامن پہ تڑپ کر آنسو

آتشِ عشق نہیں وہ جو بجھے پانی سے
اور بھڑکاتے ہیں سوزِ دلِ مضطر آنسو

ولہ

سال ہا سال التجا کرکے
موت آئی خدا خدا کرکے

حسرتیں دل کی رہ گئیں دل میں
پھر چلے ہائے کیا سے کیا کرکے

کاٹ دیں ہمنے ہجر کی راتیں
بیکسی ہی پہ اکتفا کرکے

کتنے ہو دل مرا دھڑکتا ہے
دیکھنا کچھ ظلم ناروا کرکے

شکلِ تصویر بیخود و بے حس
تجھ پہ بیٹھا ہوں آسرا کرکے

اشک آنکھوں سے نکلتے ہیں جگر جلتا ہے
ایسی بارش کو لگے آگ کہ گھر جلتا ہے

کیا کہوں کس سے کہوں سوزِ درونکی حالت — داغ سینہ میں کہاں پر ہے کدھر جلتا ہے
مجھپہ آفت ہے تجھے کیا ہے چراغِ مدفن — کیوں مرے دل کی طرح تا بہ سحر جلتا ہے
چین آجائے جو ایکبار سے جلے فرقت میں — ہائے کسطرح سے رہ رہ کے جگر جلتا ہے

ولہ

دل پہ صدمہ جو ہے خدا جانے — تو گرفتار ہائے کیا جانے
لذّتِ تیر و خنجر و نشتر — دل مرا یا جگر مرا جانے
آگ سی لگ رہی ہے سینہ میں — کیا ہوا دل کو ہائے کیا جانے
شب فرقت کٹی ہے مر مر کے — بچ گیا کس طرح خدا جانے
باعثِ مرگ میرا او قاتل — کچھ حیا کچھ تیری ادا جانے

ولہ

دم رخصت ادائے دلربا کچھ اور کہتی ہے — مگر ہاں لذّتِ جور و جفا کچھ اور کہتی ہے
شبِ وعدہ قیامت کی ہے الجھن دونوں جانب سے — نگہ کچھ اور کہتی ہے حیا کچھ اور کہتی ہے
سنے ہونگے بہت سے نغمہ ہائے درد و غم لیکن — مرے ٹوٹے ہوئے دل کی صدا کچھ اور کہتی ہے
تمھارے وعدۂ فردا پہ کس کو اعتبار آئے — زباں کچھ اور کہتی ہے ادا کچھ اور کہتی ہے

ولہ

ہم وہ میخوارِ ازل ہیں چمنِ عالم میں — صورتِ غنچہ لئے ہاتھ میں ساغر نکلے
مرحبا آج عجب شان سے کاٹا ہے گلا — سرخرو ہوکے تیری تیغ کے جوہر نکلے
خانہ بردوش وہ وحشی ہیں صبا کی صورت — نکلے جس سمت سے ہم خاک اوڑا کر نکلے

ولہ

دونوں ہوں دیکھئے رسوائے زمانہ کیا کیا — شوقِ پردہ ہے اُسے حسرتِ دیدار مجھے
حالِ دل یوں تو بدستور ہے میرا لیکن — نظر آتے ہیں پریشاں مرے غمخوار مجھے
بوئے گل ہوکے میں اے سعد اُٹھونکا یاں سے
ناتوانی نے کیا ہے یہ سبکسار مجھے

دلکو نہ میری فکر نہ دل کی خبر مجھے — کس شوخ کی لگی ہے الٰہی نظر مجھے
اب خون دل بھی بہنے لگا ساتھ اشک کے — رنگت نئی دکھانے لگی چشمِ تر مجھے

سرمہ ہوں چشم شوق کا گو تیرہ بخت ہوں
آنکھوں میں اپنے رکھتے ہیں اہلِ نظر مجھے

احسان شکستہ پائی کا کیونکر ادا کروں
لا کر گرا دیا ہے درِ یار پر مجھے

ولہ

آنے والی طبیعت آ کے رہی
جانے والی تھی جان جا کے رہی

بیقراری کا ہو برا کہ مجھے
پہلوئے یار سے اُٹھا کے رہی

وائے قسمت کہ سبکی نظروں سے
شوخ چشمی تیری گرا کے رہی

دلکو سودائے زلف ہو کے رہا
آنے والی بلا تھی آ کے رہی

ہمنے توبہ ہزار کی لیکن
کششِ میکدہ بُلا کے رہی

گو چھپے لاکھ وہ کشش دل کی
پردۂ درمیاں اُٹھا کے رہی

کچھ ساتھ دیکھے راہ نوردانِ عشق کا
آخر کو تھک کے بیٹھ گئی گرد راہ کی

کیا مرتبہ ملا ہے گنہگارِ عشق کو
رحمت بلائیں لیتی ہے میرے گناہ کی

لو آ گئے وہ حشر کا نقشہ بدل گیا
کچھ بھی سنی گئی نہ کسی دادخواہ کی

ہے سعد مونسِ شبِ غم شغلِ شاعری
شہرت کی ہے ہوس نہ خوشی واہ واہ کی

قصیدہ

عارضِ لیلیِ شب سے جو سرکا تھا نقاب
ٹھنڈے جھونکوں سے ہوا مجھپہ عجب عالمِ خواب

طرفہ تر خواب میں اک باغ نظر آیا مجھے
گلشنِ دہر میں دیکھا نہ سنا جس کا جواب

وسط میں اسکے وہ اک قصر کہ سبحان اللہ
دلکشا شکل درِ خلد تھا جس کا ہر باب

صاف و شفاف۔ ہر اک اُسکا ستوں ساعدِ حور
ابروے ماہوشاں اوسکی خمیدہ محراب

تھے تر و تازہ چمن در چمن اسکے ہر سمت
اسکے ہر پہلو میں گلزار، وہ سبز و شاداب

آتشِ گل سے نمایاں تھا وہ نورِ قدرت
شعلۂ وادیٔ ایمن بھی نہ تھا جس کا جواب

جوششِ گل سے عیاں صاف بہارِ جنت
سبزۂ تازہ سے تھا صحن میں فرشِ کمخواب

ساقیِ ابر نے پھولوں کے بھرے تھے ساغر — بادۂ عیش سے تھے جمع خوشی کے اسباب
فیضِ نکہت سے ہوا میں تھا بھرا نشۂ مے — سایۂ تاک سے تھا آب میں کیفِ دوشاب
اشہبِ ناز پھراتے تھے ہوا کے جھونکے — چاؤشِ خندۂ گل چارسو ہمراہِ رکاب
نغمہ تھے تارِ رگِ ابرِ بہاری سے عیاں — چھیڑ تھی گویا نسیمِ سحری کی مضراب
ہاں قلم لکھ تو اب اک اور شگفتہ مطلع — چشم بد دور ابھی طبع کا ہے عہدِ شباب

مطلع ثانی

اللہ اللہ رے فیاضیِ ساقیِ سحاب — پنبۂ ابر ہوا پنبۂ مینائے شراب
ہو کے بدمست جوانانِ چمن جھومتے ہیں — ہے مگر موجِ نسیمِ سحری موجِ شراب
کرمِ ابرِ بہاری سے ہے سرسبز زمیں — پھول پر قطرۂ شبنم ہیں کہ دُرِّ خوش آب
آنکھ کو محو کئے دیتی ہے چمپا کی بہار — دل کو بدمست کئے دیتی ہے خوشبوئے گلاب
باغ ہے غیرتِ جنت تو چمن رشکِ خلد — رشکِ طوبےٰ ہے اگر سرو تو کوثر کولاب
لوحِ اسرارِ معانی ہیں ورق ہر گل کے — برگ ہر نخل کے ہیں سرِّ حقیقت کی کتاب
کیسی بدمستیوں سے فصلِ بہار آئی ہے — ہاتھ میں زاہدِ صد سالہ کے ہے جامِ شراب
قابلِ دید ہے نیرنگیِ عکسِ سبزہ — دُمِ طاؤس ہوئی گردنِ مینائے شراب
للہ الحمد کہ حاصل ہوئی دونوں کی مراد — ہو رہا ہے گل و بلبل میں قبول و ایجاب
سیر کرتا ہوا اس شان سے میں بھی پہونچا — ہاتھ میں جام بغل میں لئے مینائے شراب
دیکھتا کیا ہوں کہ اک سمت تماشا ہے نیا — جس کا ہم شکل جہاں میں نہ زمانہ میں جواب
گرم اس بزم میں ہے معرکۂ بحث بہم — دم بخود گوش برآواز ہر اک کے احباب

مطلع ثالث

حسن ہر رنگ میں با دبدبۂ جوشِ شباب — عشق ہر ڈھنگ میں با حالِ پریشان و خراب
حسن کہتا تھا کہ مرہم دلِ مجروح کا ہوں — عشق کہتا تھا کہ ہوں زخمِ جگر کا تیزاب

حسن کہتا تھا کہ ہوں زیب دہِ محفلِ عیش   عشق کہتا تھا کہ ہوں بزم عزا کا آداب
حسن کہتا تھا کہ ہوں ناز و ادا کا طومار   عشق کہتا تھا کہ ہوں نالۂ و شیون کی کتاب
حسن کہتا تھا کہ جلوے مرے برقِ خاطف   عشق کہتا تھا کہ بیتابیاں میری سیماب
حسن کہتا تھا کہ ہوں حسنِ طبیعت کی امنگ   عشق کہتا تھا کہ ہوں شوریدگیٔ عہدِ شباب
اُسکو دعویٰ تھا کہ نشۂ ہیں مرے ہشیاری   اِسکو دعویٰ تھا کہ مستی ہیں مری کیفِ شراب
اُسکو دعوے تھا کہ ہے برقِ طپاں شوخ نگاہ   اِسکو دعوے تھا کہ ہے دیدۂ تر رشکِ سحاب
اُسکو دعویٰ تھا کہ پابند حیا کا میں ہوں   اِسکو دعوے تھا کہ یاں قیدِ ہیبت نہ حجاب
اُسکو دعویٰ تھا کہ ناوک میری ترچھی نظریں   اِسکو دعویٰ تھا کہ نالے ہیں مرے تیرِ شہاب
اُسکو دعویٰ تھا کہ گیسو ہیں گھٹائیں کالی   اِسکو دعویٰ تھا کہ ہے دودِ جگر رشکِ سحاب
اُسکو یہ ناز کہ میں مایۂ صبر و تسکیں   اِسکو یہ ناز کہ سرمایۂ قلبِ بیتاب
ناز اسکو کہ یہاں نازکی اپنی بے مثل   زعم اسکو کہ یہاں ضعف۔ نزاکت کا جواب
یہ کبھی صورتِ لیلیٰ کبھی شکلِ شیریں   وہ کبھی قیس کبھی کوہکنِ خانہ خراب
الغرض بحث میں اک طول کھینچا جاتا تھا   شورشیں دونوں دکھانیکے لئے تھے بیتاب
کہ یکایک نظر آئی وہاں اک شکل مہیب   اور یہ دونوں کو سُنایا زرہ عُجب و عتاب

جاے صہبا مرے مینا میں بھرا ہے زہر آب   مطلع رابع   نام آشوبِ جہاں گردشِ گردوں ہے خطاب

ہاں خبردار مرا نام ہے دورِ دوار   فتنۂ دھر لقب۔ آفتِ دوراں القاب
خودستائی کا یہ دعوے مرے آگے کیا خوب   زعم اور سامنے میرے یہ بھلا کسکی تاب
سنکے تقریر یہ دونوں کے اوڑے ہوش و حواس   چُپ کچھ ایسی لگی مُنہ سے نہ نکلتا تھا جواب
اہلکارانِ پولس سے ہوں تو آگاہ نہیں   سعدؔ ہوں میں مجھے سب جانتے ہیں شیخ و شاب

مرے آگے تیرا یہ حوصلہ او شعبدہ باز — یہ تعلّی یہ تفاخر یہ تحکّم یہ عتاب
مجھکو پہچان کہ میں کون ہوں اور کیا ہوں میں — دھوم کشمیر سے شہرہ ہے مرا تا پنجاب
شان شدّاد و ارم تھی نہ بجز خواب خیال — تھی نہ جبّاری ہامان بجز نقش بر آب
جاہ بہمن کا تو دارا کی مٹائی شوکت — خاک میں میں نے ملایا ہے شکوہ داراب
صولتِ رستم و دستاں مرے اک ہاتھ کا کھیل — اک تماشا تھا مرے سامنے زور سہراب
برسوں یوسف سا حسیں میں نے رکھا زنداں میں — مدّتوں میں نے زلیخا کو پھرایا بیتاب
جامِ صہبا مرے مینا میں بھرا ہے زہر آب — نام آشوب جہاں گردش گردوں ہے خطاب

ولہ

رہی اب تو نہ کچھ تاب فغاں تک — سناؤں درد دل اپنا کہاں تک
بہت ڈھونڈھا ہے یاران عدم کو — نہیں ملتی ہے گرد کارواں تک
گرا دینا مجھے اے ناتوانی — پہونچ جاؤں جو انکے آستاں تک
پہونچ جاتا ہے ہر دم گرتے پڑتے — نیا اک درد جانِ ناتواں تک

ولہ

کلیجہ میں مرے کچھ جل رہا ہے — نہیں ثابت لگی ہے یہ کدھر آگ
لگائی آگ کیسی فصل گل نے — ہوئے ہیں باغ میں گل ہائے تر آگ
جلاتی دل ہے فرقت میں رلا کر — لگاتی اور ہے تو چشم تر آگ

ولہ

سماؤں میں کسطرح آنکھوں میں اُنکی — وہ ہوں اشک جو ہیں گرانے کے قابل
کسی کی محبت نے رسوا کیا ہے — نہ رکھا ہمیں مُنہ دکھانے کے قابل
کیا ناتوانی نے یہ زور اپنا — نہ رکھا عدم تک ہی جانے کے قابل

ولہ

کسی کو دے نہ میرا سا خدا دل — بُرا دل قہر دل نا آشنا دل
تمہارا خاک ہوکر یہ رہے گا؟ — ہمارا ہی نہیں جب بیوفا دل
ابھی کھل جائے حالت بے بسی کی — مرے قابو میں گر ہو آپ کا دل

ولہ

دھو بیٹھے ہاتھ تیری جدائی میں جاں سے ہم — لو آگے آگے جاتے ہیں عمر رواں سے ہم

مٹی ہماری جب اوڑی سوے فلک گئی   برباد ہو گئے نہ دبے آسماں سے ہم

بیکار آپ دست بہ شمشیر ہو گئے   شکوہ جفا کا کر رہے تھے آسماں سے ہم

کہتی اشارتاً ہیں یہ اٹکھیلیاں تیری   سیکھیں گے کجروی کی روش آسماں سے ہم

ولہ

کبھی مجنوں کبھی دیوانہ بنا جاتے ہیں   عمر بھر جو نہ سنا تھا وہ سنا جاتے ہیں

ہو گیا انکا میں اس درجہ غبار خاطر   مثل نقش کف پا مجھکو مٹا جاتے ہیں

وائے سرگشتگی و تفرقۂ راہ عدم   دل و جاں ہمسے تو ہم اُنسے جدا جاتے ہیں

بیگنہ کا قتل کرنا کھیل سمجھے تھے مگر   کانپتی تھیں آپ کی دہشت سے تھرتھر انگلیاں

ارتباط اُن کا نہیں نبھتا جو ہم پلہ نہوں   آستیں سے دیکھ لو رہتی ہیں باہر انگلیاں

چشم بد سے یا الٰہی وہ بچے قاتل مرا   بیطرح مقتل میں اُٹھتی ہیں اُسپر انگلیاں

تو ہے نازک سخت جاں ہیں اور خنجر کند ہے
ڈر ہے مجکو دکھ نہ جائیں اے گل تر انگلیاں

دل کو گم میں نے کیا دل نے کیا گم مجھکو   کیا دکھلاتے ہو یہ ذرہ دیدہ تبسم مجھکو

شمع ہوں دل ہوں کہ پروانہ ہوں لو کیا ہوں   داغ دیدیکے جلاتے ہو عبث تم مجھکو

آکے سینہ میں یہ کہتا ہے تصور ان کا   جب میں جانوں کہ کرو دل کی طرح گم مجھکو

تیرہ بختی نے مجھے سرمہ بنایا لیکن   اپنی آنکھوں میں جگہ دیتے ہیں مردم مجھکو

ناتواں و زار ہوں کیا پائیگی   موت جس دن آئی منہ کی کھائیگی

اب تو ہاتھوں میں لگی تیرے حنا   دیکھئے یہ رنگ کیا کیا لائیگی

میرا جینا اور مرنا ایک ہے   موت آکر مجھسے کیا لیجائیگی

تیری تیغ آبدار اک دن مجھے   ماہی بے آب سا ترسائیگی

ولہ

آنکھوں میں بھر کے اشک شب ہجر پی گئے   آیا اگر خیال مئے ارغواں کبھی

لے شمع سیکھ دل سے مرے سوز عشق کو   جلتا ہے اسطرح کہ نہ اُٹھا دھواں کبھی

شاد۔ پنڈت دیاکشن رینہ صاحب خلف پنڈت اندر نرائن صاحب

متوطن ریاست جاؤرہ۔

آپ کے دادا پنڈت جیالعل صاحب رینہ بعہدۂ دیوان ریاست جاؤرہ امتیاز تھے۔ آپ فی الحال بمقام شیوراجپور متصل بڑودہ بی۔بی اینڈ سی ریلوے میں ڈپٹی اسٹیشن ماسٹر ہیں۔

دیکھ غافل کہ یہ دنیا ہے سراسر فانی — ذرہ ذرہ یہاں تعلیم فنا دیتا ہے
تو لئے پھرتا ہے آنکھوں میں عجب میخانہ — اک اشارہ ترا مدہوش بنا دیتا ہے
ایک میں ہوں کہ تیری یاد ہے میری راحت — ایک تو ہے کہ مجھے دل سے بھلا دیتا ہے

کیا بتاؤں تمھیں کیا غم کی ہے لذت اے شاد
نعمت خاص ہی عاشق کو خدا دیتا ہے

ہر پردہ نغمہ ریز ہے یوں دل کے ساز کا — گویا کہ اک کھلا ہوا دفتر ہے راز کا
شاید کہ کچھ بڑھی ہے مری سوزش نہاں — تکنے لگا ہے ہاتھ بھی اب چارہ ساز کا
جسکو سمجھ رہا ہے تو ایک مایۂ حیات — وہ شعبدہ ہے حسن حقیقت طراز کا

اے شاد بے سبب تو نہیں تیری ہچکیاں
کیا تار ٹوٹنے کو ہے ہستی کے ساز کا

وہ آج آرہے ہیں رقیبوں کے ساتھ ساتھ — ڈر ہے پیام موت نہ لائے ہوں ساتھ ساتھ
مجنوں کیطرح میرا مقدر خراب ہے — تقدیر رو رہی ہے میری میرے ساتھ ساتھ
یہ دیکھنا کہ میری تمنا نکل نہ جائے — یہ آرزو ہو دفن مری میرے ساتھ ساتھ
اس بیکسی نے ساتھ کہاں تک دیا مرا — مرنیکے بعد بھی یہ رہی میرے ساتھ ساتھ

اتنے ہی نفذ نکلے جنازہ سے شاد کے
زیادہ نہ آئیگا جنازہ کے ساتھ ساتھ

شاد - پنڈت بدری پرشاد شنگلو صاحب خلف پنڈت جوالا پرشاد شنگلو صاحب ایم اے - ایڈوکیٹ ہائی کورٹ پنجاب متوطن لاہور۔

آپ ایک ہونہار فاضل نوجوان ہیں اور جوشِ حبِّ قومی سے آپ کا دل مملو ہے۔

غیرتِ گلزارِ رضواں ہے گلستانِ بہار — باغ باغ آتے نظر ہیں سب جوانانِ بہار
پُرز رِ گلہائے خنداں سے ہے داماںِ بہار — آج دیکھے جا کے گلشن میں کوئی شانِ بہار
مُرغ خوش الحانِ بستاں ہیں ثناخوانِ بہار — نغمہ زن ہیں بر سرِ گل عندلیبانِ بہار
سایۂ گیسوئے سنبل میں گلِ صد برگ ہیں — یا شبِ تاریک میں روشن چراغانِ بہار
خوف ہے ان کو قفس کا اور نہ ڈر صیاد کا — اُڑ رہے ہیں بے خطر مرغ خوش الحانِ بہار
جامِ گل میں قطرۂ شبنم برنگ مے عیاں — ان دنوں ہے عیش و عشرت خیز ساماں بہار
کیا ہی فرحت بخش ہے رشکِ دمِ عیسیٰ نسیم — لب ہی لب میں آج غنچہ ہے ثناخوانِ بہار
کیا عجب گر شاخِ آہو بھی نظر آوے ہری — باغِ عالم میں بہ فیضِ ابرِ بارانِ بہار
توڑ کر دامن میں اپنے پھول لے گلچیں نرکھ — مت چڑھا تو سر پہ خونِ عندلیبانِ بہار
گل پہ بُلبُل نغرہ زن قمری سرِ شمشاد ہے — صحبتِ احباب اک روزِ مبارک باد ہے

بند دوم

ہے فروغِ جوشِ آتش سے گلِ گلشن چراغ — دامنِ بادِ صبا میں ہو گئے روشن چراغ
قطرۂ شبنم عیاں روئے گلِ صد برگ پر — جل رہے ہیں دیکھ لو در پردۂ دامن چراغ
ہو گئے پروانہ و بُلبُل رقیبِ یک دگر — جوشِ آتش سے بنا ہے لالۂ گلشن چراغ
جو ہیں پیوستہ محبت سے ہیں مقبولِ خدا — برق بنتی ہے تجلّیٔ خانۂ خرمن چراغ
کیا تعجب ہے بہ فیضِ آفتابِ اتفاق — گر نظر آئے در و دیوار کا روزن چراغ
دستِ قدرت نے برائے زینتِ اجلاس قوم — کر دیا ہے مہرِ عالمتاب کا روشن چراغ
ہو نسیمِ اتفاقِ انجمن ایسی رواں — موم ہو کر مشفقِ پروانہ ہو دشمن چراغ



پنڈت بدری پرشاد شنگلو۔ شاد

ہاں چلے اِس انجمن میں ایسی الفت کی ہوا — پیش پروانہ جھکائے آن کر گردن چراغ
انجمن ہے طالب امدادِ اربابِ قوم — کیوں نہ ہو۔ عالم میں کب جلتا ہے بے روغن چراغ
اب دعا حق سے ہے یہ اس شادؔ کی شام و سحر — کیجئے پھر اتفاقِ قوم کا روشن چراغ
روغنِ الفت سے پھر روشن ہو شمعِ اتفاق
تھا اُٹھا رکھا زمانے نے جسے بالائے طاق

بند سوم

باغِ ہستی میں ہرا پا کر چمن اس قوم کا — دشمنِ جانی ہوا چرخِ کہن اس قوم کا
اک زمانہ تھا کہ اور اقوامِ عالم کے لئے — باعثِ تمثال تھا ہر مرد و زن اس قوم کا
تھا ذہانت کا وہ عالم اور فطرت کا وہ حال — طفل تک بقراط پر تھا خندہ زن اس قوم کا
کون ہے جس سے کہ ہم دبکے زمانے میں رہے — اب بھی ہے مشہورِ عالم بانکپن اس قوم کا
قوتِ بازو کا اپنے سب ہیں لوہا مانتے — ہے قلم گویا کہ خنجر صف شکن اس قوم کا
دستِ قدرت نے بھرے ہیں اسمیں گوہر اسقدر — غیرتِ ملبوسِ شاہاں ہے پھٹن اس قوم کا
گر ہے یہ خواہش رہے قائم عروجِ سابقہ — پھر بدل ڈالو پُرانا پیرہن اس قوم کا
رہ گئے تم اور قومیں گوئے سبقت لے گئیں
جاہ و حشمت لے گئیں اقبال و عزت لے گئیں

بند چہارم

کوئی ہم کو آنکر یارب سکھائے اتفاق — دور ہو بغض و حسد اور ہم میں آئے اتفاق
ہم پریشاں خاطروں کو پھر ملائے اتفاق — کاش کانوں تک پہنچ جائے صدائے اتفاق
گر رقم کرنے پہ آ جاؤں تمنائے اتفاق — نکلے خامہ کی زباں سے نعرہ ہائے اتفاق
جوشِ الفت کا یہ عالم دیر میں ہو برہمن — پھونکئے ناقوس تو نکلے صدائے اتفاق
ہاتھ ہی ملتے رہوگے ورنہ باندھو جلد تر — تا کہ کچھ قائم رہے رنگ حنائے اتفاق

دشتِ الفت میں سمندِ عمر کو جو لاں کرو
ڈھونڈھ لاؤ عنبرِ راحت فزائے اتفاق

صرف تاراجِ خزانِ بغض، گلشن قوم کا
پھر بہار آئے رواں ہو پھر ہوائے اتفاق

جامۂ نا اتفاقی زیبِ تن برسوں رہا
اب خدا کے واسطے پہنو قبائے اتفاق

قوم کی بشکستہ حالت کی درستی کے لئے
چارہ گر مطلوب ہے کچھ مومیائے اتفاق

پھر نہ رم کر جائے آہوئے بیاباں کیطرح
باندھ کر قبضہ میں رکھئے دست و پائے اتفاق

قوم کی حالت پہ سب کو غور کرنا چاہئے
کچھ علاج اس کے لئے فی الفور کرنا چاہئے

شاکر۔ پنڈت پیم نرائن صاحب کول کانپوری

۱۸۷۶ء میں آپ بقید حیات تھے۔ سنِ وفات معلوم نہو سکا۔

بامدادان کہ مغاں حلقہ بہ میخانہ زدند
خوش نشستند بہم بادہ حریفانہ زدند

ہر کسے بود گرفتار بلائے کردند
غم مخور زانکہ نہ تنہا رہِ فرزانہ زدند

بلبلِ غمزدہ را شیفتۂ گل کردند
آتشِ شوق بجانِ دلِ پروانہ زدند

باعثِ رنج و مصیبت بہ دو عالم بشکست
برق در خرمنِ آدم بدو سہ دانہ زدند

تا نہ ماند محلِ عذر برائے من و تو
مُہر تصدیقِ نبوّت بہ سرِ شانہ زدند

دورِ فرہاد ز اقلیم جنوں شد اکنوں
نوبتِ عشق بنامِ منِ دیوانہ زدند

رسم و راہِ طرب آموز ز رنداں شاکر
خُنک آنہا کہ دم از ساقی و پیمانہ زدند

بادۂ ناب بیادِ لبِ جاناں زدہ ایم
خیمۂ عیش بہ سرچشمۂ حیواں زدہ ایم

تا کہ در کوئے مغاں پے بہ حقیقت بردیم
خندہ با بر روشِ گبر و مسلماں زدہ ایم

دولتِ فقر غنی ساخت بدنیا مارا
پشتِ پا بر ہمہ ملکِ سلیماں زدہ ایم

شہر و بازار نہ تنہا شدہ از ما پُر شور
در غمِ عشق تو ہوئے بہ بیاباں زدہ ایم

مژدہ اے کاکلِ پیچاں کہ اسیر تو شدم | رخصت اے خانہ کہ اکنوں بزنداں زدہ ایم
محوِ نظارۂ مژگانِ درازت گشتیم | خویشتن را بہ سرِ نشتر و پیکاں زدہ ایم
مژدۂ وصل تو خواہیم شنیدن امروز | فال بر زمزمۂ مرغِ سحر خواں زدہ ایم

شاکرا گرچہ ز ہندیم ولے روز ازل
مے زخمخانۂ شیراز و صفاہاں زدہ ایم

وقت آنست کہ از نکہتِ گل شاد شویم | بہر گلگشت زبندِ قفس آزاد شویم
پنبہ را دور کنیم از سرِ مینائے شراب | مست افتادہ زمے منکرِ زہاد شویم
جام را تا خطِ بغداد پُر از بادہ کنیم | فارغ از فکرِ قفس و زغمِ صیاد شویم
در چمن بادِ ف وے بادۂ گلنار زنیم | محوِ رخسارِ گُل و قامتِ شمشاد شویم
از کفِ مغبچگاں بادۂ سرجوش زنیم | غافل از گردشِ چرخِ ستم ایجاد شویم

چند روز است کہ بے مے شدہ گشتیم خراب
ساقیا خیز کہ در میکدہ آباد شویم

قابلِ ثنا و حمد کے ربِ جلیل ہے | عالم میں سب کے رزق کا وہی کفیل ہے
معلوم سب کو قصۂ اصحابِ فیل ہے | کیا صاف زندہ آگ سے نکلا خلیل ہے

فی الجملہ عجز بندہ کا مقبولِ رب ہوا
جس نے کیا غرور اُسی پر غضب ہوا

شوخی میرے کلام میں ہے برقِ طور کی | ہر بیت اسی سبب سے ایک آیت ہے نور کی
کیا روشنی ہے کوچہ میں بین السطور کی | جس سے خجل بیاض بھی ہو چشمِ حور کی

کاغذ صفائی رکھتا ہے آبِ حیات کی
رشکِ شبِ قدر ہے سیاہی دوات کی

جی چاہتا ہے بیعتِ دستِ سبو کریں | پیرِ مغاں کی دیر میں اب جستجو کریں

صہبائے لوثِ زہد کی بھی شست و شو کریں — پانی سے ہوتے مے کے نہ ہرگز وضو کریں

ڈورے پڑیں گے آنکھوں میں جب کچھ سُرور کے

سوجھیں گے خوب نشہ میں مضمون دُور کے

ہاں اے دبیرِ خامہ بس اب ہوشیار ہو — لکھنا بہت ہے چستی سے سرگرم کار ہو

تحریر وہ ہو جس پہ عطارد نثار ہو — دشمن مراسلہ کے جو ہیں اُن کو خار ہو

وہ شان نظم سے ہو عیاں اس حقیر کی

ہو جس سے شاد روح انیسؔ و دبیرؔ کی

جڑ سے اکھڑ گیا تھا درخت اتفاق کا — طوطی بھی خوب بول رہا تھا نفاق کا

غم تھا نہ گردشِ فلکِ نُہ رواق کا — دن رات مشغلہ تھا یہی جفت و طاق کا

صہبائے خود پسند سے گو تھا ہر ایک مست

لیکن مراسلہ سے ہوا اسکا بند و بست

اِجرا سے ہے مراسلہ کی یہ غرض عیاں — ہو اتفاق قوم کے لوگوں کے درمیاں

بچّوں کے درس اور ہے تدریس کا بیاں — زیور پہنانا منع ہے اُنکو بخوفِ جان

تخفیفِ خرچ شادی وغیرہ میں ہے ضرور

تا کچھ معاش میں نہ پڑے قرض سے فتور

فرمائیے تو کونسا اسمیں وہ عیب ہے — جس سے کسی خرابی کے ہونیکا ریب ہے

کیا جانتا کوئی عملِ دستِ غیب ہے — یہ وقت وہ ہے سب کا تہی دست و جیب ہے

منظور ہے مراسلہ کو قوم کی فلاح

دیتا ہے اس سے سبکو تجارت کی وہ صلاح

دعویٰ ہو اسمیں بحث کا جسکو لکھے جواب — خاموش ورنہ ہو کے کرے اُس سے اجتناب

کج رائے جسقدر ہیں وہ کھاتے ہیں پیچ و تاب — آخر کو بیٹھ جائینگے خود صورتِ حباب



پنڈت شیو ناتھ کول بقایا۔ شاکر

شاید جو ذی شعور ہیں کچھ اِن کو درد ہو
یا ایک ساتھ دونوں کا ہنگامہ سرد ہو

دشمن اگر عقیل ہو تو گفتگو کریں
ناداں عدو سے بحث کے کیا آرزو کریں

فریاد اسکی کس سے کہاں کو بکو کریں
چاکِ دہانِ خصم کو کیونکر رفو کریں

جو نکتہ چینی کرتا ہے ہر ایک بات میں
کیسا بھرا ہوا ہے حسد اُسکی ذات میں

یارب تو سبکو جلدی سے لا راہِ راست پر
خضرِ خرد ہو ان کا دلیل اور راہبر

ابلیس جہل اُن سے رہے دُور ہی مگر
تا اتفاق قوم میں اپنی ہو جلوہ گر

آثار ہوں ترقیِ قومی کے آشکار
ادبار الوداع کہے اور کرے فرار

شاکر۔ پنڈت شیونا تھ صاحب کول خلف اصغر پنڈت کاشی ناتھ صاحب کول لکھنوی

آپنے لکھنؤ اور اجمیر میں تعلیم پائی پنڈت شیوراج ناتھ صاحب آپ کے بڑے بھائی تھے آپ بڑے ذہین طباّع قناعت پسند منکسر المزاج شاعر ہیں وجیہہ اور خوش خلق آدمی ہیں انگریزی میں بخوبی مہارت حاصل ہے انگریزی اور انشا پردازی کے بھی اچھی طرح ماہر ہیں فارسی زبان میں اعلیٰ درجہ کی لیاقت رکھتے ہیں مثنوی مراۃ الخیال جو آپ کی تصنیف ہے اسمیں معرفت اور قدرت کے جلووں کو بہت پسندیدہ طرز پر نظم کیا ہے بعض بند توفی الواقع لاجواب ہیں آپ سب سے پہلے راج بنارس میں ملازم تھے اور وہاں نائب دیوان کے خدمات کو نہایت خوش اسلوبی سے ادا کرتے رہے آپ کی خوش اخلاقی اور دیانتداری سے تمام عملہ خوش تھا بنارس کے قیام میں آپ مرزا قیصر بخت فروغ دہلوی کے شاگرد ہوئے اب ریاست گوالیار میں قیام پذیر ہیں۔ آپ عارف اور خدا پرست ہیں۔ شروع میں آپ کا تخلص شیدا تھا۔ ملازمت بنارس کے بعد آپ ریاست گوالیار میں نیکنام تحصیلدار و مجسٹریٹ رہے اور اسی ریاست سے مستفید پنشن ہو

نظر نے پھوٹ مچائی وہ خانۂ تن میں — کہ دل بھی صاف اُڑا لے گئی جگر کیسا
چلے جو تیر مژہ تیرے چھوڑ کر اُن کو — تو پھوٹ پھوٹ کے روئے دل و جگر کیسا

ملا ہے حسن تمھیں عشق لازوال مجھے — تمھیں ہے اُسمیں کمال اسمیں ہے کمال مجھے
بہت ہی تنگ ہے وحشت میں وسعت عالم — الٰہی اس قفسِ تنگ سے نکال مجھے

دل کے آئینہ میں ہے صورت بتِ بے پیر کی — اس مرقع میں جگہ ہے یار کی تصویر کی
جادۂ دشتِ جنوں روشن ہے مثلِ کہکشاں — پاؤں میں گردش ہے میرے آسمانِ پیر کی
اس خموشی میں بھی سو باتیں نکلتی ہیں صنم — عین گویائی ہے خاموشی تری تصویر کی

پاؤں کے چھالوں سے ہوں مجبور ورنہ کے ازیں
آدھی گردش بانٹ لوں میں آسمانِ پیر کی

مسدّس
در صفتِ علم

المدد اے خالقِ ارض و سما — المدد اے رازقِ ہر دو سرا
المدد اے رہبرِ راہِ ہُدیٰ — المدد اے داورِ روزِ جزا
المدد اے بحرِ احساں المدد
المدد اے ربِّ یزداں المدد

المدد اے شوقِ علمِ رہنما — المدد اے جوہرِ عقلِ رسا
المدد اے اوجِ فکرِ عرش سا — المدد اے رفعتِ فہم و ذکا
المدد اے طبعِ موزوں المدد
المدد اے صدقِ مضموں المدد

خانۂ دل علم سے روشن ہو آج — دشت میں نزہت فزا گلشن ہو آج
نیخزاں پھولوں سے پُر دامن ہو آج — روشنائی روکشِ سوسن ہو آج

علم کے ہیں وصف اس نسخہ میں چند
ہوں مریضِ جہل کو وہ سودمند

علم بیشک خلعتِ انساں ہے خوب — علم سے توقیر کا ساماں ہے خوب
علم دردِ یاس کا درماں ہے خوب — علم امّیدوں کے تن میں جاں ہے خوب

عقدۂ لاحل ہیں سب حل علم سے
جانتے ہیں حق کو اول علم سے

دل کے آئینہ کا جوہر علم ہے — شاہدِ خوبی کا زیور علم ہے
دوستوں کو روح پرور علم ہے — سینۂ اعدا کو خنجر علم ہے

علم سے مسرور ہر غمناک ہے
علم سے ہر سست بھی چالاک ہے

علم میں ہے جلوہ گر نورِ خدا — علم سے ہیں نامور اہلِ وفا
علم سے انسانیت کو ہے جِلا — جب نہیں انسانیت تو پھر ہے کیا

آدمی را آدمیت لازم است
عود را گر بُو نباشد ہیزم است

علم ہے گنجینۂ عقل و ذکا — علم ہے آئینہ شکلِ رضا
علم ہے پیمانۂ فیض و عطا — علم ہے دُردانۂ عیش و غنا

اس سے ثابت گردشِ چرخِ بریں
اس سے مثبت وُسعتِ روئے زمیں

علم سے ہے نازِ اربابِ نیاز — علم سے ثابت قدم ہیں سرفراز
علم سے کُھلتا ہے ہر عقدہ کا راز — علم سے بابِ حقیقت بھی ہے باز

نشۂ عرفاں ایاغِ علم ہست

جلوۂ ایماں چراغِ علم ہست

روشناسِ فضلِ یزداں علم ہے — آشنائے بحر و بر ہاں علم ہے
نام و ننگِ مُلکِ خاقاں علم ہے — آب و رنگِ باغِ رضواں علم ہے

سرمۂ اہلِ بصیرت ہے یہی
خوبیٔ اوضاع و سیرت ہے یہی

وسمۂ ابروئے صد خوبی ہے علم — غازۂ رخسارِ محبوبی ہے علم
روشنیٔ چشمِ یعقوبی ہے علم — چشمۂ پاکیزہ اسلوبی ہے علم

آفتابِ کامرانی ہم بود
بوستانِ شادمانی ہم بود

راحت افزا عشرت افزا علم ہے — بہجت افزا فرحت افزا علم ہے
عزت افزا دولت افزا علم ہے — شوکت افزا ثروت افزا علم ہے

ناتوانوں کی توانائی ہے علم
اور نادانوں کی دانائی ہے علم

علم سے حاصل ہے سیرِ کائنات — علم سے قائم ہیں ارکانِ حیات
علم سے ہے لطفِ دہرِ بے ثبات — علم سے مخفی نہیں ہے کوئی بات

قوتِ بازوئے ہمدردی ہے علم
جوہرِ تیغِ جواں مردی ہے علم

علم تو ہے مرہمِ زخمِ جگر — علم تو ہے ہر مرض میں چارہ گر
علم تو ہے رونقِ ذاتِ بشر — علم تو ہے عقلِ کُل المختصر

تلخ کاماں را توئی قند و نبات
نیم جاناں را توئی عین الحیات

علم کو دولت ہے افزایش پسند — صرف ہونے سے یہ ہوتی ہے دوچند
ہے زمانہ میں نہایت ارجمند — اس سے بچتا ور ہیں بیشک بہرہ مند
چور اسے ہرگز چورا سکتا نہیں
قفلِ باطن کوئی پا سکتا نہیں

انتخاب مسدس مرآت الخیال

یارب قلم میں جوہرِ تیغ خوش آب دے — قرطاس میں ضیائے مہ و آفتاب دے
طرزِ بیاں میں شوخئ عہد شباب دے — لطفِ زباں میں تازگیِ لاجواب دے
منظور ہے کہ تیری ستایش بیاں ہو
اس نظم کی زمیں ہمہ تن آسماں ہو

یارب جگر میں سوز دے آنکھوں میں آب دے — وہ کارِ برق دے تو یہ کارِ سحاب دے
مجھکو ہدایتیں سوئے راہِ صواب دے — جرم و خطا سے حوصلۂ اجتناب دے
تاثیر دے سخن میں قناعت کلام میں
اس نظم کی جگہ ہو دلِ خاص و عام میں

یارب رکھ اپنے بندوں پہ الطاف کی نظر — ہے منحصر نجات تیرے رحم و فضل پر
کیونکر رقم کرے تیری حمد و ثنا بشر — تیرے یم کرم سے زمانہ ہے بہرہ ور
تو خالقِ رحیم زمین و زماں کا ہے
تو رازقِ کریم تمام انس و جاں کا ہے

یارب ادا ہو شکر تیرا کس زبان سے — احسان ہیں خلق پر تیرے باہر بیان سے
ظاہر میں تو بعید ہے سب کے گمان سے — باطن میں تو قریب ہے بندوں کی جان سے
قیوم تیرا نام ہے تو لازوال ہے
بے مثل تیری ذات ہے تو بیمثال ہے

غنچہ میں تو ہے گل میں ہے تو گلستاں میں تو
صحرا میں تو ہے خار میں تو ہے خزاں میں تو
دشت و جبال و وادی و آبِ رواں میں تو
کرسی و عرش و بحر و بر و لامکاں میں تو

وہ کون شے ہے جس میں کہ جلوہ نہیں تیرا
جویندہ ہو تو پائے پتا ہر کہیں تیرا

موتی صدف میں آب گہر ہے گہر میں تو
قوت بصر میں نورِ نظر ہے نظر میں تو
لذت ثمر میں تو ہے ثمر ہے شجر میں تو
تو رنگ و بو گلوں میں شرر ہے حجر میں تو

تو نورِ مہر و ماہ فروغِ جہاں ہے تو
سچ تو یہ ہے کہ زینتِ کون و مکاں ہے تو

دل میں سرور نشہ ہے موجِ شراب میں
نغمہ میں سوز درد نوائے رباب میں
جلوے میں طور برقِ درخشاں سحاب میں
دریا میں شور۔ زور ہے عہد شباب میں

آرائشِ رخِ سحر و زلفِ شام تو
زیبائشِ بیان و طراز کلام تو

آتا ہے قلبِ صاف میں جلوہ تیرا نظر
اس آئینہ میں عکس فگن ہے تو سربسر
حاصل صفائے قلب کرے جو کوئی بشر
بیگانہ و یگانے میں بس تو ہو جلوہ گر

کذب و دروغ سے اُسے کچھ کام ہی نہو
خوش نیتی کا بد کبھی انجام ہی نہو

بغض و حسد ہے جس میں وہ پاتا نہیں تجھے
غیظ و غضب ہے جس میں وہ بھاتا نہیں تجھے
مغرور و خود پسند خوش آتا نہیں تجھے
پروا کسی کی اے میرے داتا نہیں تجھے

کعبہ میں دل میں دیر میں جلوہ نما ہے تو
عالم کے دیکھنے کے لئے آئینہ ہے تو

فرضِ بشر یہ ہے کہ نہ بھولے ترے کرم
محرابِ بندگی میں رہے سر ہمیشہ خم

دل میں ہو یا دل پہ تیرا ذکر سب دم — مطلب ہو تیرے نام سے ہو دیر یا حرم

منزل ہے سب کی ایک ہی راہوں کا پھیر ہے

یکساں ہے جلوہ صرف نگاہوں کا پھیر ہے

پانی کیا رواں تو رواں ہے وہ آجتک — آندھی جو کی رواں تو رواں ہے وہ اجتک

جو چیز کے نہاں تو نہاں ہے وہ آجتک — جو بات کی عیاں تو عیاں ہے وہ آجتک

دل میں نگہ میں عرش و فلک میں زمیں میں بھی

جلوہ نما ہے تو نظرِ دوربیں میں بھی

قدرت کے کارخانہ پہ دل کیوں نہ ہو نثار — اس پردۂ طلسم میں دیکھی عجب بہار

آنکھوں میں ہیں مناظرِ دلچسپ بیشمار — ہے صاف صاف قدرتِ حق جنمیں آشکار

آئے نظر نہ تو جسے اُس کا قصور ہے

جس سمت دیکھتا ہوں تیرا ہی ظہور ہے

آئیگا دیکھنے میں وہ دنیا کا انقلاب — عالم تمام نظروں میں ہوگا مثال خواب

ہوگا یقیں کہ دھر ہے یہ صورتِ حباب — عالم روانہ ہے صفتِ موجۂ سراب

کیا کیا نہ وجد صانعِ قدرت پہ آئے گا

عنقائے فکر عرشِ معلیٰ پہ جائے گا

کیا اعتبار ہستی ناپائدار کا — کیا اعتبار زندگیِ مستعار کا

کیا اعتبار عالمِ بے اعتبار کا — کیا اعتبار فصلِ خزان و بہار کا

یہ عیش ایک گردشِ چشمِ زمانہ ہے

ہم محوِ خوابِ ناز ہیں عالم روانہ ہے

عشرت سے اہل ہند ہم آغوش ہوگئے — خودبینی کی شراب میں مدہوش ہوگئے

مدہوش ہوکے دیں سے بیہوش ہوگئے — بیہوش ہوکے حق سے فراموش ہوگئے

بدمست ہیں مئے ہوسِ عز و جاہ میں
کیا قہر ہے کہ غرق ہیں بحرِ گناہ میں

یادِ خدا کو صفحۂ دل سے مٹا دیا — خوف و رجا کو دھیان میں لاتے نہیں ذرا
راہِ وفا کو چھوڑ ہی بیٹھے یہ کج ادا — صدق و صفا کو دشمنِ جانی بنا لیا

علم و ہنر سے حیف انہیں ننگ و عار ہے
ہوش و خرد سے دُور ہر اک میگسار ہے

مطلع دوم

اے نورِ فکر اپنی تجلّی دکھا دے تو — آئینۂ خیالِ سخن میں جِلا دے تو
رُخ سے ذرا نقاب کا گوشہ ہٹا دے تو — محوِ لقائے عارضِ روشن بنا دے تو

امداد بھی ہو زمزمۂ المدد کے ساتھ
دریائے فکر جوش پہ ہو شدّ و مد کے ساتھ

عالم کے انقلاب کا حال آشکار ہے — ظاہر ہر ایک پہ گردشِ لیل و نہار ہے
ہر وقت تازہ کجروئ روزگار ہے — اس دہرِ بے ثبات کا کیا اعتبار ہے

گیتی کہ اوّلش عدم و آخرش فناست
در حقِ او گمانِ ثبات و بقا خطاست

ظاہر ہے ہر بشر پہ یہ دنیا ہے بے ثبات — قسمت سے اس سرا میں جو آیا ہے بے ثبات
انسان کی حیات کا رشتہ ہے بے ثبات — اس پردۂ طلسم کا نقشہ ہے بے ثبات

عالم کی بے ثباتی پہ گر غور کیجئے
جز کارہائے نیک نہ کچھ اور کیجئے

مرغانِ باغ کو کوئی دیکھے اگر ذرا — یادِ خدا میں وہ بھی ہیں مصروف جابجا
ہر صبح و شام کرتے ہیں نغمے ہزار ہا — اس نالہ و سرود کا کچھ تو ہے مدّعا

اُن کی نوا میں نغمۂ عرفاں بلند ہے
یعنی خدا کی یاد اُنھیں بھی پسند ہے

حاصل بشر کو سب پہ شرف علم سے ہوا
ناواقفِ خودی ہے وہ بے علم جو رہا
ہے روشنئِ علم سے ہر چیز میں ضیا
بیشک فروغِ علم میں ہے جلوۂ خدا
تحصیلِ علم حاصلِ دنیاؤ دیں ہے خوب
یہ نسخہ بہرِ فرحتِ روحِ حزیں ہے خوب

ہوتا نہ علم آدمی میں گر تو کچھ نہ تھا
بے رنگ و بُو جو ہوتا گُلِ تر تو کچھ نہ تھا
آئینہ میں جو ہوتے نہ جوہر تو کچھ نہ تھا
صنّاعیاں نہ کرتا سکندر تو کچھ نہ تھا
وا علم ہی سے عقدۂ روئے زمیں ہے آج
جو اہلِ علم ہے مہ رفعت قریں ہے آج

جاہل جو ہے فدائے جہانِ خراب ہے
شیدائے عیش و نغمۂ و چنگ و رباب ہے
ساقی ہے جام مے ہے شب ماہتاب ہے
شوقِ شراب ناب ہے جوشِ شباب ہے
بھولا ہوا ہے حالتِ محنت سرائے دہر
رہتا ہے جان و دل سے اسیرِ بلائے دہر

خود بینیٔ و نفاق و کدورت سے کام ہے
کبر و ریاؤ بغض کا دل سے غلام ہے
فکرِ مئے نشاط میں کیفِ مدام ہے
ذکرِ سرود و رقص اُسے صبح و شام ہے
مجروح سینہ اسکا ہے خارِ نفاق سے
واقف ہو کیا وہ بوئے گل اتفاق سے

اے ساکنانِ دہر تمھیں کچھ خبر بھی ہے
کیوں جانبِ عدم کبھی کرنا سفر بھی ہے
کچھ خوفِ کردگار ہے کچھ تمکو ڈر بھی ہے
کیفیّتِ حیاتِ بشر پہ نظر بھی ہے
سرمایۂ سفر تمھیں رکھنا ضرور ہے

جاگو کہ منزل عدم آباد دُور ہے

یارب یہ ذاتِ پاک تیری بے نیاز ہے
سب سرخرو ہیں تو ہی فقط سرفراز ہے
روئے جہاں پہ بابِ کرم تیرا باز ہے
تو حامیٔ انام ہے تو کارساز ہے

شاہا درِ تو قبلۂ شاہانِ عالم است
گردوں ترا مسخّر و گیتی مسلّم است

وا ہے درِ قبول ہو دستِ دعا بلند
لو مانگو آج حضرتِ شاکرؔ جو ہو پسند
فریاد کیجئے کہ ہے دردِ جگر دوچند
وہ نسخہ مانگئے کہ نہایت ہو سودمند

وہ نسخہ جس سے یہ دلِ مجروح پاک ہو
وہ نسخہ جس سے جان و تن و روح پاک ہو

پروردگار مجھکو عطا اپنی چاہ کر
آمرزگار مجھکو نہ اب یوں تباہ کر
رحمت شعار رحم کی مجھ پر نگاہ کر
اے کردگار عفو تو میرے گناہ کر

ہر لحظہ جان و دل سے تیری یاد میں رہوں
ہوں اس روش سے گلشنِ ایجاد میں رہوں

ولہ

کیفیت گاندھی آشرم بمقام سابرمتی احمد آباد

یہ آشرم ہے کہ ہے کوئی گلشنِ بہار
نثار جسپہ ہے ہر ایک مثل بلبل زار
وہاں میں پہونچا تو دیکھی عجیب کیفیت
کہ چپے چپے پہ بس شانتی کے تھے آثار
بہت تھے ایسے جو کرتے تھے کام چرخے کا
ہر ایک کمرے میں بیٹھے ہوئے ہو جائے قطار
بہت تھے ایسے جو بنتے تھے کپڑا کھادی کا
کچھ ایسے بھی تھے جو تھے کیف علم میں سرشار
جو دیکھے آشرم انسان تو یہ کہے لاریب
کہ اسکی غیرت جنت ہے ہر در و دیوار
پھر اسکے بعد زیارت ہوئی نصیب اُسکی
ہے جسکے نام پہ ہر ایک جان و دل سے نثار

اُسی کے لطف سے ہر ناتواں توانا ہے　　اسی کے فیض سے ہر دم ہے آشرم میں بہار
اسی کے ذات سے ہے اوپکار عالم کا　　اُسی کے نام پہ نازاں ہے ہر صغار و کبار
اُسی نے لوگوں کے پاؤں کی بیڑیاں کاٹیں　　اُسی نے سبکو سکھائی زمانہ کی رفتار
جو علم کا ہے سمندر جو عقل کا ہے جہاز　　رفاہِ عام کی جسکے ہے گرمیٔ بازار
دقیقہ سنج و فہیم و عقیل و دانشمند　　فرشتہ سیرت و علاّمۂ بلند وقار
طبیبِ دردِ غریباں مہاتما گاندھی　　حبیبِ طبع پریشان و خاطرِ بیزار
زباں پہ بار خدایا یہ کس کا نام آیا　　کہ میرے نطق نے بوسے لئے زباں کے ہزار
ہے سکہ اُسکی لیاقت کا ہند میں رائج　　نہ مانے جو اُسے وہ جانے۔ آپ ہے مختار
جو خاک چاند پہ ڈالو تو اُسکا کیا بگڑے　　وہی چمک رہے اوسمیں وہی رہے انوار
کہے جو مشک کو مٹی تو ہے اُسیکا قصور　　کہ مشک چھپ نہیں سکتا اُسے چھپاؤ ہزار
جو وصف ہیں کہ ممدوح میں ہیں کس میں　　خدا کی دین میں کیونکر کسی کو ہو انکار
مزاج ایسا ہو۔ دل ایسا ہو دماغ ایسا　　فلاح ایسا۔ طبیعت ہو ایسی ایسا شعار
نمونہ ہیں یہ شرافت کا اور لیاقت کا　　نہ بھولے وہ کبھی اُنکو جو دیکھ لے اکبار
مزاج میں نہ تعصب نہ تمکنت نہ بدی　　دماغ میں نہ تکبّر نہ دل میں کوئی غبار
یہ خود ہی دارو و دردِ غمِ غریباں ہیں　　زبانِ حال سے کہتا ہوں اُنسے میں ہر بار
مرض بہ بیں و سبب جُو و خود معالجہ کن　　طبیب کیست فلاطوں اگر شود بیمار
نہیں ہے خدمتِ ملکی سے بڑھکے کوئی کام　　یہ کام جس نے کیا سبکا ہے وہی سردار
یہ کام وہ ہے کہ ہر سمت دھوم ہے اُسکی　　یہ کام وہ ہے کہ ہر جا ہے اُس کا عزّ و وقار
یہ کام وہ ہے کہ پیرو ہیں سیکڑوں اُسکے　　کہ ہے ترقی ملکی کا اُسپہ دار و مدار

شام۔ پنڈت شیام کشن اوکھل صاحب دہلوی

کوئی مفتوں چشمِ سرگیں ہے　　کوئی مرغوب چشمِ خشمگیں ہے

دکھادے مجھکو اُسکا جلد دیدار کہاں وہ نازنیں پردہ نشیں ہے
جہاں تاریک نظروں میں ہے اپنی یہ چھپا یارب کہاں وہ مہ جبیں ہے
یہاں ہے دلکو میرے بیقراری خدا جانے وہ کس کا ہمنشیں ہے

اس عاصی شاؔم نے سر ہے جھکایا
کھینچی دیکھی جو تیری تیغ کیں ہے

شایاں۔ پنڈت پیم نرائن صاحب خلف پنڈت رام نرائن صاحب متوطن دہلی۔

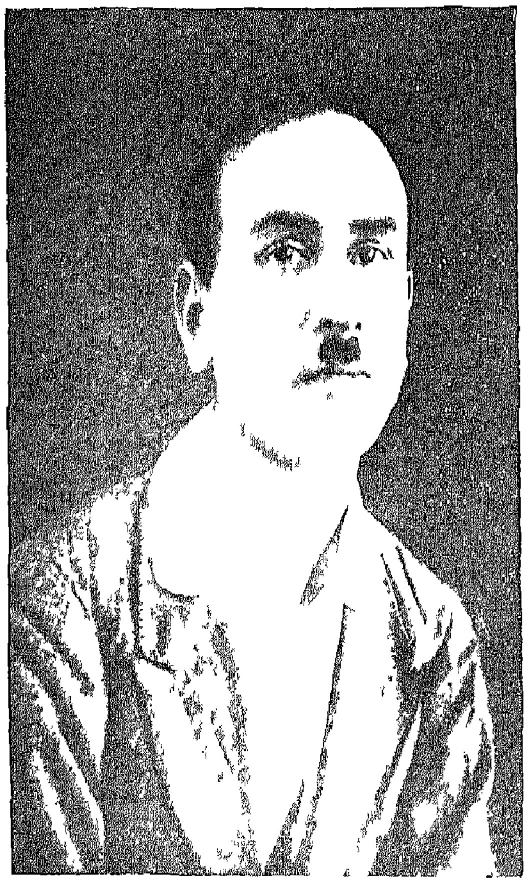
۱۸۸۹ء کے قریب آپ مہوبا ضلع ہمیر پور میں منصف تھے۔ اور زیادہ حالات معلوم نہو سکے۔

قائل نہیں میں دیدۂ پرنم کے سامنے طوفان نوح اگلے زمانے کی بات ہے

شایق۔ پنڈت راجندر پرشاد اٹل صاحب خلف پنڈت شارکا پرشاد اٹل صاحب آپ سکریٹری بزم سخن لاہور رہ چکے ہیں اور حبّ قوم کے دلدادہ ہیں خطاب بہ کشمیری پنڈتان

آئیں میدانِ عمل میں نوجوانانِ وطن مژدۂ حبّ وطن ہے سرفروشانِ وطن
خلد کب ہے ہمسرِ شانِ گلستانِ وطن ورجہا اس سے تو بہتر ہے بیابانِ وطن
کب ہیں کرتے نوش جامِ بادۂ الفت کو چھوڑ بادۂ تسنیم و کوثر بادہ نوشانِ وطن
درد جس دلمیں نہیں وہ دل نہیں ہے سنگ ہے آؤ سب مل جل کے ڈھونڈیں دردِ درمانِ وطن
وادیٔ کشمیر تھا یہ واقعی باغِ بہشت طائرانِ قدس تھے واں حور و غلمانِ وطن
انقلابِ دہر سے یہ ہو رہی ہے پائمال دل پریشاں ہے کہ مٹ جائے نہ سب شانِ وطن

محض تقریروں ہی تقریروں پہ ابتک ناز ہے
نغمۂ دلکش ہے شغل ناشنیدہ دمسازہے



پنڈت راجیندر پرشاد اٹل - شایق

ہم نشینوں کے دلوں پر داغ ہجراں چھوڑ کر — ہم غریبانِ وطن آئے گلستاں چھوڑ کر
اُٹھ گئی پردہ نشینی خندہ زن اغیار ہیں — خوش ہوئے طرزِ کہن کو پردہ داراں چھوڑ کر
ہو چکی فصل بہاری آگیا دورِ خزاں — خاک میں گل مل گئے بلبل کا داماں چھوڑ کر
وائے بر حالِ دلِ بیگانۂ حُبِّ وطن — چل دیا دنیا سے جو عشرت کے ساماں چھوڑ کر
سچ کہا ہے واقعی قسمت سے کس کا زور ہے — ورنہ کیوں آتا سکندر آبِ حیواں چھوڑ کر
اے بشر گر چشمِ بینا ہے تو کر افعال نیک — راستی پر آئے گا تو راہِ عصیاں چھوڑ کر

غور کر حالت پہ اپنی اب نہ تو انجان بن
چھوڑ کر حیوانیت آغوش میں انسان بن

گوشۂ دل میں لئے صدہا عداوت کے خیال — ہم اگر جیتے ہیں پھر یہ قوم کیوں رسوا نہو
قوم کا دیکھیں تماشا آپ ہی جب اہلِ قوم — کب یہ ممکن ہے کہ ہم پر خندہ زن دنیا نہو
مجلسِ تخفیفِ اخراجات و اصلاحِ رسوم — ہیچ ہیں گر چارہ گر خود ہی عمل پیرا نہو
بہرِ تقلیدِ عوام الناسِ کرتا یم مثال — قوم کی خدمت سے لا پرواہ تو اصلا نہو
قوم کے سرکردگاں کا ہے یہ فرضِ اولیں — کیوں کریں وہ فعل جو انسان کو زیبا نہو
صاحبِ توفیق کھلائے کا وہ ہے مستحق — خود نمائی خودستائی کا جسے سودا نہو
چھوڑ دے خود غرضیاں گر صاحبِ ادراک ہے — گردش پر غور اپنی تو کہیں بھولا نہو

یہ نمودِ ظاہری تو یاد رکھ بے سُود ہے
تیرا فرضِ منصبی تو قوم کی بہبود ہے

بڑھتے بڑھتے گو بنا ہے چودھویں کا چاند تو — گھٹتے گھٹتے ایک دن رہ جائے گا مثلِ خیال
اے جوانِ قوم ہمت کر کہ اب بھی وقت ہے — یہ تکاہل اور تساہل چھوڑ دے اے خوش خصال
قوم جو خود ہو کمر بستہ بتخریبِ رسوم — لازمی کیونکر نہ ہو دنیا میں پھر اسکا زوال
طاقِ نسیاں پر دھری ہے اپنی تہذیبِ کہن — بک گئے فیشن کے ہاتھوں سیکھ کر مغرب کی چال

یہ زمانہ کی روش ہے پھیر ہے تقدیر کا
گر اثر الٹا ہو اتحریر کا تقریر کا

رہن رکھئے گھر کو باقی اب یہی تدبیر ہے — لڑکیاں دو اور ہیں اور بِک چکی جاگیر ہے
چال چلتا ہے امیروں کی عبث ناداں ہے تو — جانتے ہیں خوب ہم کتنی تیری توقیر ہے
جھونپڑی والوں کو بھی آنے لگے محلوں کے خواب — خاک آخر خاک ہے اکسیر پھر اکسیر ہے
تاگڑی سونے کی ہے اک منھوں کا چوچلا — اُن کو زر گر پروری کا شوق دامنگیر ہے
شکوۂ تقدیر کیا گر نہیں حسنِ عمل — غور سے دیکھے اگر تو اپنی ہی تقصیر ہے
خرچ پر سسرال والوں کے ولایت میں پڑے ہیں — کیوں نہ جورو سے ڈریں یہ اُسکی ہی تاثیر ہے

دام لڑکوں کے چکانے ہیں غلامی کے لئے
پیٹتے ہیں سر کو پھر وہ نیک نامی کے لئے

خامۂ فولاد کا سینہ بھی ابتو چاک ہے — لب پہ بیکاری کی ہے وہ داستاں رقّت بھری
سر پہ ہو بجلی کا پنکھا جاکے کرسی پر ڈٹیں — نوکری تعلیم مغرب کی ہے اک جا دوگری
صنعت و حرفت تجارت سے کشیدہ ہیں تمام — اسطرح کیا خاک ہوسکتی ہے قومی بہتری
خوش خور و خوش پوش و خوش گفتار خوش رفتار ہیں — یہ خرامِ ناز گویا صورت کبکِ دری
یہ بزرگوں کی کمائی کب تلک کھائیں گے آپ — ساتھ دے گی کب تلک دنیا میں دولت کی پری
آؤ میدانِ عمل میں گر ہے دردِ قوم کچھ — ورنہ کیا حاصل نہ کیجے مفت یوں دردِ سری

سادگی سے زندگی کو کیجئے شایان بسر
صنعت و حرفت تجارت سے کما کر سیم و زر

نظم ذیل بتاریخ ۲۵ر دسمبر ۱۹۲۶ء سالانہ اجلاس کشمیری پنڈت ایسوایشن لاہور میں پڑھی گئی تھی۔

تمنّا ہے کہ اپنی قوم کی حالت سنوار دیں — اسی خدمت میں عہد زندگی اپنا گذار دیں

فلاح قوم ہو اک صرف جائز اپنی دولت کا
میسر گر یہ ہو ۔ ہیچ سمجھوں گنج قاروں میں

فقیر قوم بنکر بھی تو نگر قوم کو کر دوں
پھروں خالی نہ اُس در سے جہاں جھولی پسار دوں

مری ناکامیاں امید افزا ہوں نہ مانے میں
طبیعت میں وہ استقلال ہو ہمت نہ ہاروں میں

چھڑیں سو نغمۂ حب وطن ہر تار دامن سے
مدد کو دست وحشت جذب لے جب پکاروں میں

چھپے پوچھو بنا نا ہال کا کچھ بھی نہیں مشکل
سخن کی گرمی کو آج شیشہ میں اُتاروں میں

میں سمجھوں داد کی جا گیر مجھکو ملگئی شایق
اگر اہل وطن کے جذبۂ دلکو اُبھاروں میں

گھٹے جب جوش دریا جوں قمر دل میرا گھٹ جائے
بڑھوں بڑھکر بڑھاؤں حوصلے کایا پلٹ جائے

شعلہ ۔ پنڈت امرناتھ صاحب بخشی لکھنوی خلف پنڈت تا رام صاحب

آپکا نواب سبحان علی خاں کنبوہ کی سرکار سے تعلق تھا اور طبع رسا اور فکر سلیم رکھتے تھے ۔ آپ کے فارسی کلام سے آپ کی کہنہ مشقی صاف ظاہر ہے ۔

برقیست دیدہ سوز ۔ رخش ۔ لیک دیدنی است
زلفش ۔ سیہ بلاست ۔ ولیکن کشیدنی است

یاران بفکر بخیۂ و مرہم فتادہ اند
دیں سینہ ام ہنوز رصد جا دریدنی است

شعلہ بفکر کوش کہ غیر از وصال دوست
پیوند الفت از ہمہ عالم دریدنی است

خوں ست دل از صدمۂ جاں کوب حنا را
آساں نہ بود بوسہ زدن آں کف پا را

دامن زمن امروز گرفتم کہ کشیدی
اے برزدہ دامن چہ کنی روز جزا را

وادی بہ بتاں شعلہ دل صاف چہ کردی
افسوس کہ آئینہ زدی بر سر خارا

شعلہ گر آہ جہاں سوز کشم معذورم
چہ کنم آہ چہ سازم جگر و جانم سوخت

تا سر بام قفس رخصت پرواز م نیست
رشک آزادی مرغان گلستانم سوخت

باز خود را ہدف ناوک یارے کردی
آفریں اے دل پُر درد چہ کارے کردی

بیا اے شورشِ سودائے گلرویاں کہ از عمرے   گریبانے بہ رسوائی دریدن آرزو دارم
زبس جا آتشِ ہجراں سر و کارم بود شعلہ   سپند آسا ز دل آہے کشیدن آرزو دارم

دریا دلوں میں سمجھا بشر کوئی کم ہوا   چشموں سے میری جو گرا قطرہ وہ یم ہوا
طاقت ہے کیا جو میں کہوں مجھپر ستم ہوا   ہاتھوں سے تیرے جو ہوا ظالم وہ کرم ہوا
میں شاہ ملکِ عشق ہوں مرنے کے بعد بھی   قطعہ   اس دبدبہ سے راہیِ ملکِ عدم ہوا
تابوت میرا تخت ہوا چتر سائباں   اور اشک و آہ و نالہ کا خیل و خدم ہوا

اللہ نے جسدم گلِ سیراب بنایا   بلبل کو بھی سرگرم تپ و تاب بنایا
دریائے محبت میں ڈبانیکو دلوں کے   چاہِ ذقنِ یار کو گرداب بنایا

پھر کل کو کہا یار نے آیا نہ ادھر آج   کرنا ہے جو کچھ کل تجھے اے مرگ سو کر آج
ہر نقشِ قدم دشت میں ہے خاک بسر آج   دنیا سے کس آوارہ کا ہوتا ہے سفر آج
اے ابر جدا کشتیِ گردوں سے نہونا   کچھ جوش پر آتے ہیں نظر دیدۂ تر آج

پروانہ نے جان شمع پہ دی بزم میں شعلہ
غیرت ہے اگر آ قدمِ یار پہ مر آج

غبارِ راہ ہیں پرائے ہوائے عالمِ بالا   ولہ   فلک پر ایکدن پہونچینگے ہم اس خاکساری سے
تھے نہ سیماب ہوس نے طلا زر گر کے ہم   کیا سمجھکر چرخ نے ہم کو ملایا خاک میں
جلوۂ گلزارِ ابراہیم آتا ہے نظر   باغباں پھول ایکدو رکھدے قفس کے چاک میں
جان دی شعلہ نے حسن سبز سے پرہیز کر   ولہ   حق میں اس بیمار کے پرہیز کرنا سم ہوا

شمیم ۔ رائے بہادر پنڈت شیو نرائن صاحب رینہ ۔ خلف پنڈت اندر نرائن صاحب رینہ

رائے بہادر پنڈت شیو نرائن صاحب شمیم ادبیات اُردو کے مستند اہل قلم حضرات میں سے ایک چیدہ و برگزیدہ شخصیت ہیں۔



پنڈت شیو نراین رینہ۔ شمیمؔ

پنڈت صاحب کا خاندان آج سے پونے دو سو برس پیشتر کشمیر کو چھوڑکر دہلی پہونچا اور کچھ مدت وہاں قیام کرکے جے پور کی طرف روانہ ہوا آپ کے پردادا رائے دیا ندہان صاحب بڑے قابل و منتظم شخص تھے ریاست نے ان کی قدردانی کی اور انہیں مشیر مال کا عہدہ جلیلہ بخشا۔ لیکن سیاسی انقلاب کی آندھی نے اُنھیں چین سے بیٹھنے نہ دیا اور راج کے بدلتے ہی اُن کی جاگیر اور گاؤں وغیرہ سب ضبط ہوگئے۔ رائے دیا ندھان صاحب کے انتقال کے بعد ان کے بیٹے پنڈت جگت نرائن صاحب آگرہ آئے اور وہیں سکونت اختیار کی لیکن ۱۸۴۴ء میں آپ کے خاندان کو پنجاب کا سفر اختیار کرنا پڑا اسوقت پنڈت جگت نرائن صاحب کے بیٹے یعنی شمیم صاحب کے والد بزرگوار پنڈت اندر نرائن صاحب خورد سال تھے۔

پنڈت اندر نرائن کی شادی پنڈت گلاب رائے صاحب بخشی سکھ پلٹن کی دختر نیک اختر کے ساتھ ہوئی تھی اور چونکہ پنڈت گلاب رائے لاہور کے ساکن تھے اس لئے پنڈت اندر نرائن صاحب کی زوجۂ محترمہ اکثر لاہور رہا کرتی تھیں چنانچہ ۱۸۵۹ء میں شمیم صاحب لاہور میں پیدا ہوئے ۱۸۹۳ء سے ۱۹۰۵ء تک شمیم صاحب کا خاندان جالندھر میں رہا اس لئے آپ نے اپنی ابتدائی اور قانونی تعلیم وہیں حاصل کی اور انٹرینس کا امتحان پاس کرچکنے کے بعد لا کالج میں داخل ہوئے ۱۸۸۱ء میں بعد دو سال کی تعلیم کے آپ کو وکالت کا ڈپلوما مل گیا اور اسوقت سے ۱۹۰۵ء تک آپ جالندھر ہی میں وکالت کرتے رہے پیشہ وکالت میں پنڈت صاحب نے اپنی حیرت انگیز قابلیتوں کا ثبوت دیا اُسکے صلہ میں چیف جج سر آرتھر ریڈ کے زمانہ کی چیف کورٹ نے آپ کو وکیل کے بجائے ایڈوکیٹ کا رتبہ بخشا اور یہ فخر کی بات ہے کہ پنجاب میں سب سے پہلے وکیل آپ ہیں جو اپنی وکالت کے زمانہ میں ایڈوکیٹ بنائے گئے تھے اور پھر تھوڑے عرصہ کے بعد سر ولیم کلارک چیف جسٹس کی سفارش

آپ کو رائے بہادری کا خطاب ملا۔ شمیم صاحب نہ صرف ایک اعلیٰ پایہ کے قانون داں ہیں بلکہ علم ادب سے بھی خاص شوق رکھتے ہیں چنانچہ ایک طرف آپ قدیم مجلس وضع آئین کے رکن تھے تو دوسری طرف دار العلوم پنجاب کی مجلس کی رکنیت کو بھی آپ کی ذات سے اعزاز حاصل تھا علاوہ ازیں حکومت نے اکثر اوقات شمیم صاحب کی ذات میں ایک بے مثل منصف اور عدیم النظیر واضع قواعد بھی پایا ہے آپ مقدمات بغاوت کے سپیشل ٹریبیونل اور جماعت قواعد ساز عدالت العالیہ پنجاب کے رکن کی حیثیت سے ملک کی بیش بہا خدمت انجام دے چکے ہیں تحقیق و تفتیش تواریخ میں آپ کو جو خاص دلچسپی ہے اُسکے بارے میں ایک خاص بات قابل ذکر یہ ہے کہ آپ حال میں پنجاب ہسٹوریکل سوسائٹی کے صدر مقرر ہوئے ہیں اور اس طرح سرجان مینارڈ صاحب کے جانشین ہیں سرزمین پنجاب میں جناب شمیم صاحب اگر اکیلے نہیں تو اس زمانہ کے پہلے ہندو ضرور ہیں جو بدھ مذہب کے پیرو ہیں آپ جس کوٹھی میں رہتے ہیں اس کا نام آپ نے کپل وستو رکھا ہے بدھ مت کی تعلیمات و تلقینات پر آپ کو پورا پورا عبور حاصل ہے پنجاب کے اکثر علمی جلسوں میں آپ کو بدھ مت پر تقریر کرنے کی دعوتیں دیجاتی ہیں اور آپ نے اپنے خطبوں سے لوگوں کے دلوں میں مہاتما بدھ اور اُن کی عظمت کا سکہ بٹھایا ہے حال ہی میں آپ نے انگریزی زبان کی ایک کتاب کا ترجمہ بدھا اور اس کا مت کے نام سے شایع کیا ہے اور چونکہ اس کا مقصد ہندوستان والوں کو بدھ مت کی اصلیت سے واقف کرنا ہے اس لئے اہل ذوق حضرات کے مطالعہ کے لئے مفت نذر کرتے ہیں اس موقع پر شمیم صاحب کے تصویر خانہ کا ذکر کرنا بھی نہایت ضروری معلوم ہوتا ہے۔ اس نگار خانہ میں بدھ زمانہ کے متعدد مجسمے جو قدیم بت سازی کے نادر نمونے ہیں موجود ہیں بدھ مت کے متعلق کتب کا ذخیرہ بھی شمیم صاحب کے کتب خانہ میں قابل دید ہے پنڈت صاحب

موصوف فنون نفیسہ اور ادبیات لطیفہ کے شیدا بھی ہیں اس کا کچھ حال تو ناظرین کو تصویر خانہ کی تعریف ہی سے معلوم ہوگیا ہوگا۔ لیکن ابھی اسکے متعلق بہت کچھ کہنا باقی ہے مصوری و بُت سازی کے دلدادہ ہونے کے علاوہ آپ علم موسیقی اور فن شاعری کے ماہرین میں سے ہیں اردو علم ادب میں آپ کو مولانا محمد حسین صاحب آزاد کی شاگردی کا فخر حاصل ہے آپ اُردو زبان کے کہنہ مشق ناثر اور شاعر ہیں اور انگریزی میں بھی آپ کی انشا پردازی کچھ کم شہرت نہیں رکھتی اُردو اور انگریزی زبان کے چوٹی کے رسائل آپ کے مضامین نظم و نثر کو بڑے فخر سے شایع کرتے ہیں ایام شباب میں آپ نے سیکڑوں عشقیہ غزلیات لکھیں اور مشاعروں میں پڑھیں لیکن اب طبیعت اس طرف راغب نہیں ابھی حال میں ایک مشاعرہ کی دعوتِ شرکت کے جواب میں آپ نے آتش کا یہ مصرعہ لکھکر معذرت کی۔

ع یہ باتیں ہیں جب کی کہ آتش جوان تھا

آپ کے کئی ناول شایع ہوکر مقبول ہوچکے ہیں جن میں چاند

ایم۔اے بناکے کیوں میری مٹی خراب کی

وغیرہ خاص طور پر مشہور ہیں چاند کا ترجمہ گجراتی زبان میں بھی شایع ہوا ہے علم موسیقی کے متعلق آپ کا ایک رسالہ انگریزی زبان میں خاص طور پر مقبول ہوا ہے اور موسیقی کانفرنس میں آپنے جو خطبہ صدارت پڑھا ہے وہ اس موضوع پر ہمارے ادب میں بہت کچھ اضافہ کرتا ہے یہ وہ نامور شخص ہے جو آج پنجاب میں باوجود اپنی امارت کے سادگی کی زندگی بسر کر رہا ہے اور شہرت و ناموری کی خواہشات سے بالاتر ہوکر گو سیاسیات میں دلچسپی نہیں لیتا مگر اپنی زندگی کا بیش قیمت وقت دیگر ہزاروں طریقوں سے ملک کی فلاح و بہبود میں صرف کر رہا ہے۔ آپ کا ایک مشہور اور لاثانی شعر جو صبح کشمیر کے سرورق پر درج ہوتا ہے آپکی حبِ قوم کا نمونہ ہے۔ وہ یہ ہے۔

شمیمؔ قومی عروج و پستی کے سارے ساماں ہیں اپنے بس میں
کریگی وہ قوم کیا ترقی جو خود نہ بدلے گی اپنی رسمیں

مرنیکا مرے جاکے کسی نے جو کیا ذکر کہنے لگے ہاں آئی ہے ہمکو بھی خبر آج
دل کھول کے بس آج تو پی لو مئے گلگوں ساقی نے دیا کھول ہے میخانہ کا در آج

زمانے کی رفتار اک رہنما ہے چلو اُس طرف کو جدھر کی ہوا ہے
لئے جاؤ چندے دئے جاؤ چندے سمجھ لو یہ حُبِّ وطن کی سزا ہے
کتابیں ہوں نیچے کتابیں ہوں اوپر یہی اندنوں زندگی کا مزا ہے
ہنگاتے رہو اشتہاری دوائیں کہ اخباروں کا بس یہی آسرا ہے
جتاتے رہو خدمتِ ملک ہردم بہانہ یہ یاروں کو اچھا ملا ہے
شمیمؔ ایسی باتیں نہ ہرگز کہو تم
سنبھالو زباں اب زمانہ بُرا ہے

پنڈت شنبھوناتھ صاحب تکرو لکھنوی

شبنم بگل افتادہ بیتاب است دل ما آتش تہ آب است و کباب است دل ما

پنڈت شو درشن کول صاحب ساکن سرینگر کشمیر

مستزاد

پیر ہست کہ موے ہمہ گشت سفید در فکرت جاں غم نیست کہ دارم ز کرم باز امید از جان جہاں
گر جامہ کہن شود غمگیں منشیں جان بے خلل است گر طفل گے پیر و جوان گشت چہ درد ور زماں

شوخ۔ برجموہن ناتھ سکھیا صاحب خلف پنڈت دوارکا پرشاد صاحب برادر خورد پنڈت کامتا پرشاد سکھیا صاحب مسرور

شوخ فی الحقیقت شوخ طبع تھے لیکن افسوس ہے کہ عمر نے بیوفائی کی اور آپ تیئس[۲۳] سال کی عمر میں جواں مرگ ہوئے۔



پنڈت برج کشور زتشی ۔ شورؔ

تاریخ طبع دیوان جناب مسرور

کاستا پرشاد صاحب قبلہ ام صاحب علم و ہنر فہم و ذکا
دے چکے ترتیب جب دیوان کو غیب سے اُسوقت آئی یہ صدا
شوخ لکھدو تم بھی سالِ اختتام یادرہ جائے زمانہ میں سدا
سُنکے یہ ارشاد ہاتف شوخ نے باغ خوش تاریخ لکھدی برملا
سال ہجری کی ہوئی جب دل کو فکر یہ ندا آئی کہ رنگیں نظم ہا ۱۹۰۹ء
شوخ اپنے دل سے لکھ تاریخ اور نظم دلکش پُر ز معنی دلربا ۱۳۲۶ھ

۱۹۶۶
۱۹۶۶

تاریخ طبع باغات مسرور

مرتب جب ہوا باغات مسرور ہوا مشہور اُس کا نام نامی
یہ سنکر شوخ نے کچلا قدم سے سرِ اعدا پئے خوش انتظامی
ہوئی تاریخ پوری سال سمبت کہا جب "مخزنِ شیریں کلامی"

۱۹۶۶ = ۱۳۶۶ + ۶۰۰

شور- پنڈت موہن کشن صاحب لکھنوی

جو طلب تجنے کیا ہمنے دیا بے تکرار دل کو دل اور نہ کلیجے کو کلیجا سمجھا

شور- پنڈت برجکشور زتشی صاحب خلف پنڈت رادھے ناتھ زتشی صاحب-

آپ کرنل پنڈت کیلاس نرائن ہاکسر سی- ایس- آئی- کے پھوپھی زاد بھائی ہیں- بیشتر آپ کا تخلص ذکا تھا- ۳۵ سال کی عمر تک کا جسقدر آپکا کلام تھا وہ تلف ہوگیا- اُس کے بعد آپ نے اپنا تخلص شور پسند کیا- آپ بتاریخ ۷ راکتوبر ۱۸۶۱ء بمقام دہلی پیدا ہوئے- ۱۴ سال کی عمر تک فارسی پڑھی اور ۲۱ سال کی عمر تک انگریزی تحصیل کی

۱۶ر جون ۱۸۸۸ء کو ریاست گوالیار میں اہلمدی عدالت سشن ججی پر تقرری ہوئی بعد ایکے نائب تحصیلداری کے عہدے پر ترقی پائی۔ تقریباً آٹھ سال اسسٹنٹ نائب دیوان مال ریاست گوالیار بمشاہرہ تین سو روپیہ ماہوار رہکر ۱۹۱۹ء میں بعد ملازمت ۳۱ سال آپ مستفید بہ پنشن ہوئے اس کے بعد تقریباً عرصہ تین سال تک آپ ایک ریاست واقع مدراس پریسیڈنسی میں منیجر بمشاہرہ چارصد ماہوار رہے۔ بوجہ ناموافقت آب وہوا مستعفی ہوکر اوڑیسہ بہار میں بعہدۂ منیجری ریاست کیرو سونت دوسال تک ممتاز رہے وہاں کی مرطوب آب وہوا بھی آپ کو ناموافق ہوئی اور مجبوراً مستعفی ہوکر قیام پنجاب کو آپ نے پسند کیا اور اب بمقام جنید جنکشن آپ مقام پذیر ہیں۔

کیست آں فتنہ نظر تیر زناں میگذرد ۔۔۔ چیست آں تیر کہ از شہپر جاں میگذرد
کیست آں فتنہ کہ نامش ز زباں میگذرد ۔۔۔ چیست آں نام کہ از شرح بیاں میگذرد
عالم حسن طلسمی است کہ در دور فراق ۔۔۔ ہر کہ درباخت بہ بازی ز جہاں میگذرد
جنس جاں بر سر بازار وفا ارزاں ہست ۔۔۔ غم غباریست کہ در چشم گراں میگذرد
بر سر پردۂ ناز تو شدم پردہ سرا ۔۔۔ مہر ورزیدن دل قہر بہ جاں میگذرد
دم چراغیست کہ در بزم وفا سوختہ ام ۔۔۔ آفریں باد بر آں کس کہ ز جاں میگذرد
ہمچناں یاد تو در خاطر من بود کہ ہست ۔۔۔ ہمچناں ذکر تو بر نوک زباں میگذرد
ما ہمائیم و ہماں عشق و ہماں دل یارم ۔۔۔ بر سر ناز عنایت نہ چناں میگذرد
ابر بر صنعت تقدیر چو من می نالد ۔۔۔ پا بزنجیر فنا عمر رواں میگذرد

دیگر

از ما جدا ز طعنۂ اغیار بودۂ ۔۔۔ چوں گل بسنگ ز کاوش ہر خار بودۂ
خونم حلال نیز حرام است در حدیث ۔۔۔ تو بیگنہ بہ جانِ گنہگار بودۂ
کشتی دگر نگاہ نہ کردی بہ حالِ من ۔۔۔ آں کار کردۂ کہ تو بیکار بودۂ

بیتابی ام ز درد گواہی نمیدہد — با ایں نیاز محرم اسرار بودۂ
در جذبہ ہائے عشق ندیدم تأمل خویش — سر دادہ ام بہ جنگ تو سردار بودۂ
حسنِ تو در خروش و نگاہِ تو مے فروش — نورِ چراغ جلوۂ دیدار بودۂ
زیبا تر از نگاری و رعنا تر از بہار — وین چشم مست کیست کہ بیدار بودۂ
خوا ہم زسوگواریِ جانم نشاں دہد — از بختِ خفتہ ام چہ طلب گار بودۂ
خوابِ عدم فراغتِ دنیا ہمیں بس است — اے شور از چہ منتظرِ یار بودۂ

دیگر

نے کافرم نہ رندم نے صوفیم نہ زاہد — ایمائے بت پرستی ایماں شد است ما را
در فکرِ زلف بودم و آمد خیالِ خال — داغِ دگر رسید دلِ داغدار را
نظر ز چشمِ تو گر بے حجاب برخیزد — چو زاہدے کہ ز بزمِ شراب برخیزد
سرِ دنبالہ دارد سرمۂ جادو نگاہے را — نصیبِ خانہ از مورے بود مار سیاہے را
خیالِ زلفِ شمع روز رنگم میبرد زردی — سیاہی میکند تفسیر در شب نور ماہے را
دلے دارد فراخ آنکس نوازد ناسپاساں را — نگہدارد زمیں در خاک تخمِ برگ گیاہے را

ولہ

وقتِ گل آمد صلائے میزند جوش بہار — ابرِ رحمت آفریدِ از آب کوثر آبشار
عاشقِ صادق نہ بیند از دیت شرمندگی — دامنِ چاکِ گل آمد خوں بہائے عندلیب
جذبہ دل بیں کہ چوں صیاد بلبل را برد — میرود کو گل تر بر قفائے عندلیب
می نشیند و دود از پا شعلہ چوں سر میکشد — باز آخر از چہ باشد ہا ہائے عندلیب
شاخ گل یک جادۂ پر خار باشد پا بہ گل — پے نیابد بر دایں رہ جز بہ پائے عندلیب

ولہ

بیا بیا کہ ہنوز م بہ سینہ جاں باقی است — ہزار حسرتِ آں تیر و آں کماں باقیست
بدیں بہانہ بیارش پہ صیدم اے دربان — ہنوز باغ تو دیدم یکے آشیاں باقیست
چو آتشے کہ بہ خاکسترے نہاں ماند — غبار گشتم و داغ تو ہمچناں باقیست

ولہ

شرحِ سودائے تو از گریۂ زارم پیداست — موجِ دریائے غم از ابرِ بہارم پیداست

سوختم خاک شدم گردِ بتاں گردیدم
بالِ پروازِ دل از مشتِ غبارم پیداست

وله

حجابِ چشمِ نظرباز پردهٔ راز است
ترا چہ مدعی از حالِ عاشقاں خبراست

وله

تغافل شیوهٔ رندانهٔ کیست
نگاهِ آشنا بیگانهٔ کیست

طلوع گردید ماهِ نوجنوں شد
نگاهِ گرمِ من دیوانهٔ کیست

سبق از تربتِ عاشق بگیرید
خموشی لذتِ افسانهٔ کیست

نگہہ از چشمِ من لغزیده آید
شہیدِ جلوهٔ مستانهٔ کیست

خندهٔ گل انتخابے دیگراست
ہر سوالے را جوابِ دیگراست

سوختن جانرا کبابے دیگراست
خونِ دل خوردن شرابِ دیگراست

وله

اگر در سلکِ تحریر آورم قربانیِ دلہا
نویسم تہ بسم اللہ خوانم تہ بسمل ہا

خراش از خارِ غم گلدستہ بند داغِ مجنوں شد
کہ لیلیٰ داشت چشمِ منتظر بر چاکِ محمل ہا

ز ضربِ شورِ آواز ہم گسستہ تارِ انفاسم
کہ گویا میزند مضرابِ منقارِ عنادلہا

وله

خندهٔ گل موشگافِ رازِ پنہاں کسی است
بوئے سنبل شرحِ احوالِ پریشانِ کسے است

شاخِ گل با غنچہ از خاکِ شہیداں سرزد
بر سرِ تربت زخوں آلوده پیکانِ کسے است

وله

سوالِ ما و جوابِ تو دیده باد انند
بہ کارِ خویش چو دیوانہ ہوشیارانند

وله

دم کشم - دم در کشیدم یک دم آه
از فغاں دم تنگنائے میدہد

وله

آئینہ رو گرفتی و آئینہ خو مباش
دل صاف کن زیاده حسابِ حیا مکن

وله

چشم و جبینِ نازنیں سرچشمۂ جاں آفریں
از موجِ چیں بر آستیں صد فتنہ برپا کردهٔ

نازت ہزار داستاں زلفِ پریشاں چیستاں
حسنت طلسمِ جاں ستاں روے سوادا کردهٔ

وله

خال بر عارضش یکے زلفِ سیاه فام دو
از پئے صیدِ مرغِ دل دانہ یکے و دام دو

نمی آید بجز در خوں طپیدن
بساطِ مرغِ بسمل پر فشانی

ز نظر حجاب داری ز فلک حجاب دارم
تو درونِ خانہ باشی و ز در بروں نیائی



پنڈت پرتھی ناتھ صاحب۔ شوق

ادھر شوقِ شہادت ہے اُدھر خنجر بکف قاتل
مدد اے سخت جانی آج سہرا تیرے سر ہوگا

میں کیا قاصد لکھوں خط میں فراقِ یار کا مضموں
عبارت طول ہوگی حرفِ مطلب مختصر ہوگا

جلے گا شورؔ وہ بھی جیسے میں جلتا ہوں حسرت میں
جو بعد از مرگ میری خاک سے پیدا شجر ہوگا

ولہ

پرسش روزِ جزا پر عذر خواہی میں نے کی
کاتبِ اعمال نے دفتر کا دفتر رکھدیا

ولہ

وہ بزمِ عاشقاں میں مسکرا کر مجھسے کہتے ہیں
نظر میں فرق ہے آنکھوں پہ پردا ہو نہیں سکتا

ولہ

قدر انساں کی ہوا کرتی ہے مرجانیکے بعد
پھول سے پیدا ثمر ہوتا ہے مرجھانیکے بعد

زینتِ دنیا وہی ہے اہلِ محفل وہ نہیں
پھول بکھرے پھرتے ہیں لوگوں کے اُٹھ جانیکے بعد

روز کے صدموں سے بنتا ہے فرشتہ آدمی
مورتیں بنتی ہیں چوٹیں سیکڑوں کھانیکے بعد

آپ کی نیچی نگاہیں کچھ تو کہتی ہیں ضرور
فرق آتا ہے نظر میں دل میں فرق آنیکے بعد

ولہ

ہمارا دم اُکھڑتا ہے وہ دم غیروں کا بھرتے ہیں
بُرا ہو ایسے جینے کا نہ جیتے ہیں نہ مرتے ہیں

ولہ

لے چلی دل کی خلش جانبِ صحرا مجھکو
آنکھ دکھلائے گا کیا پاؤں کا چھالا مجھکو

دیکھ لی تیغ نے جوہر میں قضا کی پیری
چھوڑا قاتل نے دمِ ذبح تڑپتا مجھکو

ساتھ آئے تھے رفاقت کو اسی دن کے لئے
چلدئے ہوش و خرد چھوڑ کے تنہا مجھکو

کشتۂ حیرتِ دیدار ہوں لب پر دم ہے
میں عکسِ غم دیدۂ ہجراں مری صورت غم ہے

بیقراری مجھے کیوں کرتی ہے رسوا دلکو
رات کیا رونیکو اے دیدۂ گریاں کم ہے

دیکھ لو تیغ کشا ابروِ خمدار کا لطف
منتِ قتل سے مقتول کی گردن خم ہے

شوقؔ ۔ پنڈت پرتھی ناتھ صاحب عرف صاحب خلف پنڈت نرنجن ناتھ صاحب ۔ مشتاقؔ دہلوی متوطن الہ آباد ۔ آپ ۱۸۹۳ء میں بمقام الہ آباد پیدا ہوئے تھے ۔ آپ نے انگریزی تعلیم گورنمنٹ ہائی اسکول و مشن ہائی اسکول الہ آباد میں پائی اور فارسی گھر پر زیر نگرانی جناب صاحب دہلوی جو آپ کے دادا تھے تحصیل کی ۔ مذاقِ سخن آپ کو صغر سنی ہی سے تھا ۔ کلام ذیل سے آپ کی چلبلی طبیعت کا اندازہ ہوتا ہے ۔

کرچکے طے انتہائی مرحلے تدبیر کے — اب رہے باقی کرشمے دیکھنے تقدیر کے
کر سکا قائم نہ کوئی صحنِ عالم میں مثال — وہم کو کھینچا کیا نقشے تیری تصویر کے
کھینچ لائی اُنکو یاں تک جنکو تھا آنے میں عار — حوصلے دیکھے تو کوئی آہ دامن گیر کے
دل کے خاطر کھو چکے صبر و تحمل عقل و ہوش — رہ گئے نالے سو وہ ہیں منتظر تاثیر کے
ہوں گنہگارِ محبت ہے یہی کیا کم گناہ — کیا ضرورت عذر وہ ڈھونڈیں میری تعزیر کے

بزمِ بسمل میں تھا مشکل پھر بھی رنگیں شوق نے
اس زمیں پر گُل کھلائے فیض سے شبیر کے

قفس تک کھینچ لائے جو گلوں کو بے اثر ہوکر — خدا جانے وہ نالے کیا کرینگے با اثر ہوکر
برائے فاتحہ آتے ہیں جو وہ آج مرقد پر — ہماری بیکسی تربت سے پہونچی کیا خبر ہوکر
کسی کا کیا بھروسہ جاکے اُس سے کچھ کا کچھ کہدے — پیام اپنا لئے جاتا ہے دل پیغامبر ہوکر
بتائے کون کیا گذری عدم کے جانیوالوں پر — کوئی لوٹا نہیں اُس قافلہ کا ہم سفر ہوکر
یہ مانا آسماں کو اپنے سیاروں سے زینت ہے — چمکتے ہیں زمیں پر یہ حسیں رشکِ قمر ہوکر

دُرِ مضموں لٹاؤ شوق چلکر بزمِ گلشن میں
کہ سرسبز و شریکِ بزم ہیں اہلِ نظر ہوکر

حسرت نکالنی ہے دلِ بیقرار کو — ہاں چھیڑتا ترانۂ غم اس ستار کو
چوٹی میں اُس نے اپنی جو گوندھا ہے ہار کو — باندھا ہے پیچ زلف میں گویا بہار کو
آتے ہیں سب نظر، نظر آتا وہ کیوں نہیں — پھرتی ہیں آنکھیں ڈھونڈھتی دیدارِ یار کو
ہستی کا ہوش آتے ہی مخمور ہوگیا — لایا ہوں ساتھ اپنے ازل سے خمار کو
مٹ کر بھی میں جہاں میں رہا صورتِ غبار — ارماں تھا دل سے وہ نہ نکالے غبار کو
بھولا نہیں سماں تھا گل پر وہ ہنس پڑا — یاد اپنی کر کے ہستی ناپائدار کو
ہیں جملہ طائرانِ چمن کیوں فدائے گُل — اتنی سی بات پر ہے کھٹک گل سے خار کو

عالم پہ بے ثباتیِ دنیا ہو آشکار — وہ اپنے ہی مٹاتا ہے نقش ونگار کو
مُنہ اسقدر لگی ہے کہ سر چڑھ گئی ہے مے — سودا اُسی پری کا ہے مجھ بادہ خوار کو

دیگر

پھرے اُداس آج گلِ بوستاں کے ہیں — یہ سوگوار آمدِ فصلِ خزاں کے ہیں
وہ مُسکرا کے اور گراتے ہیں بجلیاں — مجھ دل جلے کو تھوڑے ستم آسمان کے ہیں
قیدِ قفس ہوئے ہوسِ گل میں ورنہ ہم — صیاد۔ رہنے والے کسی آشیاں کے ہیں
آئے ہیں بیخودی میں نہیں یاد ہے وطن — پھر کسطرح بتائیں تمھیں ہم کہاں کے ہیں

دیگر

صرف اتنا شکوۂ بیداد کر لیتا ہوں میں — دل جو گھبرایا کبھی فریاد کر لیتا ہوں میں
فی زمانہ گو کہ ہیں سب پچھلی باتیں خواب سی — ہاتھوں بڑھ جاتا ہے دل جب یاد کر لیتا ہوں میں
اس زمانے میں نہیں گذری کسی کی ایک سی — یوں دلاسا دیکے دلکو شاد کر لیتا ہوں میں
تڑپ نصیب ہوئی سوزشِ نہاں سے ہمیں — وفورِ غم میں تسلّی ملی فغاں سے ہمیں
یہ چار تنکے ہی بس کائنات اپنی ہیں — قفس میں ڈال نہ صیاد آشیاں سے ہمیں
جہاں میں آتو گئے ہیں مگر نہیں معلوم — حیات لائی ہے اس دور میں کہاں سے ہمیں

دیگر

یہ مانا زلفِ پیچاں میں پھنسا دل کب نکلتا ہے — نکلتا ہے تو لیکر ساتھ اپنے دم نکلتا ہے
تعجب کیا جو زیرِ بام ہے خلقت تماشائی — ہلالِ عید کے نظارہ کو عالم نکلتا ہے
ہوئے زخمِ جگر ناسور آئے دن کی چھیڑوں نے — یہ اشکِ خوں ہے جو دل سے مرے پیہم نکلتا ہے

دیگر

بسمل اپنے دل کو ہونا تھا وہ بسمل ہو گیا — مفت گردن پر مری احسان قاتل ہو گیا
یہ بھی اک ادنیٰ کراماتِ فسونِ حسن تھی — قطرۂ خوں پر نظر اُسکی پڑی دل ہو گیا
حسن کے اعجاز سے یہ منزلت دل کو ملی — اب تو میرا دل بھی دل کہنے کے قابل ہو گیا
نا امیدی یاس کو لیکر جو آئی سامنے — جوشِ الفت دردِ دل اُٹھکر مقابل ہو گیا
آبرو راہِ وفا میں تھی اگر جاں سے عزیز — خوں لگا کر کیوں شہیدوں میں تو شامل ہو گیا
نزع میں آئے جو بالیں پر نگاہوں نے کہا — اب تو تمکو امتیازِ حق و باطل ہو گیا

کیا ہوا راہ وفا میں شوق نے گر جان دی
مدعائے زندگی جو تھا وہ حاصل ہوگیا

نکہت گل صبا جو لائی ہے — مژدہ لیکر بہار آئی ہے
سال نو ہے نئے ترانے ہیں — زور پر پھر طبیعت آئی ہے
میرا جوشش جنوں جو بڑھنے لگا — لوگ سمجھے بہار آئی ہے
خندہ زن گل ہوے کھلی کلیاں — دل میں کیا جانے کیا سمائی ہے
بلبلو عشق گل مبارک ہو — پھر چمن میں بہار آئی ہے
ہے گلوں کا نکھار پر جوبن — منظرِ شانِ کبریائی ہے
جاں بتوں پر نثار کر بیٹھے — خوب دعوئے پارسائی ہے
موت آئی ہے کیسے جانے دوں — یہی اک عمر کی کمائی ہے
اُنسے کرتے رہے امید وفا — جن کا شیوہ ہی بیوفائی ہے

دیگر

کافر عشق تھا دل دین سے خبردار نہ تھا — جز صنم اور کسی شئے کا پرستار نہ تھا
دل تو دل پاؤں بھی تھے اُسکی زمیں سے مانوس — جب چلا اُٹھ کے قدم مائلِ رفتار نہ تھا
قول کی یاد دلائی تو لگے یہ کہنے — عشق کی حوصلہ افزائی تھی اقرار نہ تھا

دیگر

مایوسیاں ہیں میں ہوں ضبطِ غم نہاں ہے — جو سن سکے نہ کوئی وہ میری داستاں ہے
پا مالیوں نے کھویا گور و کفن کا احساں — مُشتِ غبار اپنا آسودۂ جہاں ہے

دیگر

جو تیر ادھر آتا وہ تیر ادا ہوتا — پھر ٹیس وہی اُٹھتی پھر زخم ہرا ہوتا
چُپ جور ترے سہتے اُف تک نہ کبھی کرتے — ہم تم سے بھلے رہتے گر دل نہ بُرا ہوتا
قسّام ازل تو نے انسان کے پہلو میں — جو چاہے دیا ہوتا یہ دل نہ دیا ہوتا

دیگر

مجمع یاس کو لیکر شب غم آئی ہے — بھیڑ کی بھیڑ ہے تنہائی کی تنہائی ہے
ضبط کرتا ہوں تو آتا ہے کلیجہ منہ کو — آہ کرتا ہوں تو اس شوخ کی رسوائی ہے

راہ میں پیچ جو پڑتے ہیں تیری الفت کے
لوگ کہتے ہیں کسی زلف کا سودائی ہے
مضطرب قلب جگر لب پہ ہے فریاد و فغاں
آج کسکی دلِ ناداں تجھے یاد آئی ہے
گریہ آجائے سمجھ میں تو رہے کیا پردہ
کون بازیچۂ دنیا کا تماشائی ہے

نور کا تڑکا

ایک عالم کو وجد آتا ہے
تُو جو صورت ذرا دکھاتا ہے
تجھ سے ظلمت میں نور ہوتا ہے
اہلِ دل کو سرور ہوتا ہے
زمزمے بلبلیں سناتی ہیں
راگ کیا کیا سرویں گاتی ہیں
گل و بلبل پیار کرتے ہیں
دل کا افشائے راز کرتے ہیں
ہر شجر جھومتا ہے مستی سے
بے خبر ہو کے اپنی ہستی سے
دُرِ شبنم نثار ہوتا ہے
تیری صورت پہ وار ہوتا ہے
چھوٹ کر زلفِ شب کے پھندے سے
لوگ لگتے ہیں اپنے دھندے سے
کوئی گنگا کنارے جاتا ہے
وصفِ وحدت کے گیت گاتا ہے
کوئی موقع تلاش کرتا ہے
جستجوئے معاش کرتا ہے
چوٹیاں کوہ کی سنواری ہیں
برف کی نہریں تجھ سے جاری ہیں
دل لبھاتا ہے مہ جبیں بنکر
ورقِ عارضِ حسیں بنکر
تیری گردش کو اک زمانہ ہے
مختصر زیست کا فسانہ ہے
بابِ امید میرا وا کر دے
تو اگر چاہے تو خدا کر دے
کاش مجھ شوق خستہ دل کی سُنے
نہ سنے میری میرے دل کی سنے

دیگر

کر چکے طے انتہائی مرحلے تدبیر کے
اب رہے باقی کرشمے دیکھنے تقدیر کے
جب مٹا دیسے خیالِ قیدِ آزادی تو پھر
خود بخود کٹنے لگے حلقے مری زنجیر کے
کھینچ لائی اونکو یاں تک جنکو تھا آنیمیں عار
حوصلے دیکھے تو کوئی آہ دامنگیر کے

بے کھینچے کرتی ہے گھائل جو دل عشاق کو — دیکھنے ہیں آج جوہر ایسی ایک شمشیر کے

کر سکا قائم نکوئی صحن عالم میں مثال — وہم گو کھینچا کیا نقشے تیری تصویر کے

ہوں گنہگار محبت کم نہیں ہے یہ گناہ — کیا ضرورت عذر وہ ڈھونڈیں مری تقصیر کے

بزم سخن میں تھا مشکل پھر بھی رنگیں شوق نے — اس زمیں پر گل کھلا کے فیض سے شبیر کے

دیگر

آشیاں ہمنے قفس میں جو کبھی یاد کیا — کیا برا تیرا اتبا اے مرے صیاد کیا

کیوں نیا روز ستم اے ستم ایجاد کیا — ہمنے کب نالہ کیا شکوۂ بیداد کیا

پھول اپنے ہیں کلی اپنی ہے سبزہ اپنا — کیا خطا کی ہے جو پھر ہمنے چمن یاد کیا

دل ہے پابند وفا اس سے نہیں کچھ مطلب — غیر نے شاد کیا یا اُسے ناشاد کیا

واقعی اہل وفا وہ ہے جہاں میں جس نے — شوق نذرانۂ سر خنجر جلاد کیا

رباعی

شاعر ہوں دماغ رنگ و بو رکھتا ہوں — بے بادہ کشی کیف سرور رکھتا ہوں

میں شوق ہوں مذہب سے مرا ترک رسوم — آزاد ہوں آزادی کی خو رکھتا ہوں

حبِ وطن

ترا ہی نام زمانہ میں سب سے پیارا ہے — تو دل کا نور ہے آنکھوں کا میری تارا ہے

کوئی ملا نہ زمانہ کو چھان ڈالا ہے — جسے یہ کہہ سکیں ہم تیرے۔ تو ہمارا ہے

جہاں میں جنکی ریاضت وطن پرستی ہے

انھیں کی زندگی ہے اور انہیں کی ہستی ہے

چلے خلاف اگر اب بھی راہ فطرت کے — سمجھ سکے نہ اشارے اصول قدرت کے

رہے نفاق اگر یوں ہی اہل ملت کے — تو پھر عبث ہیں گلے اور شکوے قسمت کے

وطن کے نام کو تم خیرباد کہہ دینا

اور اپنی قوم کو تم نامراد کہہ دینا

قرار دلکو نہیں بیکسی کا عالم ہے	وطن میں خون تمنا کا اپنی ماتم ہے
زمانہ ہنستا ہے ہم پر ہمارا سر خم ہے	جواب دیں بھی تو کیا دیں کہ ہم میں کیا دم ہے

ہمارے دل میں جو الفت کی شمع جل جائے
تو جلد بادِ مخالف کا رخ بدل جائے

پھنائی ہند کو بڑی دغا کے ہاتھوں نے	اسیر مل کے کیا ہمکو بد صفاتوں نے
تمام کام کیا انکی کوری باتوں نے	دیا فریب بھی کیسا بلا کی گھاتوں نے

جو اب بھی رازِ حقیقت سمجھ میں آ جائے
تو جلد رنگ زمانہ پہ اپنا چھا جائے

نہ گلو نے مزیں تو پھر چمن کیا ہے	نہ گائے راگ وطن کا تو وہ دہن کیا ہے
چلے نہ راہ وفا پر تو پھر چلن کیا ہے	ترے رفیق کو اندیشۂ محن کیا ہے

وفا کی راہ میں آسن جمائے بیٹھے ہیں
تیرے ہی نام پہ دھونی رمائے بیٹھے ہیں

وفائے شوق جو دل بیقرار ہو جائے	تو جلد ختم حدِ انتظار ہو جائے
ہراس کیا ہے جو وہ جاں نثار ہو جائے	وطن کا ڈوبتا بیڑا ابھی پار ہو جائے

جہاں میں کام وہ کر جاؤ آن رہ جائے
جو مٹ بھی جاؤ تو مٹنے کی شان رہ جائے

شوق۔ پنڈت رگھوناتھ صاحب

آپ کے مزید حالات دریافت نہو سکے۔ صرف ایک شعر مندرجۂ ذیل کشمیر درپن ۱۱ اپریل ۱۹۰۵ء میں نظر سے گذرا۔

وا اژدوں نا امید از رحمتِ حق میشود	نیست امکان آب دریا پر کند جامِ شراب

شوق۔ پنڈت دولت رائے نبیرۂ راجہ بھولا ناتھ صاحب تلامذۂ واجد علی شاہ۔

ترکم چو کمر بستہ و تیغ آختہ برخاست — مریخ ز بیمش سپر انداختہ برخاست
وحشت بُرد م آہ دراں دشت کہ یکدم — پیشش آمد و بہ نشست و جگر باختہ برخاست
بادیدۂ گریاں بہ ہوائے رخ او شوق — بہ نشست بہر دشت و چمن ساختہ برخاست

ولہ

زندۂ جاوید مارا کردۂ — اے اجل کارِ مسیحا کردۂ
نقدِ جان دادی بہائے بوسۂ — شوق امشب طرفہ سودا کردۂ

شوق۔ پنڈت جگموہن ناتھ رینہ خلف پنڈت وشوشیونا تھ صاحب عرف لسوجی رینہ آپ کا سال پیدائش جولائی ۱۸۶۳ء اور مقام ولادت اندور ہے۔

آپ کے خاندان کا تعلق ریاست جاورہ سے تین پشت تک رہا۔ جسونت راؤ ہلکر بہادر والیِ اندور کے ساتھ نواب میرخاں صاحب و نواب غفور خاں صاحب نے پنجاب کی لڑائیوں میں داد شجاعت حاصل کی تھی اور جب امن و امان قائم ہوگیا تو نواب غفور خاں صاحب کو سات آٹھ لاکھ آمدنی سالانہ کا علاقہ عطا ہوا اور نواب صاحب مغفور نے جاورہ کو اپنا پایۂ حکومت قرار دیا۔ اُسوقت پنڈت صاحب کے جدامجد پنڈت شیونا تھ صاحب دیواں ریاست کے عہدہ پر سرفراز کئے گئے اور آپ کے دادا پنڈت ہرنرائن رینہ صاحب عہدہ وکالت ریاست پر بحضور ایجنٹ گورنر جنرل بہادر سنٹرل انڈیا بمقام ریزیڈنسی اندور ممتاز ہوے۔ بعد انتقال پنڈت ہرنرائن صاحب وہی عہدہ شوق کے والد بزرگوار پنڈت وشو یشور ناتھ صاحب کو عطا کیا گیا۔ شوق کے خسر پنڈت رتن لال شیوپوری صاحب ممالک متحدہ آگرہ میں بعہدہ سب ججی ممتاز رہے اور چونکہ سر آکلنڈ کالون لفٹنٹ گورنر ممالک متحدہ پنڈت صاحب موصوف کے سرپرست و مربی تھے اسوجہ سے آکلنڈ



پنڈت جگموہن ناتھ رینہ۔ شوق

کالوں ممدوح نے ۱۸۹۰ء میں پنڈت جگموہن ناتھ صاحب کو پروبیشنری ڈپٹی کلکٹر مقرر فرمایا۔ پنڈت صاحب نے تیرہ اضلاع آگرہ و اودھ میں جس نیکنامی اور ہر دلعزیزی کے ساتھ اپنی خدمات کو انجام دیا ہے وہاں کے رعایا و رؤسا ابتک آپ کو یاد کرتے ہیں۔ آپ آخر ۱۹۲۰ء میں بعد ختم ملازمت سی سالہ مستفید پنشن ہوئے اور فی الحال الہ آباد میں اپنے سب سے چھوٹے لڑکے مدنموہن ناتھ رینہ ایم۔اے۔ ایل ایل۔بی ایڈوکیٹ کے پاس مقیم ہیں۔ آپ کا بڑا لڑکا منموہن ناتھ بی۔اے۔ ایل ٹی سرشتہ تعلیم میں بمقام بہرائچ اسسٹنٹ ماسٹر ہے اور منجھلا لڑکا چندر موہن ناتھ خاص باندہ میں تحصیلدار ہے اولاً شوق کو اُستاد مسلم الثبوت منشی امیر مینائی مرحوم لکھنوی سے شرف تلمذ حاصل تھا اور بعد وفات حضرت امیر مینائی آپ اُستاد ماہر فن مولانا سید محمد نوح شہیر مچھلی شہری مرحوم ومغفور سے مشورہ سخن کرتے تھے۔

کیا کہوں کیوں اُس بتِ بیرحم کا شیدا کیا | ایخدا جو کچھ کیا تو نے بہت اچھا کیا
آفریں بیداد گر تو نے سلوک اچھا کیا | دلکو مسلا اور پھینکا۔ اور جو چاہا کیا
میں تو اُس سے اِک دلِ مظلوم ہی مانگا کیا | کاتب روز ازل کیا جانے کیا لکھا کیا
چشم گریاں تو ہماری اشک ہی پیتی رہیں | رنگ رخ نے رازِ دل اُوڑا اُڑ کے سب افشا کیا
حضرت دل کا بھلا ہو لیجئے پھر شوق نے | بیٹھے بیٹھے اک نیا دردِ جگر پیدا کیا

ولہ

روح کا تن سے نکل کر وہ جدا ہو جانا | آج ثابت ہوا ہستی کا فنا ہو جانا
چارہ سازو نے کہو فکر مداوا نکریں | درد کا حد سے گذرنا ہے دوا ہو جانا غالب
باوفائی تو خطا ایسی تھی پھر بھی حضور | اسقدر دشمنِ اربابِ وفا ہو جانا ؍؍
طوفِ کعبہ ہو کہ ہو سیر صنم خانۂ عشق | چشم کو چاہئے ہر رنگ میں وا ہو جانا ؍؍
یہ تو سیکھے کوئی اشکوں نے ہمارے ہمدم | روتے روتے غمِ فرقت میں فنا ہو جانا ؍؍
دیر میں اپنی خودی سے یہ گذر جاتے ہیں | ان بتوں ہی کو کچھ آتا ہے خدا ہو جانا

بس اک چٹکی نمک کی ٹیس بڑھجانے میں رکھدینا — دہانِ زخم پر خنجر نہ تڑپانے میں رکھ دینا
نہ انکو توڑنا ساقی۔ نہ ویرانے میں رکھدینا — یہ شیشے جتنے خالی ہیں پریخانے میں رکھدینا
ہجومِ شوقِ نظارہ سے نیچی ہوئی یہ نظریں — کہیں شمشیر دیکھو تم نہ گھبرانے میں رکھدینا
بوقتِ امتحاں آدل رہے کچھ پاس خودداری — کہیں سرپاے قاتل پر نہ گھبرانے میں رکھدینا
بڑی سودائی دل سے دیکھنا ہشیار تم رہنا — کبھی اُسکو نہ بھولے سے پریخانے میں رکھدینا
عجب کیا ہے جو صورت دل بہلنے کی نکل آئے — بتِ پرفن کی اک تصویر بتخانہ میں رکھدینا
ازل سے پہلے قسامِ ازل ملتا تو میں کہتا — ذراسی وحشتِ دل اور دیوانے میں رکھدینا

ولہ

دل میں آج آئی ستمگار یہ کیا — مجھسے ہمدردی کا اظہار۔ یہ کیا
اب تو سنتا ہی نہیں دل کچھ بھی — کہدیا کرتا ہے سرکار۔ یہ کیا
سچ کہو دلمیں تمہارے کیا ہے — لغزشیں ہیں دمِ اقرار۔ یہ کیا
سخت جاں بھی تو نہیں میں ایسا — دم چرانے لگی تلوار۔ یہ کیا
لاکھ منت سے تو لائے اُن کو — خامشی اب لبِ اظہار۔ یہ کیا
کل تھا زاہد کو بتوں سے پرہیز — آج تسبیح میں زنّار۔ یہ کیا
جی میں آئے تو سنیں اُسکی حضور — عرض کرتا ہے گنہگار۔ یہ کیا
شوق اُٹھو بھی کہاں بیٹھ رہے — دو قدم ہے درِ دلدار۔ یہ کیا

ولہ

دل چورانا نظر نہیں آتا — لے کے جانا نظر نہیں آتا
ہم یہ کیسے کہیں کہ دل تو گیا — اس کا جانا نظر نہیں آتا
میکدہ چھوڑتے تو چھوڑ دیا — اب ٹھکانا۔ نظر۔ نہیں آتا
کسی حیلے اجل نہیں ٹلتی — کچھ بہانا۔ نظر نہیں آتا
نقشِ ہستی مٹا رہا ہے کوئی — یہ مٹانا نظر نہیں آتا
شوق کس رنگ میں ہو تم ڈوبے — کیا زمانا نظر نہیں آتا

ولہ

دلسے پوچھو کیا ہوا تھا اور کیوں خاموش تھا
آنکھ محوِ دید تھی اتنا ب مجھے بس ہوش تھا

محفلِ ساقی میں تھا کچھ اور ہی مستوں کا رنگ
کوئی ساغر ڈھونڈتا تھا اور کوئی مدہوش تھا

بیخودی سے نشۂ جامِ خودی اُترا تو پھر
ایک ہی ساغر ملا ایسا کہ میں مدہوش تھا

کسقدر تھا اشتیاقِ منزلِ مقصود اُسے
مرنے والے کا جنازہ آج دوشادوش تھا

غنچے کیوں خاموش آئے گلشنِ ہستی میں شوق
موسمِ گل سے مگر خوفِ خزاں ہمدوش تھا

ولہ

میں حیراں ہوں کہ پٹی کیوں بندھی تھی چشمِ گرماں
جگر کو رات بھر روتے کٹی ہے قلبِ سوزاں پر

دلِ گستاخ ہی کو میں نے پہلو میں نہیں رکھا
چلو بس ہو چکا تم خاک ڈالو اُس کے ارماں پر

جراحت ہائے دلسے کیا کہوں کچھ بن نہیں پڑتی
نظر ہر بار پڑتی ہے ترے خالی نمکداں پر

یہ حالت ہے مری دستِ جنوں کی جوشِ وحشت میں
کبھی پڑتا ہے دامن پر۔ کبھی چاکِ گریباں پر

کہیں ایسا نہو تم کھینچکر دل سے جُدا کر دو
مدارِ زندگی ہے بس تمہارے ایک پیکاں پر

جگر مجروح۔ آہِ آتشیں لب پر۔ تپک دل میں
نظر پڑتی ہے کس کسکی ہمارے ساز و ساماں پر

بتوں کے آگے سجدہ کرتے کس نے شوق کو دیکھا
ارے توبہ یہ تہمت۔ اور اک مردِ مسلماں پر

ولہ

ترچھی نظریں جو پڑیں مجھپر رگِ جاں ہوگئیں
اور وہ دلکش ادائیں دلکا درماں ہوگئیں

دلفریبی ہائے حسنِ یار اک نظارہ تھا
آئیں جب پیشِ نظر وہ بھی پریشاں ہوگئیں

حسرتیں کہتی تھیں کیونکر پاؤں پھیلائینگے ہم
وُسعتِ دلکو جو دیکھا وہ بھی حیراں ہوگئیں

جن شکایتہائے پنہاں سے یہ لب واقف نہ تھے
چشمِ خوں آلود سے آخر نمایاں ہوگئیں

خیریت تھی آہیں جب تک سینہ میں محفوظ تھیں
گوشۂ دلسے وہ جب نکلیں پریشاں ہوگئیں

میں ازل سے پوجتا ہوں ان بتانِ دیر کو
اُسنے جو باتیں ہوئیں وہ جزوِ ایماں ہوگئیں

ولہ

دُکھڑے یہ آج سنئے کسی بے زباں کے ہیں
کچھ ٹکڑے اُسکی بھولی ہوئی داستاں کے ہیں

محرومیٔ نصیب کو لیجائیں اب کہاں
آخر گدا تو ہم بھی ترے آستاں کے ہیں

سب پوچھتے ہیں شہرِ خموشاں میں کون ہو
حیراں ہیں۔ کیا بتائیں۔ مسافر کہاں کے ہیں

مدفن پہ پھول دیکھکے آنسو ٹپک پڑے
کس سے یہ پوچھنے کہ یہ کس بوستاں کے ہیں

زینت انہیں سے دامن صد پارہ کی ہے شوق
دھبّے یہ ڈالے سب قطرۂ خونچکاں کے ہیں

ولہ

کسی کا بخت خوابیدہ ہوں پامالِ جفا میں ہوں
کسی حسرت بھرے دل کی اک آہِ نارسا میں ہوں

حقیقت اپنی ہستی کی بتاؤں ہائے کیا تمکو
کفِ معشوق کا اڑتا ہوا رنگِ حنا میں ہوں

بیان نالۂ دل ہے کہ بانگ بے نوا میں ہوں
نہیں گو کچھ مگر سازِ شکستہ کی صدا میں ہوں

دلِ ناشاد کو میں اُنکے کوچہ سے اُٹھا لاتا
مگر اے شوق مجبوری ہے پابندِ وفا میں ہوں

میں صد ہا بھیس میں آیا گیا ہوں
نکالا اور پھر لایا گیا ہوں

وہ بزمِ قدس تھی خالی ز اغیار
جہاں سے حیف اُٹھوایا گیا ہوں

دوہائی ساقیا تیری دوہائی
خبر لینا۔ میں بہکایا گیا ہوں

چڑھا ہے نشۂ ایجادِ ہستی
عدم سے بیخبر لایا گیا ہوں

میں حیراں ہوں کہ جاؤں یا نجاؤں
اجل کہتی ہے۔ بلوایا گیا ہوں

رہا جب مدتوں دیر و حرم میں
سمجھ آئی کہ بہکایا گیا ہوں

کسی کے جلوۂ مستانہ سے شوق
نہ یہ کہنا کہ بہکایا گیا ہوں

ولہ

عرض کرینگے حال دل پردۂ غم کے ساز میں
عشق کے راز کا بیاں اُن سے کرینگے راز میں

آئے ہیں در پہ دور سے ہم ہیں گدائے بینوا
سن لے تو عرض ناتواں درد بھرے نیاز میں

سننے لگے ہو جی سے اب دردِ جگر کا ماجرا
سچ کہو کیا مزہ ملا نالۂ دل گداز میں

دیر و حرم کو جائے کون کعبہ سے ہے غرض کسے
دیکھیں گے ہم جمالِ یار سجدۂ بانیاز میں

جاں بری مریض غم کچھ نہ دوا سے ہو سکی
بے اثری ملی رہی محنت چارہ ساز میں

جلتی ہے شمع بزم میں گل ہے چمن میں خندہ زن
دونوں ہوئے ہیں بہرہ ور عشق کے سوز و ساز میں

شوق درِ بتاں پہ آپ مدتوں جبہہ سا رہے
سر نہ جھکایا کوئی دن سجدۂ بے نیاز میں

ولہ

اللہ کے گھر کو جانے والو
ہو شرم گنہ تو منہ چھپالو



پنڈت بشمبر ناتھ صاحب

پہچان لو اپنے عاشقوں کو
نادان بنکر نظر نہ ڈالو

سوتے سوتے تو صبح کردی
کھوئی ہوئی راہ چلنے والو

یہ لخت جگر ہیں قطرہ اشک
گر جائیں نہ خاک پر۔ سنبھالو

دلکا ہمراز ہوگیا ہے
پیکاں کو نہ سینہ سے نکالو

دل ہی تو ہے کچھ مچل گیا تھا
جو کچھ ہوا اُسپہ خاک ڈالو

کیا چین سے سوتے ہو تہِ خاک
محشر ہے اٹھو سونے والو

رستہ تو اُدھر کا پوچھ لیتے
اے ملک عدم کے جانے والو

ہم بھی تو سنیں تمھیں ہوا کیا
اے بیخودو کچھ تو بولو چالو

ولہ

اے ضعف توڑ سکتے جو تنکوں کے تار کو
ہم روک لیتے گریۂ بے اختیار کو

مدفن یہی نہ ہو کسی ناکام کا حضور
پاس آکے دیکھ لیجئے سنگ مزار کو

لے شوق دید چشم بصیرت سے کام اگر
بے پردہ خود نقاب کرے حسن یار کو

لے دیکے ابتو ایک ہی ہمدم ہے میرے پاس
بھڑکا نہ دیجئے کا دل پُر شرار کو

یہ کچھ نپوچھ کون ہے اور اُسکو کیا ہوا
اے خاک گور لیلے غریب الدیار کو

چلنے لگے عدم سے تو کچھ آگیا خیال
لے آئے ساتھ ہستی ناپائدار کو

دیکھیں نظر بھی پڑتی ہے اُسپر کبھی شوق
بیٹھے ہیں ہم لئے دل اُمید وار کو

ولہ

سمجھتے ہیں جو خطِ جام کو تحریر میخانہ
لب ساغر سے سنتے ہیں وہی تقریر میخانہ

بڑھی دیر و حرم سے رندو نکلیں توقیر میخانہ
بنا مے نوشوں کا معبد۔ زہے تقدیر میخانہ

نہیں ہے ذکر حق سے خالی ہو حق بادہ نوشوں کی
صدائے نعرۂ مستانہ ہے تکبیر میخانہ

گنہ سرزد جو ہو پینے میں وہ ہے عفو کے قابل
سزاوار سزا ہوتی نہیں تقصیر میخانہ

پڑی ہیں پاؤں میں مستوں کے موج مے کی زنجیریں
اسیر بیخودی سب ہیں یہ ہے تعزیر میخانہ

عروج نشہ میں کون و مکاں کی سیر کرتے ہیں
ہماری آنکھوں میں ہے جلوۂ تصویر میخانہ

شکستِ توبہ کی بنیاد تا برسوں ہے قائم   ہماری خاک ہوگی شاملِ تعمیرِ میخانہ
اُٹھولے شوق اب تُم کرچکے ہو خُم کے خُم خالی   تمہاری کوئی ملکیت نہیں جاگیرِ میخانہ

ولہ

مجھ میں باقی ہی اب رہا کیا ہے   دیکھئے مرضیِ خدا کیا ہے
تیرا جادو بھی اب نہیں چلتا   چشمِ پرفن تجھے ہوا کیا ہے
اے طبیبو تمھیں خدا کی قسم   سچ بتا دو کہ ماجرا کیا ہے
میں خطاوار ہی سہی لیکن   سن تو لو پہلے ماجرا کیا ہے
دیر و کعبہ میں کس کا چرچا تھا   تونے آخر وہاں سنا کیا ہے
لبِ زخمِ جگر تو ہنستے ہیں   تونے اے بخیہ گر سیا کیا ہے
آپ سے دل اگر نہیں بھلا   اس میں میری بھلا خطا کیا ہے
کیوں یہ چُپ چُپ گئے عدم والے   یا الٰہی یہ ماجرا کیا ہے   غالب

ولہ

نیند اے چارہ گر نہیں آتی   شام سے تا سحر نہیں آتی
ایک اک غش میں ناتوانی سے   سانس دو دو پہر نہیں آتی
ہاں نہیں ہے فقط۔ جوابِ سوال   اتنی سی بات کر نہیں آتی
مے یہ کیسی پلائی ساقی نے   بیخودی کی خبر نہیں آتی
ایک ہچکی میں کام ہو جاتا   وہ بھی اب تا سحر نہیں آتی
پھر تسکینِ دل کوئی تدبیر   تجھکو اے چارہ گر نہیں آتی
کیا کھٹک اب بھی دل میں رہتی ہے   نیند کیوں رات بھر نہیں آتی   غالب
جاکے بتخانہ میں بھی دیکھ لیا   کوئی صورت نظر نہیں آتی

ولہ

کچھ کچھ تشفیِ دلِ نالاں کئے ہوئے   وہ جارہے ہیں مجھپہ یہ احساں کئے ہوئے

سیرِ چمن کو آئے تو یہ تازہ گُل کھلا   جاتے ہیں بوئے گُل کو پریشاں کئے ہوئے

اب دلکو خوف ہے کہیں اُف نکل نہ جائے — گھبرا گیا ہے درد کو پنہاں کئے ہوئے
اے چرخ تجکو آہ سے میں نے بچا لیا — تو نے مگر بھلا دے احساں کئے ہوئے
کل تک مجھے تھا عزّت و ناموس کا خیال — بیٹھا ہوں آج چاک گریباں کئے ہوئے
پھر میکدہ کو لے ہی چلا شوقِ مے کشی — توبہ کو آج اپنی پشیماں کئے ہوئے
خلوت میں آئینہ سے جو گذری کسے خبر — نکلے مگر ہیں اُسکو وہ حیراں کئے ہوئے
لو دستکش ہوئے وہ جور و ستم سے آج — خود ہی جفا کو اپنی پشیماں کئے ہوئے
اس شوق بت پرست کو دیکھو تو کیا ہوا — ساتھ اپنے لیگئے وہ مسلماں کئے ہوئے

جاں گسل دردِ جگر خون رولاتا ہے مجھے — اب تو کچھ رنگ دگرگوں نظر آتا ہے مجھے
میری ہستی کی حقیقت یہ ہے اُس کے آگے — ہو نہیں اک حرف وہ لکھ لکھ کے مٹاتا ہے مجھے
بیکسی کشتۂ الفت کی نہ پوچھ اے ظالم — اب تو دیوار کا سایہ بھی دباتا ہے مجھے
تابِ رفتار نہیں منزلِ مقصود ہے دور — جذبۂ شوق ہے کھینچے لئے جاتا ہے مجھے
کاش ہو جاتا یہ دل رازِ نہاں سے واقف — کوئی تو ہے پسِ پردہ جو بلاتا ہے مجھے
دونوں کے قصّے ادھورے ہی رہے جاتے ہیں — دل کو میں اپنی تو وہ اپنی سناتا ہے مجھے
طوفِ کعبہ سے جو بتخانہ کو اُٹھتے ہیں قدم — دیر میں اور تماشا نظر آتا ہے مجھے
شوق کیا خوابِ گراں کی ہو گرانی معلوم — تھپکیاں دے کے زمانہ تو سولاتا ہے مجھے

ولہ

مستِ ازل سب جمع ہوئے ہیں لاؤ ہو کچھ کام چلے — ساقی کو ہاں پاس بٹھا کر یارو دورِ جام چلے
دلکو ہمنے اپنا جانا ہمسے خطا یہ فاش ہوئی ہے — دھوکا جو دے وقت پہ ہمکو۔ ایسے سے کیا کام چلے
بلبلو اب تو قیدِ قفس ہے۔ دیکھئے کب تک چھٹنا ہو — تمکو مبارک سیرِ گلشن۔ ہم تو اسیرِ دام چلے
عمر گذاری جوں توں ہمنے۔ حسرت و یاس و حرماں میں — داغِ الم رکھکر دل پر۔ اس دنیا سے ناکام چلے
رفتہ رفتہ تا درِ جاناں گرتے پڑتے یوں پہونچے — ٹھوکریں کھا بیٹھے اُٹھتے۔ صبح سے ہم تا شام چلے
آئے تھے اے مرنیوالو دنیا میں کس کام سے تم — اہلِ عدم کو پہونچانے کو۔ لیکر کیا پیغام چلے

کچھ تو سبو کا صدقہ دیدے۔ تجھسے منّت کرتے ہیں
حلق میں کانٹے خشک پڑے ہیں۔ ہاں مرے ساقی جام چلے

کیا ہے مریض غم میں باقی۔ جینے کی کچھ آس نہیں
زیست کی کیا اُمّید اُسکی جو صبح چلے یا شام سے چلے

فیضِ شہیرِ ماہرِ فن سے۔ شوقؔ نے بزمِ شعرا میں
پیش کئے ہیں لختِ جگر کچھ۔ شاید اُنسے نام چلے

ولہ

میرے ساقی کا عجب جلوۂ مستانہ ہے
اک نظر دیکھ لیا جس نے وہ دیوانہ ہے

تیری وحدت میں ہے کثرت کی بھی رنگارنگی
اُس تماشے سے مگر آنکھ ابھی بیگانہ ہے

سوزِ الفت کی ہے تمثیل پہ شمعِ سوزاں
عبرت آموزِ بصیرت پرِ پروانہ ہے

پتّے پتّے کی زباں دیتی ہے درسِ وحدت
سبق آموز مرا سبزۂ بیگانہ ہے

صبح ہوتے ہی ہوئی بزمِ شبینہ برہم
نہ وہ ساقی نہ وہ ساغر نہ وہ پیمانہ ہے

ہم سفر تمکو مبارک ہو سفر کا انجام
حیف ہے شوقؔ یہ منزل سے جو بیگانہ ہے

ولہ

وفورِ درد میں ضبطِ فغاں رہے نہ رہے
یہ رازِ دل مجھے شک ہے نہاں رہے نہ رہے

یہ بزم و ساغر و پیرِ مغاں رہے نہ رہے
خمارِ نشۂ خوابِ گراں رہے نہ رہے

یہ چار تنکے کئے ہمنے باغباں کے سپرد
ہمارا کیا ہے یہاں آشیاں رہے نہ رہے

نگاہِ ناز کے رُک رُک کے وار ہوں دل پر
غریب ہوش میں تا امتحاں رہے نہ رہے

دمِ اخیر تو سن لو جو دل پہ گذری ہے
کسے امید ہے منہ میں زباں رہے نہ رہے

دل و جگر تو ابھی سے جواب دے بیٹھے
یہ ڈر ہے دیدۂ تر خوں فشاں رہے نہ رہے

بس آج قصۂ بسمل کا خاتمہ ہو جائے
بلا سے آپ کا خنجر رواں رہے نہ رہے

ولہ

ہمکو دل دیکے جفاؤں کا پتہ ملتا ہے
سچ بتاؤ تمھیں کیا اہلِ جفا ملتا ہے

سوزِ پنہاں، غمِ ہجراں، تپشِ دل کے سوا
اور بھی کچھ تمھیں اربابِ وفا ملتا ہے

خاک تربت بھی تو ڈھونڈے سے نہیں اب ملتی
اور دیکھیں ابھی کیا بعد فنا ملتا ہے

جستجو کرتے ہیں ہم دیر و حرم میں ناحق
ڈھونڈنے سے کہیں بندے کو خدا ملتا ہے

زخمِ دل زخمِ جگر دونوں کی خواہش ہے یہی
چھیڑ نشتر سے چلی جائے مزا ملتا ہے

تیرے در سے کوئی جاتا نہیں محروم کرم
مجھسے بے بہرہ کو داتا مرے کیا ملتا ہے

شوق اب کفر کی باتیں نہ زباں پر آئیں
ایک ساغر تمھیں اور دونے سوا ملتا ہے

ولہ

دور سے منزل کو زار و ناتواں دیکھا کئے
بیٹھے ہم حسرت سے گردِ کارواں دیکھا کئے

اس دلِ پرسوز کا سوزِ نہاں دیکھا کئے
سینہ سے اٹھتا ہوا ہر دم دھواں دیکھا کئے

حسرتِ پرواز نے خونِ تمنا کر دیا
ہم قفس میں بیٹھے سوئے آشیاں دیکھا کئے

یہ کسے معلوم منزل تک وہ پہونچے یا نہیں
جابجا ہم تو نشانِ رفتگاں دیکھا کئے

عندلیبانِ چمن کے نالوں کو سنتے رہے
مدتوں تک طرزِ آہنگِ فغاں دیکھا کئے

چھیڑ ادھر بادِ سحر کی غنچوں سے ہوتی رہی
نیچی نظروں سے ادھر کچھ باغباں دیکھا کئے

دلمیں ہے کوئی جلوہ گر مجھکو مگر خبر نہیں
پیشِ نظر ہے کیا ترے۔ خاک تری نظر نہیں

کس سے کہوں میں کیا ہوا۔ کس نے مجھے مٹا دیا
میری تو آہ میں بھی اب درد نہیں اثر نہیں

آئے تھے کس مقام سے جاتے ہیں دیکھئے کدھر
کس نے کیا ہے اب طلب۔ اسکی بھی کچھ خبر نہیں

جاتے ہیں اب تو بتکدے۔ جلوۂ بتونکے دیکھنے
کعبہ کو جائیں کیوں عبث اپنا وہاں گذر نہیں

ہم بھی تمھارے ساتھ ہیں آؤ بھی اے مسافرو
چلتے ہو تو چلے چلو ایسا کڑا سفر نہیں

ہونا تھا جو وہ ہو گیا۔ اسکا گلہ نہیں ذرا
دلپہ جو کچھ گذر گئی اسکی تمھیں خبر نہیں

ولہ

یاد گیسو میں لگا رہتا ہے یہ دھڑکا اب مجھے
پھر نہ ہو جائے کہیں اگلا سا وہ سودا مجھے

تھک کے آبیٹھا ہوں پھر میں بتکدہ میں اب تو
راس ہی آئی نہیں کچھ گردشِ صحرا مجھے

میں ہوں سرمستِ ازل خُم خانۂ جاوید کا
چاہئے ساقی نہ جام و بادہ و مینا مجھے

دل ہے خود سر۔ میں ہوں سودائی تو پھر کیونکر نبھے
پردہ مجھسے دلکو ہے اور دلسے ہے پردا مجھے

خوب واقف ہوں کہ ہوں میں ایک ناکام ازل
کیا سناتے ہو مری قسمت کا تم لکھا مجھے

دلکا ماتم بیٹھ کے ہوتا۔ تو کیونکر۔ اور کہاں
اسکو میں نے کھو دیا اور اس نے بھی کھویا مجھے

ملنا جو اچھا برا تھا مل گیا تقدیر سے
کچھ سمجھ ہی کر دیا اس نے دلِ رسوا مجھے

شوقؔ کبتک بادۂ غفلت کی یہ سرشاریاں
رکھیں گے مدہوش تاکے ساغر و مینا مجھے

کس کا یا رب دل شیدا مرا شیدائی ہے — کونسا جلوہ ہے جسکا یہ تماشائی ہے
ذرّہ ذرّہ میں مری خاک کی گویائی ہے — آپکے نقشِ قدم کی یہ مسیحائی ہے
دل تو ہے حسن پرست اب اسے لیجائیں کہاں — دیر میں بھی تو بتوں ہی کی خود آرائی ہے
میکدہ پاس ہے یہ۔ کعبہ ہے وہ پیشِ نظر — دل سے پوچھوں تو وہ اب کسکا تماشائی ہے
جلوۂ حسن بتاں سے ہے یہ ظاہر ہوتا — پس پردہ کسی اور کی رعنائی ہے
جاں بلب ہے کوئی۔ تا صبح رہے یا نہ رہے — اُسکی کچھ سن تو۔ ابھی طاقتِ گویائی ہے

شوقؔ تو بندۂ الفت ہے اُسے کیا پروا
لاکھ کوئی کہے۔ دیوانہ ہے سودائی ہے

کیا دکھایا ہے سماں جلوۂ یکتائی نے — لیلیا دیکھ سنبھالا ترے شیدائی نے
دیکھتے دیکھتے نیرنگ دو عالم کی فضا — کھو دیا اپنا بھرم چشم تماشائی نے
دیکھیں کیا رنگ دکھاتی ہے فضائے عالم — آنکھ کھولی ہے ابھی تیرے تماشائی نے
درد پہلو میں اُٹھا۔ بیٹھ گیا کم نہوا — حوصلہ پست کیا آہ شکیبائی نے
ذوقِ نظارہ میں پنہاں تھا فریب ہستی — کھو دیا دل کہیں منّت کشِ رعنائی نے
جادۂ جلوہ گہِ ناز نپایا اے شوقؔ — لاکھ ڈھونڈا اُسے گو چشم تماشائی نے
خود تماشا بھی ہے خود محوِ تماشا بھی ہے — رنگ بدلا ہے نرالا ترے سودائی نے

شوکت۔ پنڈت دیبی پرشاد صاحب پارمو

آپ کے دونوں لڑکے پنڈت گنگا پرشاد رند اور پنڈت جوالا پرشاد آذر دنیا شاعری میں چاند سورج کے مانند چمک چکے ہیں افسوس ہے کہ پنڈت صاحب کا کلام باوجود کوشش بلیغ کہیں سے میسر نہ آیا۔ صرف ایک تاریخ کے دو شعر چمنستان کشمیر میں درج تھے۔

چوں کاشی ناتھ بارِ دگر عقدِ خویش بست ۔ نوشیں لبے چشید و شکر آمدش بدست
از روے دعوتش کہ بخور دیم سال آں ۔ ایں شادیِ مکرّر قندِ مکرّر است

شہید۔ پنڈت پیم ناتھ صاحب مٹّو مرحوم رئیس لکھنؤ چکلہ دار حضور تحصیل اودھ۔

آپ کے والد کا اسم گرامی پنڈت بھولا ناتھ صاحب مٹّو خلف پنڈت دیاناتھ صاحب مٹّو تھا۔ آپ کے بزرگ نواب شجاع الدولہ بہادر نواب اودھ کے عہد میں کشمیر سے اودھ میں آئے اور ملازمت اختیار کی جناب شہیدؔ بعہدۂ چکلہ داری حضور تحصیل لکھنؤ ممتاز تھے۔ تاریخ ولادت و وفات دریافت نہیں ہوئی۔ زمانۂ شاہ امجد علی شاہ بادشاہ اودھ میں آپنے انتقال فرمایا۔

انا زل کافر زنّار بدوش آمدہ ام ۔ ہندوے زلفِ ترا حلقہ بگوش آمدہ ام
گرد ہی صاف دگر دُرد ہمہ نوشم باد ۔ ساقیا چوں لبِ پیمانہ خموش آمدہ ام
منم آں رندِ زخود رفتہ کہ مانند سبو ۔ مست در بزمِ بتاں دوش بدوش آمدہ ام
می روم از کششِ شوقِ تو از حال بحال ۔ کے چناں رفتہ ام از خود کہ بہوش آمدہ ام
عالمِ بیخبری طرفہ تماشا دارد ۔ ساقیا جامِ ہیم دہ کہ بہوش آمدہ ام
رو نما نقدِ روانم بتو باد ارزانی ۔ گو گراں بر دلتِ عشوہ فروش آمدہ ام

چوں شہیدؔ دل و دیں باختہ با تیغ و کفن
پائے کوباں بہ درت عربدہ کوش آمدہ ام

مرثیہ بہ غمِ وفات پنڈت امر ناتھ صاحب مٹّو برادر خورد

فغاں کہ پیرِ فلک کُشت نوجوانِ مرا ۔ جدا ز قالبِ من کرد آہ جانِ مرا
ز پا فگند سہی سروِ بوستانِ مرا ۔ شکست خورد بہ سنگِ غم استخوانِ مرا
بہ پردہ چند زنم حرفِ دوستاں فریاد

زدست این فلکِ سفلہ الاماں فریاد

برادرم کہ امرناتھ بود نام اُورا میان دیدۂ وجاں و دلم مقام اُورا
فلک بہ شربِ فنا کرد تلخ کام اُورا بگردشِ عجبی پُر نمود جام اُورا
مدام گریہ چو مینا نمود روزیِ من
کباب کرد مہیّا زداغ سوزیِ من

شبِ دہم ز محرّم موادِ بخاری بسوے ہفتم چو شد درعروق او ساری
نماند ہیچ مُداوا طبیب شد عاری سفیدہ دم شدہ محشر ز رحلتش طاری
کنوں ہمیشہ محرّم زماتمش بوداست
کہ ہمقرینِ وقرانِ دلم غمش بوداست

کجا روم چکنم دردِ دل کرا گویم عزیزِ گم شدۂ خویش را کجا جویم
کدام راہ کنم سر کدام سُو پُویم کہ رہنموں شودم آہ جانبِ اُویم
نہ قاصدے نہ صبائے نہ مرغِ نامہ برے
کسے زبیکسیِ من نمی برد خبرے

اگرچہ بود نصیبم غم و الم ہردم بدیدنِ تو دلِ خستہ شاد میکردم
باین امید کہ درماں شوی بہردردم بدوش و سینہ ترا مادرانہ پروردم
کجائی آہ امرناتھ اے برادرِ من
چگونہ مہ من یادگارِ مادرِ من

بچشم بے رُخِ خوبِ تو آہ نور نماند ززندگی بجہانم دگر سرور نماند
شکیب وتاب و توانِ دلِ صبور نماند رسید جاں بلب اکنوں قریب ودور نماند
کہ ہمچو آہ فلک سیر گرم برخیزم
غبارِ ہستیِ خود برسرِ زمیں ریزم

بخاک و خوں نہ طپد وائے چوں برادرِ تو — چساں نہ دشنۂ خونریز را نہد بہ گلو

شوم فدائے تو خود منصفانہ راست بگو — تو مردہ باشی و اُو زندہ خاک بر سرِ او

چساں شکیب دہد بیوگۂ غمین ترا

چہ عذر پیش نہد خواہرِ (دولہن) حزین ترا

بہ مادر آہ نگوئی برادر آب نداد — من آب خواستمش اُو بجز گلاب نداد

گلاب ہم بہ تپ و تابِ غیرِ تاب نداد — طبیب را چہ کنم خانہ اش خراب. نداد

کنوں دمیکہ دمے آب میخورم بے تو

بیادِ تشنگیت می شود گرہ بہ گلو

مہِ دو ہفتۂ خود را ندیدم از ماہے — بمن نہ برخورد اخترشناس و آگاہے

کہ پرسمش بفلک دیدۂ تو ہم گاہے — بمہر کردہ بہ بیت الشرف اگر راہے

بزورِ سہم زوالم نشاندہ آہ چرا

نمودہ اسپِ مرا اخترم سیاہ چرا

ہنوز سیر نکردم بطرفِ گلزارت — ہنوز سیر ندیدم بہارِ رخسارت

گلِ نظارہ بچیدم ز باغِ دیدارت — خزانِ مرگ بتاراج برد یکبارت

کنوں جز ایں کہ گریباں و جیب پارہ کنم

ز دستبردِ خزانِ الم چہ چارہ کنم

یکے بگو کہ چہ دیدی ز من برادرِ من — چہ شد چہ گفتمت اے یارِ نازپرورِ من

چہ آمد آہ و فرارا رمیدی از برِ من — ز رفتنِ تو چہ گویم چہ رفت بر سرِ من

ببیں کہ سیلِ سرشکِ رواں ز سر گذشت

ز سر گذشت چہ گویم چہا دگر بگذشت

ازیں جہاں چو گذشتی بخلد راہِ تو باد — بہ قربِ حضرتِ غفار جائے گاہِ تو باد

بہ آبِ رحمتِ حق پاک ہر گناہِ تو باد   شہید خستہ بمعصومیت گواہِ تو باد

شہیدی۔ پنڈت اوتم ناتھ صاحب زتشی خلف پنڈت رادھے ناتھ صاحب زتشی۔

آپ رائے بہادر پنڈت دھرم نراین صاحب ہاکسر کے منجھلے نواسہ تھے۔ کچھ عرصہ تک ریاست اندور میں فوجدار رہے اور زاں بعد ریاست گوالیار میں بہ سلسلہ ملازمت مقیم رہے۔ آپ نے عین شباب میں اپنے اعزا و احباب کو داغِ مفارقت دیا۔

تاریخ ولادت صبیہ پنڈت برجکشور صاحب زتشی

صدائے طرب آمد از ہر رجال   کہ تا بد مہِ بخت او با جلال

چو بشنیدم ایں مژدۂ جانفزا   شفیقم بتاریخ ایں سن و سال

بگفتا کہ اسپ ذکاوت براں   چرا می کنی تو دریں قیل و قال

ز گفتارِ او شد اثر بر دلم   بہ بُردم فرو سر بجیب و خیال

مرا ہاتف از غیب آواز داد

بداں آمدن دخترِ بیمثال

سمبت ۱۹۳۹   ۱۲۹۹ھ   ۱۸۸۲ء

ایضاً

نیک ساعت میں جو ہوئی پیدا   نیک دختر ہے نورِ چشم ما

۱۲۹۹ھ   سمبت ۱۹۳۹ بکرمی

شیدا۔ پنڈت امر ناتھ صاحب جون راز داں صاحب خلف پنڈت کنھیا لعل صاحب عاشق لکھنوی۔

آپ ایک مدت تک ریاست امیٹھی ضلع سلطانپور اودھ میں بہ سلسلہ ملازمت مقیم رہے۔ آپ کی فارسی انشاپردازی کا ایک نمونہ ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔



پنڈت ادتم ناتھ زتشی - شہید -

ماخوذ از مراسلہ کشمیر بابت ماہ مارچ ۱۸۷۶ء

غزل

بعمر خویش می نالم کہ از خود رایگاں کردم
نہ کارے کردم از دستی نہ اسمے برزباں کردم

بہ فہم خویش می خندم بہ عقلِ خویش می گریم
تلف عمرِ عزیزِ خویش بے سود و زیاں کردم

بچشم ناخوش اشکِ حسرتے از دیدہ می ریزم
ندیدم نورِ حق حاشا نہ دیدارِ بتاں کردم

بدست و پائے خود افسوس می آید مرا گاہی
نہ راہِ نیک رفتم نے دہش را امتحاں کردم

زکم فہمی و بے عقلی و نادانی چہ می پرسی
نیاید از کسے کاریکہ من ہیچک بداں کردم

ہزاراں حیف ایں سوزِ دروں درسینہ می ماند
نہ کس غمخوارِ من آمد نہ خود برکس عیاں کردم

وے دارم سراپا سوز پُر از درد و غم لیکن
تاسف میخورم پیدا نہ کس غمخوارآں کردم

وے صد پارۂ و ہر پارہ را صد زخم پنہانے
نمک سودا ز شکیب و صبر بہرِ امتحاں کردم

وے دارم پُر از سودا ز شورِ آہ و افغاں ہا
چرا پرکالۂ آتش فشاں در برستاں کردم

وے دارم پر از سوز و گداز و دردِ مہجوری
سراپا سوختم چوں شمع و آتش بیدُخاں کردم

ز بیتابی و بے خوابی جگر خوں گشتہ در فرقت
گرہ بستم بہ ہمسلکِ دُرِ اشک و رواں کردم

خموشم غنچہ ساں بے دستگیری کسے یارب
دہاں را بے زباں کردم زبان اندر دہاں کردم

سکوتم شورِ محشر میدماند بہ دلِ دانا
چو خُور گر دید روشن تر زخود چنداں نہاں کردم

گذارے بہرِ چہ یارب دریں محنت سرایم شد
نہ کس رنجے کشید از من نہ کس را شادماں کردم

چرا یادِ من آرد از پسِ من یک ز ہمجنساں
نکس مہمانیم کردہ نکس را میہماں کردم

چرا واوند راہم در گلستانِ جہاں یارب
کہ خارِ کلفتے در پائے عشرت تو اماں کردم

گذارم شد چرا در بزمِ عشرتیانِ ایں عالم
کہ دُردِ رنج و غم از دُردِ خود در جام شاں کردم

ہمیں وارشش و پنج ایں دلِ عاصی بدل بردم
کہ انجامم چہ خواہد شد چہ کارا بے دوستاں کردم

نہ جسمِ زار را اے آہ با زاغ و زغن دادم
نہ منقارِ ہما سرگرم کارِ استخواں کردم

نہ عقل و ہوشِ شاہِ عشق را نذرانہ آوردم	نہ نقدِ دل بلا گردانِ شوخِ دلستاں کردم
نہ با درد و غمِ دُوری مدارا ساختم یارب	نہ از جور و جفائے دلستاں آہ و فغاں کردم
نہ از جوشِ جنوں ویرانہ گردید آباداں	بہر دم سرگذشتِ خویش را نے داستاں کردم
حذر ہرگز نہ از نارِ جہنّم پُر معاصی کُن	حوالت با خدائے رحمتِ آن جہاں کردم
عبث رنجِ چنیں فکرِ جہاں داری دلِ ناداں	بفضلِ اُو رہا خود را ز فکرِ ایں و آں کردم
بگردابِ الم بیخود مشو شیدا تحمّل کن
رضائے او برائے کشتیِ خود بادباں کردم

مناجات

شبے دیدار آں شاہنشہِ ہر دو جہاں دیدم	مجسّم نور دیدم جلوہ گر روحِ رواں دیدم
شبے کز قرۃ العین بتاں بہتر سوادِ او	ز زلفِ ماہ رویاں بر سرش عنبر فشاں دیدم
شبے غیرت دہِ صد روزِ روشن بلکہ زاں بہتر	شبے از بس منور چوں دلِ روشن دلاں دیدم
مبان بستہ بخدمت دست بستہ از ادب یک یک	ستادہ پایہ پایہ جابجا روحانیاں دیدم
مہ و خور میر فرشِ بارگاہِ عدل و انصافش	بایں رفعت فلک بر آستانش پاسباں دیدم
چہ گویم وصفِ ایوانش کہ بیرونست ز ادراکم	درینجا سر بجیبِ فکر ہم وہم و گماں دیدم
نگہ زیر و زبر کردم کہ بینم بامِ ایوانش	ندیدم ہیچ غیر از آنکہ گویم لامکاں دیدم
بہ تختِ عدل در ایوانِ شاہی جلوہ فرمائی	بداں خوبی کہ گنجد در گماں برتر ازاں دیدم
منوّر چہرہ روشن تر ز صد مہرِ درخشانش	غلط کردم کہ پیشش مہر را من ذرّہ ساں دیدم
بہارِ خلعتش خجلت دہِ صد جامۂ دیبا	بہ سبر چترم غضنفر گنگ بر سرہم رواں دیدم
گذر در بارگاہش ہر کس و ناکس نمی یابد	شہاں را ایستادہ چوں گدا بر آستاں دیدم
سیہ کاران ستادہ پا بجولاں بر درِ ایواں	ز عدلش ہم بدستِ عاصیاں بندِ گراں دیدم
ستمگاران بپاداشِ ستم وقفِ عقوبتہا	دلِ غمگینِ مظلوماں بعدلش شادماں دیدم

گنہگاریکہ بہرِ عذر خواہی سر نگوں گردد | بعصیاں باش کلکِ عفوِ اُو رامن رواں دیدم
چہ گفتم رہ غلط کردم کہ من از یک خیالِ او | گناہ و عفو ہر دو صاف چوں ماہ وکتاں دیدم
کریے گر نگاہِ لطف کرد از گوشۂ چشمے | بیکدم تنگ دستِ عمر فرحت توأماں دیدم
بسازیاست بل لازم اگر گویند غفارش | خیالِ خاکِ پایش رہبرِ راہِ جناں دیدم
چہ گویم شوکت و صولت بیانِ آں بساشکل | زنامش لرزہ برتن ہائے جملہ انس وجاں دیدم
بہنگام سوارے خوشنما از با د رفتاراں | سبکتر گام زن گاوِ زمیں راز یراں دیدم
چگویم از جلوسِ شاہ از ماہی مراتب ہا | زوصف ہرانچہ باید گفت بالا تر ازاں دیدم
زبانم طاقتِ اظہارِ وصفِ اُو نمی دارد | عجب شاہے کہ پیشش رازِ پنہاں راعیاں دیدم
بظاہر گفتہ ام ایں دیدہ ام آں دیدہ ام لیکن | بباطن من جسد بودم دراں اُو راروان دیدم
چو از درویش درراہ اُو رکردم شد عیاں یعنے | زقلبِ ویش آں اسمِ مبارک برزباں دیدم
شمارِ حرف اسمش سہ صد وہم شانزدہ آید | باسمِ پاکِ اُو من ایں معمّا را عیاں دیدم

زباں بربند ناید از تو ہرگز وصفِ ممدوحے
ازاں بر تر بود شیدا اگر گوئی چناں دیدم

تاریخ وفات پنڈت شیو نرائن بہار

شیو نرایں بہار پنڈت آہ | دار فانی سے کر گیا رحلت
حِلم کی کان علم کا دریا | تھا فلک مرتبت مَلک سیرت
تھا وہ کانٹ کا ڈپٹی انسپکٹر | افسر نیک سیرت و خصلت
فکر تاریخ کی جو شیدا نے | بن گیا رنج و غم کی وہ صورت
بولا ہاتف کہ لیکے عام کا دل | اپنے حلقہ سے ہو گیا رخصت

در فارسی

زمرگِ شیو نرایں حیف صد حیف | بہارِ علم در عالم خزاں شد

پے تاریخ سالش طبع شیدا — تجسس کرد و دل در این و آن شد
بسروشِ غیب ما را با الم گفت — بدرسنِ طفلِ رضواں از جہاں شد

ایضاً

افسوس صد افسوس مرد جواں شیو نراین آہ — خود رنج و غم دریں نتواند کشاد لب
ہاتف کشید آہ کہ شیدا چہ گویمت — انداخت آہ مرگِ جوانے بے غضب

شیدا۔ پنڈت پران ناتھ صاحب

تاریخ وفات پنڈت شیو نرائن صاحب بہار

شیو نرائن چو شد از دارِ فنا سوئے بہشت — جانِ غمگین شدہ ہمدوشِ بانواعِ عالم
سالِ تاریخ چنیں خامۂ شیدا بنوشت — شیوا نرائن زجہاں رفت بگلزارِ ارم

شیوپوری۔ ودیا دھر صاحب خلف پنڈت شیورام صاحب ۱۸۶۴ء

آپ پنڈت دلارام صاحب سوپوری کے چچازاد بھائی تھے۔ دونوں بھائی کشمیر سے آئے اور دہلی میں قیام پذیر ہوئے۔ ودیا دھر صاحب بنارس میں ایک مدت تک رہے اور ریاست بنارس سے آپکو کچھ وظیفہ ماہوار ملتا رہا۔ آپ نہایت خوشخط تھے اور ہر قسم کی کتابت میں آپکو دستگاہ کامل تھی اکیوبیں برس کی عمر پاکر آپنے رحلت کی جسکو تقریباً ساٹھ سال گذرے ہیں آپکے دانت ضعیفی میں دوبارہ نکلے تھے

مناجات

اے آن کہ کریم کار سازی — پس چارۂ من چرا نسازی
دانی کہ چہا در اضطرابم — ناچارم و خستہ و خرابم
از ہر سو بہم ہجوم غم ہا — پیرامونِ دلم الم ہا
کو فضل تو اے جناب باری — ہنگام اعانت است و یاری
حیرانم و دربدر پریشاں — مرہم چوبہاں چو سینہ ریشاں
دردِ دل خویش باکہ گویم — نوشِ ایں نیش از کہ جویم
ہیہات زدست تیرہ بختی — درماندہ و عاجزم بہ سختی
یارب زکرم نواز مارا — فضلے کن و سرفراز مارا
دردا کہ برادرے ندارم — تا آمدے کاشکے بکارم

نے مخلص و غمگسار مارا — نے مونس و دوستدار مارا
ابنائے زمانہ را وفا نیست — بوئے ز مروت و صفا نیست
امید تو دارم و دگر بس — محروم نشد ز درگہت کس
از خوف بہ رُخ نقاب دارم — در پیششاں حجاب دارم
ایں پردۂ و ایں حصار تا کے — ایں تنگیِ روزگار تا کے
اے قادرِ ذو الجلال رحمے — وے مُفضِلِ بے جمال رحمے
تا چند شکستہ حال باشم — خستہ دل و بستہ بال باشم
از عُسرت چرخ خوار و تنگم — آید ز سوال عار و ننگم
حالت بفلاکتم رسیدہ — نوبت بہ ہلاکتم رسیدہ
اے حضرتِ آفتابِ تاباں — بر درگہت آمدم شتاباں
تو مظہرِ ذات کردگاری — از تُست امیدِ غمگساری
یکبار نگر بحالِ زارم — غیر از تو وسیلۂ ندارم
آباد شوم بجاے خود زود — برباد رود عدوے مردود
اینست دعا تمۃ بالخیر — اے رونقِ مسجد و بت و دیر
ناگہ ہاتف اشارتم داد — با عیش و طرب بشارتم داد
اے بدیا دھر مشو ہراساں — بیشک شدہ مشکلِ تو آساں
کردی چو دعا قبول گردید — بس مطلبِ تو حصول گردید

شیوپوری - پنڈت بیج ناتھ صاحب۔ خلف پنڈت ودیادھر شیوپوری صاحب

طفلی لہو و لعب میں کھوتے گذری کیا اس کا حساب
سن بعد شبِ شباب سوتے گذری دیکھا کئے خواب
پیری کی صبح میں بھی جو تجھے ایدل کچھ ہو نہ سکا

بس دل ہی میں سوچ سوچ روتے گذری کیا دینگے جواب

صدف کہاں یہ تیرے گوہرِ خوش آب میں آب
جو ہے دُرِ صدفِ دیدۂ پر آب میں آب

جو پختہ مغزِ محبت ہیں کب وہ روتے ہیں
نشانِ خامی ہے جبتک کہ ہے کباب میں آب

شیدا - پنڈت لکشمی نرائن شیوپوری صاحب خلف پنڈت مہاراج نرائن شیوپوری صاحب رائے بہادر - شروع میں آپکا تخلص ہشیار تھا۔ آپ کی تاریخ پیدائش ۲۵ راکتوبر ۱۸۷۵ء ہے۔ آپ براہ راست انسپکٹر پولس ۱۹۰۵ء میں مقرر ہوئے اور بوجہ قائم نہ ہنے تندرستی کے اٹھارہ سال ملازمت کر کے ۱۹۲۴ء میں آپنے پنشن لے لی۔ آپ کے والد ماجد ایک مشہور اور نامور ڈپٹی کلکٹر تھے پنڈت وشویشور ناتھ ریبنہ صاحب کی (جنکا ریاست جاؤرہ سے ایک تعلق قدیم تھا) سب سے چھوٹی لڑکی آپ کو منسوب ہیں۔ بعد مستفید پنشن ہونے کے آپ کی پُر مذاق طبیعت شاعری کی طرف متوجہ ہوئی اور اسوقت تک فکر سخن کا سلسلہ جاری ہے۔

عاشق نہ اگر تیرا۔ اے ماہ لقا ہوتا
کیوں شکلِ مہِ نو میں انگشت نما ہوتا

پھر نوح کا دنیا میں طوفان بپا ہوتا
آنسو جو نہ تھم جاتے کیا جانئے کیا ہوتا

یوں قطعِ تعلّق کیوں کر لیتا ترا خنجر
تسمہ مری گردن میں کوئی جو لگا ہوتا

جز دردِ غمِ فرقت ہمدرد نہ تھا کوئی
دلسوز اگر ہوتا تو سوز و فا ہوتا

پھولوں میں اگر مجھ کے وہ ہنستے ہوئے آتے
رنگ اور ہی مجلس کا اہلِ عزا ہوتا

شوخی سے نہ یوں لڑتیں ہر ایک سے وہ آنکھیں
گر پنجۂ مژگاں میں دامان حیا ہوتا

شیدا جو غزل پڑھتا سجاد کی محفل میں
وہ دادِ سخن ملتی اک حشر بپا ہوتا

پہونچیں دل تک بتِ کافر کی نگاہیں کیونکر
دیں و ایمان کی گریں شہر پناہیں کیونکر

ضبطِ دل بزمِ عدو میں تیرا دیکھیں اعجاز
رکتی ہیں سینۂ صد چاک میں آہیں کیونکر



پنڈت لچھمی نراین شیو پوری۔ شیدا

دشمنِ جاں بھی ہو آرام دلِ جاں بھی ہو — چاہیں کیسے تمھیں عشاق نہ چاہیں کیونکر
ہمسری سنبل و ریحاں کو تری زلف سے کیا — ہوں نہ پامالِ ندامت یہ گیاہیں کیونکر
چرخ کجرو سے اماں دہر میں پائیں کیونکر — جس زمیں پر نہ فلک ہو وہاں جائیں کیونکر
دلِ پُرسوز کو ہم آگ لگائیں کیونکر — چشمِ خوں بار سے آگ اسکی بجھائیں کیونکر
نہ تو پرواے جفا ہے نہ تمنّاے وفا — خوبرو ہمکو ستائیں تو ستائیں کیونکر
جبہ سائی ہے مقدر میں بتوں کے در کی — کلکِ قدرت کے نوشتہ کو مٹائیں کیونکر
کوئی قاتل نہیں کہتا ہے کوئی جانِ جہاں — مختلف ہوگئیں عشاق کی رائیں کیونکر
رنج و غم کھانیکو ہے خونِ جگر پینے کو — کھانے پینے کی قسم ہجر میں کھائیں کیونکر
کبھی دیکھے نہیں زاہد نے بتوں کے جلوے — صنعتیں اسکو خدا کی نظر آئیں کیونکر
ہم تو جب روتے ہیں ہمنستوں کو رلا دیتے ہیں — دیکھیں ہنس ہنسکے وہ روتوں کو ہنسائیں کیونکر

ولہ

وہ جلوہ آج اپنا اہلِ محشر کو دکھاتے ہیں — قیامت ہے حریمِ ناز کا پردا اُٹھاتے ہیں
خود ہی غافل ہیں جو ہشیار کو غافل بتاتے ہیں — جو منہ آتے ہیں اسکے آپ الٹی منہ کی کھاتے ہیں
عیادت کے لئے وہ ہاے کب تشریف لاتے ہیں — کہ جب دم ہونٹوں پہ ہے اور ہم دنیا سے جاتے ہیں
مسیحائی نئی وعدہ کی شب آکر دکھاتے ہیں — ہزاروں حسرتِ مردہ کو دم بھر میں جلاتے ہیں
ہماری قبر پر جب آکے وہ تیوری چڑھاتے ہیں — شکن کو ابروئے ہم رگِ گل جان جاتے ہیں
چمن کی سیر کو وہ روز صبح و شام جاتے ہیں — ہنساتے ہیں گلوں کو اور شبنم کو رلاتے ہیں
طریقِ عشق میں رہبر ہمارے خضر کیا ہونگے — کہ ایسے الیونکو تو آپ ہم رستا بتاتے ہیں
راتوں کو پھرتی ہے روح اک قیدیِ ناشاد کی — آجتک زنداں سے آتی [illegible]
سرمۂ اکسیر خاکِ زیرِ پائے یار ہے — آنکھوں [illegible] ہیں اس کو [illegible]
پھر ہجومِ آرزو سے بھر گیا مایوس دل — ابتری [illegible] سے آکے پھر آباد کی
انگلیاں کانوں پہ رکھ لیتے ہیں سکّانِ فلک — بات [illegible] فرقتِ جاناں میں ہے فریاد کی

ہار پھولوں کا قفس پر ڈال دیتا ہے کبھی
فصلِ گل میں- یہ عنایت کم نہیں صیاد کی

جب سوئے دیرِ بتاں شیدا گذرتے ہیں کبھی
یاد آجاتی ہیں موجیں انکو رکن آباد کی

انکو یہ شوق مرا ناز اُٹھائے کوئی
اسلئے روٹھ گئے ہیں کہ منائے کوئی

جلوۂ حسنِ ازل کاش دکھائے کوئی
نور بنکر مری آنکھوں میں سمائے کوئی

اُنکے کوچہ میں پڑا ہوں صفتِ نقشِ قدم
کچھ میں دیوار نہیں ہوں جو اُٹھائے کوئی

ذلتِ عشق ہے اشکوں سے زمیں تر کرنا
آبرو خاک میں کاہیکو ملائے کوئی

دخترِ رز کے سوا اور کا کام نہیں
مجھسے ہشیار کو غافل جو بنائے کوئی

وہ کرے التفات یا نکرے
میں صنم سے پھروں خدا نکرے

فاش رازِ اشکِ خوں مرا نکرے
مجھکو بے آبرو خدا نکرے

جدتِ طبع کیسے ہو ظاہر
وہ جو ہر دن ستم نیا نہ کرے

ہم بھی کرتے ہیں امتحانِ وفا
وہ جفا میں کمی ذرا نکرے

سو طرح کی مصیبتیں دے چرخ
یار کو یار سے جدا نکرے

ہے یہ معیار عشقِ صادق کا
یار کے جور کا گلا نکرے

جینے دیتے نہ مرنے دیتے ہیں
کیا کرے جاں نثار کیا نکرے

موت آجائے ہجر میں سرِ شام
درد منت کشِ دوا نکرے

زخم کے لب کھلے ہیں بہرِ دعا
کیسے حقِ نمک ادا نکرے

صابرؔ۔ پنڈت بشمبر ناتھ صاحب سپرو خلف رائے پنڈت اجودھیا پرشاد صاحب اسسٹنٹ کمشنر صوبہ اودھ

آپ نظم بہت کم کہتے تھے اور جو کچھ کہا وہ ضایع ہوگیا آپ کی تصنیفات نثر۔ تزک جرمنی اور سراب حیات ہیں رینالڈ کے مشہور ناول سیمٹریس کا ترجمہ جس لطافت اور سلاست کے ساتھ آپنے اُردو میں کیاہے وہ اُسکے دیکھنے سے تعلق رکھتا ہے اُردو میں اس ناول کا نام مشاطہ ہے اور نولکشور پریس میں طبع ہوا ہے۔ ناول مفقود الخبر اور کرشمۂ رقابت کے مترجم بھی جناب صابر تھے۔

آپ نے رامائن کا ترجمہ اُردو نظم میں شروع کیا تھا مگر وہ پایۂ تکمیل کو نہ پہونچا اور تلف ہوگیا۔ آپ نہایت قانع اور صابر بزرگ تھے۔ مدّت دراز تک مختلف اضلاع اودھ میں آپ منصرم دفتر ڈپٹی کمشنر رہے اور اُسی عہدہ سے آپ مستفید پنشن ہوئے۔

پنڈت تربھون ناتھ ہجرؔ جنھوں نے دُنیائے ادب میں کوس لمن الملک بجایا ہے آپ کی فرزند اکبر تھے۔ جناب صابرؔ علاوہ دفتر کے چھ سات گھنٹے کام کرنے کے چار پانچ گھنٹے روز کتب بینی میں صرف کرتے تھے۔ آپ کی طرز عبارت میں پُرانی چاشنی کا مزا قائم ہے۔ وہی مسجع عبارت وہی محمد شاہی ترکیبیں اور تصنّع و تکلفات کا رنگ آپ کی تصانیف کے ہر صفحہ پر مُرجھائے ہوئے چمن کی گذشتہ بہار کی یاد دلاتا ہے۔ رامائن کے ترجمہ کا زیادہ حصہ تو دیمک کے نذر ہوا چند جز جو دستیاب ہوئے اُن کا انتخاب بغرض تفنّن طبع ناظرین والا تمکین پیش کیا جاتا ہے۔

مکالمہ سیتاجی و شری رامچندرجی

ہوئی اسطرح گویا وہ دل افروز — بہ آہِ سرد و آوازِ غم اندوز
چرا سرتاج من ایں حال چوں است — کہ از دیدن مرا سوز اندروں است
چرا اطوارِ تو برگشتہ بینم — چرا کردارِ تو سرگشتہ بینم

بگو کیں انقلابت را سبب چیست — بگو چوپائے ایں رد و بدل کیست
بگو جاناں بگو من بیقرارم — ندارم تاب خاموشی ندارم
اثر ہے مشتری کا سعد اکبر — خوشی کا دن ہے یہ اے جان مضطر
قران ماہ و زہرہ ہے برابر — یہ دن ہے نیک اے فرخندہ اختر
تو پھر یہ رنج کیسا کیسا غم آج — بتادے تو مجھے اے میرے سرتاج
بتا کیوں چتر شاہی تیرے سر پہ — نہیں سایہ فگن اے ماہ پیکر
اگر تیار ہے سامانِ خاص آج — ملے جس سے تجھے اورنگ اور تاج
تو پھر کیوں ہے یہ حالت تیری مذموم — پریشاں خاطری و سخت مغموم
چرا اندیشہ ہائے این و آں است — چرا در دل چنیں است و چناں است
چرا بر دل غبار غم گراں است — چرا در سینہ ات غمہا نہان است
مجھے حسرت ہے یہ اور یہ تحیّر — کہ کیوں میں دیکھتی ہوں یہ تغیّر
وہ صورت ہی نہیں اور ہے نہ وہ دھج — وہ چہرہ ہی نہیں اور ہے نہ وہ سج
یکایک کیا پڑی افتاد تجھ پر — عجب معلوم ہوتا ہے سراسر
سُنا جب یہ کلام حسرت افزا — وہ تھا رنج والم کا ایک سراپا
زبانی اسکی جو روتی تھی ہردم — اور اپنی جان کو کھوتی تھی ہردم
ہوا اسطرح پاسخ سنج دانا — جو تھا رگھوبنس کا وارث توانا
جو تھا ممتاز و نام آور زمان میں — جو تھا سب سے بڑا اس خانماں میں
شنو سیتا شنو مغموم و محزوں — کہ شد تدبیر عالم چوں دگرگوں
مرا پدرم چنیں داد است فرماں — کہ من باشم ز آبادی گریزاں
کنم صحرا و کوہ و دشت و ہاموں — ز افکار خودم با نالہ مشحوں
روم آنجا سن از حالے بہ حالے — شوم از کار دنیا را مثالے

سن اے عالی نسب خاتونِ ذیجاہ / سن اے والا حسب بانوئے ذیجاہ
کہ تو نے تربیت پائی ہے بہتر / امیرانہ شریفانہ سراسر
قدم رکھ راہ نیکی میں مری جاں / یہی ہے کار خیر و دین و ایماں
سن اے دخت جنک وہ ماجرا تو / کمی بیشی نہیں جس میں سرِ مو
میں کہتا ہوں تجھے با خاطرِ شاد / پڑی افتاد ہیں کیونکر یہ افتاد
نہیں ہے آج کا کل کا یہ احوال / پرانا ہے بہت برسوں کا یہ حال
کہ میرے باپ نے جو ہے دلاور / سچائی میں نہیں رکھتا وہ ہمسر
دئے تھے کیکئی رانی کو دو بر / صلہ میں ایک خدمت کے سمن بر
یہی بر اب ہوئے ہیں رخنہ انداز / جو سربستہ تھے اب تک جیسے اک راز
انہیں بر کی بدولت کیکئی نے / کئے موقوف سب تقریب و جلسے
جو سب سامان تھے میرے لئے آج / کئے ہیں یکقلم سب تخت و تاراج
نہ تھی یہ بات ہرگز اسکو منظور / مگر تھا قول سے اپنے وہ مجبور
ہزار اس نے کہا اور دے دے مارا / سر اپنا بس زمیں پر اور پکارا
کہ تو دشمن ہے میرے جسم و جاں کی / تباہی کا سبب اس خانماں کی
ولیکن پاس تھا اپنی قسم کا / کہ جسکا توڑنا واجب نہیں تھا
حلف تھا وہ زبانِ پاسباں کا / وہ تھا اک قول شاہِ راستاں کا
کہ جس سے منحرف ہونا تھا مشکل / کہ جسکا بار تھا اک کوہ بر دل
سن اے دختِ جنک اور میری دلدار / سوا اسکے نہیں اب چارۂ کار
کہ مسکن اپنا صحرا میں بناؤں / بلا تاخیر اب ڈنڈک کو جاؤں
کہ خارستانِ ڈنڈک خوب جائے ست / عجب مرتاض و عابد را پناہ است
وہاں چودہ برس ہے ہمکو رہنا / وہاں ہر طرح کی سختی ہے سہنا

مرے والد کی یہ مرضی ہے اب تو — کرے وارث وہ اپنا بس بھرت کو
شریک سلطنت اور تاج اور تخت — شریکِ مملکت اور مال اور تخت
کرے وہ بھرت کو میرے بدل میں — ادا تب راج گدّی کی ہوں رسمیں
سو قبل اسکے کہ میں صحرا کو جاؤں — نیا مسکن ہیں صحرا میں بناؤں
مجھے منظور تھی تیری ملاقات — مجھے کرنی تھی تجھسے ایک دو بات
اب آیا اس لئے ہوں پاس تیرے — نہیں حل ہوتا عقدہ غیر میرے
گرہ میں باندھ لے اک بات میری — کہ ہے سو بات کی ایک بات میری
کبھی آگے بھرت کے رام کا نام — نہ لینا لن ترانی سے خوش انجام
بھرت کو جان بھائی اپنا چھوٹا — سمجھ سترگھنا کو اپنا بیٹا
رکھ اپنے راست تو گفتار و کردار — رہ اپنے حال سے ہر دم خبردار
نہ نکلے کوئی کلمہ منہ سے ایسا — کہ ہو جس سے بھرت کو کوئی صدما
وہ ہے شاہِ اجودھیا اور میرا — وہ ہے سردار اب اس خانداں کا
سُن اب ایک بات تو اے خوش شمائل — کہ ہے یہ بات بھی سُننے کے قابل
یہاں رہ اور یہاں رہ کر بجا لا — شرائط بندگی کے اے دل آرا
جو ہو مرضی بھرت کی اس مطابق — تو کر پھر و ادب سے اُس موافق
تو رہ فرمان پذیر شاہِ دوراں — تو رہ خدمت گذار شاہِ شاہاں
پرستش کی مراسم بھی ادا کر — کہ دھرم و کرم سب مبنی ہیں اسپر
رکھ اپنی صاف نیّت اور عزیمت — یہی اس دھرم میں ہے بس غنیمت
من اکنوں میروم جاناں بصحرا — بماں در خانۂ خوشحال اینجا
مشو غافل یکے از حسن کردار — ز اطوار و ز گفتار و ز رفتار
مکن بیزار کس را از شکایت — کہ خوش ناید کسے را ایں حکایت

بگیر از پند از ما یاد جانم ‏ ‏ ‏ ‏ تو بی جاناں مرا تاب و توانم

گفتار سیتا

سنایا ماجرائے حیرت افزا ‏ ‏ ‏ ‏ سم آلودہ سم آمیز و ستم زا
جب اُس یکتائے دہر و خوش سخن نے ‏ ‏ ‏ ‏ عروس ماہرو سیمیں بدن نے
اسی لائق تھی وہ زوجہ نکوکار ‏ ‏ ‏ ‏ کہ جسکا زوج ہو ایسا ہی سردار
ذرا پا دردمندی کا سہارا ‏ ‏ ‏ ‏ لگن نے طیش کو اسکے اُبھارا
بھڑک اُٹھی غضب کی آتشِ تیز ‏ ‏ ‏ ‏ ہوئی اسطرح سے سیتا شرر ریز
یہ کہتے کیا ہو یہ تقریر کیا ہے ‏ ‏ ‏ ‏ تمہارے خواب کی تعبیر کیا ہے
نہیں کھلتا ہمیں یہ نالۂ زار ‏ ‏ ‏ ‏ تمہارے راز کی تفسیر کیا ہے
کوئی پوچھے جو ہم سے اپنی تدبیر ‏ ‏ ‏ ‏ بتائیں ہم اُسے تدبیر کیا ہے
جو ہیں تقدیر پر شاکر وہی لوگ ‏ ‏ ‏ ‏ سمجھتے خوب ہیں تقدیر کیا ہے
تعجب ہے ہمیں اس بات پر صرف ‏ ‏ ‏ ‏ کہ کہتے کیا ہو یہ تقریر کیا ہے
یہ کیسا تیرا ذلت وہ بیاں ہے ‏ ‏ ‏ ‏ خیالِ مبتذل کی داستاں ہے
میری ذلت تیری ذلت ہے جسمیں ‏ ‏ ‏ ‏ میری خفت تیری خفت ہے جسمیں
سن اے سردار مردانِ وفاکار ‏ ‏ ‏ ‏ سُن اے جبار جبارانِ جرار
میرے نزدیک ایسی ہیں یہ باتیں ‏ ‏ ‏ ‏ کہ جنکو لوگ اُڑا دیں چٹکیوں میں
مجھے ہے عار ایسی گفتگو سے ‏ ‏ ‏ ‏ مجھے ہے ننگ ایسی جستجو سے
نہیں سُنتا مجھے انکا ہے منظور ‏ ‏ ‏ ‏ رہیں ایسے سخن مجھسے بہت دور
مجھے یہ زہر سی لگتی ہیں باتیں ‏ ‏ ‏ ‏ مجھے بھاتی نہیں ہیں ایسی گھاتیں
نہیں زیبا ہے تجکو ایسی تقریر ‏ ‏ ‏ ‏ فنونِ جنگ میں جسکی ہے تشہیر
وہ قسمت جو بُری ہو یا بھلی ہو ‏ ‏ ‏ ‏ وہ قسمت جو کہ ہیٹی یا بلی ہو

پس اب وہ حکم جو تجکو ملا ہے   شہ عالی نسب نے جو دیا ہے
کہ تو ہو سر بصحرا ؤ بیاباں   کرے عزم اپنا صحرا کو شتاباں
وہ مجھ تک بھی پہونچتا ہے بہر طور   کر اسکی وسعتِ الفاظ پر غور
اگر اے ابن راگھو تو یقیناً   سوے صحراے ڈنڈک ہو قدم زن
بڑا آتا نظر ہے پہُن جس کا   نہ پگڈنڈی ہے جسمیں اور نہ جادہ
قدم پیچھے رہے کا تیرا مجھسے   رہوں گی دو قدم آگے میں تجھسے
چلونگی پہلے میں کانٹوں پہ یکبار   جو اُلجھیں گے میرے دامن سے ہر بار
قدم کو پیکے میرے ہی مقدم   اُٹھیں گی بول گھاسیں خیر مقدم
لپٹکے پاؤں کی لیں گے بلائیں   الجھ جائیں گی اُنکی کُل جٹائیں
جو دلمیں شک ہے اور غصہ ہے تیرے   کر اسکو دُور اے خاوند میرے
گرا دیتے ہیں جیسے آبِ ناصاف   تو رکھ سینہ کو اپنے مجھسے یوں صاف
مجھے لے چل یہاں سے اے خردمند   بطیبِ خاطر و باجانِ خورسند
بہ امید و یقین و جمع خاطر   بہ اطمینان و باتسکینِ وافر
نہیں مجھسے ہوا صادر ہے کوئی   قصور و جرم اے شاہِ نکوئی
یہی واجب ہے بیوی کو عموماً   یہی لازم ہے زوجہ کو خصوصاً
جو کچھ قسمت میں شوہر کی لکھا ہے   جو کچھ اُسکے نصیبوں میں بدا ہے
شریک اسمیں رہے اور ساتھ جائے   پڑے افتاد جیسی وہ اُٹھائے
نہیں خوشتر قیامِ قصر و محلات   بسر کرنا خوشی سے واں بہ دنرات
نہیں گلگشت بہتر آسماں کی   نہیں خوشتر ہے سیر اب اس جہاں کی
جو ہیں انجامِ خدمت کے قواعد   مجھے معلوم ہیں اُسکے فوائد
سکھائے ہیں سبھے مادر پدر نے   بتائے ہیں مجھے مادر پدر نے

کروں اُنپر عمل از نیک خوئی | کہ ہو دونوں جہاں میں سُرخروئی
میں صحرا کو چلوں گی ساتھ تیرے | نشیبوں میں رہونگی ساتھ تیرے
نہیں جادہ جہاں اور ہے نہیں راہ | نہیں آتا نظر جز خار و جُز کاہ
جہاں انسان کا مسکن نہیں ہے | بجز حیوان مطلق کچھ نہیں ہے
جہاں مخلوق صحرائی کے اقسام | جہاں سکنائے صحرائی کے اجسام
نظر آتے ہیں پھرتے دندناتے | جدھر دیکھو یہی ہیں آتے جاتے
جہاں شیروں نے اپنا گھر بنایا | پلنگوں نے جہاں جنگل بسایا
وہاں ایسی خوشی سے خوشدلی سے | بسر ہوگی میری زندہ دلی سے
کہ جیسے باپ کے اپنے محل میں | کہ جیسے اپنی اماں کی بغل میں
نہوگی فکرت دارین مجھکو | رہے گا ساتھ تیرے چین مجھکو
نرکھ اس بات میں کچھ بھی شبہ تو | یقیں لا اسکا جو کہتی ہوں تجھکو
غذا میری رہے گی کند یا مُول | سوا اسکے جو ہونگے اور پھل پھول
زبس جنگلی پھلوں سے بن بھرا ہے | مجھے کھانے کی واں پرواہ کیا ہے
نہو اس سے بھی تو حیران و مضطر | کہ میرا بار ہوگا تیرے اوپر
چلونگی ساتھ جب پہلو بہ پہلو | میں تیرے ساتھ واں اے غیرتِ مُو
نہوگا کچھ تجھے رنج و تردُّد | نہ پہونچے گا تجھے جُز از توَدُّد
میرے شوہر میرے ذیعلم شوہر | خردمند و خردسنج و خردور
میری یہ آرزو ہے اور تمنّا | کہ جب تو پاس ہووے ایدل آرا
نہو کچھ خوف ُ اندیشہ نہ دہشت | میں دیکھوں آنکھ سے باصد مسرت
وہ جھیل اور چشمہ ہائے آب شفّاف | نمایاں جنمیں ہیں اشیا بہت صاف
وہ نالے اور ندی اور حوض خوشتر | جو قدرت نے بنائے ہیں سراسر

کسی تالاب پاکیزہ میں خوش خو   نہاتی ساتھ تیرے یاسمن رو
کنول سے ہو بنا تالاب گلزار   کہ جس پر ہو پہا در دشتِ فرخار
اِدھر ہو ہنس و بط بطنار و چکوا   اُدھر اٹھتا سنیں چکوے کا غوغا
لگاتے ڈبکیاں پانی میں ہر سو   خوشی میں پھڑپھڑاتے ہوں وہ ہر سو
نہاؤں اور کھیلوں ساتھ تیرے   رہوں اسطرح سے میں ساتھ تیرے
رکھوں پانی میں تجھکو دیر تک میں   رہوں پانی میں خود بھی دیر تک میں
نہیں میں چاہتی ہوں سُرگ و جنت   نہیں میں مانگتی ہوں خیر و برکت
کہ جس سے زندگی خوشحال گذرے   بعزّ و جاہ و با اقبال گذرے
نہو مانع مجھے میرے خداوند   کہ ہوں بس قول کی اپنے میں پابند
چلونگی ساتھ بہرِ دشت گردی   کروں گی ساتھ ہی صحرا نوردی
رہوں گی ساتھ میں اس طرح گویا   اسی گھر کا ہے میرے سر پہ سایا
رضا جوئی رہے گا کام میرا   رضا خواہی میں ہو گا نام میرا
قدم تیرے کریں گے رہنمائی   میرے قدمونکی تب ہو گی رسائی
بسا ہے تو ہی دل میں میرے آکر   تو ہے مالک مرا میں تیری چاکر
نہیں مجھکو سوا تیرے سروکار   ہیں تجھکو جانتی ہوں اپنا مختار
نہیں پرواہ مجھکو دوسرے کی   اگر پرواہ مجھکو ہے تو تیری
نکر انکار میری التجا سے   نہو بیزار تو میری بکا سے
تیرے دل کو نہیں پہونچیگا کچھ رنج   سمجھ لے بات یہ اے مصلحت سنج
نہیں ہرگز تجھے موقع ملے گا   کہ تو لائے زباں پہ میرا شکوہ
مجھے پلچل میرے پیارے نہیں تاب   کہ دیکھوں ہجر کا صدمہ میں بیتاب
جدائی میں تیرے اے مہر طلعت   گذرنا ہو گا دنِ دن کا قیامت

قسم کھاتی ہے سیتا جان دے گی نہیں ہرگز نہیں ہرگز جئے گی

جواب رآم خطرات صحرا

سُن اے تو طبقۂ اعلیٰ کی دختر گھرانے کی بڑی اے مہرِ انور
یہاں رہ اور فرض اپنا بجا لا یہاں رہ اور خدمت کا صلہ پا
یہی ہے خاص مرضی میرے دل کی میں کہتا ہوں تجھے اب اپنے دل کی
سُن اے سیتا سُن اب تو میری پیاری کہ آئی ہے میرے کہنے کی باری
سُن اے تو نازنیں اور ناز پرورد نقیح و ناتواں و بارخ زرد
توجہ کر کے سُن میرے بیاں کو ہلا دیتا ہے جو کرّ و بیاں کو
میرے مضموں سے ہوتی ہیں ہویدا یکے با دیگرے خطرات صحرا
تیری گفتار کے بھتنے ہیں الفاظ حماقت سے بھرے ہیں سارے الفاظ
میں کرتا ہوں انھیں یکسر قلم زد میں کرتا ہوں اُنھیں بس یکقلم رد
یہ بے سُود اور نادانی کی تجویز یہ نافہمی کی کم سمجھی کی تجویز
یہ تیری آرزو اور یہ تمنّا کہ تو مسکن کرے صحرا کو اپنا
تو کر اسکو سراسر ترک اور چھوڑ اور اس خبطی ارادے سے تو منہ موڑ
ہراس و یاس ہے سامانِ صحرا امید و بیم ہے سامانِ صحرا
جو ہے صحرا نورد و دشت گرداں وہ ہے صحرا کی وحشت سے پریشاں
سفر جنگل کا جاناں پُر خطر ہے وہاں ہر کھوہ میں شیر ببر ہے
وہاں مسکن ہے شیرانِ ژیاں کا وہاں ماوا ہزبرانِ زماں کا
بہت خطرے ہیں جنگل کے سفر میں بہت خطرے ہیں جاناں بحر و بر میں
بکہفِ خود نہاں غرّندہ شیرے بجوفِ کوہ افگندہ غریوے
غریوش کو بہ ابر و رعد مانَد صدایش تہلکہ در دل رساند

غریوش میشود ہر لحظہ محسور ور — رسد شورش کناں چوں سیل از دور
ہمیں سیلابِ سیلِ کوہ ہربار — ہمیں آرد بہ خشمش اے نکوکار
نہیب و خوفِ عزیزاں چناں است — کہ ہر موئے بدن گرمِ فغاں است
اسی سے میں تجھے کہتا ہوں ہربار — کہ صحرا میں نہیں آرام زنہار
غم و اندوہ سے صحرا بھرا ہے — نہیں صحرا تیرے رہنے کی جا ہے
نہیں صحرا تیرے پھرنے کے قابل — نہیں صحرا ترے رہنے کے قابل
ندی نالوں میں جنگل کی دغا ہے — عجب پانی کا واں کے ماجرا ہے
نہیں معلوم ہے کس جا پہ پایاب — نہیں معلوم ہے کس جا پہ غرقاب
نہیں معلوم واں دلدل کہاں ہے — نہیں معلوم واں پھسلن کہاں ہے
مگر کیچڑ ہی کیچڑ ہے وہاں پر — نہنگ و فیل رہتے ہیں جہاں پر
بڑا مشکل ہے پار اونکے اُترنا — بڑا دشوار ہے اُن سے گذرنا
غم و اندوہ سے صحرا بھرا ہے — نہیں صحرا تیرے رہنے کی جا ہے
مسافر ڈھونڈتا پھرتا ہے جب راہ — تو جا پڑتا ہے خارستاں میں ناگاہ
الجھ جاتے ہیں بیلوں میں جہاں پاؤں — نہیں ملتی جہاں ہے نام کو چھاؤں
بیاباں میں ہے ایسی خار بندی — خس و خاشاک کی ہے وہ بلندی
درختوں کو لیا ہے خار نے ڈھانپ — بڑی گھاسیں بنی ہیں صورتِ سانپ
درختوں سے لپٹ کر سر چڑھی ہیں — غرض یہ جھاڑیاں اتنی بڑھی ہیں
درختوں کے سرے ایسے ہیں پھانسے — گذر آدم کا مشکل ہو وہاں سے
کہاں تو اور کہاں وہ دشتِ ادبار — کہاں تو اور کہاں دامانِ کہسار
کہاں صحرا نوردی اور کہاں تو — کہاں جنگل کا رہنا اور کہاں تو

کہاں وہ دشت غربت اور کہاں تو — کہاں وہ شام نکہت اور کہاں تو
کہاں تو رونق گلزار دسرتھ — کہاں تو زینتِ گفتار دسرتھ
کہاں تو شمعِ بزم عیش و عشرت — کہاں تو عزم عزمِ ہر عزیمت
کہاں اے نازنیں نازک ترے پاؤں — کہ کانٹوں میں چلیں یہ نازنیں پاؤں
وہاں ریگِ بیاباں جلتی رہتی — کہ ہر ذرہ سے آتش ہے نکلتی
وہاں زہر آب ہے ہر قطرۂ آب — وہاں خون ناب ہے ہر قطرۂ آب
بیاں خطرات کا کافی ہوا ہے — نہیں چون و چرا کی اسمیں جا ہے
سُن اب تو اے جنک کی دختِ خوش خو — نکر اسمیں ذرا بھی شک سرمو
بگوش ہوش سُن لے اے دل آرام — نہیں جنگل میں رہنے کا ترا کام
شنو اے کانِ نیکی زاریٔ ما — فدایت میکنم غمخواریٔ ما
بیا رنج و محن را غم گسارے — نظر کن بر منِ بیچارہ یارے
جو مقصد ہے ترا دے اسکو تو چھوڑ — جو نیت ہے تیری دے اسکو تو توڑ
جہاں تک مینے سمجھا ہے بصد غور — جہاں تک فکر نے میری کیا زور
یہی مجھکو نظر آتا ہے یکسر — یہی میرا نتیجہ ہے برابر
نہیں صحرا ترے پھرنے کے قابل — نہیں صحرا ترے بسنے کے قابل

استرجاعِ سیتا

ہوا اسطرح سے جب رام گویا — سُنا سیتا نے جنگل کا سراپا
ہوئی وہ مبتلائے رنج و حرماں — ہوئی حد سے زیادہ تب پریشاں
بھر آئے اشک آنکھوں میں علی الفور — لگا دھندلا نظر آنے اُسے اور
نہایت نرم و دردیلی صدا سے — نہایت دلربائی و ادا سے
[illegible] سے پانچ — خطاب کیطرف اپنے [illegible]

تمامی دہشتیں صحرا کی اور سہم
تمامی ہیبتیں صحرا کی اور وہم

تمامی رنج و حرماں کی حکایات
تمامی دشت کی آلام و خطرات

کئے ہیں جس قدر تو نے شمارہ
ڈرانے کو مرے اے ماہ پارہ

نہیں کر سکتے میرے عزم کو فسخ
نہیں کر سکتے میرے قصد کو نسخ

سبب یہ ہے کہ جب تو ہو میرے ساتھ
رکھے سر پر مرے جب اپنا تو ہاتھ

مصیبت میری ہو جائے گی راحت
خسارت میں مجھے ہو گی فلاحت

نہ ہو گی ایک ذرّہ مجھکو تکلیف
کہ میری عادتوں میں ہو گی تخفیف

ضرور و بالضرور اب اے دل آرام
چلوں گی ساتھ ہی تیرے میں اے رام

یہی ہے حکم اب بابا کا میرے
چلوں میں ساتھ اور ہمراہ تیرے

جدائی میں تری اے ماہ طلعت
یہانتک ہو گی میرے غم کی غایت

کہ دل جائے گا بالکل ٹوٹ میرا
کہ ہم جائیگا بالکل پھوٹ میرا

تیرے دیدار کی حسرت میں مجبور
تیری دوری میں ہو مجبور و رنجور

کریگی جاں میری فرقت بدن سے
نکل جائیگی میرے تن سے سن سے

پس اے میرے مہیپت رام پیارے
تو ایسے وقت میں آ میرے آڑے

جو تیرے باپ کا فرمان ہے تجھکو
کہ تو اب رخ کرے صحرا کو یکسو

میری شرکت ہے اسمیں اب ضروری
ذرا مجھکو نہیں تاب صبوری

نہ کر انکار اس شرکت سے میری
اجازت دے مجھے اے جان میری

کہ تیرے ساتھ ہی آ جاں چلوں میں
جہاں پر تو ہے اُس جا رہوں میں

نہیں انکار واجب ہے تجھے اب
کہ ہے میرا ارادہ مستقل اب

سن اے میرے پتی اے میرے سوامی
بجاں خوشتر بجاں بہتر گرامی

چلوں گی میں تو اب تیرے ہی ہمراہ
بجا لاؤنگی حکم شاہ ذیجاہ

میری مرضی ہے تیرے ساتھ جانا　　تیرے ہمراہ جنگل کو بسانا

کہ ہمراہی ہیں ایسے سورما کی　　شجاع بے بدل مردِ وغا کی

کہ جیسا تو ہے سورا اور بیر جانی　　یہ تیرتھ جاننا ہے دل لبھانی

میرا دل لوٹ ہے ایسے سفر پر　　سفر ہے یہ کوئی یا ہے فسونگر

تیرے ہمراہ تیرے ساتھ رہکر　　تیرے پہلو بہ پہلو راہ چل کر

مری خالص محبت کی بدولت　　مری واثق مودّت کی بدولت

مری روحِ صفا ہو جائے گی پاک　　گناہوں کی میرے ڈہو جائیگی خاک

کہ میرا پت میرے نزدیک ہے دیو　　نہیں اسمیں ہے کچھ بھی رنگ اور ریو

جواب رام

پس اب جانانِ من اے جانِ جاناں　　فدایت میکنم تاب و تواں ہا

تیری خالص تیری بھی سمجھ بوجھ　　تیرے اندیشۂ و افکار کی سوجھ

تجھے اس بات پر لاتی ہے ہر بار　　کہ چلنے کے لئے ہو جائے تیار

میرے ہمراہ چلے اور ساتھ میرے　　کرے جنگل میں اپنے بھی بسیرے

پس اے نیکی مجسّم آ میرے ساتھ　　میری مرضی کا لے اب ہاتھ میں ہاتھ

تیری لرزش تری لغزش غضب ہے　　قصور آنکھوں کا تیری اسمیں سب ہے

نگاہِ ناز کا تیرے اشارہ　　کیا کرتا ہے دلکو پارہ پارہ

وہاں جنگل میں جب ہو گا ٹھکانا　　میری محنت میں ہاتھ اپنا بٹانا

اور اس مدت میں جو نیکی بدی ہو　　بھلائی یا بُرائی جو بدی ہو

تو رہ ثابت قدم ہر حال میں جاں　　کڑی اور نرم کو اک طور سے مان

جب اسکے پت نے یہ مژدہ سنایا　　اور اسکو میٹھی باتوں سے رجھایا

کہ ہے چلنا ہے میرا اُس کو منظور　　سفر میں جنگلوں میں منزلوں دور

خوشی سے وہ ہوئی باچشم پر آب | اُٹھی فوراً گئی اندر وہ بیتاب
ہوئی تیار چیزیں سب بانٹنے کو | ہوئی تیار دولت بانٹنے کو

استدعاء لچھمن

وہاں لچھمن بھی تھا اسوقت موجود | نہیں موجودگی اسکی تھی بے سود
سُنی جب اُس نے دونوں کی یہ تقریر | ہوئی ہے جو ابھی بالشرح تحریر
گئی رنگت بدل چہرہ کی اُس کے | اور آنسو پھوٹ پھوٹ آنکھوں سے نکلے
اُٹھا سکتا نہ تھا سینہ کا وہ بار | کیا تھا اُس پہ جو تقریر نے وار
شکستہ دل دکھی حیران ششدر | گرا قدموں پہ بھائی کے وہ مضطر
ہوا اسطرح سے گویا وہ مسرور | کئے یہ اُس نے شکوے اس طرح پر
کیا بھائی کو بھی پابست سوگند | نہیں کھل سکتا تھا اپنی زبان بند
تمہارے دل میں گر ہے یہ سمائی | کہ تم جا کر رہو جنگل میں بھائی
جہاں ہر سمت ہاتھی جھومتے ہیں | جہاں ہر سمت آہو کودتے ہیں
تو میں بھی اپنا لے تیر و کماں آج | چلونگا ساتھ لیکر سامان آج
ہماری راہ ہوگی دشت و صحرا | جہاں چیتے درندے رہتے ہیں جا
چرندے بھی جہاں ہیں پائے جاتے | گزندے ہیں جہاں آ پڑتے آتے
نہیں پروا مجھکو اس جہاں کی | (ق) نہیں پروا دھن دولت یا مکاں کی
جہاں رہتے ہیں اوپر دیوتا سب | جہاں ہوتا ہے حاصل سب کا مطلب
نہیں پرواہ مجھکو زندگی کی | اگر دھن ہے تو تیری بندگی کی
ملے گر تینوں عالم کی خدائی | نہیں منظور ہے تیری جدائی
برائے شرکتِ اوقات صحرا | گزارے جنکو بھائی آ سکے جا
یہی لچھمن کی تھی دل کی تمنا | یہی تھا التماسِ دردافزا

بصد عجز و نیاز و انکساری | بصد منت بصد الحاح و زاری
مگر تھا رام کو انکار اکثر | وہ کرتا ہی رہا نانا مکرر
کہ پھر لچھمن ہوا اسطرح گویا | ورا الفاظ ملایم خلق آما
اجازت جبکہ پہلے دے چکا ہے | بتا انکار کی اب وجہ کیا ہے
بتا مالک مجھے ہرگز نہ چھوڑ اب | مرے اس شیشۂ دل کو نہ توڑ اب
تو ہے میری پناہ و پشت مالک | تو ہی ہر امر میں میرا ہے مالک
دیا کر مجھ پہ اے سوامی دیا کر | کرپا کر مجھ پہ اے سوامی کرپا کر
کرم کر مجھ پہ اے سردار پیارے | نہ چھوڑ اب مجھکو پیچھے تو دوارے
سن اے بھائی اگر ہے جستجو [illegible] | میرا جینا تو [illegible] سے دور
تو کر [illegible] میری [illegible] | [illegible]
[illegible] | [illegible]
تب اس نے رام کو اسطرح دیکھا | کہ آیا اب بھی سکھ [illegible]
پھر اس سردار عالی مرتبت نے | [illegible]
مخاطب کرکے اسکو کی یہ تقریر | [illegible]
[illegible]

تو کردہ جیسی میری مشورت ہے
کہ چلنا اس مطابق مصلحت ہے

حمایت میں تو رہ اُس نیم جاں کی
حفاظت کریہاں بس میری ماں کی

نہوئے پائے کچھ اُس کی حقارت
کہ ہے نازک بہت اب اسکی حالت

اگر مانے گا تو میری نصیحت
میں سمجھونگا تجھے میری ہے الفت

یہی اک بات ہے کر اسکی تعمیل
بزودی و بسر گرمی بہ تعجیل

وگرنہ لایقیں اور رکھ یہ باور
نہیں ہے خیر کوسلیا کی دم بھر

جدائی میں کبھی نور بصر کی
نہیں آرام سے گذرے گی اسکی

یہ سخنانِ ملائم لطف آمود
محبت کی بھری اور درد آلود

ہوئیں جب گوش زد لچھمن کے اکبار
وہ سردار صفا باطن وفادار

ہوا تیار دینے کو جواب اب
کہ تا حاصل ہو دلکا اپنے مطلب

جواب اسکو دیا جو تھا سراپا
علوم و فضل کا موّاج دریا

جواب ایسا بلاغت تھی سخن میں
دُرِ مَریری فصاحت تھی دہن میں

نہیں بھائی نہیں تو ہے زبردست
تیرے آگے ہے سب کا حوصلہ پست

بھرت چوکس رہے گا اور خبردار
وہ ہے ہر کام میں ہرگز نہ ہشیار

نہوگا بال بیکا رانیوں کا
ضرر سے دونوں آن پڑا ہیوں کا

محبت سے رکھیگا انکی سب داشت
حفاظت سے کریگا غور و پرداخت

وہاں جا کر میں کام آؤنگا بھائی
کروانگا کچھ تیری [illegible] روائی

اعانت میری شاید ہوگی درکار
وہ جنگل ہے نہیں وہاں اپنا [illegible]

کمان و تیر اپنا ساتھ لونگا
[illegible]

[illegible]
[illegible]

[illegible]
[illegible]

ترے پانوں کی خاطر دست بستہ — میرا کھر پا کرے گا صاف رستہ

جڑیں اور میٹھے میٹھے بیر اور پھل — میں لاوں گا مجھے جو دیگا جنگل

علاوہ اسکے اور جنگل کا میوا — میں لاؤں گا کرونگا تیری سیوا

یہی پھل مول جنگل میں ہیں کھاتے — یہی صحرا نشینوں کو ہیں بھاتے

ببوں پر کوہ کے بیٹھے گا جب تو — ترے ساتھ ہو گی جسدم تیری جورو

میں لونگا اپنے ذمہ کار محنت — میرے حصہ میں آویگی مشقت

میں لونگا اپنے ذمہ چوکی پہرہ — حفاظت تیری ہوگی میرا بہرہ

تو ہو آرام میں اُسدم کر بیدار — رہونگا کام پر اپنے میں ہشیار

سنی جب رام نے اسکی یہ تقریر — کہ جس سے ہوگیا دل اسکا تسخیر

خوشی میں فخر سے اتنا وہ آیا — نہ جامے میں وہ پھر پھولا سمایا

کہا لچھمن سے پھر ہو ہو کے مسرور — کہ جیسا ذیل میں ہوتا ہے منظور

تو پھر بھائی تو جا اور ہوئے رخصت — بہت کم رہگئی ہے دیکھ مہلت

وہاں دوارن نے دی تھی ایک سوغات — جنک سے جب ہوئی ان کی ملاقات

اُسی سوغات میں تھیں دو کمانیں — نہیں بچتی کسیکی جنسے جانیں

یہی علوی کمانیں دونوں لانا — گئے تم ہو سمجھ اب تمنے جانا

کمانیں وہ کڑی ہیں اور بھاری — کہ جنکو دیکھ کے ہو خوف طاری

زرہ [illegible] جو [illegible] علوی [illegible] — وہی جو [illegible]

یہ سب لانا تو اپنے ساتھ لچھمن | یہی ہوگا ہمارا بن میں سب دھن

حفاظت سے یہ سب رکھے ہیں تنہا | میرے اُستاد کے دالاں میں یار

جہاں استھان ہے سب ٹھاکروں کا | جہاں ساماں سے ہوتی ہے پوجا

تو پھر جا جلد لچھمن اُن کو لے آ | ہمارے کام آویں گے کسی جا

مصمم کرکے وہ اپنا ارادہ | برائے بود و باش دشت و صحرا

گیا وہ دوستوں سے اپنے ملنے | توقف کی اجازت دی نہ دل نے

وہاں سے پھر گیا اُستاد کے گھر | جہاں تھے اسلحہ رکھے برابر

یہی علوی سلاح و تیر و بکتر | گرو نے رام کے رکھے سجا کر

انہیں سب کو وہ لایا رام کے پاس | بلا وقت بلا تشویش و وسواس

وہ نادر اسلحہ اور حیرت افزا | چمکتے اور جھلکتے تھے سراپا

دکھائے رام کو اُس نے وہ لاکے | لگایا ایک جگہ سب کو سجا کے

جو دیکھا رام نے لچھمن سے آیا | تو بھائی سے ہوا اس طرح گویا

بہت خوب آئے تم آؤ برادر | میرے پیارے مری جاں کے برابر

تمھارا منتظر تھا دیر سے واہ | تمہاری دیکھتا تھا دیر سے راہ

کہ تا تیری مدد سے قبل رفتن | [illegible] بخشوں سیم اور زر کے خزانے

رعایا کی آہ و زاری

کیا سب نے [illegible] کا اس طرح بیان | دعا دیتا تھا [illegible] رام [illegible]

[illegible] سب پریشاں | [illegible]

[illegible] لوگو [illegible] | [illegible] دیکھا [illegible] اپنے [illegible]

[illegible] | [illegible] پر [illegible]

[illegible] اپنی [illegible] | [illegible]

وہ اب پیدل چلا آتا ہے ہے ہے　　کلیجہ بس پھٹا جاتا ہے ہے ہے
رفیقوں سے رفیق راہ کوئی　　انیسوں سے نہیں ہمراہ کوئی
فقط لچھمن نے اسکا ہے دیا ساتھ　　فقط سیتا نے اسکو ہے دیا ہاتھ
یہی دو لوگ ہیں اُسکے ہم سفر ہیں　　شریک راحت و رنج و سفر ہیں
حکومت سے مرے گو سب ہیں معلوم　　نہیں اُسکے لئے ایذا سے محروم
اگرچہ کر رہا ہے صرف انعام　　بڑی دریا دلی سے کب کا کام
وہ لے طاعت کے رستے پر چلے گا　　نہیں اس راہ سے [illegible]
رہے گا قول پر اپنے وہ قائم　　سچائی باپ کی رکھے گا قائم
ادھر دیکھو اُدھر دیکھو یہ اندھیر　　ہوا کیسا [illegible]
وہ آئی کون ہے گو گھٹ نکالے　　[illegible]
[illegible] ناتواں و بیچارہ　　[illegible] ہے بدل تابندہ چوں ماہ
وہی کومل بدن جس کا ہے مشہور　　وہی پردے میں جو رہتی تھی مستور
ہواؤں سے بھی پردہ تھا گھر میں　　لگے پردے تھے ہر دیوار و در میں
وہ اب بے پردہ چلتی ہے [illegible]　　یہ کیسا روپ ہے جس روپ میں ہے
ستم سب دیکھتے ہیں پھیر والے　　[illegible]
پلی ہے ناز و نعمت میں یہ غربت　　ستم ہے اسکی حالت پر [illegible]
روا ہوا سب پہ بیداد و بیداد　　سنا ہوا کسی یوں [illegible] فریاد
گھٹا چھائے گی جب صحرا میں گھنگھور　　پپیہا بولتا ہوگا کہیں مور
برستا ہوگا موسل دھار پانی　　گرجتا ہوگا بادل آسمانی
پڑے گا جبکہ وال سردی کا چلہ　　اٹھیں گے دام [illegible]
پھڑک کر جان دے گا طائر دل　　دھڑک سے دکھی جینا ہوگا مشکل

بگڑ جائینگے مہدی سے رنگے پانؤں — چلیگا پھر کسی کا کچھ نہیں دانؤں
اگر سچ پوچھو اُسپر جن چڑھا ہے — نہیں دسرتھ وہ اب دسرتھ رہا ہے
کہے گا کون وہ ہے باپ اس کا — وہ تھا ارشاد اپنے آپ اس کا
نہیں جو بولتا مُنہ سے وہ جن ہے — نہیں جو کھیلتا سر سے ہے جن ہے
وگرنہ کیونکہ ممکن ہے کہ کوئی — جو ہو شاہِ زماں شاہِ نکوئی
کرے بیٹے کو اپنے خانہ برباد — نکالے گھر سے اسکو بادل شاد
کہ تا وہ کوہ وصحرا کو سدھارے — مصیبت میں رہے گھر سے کنارے
نہ صرف اُسپر پڑی ہے یہ مصیبت — رعایا کی بھی ہے اسمیں شراکت
نہایت غم میں ہر جا مبتلا ہے — کہ ہر جا نالہ و شیون بپا ہے
ہوئی حالت ہے اسکی ایسی بیتاب — کہ جیسے جانور آبی ہو بے آب
بس اب ہم لوگ بھی لچھمن کے مانند — وفاداری میں جو رہتا ہے خورسند
چلیں گے ساتھ بہرِ دشت گردی — رہیں گے شاملِ صحرا نوردی
وہ سچا ہے تو ہم بھی اسکے مانند — سچائی کے رہینگے اسکے پابند
کرو جلدی کرو جلدی کرو سب — چلو جلدی جہاں جائے گا وہ اب
یقیں مانو کہ ہم دیوینگے سب چھوڑ — مکان و باغ سے لیوینگے منہ موڑ
کرینگے ترک اپنی کشت زاریں — نہ لوٹینگے یہاں کی اب بہاریں
کرینگے ترک اپنے گوشہ و کُنج — نہیں ہم تنگ ہیں اور ہیں نہیں رُنج
ہمارے جتنے ہیں ماوا و مسکن — ہمارے جتنے ہیں ملجا و مامن
ہمارے سیر کے سارے مقامات — ہمارے لطف کے پیارے مقامات
کرینگے انکو ہم ایکبارگی ترک — کہ ہم رکھتے ہیں اپنے فعل میں درک
پھر اسکے بعد ہم پا کے فراغت — بدل ہونگے شریک و رنج و راحت

چلیں گے پیچھے پیچھے رام کے سب — بر آوے گا ہمارے دل کا مطلب
اسی پر متفق اور یکزباں تھے — یکے با دیگرے ہمداستاں تھے
یہی تھے مختلف الفاظ پر زور — کہ غلغلہ ہو رہا تھا بھیڑ میں شور
یہ سب باتیں یہ تقریریں یہ گفتار — محبت اور مودّت سے شکر بار
سنی سب رام نے متوجہ ہوکر — ہوا خاموش پھر اسکو وہ سنکر
نہ بدلا پھر بھی اپنا عزم محکم — نہ بدلا جو ارادہ تھا مصمم
بزودی آگیا شہ کا محل پاس — بلندی میں نظر آیا جو کیلاس

محل میں رام کا داخلہ

سلونا سانولا وہ سرو بالا — جو تھا رگھو بنس کے گھر کا اجالا
وہی سرور وہی سردار یکتا — نہیں رکھتا تھا کوئی اپنا ہمتا
براہ العین دیکھے گر کوئی عین — تو بول اٹھے کہ ہے سچ مچ کنول نین
اسی رتھ بان سے جو واں کھڑا تھا — مخاطب ہوکے جلدی سے یہ بولا
کہ کردے تو خبر یہ جا کے اندر — کہ حاضر ہوں یہاں میں ڈیوڑھی پر
زبوں طالع پدر کو اپنے گویا — کھڑا چپ چاپ پر آ ماسن رہا تھا
کھڑا لچھمن بھی تھا اس کے برابر — جواب اس نے دیا جب یوں مکرر
ادب سے شہ کی خدمت میں پکارا — یہ پایا تھا جناب رام جی کا
خداوند مجھے یہ کھانے گر آئے — تو کل ملنے نہیں ہے آنے یہ ہمارے
[illegible] — یہ زور [illegible]
میں دیتا سب پہ ہوں ترجیح جارا — نہیں ہو سکتا کوئی اب ہے
جو روکے مجھکو آج اس سفر سے — نہیں مطلب مجھے کچھ سب [illegible]
نہیں مطلب ہے اب اس سرزمیں سے — جو میری اب نہیں دور و قریں سے

جسے معہ اُسکی ٹکلیوں دلربا کے
جسے معہ اُسکی صوبوں غلہ زا کے

جسے معہ اُسکی کُل اموال و اجناس
جسے معہ اُسکی کل بنگاہ و افراس

جسے معہ اُسکی خلق و مردماں کے
جسے معہ اُسکی سقف و آستاں کے

میں کرتا ترک ہوں اپنی خوشی سے
میں چھوڑے دیتا ہوں بے غل غشی سے

کرے بھارت اب اس پر حکمرانی
چلائے سکۂ کشور ستانی

اور اے شاہِ زمن وہ قول و اقرار
کیا تھا تو نے رانی سے جو اکبار

ز راہِ لطف شاہی مہرباں ہو
ز الطافِ کماہی دُرفشاں ہو

کبھی پہلے زبانِ پاستاں میں
مصیبت اور خطرہ کی زماں میں

وہ پورا کر بر آوے جس سے مقصود
ہو جس میں سربسر رانی کا بہبود

عطا کر اس کو تو انعامِ موعود
کہ آپہونچا ہے اب وہ وقتِ معہود

سچائی رکھ تو اپنی شاہ قائم
ترا دست کرم ہے جُود کایم

سخی ایسا کہ دیتا ہے خزائن
زر و گوہر سے بھر دیتا ہے دامن

ہے مجھپر فرض تیرے قول کا پاس
یہی مطلب ہے میرا اور میری آس

زباں سے تیری جو نکلا ہے شاہا
بجا لانا ہے اس کا میرا ذِمّا

برس چودہ تلک با حسن کردار
میرا مسکن رہے گا دشت و کہسار

رہونگا ساتھ خوش باشان جنگل
جہاں ابرار کا ہوتا ہے دنگل

حکومت جاہ - یا شوکت کی امید
نہیں کر سکتی میرے دل کو اب صید

سرورِ طمع کا مائل نہیں ہوں
نشاط و عیش کا سائل نہیں ہوں

نہیں ہوں خود غرض یا نفس پرور
مجھے ہے شوق سرداری کا کمتر

میں ہوں راگھو کا بیٹا رکھتا ہوں آن
دل و جاں کو فدا کرتا ہوں ہر آن

بجا لاؤں گا فرمانا پدر کا
میں بندہ اس کا ہوں نے سیم و زر کا

حضوری میں تیری اے شاہ والا — ترے سچ کی قسم کھا کر ہوں کہتا
ترے اعمال کی کھاتا قسم ہوں — ترے افعال کی کھاتا قسم ہوں
وہ اعمال ایسے جو نیکی میں برتر — وہ افعال ایسے جو خوبی میں بہتر
کہ مجھکو حُبِّ جاہ و منزلت کی — حکومت کی مسرت مرتبت کی
ہوس املاک کی اور سلطنت کی — غرض شاہی کی ایسی مملکت کی
نہیں اصلا نہیں اصلا ہے دل میں — اطاعت پڑھے میرے آب و گل میں
ہوئی ہے زندگی سے مجھکو نفرت — نہیں ہے خلد تک کی مجھکو حسرت
سمجھتا ہوں حقیر و پست و ناچیز — تمامی برکتوں اور خیر کو نیز
میری ہے آرزو دل کی تمنا — رہے قایم سدا اے شاہ والا
ترا سایہ ہمارے سر پہ دائم — ملامت سے بری باصد مآتم
تیرے قدموں کے نیچے لینا بسرام — گھڑی بھر کے لئے بھی کرنا آرام
یہ ہونے کا نہیں اے شاہ شاہاں — یہ ہونے کا نہیں اے شاہِ دوراں
یہ ہو سکتا نہیں مجھسے میرے باپ — نہ اس بارے میں کچھ فرمائیے آپ
تو پھر اس رنج کو بھی دور کیجئے — نہ پھر رنج و الم کا نام لیجئے
سبب یہ ہے کہ یہ میرا ارادہ — جو ہے مضبوط پیشِ پا فتادہ
بڑا پکا ہے اور ہونا نہیں فسخ — نہیں ٹوٹیگا اور ہوتا نہیں نسخ

کیکئی کو لعن وطعن

سومترا غیظ سے مغلوب و بیتاب — کھڑا تھا ہاتھ ملتا چشمِ پُر آب
یہ بے صبری کا غلبہ تھا کہ ہر بار — ہلاتا تھا وہ اپنے سر کو چوں مار
لرزتا تھا بدن اسکا غضب سے — زباں پر آہ تھی رنج و تعب سے
نہ یارا تھا کرے وہ آہ کو ضبط — الم سے ہوگیا تھا اسکو اک خبط

بھرا غصہ میں ہر دم پُلکپاتا — اور آنکھیں لال لال اپنی دکھاتا
نظر آتی تھی صورت بدلی بدلی — اڑی رنگت تھی وحشت سے غضب کی
غم و غصہ کا جو غلبہ ہوا تھا — حدودِ داب سے گذرا ہوا تھا
اسی حالت میں حسرت کی کٹار وہ — مزاجِ شاہ کو دیکھا کیا وہ
پھر اُس نے طعن کے تیروں سے بیدھا — کلیجہ کیکئی رانی کا چھیدا
وہ تیر ایسے کہ چھدنے میں بہت تیز — وہ پھل ایسے کہ چبھنے میں شرر ریز
گرائیں بجلیاں اُس کے بدن پہ — لگے الفاظ اُس کو گولی بنکر
صریرِ خامہ یوں گریہ کناں ہے — کہا تھا جو اُسی کا یہ بیاں ہے
سُن اے خاتون بیرحم و جفاکار — بدی خواہ و زبوں و زشت کردار
خدا سے خوف تو کرتی نہیں ہے — غضب سے اُس کے تو ڈرتی نہیں ہے
دغا کی تو نے خود سرکتھ سے عیار — جو ہے شاہِ زمن عالم نگہدار
بتا اس سے زیادہ وحشت انگیز — معیب و شرمناک و دہشت آمیز
بتا اس سے بڑی اب کیا خطا ہے — جو باقی رکھنا تیرا مدّعا ہے
کیا برباد اپنے خانداں کو — ہلاکو بن گئی تو اسکی جاں کو
وہی یہ خانداں جس میں تو آئی — وہی وہ شاہ جس کے ساتھ بیاہی
ترے افعالِ بیرحمی سے وہ شاہ — گرفتارِ مصیبت ہو گیا آہ
یہی ہم سب کا ہووے گا بڑا کام — کہ ہم بھی ساتھ جاوینگے جہاں رام
سفر میں ہوگا پیدل دشت پیما — لگائے گا جہاں جا اپنا ڈیرا
بنے گی جس قلم رو کی تو رانی — کرے گی جسپہ اپنی حکمرانی
نہیں کوئی برہمن واں رہے گا — نہیں آدر ترا کوئی کرے گا
حقارت سے تجھے دیکھیں گے سب لوگ — لگائینگے نہیں اصنام کو بھوگ

مگر سب بھاگ جائینگے یہاں سے — بھرے غصہ میں سب اپنے مکاں سے
اسی سے اپنے جرموں کو سمجھ لے — اسی سے انکا اندازہ تو کر لے
کیا ہے تو نے جو یہ دخل بیجا — اسی سے اسکا اندازہ سمجھ جب
جرایم کو ترے جب دیکھتا ہوں — ذمایم کو ترے جب سوچتا ہوں
مجھے ہوتا تعجب ہے یہ ہر بار — کہ تو کسواسطے زندہ ہے مکار
یہ دھرتی مائی پھٹ جاتی نہیں کیوں — جھپٹ تجکو نگل جاتی نہیں کیوں
مجھے یہ بھی تعجب ہے سراسر — کہ کیوں یہ برہمن پاکیزہ گوہر
نہیں لاتے ہیں سوزندہ سلاخیں — کہ تا تیرے بدن کو اُن سے داغیں
کریں داغی تجھے اور تیری جاں کو — تری ارواح کی تاب و تواں کو
نہیں کسواسطے کرتے ملامت — کہ تا ہووے تجھے کچھ تو ندامت
کہ تا آوے تجھے تھوڑی سی غیرت — خجالت کچھ تو ہووے شرم عورت
تیری ماں میں تھے جتنے نقص اور عیب — تجھے ورثہ میں پہونچے بیشک و ریب
تری فطرت تری خصلت وہی ہے — تیری سیرت تری نیت وہی ہے
کہا ہے شئے جو منظور کر تو — خودی کو اپنے دل سے دور کر تو
میری رانی تجھے واجب ہے تعمیل — نہیں لازم ہے کرنی اُسمیں تعطیل
بجالا حکم کو شوہر کے اپنے — دکھا نیکی کے تو جوہر کو اپنے
کہ تا پاکر ترے دم کا سہارا — رعایا بول اُٹھے اُمید گا ہا
حماقت کے نشہ میں ہو کے مخمور — نہ کر وہ بات جو ہے عقل سے دُور
نہ کر مجبور تو راجہ کو اسیر — کرے پامال وہ فرضوں کا دفتر
فرائض کے ضوابط اور قوانیں — کرے وہ مسترد اے ناعاقبت بیں
عظیم الشان جلیل القدر و ذیجاہ — ہمارا جو ہے عالی مرتبت شاہ

غبارِ معصیت سے پاک داماں / بسانِ نیّرِ اعظم درخشاں
نہ رکھے گا روا ایسے عطا کو / کہ جس سے ہو مدد دغل و دغا کو
نہ حارج ہو تلک میں رام کی تو / نہیں ہے عیب جس میں یکسرِ مو
رہی بیٹھی یہ سب وہ سن سنا کے / بڑھی آگے کو مسند کو دبا کے
یہ سب دیکھا کئے جتنے تھے موجود / بحالِ زار خود رنج و غم آمود
نہیں دیکھا کسی نے اسکا چہرہ / ذرا بھی سکے ان باتوں کو بدلا
نہیں باقی تھی اسکی آنکھ میں سیل / بگڑ ایسا گیا تھا وقت کا نیل

سدھارتھ کی تقریر

پسر پر اکشواکو کے پڑی تھی / مصیبت سخت ایسی وہ گھڑی تھی
حلف تھا جو بڑا اس نے اٹھایا / وہ خود کردہ تھا خود ہی پیش آیا
ہوا تھا کشٹ سے کشتہ وہ محزوں / ہوئی تھی رنج سے حالت دگرگوں
امنڈتے اشک تھے آنکھوں سے ہر دم / کیا تھا درد نے بس ناک میں دم
زباں پر آہ تھی لب پر فغاں تھا / بلا کا دردِ دل دل میں نہاں تھا
سومنترا کو مخاطب کر کے بولا / زباں کے قفل کو اسطرح کھولا
تو کر تیار دم میں فوج جرّار / سپہ میں ہوں پیادے اور اسوار
منگا سب فیلخانہ کے تو ہاتھی / بلا سب چاکروں کو اور ساتھی
منگا سب اصطبل کے اسپ خوش رنگ / کہ جنکو دیکھ ہو چشمِ فلک دنگ
منگا سب گاڑیوں بیلوں رتھوں کو / بلا سب گاڑی بانوں کے جتھوں کو
کہ تا جب ہو روانہ وہ جگر بند / نہالِ باغِ راگھو کا وہ پیوند
تمامی شہر کی خلقت زن و مرد / تو کر دے ساتھ اسکے اے جواں مرد
کہ تا جنگل میں ہووے جبکہ خوش باش / وہ بھولے سلطنت کو اپنے اے کاش

مری دولت مری ثروت مرا تاج / تو کر دے رام کے ہمراہ بس آج
یہ دولت رام کے حصہ کی ہے بس / اجودھیا بھرت کا حصہ ہے زاں پس
سنا جب کیکئی نے نفس مطلب / کہا تھا جسقدر دسرتھ نے وہ سب
ڈری وہ اپنے دلمیں ہو ہراساں / کہ استقلال رکھنا تھا نہ آساں
گئی اڑ تازگی چہرہ سے اُس کے / جھلکتا رنگ تھا چہرہ سے اُس کے
گئے تھے گال اُس کے سوکھ ایسے / خزاں میں خشک ہو ویں رُوکھ جیسے
بڑی ہیبت سے لغزش تھی زبانکو / زباں کو لرزہ تھا لرزش بیاں کو
بہت غم سے وہ گھبرائی ہوئی تھی / نہیں غیرت سے شرمائی ہوئی تھی
مخاطب ہو کے شوہر سے یہ بولی / زباں کھلتی نہ تھی مشکل سے کھولی
مگر بھارت میرا میرے خداوند / نہو گا سلطنت خالی سے خورسند
کرے گا کیا وہ غیر آباد بستی / جہاں ہو تنگدستی فاقہ مستی
نہیں ہوگا وہ ویرانہ کا حاکم / دیار اُجڑا ہوا ہو اور وہ ناظم
وہ کاگ اڑتی وہ جھاگ اُٹھتی کہاں ہے / کہ جو عیش و طرب کی جانِ جاں ہے
وہ شربت کیا رہا جسمیں نہیں زور / وہ شربت کیا رکھے جو کورکو کور
مرا بھارت مرا بیٹا مرا شیام / نہ ہو گا اور نہ ہے وہ دُرد آشام
یہ تھی تقریر ظالم کیکئی کی / زسرتاپا جو غصہ میں بھری تھی
نہایت سخت تھی تقریر اور گرم / نہیں تھی جسمیں کچھ آمیزشِ شرم
جواب اسکا دیا دسرتھ نے اسطور / کیا جاتا رقم ہے یاں پہ جس طور
نکلنا مجھکو مشکل اب ہوا ہے / ترے زخموں سے پھوڑا دل ہوا ہے
اری دوں ہمت و کمبخت رانی / اگر منظور تھا تجھکو نہانی
نہ نکلے میرے دل کا ایک ارماں / نہووے میرا دل شاداں و فرحاں

تو پہلے تجکو دیتا تھا مجھے روک — تھا واجب کہ ہنستے پر دیا ٹوک
بشکل شاہ کی پر غصہ تقریر — سنی تھی اُس نے جو تھی مہر تنویر
ہوا غیظ و غضب اس کا دوبالا — گیا اُس سے نہ آپے کو سنبھالا
بہ آوازِ بلند و غصہ آسا — ہوئی یوں شاہ کی خدمت میں گویا
مجھے حیرت ہے کیوں ہے یہ شش و پنج — میں بھولی ہوں نہیں رودادِ اسنج
ترا ساگر ترے پرکھوں کا پرکھا — ترے بابا کا بابا جدّ اعلیٰ
نسب نامہ ترا جس سے ملا ہے — ترے اس نام کو جس سے جِلا ہے
اسی کا تھا پسر اسنج نامی — بڑی سب میں تھا اولادِ گرامی
اُسی کو اُس نے تھا گھر سے نکالا — جسے تھا منتوں سے اُس نے پالا
اسی کا حال ہے ہم سب کو معلوم — کہ جسکی ذلت و خواری کی ہے دھوم
تو پھر اس طرح سے تو بھی پسر کو — نکالا دیس دے نورِ نظر کو
یہ سنکر شاہ بولا ہو کے بیزار — تیرے مُنہ پر پڑے دنیا کی پھٹکار
تھے جتنے اُسکے متوسّل کھڑے واں — ہوئے یہ سنکے سب سر در گریباں
وہ ایسی بیحیا تھی پاک بیباک — وہ ایسی مستقل تھی ڈھیٹ چالاک
وہ اپنے حال میں تھی مست ایسی — کہ اُس نے اونکی یہ حالت نہ دیکھی
سدا رنج و غضب میں [illegible] رہا تھا — طپش سے طیش میں آ [illegible] رہا تھا
[illegible] — [illegible] میں [illegible] دوراں
حلیم و [illegible] — نہیں تھا [illegible]
عبادت میں تھا مشہور [illegible] — ریاضت میں تھا [illegible] خلائق
خلیق ایسا کہ تھا خلق مجسم — [illegible] خاص و [illegible] منظم
مدلّل رائے فرزانہ سمجھا دیتا — جسے شاہِ زمن تھا مان لیتا

جواب اُس نے دیا یہ کیکئی کو　　لکھا جاتا ہے سطرِ ذیل میں جو
مگر اسمنج تھا ظالم گنہگار　　بڑا بیدرد و بیرحم و جفا کار
گلی کوچہ میں جو بچہ نکلتا　　اُچھلتا کھیلتا اور پاؤں چلتا
پکڑ کر اسکو وہ تھا ڈال دیتا　　ندی سرجو میں از بہرِ تماشا
ڈبوتا تھا ہر اک بچہ کو بد ذات　　خوش ہوتا مسکراتا تھا وہ ہیہات
اسی میں اُسکی تھی تفریح ساری　　یہی تھا شغل بس لیل و نہاری
خلائق دیکھ اپنے بنس کا ناس　　گئی غصہ میں دوڑی شاہ کے پاس
گئی سیدھی وہ اس کے باپ کے پاس　　بصد حرماں بصد حسرت بصد یاس
ہوئی اس طرح سے گویا وہ جاکر　　زبانی دست بستہ دُکھ سناکر
کہ اے زیبائشِ اورنگ و دیہیم　　کہ اے فرمانروا اے بندِ اقلیم
ہمیں رہنے دے اپنے دیس میں یا　　فقط اسمنج کو رہنے دے اس جا
سنا راجہ نے اس کا جب یہ شکوا　　کہا ہے کیا سبب اور کیا ہے خطرا
کہا تب ساری خلقت نے یہ رو رو　　مطابق یکدگر اور یکزباں ہو
کہ وہ اپنی رعونت میں ہے سرشار　　نہیں رکھتا ہے دلمیں اور کچھ کار
پکڑتا ہے ہمارے خورد اطفال　　ڈبوتا ان کو ہے سرجو میں وہ ڈال
غضب ہے اسطرح بچے جو کھیلیں　　وہ مارے جائیں اور تکلیف جھیلیں
غضب ہے انکا وہ دیکھے تماشا　　غضب حاشا غضب ہے ثم حاشا
مسرت اسکو ہو اور ہمکو حسرت　　مصیبت ہے مصیبت ہے مصیبت
شکایت کرنیوالوں کی شکایت　　سنی شہ نے بدل از لطفِ غایت
پھر انکی دلکی کاوش کو مٹایا　　کیا خوش سب کو اور سب کو منایا
نکالا دیس سے اپنے پسر کو　　مٹایا ساری خلقت کے خطر کو

مگر راما نے بتلا کیا کیا ہے　　بتا ہمکو کہ اُسکی کیا خطا ہے
بتا ہو کیوں سزا اُسکی بھی یکساں　　نہیں مشکل جواب اسکا ہے آساں
نہیں اس نام کو دھبہ لگا ہے　　نہیں ایک پاپ بھی اُس نے کیا ہے
کیا ہے غور اسپر ہم نے پیہم　　نہیں پاتے خطا اس میں کوئی ہم
رہا ہے زندگی بھر پاک و طاہر　　ہے جیسا اندروں ویسا ہے ظاہر
صفائی میں ہے مثل ماہ تاباں　　منور آپ جو مہتاب درخشاں
اگر تجکو خطا کوئی ہو معلوم　　بتا دے ایک بھی جو ہووے مذموم
کہ جس سے ابن راگھو کا نکو نام　　ہوا ہو ہر طرف مشہور و بد نام
تو اُسکو دے بتا اے شاہ بانو　　اسی دم اور ذرا پردہ نہ رکھ تو
تو پھر آنا بھی ہوگا عازم دشت　　پھرے گا دشت میں کرتا ہوا گشت
بس اے خاتوں تو بس کر او رباز آ　　یہ امید اپنی چھوڑ اور یہ ارادا
کہ تو برہم کرے عشرت کی محفل　　جو ہوتی رام چندر کو ہے حاصل
یہ ہے بے سود کیا تجکو ملے گا　　زباں بن جائے گا اور جاں کا سودا
یہ سودا تجکو سودائی کرے گا　　تجھے اسکا بڑا ہی پھل ملے گا
تری او گوری گوری گال والی　　نظر آئیگی صورت کالی کالی
تری صورت سے ہوگی سب کو نفرت　　تجھے دیکھیں گے از راہِ خشونت

نفرت تو کریگی سب کے ایکبار
حقارت سے تجھے دیکھیگا سنسار

صاحب۔ پنڈت بشمبر ناتھ صاحب عرف صاحب دہلوی خلف پنڈت بدری ناتھ صاحب دہلوی۔

ہمارے معزز ناظرین کو شاید تعجب ہو کہ جناب صاحب دہلوی کا اسم گرامی زمرہ شاعراں میں کیا سمجھکر رکھا گیا اور یہ تعجب انکا کسی حد تک بیجا نہو گا کیونکہ کبھی کوئی نظم جناب موصوف کی مراسلہ کشمیر۔ کشمیر درپن یا کسی اور رسالہ میں نظر سے نہیں گذری مگر اتفاق سے جب حقیر مولف (ج۔ ن۔ ریند) تلاشِ کلام شعراے قوم میں کشمیر درپن کی جلدوں کی ورق گردانی کر رہا تھا اسکی نظر اس تقریر جناب صاحب دہلوی پر پڑی جو آپنے بحیثیت صدر انجمن سوشل کانفرنس منعقدہ الہ آباد میں فرمائی تھی اور وہ کشمیر درپن ماہ اکتوبر سنہ ۱۹۰۳ء میں شایع ہوئی تھی اس تقریر کی شروع کی چند سطور اس موقع پر نقل کیجاتی ہیں جنسے ظاہر ہو گا کہ جناب صاحب دہلوی ایک دردمند دل اپنے پہلو میں رکھتے تھے اور آپنے اپنے تصنیف کئے ہوئے صرف تین شعر اُسوقت انجمن ارباب قوم میں بنز گا پڑھے تھے آپ فرماتے ہیں کہ مناسب یہ ہوتا کہ کوئی قابل بزرگ بجاے میرے رونق افروز ہو کر اپنی راے عدل کیساتھ منصفانہ ظاہر کرتا لکھنؤ کے چند سالانہ جلسوں میں بھی میں اتفاقیہ حاضری سے قاصر رہا آپنے ناحق میرا کفر توڑا حیرت میں ہوں کہ رفع اختلاف کے لئے کیا منصوبہ پیش کروں صرف اپنے مافی الضمیر کے ظاہر کرنے کی غرض سے میں اول پانچ شعر بہ اجازت آپ کے پڑھوں گا اُن میں سے دو شعر بڑے نامی اُستاد کے ہیں سرقۂ نامحمود سے بچنے کے لئے یہ عرض کرنا بھی مناسب نہو گا کہ اُن ہیں میں نے اندک تصرف لفظی و تغیر کی مبادرت کی ہے۔

دیگر تین شعر میرے اپنے کچکول سے ہیں کوئی اور قصیدہ بحر طویل یا بحر رجز میں ہرگز نہ پڑھوں گا وہ اشعار یہ ہیں ؎

خادم ہوں قوم کا مرا مسلک ہے صلح کُل ہرگز کبھی کسی سے شکایت نہیں مجھے

اصلاح قوم سے نہیں پرفاش کا خیال — سودا نہیں جنوں نہیں وحشت نہیں مجھے
کیا خوب ہو جو قوم میں ہو خبِ اتفاق — فرقے فضول بڑھنے سے راحت نہیں مجھے
پابندی ناگزیر ہے احکام کیش کی — اُن سے عدول کرنے کی جرأت نہیں مجھے

میری دلی دعا ہے کہ اخلاص ہو بہم — رنج و نفاق و بغض سے نسبت نہیں مجھے

میرے خیال میں ارباب قوم میں دو چار صاحب ہی ایسے ہوں گے جنکو صاحب دہلوی کے حالات زندگی سے کچھ واقفیت ہوگی اور کون صاحب ایسے ہوں گے جنکو آپکے سوانح کے مطالعہ یا واقف ہونے کا اشتیاق نہوگا آپ کی سوانح عمری جو فخر قوم سر تیج بہادر سپرو کے قلم جواہر نگار سے مرقوم ہوئے ہیں رسالہ کشمیر درپن بابت ماہ ستمبر ۱۹۰۳ء سے ماخوذ ہوکر اس موقع پر درج کیجاتے ہیں اور وہ اس قابل ہے کہ نوجوانان قوم اُس سے سبق لیں اور قدردانان سخن اس کے ملاحظہ سے حظ وافر اُٹھائیں

میری خواہش عرصے سے تھی اور چند احباب کا جی ایسا تھا کہ میں جناب پنڈت بشمبر ناتھ صاحب کے سوانح عمری ہدیہ ناظرین درپن کروں کیونکہ میرے خیال میں ہر شخص کو یہ شوق ضرور پیدا ہوگا کہ ایسے شخص کے حالات زندگی جس کا نام تیس برس سے زبان زد خاص و عام ہے [illegible] معلوم ہوں کیونکہ وہ نسخہ جو انان کے [illegible]

[illegible]

[illegible] پنڈت صاحب [illegible]

[illegible]

علاوہ بریں آپ کے وقت کے بزرگ اول تو [illegible] ہیں اور جو موجود ہیں وہ [illegible] مقامات پر ... بہر حال چند ذرایع سے جو کچھ حالات ہم پہونچ سکے ہیں ذیل میں درج کرتا ہوں آپ کے اوائل عمر کے متعلق مجھے کچھ حالات اپنے بزرگ جناب پنڈت رادھا کشن سپرو صاحب سے جو کہ اسکول اور کالج میں آپ کے ہمعصر تھے معلوم ہوئے ہیں ...

پنڈت بشمبر ناتھ صاحب ۰ ر نومبر ۱۸۳۲ء کو بمقام دہلی پیدا ہوئے آپ کے والد ماجد کا نام پنڈت بدری ناتھ تھا اور آپ کے دادا صاحب پنڈت سداسکھ صاحب تھے کہ جو ریاست حیدرآباد میں بعہدہ ریونیو کمشنر ممتاز تھے آپ کا خاندان دہلی کے معزز و خوشحال خاندانوں میں شمار کیا جاتا تھا آپ کے نانا پنڈت لچھمی نرائن رینہ تھے جنکی یادگار پنڈت شیونرائن شمیم جالندھر میں سربرآوردہ وکیل ہیں علاوہ آسودہ حالی کے دونوں خاندان دولت علم سے بہرہ مند تھے کہ جسکا ورثہ مستزاد حالت میں پنڈت صاحب کو ملا آپ کی پیدایش کے وقت پنڈت بدری ناتھ صاحب پرمٹ کے محکمہ میں ایک عہدۂ جلیلہ پر مامور تھے اس آسودہ حالی و آبائی شوق حصول علم سے جو کچھ آپنے فائدے اُٹھائے اون کی شاہد آپ کی آیندہ زندگی ہے حسب دستور پانچ برس کی عمر میں آپ کا مکتب ہوا سنسکرت اور ہندی کے ورثہ سے تو ہماری قوم اُسوقت سے قبل ہندوستان میں دست بردار ہو چکی تھی اور انقلاب زمانہ سے اپنے مورثوں کے علم کی تحصیل معیوب ہو کر تحصیل علوم عربی و فارسی باعث تہذیب سمجھی جاتی تھی اور سچ تو یہ ہے کہ مرجاد کے قائلوں کی نگاہ میں سنسکرت کا پڑھنا ابھی تک باج بٹوں ہی کے لئے مخصوص ہے اسی اصول پر پنڈت صاحب بھی مولویصاحب کی خدمت میں بھیجے گئے اور اپنے گھر ہی کے مکتب میں ۱۸۴۳ء تک تعلیم پاتے رہے اپنے ذہانت توجہ و حافظہ کے بدولت اس عرصہ تحصیل میں آپنے توجہ خاص عربی اور [illegible] شاہنامہ فردوسی [illegible] تک درس پایا اور اسی شوق تحصیل علم [illegible] میں آپ کو [illegible] کی جماعت فارسی میں پہونچایا اس زمانہ میں عربی فارسی مدرسوں میں لڑکوں کا [illegible] فارسی پڑھنا [illegible] تاہم [illegible] کے طرف تعصب کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا قوم میں چند نفوس [illegible] اس وقت بھی موجود ہیں کہ جنکو دیکھ کر ترقی پسند طبیعتیں اس انگشت نمائی کا خیال نہیں کرتی تھیں پنڈت گنگا دھر صاحب نہرو بھی اُسوقت دہلی کالج میں فارسی پڑھتے تھے اور آپ پنڈت صاحب کو کالج میں داخل کرانے لے گئے تھے اُس وقت مولوی صہبائی صاحب مدرس اول تھے لڑکے کے داخل ہونے کے وقت امتحان

لیاجاتا تھاچنانچہ پنڈت صاحب کابھی امتحان مولوی صاحب موصوف نے لیا میں سنتا ہوں کہ مولویصاحب نے اپنی راے یہ دی کہ آپ جماعت اول کے قابل ہیں چنانچہ اُسی جماعت میں آپ داخل کئے گئے پہلے ہی روز مولویصاحب کے دلپر آپ کی لیاقت و ذہانت و سنجیدہ مزاجی کا ایسا سکہ جما کہ انکو اپ کی ذات سے الفت اُستادانہ پیدا ہوگئی اُس وقت صیغہ فارسی کے افسر اعلیٰ ڈاکٹر اسپرنگ جو عربی و فارسی زبان کے عالم محقق تھے اکثر پنڈت صاحب کی تحریرات فارسی پر اصلاح فرماتے تھے تین برس آپ نے کالج میں محض فارسی پڑھی اور آخر سنہ ۱۸۴۶ء میں یہ تجویز ہوئی کہ آپ انگریزی شروع کریں میرے خیال میں جس دن یہ تجویز کی گئی وہ بہت مبارک دن تھا اُسوقت سرکار انگریزی کے حکم سے ایک کمیٹی اس غرض سے قائم کی گئی تھی کہ ہندوستانی طلبا مترجمی کے عہدوں کے لئے طیار کئے جاویں چنانچہ پنڈت صاحب پر اُستادان مدرسہ کی پہلی نگاہ پڑی جبکہ آپ انگریزی جماعت میں بھیجے گئے تو مولوی صہبائی صاحب نے اپنے ذہین و طباع شاگرد کے صیغہ فارسی سے ہٹائے جانے پر ناراضی ظاہر فرمائی گو مولوی صاحب موصوف کی محبت و قدردانی ضرور قابل تعریف ہے مگر اسوقت مولوی صاحب کی ناراضی کا افسوس کسی شخص کو نہیں ہوسکتا تھا آپ نے انگریزی تعلیم ستمبر سنہ ۱۸۵۳ء تک پائی یہ دہلی کالج کے شباب کا زمانہ تھا اسی کالج سے آپ کے قبل چند شاگرد تعلیم پاکر نکل چکے تھے جنھوں نے اپنے ملک میں مختلف طریقوں سے نام حاصل کیا پنڈت موہن لال صاحب موٹا عرف رتن نے اسی کالج کا حال اپنے دلچسپ سفرنامہ انگریزی میں تذکرتاً تحریر کیا ہے حسن اتفاق سے ایک نادر نسخہ اس کتاب کا مجھے اپنے لایق دوست مسٹر سنہا بیرسٹر ایٹ لا کے کتب خانہ میں ملا جسپر مصنف کے دستخط بھی اسوقت کے کئے ہوے موجود ہیں کہ جب آپ لندن میں تشریف رکھتے تھے پنڈت موہن لال صاحب کے ہم سبقوں میں دو صاحب اور بڑے نامی ہوئے ہیں ایک تو مولوی شہامت علی جو انہیں ملازمت میں سنٹرل انڈیا میں پولیٹکل ایجنٹ ہوے اور دوسرے ماسٹر رام کشن صاحب جو کشمیری پنڈت تھے پنڈت موہن لال صاحب دپنڈت

رام کشن کے بعد پنڈت موتی لال صاحب کاٹجو و پنڈت دھرم نرائن صاحب ہاکچر ورلے
بہادر پنڈت سروپ نرائن صاحب سی - آئی - ای اور پنڈت رادھا کشن صاحب سپرو نے
اسی کالج میں تعلیم پائی ہے ماسٹر رامچندر جنکا نام ریاضی دانی میں اسوقت تک مشہور
ہو چکا تھا ڈاکٹر مکند لال جنکی لیاقت کا سکہ اسوقت لوگوں کے دلوں پر جما ہوا ہے و مسٹر چنیدو لال
صاحب و ریویرنڈ تارا چند صاحب بھی جنھوں نے کہ آخر کار عیسائی مذہب قبول کیا اسی کالج
کے تعلیم یافتہ ہیں میں خیال کرتا ہوں کہ ایسے بہت کم کالج ہندوستان میں ہونگے جس کے
اتنے نامور شاگرد ہوں - مگر افسوس کہ اب اُس کالج کا نام ہی نام باقی رہ گیا ہے اور
جسکی یادگار صرف چندہی شاگرد باقی ہیں اب میں بعد ان چند جملہ ہائے معترضہ کے نفس
مضمون پر آتا ہوں میں نے اوپر لکھا ہے کہ پنڈت صاحب نے صرف ۱۸۵۳ء تک کالج
میں انگریزی کی تعلیم پائی اس عرصہ قلیل میں جو کتابیں آپ کے مطالعہ سے گذریں وہ ضرور
ایسی ہیں جو آجکل ہمارے طالب علم بی اے یا ایم اے کے درجوں میں پڑھتے ہیں اُس
زمانہ میں نظم میں شیکسپیر - ملٹن ڈرائیڈن پوپ اڈیسن کا کلام عموماً ہندوستان میں
مقبول سمجھا جاتا تھا اور یہ سب پنڈت صاحب کی نظر سے اس عرصہ میں گذرے
ڈرڈزورتھ - شیلی - بائرن اور کیٹس کا بہت کم چرچا تھا گو بنگال میں ان شاعروں
کی طرف بھی طبیعتوں کو رغبت ہونے لگی تھی لارڈ ٹینیسن گو ولایت میں ملک الشعرا
کے مرتبہ کو پہنچ چکے تھے تاہم ان کی شہرت اس ملک میں نہیں ہوئی تھی نثر میں
اُسوقت لارڈ بیکن واڈیسن - اسٹیل - ہیوم - لارڈ برو ہوم کے تصنیفات طلبا
کو کالجوں میں پڑھائی جاتی تھیں پنڈت صاحب کو بھی انکا مطالعہ کرنا پڑا فلسفہ میں
اُسوقت ایبرکرومبی کی کتاب و ایڈم اسمتھ کے تھیوری آف مورل سینٹیمنٹس عام
طور پر دہلی کالج میں پڑھائی جاتی تھیں یہ بھی آپ کی مطالعہ میں آئیں پنڈت
صاحب کو تاریخ سے شوق تھا اور اس علم کے متعلق آپ نے الفنسٹن کی تاریخ

ہندوستان ہیوم کی تاریخ انگلستان گبن کی تاریخ زوال روما ٹایلر کی تاریخ دنیا۔ ہیلم کے کانسٹیٹیوشنل ہسٹری اور بلیکسٹون کا خلاصہ توانین علاوہ دیگر کتابوں کے نہایت شوق وغور سے پڑھیں علم تمدن پر اسوقت تک جان اسٹورٹ مل و فاسٹ و مارشل وغیرہ کا نام بھی ہندوستان میں نہیں سنا جاتا تھا البتہ ایڈم اسمتھ کی کتاب پڑھائی جاتی تھی چنانچہ آپ نے بھی اسکو پڑھا ریاضی میں بھی آپ نے خاصی استعداد حاصل کی مگر چونکہ طبیعت کو اس علم سے مذاق نہیں تھا اس میں آپ کی ترقی نمایاں نہیں ہوئی اور غالباً یہی وجہ تھی کہ آپ کو بجائے ۵ روپیہ ماہوار ۱۰ روپیہ کا وظیفہ کالج سے عطا کیا گیا اسوقت علاوہ اور استادوں کے دو صاحب بہت نامی گرامی تھے ایک ٹوٹلر صاحب دوسرے کارگل صاحب مسٹر کارگل کیمبرج کے سینیر رینگلر تھے اور پنڈت صاحب نے علاوہ ریاضی کے اور بھی بہت کچھ صاحب موصوف سے حاصل کیا انگریزی میں آپ کی استعداد وقابلیت کے نسبت کارگل صاحب کی ایسی عمدہ رائے تھی کہ بعض اوقات اپنے درجہ کو چھوڑ کر اور یہ فرما کر چلے جاتے تھے کہ میری عدم موجودگی میں تم لوگ اپنے مشکلات پنڈت بشمبر ناتھ کی مدد سے حل کر لینا اسی عرصہ میں آپ نے ایک مضمون ہندوستان کی تاریخ پر لکھا تھا کہ جس کے صلہ میں آپ کو ایک تمغہ کالج کے حکام کی طرف سے عطا کیا گیا ابھی آپ کی تعلیم کا دور پورا نہیں ہوا تھا اور آپ کی خواہش تھی کہ کچھ روز اور سلسلہ تعلیم جاری رہے مگر اسوقت صاحب جج آرہ صوبہ بہار کو ایک عمدہ مترجم کی تلاش ہوئی پٹنہ و آگرہ سے جب ان کو مایوسی ہوئی تب دہلی کالج سے صاحب موصوف رجوع لائے تنخواہ اس عہدہ کی ۸۰ روپیہ ماہوار تھی پرنسپل صاحب دہلی کالج نے پنڈت صاحب سے اصرار کیا کہ وہ اس جگہ کو قبول کر لیں مگر ساتھ ہی اُسکے جج صاحب آرہ کو یہ تحریر کیا کہ جس آدمی کو میں بھیجنا چاہتا ہوں اُس کے واسطے کم از کم سو روپیہ ماہوار تنخواہ مقرر ہونی چاہئے صاحب جج نے سو روپیہ ماہوار دینا منظور

کیا اور پرنسپل صاحب نے پنڈت صاحب کو آرہ جانے پر مجبور کیا اس طور پر آپ دہلی اور دہلی کالج سے ۱۸۵۳ء میں جدا ہوئے کاش آجکل کے طالب علم بھی جنکے روبرو اس پچاس برس کے ترقی مزید کا میدان وسیع پڑا ہوا ہے یہ کہہ سکتے کہ اون کی آیندہ عظمت و ترقی کی ایسی اچھی بنیاد شفیق استادوں نے ڈالی ہے ریل کے سفر کرنے والوں کو اُس زمانہ کے سفر و مسافت طے کرنیکے طریقوں کا اندازہ کرنا محال ہے آجکل دہلی سے آرہ کا سفر صرف چند گھنٹوں کا ہے اُس وقت اس سفر میں قریب ایک مہینہ کے لگتا تھا آخرکار پنڈت صاحب مختلف شہروں میں گذرتے ہوئے آرہ پہونچے اور اپنے عہدہ پر مامور ہوئے آپ کا سفر انگریزوں کی نگاہ میں بھی خالی از تعجب نہ تھا کیونکہ دہلی والوں کو دہلی سے کچھ ایسی الفت تھی کہ انکا عارضی ترک وطن بھی عجائبات سے سمجھا جاتا تھا مسٹر کالون نے جو کلکتہ میں صدر دیوانی کے جج تھے اور بعد کو ممالک مغربی شمالی کے لفٹنٹ گورنر ہوئے پنڈت صاحب کی ہمت اور جرأت کی تعریف صاحب جج آرہ کو لکھی آج کل کے نوجوان جنکے دماغ میں ولایت کی بُو سمائی ہوئی ہے اس قسم کی تعریف کو پڑھ کر مسکرائینگے غالباً ۵۰ برس اور اگر کوئی نوجوان ولایت کے سفر سے جھجکے گا تو وہ بھی نشانۂ مذاق بنایا جاوے گا آپ کو آرہ پہنچے ہوئے زیادہ عرصہ نہوا تھا کہ آپ کی لیاقت اور اوصاف نے جج صاحب کے دلپر اثر کیا اور حاکم اور ماتحت کے تعلقات ختم ہوکر ایک گونہ بے تکلفی دونوں میں پیدا ہوگئی صاحب جج نے جو علم دوست تھے آپ کی قدر کی اور دونوں صاحب شیکسپیر کے مشہور و معروف تصنیفات کو ساتھ ساتھ مطالعہ کر کے ایک دوسرے کی کی صحبت سے حظ اُٹھانے لگے کہاں ہیں آجکل ایسے جج اور ایسے مترجم ۔ اس موقع پر یہ لکھنا خالی از دلچسپی نہوگا کہ ایک مرتبہ صاحب جج موصوف نے پنڈت صاحب سے کہا کہ تم ولایت بغرض تعلیم میرے خرچ سے جاؤ مگر وطن اور عزیزان وطن کی محبت نے غلبہ کیا ورنہ اُس وقت ہماری قوم میں ۷۱ برس کے ایک بزرگ ولایت سے واپس

شدہ موجود ہوتے اور میرے لایق دوست پنڈت بشن نرائن در کو رہنمائی کا موقع نہ ملتا
سنہ ۱۸۵۶ء میں آپ کے والد ماجد نے قضا کی اور آپ رخصت لیکر آگرہ تشریف لائے یہاں
آپ کو چندے صاحب جج کے دفتر میں پھر مترجمی کا عہدہ ملا بہت عرصہ نہ گذرا تھا کہ بلائے
ناگہانی غدر کی شکل میں نازل ہوئی نہ جج رہے نہ دفتر رہا مگر جب کہ آگرہ میں غدر کچھ کچھ ٹھنڈا
ہو چلا تھا آپ نے پولس میں بخشی کا عہدہ قبول کیا کہاں شیکسپیر اور ملٹن کی تصنیفات اور
کہاں پولس کی نوکری تین ماہ بعد آپ اس عہدہ سے دست کش ہوئے جب غدر ختم ہوا
اور پھر انگریزی راج مضبوطی سے قائم ہوا پنڈت صاحب کو صدر دیوانی عدالت میں
مثل خوانی کا عہدہ ملا حکام کی رائے آپ کی بابت بہت جلد اچھی ہوگئی اور آپ کو عہدہ
مترجمی پر مامور کیا گیا ایک حاکم عدالت کی ہدایت کے مطابق آپ نے امتحان وکالت دیا
اور سنہ ۱۸۵۹ء میں آپ کو سند عطا ہوئی مترجمی کی حالت میں آپ کو ایک مرتبہ ایک مقدمہ میں کا لتاً
پیروی کرنے کی اجازت دی گئی سنہ ۱۸۶۶ء میں جس روز کہ صدر دیوانی ٹوٹ کر فرمان شاہی کے
مطابق ہائی کورٹ ممالک مغربی شمالی قائم ہوا آپ نے پیشہ وکالت شروع کیا آپ کے ساتھ
یہ خاص رعایت کی گئی کہ ایک سال تک آپ کے لئے اپنے عہدہ مستقل پر واپس آنے کا
استحقاق رکھا گیا مگر چندہی ماہ گزرے تھے کہ آپ کے قانونی مذاق نے اپنا رنگ دکھایا اور آپنے
سال بھر بعد اُس عہدہ سے ہمیشہ کے لئے قطع تعلق کیا گو لایق وکلا کی تعداد اسوقت بھی کم نہ
تھی لیکن میں خیال کرتا ہوں کہ آپ انگریزی کی واقفیت کی وجہ سے اوروں پر بہت جلد
فوق لے گئے رفتہ رفتہ اُردو انگریزی میں بحث کرنے کا رواج ہوا وکالت میں آپ کی ترقی روزافزوں
ہونے لگی ابتدا میں آپ کے ہمعصروں میں بابو اوپرکاش چند منشی للتا پرشاد۔ منشی
ہنومان پرشاد۔ بابو دوارکا ناتھ بنرجی ہماری قوم کے مایۂ ناز پنڈت اجودھیا ناتھ کنزرو تھے
آپ کی لیاقت قانونی و فصاحت و بلاغت نے آپ کو پیشہ کے اعلیٰ درجہ پر پہونچایا آپ کی
تقریر عدالت میں عموماً مختصر ہوتی تھی مگر ساتھ ہی اُسکے سنجیدگی و زبانداني کا بھی مزا دیتی تھی۔

ایک زمانہ میں جبکہ ہندوستانی جج مقرر کئے جانے کی تجویز پیش تھی آپ کا ذکر بھی
اس عہدہ کے متعلق ہوا تھا مگر وکلا میں سے انتخاب نہیں کیا گیا اور مسٹر محمود صاحب اُس
عہدہ پر مقرر فرمائے گئے ۱۸۹۲ء میں چند عوارض کا ہجوم ہوا اور جب ہی سے آپ نے
عدالت جانا ترک فرمایا گو اب عدالت سے آپ کا تعلق نہیں ہے تاہم اس صوبہ میں
آپ پیشہ وکالت کے اسوقت بھی سرتاج تصور کئے جاتے ہیں ۱۸۹۶ء میں بہ نظر قدردانی
سر جان ایج چیف جسٹس و دیگر حکام عدالت نے آپکو ایڈوکیٹ عدالت کا رتبہ دیا میں یہاں پر آپ کی ذاتی سوانح کو
ختم کرتا ہوں اور مختصراً آپ کے اُن تعلقات کا تذکرہ کرتا ہوں جنکا تعلق ملکی معاملات
سے ہے مگر قبل اس کے کہ میں اس قسم کا تذکرہ کروں میں یہ مناسب سمجھتا ہوں کہ کچھ
ذاتی اشتغال و عادات کا بیان کروں قریب دو برس کے ہوئے بینائی میں زیادہ
فرق آنے کی وجہ سے ایک آنکھ پر عمل جراحی کیا گیا تھا مگر باوجود اس کے آپ کو اس عمر
میں بھی پڑھنے لکھنے کا ایسا شوق ہے کہ میں خیال کرتا ہوں کہ میرے ہمعصروں میں بھی
شاید چند ہی لوگوں کو ہو آپ کے پاس قلمی نسخہ جات فارسی کا ایک عمدہ ذخیرہ ہے اور میں
نے اکثر آپ کو کتابوں کو ملاحظہ کرتے ہوئے دیکھا ہے کچھ عرصہ ہوا کہ بنگالی اخبار کلکتہ
میں چند مضامین سراج الدولہ نواب بنگال کے مشہور مظالم کے متعلق شایع ہوئے تھے آپ نے
بھی اسوقت چند کتب فارسی و انگریزی کو اُس کے متعلق ملاحظہ کیا اور مجھسے یہ فرمایا
کہ میری رائے میں انگریزی مورخوں کا بیان صحیح معلوم ہوتا ہے شمس العلما سید علی
بلگرامی صاحب کی مترجمہ کتاب تمدن عرب کو بھی آپ نے تھوڑا عرصہ ہوا کہ ملاحظہ
فرمایا اور مجھ سے مترجم صاحب کی بہت کچھ تعریف کی خصوصاً اس بات کی کہ اتنے
حجم کی کتاب میں انگریزی لفظوں و بندشوں کی آمیزش اردو سے نہیں کی گئی تھی
آپ کا بھی ایک زمانہ میں اخبارات سے تعلق رہا ہے اور آپ کا بھی ہمیشہ مثل
شمس العلما سید علی صاحب کی اُردو نویسی میں یہ اصول رہا ہے کہ انگریزی الفاظ سے

حتی الامکان اجتناب کیا جاوے یہ سچ ہے کہ زمانہ حال کی علوم کی ترقی نے بہت سے
جدید لغات کی ضرورت پیدا کر دی ہے مگر میں بھی اُن صاحبوں کا قائل نہیں ہوں جو بلا
ضرورت لفظی ترجمہ کرکے مطلب کو معمولی فہم کے آدمیوں سے بلند کر دیتے ہیں کچھ عرصہ
ہوا کہ درپن میں اشاعت کیواسطے ایک اردو مضمون میرے پاس آیا تھا جس میں انگریزی
محاورہ ڈیڈ لیٹر کا ترجمہ مری چھٹی کیا گیا تھا یہ الفاظ شایع نہیں ہوئے ورنہ میں یقین
کرتا ہوں کہ پنڈت صاحب اپنے شیریں مذاق سے کچھ نہ کچھ اعتراض ضرور فرماتے اکثر
انگریزی کتابیں بھی جو آجکل لکھی جاتی ہیں آپ کے مطالعہ سے گذرتی ہیں اور اخبارات بھی
آپ روزمرہ ملاحظہ فرماتے ہیں بعض اوقات جب آنکھیں اپنا پورا فرض نہیں ادا کر سکتی ہیں
آپ اپنے محرر یا کسی عزیز سے پڑھوا کر سنتے ہیں میں یقیناً نہ سکتا ہوں کہ ان صوبجات
میں بہت کم لوگ ہونگے جو ملکی معاملات کے روزانہ کیفیت سے پنڈت صاحب کے
مانند واقف رہتے ہوں گے ناظرین درپن کو یاد ہوگا کہ اس رسالہ میں بھی پنڈت صاحب
کے چند مضامین دلچسپ نکل چکے ہیں آپ کا ایک مضمون انگریزی رسالہ ہندوستان ریویو
میں بھی متعلق معاملات ملکی ابھی حال میں شایع ہوا ہے آجکل ہندوستانیوں میں علم کی
وسعت ضرور بڑھتی جاتی ہے مگر علمی ترقی کا زمانہ اور غرض دونوں محدود ہیں عموماً
پڑھنا لڑکپن میں تو اسکول اور کالج کی کتابوں کے رٹنے تک محدود رہتا ہے اور بعد اسکے
اگر وکالت ایسا پیشہ اختیار کیا گیا تو اس کے متعلق کچھ اور وہ بھی نامکمل طور پر پڑھ لیا
جاتا ہے اور بس افسوس کہ ہم میں ابھی تک اُس روحانی و دماغی فرحت کے حاصل
کرنے کا شوق ہی نہیں پیدا ہوا ہے جو علم ادب یا فلسفہ یا کسی اور مضمون کے کتب کے
مطالعہ سے حاصل ہوتی ہے اور جس کے بغیر انگریزوں میں کوئی شخص تربیت یافتہ
اور وسیع خیال ہونے کا دعویٰ نہیں کر سکتا کاش ہمارے نوجوان اور خصوصاً وہ لوگ
جو اپنے بدشوقی کو اپنی نوکری یا پیشہ کی ضروریات اور عدیم الفرصتی سے تعبیر کرتے ہیں

پنڈت صاحب کے اعلیٰ مثال سے کچھ فائدہ اُٹھائیں۔ پنڈت صاحب ممدوح کی گفتگو سُننے سے جو لطف حاصل ہوتا ہے اسکو وہی جان سکتے ہیں جنکو سننے کا موقع نصیب ہوا ہے طبیعت میں ایک ایسا مذاق واقع ہوا ہے کہ اکثر معاملات پر آپ کی گفتگو سے ایک عجیب حظ سننے والے کو حاصل ہوتا ہے انگریزوں میں گفتگو کرنا بھی ایک ہنر یا فن ہے میں خیال کرتا ہوں کہ غدر سے پہلے ہندوستان میں بھی ایسا ہی ہوگا مگر میں نے اپنے تجربہ میں کسی ایسا لطیف مذاق اور کسی شخص کے گفتگو میں نہیں پایا اس مذاق کا صرف زیادہ تر اُس وقت ہوتا ہے جب آپ اگلے زمانہ کا تذکرہ کرتے ہیں یا ماضی و حال کا مقابلہ فرماتے ہیں سننے والے کو خیال پیدا ہوتا ہے۔

کہ آپ کے دل میں گو گذشتہ زمانہ کی یاد حسرت پیدا کر رہی ہے مگر زمانۂ حال و آیندہ بھی بجائے نفرت کے امیدیں پیدا کر رہا ہے کوئی کریہہ کلمہ یا کسی کی مذمت آپ کی زبان سے شاید ابتک کبھی نہ نکلی ہوگی اگر کسی رائے سے آپ کو اختلاف ہوتا ہے تو اس کا اظہار بھی نہایت خوشگوار ہوتا ہے مزاج میں تکلف کو بھی ایسا دخل ہے کہ شاید آج کل کے بے تکلف صاحبوں کو اُس سے ایک قسم کی الجھن پیدا ہوتی ہو مگر امر واقعی یہ ہے کہ وہ مصنوعی تکلف نہیں ہے بلکہ خاطر مدارات کا ایک ضروری حصہ ہے پابندی اوقات و صفائی کی عادت میں میرے خیال میں آپ انگریزی تہذیب کے بہت اچھے نمونہ ہیں کانگریس کے پیدائش سے قبل ہندوستان میں ملکی خدمات ادا کرنیکے اور طریقہ تھے زیادہ تر تحریرات اخبارات سے لوگ اپنے فرائض ادا کیا کرتے تھے کبھی کبھی تقریرات سے بھی عوام کی رہنمائی کرتے تھے پنڈت صاحب نے بعض اوقات ان طریقوں پر عمل کیا مگر میں خیال کرتا ہوں کہ کانگریس نے آپ کے جوہر ذاتی کی رونق کو دوبالا کر دیا اور آپنے کانگرس کو اپنی شرکت سے تقویت بخشی قبل اس کے کہ پنڈت اجودھیا ناتھ صاحب کانگرس کے شریک ہوئے ہوں پنڈت صاحب نے اس قومی

انجمن سے ہمدردی کا اظہار کر دیا تھا اور جبکہ پنڈت اجودھیا ناتھ صاحب مرحوم نے اپنا دل و دماغ وزر وقف کانگرس کیا تو آپ نے بھی پنڈت صاحب کی وہ امداد فرمائی جو ہر نوع آپ کی شایاں تھی ۱۸۸۸ء میں پنڈت اجودھیا ناتھ صاحب کے جوش وخروش و پنڈت بشمبر ناتھ صاحب کے حلم و بردباری نے الہ آباد میں کانگرس کے جلسہ کو ایسا کامیاب کیا کہ آج تک کانگرس والے اسکو نہ بھولینگے اس بیان کی تصدیق وہ صاحب ضرور کرسکیں گے جنکو راجہ شیو پرشاد صاحب مرحوم کے تشریف لانے و تشریف لیجانے کا واقعہ یاد ہوگا ۱۸۹۲ء میں جبکہ دوبارہ کانگرس کا جلسہ الہ آباد میں ہوا پنڈت صاحب استقبالی کمیٹی کے میر مجلس تھے اور حسب دستور ابتدا میں آپ ہی کی تقریر ہونیوالی تھی مگر تاریخ جلسہ سے قبل آپ نہایت علیل تھے گو ہر چند آپ کے معالجوں و دوستوں نے اصرار کیا کہ آپ ایسے نازک حالت میں تشریف نہ لیجاویں آپ اُسی حالت میں تشریف لے گئے وہ سماں مجھے خوب یاد ہے جب آپ کو دو چار صاحب جن میں مسٹر بانرجی نامی گرامی بیرسٹر کلکتہ بھی تھے مدد دیکر جلسہ کے اندر لائے تھے اُسوقت کے نعرہ ہائے جوش کو سنکر کسکو آپ کی ذات پر فخر نہوا ہوگا الہ آباد میں ہی نہیں بلکہ ان صوبہ جات میں میرے خیال میں آپ سے بڑھکر کوئی سچا خیر خواہ اور معاون کانگرس کا نہیں ہے ۱۹۰۰ء میں جب لاہور میں کانگرس ہوئی تھی آپ سے استدعا کی گئی تھی کہ آپ اس جلسہ کا صدر انجمن ہونا منظور فرماویں مگر بوجہ علالت طبع آپ اس استدعا کو قبول نہ فرما سکے پنڈت صاحب الہ آباد یونیورسٹی کے سینٹ کے بھی ممبر ہیں اور جو لوگ کہ اُس جلسہ کے حالات سے واقف ہیں وہ بخوبی جانتے ہیں کہ آپ کی تجربہ لیاقت سے اس انجمن کو کس قدر فائدہ حاصل ہوتا ہے ۱۸۹۲ء میں ایک قانون پارلیمنٹ کے بموجب ہندوستان کی کونسلوں میں ایک خاص تبدیلی واقع ہوئی ابتک صرف گورنمنٹ کو اختیار تقرری تھا مگر ۱۸۹۲ء میں قانون جدید کے رو سے لوگوں کو اپنی طرف سے ممبر ونکے

انتخاب کرنے کا استحقاق عطا کیا گیا چنانچہ پنڈت صاحب کا بھی ۱۸۹۵ء میں انتخاب ہوا مگر اس موقع پر یہ امر قابل تحریر ہے کہ بغیر اظہار خواہش اور کسی قسم کی کوشش کے آپکو یہ اعزاز حاصل ہوا پنڈت صاحب ۱۹۰۲ء تک ممبر کونسل رہے اور اسی عرصہ میں آپ چند سال تک کونسل گورنر جنرل بہادر کے ممبر بھی رہے آپ کے ہر دل عزیز ہونے اور لوگوں کی قدر دانی وعقیدت کا اس سے بڑھکر کیا ثبوت ہے کہ کسی مرتبہ آپ کا مقابلہ اس اعزاز کے واسطے کسی شخص نے نہیں کیا پنڈت صاحب کی تقریرات جو کونسل عالیہ گورنر جنرل بہادر میں ہوئیں وہ لیاقت فصاحت آزادی ومتانت کا نمونہ ہیں ۱۸۹۸ء میں جبکہ لارڈ ایلگن گورنر جنرل تھے ہندوستان کی کچھ عجیب کیفیت تھی طاعون نے ہزاروں جانیں ہی صوبہ بمبئی میں ضایع نہیں کی تھیں بلکہ لوگوں کی عزت بھی اسوقت معرض خطرہ میں تھی مسٹر تلک ممبر کونسل گورنر بمبئی بہ جرم دفعہ ۱۲۴-الف تعزیرات ہند جیلخانہ بھیجے گئے تھے اور بھی چند آدمیوں کو اس قسم کی سزائیں ملی تھیں ہندوستان میں کچھ ایسی ہل چل مچ رہی تھی کہ جس کا اسوقت تذکرہ کرنا فضول ہے حاکم ومحکوم میں بجائے الفت کے بدظنی وبیدلی پیدا ہوگئی تھی گورنمنٹ نے اسی حالت میں ترمیم تعزیرات ہند کا ایک قانون کونسل میں پیش کیا علاوہ بریں چند تغیرات ضابطہ فوجداری کے متعلق پیش کئے گئے جن سے کہ تعلیم یافتہ ہندوستانیوں کی تعداد کثیر اور بھی بدظن ہوگئی ایسی نازک حالت میں پنڈت صاحب نے نہایت آزادی ولیاقت سے اپنے فرائض منصبی کو ادا کیا آپکی تقریرات جو اس موقع پر کونسل میں ہوئیں ایسی تھیں کہ ان صوبجات کو اُنپر فخر ہوسکتا تھا کہ مدراس اور بمبئی کے لایق فایق ممبروں کے ساتھ یہاں کا بھی ایک ممبر کونسل میں ایسا موجود ہے کہ جو عوام کے حقوق وآزادی کے حفاظت کے لئے کوئی دقیقہ اُٹھا نہیں رکھے گا اگر اس موقع پر عوام میں آپ کی محبت وعزت کا جوش دو بالا ہوگیا تو یہ بھی ضرور ہے کہ گورنمنٹ بھی آپ کی آزادی وصدق دل کی قائل ہوگئی مجھکو بھی

ایک مرتبہ مباحثہ کونسل میں آپ کی تقریر سننے کا موقع ملا ہے دو برس ہوے جبکہ سر آنٹنی میکڈانل لفٹننٹ گورنر سابق نے الہ آباد میں کونسل کا جلسہ بغرض صادر فرمانے قوانین مال منعقد کیا تھا میں بھی اس جلسہ کی کارروائی دیکھنے گیا تھا بعض ممبر صاحبان اپنے اعتراضات تحریر فرما کر لائے تھے پنڈت صاحب نے بھی ایک تقریر فرمائی تھی سر آنٹنی کو اس موقع پر ہندوستانی ممبروں کی مخالفت ازبس ناگوار ہوئی اور کسی قدر ترشی سے ایک مرتبہ پنڈت صاحب سے یہ کہا کہ آپ تو بہت پورانے وکیل ہیں آپ کیوں تحریری تقریر سناتے ہیں پنڈت صاحب نے مسودۂ تقریر ایک طرف رکھا اور یہ فرمایا کہ مجھکو اس کا خود شوق نہیں ہے مگر میں سرکاری نظیر پر عمل کرنا چاہتا ہوں سر انٹنی اس پر خاموش ہو رہے اور پنڈت صاحب نے اُس روز چند بار بلامسودہ تحریری کی مدد کے اپنے مختلف اعتراضات کو اس جوش و فصاحت سے ادا کیا کہ باید و شاید پنڈت صاحب نے مثل جسٹس راناڈے مرحوم یا دیگر مصلحان قوم کے معاملات اصلاح قومی یا سوشل رفارم کے متعلق زیادہ جوش و خروش سے کام نہیں لیا مگر ساتھ ہی اسکے یہ بھی ہے کہ آپنے اصلاح کی مخالفت بھی نہیں کی بلکہ یہ لکھنا زیادہ صحیح ہوگا کہ آپ سوشل رفارم کو لابد خیال فرماتے ہیں آجکل سوشل رفارم کی کچھ عجیب کیفیت ہے دس پندرہ برس اُدھر ہر طرف رفارم کا نعرہ بلند تھا مگر اس عرصہ میں خیالات نے ایسا پلٹا کھایا ہے کہ آیندہ ترقی کی امیدوں میں ایک درجہ ضعف آنے لگا ہے ترقی وہیں ہو سکتی ہے جہاں تعصب نہو جہاں لوگ اسباب ترقی کے خواہ اون کا مخرج یورپ ہو یا ایشیا قبول کرنے پر تیار ہوں یہ کہنا کہ ہمارے آبا و اجداد نے سلف میں ایسی ترقی کر لی تھی کہ اُس سے زیادہ زمانہ حال میں نہیں ہو سکتی اسیقدر بے معنی ہے جیسا کہ بعض اصحاب کا مقولہ کہ ہندوستان کی ترقی آیندہ کے واسطے یہ لازمی ہے کہ اپنے زمانہ گذشتہ کی تاریخ کو بھول کر محض یورپ کے تمام موجودہ طریقوں پر عمل

کیا جاوے انقلاب ہے اگر پنڈت صاحب کو نفرت ہے تو انتخاب سے آپ کو اُنس ہے
آپ اُن بزرگوں میں نہیں ہیں جو نوجوانوں کے ولولوں کو محض ہنس کر ٹال دیویں اور
اُن کی غلطیوں کی اصلاح کرنے کے بجائے ہر قسم کی اصلاح سے نفرت و مخالفت
کریں کچھ عرصہ ہوا کہ مجھے آپ کے خیالات سننے کا موقع اثناء گفتگو میں ملا تھا آپنے
یہ فرمایا تھا کہ پچاس برس بعد میرے خیال میں ہندوستان کی حالت اسقدر بدل
جاوے گی کہ جن باتوں کو ہم آج معیوب سمجھتے ہیں وہ اُس وقت مقبول ہوں گی
ولایت کا جانا اسوقت اگر قوم میں مخالفت برپا کرتا ہے تو اُس وقت شاید فرض
سمجھا جاوے گا مستورات کی تعلیم پر اگر حرف زنی کی جاتی ہے تو اُس وقت
اُس کے عملی نتائج کی تحسین کیجائیگی یہ بحث کرنا کہ اگلی باتیں اچھی تھیں اور
آنیوالی بُری عبث ہے کیونکہ زمانہ اپنی ضروریات کو ہر حالت میں پورا کرائیگا
اصلاح قومی سے ہمدردی کا اس سے زیادہ اور کیا ثبوت ہو سکتا ہے کہ امسال
کانفرنس کاشمیری پنڈتان کے اجلاس کا الہ آباد میں قرار پانا آپ ہی کی ذات
سے وابستہ ہے یہ حالات ہیں جناب موصوف کے جو میں ہدیہ ناظرین درپن
کرتا ہوں اگر اس رسالہ کے پڑھنے والوں میں سے ایک کو بھی جناب پنڈت صاحب
موصوف کی حلم و بردباری سخن فہمی اور علم دوستی حُب وطن اور ملکی خدمات کے
حالات پڑھکر سچا جوش اور سچا شوق پیدا ہو تو میں سمجھوں گا کہ میری محنت رائیگاں
نہیں گئی خوش نصیب ہے وہ ملک جسکے حامی و مددگار ایسے محب وطن ہوں خوش
نصیب ہے وہ قوم جسکی رہنمائی اصلاح قومی کی کڑی منزل طے کرنے کے لئے ایسے
بزرگ اور سرپرست موجود ہوں خوش نصیب ہیں وہ نوجوان جنکو آپ کی ذات والا
صفات سے شاگردانہ تعلق ہے اور جنکو آپ کی پُر معنی اور دانشمندانہ گفتگو سُننے
کا کبھی کبھی موقع ملتا ہے اور سب سے زیادہ خوش نصیب ہے وہ شخص جو آپ کی

پند و نصایح کو گوش ہوش سے سنکر انپر کاربند ہونے کی کوشش کرتا ہے ؎
نصیحت گوش کن ایدل کہ از جاں دوست تر دارند
جوانان سعادتمند پند پیر دانا را

صادق پنڈت دیبی پرشاد بقالیا متوطن بریلی

کیوں نہ برسات میں ہو سبز دوپٹے کی بہار
رنگ بہتر نہیں دنیا میں کوئی دھانی سے

صبا مرزا راجہ شنکر ناتھ خلف مرزا راجہ رام ناتھ بہادر دہلوی

آپ کو سعادت یارخاں رنگین سے تلمذ حاصل تھا اور آپ پیشکار نظارت شاہی دہلی میں تھے۔ آپ کے در دولت پر اکثر بزم مشاعرہ آراستہ ہوتی تھی صرف دو شعر دستیاب ہوئے تبرکاً درج کئے جاتے ہیں۔

دل جب اسکی نگہ مست کا مخمور ہوا ۔۔۔ سرخوش کیفیت بادۂ انگور ہوا
شاید کہ وہ پری ہے کہیں مسکرا رہا ۔۔۔ بجلی چمک رہی ہے جو بت آسمان پر

صبر پنڈت بشن ناتھ صاحب عرف ہنا و۔ لکھنوی

قصیدہ - بہ مدح سرکار حضور مہاراجہ صاحب بہادر والی جموں و کشمیر

سحر بعیب کشادند برمن دلگیر ۔۔۔ درے ز رحمت بے منتہائے رب قدیر
ندا رسید بگوشم کہ اے تہی ز خرد ۔۔۔ چہ میکشاید ازیں نالہائے بے تاثیر
خدا ت جوہر علم و ہنر کرامت کرد ۔۔۔ حزیں مباش اگر یاورت نشد تقدیر
کنوں تلافی ماضی شود بہ مستقبل ۔۔۔ برفت آنکہ تو بودی بدست درد اسیر
مسلم است بذات تو نکتہ پیرائی ۔۔۔ بجنبد خامۂ گوہر فشاں بکف برگیر
بفرق علم و ہنر تاج اعتبار بنہ ۔۔۔ بروئے شاہد معنی زیادہ کن تنویر
بغازۂ ہنر آرائے شاہد مضموں ۔۔۔ سواد نامہ بکن کارخانۂ تصویر

زنظمِ دلکش و رنگیں بساز سامانے
ترا کہ نیست متاعے ز پرنیان و حریر

بدہ بہ لطفِ سخن زیب نزمگاہ بیاں
بکن بطرزِ نکو مدحِ والئ کشمیر

فلک جناب مہاراجۂ سپہر جلال
فروغ دودۂ اقبال و دانش و تقریر

باوجِ تختِ امارت امیرِ ملک ستاں
فرازِ مسندِ شوکت خدیو عالم گیر

سپہر کوکبہ انجم حشم ستارہ سپاہ
بلند مرتبہ گردوں جنابِ عرش سریر

فروغِ دیدۂ دانش جلائے طلعتِ دیں
مہِ سپہرِ کمال آفتابِ فیض کبیر

قمر بہ بندگیش زدو در رکاب دور
قبول حکم کند آفتاب بے تاخیر

عطائے اوست گراں در ہمی کنی باور
بیار دامنِ کہسار۔ گنج و زر بر گیر

بحکم معدلتش پائے بند کے گردد
دریں زمانہ چو کافور را کشند بقیر

بروزِ دولت و جاہش کہ جاوداں بادا
غم از قلمرو ایجاد میزند شبگیر

نمود از سرِ الطاف سرکشاں را رام
اگرچہ جوہر مردانہ داشت در شمشیر

نہادہ از شفقت دستِ لطف بر دلِ خلق
نمودہ از نصفت پائے ظلم در زنجیر

بیادِ خلقِ شہنشاہِ عاطفت پرور
تواں نمود بدامان آرزو تطہیر (خوشبو از)

بیا بسایۂ لطف خدیو بخت جواں
کنارہ گیر شو از حادثاتِ عالم گیر

چنیں لطافتِ طبعش اگر نبود چرا
خدائے کون و مکاں کرد والئ کشمیر

چہ کشورے کہ بہر کوئے اوست صد فردوس
چہ گلشنے کہ بہر کنجِ او ہزار غدیر

زمیں شگفتۂ و خرم ز زعفران زار است
دریں دیار کسے را نیافتم دلگیر

دہد ترانۂ ہر عندلیب مژدۂ عیش
شکستِ غنچہ زند از پئے نشاط نفیر

ز فیض نامیہ فرشِ زمردیں گردد
گدا بجلوہ در آید چو شہ ز روئے حصیر

اگر رقم کند او صافِ زعفران زارش
قلم ترانۂ شادی زند بجائے صریر

مریض و پیر نیابی دریں سواد مراد
کہ ہر گیاہ و حشیش است کیمیا تاثیر (خشک گھاس)

صفاتِ لالہ و گل بیشتر ز حد بیاں — بجاست گر بود اینجا زبانِ خامہ قصیر
بہر مقام عمارات فیض بنیاد است — بیا بیا بتماشائے ایزدی تعمیر
زہے معابدِ اطہر زہے منازلِ پاک — زہے اماکنِ اقدس زہے محالِ خطیر
محلِّ امن و اماں منزلِ صلاح و نجات — مقرِّ دولت و دیں مرجعِ صغیر و کبیر
رسیدہ است بنائش بہ پشتِ گاوِ زمیں — گذشتہ است ز رواقش ز اوجِ چرخِ اثیر
بیا بسایۂ دیوارِ آسماں سایش — ز ترک و تازہ حوادث اگر شوی دلگیر
درونِ خانہ منور چو سینۂ پاکاں — دُرست مطلعِ ماہِ تمام و مہرِ منیر
ز فرطِ نورِ بنا آنگاہ صبحِ نوروز است — نمودہ ظلمت ازیں جائے پُر ضیا شبگیر
قلم بوصفِ بیاوت چہ دم زند کہ نکرد — کسے بحرف ز اسرار ایزدی تفسیر
دلیلِ راہِ خدا رہنمائے عالمِ قدس — دلیلِ معرفتِ ذاتِ مالکِ تقدیر
ہمہ مظاہرِ حق اند و جلوہ گاہِ اِلہ — بشکلِ مختلف و متّحد بذاتِ قدیر
بیا تو از سرِ اخلاص ہر کجا خواہی — بروئے خود در فیضِ ابد کشادہ بگیر
بہر کجا کہ قدم بر زنی خزینۂ فیض — بہر زمیں کہ نشینی ز خاک ساز اکسیر
خوش است طالعِ آں کو بدینِ ملّتِ پاک — رسد بمنزلِ معنی ز تنگنائے حقیر
بود مظاہرِ قدرت بروں ز حدِ شمار — کسے چگونہ کند از کمیتش تقریر
تبارک اللہ ازاں عالمانِ پاک سرشت — کہ میکنند ز اقوال ایزدی تفسیر
بچار بالشِ علم و ادب خدیوِ بزرگ — فرازِ مسندِ فضل و کمال صدرِ کبیر
ز سرِّ غیبی و اسرارِ معرفت آگاہ — ز کنہِ ذات و ز کیفیّتِ صفات خبیر
ذخیرہ ہائے فراواں بکنجِ خاطر جمع — ز انفسِ معرفت و جنسِ ایزدی تنویر
وقوف یافتہ ز آغاز تا انجام — نظر کشادہ بحرفِ صحیفۂ تقدیر
بیک قدر آنچہ امانت مبیّن فرائض — بیک شباب اگر آن حق است لبِ کثیر

زخود گذشته و در ذاتِ سرمدی فانی / یکے به ایزدِ خلّاق همچو شکّر و شیر
همه بدرسِ مقاماتِ معنوی مشغول / نقاب ز شاهدِ مطلب کشاده بے تأخیر
امیرِ مسندِ ارشاد و صاحبِ توحید / گدائے راهِ خدا بادشاهِ عرش سریر
نموده قطعِ نظر از تنعّمِ لذات / ز بهرِ سدِّ رمق برگزیده نانِ شعیر
ز حسنِ ظاهرِ شاں دیده هاست مهر ضیا / ز نورِ باطنِ شاں سینه ها پُر از تنویر
خوش آں زمیں که بود مجمعِ چنیں اَحیا / خوش آں دیار که در وے نه راه بُرد شریر
نماند رسمِ بد از یُمنِ شاهِ نیک نهاد / بشاهراهِ شریعت رواں صغیر و کبیر
ز شهریارِ شریعت پرست ادب آموز / ز بادشاهِ طریقت شناس پند پذیر
قدم کشاده ز خوفِ خدا براهِ ثواب / نگشته مصدرِ تشنیع و مُوردِ تقصیر
چه جائے نوعِ بشر بلکه مرغ تشنه نماند / اگر نیافته در آب بوے از تطهیر
نگشته هیچ کس از راهِ راستی یکسو / همه گزیده رهِ شرع و اقتدائے امیر
همه بخلق و ادب برگزیدهٔ آفاق / همه به نیکیِ اعمال بے عدیل و نظیر
زہے هدایت و ارشادِ کامگار خدیو / زہے عنایت و لطفِ امیرِ پاک ضمیر
بگویمت که کدامست سرورِ ذیجاه / نمایمت که کدام است زیبِ تاج و سریر
سپهر کوکبه رندهیر سنگه آنکه بود / نشانِ رحمتِ الطافِ کردگارِ قدیر
رفیع منزلتا من فدائے نامِ توام / نگینِ خاطرِ خود را گزیدم ایں تسطیر
به پردهٔ دلِ من صورتِ خیالِ توست / بآں خدائے که بر غیب عالم است و خبیر
چراغِ عشقِ تو بر کرده ام بمحفلِ جاں / نقوشِ مهرِ تو بنوشته ام بلوحِ ضمیر
نوشته حرفِ عقیدت بصفحهٔ افلاس / کشیده نقشِ ارادت بلوحِ قلبِ کبیر
ز بهرِ نذرِ تو ایں چند بیت آورده ام / اگرچه لایقِ شاهاں نشد متاعِ حقیر
سوادِ خاطرم از یادِ خلقِ تو تاتار / فضائے باطنم از یادِ لطفِ تو کشمیر

بہ بزمِ آگہیت از چراغِ طورفروغ　　بمنزلِ دلت از نورِ ایزدی تنویر
کشادہ اند بروئیت درے زلطفِ ازل　　کشیدہ اند برائے تو خوانِ فیضِ کثیر
بیاد دادِ عطائے تو جو دِ بحرِ محیط　　بخاک ریخت نوالِ تو آبِ ابرِ مطیر
زوصفِ عہدِ تو در راستی ست خامۂ علم　　زحرفِ خلقِ تو در گلشنے ست نامۂ شہیر
ہزار دفترِ رنگین نوشت و کار نساخت　　کرشمہائے کمالت نیافت فکرِ دبیر
حدیثِ سطوت و جاہِ تو درمیان آرم　　گر از شکوہِ سلیماں کسے کند تقریر
شبک دَوَد بر کابت چو بندہ شاطر　　ز فرقِ خویش قدم ساختست ہژیر
بہ ہیچ چیز نباشی بخَلق حاجتمند　　بُود حمایت خالق ترا مُعین و نصیر
من از کجا و سرِ وصفِ ذات تو ز کجا　　بُود تفاوتِ بسیار در صغیر و کبیر
اگرچہ دادِ سخن دادہ ام بمدحت تو　　ز صد ہزار یکے را نکردہ ام تفسیر
درازیِ سخن از حد گذشت بس کن سبہ　　دعائے دولت کیہاں خدیو از بر گیر
ہمیشہ تا چمن آرائے گلشنِ امکاں　　عطا کند طرب از بہرِ زعفراں تاثیر

سرورِ سرمدی و عیش و راحتِ ابدی
بُود برائے تو اے از تو رونقِ کشمیر

تاریخ کتاب شمس الضحیٰ مصنفۂ پنڈت رتن ناتھ صاحب سرشار معہ خطِ حضرتِ سرشار بنام مہتمم مراسلہ کشمیر بابت ماہ جولائی ۱۸۸۰ء

حضرت سلامت۔ آیئے دیکھئے کیا کلام دلکش ہے پڑھتے ہی پڑھتے ناظرین جوہر شناس پھڑک جائیں کہ الٰہی یہ خوش بیانی ہے یا وحی آسمانی اور کیوں نہ ہو خدائے سخن کا کلامِ مجید ہے اس تاریخ طیبہ کے مصنف باوقار ہماری قوم کے فخر و افتخار شاعر معجز بیان بلبلِ ہندوستان پیشوائے طریقت نکتہ سنجانِ زمن امام کعبہ سخن۔ اُستاد مسلم الثبوت الغنی عن التوصیف والمستغنی من التعریف جناب فضیلت

انتساب پنڈت بشن ناتھ جی صاحب ہنڈو ہیں۔ جنکے خورشید علامی کی شعاعیں اطراف واکناف میں مخفی نہیں تر زبانی اور نکتہ رانی اِن بزرگوار پر ختم ہے اور سلاست اور رنگین بیانی آپکا حصّہ ہے جانتا ہیں یہ تاریخ فرّخ اس غرض سے نہیں چھپواتا کہ اسمیں میری تعریف ہے بلکہ صرف اس نظر سے ابلاغِ خدمت ہمایوں کرتا ہوں کہ ایسے اجل الحکما۔ ابلغ البلغا بزرگ قوم کا کلام براعت اِنضمام زیبِ اشاعت پائے۔ ہاں سے اب بسم اللہ کہکر تاریخ اطہر و الطف ملاحظہ فرمایئے۔

اخترِ برجِ ہنر خورشیدِ اوجِ آگہی ۔۔۔ نجمِ رخشانِ سپہرِ دانش و فہم و ذکا
فلسفیِ عصر پنڈت رتن ناتھ آنکہ داد ۔۔۔ مایۂ از زور دِ قوتِ بازوِ اندیشہ را
قفلہا برداشت از گنجِ معانیِ علوم ۔۔۔ نقد وافر از ہنر فرمودہ عالم را عطا
دولتِ جاوید از تحقیقِ معنی کرد وقف ۔۔۔ آرے آرے بیش ازیں کے باشد ایثار و سخا
پردہ ہا برداشت از رخسارۂ چندیں علوم ۔۔۔ شاہدِ تحقیق را آراست در بزمِ صفا
انچہ پنہاں بود تا غایت بر اربابِ علوم ۔۔۔ ساختہ از حسنِ تحقیقِ خود آں از ابر ملا
ظلمتِ جہل از دلِ خلقِ جہاں یکسر ربود ۔۔۔ شمع از حسنِ بیاں افروخت بہر ابتدا
داد تالیف از پئے مردم کتابے معتبر ۔۔۔ کرد موسومش بنامِ نامیِ شمس الضحیٰ
نسخۂ فرخ کتابِ مستند تصنیفِ پاک ۔۔۔ علتِ جہلِ مرکب را بود از وے شفا
در دلِ اندیشہ ساز د قوتِ معنی زیاد ۔۔۔ دیدۂ ادراک را افزوں کند نور و ضیا
مرحبا اے صاحبِ تحقیق در چندیں علوم ۔۔۔ مرحبا اے صاحبِ فہمِ رسا صد مرحبا
صبر بیجا صِل کہ مشتاقِ کلامت دائما ۔۔۔ چوں شنید ایں مژدۂ دلکش نوید جانفزا

در زماں از بہر تاریخِ مسیحی بر نوشت
آفتابِ اوجِ دانائی بداں شمس الضحیٰ

بارک اللہ سچ کہئے گا خاص فصحائے خطّہ پاک شیراز کا کلام معلوم ہوتا ہے

یا نہیں نورم کے مصرعے ہیں قند نبات کے ریزے ہیں جواہرات کے ٹکڑے ہیں جن پر خراج بدخشاں نثار ہو تو می زیبد۔

صبر بے حاصل کہ مشتاقِ کلامت دایمست
چوں شنیدایں مژدۂ دلکش نویدجانفزا

بحمد اللہ کہ نفس مطمئنہ نفس امّارہ پر غالب ہے ورنہ اس شعر کا مصرعہ اولےٰ میرے نفس کو مغرور کر دینے کو کافی تھا اللہ اللہ جناب پنڈت بشن ناتھ صاحب صبر جیسے سخنور ذکی الطبع منطقۂ بروجِ نکتہ پردازی طراز آستین نظم طرازی اور نیچیرز کے کلام مزخرف کے مشتاق حضرت یہ سب جناب صبر کی رافت ہے۔

تاریخ کتاب گلدستۂ کشمیر" یعنی تاریخ شاہان کشمیر

حکیم عصر ہرگوپال پنڈت   سخن سنج جہاں دانائے کشمیر
دریں ہنگام فرخ داد تالیف   کتاب خوب چوں اقصائے کشمیر
دراں حالات شاہاں کرد مذکور   ہم از دیگر عجائب ہائے کشمیر
نبودہ پیش ازیں تاریخ نامی   زحالِ خطۂ والائے کشمیر

برائے سال ایں تالیف اے صبر
بگو تاریخ جاں افزائے کشمیر

پنڈت لقب استادِ زمان ہرگوپال   کاں از پئے چشم عقل و جاں دگراست
تاریخ بدیع شہر کشمیر نوشت   کاں خطۂ پاکیزہ وجہانِ دگراست
موسوم بہ گلدستۂ کشمیر نمود   حقا کہ لطف بوستانِ دگراست

تاریخ مسیحی قلم صبر نوشت
گلدستۂ کشمیر خیالِ دگراست

۱۸۷۷ء

غزل

وقت رسید آنکہ چرخ کام دلم در دہد — مزرعِ اُمید من حاصلِ گوہر دہد
شاہدِ عیش دوام جلوۂ رنگیں کند — ساقی روح مدام راحِ معطر دہد
آتشِ گل آورد دیگ طرب را بجوش — دُودِ دلِ دردمند نکہت عنبر دہد
لخلخہ سایدِ صبا غالیہ بارِ دِ نسیم — عطر فروشد ہوا گل ہمہ ساغر دہد
غنچۂ پیکاں شود رشکِ گُلِ یاسمیں — بیضۂ فولاد را لطفِ ہوا پر دہد
نوبتِ کلفت گذشت وقتِ طرب در رسید — ساقیِ مہوشِ کجاست بادۂ احمر دہد
روزِ طرب در رسید زاہد صد سالہ گو — در گروِ جام مے خرقہ و دفتر دہد
صحنِ گلستاں شدست غیرتِ وادیِ طور — یا دز دستِ کلیم شاخِ گلِ تر دہد
از سرِ مستیِ فتاد سبزہ تہِ پاے سرو — لالہ زروے فتادہ دست بہ ساغر دہد

اشعار اردو

سیکڑوں بل ہیں بسا ہے عطر میں ہر تار زلف — چین میں رکھتا ہے خوشبو کی دُکاں عطار زلف
مژگاں کی تیزیاں دم خنجر سے کم نہیں — ولہ — ابروے یار تیغ دو پیکر سے کم نہیں
دل خون ہو چلا ہے زیادہ نہ چھیڑیئے — ایک ایک بات آپ کی نشتر سے کم نہیں
بیتابیاں عبث ہیں کہ پائیگا ہر بشر — تقدیر سے زیادہ مقدر سے کم نہیں
گل میں اُس عارض گلرنگ کی ہے بُو پیدا — ولہ — چشم نرگس میں ہے اُس آنکھ کا جادو پیدا
بے تکلف نظر آجائے جمالِ رخ دوست — ایسی صورت کرے آئینۂ زانو پیدا
کیا عجب ہمرہِ اشک آئیں اگر لخت جگر — بیشتر ہوتے ہیں برسات میں جگنو پیدا
وہ مرغ نالہ کش ہوں کہ جب میں ہوا اسیر — ولہ — صیاد بازوؤں کی صدا پہ پھڑک گیا

در ہجو زمستاں

زسرد مہری دیماہ و صولتش زنہار — کہ بردہ است ز دلہا ثبات و صبر و قرار

جهان فسرد گل وعیش وغنچهٔ راحت	کز شکست شود نخل آرزو بی بار
نصیب روز شد از کردگار کوتاهی	دراز گشته چو گیسوی شاهدان شب تار
بر بست کثرت یخ راه موج در دریا	فگند زور هوا لرزه در دل کهسار
وفور آب بدانسان گرفت عالم را	که شیشه شد ز دل دشمنان غبار نقار
ز سردمهری سرما شد آب از رخ گل	فسرده گشت کنون آتشی که داشت چنار
نموده صبح جهانتاب جلوهٔ کافور	بود چو قرص طباشیر مهر در انظار
ز بسکه گرم وزیدن هوای سرد شده است	فغان و ناله همی خیزد از در و دیوار
وفور برف جهان را چنان گرفته که نیست	برای آتش سوزنده گرمی بازار
ز برف پای بشر همچو پای چوبین ست	ز دست کار نیاید بسان دست چنار
بسوز آتش فرقت نوشته عاشق زار	دست نخواسته آب حیات از لب یار
ز سردمهری سرماست تاب ماهیت	بر آتش است مدار حیات هر جاندار
بسی ز برد بجان آمدند اهل جهان	عجب مدار که بر سوختن دهند قرار
ز دود به باز و کبوتر گمان مرغابی	ز بسکه آب کثیرست و بارش بسیار
یقین شناس که کافور تر بدید آید	گر این زمان طلبی آتشی ز دست چنار
سمور گشته ز افراط برف پارهٔ ابر	کلیم در نظر آمد سحاب دریا بار
شوند خلق گر آتش پرست نیست عجب	چنین که صولت سرماست موجب آزار
زبس تر آمده ماهی ز آب میخواهد	میان چشمهٔ خورشید گیرد استقرار
ز فرط برف چو آئینه می درخشد ارض	ولیک صورت آرام را درو نه قرار
کشاد بال محبت بسوی آتشدان	کنار آب دست تا نشسته بوتیمار
بود ز زحمت سرما به خاط میّت	که آتشی بکفن افتد از چراغ مزار
وفور برد نمود دست کاتب شل	دگر چه کار برآید ز کلک گوهربار



پنڈت شیام منوہر ناتھ شرگہ حقیر

بجیرتم کہ دریں فصل کاتبانِ محل — چساں کنند عذاب و ثوابِ خلق شمار
نماندہ است کنوں حاجتے بہ آتشگیر — کہ گشت اخگرِ سوزاں بجاصیت گلنار
چناں بخاطرِ مردم عزیز شد آتش — کہ زندہ می نگذارند مرغِ آتشخوار
ہم چو وقت چساں نانِ خلق بختہ شود — تنورِ مہر شود سرد ساعتے صد بار
زسردِ مہری سرمائے سخت وصولتِ بَرد — زترس برنہ جہد از میانِ سنگ شرار

صغیر۔ پنڈت شیام منوہر ناتھ صاحب کول شرگہ خلف پنڈت

بیجناتھ صاحب کول شرگہ۔ لکھنوی

آپ آجکل (اکتوبر ۱۹۳۰ء) ایڈیشنل سشن جج ضلع اناؤ ہیں۔ آپکی بردباری۔ ذکاوت اور وجاہت آپکے فوٹو سے ظاہر ہے۔

آپ کے والد سوائی گنگاپور ریاست جے پور میں ناظم تھے اور تحصیل نویلی نظامت سوائے مادھوپور آپ کی جائے ولادت ہے آپ کے نانا پنڈت موتی لال صاحب ٹھلل اٹل ممبر کونسل ریاست سوائی جے پور تھے اور پنڈت نرنجن ناتھ صاحب مشتاق خلف آنریبل پنڈت بشمبر ناتھ صاحب عرف صاحب ایڈوکیٹ کی دوسری صاحبزادی آپ کی زوجہ محترمہ ہیں از زمانہ پنڈت لچھمی نرائن صاحب کول شرگہ یعنے پانچ پشت سے آپ وثیقہ دار اودھ ہیں۔

جائے تعلیم ابتدائی۔ سنٹینل اسکول لکھنو۔ مہاراجہ اسکول جے پور و جوبلی ہائی اسکول لکھنؤ آپ کی شادی مئی ۱۸۹۲ء میں بمقام فرخ آباد بہ عمر ۱۳ سال ہوئی ۱۸۹۵ء میں انٹرینس اوّل درجہ میں بہ نمبر اوّل الہ آباد یونیورسٹی کا پاس کیا ۱۸۹۷ء میں ایف اے اور ۱۸۹۹ء میں گورنمنٹ اسکالرشپ حاصل کرکے بی۔ اے کی ڈگری حاصل کی ۱۹۰۱ء میں ایم۔ اے انگلش لٹریچر میں درجہ اول میں بہ نمبر دویم پاس ہوئے ۱۹۰۲ء میں کیننگ کالج لکھنؤ میں انگلش لٹریچر کے پروفیسر رہے ۱۹۰۳ء میں امتحان الہ آباد ہائی کورٹ دیا اور شروع ۱۹۰۴ء

میں پاس ہوئے جولائی ۱۹۰۲ء میں ایل-ایل-بی الہ آباد یونیورسٹی کا امتحان پاس کیا اور لکھنؤ میں وکالت شروع کی اپریل ۱۹۰۴ء میں آپ کی والدہ نے اور اکتوبر ۱۹۰۴ء میں آپکے بڑے بھائی نے لندن میں اور نومبر ۱۸۹۹ء میں آپ کے والد نے قضا کی اپریل ۱۹۰۶ء میں تجویز نویس عدالت جوڈیشلی لکھنؤ رہے ۱۹۰۸ء میں منصف اور ۱۹۱۹ء میں سب جج ہوئے ۱۹۲۴ء و ۱۹۲۵ء و ۱۹۲۶ء میں اڈیشنل سشن جج بہرائچ و کھیم پور کھیری رہے اب سب جج و اسسٹنٹ سشن جج سیتاپور ہیں ۱۲ سال کی عمر تک عربی سنسکرت اور فارسی پڑھی اسی زمانہ میں ایک معلم کی ہجو کہہ ڈالی اور ان کو سنادی اُس سے کچھ ہمت افزائی ہوئی تو ایک اور شخص کی ہجو لکھی وہ اشعار اب ضایع ہوگئے دو چار احباب کے ساتھ پھر غزلیں کہنا شروع کیں اردو فارسی کے دیوان زیر مطالعہ رہے غرض جو پڑھا لکھا خواجہ وزیر لکھنوی کا رنگ مرغوب طبع ہوا خواجہ وزیر کی تقلید کی کوشش کی غزل میں یہی مدنظر رہا کہ محض نازک خیالی نہو بلکہ کسی جذبہ کا اظہار ہو اور واقفیت کا پہلو بھی رہے غیر ممکن امور نظم نہ کئے جائیں غزل کبھی بھی کسی کے تقاضے پر یا کسی کی خوشامد کے لئے نہیں کہی بلکہ جو طبیعت کی رَو میں آیا لکھا شعرگوئی کو مایۂ ناز نہ سمجھا بلکہ محض مذاق اور دفع الوقتی ہی تصور کیا۔

نہیں یارا میرے غم کے رقم کا ۔۔۔ کلیجہ چاک ہوتا ہے قلم کا
غریق زار ہوں بحر کرم کا ۔۔۔ مجھے کیا غم حساب بیش و کم کا
کیا رفتار نے کس کی یہ پامال ۔۔۔ کہ سرمہ بن گیا نقش قدم کا
تغافل بھی ہے ظالم کا قیامت ۔۔۔ کہ دل مشتاق ہے مشق ستم کا
کئے کیا کیا گل معنی شگفتہ ۔۔۔ کرشمہ دیکھ اس ٹوٹے قلم کا
دو عالم ہو چکے بسمل الٰہی ۔۔۔ ابھی آغاز ہے حسن صنم کا

صغیر خستہ جاں سے پوچھئے حال
شروع عشق میں ضبط الم کا

آزماتے ہیں اثر دلپہ وہ زیبائی کا ۔۔۔ اب ہے اللہ نگہبان شکیبائی کا

کرکے نکلے ہیں اثر دل پہ وہ زیبائی کا
انکو منظور تماشا ہے تماشائی کا

رنگ و بو سے گلِ تر کی انھیں آتی ہے جھجک
دلِ صد چاک نہو یہ کسی شیدائی کا

توڑ دیتا ہے دل ریش کے ٹانکے اکثر
غفلتِ نشہ میں لینا تیرا انگڑائی کا

رُک گیا نالۂ شب آہِ سحر بند ہوئی
سو گیا جاگنے والا شبِ تنہائی کا

عکس صورت کا تیری خوب اُتارا لیکن
آئینہ دل میں ہے قائل تیری یکتائی کا

راز زخموں نے کھلا مشقِ ستم کا اُونکی
لب خاموش پہ الزام ہے گویائی کا

یوں تو ہیں طوطی و بلبل بھی خوش الحاں لیکن
طرز ہے اور میری زمزمہ پیرائی کا

ہے حقیقی کی جھلک عشقِ مجازی میں صغیر
محویت حسن پہ ایک فعل ہے دانائی کا

آج کاشانہ ہے اپنا جلوہ گاہِ روئے دوست
آسماں کو دیکھتا ہوں گاہ گاہے سوئے دوست

دل میں پھر اٹھا ہے جوشِ شوقِ سیر کوے دوست
پھر مجھے یہ دشمنِ جاں لیچلا ہے سوئے دوست

ہے سحر خیزی تیری محدود گلشن تک نسیم
ایکدن بھی تو اُڑا لائی نہ جاکر بوے دوست

وہ ستم دیکھے محبت میں کہ بہرِ امتیاز
دیکھتا ہوں سوئے دشمن گاہ گاہے سوئے دوست

سادگی جب تک رہی پیدا نہ تھا انداز و ناز
دن سنورنے کے ادھر آئے کہ بگڑی خوئے دوست

زخمیٔ تیغ ادا سے پوچھئے اُس کے مزے
جو خلش کرتی ہے پیدا جنبشِ ابروے دوست

بزمِ جاناں میں دکھائیں شوق نے نیرنگیاں
اُسکی دشمن پر نظر میری نظر تھی سوئے دوست

قتل دشمن کو مبارک آپ تو کس کر صغیر
طوقِ گردن کیجئے وہ نازنیں بازوے دوست

رہا ہے برسر پیکار ترکِ جنگجو برسوں
ہوا ہے وقفِ شمشیر و سناں اپنا لہو برسوں

اُسے دے جام ساقی ہو جسے درکار پیمانہ
مئے الفت پلا رندوں کو بھر بھر کر سبو برسوں

دلِ سادہ ہمارا مکر سے تسخیر کرنے کو
بنا جادو نظر معجز بیاں وہ تندخو برسوں

مجھے پیارا ہے پیری میں بھی دل گو اب ہے ویرانہ　　یہ وہ گھر ہے رہی جسمیں کسی کی آرزو برسوں
تمھارے نشترِ مژگاں سے کچھ تسکیں ہوئی حاصل　　رگوں میں جوش زن سودے تھا کیا کیا لہو برسوں
اُسی کا سجدہ کچھ مقبول ہے محراب ابرو میں　　کرے پہلے جو آبِ تیغ قاتل سے وضو برسوں
نہ چھوٹا جائے ہستی سے داغِ معصیت اپنا　　بہت اشک ندامت نے عبث کی شست وشو برسوں
دلیل پختہ مغزی ہے یہ سودائے پریرو میں　　کہ تصویر خیالی سے رہی ہے گفتگو برسوں
جنوں میں خود فراموشی سے پایا۔ تھی طلب جسکی　　تھکائے عقل نے کیا کیا نہ پائے جستجو برسوں
نہ کیونکر موجزن مقتل میں دریائے شہادت ہو　　کہ برسا ہے نگاہِ چشم قاتل سے لہو برسوں
صغیر زار کے حصہ میں ہے تائید ربانی
کلامِ پُر اثر کو اسکے ترسیں گے عدو برسوں

رہے مفتونِ دیدار جمالِ مہوشاں برسوں　　اڑا لیں اپنے دلکی دھجیاں شکل کتاں برسوں
بہارِ باغ عارض ہے تیری حیرت فزا ایسی　　کہ منہ تکتی رہے گی دور سے فصلِ خزاں برسوں
ستم توڑا تھا کس انداز کا قاتل نے کشتے پر　　صدا مرقد سے آئی الحفیظ و الاماں برسوں
اڑانے سے نشانہ دلکا اب آنکھیں چراتے ہو　　کئے پھر تیر کیوں سینے پہ جھکائے کیوں کماں برسوں
نہیں پرواہ دل گر جا ملا اُس دشمن جاں سے　　یہی ڈر ہے کہ یہ اپنا رہا ہے رازداں برسوں
کرے گا خاک مر کر دل جلوں کو تو فلک ٹھنڈا　　اوڑیگا ابر مدفن پر میرے بنکر دھواں برسوں
تمھاری گوہر آگیں مانگ کی ہمسر ہو کیا ممکن　　شب یلدا ستارو سے سنوارے کہکشاں برسوں
ترس جائیگی دنیا گلفشانی کو صغیر اپنی
زمانہ پھر دکھائیگا نہ ایسا خوش بیاں برسوں

بھٹکتے ہیں یہ ارمانوں سے ویراں دلمیں رہتے ہیں　　غزال آسا صنم اجڑی ہوئی منزل میں رہتے ہیں
بتانِ شوخ کی طینت میں ہے خانہ براندازی　　اُسی کو توڑتے ہیں بیوفا جس دلمیں رہتے ہیں
کریگا سامنا کیونکر تیرے روئے مصفا کا　　ہزاروں بدنما دھبّے مہ کامل میں رہتے ہیں

قیامت ایک ہنگامہ ہے اسکو اس سے کیا نسبت کہ برپا سیکڑوں فتنے تیری محفل میں رہتے ہیں
قضا یہ طعنہ ہائے سخت جانی سب بجا۔ لیکن ہزاروں ناز بیجا خنجر قاتل میں رہتے ہیں

صؔغیر انجام آخر کیا ہے اپنی یاوہ گوئی کا
عبث مصروف ہم اس کار بیحاصل میں رہتے ہیں

خدا شباب پہ رکھے سدا حسینوں کو رہے نصیب رُخ مہر مہ جبینوں کو
علوئے فکر کا ادنیٰ سا دیکھئے اعجاز کہ آسمان پہ پہونچا دیا زمینوں کو
دبے پڑے ہیں تو کیں مرمٹے ارماں کہو نگاہ سے کھودے نہ ان دفینوں کو
یقین جنکو نہیں دلکے آئے جانے کا وہ دیکھتے نہیں کیوں چاک کرکے سینوں کو
لڑی جو آنکھ دلِ زار چور چور ہوا ذرا سی ٹھیس قیامت ہے آبگینوں کو

صؔغیر سر پہ پڑی زلف اُٹھ کے ایڑی سے
شرف ہے حسن کی سرکار میں کمینوں کو

سمجھئے بیت ابروئے صنم تحریر میخانہ کلام مست چشم ناز ہے تقریر میخانہ
خطِ جام جہاں بیں چاہئے تحریر میخانہ صدائے قلقل مینا سے ہے تقریر میخانہ
یہ شیشے کی پری ملتی ہے سودائی پردے میں حجاب دُخت رز ہے باعث تعمیر میخانہ
بیانِ عظمتِ پیر مغاں ہے کیا خوشامد میں صدائے سائل میخوار ہے تکبیر میخانہ
لنڈھائے محتسب نے خم لگے ٹھٹھہ بادہ نوشو چمک جاتی ہے دست غیر سے تقدیر میخانہ
عجب کیا قبلۂ عالم یہی نکلے حقیقت میں کسی پیر مغاں سے پوچھئے تعبیر میخانہ
مزے لیتے ہیں کیا کیا جو رہر آلود ساقی کے ہمارا دل ہے اور ہے لذت تقریر میخانہ

کروں گا خم کے خم خالی عمل ہے یاں صؔغیر اپنا
ازل سے نام لکھی ہے میرے جاگیر میخانہ

عجب ہر رنگ عشرت میں لگی ہے ایک تہ غم کی جو شادی کی ہے محفل آج کل مجلس ہے ماتم کی

کھلا یہ راز نقشِ اندرونِ ماہِ کامل کا ——— لگائی ہے فلک نے مُہر ولپر تری خاتم کی
تفوّق حُسن پر ہے عشق کو درگاہ باری میں ——— نگہ افضل ہے چشمِ خندہ زن سے چشمِ پرنم کی
نقابِ رخ کی رشکِ مہرِ تاباں تجھکو کیا حاجت ——— کہ رُعبِ حُسن سے اُٹھتی نہیں خود آنکھ عالم کی
مئے وحدت سے ہے کیفِ دو عالم کاسۂ سر میں ——— حقیقت جامِ خسرو کی نہ کچھ یاں ساغرِ جم کی

صغیر انسانکی بندِ عشق سے مشکل رہائی ہے
کہ اس زنجیر میں جکڑی ہوئی ہے نسل آدم کی

قرار آپ جو دیجئے وہی خطا میری ——— جو آپ کیجئے تجویز وہ سزا میری
غرض تھی غیر سے کیا مجھکو تمسے کیا مطلب ——— شعار ہی ہے ازل سے مجھے وفا میری
وہ یوں سمیٹ کے دامن کو بچکے چلتے ہیں ——— کہ لگ نہ جائے کہیں اُڑ کے بھی ہوا میری
شبِ الم کا شبِ قدر نام رکھتا ہوں ——— کہ اس فریب سے سُن لے مگر خدا میری
وہ ازدحام وہ داور وہ اپنی فردِ سیاہ ——— تلاشِ پردۂ رحمت ہے اور خطا میری
نگاہ شوخ کا ہے شکوۂ ستم پہ جواب ——— یہی رہی ہے رہے گی یہی ادا میری

صغیر ہجرِ صنم میں یہ قول اپنا ہے
خدا کی جو ہے مشیت وہی رضا میری

عدم سے چلتے پھرتے کوئی دم ہستی میں آ ٹھہرے ——— سہ پنجی ہے سرا اس میں زیادہ کوئی کیا ٹھہرے
تنکنا اُس کا انگڑائی سے ہے ایک شانِ رعنائی ——— فروغِ حسن میں اُس گلبدن پر کیا قبا ٹھہرے
بھرے ہیں کوٹ کر شوخی شرارت عشوے عیاری ——— ٹھہرنے کی جگہ پائے تو آنکھوں میں حیا ٹھہرے
تھپیڑوں میں ہوائے آرزو کے جسم خاکی ہے ——— خدا جانے کہاں یہ کشتیِ بحرِ فنا ٹھہرے
نہیں جمتا جمائے رنگ جب خونِ شہیداں کا ——— کفِ گلرنگ پر قاتل کے کیا رنگِ حنا ٹھہرے
قدم رکھتے ہی گلشن میں شگوفے کھِل گئے صدہا ——— خدا جانے لگائے آگ کیا کیا گر صبا ٹھہرے
صغیر اپنے تھے اشکِ صاف اشکِ گوہرِ غلطاں ——— جو لایا رنگ خونِ دل تو لعلِ بے بہا ٹھہرے

سبیلِ زیست کیا اُس وار کی جب تم خفا ٹھہرے — نگاہِ لطف ایک جسکے نفس کا آسرا ٹھہرے
بدولت حسن کی وہ شاہ ہیں دل مانگنے پر بھی — خدا کی شان ہم دل دیکے اُلٹے خود گدا ٹھہرے
ضرورت کیا ہے باقی اُسکو گھر گھر روز پھرنے کی — قیامت تک میرے دل میں غمِ صبر آزما ٹھہرے
ملا سودا اسیہ بختی سے ہم کو زلف کافر کا — شبِ غم میں نہ کیونکر رات بھر سر پر بلا ٹھہرے
عبث اُس نازنیں سے ہے تمنا ذبح کرنے کی — کہ مٹھی میں نہ جسکی طائرِ رنگِ حنا ٹھہرے
زباں آتی نہیں قابو میں فرطِ بیقراری سے — دلِ مضطر ذرا دم لے کہ لب پر مدعا ٹھہرے

صغیرِ نیم جاں مرتا ہے اُس رشکِ مسیحا پر
کہ جسکی جنبشِ لب سے قیامت تک قضا ٹھہرے

شب و روز

پچھلا پہر ہے رات کا ہے خوشنما سماں — ہونے لگے ہیں صبح کے آثار کچھ عیاں
آتی ہے تن میں تازہ نسیمِ سحر سے جاں — تڑکے کی چاندنی کی لطافت ہو کیا بیاں

یوں سقفِ آسمان میں ہیں تارے جڑے ہوئے
موتی ہوں جیسے فرش پہ بکھرے پڑے ہوئے

زریں ہے پرتوِ شہِ خاور سے روئے شرق — وہ تاب ہے کہ ابر میں جا کر چھپی ہے برق
موجوں میں بحرِ نور کی عالم ہوا ہے غرق — رکھا ادب سے زیرِ قدم آسماں نے فرق

پھر خلق خوابِ مرگ سے آئی حیات میں
پھونکی گئی ہے روح نئی کائنات میں

نصف النہار تک وہ بڑھا قہر کا جلال — لائے جو طورِ تابِ تجلی کی کیا مجال
قلزم میں آب کو بھی ٹھہرنا ہوا محال — پروازِ مرغِ روح کو رُکھائے تن ہیں جال

کانٹے پڑے ہیں حلق میں حسرت سے گھونٹ کی
پانی نہیں ہے نام کو تھیلی میں اونٹ کی

شدت ہے سہ پہر کو بھی شدت کا ہے یہ حال فیروزہ رنگ چرخ ہے مثل عقیق لال
صحرا میں جلکے دھوپ سے کالے ہوئے غزال پرّاں ہے شکل ہوشِ کبوتر تو کوئی خال
بستی میں آدمی ہو کہ حیوان اوجاڑ ہیں
ہر ایک اپنی جان چھپاتا ہے آڑ میں

دن بھر کے بعد شام کو آیا نظر جمال تازہ ہوئے جو دھوپ کی گرمی سے تھے نڈھال
بشاش ہیں جنھیں تھی ابھی زندگی وبال فرحت نصیب قلب ہے اور رنگِ رخ بحال
پژمردگی جہاں تھی وہاں پھر امنگ ہے
موجِ ہوائے سرد سے کوثر بھی دنگ ہے

گل لال برگ سبز کلی تر شجر نہال غیرت وہ پری وہ ہری ایک ایک ڈال
چلنا روش پہ باد کا اٹکھیلیوں کی چال باہم امڈ امڈ کے پپیہوں کی قیل و قال
شاخوں پہ دمبدم وہ چہکنا ہزار کا
پیدا ہے رنگ شام میں صبحِ بہار کا

بکھرائے زلف کے شب یلدا نے جبکہ بال روئے زمیں سے نور کا یکسر ہوا زوال
اولٹا ورق جہاں میں ہوئی تیرگی کمال سایہ کے ساتھ سر میں بندھا خواب کا خیال
راحت کی خستگی سے ہر ایک محو ہو گیا
بے اختیار آنکھ جھپکتے ہی سو گیا

تم سن سکو گے غم کی مری داستاں کہاں فرصت تمھیں کہاں مجھے تابِ بیاں کہاں
بدلا شباب شیب سے دنیا بدل گئی اگلی سی اب زمین کہاں آسماں کہاں
ہستی سے نیستی کو بھلا کیا مناسبت اس شوخ کا مکان کہاں لامکاں کہاں
گذری قفس میں ہم ہوئے بال و پر شکست یادِ چمن کجا۔ ہوسِ آشیاں کہاں
اس بت کی خامشی میں ہے تقریر کا مزہ سیکھا یہ سحر ساز نے طرزِ بیاں کہاں

وہ فرح بخشِ رُوح - یہ سرچشمۂ حیات ‏ غنچہ کا منہ کہاں یہ تمھارا دہاں کہاں
دیکھا نہ آنکھ بھر کے بھی - اور لٹ گئی بہار ‏ بیٹھی تھی چھپ کے تاک میں فصلِ خزاں کہاں
مرکر یہ زندگی کے مزے ہو چکے نصیب ‏ جاتی ہے تن کو چھوڑ کے روحِ رواں کہاں
اُس بدگماں کو تو ڑ کا آتا نہیں یقیں ‏ یارب دکھاؤں تیرِ نگہ کے نشاں کہاں
میدانِ حشر - کوچۂ جلّاد بزمِ غیر ‏ رسوا ہوئے نہ دل کی بدولت کہاں کہاں

ہونے کو ہر جگہ ہیں سخنور بہت صغیر
لیکن یہ لکھنؤ کی مصفّا زباں کہاں

وحشت کا میری رنگ ہے غربت کا وطن میں ‏ بیگانہ ہوں سبزے کی طرح صحنِ چمن میں
پروانہ کی الفت کا لگا دل میں پتنگا ‏ راتوں کو کھڑی شمع جو روتی ہے لگن میں
حیرت ہے کہ دل ڈوب کے رہجاتے ہیں کیونکر ‏ قطرہ نہیں پانی کا تیرے چاہِ ذقن میں
تابِ رُخِ سیمیں بدناں چیز ہے کچھ اور ‏ سرخی ہے یہ گل میں نہ سفیدی یہ سمن میں
انسان کی طبیعت پہ ہے موقوف غم و عیش ‏ ہے شامِ غریباں میں نہ کچھ صبحِ وطن میں
ایک آہ سے کہئے تو دُھویں اُسکے اُڑا دوں ‏ رکھّا ہے بجز نام کے کیا چرخِ کہن میں
اشعار سے مقصود ہے اظہار خیالات ‏ شہرت کی تمنّا نہیں یاں اہل سخن میں

ہے مرگ صغیر اپنی شبِ زیست کا تڑکا
انوارِ سحر کی ہے جھلک صاف کفن میں

صغیر - پنڈت بشمبر ناتھ صاحب خلف پنڈت جوالا ناتھ صاحب مولد لدھیانہ۔

مسکن دہلی -

کچھ اثر تو بیقراری کا مقرّر ہوگیا ‏ خواب میں وہ بیچا بانہ مرے گھر ہوگیا
کس توقع پر چلیں اب کوئے جاناں کو صغیر ‏ لوگ کہتے ہیں کہ بند اب روزنِ در ہوگیا

صوفی۔ نام معلوم نہوسکا

تاریخ تہنیت تقرر پنڈت رام نرائن صاحب دربہ عہدہ جلیلہ چیف کوٹ پنجاب

زبانِ ہر یکے مانندِ سوسن — بہ ہردم مرحبا گویست و احسن
گلستاں را بہارِ تازہ آمد — بود بر شاخِ گل بلبل نوازن
ندانم چیست وجہہ شادمانی — کہ دارد خورمی ہر مرد و ہر زن
بیا در باغ تا پرسم ز بلبل — کہ باشد از چہ گلہا در شگفتن
جہاں مایل کہ آنجا ہر نہالے — زگلہائے جناں پُر کردہ دامن
شدم در باغ پرسیدم ز بلبل — کہ چوں چندیں بہار آمد بہ گلشن
بگفتا بلبلِ شیریں ترانہ — کہ از فیضِ جنابِ چارلس ایچیسن
بہ ملکِ خورمی آباد پنجاب — جج چیف کورٹ اینک شد معین
ہمایوں صورتے والا صفاتے — کہ نامش رام باشد با نرائن
گرامی پنڈتے از اہل کشمیر — سراپا دانش و ماہر بہ ہر فن
شدم سرگرم صوفیؔ زیں مسرت — بتاریخ مبارکباد گفتن
ز روے یاوریِ بخت گفتم — ریاضِ دولتِ جاوید گلشن

سپس شد سالِ ہجری از سرِ ہوش
الٰہی اخترِ اقبال روشن
سمت ۱۹۴۲ بکرمی

صیرفیؔ۔ یکے از ارباب قوم متوطن دہلی۔

صرف اسقدر معلوم ہو سکا کہ آپ کی شاعری نے دہلی کی سرزمین پر نشو و نما پائی تھی۔ افسوس کہ ایک شعر بھی دستیاب نہوا جو درج تذکرہ ہذا کیا جاتا۔

ضمیرؔ۔ پنڈت نرائن داس صاحب او کھل دہلوی

مولف گلستان سخن نے ضمیرؔ کی شاعری کی یوں داد دی ہے کہ فنون شاعری سے کماہی آگاہ اور عروض و قافیہ میں فصاحت دستگاہ۔ گو خود ہندی الاصل تھا لیکن اُسکے اشعار ایرانی نژاد تھے۔ تلاش معاش میں سرگرداں ہو کر سرسہ کی طرف گیا اور اُس نواح میں یاوری بخت سے کامیاب ہوا سرسید احمد خاں مولف آثار الصنادید رقمطراز ہیں کہ

سخن شناس معنی اساس۔ محو جلوۂ شاہد نکتہ دانی۔ نظر باز عرایس معانی۔ صاحبِ طبع روشن و افکار منیر۔ پنڈت نرائن داس ضمیرؔ۔ دقایق سخن سے کماہی آگاہ اور فنون شتےا میں صاحب دستگاہ۔ لوازم سخنوری مثل بیان و معانی و بدیع و عروض و قوافی سے ماہر۔ اور خفایاے رموز ہنر بتمامہ اس صاحب کمال کے سامنے ظاہر۔ زبان فارسی میں ہم نظم متین و ہم نثر دلنشین ان کے خامۂ معنی طراز سے جلوہ گر ہے۔ اگر نظم ہے مثل نظم جواہر کے مقبول طبایع اہل ہنر اور اگر نثر ہے مانند نثر نثرہ کے منظور اہل نظر۔ ہر مصرعہ انکار شکِ مصرعہ زلف خوباں اور بیت ابروے محبوباں۔ رنگینی عبارت کی رنگینئ گل سے بالاتر اور صفائی الفاظ صفائی گوہر سے والاتر۔

مولنا صہبائی اور ضمیرؔ کے بڑے مخلصانہ تعلقات تھے۔ مولانا اُن کے پاس اکثر آتے تھے۔ ستار کا بھی بہت شوق تھا۔ شعر میں ہمیشہ مستغرق رہتے تھے۔ دنیا کے کاموں میں دلچسپی نہ تھی۔ فصیح کلامی میں اپنے متاخریں میں ممتاز تھے۔ غدر سے پہلے جو ایرانی ادبی مذاق رکھنے والا دہلی آتا اُن سے ملے بغیر نجاتا۔ اُن کے نزدیک اپکا نام ضمیرؔ ہندی تھا۔ ایک دفعہ ایک ایرانی شاعر اُن سے ملنے آیا اور اپنے اس شعر کی داد چاہی۔

سیہ چوڑی بدست آں نگارے مہ جبیں دیدم ۔۔۔ بہ شاخ صندلیں پیچیدہ مارے عنبریں دیدم

یہ چپ رہے۔ اُس نے داد چاہی۔ فرمایا من ایں طور گفتے۔

سیہ چوبری بدست آں لگارے — بہ شاخ صندلیں پیچیدہ مارے

ایرانی کھڑا ہوگیا اور دست بستہ بولا" جائے اُستاد خالی"

پنڈت نرائن داس شیخ امام بخش صاحب صہبائی اور مرزا اسد اللہ خاں صاحب غالب کے ہمعصر ونے تھے آپ کا خاندان دہلی میں اوکھل کے لقب سے معروف ہے بازار سیتارام کے رہنے والے تھے بیشتر زمانہ اون کی عمر کا قبل از غدر ۱۸۵۷ء گذرا ہے اون کے پسر پنڈت رادھاکشن صاحب کو جناب ساحر فرماتے ہیں کہ انھوں نے اپنے ہوش میں دیکھا ہے سنا جاتا ہے کہ اکثر اہل ایران اور نامی سخنوران ہند سے معرکہ آرائیاں ہوئیں جنمیں پنڈت صاحب موصوف کے سر دستارِ فضیلت رہی چنانچہ غزل" چو شمع "، کی زمین میں ایک معرکہ کی غزل بیان کی جاتی ہے اور اُسکے ملاحظہ سے واضح ہو گا کہ واقعی کمال فن کا اظہار ہے اُس زمانہ میں رواج کلام فارسی کا زیادہ تر تھا اردو کا رواج اہل علم میں کم تھا آپکا کلام فارسی ہے جناب ماسٹر پنڈت رام کشن صاحب بسمل سے آپ کی صحبت مذاق فارسی کی اکثر رہتی تھی جو کچھ کلام آپ کا دستیاب ہوا ہے اسکو پنڈت پرتھی ناتھ صاحب اوکھل نے طبع کراکر یادگار اُس فاضل وقت کی قائم کردی ہے۔ حضرت ضمیر ۱۸۶۲ء میں بہشت نصیب ہوئے۔

تا گلِ عکسِ رُخت رفت از کنار آئینہ را — می خلد جوہر بہ تن مانندِ خار آئینہ را

منکہ جاں دارم چہ تسکین بے رخت باشد مرا — کردہ چوں سیماب شوقت بیقرار آئینہ را

دیدہ ام راہم زعکس روئے خود گلرنگ کن — ایکہ ریزی از گریباں گُل ہزار آئینہ را

صاف دل را کے بود با خاکساراں دشمنی — نیست در خاطر ز خاکستر غبار آئینہ را

در خیالِ روئے جاناں ہر کہ محو حیرت است — خلوتے دارد کہ در وے نیست بار آئینہ را

در دلِ صافم جمال خود اگر بیند دمے — افگند یارم ز چشم اعتبار آئینہ را

از خود آرائیٔ دل ہر کس کہ می میرد ضمیر
بیشمارد کمتر از لوحِ مزار آئینہ را

به تیغ آزرده آن لعلِ شکرخا میکند ما را ... هلاک اے وائے انفاسِ مسیحا میکند ما را
به محفل شمع ساں سوزِ دلِ من کے نہاں ماند ... که دودِ آه و اشکِ گرم رسوا میکند ما را
تماشاگاهِ خلقے میشوم از حیرتِ حسنش ... زبس آئینه ساں محوِ تماشا میکند ما را
ازاں مستانه میگریم دریادِ لبِ لعلش ... که طرزِ گریه را تعلیمِ مینا میکند ما را
رهِ ما گشته گم شب در سوادِ سایهٔ سنبل ... بغیر از نکہتِ زلفش که پیدا میکند ما را

نگشتم این چنیں بیخود ضمیر از دورِ جامِ من
خراب از گردشے آں چشمِ شہلا میکند ما را

بر سرِ خاکِ کشتهٔ باز بیا خدائے را ... سازِ گلِ مزارِ ما رنگِ حنائے پائے را
کشتهٔ غمزه ات نداشت ماتمِ فدا شوم ... رسمِ سیاه پوشیٔ نرگسِ سرمه سائے را
ضعفِ من اینقدر فزود آه که گشته دودِ دل ... سلسلهٔ گراں بپا نالهٔ نارسائے را
خم شده بارِ منتِ تیغِ تو ہست گردنم ... روزِ جزا طلب کنم کے ز تو خونبہائے را
نکتهٔ از جمالِ او سر چه کنم که خالِ او ... مُہر زده ست بر زباں نطقِ سخن سرائے را
مرغِ چمن نمیزند صوتِ تو ناشنیده بدل ... کے بترانه ات دهم نوحهٔ جانگزائے را
از خفقاں طپد دلم ضبطِ فغاں چساں کنم ... شوخیِ شوق داده ام صبرِ گریز پائے را

ساز شگفته ہمچو گل غنچهٔ خاطرِ ضمیر
زود بیار اے صبا مژدهٔ جانفزائے را

حسن از فیضِ گرفتاریست در تسخیرِ ما ... حلقه در گوشِ پریزاداں کشد زنجیرِ ما
دم زدن از مہر و خندیدن بعالم کارِ ماست ... نیست از اہلِ صفا جز صبحِ صادق پیرِ ما
ہستیِ موہومِ ما خواب و خیالے بیش نیست ... مغزِ دانش را پریشاں میکند تعبیرِ ما
طالعِ واژوں تماشا کن که چوں تیر افگنم ... جانبِ ما از ہدف برگشته آید تیرِ ما
خونِ خود را حاسد از زخمِ زبانِ ما مریز ... غافلی اے بیجگر از جوہرِ شمشیرِ ما

کوششِ ما ہر کار خود عبث باشد ضمیر
نیست غافل یک نفس تقدیر از تدبیر ما

دو صد گل ور دو چشت کاش اے گلچین شود پیدا — کہ بلبل را بخاطر اندکے تسکیں شود پیدا
اگر یکقطرہ از اشکِ جگر گوں در چمن ریزم — برنگِ چہرۂ گل رنگ در نسریں شود پیدا
ید بیضائے خود را شمع در فانوس دزد دگر — ز چاکِ آستینت ساعد سیمیں شود پیدا
چو از شمشیر ریزد زخم بر ہم بر تنم قاتل — ز سرتا پائے من چشمِ تماشا بیں شود پیدا
بعشقِ زلف از دودِ دلِ من بوئے مشک آید — بیادِ عارضِ او نالۂ رنگیں شود پیدا

ضمیر از خود رود شبنم ز نورِ نیّرِ اعظم
شوم گم چوں بکفِ آں شوخ تیغ کیں شود پیدا

بلبل ار بشنود ترانۂ ما — گل کند نذر آشیانۂ ما
آمدی و ز خویشتن رفتیم — نیست غیر تو کس بخانۂ ما
چیست گلشن کہ شد بیاد رخت — بوئے گل فرش آستانۂ ما
طرزِ معشوقیِ بتاں بنود — خوشتر از وضع عاشقانۂ ما
عمر ما شد بمعصیت آخر — لیکن آخر نشد بہانۂ ما

چوں صدف پاک گوہریم ضمیر
رسد از غیب آب و دانۂ ما

دلِ دیوانہ بیقرار کسیت — چشم گریاں در انتظار کسیت
جگرِ خستہ چشمِ تر لبِ خشک — ہر یکے شرحِ حالِ زار کسیت
لذتِ ترش از دلم نرود — کے فراموش یادگارِ کسیت
زخمِ کاری زدن بدل ز غمت — کار بیدرد نیست کارِ کسیت
نالۂ زار و دیدۂ خونبار — راز گوئی دلِ فگارِ کسیت

پرد از جنبشِ صبا رنگش
بسکه نازک گلِ عذارِ کیست

دودِ آهم ضمیرؔ عنبر بود
از غمِ زلفِ مشکبار کیست

چو دودِ آه سیاه از دلِ حزیں برخاست
کہ موے بر تنِ آں زلفِ عنبریں برخاست

بہ بختِ زشت بجنگم ز خویش دل تنگم
نشست ہر کہ دمے پیشِ من غمیں برخاست

ز شغلِ غم نفسے نیست فرصتم حاصل
ز پا چو نالہ نشست آہِ آتشیں برخاست

بغیرِ لختِ جگر بد نماست حلقۂ چشم
نماند زینتِ خاتم چو از نگیں برخاست

ز لالہ زارِ جہاں بوئے داغ می آید
خوش آنکہ زیں چمن افشاندہ آستیں برخاست

فزود غیرتِ من فیضِ خاکساریہا
غبارِ راہ بہ تعظیم از زمیں برخاست

نہ سرکشی ز سرِ زلفِ مشکبارش رفت
نہ زاں جبینِ صفا خیز نقش چیں برخاست

بدامِ عشقِ تو افتادنم بیاد آمد
بقصدِ صید چو صیاد از کمیں برخاست

سمن برم شبِ مہتاب سینہ تا وا کرد
ز چاکِ پیرہنش بوے یاسمیں برخاست

غبارِ کینۂ من بر دلِ زمیں ہم ہست
ہمیں نہ چرخِ ستم آزما بکیں برخاست

ز دودِ آہ کشم پاےٴ نالہ در زنجیر
ز خوابِ ناز گراں شوخِ نازنیں برخاست

ضمیرؔ دل ز طپیدن کدورت آگیں شد
بشیشہ از حرکت دُرد تہ نشیں برخاست

بچشمم چوں نگہ برگشتہ از موئے تو مے آید
ز مژگانم شمیمِ عطرِ گیسوئے تو مے آید

توانی از عتاب و ناز تسخیر دلم کردن
کہ کارِ دامِ انسہ چینِ ابروئے تو مے آید

ز رشکِ زلفِ مشکینت بخود از یار می پیچم
کہ ایں کافر چہ گستاخانہ بر روئے تو مے آید

بود تا ہمنشیں در گوشۂ تنہائیت ایدل
خدنگِ آں کماں ابرو بہ پہلوئے تو مے آید

شہیدِ تیغِ بیدادِ ترا ہنگام جاں دادن
ہمیں برلب دعائے دستِ بازوئے تو مے آید

زچاکِ سینۂ پر داغ می بینم گُلِ رُویت   زشاخِ سنبلِ دودِ دلم بوئے تو مے آید

بسانِ نالہ کز سینہ باصد ضعف برخیزد

ضمیرِ خاک بر سر از سر کوئے تو مے آید

خبرِ وصل بمن از لبِ جاناں آرید   مژدۂ زندگی مردۂ ہجراں آرید

خط مشکینِ رقم یار رسانید بمن   بہر دردِ دلِ من نسخۂ درماں آرید

نیم بسمل شدم از تیر نگاہے یاراں   از پئے کشتنِ من خنجرِ برّاں آرید

چوں زند ناوکِ بیداد کمانِ ابروئے   ارمغاں بہرِ دلِ من دو سہ پیکاں آرید

اے قضا و قدر از تشنہ لبی جانم سوخت   بر سرِ رحم دلِ ساقیٔ دوراں آرید

تا رود گرد سرِ سوختنم پروانہ   از رخِ یار مرا شمعِ شبستاں آرید

نخلِ امیدِ من سوختہ سرسبز کنید   دوستاں بر سرم آں سروِ چراغاں آرید

ہمسری جُستہ بآں زلفِ معنبر سنبل   موکشاں از پئش خوار و پریشاں آرید

زلف برداشت صبا از رخِ نور آگینش   زدہم سلسلہ کفر کہ ایماں آرید

سوخت امشب ز تب و تابِ دروں خواں ضمیر

یکدم از سینہ بروںش دلِ سوزاں آرید

صدرہ از نالہ کشی سے کہ بلبم جاں نرسید   کس بفریادِ دلِ من شبِ ہجراں نرسید

کس بجز لالۂ دل سوختہ در فصلِ بہار   گل بدامن بسرِ گورِ شہیداں نرسید

پیش دستی نگہش کرد بہ تیرم دلِ دوخت   نوبتِ زخم بآں خنجرِ مژگاں نرسید

شد زبس دودِ دلم سدِّ رہِ بادِ صبا   نگہتے تا قفسِ من ز گلستاں نرسید

ناصح از کاوشِ مژگانِ بتاں بیخبری   برگلوئے تو دم خنجرِ برّاں نرسید

ثمرِ پیشترسِ باغِ شہادت بخشید   بر دلِ ہر کہ ز تیرش دو سہ پیکاں نرسید

چشم داغم برہِ بادِ صبا منتظر است   تحفۂ چین بمن از کاکلِ جاناں نرسید

عمر در کشمکشِ خوف و رجا رفت ضمیر
تا دمِ مرگ بپایاں غمِ دوراں نرسید

آں پری رخ دو چار من تا شد — عقل گم گشت و عشق پیدا شد
چو درِ خانہ بر صبا بستم — بمن آں غنچہ لب چو گل وا شد
بر زباں ہائے عاقلاں افتاد — دلِ دیوانہ خوب رسوا شد
چشمِ مستت کہ غمزہ را سر کرد — کہ بہر گوشہ فتنہ بر پا شد
نالہ ام بسکہ رفت سوے فلک — دردِ سر عارضِ مسیحا شد
بکن امروز کار فردا ہم — نیست فردا دگر چو فردا شد
اسم حق در مظاہرست نہاں — از خرد حلِّ ایں معما شد

ظاہر از گرمیِ سرشک ضمیر
طپشِ نبضِ موجِ دریا شد

سرگرمِ وفائش بدلِ زار تواں کرد — گر شعلہ بہ تدبیر نگونسار تواں کرد
اے نالہ سراسیمہ ام از بختِ گرانخواب — اُو را سرِ پائے زدہ بیدار تواں کرد
اے مستِ مئِ ناز علاجِ دلِ بیمار — از یک نگہ نرگسِ بیمار تواں کرد
دریا دِگل روئے تو از نالۂ رنگیں — خوں در جگرِ بلبلِ گلزار تواں کرد
گہ لطف گہے جور ازیں شیوہ چہ حاصل — ہاں ہر چہ تواں کرد بیکبار تواں کرد
در لب شکنم صد سخن از خوفِ تو ورنہ — از کم نگہی ہا گلہ بسیار تواں کرد
سودا زدۂ دستِ حنا بستۂ اورا — انگشت نمائے سرِ بازار تواں کرد
بنگر دلِ پُر داغِ من از سینۂ صد چاک — سیرِ چمن از رخنۂ دیوار تواں کرد

در عشق ضمیر آنچہ کہ دیدم چہ دہم شرح
نے صبر تواں کرد نہ اظہار تواں کرد

دُور از تو آه در جگرم تیر می شود　　هر دم که میزنم دم شمشیر میشود
حرفے ز سوزِ دل نتوانم بیار گفت　　از بسکه دودِ آه گلوگیر میشود
چوں عکسِ عارضِ تو در آئینه می فتد　　گلزنگ تر ز قطعهٔ تصویر میشود
بر حالِ من بگوشهٔ زندان غم جنوں　　گریاں بچشم حلقهٔ زنجیر میشود
افتد چو عکس گوهرِ دندانِ او بمے　　ساغر بدست او قدحِ شیر میشود
چوں شوخ و شنگ تیرِ جفا در کماں نهی　　قرباں بهر خدنگِ تو نخچیر میشود
یا شد ضمیر نالهٔ شبگیر من بلند
از خوف زرد چهرهٔ تاثیر میشود

تا مرا چشم برنگِ مے و مینا افتاد　　ساقیا از نظرِ من گلِ رعنا افتاد
ابر دودیست که از شعلهٔ آهم برخاست　　بحر اشکیست که از چشمِ ترِ ما افتاد
مستیِ چشم بیکے سر خوشیِ باده بیکے　　نشهٔ آں بتِ میخوار دو بالا افتاد
دوش در میکده از نعرهٔ مستانهٔ من　　کار از دستِ سبُو رفت خُم از پا افتاد
عجبے نیست ز افتادنِ یوسف در چاه　　که ز بام از غمِ او طشت زلیخا افتاد
گریه با بسکه بیادِ لب لعلش کردم　　از سرشکِ نمکیں شور بدریا افتاد
سنبلِ مشک فشاں سر زتهٔ خاک کشید　　سایه هر جا که ازاں زلفِ سمن سا افتاد
قطعه
جلوهٔ حسنِ ازل شهرهٔ عالم افروز　　پرتوِ عشق در آئینهٔ دلها افتاد
شهر آشوب زمانے شده حسنِ لیلیٰ　　راهِ مجنونِ ز خود رفته بصحرا افتاد
یک زباں در هوسِ بوسهٔ لعلِ شیریں　　کار فرهاد بکندیدنِ خارهٔ فتاد
گاه از آتشِ غم سوخته جانِ وامق　　برق در خرمنش از عارضِ عذرا افتاد
الغرض در همه اوقات ز جورِ معشوق　　آتشے در جگرِ عاشقِ شیدا افتاد
چشم بد دور که در دورِ جمال تو کنوں　　نوبتِ عشق بمن اے بتِ زیبا افتاد

ریزم از خونِ جگر رنگِ مضامین بلند
کہ ضمیر این سخنم پست سراپا افتاد

یک طرف تا زخش زلف چلیپا افتاد — مو بمو پردہ ز کارِ منِ رسوا افتاد
آب شد بسکہ ز شرمِ قد رعنائے کسے — سرو فوارہ صفت در چمن از پا افتاد
از لبِ لعلِ تو تبخالہ برنگے گل کرد — کہ ز طاقِ دلِ من شیشۂ صہبا افتاد
نتواں حسنِ تو جز دیدۂ باطن دیدن — آہ در چشمِ دلم گل ز سویدا افتاد
دست بر نبضِ مریضِ تپِ ہجرت چو نہاد — لرزہ چوں بید بر اندامِ مسیحا افتاد
بر زمیں مشتِ عرق از رخ آں ماہ چکید — چوں فلک در کفِ او عقد ثریا افتاد

قطعہ

آہ تا دور فتادم ز تو اے رشکِ چمن — کے پسندِ دلِ من ہیچ تماشا افتاد
بے رخ و چشمِ تو گر سوئے گلستاں رفتم — نہ بگل چشم نہ بر نرگسِ شہلا افتاد
بیخود افتادم و رسوا سرِ بازار شدم — اتفاقِ گذر آنجا چو ز سودا افتاد
وحشتم برد کشاں گر بہ بیاباں گاہے — در غزالانِ زمن غمزدہ غوغا افتاد
کارِ آتشکدہ میکرد بمن عالمِ آب — سوختم گر گذرم بر لبِ دریا افتاد
بے تو القصہ دعا عیش جہاں را گفتم — کار گر زہر غمت بسکہ دلم را افتاد

غزلِ تازہ ضمیر از تو تمنا دارم
کز ازل طبعِ لطیفِ سخن آرا افتاد

دارم کجا پروائے مستم ز صہبائے دگر — خوش گردم از گلزار کے خواہم تماشائے دگر
مژگاں سناں ابرو کماں تیرِ نگاہش جاں ستاں — چوں ترکِ چشمش در جہاں نبود صف آرائے دگر
از گرمیِ ہر نالۂ دارم بلب تبخالۂ — گل کردہ ہر دم لالۂ از داغِ سودائے دگر
در وصفِ آں گل پیرہن تا از لبم سرزد سخن — ہر سو ز مرغانِ چمن برخاست غوغائے دگر
ہنگامِ طاعت نیز ہم دارم خیالِ آں صنم — حاصل چہ از طوفِ حرم چوں دل بود جائے دگر

گر چوں تو اے سروِ رواں خوبی نباشد در جہاں
مثلِ ضمیرِ ناتواں ہم نیست شیدائے دگر

من جاں بلب در کنجِ غم او مجلس آرائے دگر | من خونِ دل اینجا خورم او میکند جائے دگر
شب تا سحر در کوئے او گردیدم و باز آمدم | بر لب حدیثِ دردِ دل در دل تمنائے دگر
چند آنکہ درمانم کنی دردم فزوں تر بیشود | ہاں اے طبیبِ مہرباں فکرِ مداوائے دگر
باشد عجب ہنگامۂ در جلوہ گاہِ حسنِ او | من در تماشائے دلم دل در تماشائے دگر

شاید ضمیرؔ آں بیوفا گردد بالفت آشنا
ہر روز تدبیرے کنم ہر شب زنم رائے دگر

نظر کند چو بروئے تو جانِ من تصویر | شود ز حسنِ تو حیران بسانِ من تصویر

بیاں کنم بکہ رازِ طلسمِ حیرتِ دل
بمجلسِ تو سزد ہمزبانِ من تصویر

نیست جز طے کردنِ راہِ فنا کارم چو شمع | رشتۂ پا دارم و سرگرم رفتارم چو شمع
گل کند سوزِ دروں از گریہ ہائے زارِ من | قطع میسازند سر زیں جرم ہر بارم چو شمع
کے کشد کس آستیں بر دیدۂ گریانِ من | یارِ دلسوزے دریں محفل نمیدارم چو شمع
سوزم و راہِ بروں شد نیست پیدا زیں فلک | من دریں فانوسِ زنگاری گرفتارم چو شمع
از غمت در دیدۂ تر خوابِ راحت سوختہ | عالمے را سر ببالین است و بیدارم چو شمع
قمری ام پروانہ ام بینالم و سوزم کہ ہست | قامتِ یارم چو سرو و روئے دلدارم چو شمع
از برائے کشتنِ من احتیاجِ تیغ نیست | گر زنی دامن رود جاں از تنِ زارم چو شمع

گر چہ حرفِ سوزشِ دل بر زباں دارم ضمیرؔ
کس نمی فہمد ز اہلِ بزم گفتارم چو شمع

برائے قتلِ مردم سرمہ آگیں چشمِ مستش | کہ از دنبالہ شمشیرے سیہ تابی بدستش

کمانِ ابروش برخانہ جنگی ہا کمر بستہ　　بخونِ تلخکا ماں تشنہ لعل می پرستنش
شہید غمزہ اش باراست کیشاں الفتے دارد　　شوم قربانِ تیرِ او کہ در پہلو نشستنش

دل پرخونِ من از شیشۂ مے بود نازک تر
ضمیر آں شوخ سنگیں دل زبیقدری شکستنش

ہر شبے بر سرِ کوے تو گذر داشتہ ام　　غم بدل۔ خار بپا۔ خاک بسر داشتہ ام
دوستاں حالِ دلِ زار مپرسید زمن　　من زخود رفتہ ام از دل چہ خبر داشتہ ام
منم و سیرِ سرِ کوے تو اے جلوہ نما　　در غمِ عشقِ تو دل از ہمہ بر داشتہ ام
چشمت از غمزہ زبس تیرِ جگر دوز زند　　درمیاں دل زپے حفظِ جگر داشتہ ام
نالہ را وردِ فزاے دلِ شب ساختہ ام　　آہ را ہمنفسِ بادِ سحر داشتہ ام

نغمہ یکدست چو قمری بکنم طرح ضمیر
مثلِ بلبل بغزل طرزِ دگر داشتہ ام

بدشنہ بے تو جگر را بجوں بیا لایم　　فشانم اشک و نظر را بجوں بیا لایم
طپم بکنجِ قفس آنچناں بہ حسرتِ گل　　کہ بال ریزم و پر را بجوں بیا لایم

مژہ تر بسکہ بخونابِ جگر داشتہ ام　　سرخ تر از رگِ گل تارِ نظر داشتہ ام
شعلہ زن موجِ ہوا شد چو رگِ برق زمن　　نامۂ آہم و افشاں شررِ داشتہ ام
موجِ مے بے لبِ او خوش ننمود کز خطِ جام　　در نظر حلقۂ گرداب خطر داشتہ ام

خوش بیادِ اسبابِ درد و غم سراسر میدہم　　جاں بجاناں می سپارم دل بدلبر میدہم
بسکہ ہستم آرزومندِ شہادت خود زشوق　　در کفِ آں قاتلِ بیباک خنجر میدہم
نیست امیدِ رہائی از قفس صیاد را　　از تنِ خود کندہ خوں آلودہ شہپر میدہم
نامہ می بندم بہ بالش رنگ ریزم می پرد　　سرعتِ پرواز تعلیم کبوتر میدہم

شد ضمیر آئینہ سر مشقِ صفائے طینتم

عیب کس پنہاں ندارم عرض جوہر میدہم

باقلیمِ عدم شب درخیالِ آں دہن رفتم — بہ تنگ از ہستیِ خود آمدم از خویشتن رفتم
شہیدِ خنجرِ بیداد از دستِ ستم کیشے — برنگِ لالہ از باغِ جہاں خونیں کفن رفتم
نشد حاصل زگردشہائے او جز کاہشِ جانم — چو ماہِ نو بزیرِ خاک زیں چرخِ کہن رفتم
بیاموزم فسونے بہرِ تسخیرِ بتاں شاید — بہر بتخانہ بیتابانہ پیشِ برہمن رفتم
زدی با غیر مے پیمانہ ساں کردی دلم پُرخوں — نیایم دیگر از بزمت چو اے پیماں شکن رفتم
بغربت چوں جرس با سینۂ صد چاک می نالم — کہ رفتہ رفتہ از یادِ دلِ اہلِ وطن رفتم
زجا برخاست شمع و کرد استقبالِ پروانہ — چو آہِ آتشیں از لب کشاں در انجمن رفتم

زگیسوئے بتانِ عنبریں مو شانہ گرداں
ضمیر از خود ببوئے زلفِ پیچانِ سخن رفتم

چو آید عنبریں مویم درِ کاشانہ را بندم — زدودِ آہ خود زنجیر در پائے صبا بندم
فلک دشمن، اجل درپے، ستمگر یار، طالع بد — نمیدانم کہ ریزد خونِ من تہمت کرا بندم
حنائے پائے آں رعنا جواں رنگے عجب دارد — بوصفش پیش پا افتادہ مضموں را چرا بندم
کشم بر صفحہ گر تصویرِ آں دستِ نگاریں را — برنگ نو قلم را از سرِ شاخِ حنا بندم

چو صحبت بانگارِ معنیِ بیگانہ آرایم
ضمیر از بے دماغی در بروئے آشنا بندم

صاف تر از سینۂ آئینہ شد کاشانہ ام — نیست غیر از جوہرِ ذاتی متاعِ خانہ ام
ساقیا موجِ مئے گلگوں رگِ جانِ منست — جامِ من گردد چو خالی پر شود پیمانہ ام
رشتۂ شمع ز دلسوزی نشد شیرازہ بند — ماند ابتر دفترِ بال و پرِ پروانہ ام
نیست غم گر مارِ زلفِ او دلم را میگزد — کارِ تریاق آید از لعلِ لبِ جانانہ ام
سینۂ دشمن بمن صاف است از افتادگی — بسپہ را بر دل غبارے نیست از ویرانہ ام

تیز دندانِ طمع بروے کند نہ آسیا — کے بود از گردشِ افلاک این دانہ ام
از سرِ زلفت سرِ موی ندارم پیچ و تاب — گرچہ صد رہ ارہ بر سر میکند از شانہ ام
آشنایم با عزیزاں نیستم گر خود عزیز — از گلستانم چہ شد گر سبزۂ بیگانہ ام

خواب تا سوزد بچشمِ او ضمیر از گریہ اش
کاش بختِ خفتہ یکدم بشنود افسانہ ام

دل بلائیست کہ من میدانم — مہ لقائیست کہ من میدانم
چاکِ پیراہنِ آں آفتِ جاں — دلکشائیست کہ من میدانم
شعلہ خو عربدہ جو مشکیں بو — میرزائیست کہ من میدانم
عکسش از آئینۂ دل نرود — خود نمائیست کہ من میدانم
کم سخن۔ عہد شکن۔ خنجر زن — بیوفائیست کہ من میدانم
آہ ایں نالۂ کوتاہ نفس — نارسائیست کہ من میدانم
رنجِ دل۔ آفتِ جاں ۔ یعنی عشق — بد بلائیست کہ من میدانم
خود پسندی ز وفا بیگانہ — آشنائیست کہ من میدانم
نکہت طرۂ عنبر بیزش — جانفزائیست کہ من میدانم

عالم و ہرچہ در انست ضمیر
سیمیائیست کہ من میدانم

تو و شوخی و تبسم بہ ہزار ناز کردن — من و عجز و جانفشانی ز سرِ نیاز کردن
چو خمار زور آرد چہ خوش است سوی ساقی — پئے جام بادہ دستے بہوس دراز کردن
بہ محبتش ندانم خبرے ز کفر و ایماں — نہ خیالِ بت پرستی نہ سرِ نماز کردن
تو اگر بجور سوزی ز جفا کشاں نیاید — بجز از دعاے جانت ہمہ سرِ نیاز کردن
چہ شود ضمیر جویم بکہ دردِ خویش گویم — کہ نمیتواں علاجے غمِ جانگداز کردن

جورِ تو باشد خوشنما ترکِ ستم گاری مکن — زیبد ز معشوقاں جفا قصدِ وفاداری مکن
در زاریِ شام و سحر هرگز نمی بینم اثر — اے دل ز افغاں درگذر وے دیده خونباری مکن
هاں اے دلِ شیدائے من از مهرِ چشمش دم مزن — پیدا برائے خویشتن سامانِ بیماری مکن
زاهد بیا مے نوش شو با یار هم آغوش شو — دریا د او بیهوش شو غوغائے هشیاری مکن
خواهم ز هجر آں صنم رفتن سبک سوئے عدم — بر سینه ام اے کوهِ غم چندیں گرانباری مکن
پیدا شود فریادِ من آزاد گردی از قفس — با ناله ظاهر هر نفس رنجِ گرفتاری مکن

چشمش بخوابست آشنا تن زن ضمیرؔ مبتلا
ایں فتنهٔ خوابیده را تحریکِ بیداری مکن

طرّه یا شامِ مشکبارست ایں — چهره یا صبحِ نوبهارست ایں
مارِ ابیض بسنبلستاں ست — یا بموفرقِ آشکارست ایں
زلف بر چهره اش پریشانست — یا بجنّت بنفشه زارست ایں
جلوهٔ نور یا تجلیِ طور — یا فروغِ جبینِ یارست ایں
ناخنِ باز یا شکارِ قضا — یا خمِ ابروے نگارست ایں
ترکِ بدمست یا بلائے سیاه — فتنه یا چشمِ پرخمارست ایں
مژه یا تیرِ ترکشِ اجل ست — غمزه یا تیغِ آبدارست ایں
برقِ آشوب یا نگاهِ غضب — زهرِ جاں یا زبانِ مارست ایں
الفِ لوحِ حُسن یا بینی — یا خطِ صنع کردگارست ایں
دهنِ تنگ در روے گلرنگ ست — یا گُلے غنچه در کنارست ایں
رگِ یاقوت یا خطِ ساغر — یا لبِ لعل مشکبارست ایں
قطرهٔ آبِ زندگی دنداں — یا گهرهاے شاهوارست ایں
وَرَقِ گل میانِ دُرجِ لعل — یا زبانِ گهرنثارست ایں

سیبِ فردوس یا زنخدانست — یا دوائے دلِ فگارست ایں
گردنِ او بیاضِ صبحِ بہشت — یا صفابخشِ جانِ زارست ایں
دلکشا عقدہ ایست یا پستاں — نُقرۂ گوئے یا انارست ایں
پنجۂ آفتاب یا دست است — شفقِ صبح یا نگارست ایں
رستخیز بلاست یا بالا — یا رِصد فتنہ یا دگارست ایں
سوزشِ دہر یا قیامتِ شہر — جلوہ یا آفتِ دیارست ایں
کمر نازکست یا رگِ جاں — یا سرِ موئے تا بدارست ایں
اے دلِ پا شکستہ ایں نافست — یا پئے لغزشِ تو غارست ایں
حوضِ شیر ست یا بندِ عیش — تکیہ گاہِ دلِ نزارست ایں
چیست ایں کز تمام اندامش — مطلبِ جانِ بیقرارست ایں
چشمۂ زندگیست یا پنہاں — حلقۂ دامِ دل شکارست ایں
برگ نسریں زعکس گل سرخ است — یا کفِ پائے آں نگارست ایں
قدرت ایزدی عیانست ضمیرؔ
یا سراپائے دوستدارست ایں

عاشقِ دردکشم طعنہ درماں زدہ — بجگر خنجر و نشتر برگِ جاں زدہ
شعلۂ آہ جگر سوز بر افروختہ — بسرِ آتشِ دل گوشۂ داماں زدہ
دامنِ دل بکفِ کشمکشِ شوق دہی — زخم در سینۂ و چاکے بگریباں زدہ
سینۂ خود ہدفِ تیرِ بلا ساختۂ — بدل از خنجرِ غم زخم نمایاں زدہ
دلِ من مضطرب از کثرتِ غمہاست ضمیرؔ
ہمچو پروانۂ تنہا بچراغاں زدہ

اے بادِ صبا نکہتِ گیسوئے کہ داری — بوئے تو دل از دست برد بوئے کہ داری

اے آہ شرربار کہ آتش زنِ جانی | بس گرم مزاجی صفت خوئے کہ داری
قالب تنی از غصہ دلم کردہ چو فانوس | چوں تیغ تو جا گرم بہ پہلوئے کہ داری
من خونِ جگر خوردہ زخم سر بسرِ سنگ | تو می زدہ سر بر سرِ زانوئے کہ داری
رودِ تو سیاہ و بگلو سرمۂ آہ است | اے دل نظرِ نرگسِ جادوئے کہ داری

از نیم رہِ کعبہ ضمیرؔ آمدہٗ باز
انداز طوافِ حرمِ کوئے کہ داری

دلم شکستہ غمِ زلفِ مشک بوئے کسے | کسے مباد گرفتارِ تارِ موئے کسے
اگر عیاں شود تم از صفائے دل چہ عجب | بعکس آئینہ کے آورم بروئے کسے
چو سرو زینتِ من بخت سبز من کافیست | قبائے من نکشد منّتِ اُتوئے کسے
فغاں ز سنگد لی ہائے چرخ مینائیٔ | کہ نیست بادۂ گلرنگ در سبوئے کسے
ز چاکِ سینۂ بیں السطور خیزد شور | اگر بنامہ دہم شرح آرزوئے کسے
کہ عطر چینِ گریبانِ گل شود ہر صبح | صبا چمن بچمن میرود ببوئے کسے

فسانہ سنج غمِ دل چناں نگشتہ ضمیرؔ
کہ زاں گرہ نشود گریہ در گلوئے کسے

کاش در دستِ من آں زلفِ پریشاں بودے | خاطرم جمع زفکرِ شبِ ہجراں بودے
نیم کش تیرِ نگہ چشمِ تو زد برجگرم | غمزہ گر تیغ زدے کارِ من آساں بودے
ہندوی خالِ تو گر یاد نمیدادش کفر | کے سرِ زلفِ تو رہزنِ ایماں بودے
عوضِ ایں دم آبے کہ بمنت کشدم | بر گلو کاش دمِ خنجرِ براں بودے
کے نشدے پردہ دری سینۂ صد چاک مرا | گرنہ از دستِ جنوں چاک گریباں بودے
اے خلل از دردِ دل مرغِ چمن بیخبری | سرنگوں کاش بزخمِ تو نمکداں بودے
گر دز نجیر گسستے در زنداں زدے | گرنہ دیوانگیم سلسلہ جنباں بودے

عالمے کشت و دگر بر سر خوں ریختن است   کاش یک لحظہ ازیں شیوہ پشیماں بودے
بخت من خفتہ و من شب ہمہ شب بیدارم   کاش از روے تو ام شمع شبستاں بودے
کے ضمیرؔ آہ کشیدی ز غم صبح وطن
گر نہ روزش سیہ از شام غریباں بودے

مخمس بر غزل حزیں علیہ الرحمۃ

من آہ کش از سوز نہانم چہ تواں کرد   من سوختۂ لالہ رُخانم چہ تواں کرد
من عاشقِ بیتاب و توانم چہ تواں کرد   من از دل و دیں باختگانم چہ تواں کرد
سودا زدۂ زلف بُتانم چہ تواں کرد

من بیخبر از کیشِ جہانم چہ تواں گفت   برہم زنِ دیں رند زمانم چہ تواں گفت
در بتکدہ از برہمنانم چہ تواں گفت   در صومعہ از نعرہ زنانم چہ تواں گفت
در میکدہ از دُرد کشانم چہ تواں کرد

اے طرۂ شب رنگ تو در بستن دلہا   وے موے درازِ تو کمند افگن دلہا
طوقِ خم گیسوے تو در گردنِ دلہا   در سلسلۂ زلف تو اے رہزن دلہا
سر حلقۂ سودا زدگانم چہ تواں کرد

رحمے بدلم اے ستم ایجاد نکردی   ایں خانۂ ویران شدہ آباد نکردی
دلجوئی من آہ ز بیداد نکردی   گوشے بفغانِ دلِ ناشاد نکردی
پیشت ہمہ تن گرچہ زبانم چہ تواں کرد

گر از خمِ ابروے تو گاہے شود ایما   از تن بدرم تیغ تراشم سر خود را
اینک دل و جاں پیشکش تست بفرما   فرمان ترا ہر چہ بود میکنم اما
من صبر بہ ہجراں نتوانم چہ تواں کرد

زاندم کہ کشیدم نفسے باز پسیں را   آمد بنظر جلوۂ او چشم یقیں را

جانا نہ ضمیرست قریں جان غمیں را ۔۔۔ شد قطرہ بدریائے فنا وصل حزیں را
دی بود م و امروز نہ آنم چہ تواں کرد

اے سرو رواں زیبِ گلستان کہ بودی ۔۔۔ ساغر کشِ بزم کہ و مہمان کہ بودی
سرگرمِ وفا با دلِ سوزاں کہ بودی ۔۔۔ سیمیں بدنا شمعِ سبستان کہ بودی
من سوختم آرائشِ ایوان کہ بودی

چشمِ تو کجا از مژہ آراستہ صف داشت ۔۔۔ تیرِ نگہت از دلِ ریش کہ ہدف داشت
از زخمِ خدنگِ کہ بسر تاج شرف داشت ۔۔۔ شب با کہ نشستی سرِ زلفت کہ بکف داشت
جانانِ من آرامِ دل و جان کہ بودی

اے نرگسِ مخمورِ تو گلرنگ ز صہبا ۔۔۔ از گرمیِ مے بندِ قبائے تو چو گل وا
از طرزِ کلامت اثرِ نشاء ہویدا ۔۔۔ پیدا بود از لعلِ تو پیمانہ کشی ہا
اے عہد شکن بر سرِ پیماں کہ بودی

از دیدہ رود خوں ز بد آموزی داغم ۔۔۔ چوں لالہ گرفتارِ سیہ روزی داغم
چوں شمع در آتش ز جگر سوزی داغم ۔۔۔ بے لعلِ تو الماس بود روزی داغم
اے شورِ قیامت نمکِ خوان کہ بودی

در سجدۂ خورشید رخت زہرہ جبیناں ۔۔۔ ابروے کجت قبلہ پئے بے دل و دیناں
سنگین دلِ تو بت شکنِ کفر گزیناں ۔۔۔ بگذاشتۂ دیں بخرابات نشیناں
در صومعہ غارتگرِ ایمان کہ بودی

بے لعلِ تو شب خونِ جگر بود شرابم ۔۔۔ سوزِ دلِ حسرت زدہ میکرد کبابم
نے ہوش بجا بود نہ آرام و نہ تابم ۔۔۔ خارے مژہ بود بچشم از رگِ خوابم
دوشینہ گلِ جیب و گریبان کہ بودی

از دیدہ و مشامم نفس از سنبلِ باغم ۔۔۔ ہر لحظہ پئے نکہت زلفے بسراغم

خوش میگذری مشک فشاں بر سرِ داغم — آشفتہ شدا ے بادِ صبا از تو دماغم

در سلسلۂ زلف پریشان کہ بودی

شد تلخیِ کامم تو ہم آغوشِ حلاوت — شد زہر الم ہاے تو ہمدوشِ حلاوت

از پیش چشیدی مزۂ نوش حلاوت — ہر زخم تو لب میکند از جوشِ حلاوت

اے دل ہدفِ ناوکِ مژگاں کہ بودی

تا بے نبود چوں وطن آوارہ غریبت — جز دوری رہ ہم سفرے نیست قریبت

نالاں شدۂ از چہ بلا از چہ مصیبت — آرام نگردید دریں دشت نصیبت

اے سیل خروشان کہ جوشاں کہ بودی

تنہا نہ ہمیں مدح سرا گشتہ ضمیرت — جاں و دل ہر قافیہ سنج است اسیرت

یک بلبلِ بستانِ سخن نیست نظیرت — جاں مست حزیں بیشود از طرز صفیرت

دستان زنِ خوش لہجۂ بستان کہ بودی

شاخ گل با غنچہ از خاکِ شہیداں سر زند — بر سر تربت ز خوں آلودہ پیکانِ کسے ست

ولہ

صد شیشۂ شراب بہ بزم طرب شکست — دلہا ز دست محتسب بے ادب شکست

زلف تو گشتہ است گرفتارِ پیچ و تاب — از سرکشی چرا دل من بے ادب شکست

ایں دل کہ ناز کیش فزوں تر ز شیشہ بود — سنگ جفاے یار بہ رنگ عجب شکست

دامان صبح پُر ز گلِ فیض ایزدیست — اے دل در آستین تو دست طلب شکست

مستِ نگاہِ نرگسِ مخمورِ اُو ضمیر — در بزم کاسہ بر سرِ بنت العنب شکست

ولہ

شد چمن میکدۂ ناز مگر داد ضمیر — غنچہ را درس تبسم لبِ میخوار کسے

چوں وصف آں دو زلف سمن سا نوشتہ ایم | حل کردہ مشک و عنبر سارا نوشتہ ایم
تنہا ہمیں نہ عکس جمالت بچشم ماست | نامت بصفحۂ دل شیدا نوشتہ ایم
ما شرحِ خاکساریِ خود با خط غبار | مانند گرد باد بصحرا نوشتہ ایم
رنگیں بوصف آں لب میگوں سفینۂ | ہمچوں بیاض گردن مینا نوشتہ ایم

ہر سطر نامہ در صفت موی او ضمیر
پیچیدہ تر ز زلف چلیپا نوشتہ ایم

زاہدا آب چرا شغل تو در شیر کنم | مے بہتاب کشم توبہ ز تزویر کنم
دلم از پنجۂ مژگاں تو نامد بیروں | چہ علاج کشش پنجۂ تقدیر کنم
بخیال تو دلم رشک پریخانہ شدہ است | قصر رنگیں دگر بہر چہ تعمیر کنم
نقش پائے تو کشم بر ورق پردۂ چشم | سرمہ خاک رہت گردہ تصویر کنم
نازد ہشت رخ نیلی فلک زرد شود | آہ را پیش رو نالۂ شبگیر کنم
آں پریرخ گرہ زلف مسلسل وارد | من دیوانہ ہم آرایش زنجیر کنم

طرّہ آہ مرا نیم شکن نیست ضمیر
بہ کہ سر مشق ازاں زلف گرہگیر کنم

ضیاؔ - پنڈت ہر سہائے صاحب بہادر خلف پنڈت جے جے رام صاحب بہادر
آپ حضرت نادر کے شاگرد رشید تھے۔ ممالک مغربی و شمالی یعنی ممالک متحدہ آگرہ و اودھ میں منصف اور سب جج رہے۔ مسٹر سانڈرس ڈسٹرکٹ جج آپ کے ساتھ بد تہذیبی سے پیش آیا تھا اور چونکہ اس معاملہ نے زیادہ طوالت پکڑی تھی مجبوراً اپنے عہدہ سب ججی سے استعفا دیکر کشمیر جنت نظیر میں سکونت اختیار کی۔ تذکرہ ارمغان گوکل پرشاد میں آپ کا نام نامی زمرہ شعرا میں درج ہے مگر افسوس ہے کہ مولف تذکرہ مذکور کو بھی آپ کا کلام دستیاب نہوا۔



پنڈت نند لال کول۔ طالب

طالبؔ۔ پنڈت نند لعل صاحب کول ایم۔اے۔ منشی فاضل

طالب ۱۸۹۹ء میں بمقام سری نگر (کشمیر) کشمیری پنڈتوں کے ایک اعلیٰ خاندان میں پیدا ہوئے۔ آپ کے آباو اجداد دربار کشمیر میں مختلف ذمہ دار اور باعزت عہدوں پر مامور تھے۔ چنانچہ آپ کے جد امجد راے رگھوناتھ کول ریاست کے وزیراعظم رہ چکے ہیں۔ آپ کے والد بزرگوار اسوقت بھی کشمیر کے بڑے رؤسا اور زمینداروں میں شمار کئے جاتے ہیں۔ سرکار کے طرف چکوک واراضی کا مالیہ پندرہ سو روپیہ سالانہ اب تک ادا کیا جاتا ہے۔

جناب طالبؔ کو بچپن ہی سے فطرتاً سخنگوئی کی طرف رجحان اور طبیعت کا میلان ذوقِ سخن کی طرف تھا۔ آپنے خداداد ذہانت اور قابلیت پائی ہے۔

سنہ ۱۹۱۱ء یعنی بارہ برس کی عمر میں شعر کہنے لگے۔ اور یہ شغل برابر آپ کے ساتھ رہا۔ آپ نے جو پہلا شعر کہا ہے یہ ہے۔

کیا وہ نہ آئیں بیٹھو بھی ہے جذبِ دل وہ چیز
محمل سے لیلیٰ ناقہ سے محمل اُتار دیں

اس زمانہ میں مولوی امیرالدین صاحب امیرؔ کاشمیری امرتسری اسلامیہ ہائی سکول سری نگر کے فارسی مدرس اول کشمیر میں ایک کہنہ مشق استاد سمجھے جاتے تھے۔ انھوں نے آپ کا یہ شعر سن کر آپ کی حوصلہ افزائی کی اور شعر کہنے کی تاکید کی۔ چونکہ آپ نہایت ہی منکسر المزاج ہیں اور بچپن ہی سے خوددار بھی۔ آپ ایسی کمسنی میں شعر کہنا چھوٹا منہ بڑی بات سمجھتے تھے۔ لیکن مولوی صاحب کے شوق دلانے اور ہمت بڑھانے سے ایک اور غزل کہی۔ جس کی انھوں نے بڑی تعریف کی۔ اس کا ایک شعر یہ ہے ؎

یا تو دل میں جمگھٹے دن رات مردودوں کے تھے
یا خیالِ غیر بھی اس میں قدم دھرتا نہیں

جناب طالب پھر اسی سال تمنا لکھنوی ایڈیٹر رسالہ "دربار" لکھنؤ کے شاگرد ہوئے اور ان سے کئی سال تک برابر استفادہ کرتے رہے۔ چند سال بعد غالباً ۱۹۱۵ء میں مشہور نقاد سخن جناب کیفی دہلوی کے حلقۂ تلامذہ میں شامل ہوئے۔ استاد کی تربیت سے آپ کا مذاقِ سخن ترقی کے اعلیٰ معیار پر پہنچ گیا۔

آپ کشمیر کے پہلے شاعر ہیں جن کا مجموعہ کلام نہایت آب و تاب کے ساتھ نظامی پریس بدایوں سے شایع ہو کر مقبول خاص و عام ہوا ہے۔

جناب طالب گل و بلبل کے شاعر نہیں۔ آپ کے کلام میں زیادہ تر مناظر قدرت کے جذبات اور تغزل کے علاوہ دیگر اصنافِ سخن کا رنگ پایا جاتا ہے۔ آپ کی نظموں میں سے "بہارِ کشمیر"۔ "خطاب بہ دل"۔ "آبشار اور میں"۔ "بچپن"۔ "تصویر قوم"۔ "قومی معشوق"۔ "خطاب بہ قوم" "کسی کی یاد میں"۔ "شاعرانہ انقلاب" "تقریظِ خمخانۂ جاوید" "جلوۂ دلدار" "نامۂ محبوب"۔ "بہار"۔ "تنہائی" وغیرہ وغیرہ خاص طور پر ذکر کے قابل ہیں۔

آپ اسوقت کشمیر گورنمنٹ کے ایس۔ پی۔ کالج میں فارسی و اردو کے پروفیسر ہیں۔

نامۂ محبوب

کیا لکھوں میں شادماں کیونکر ہوا ،، یاس میں امید کی پائی جھلک ،، تیرا خط جب سے ملا جانِ جہاں
اپنی خوش بختی پہ سو سو ناز ہیں

ذات تیری مخزنِ اکرام ہے　　لطف تیرا قاطعِ آلام ہے
تو سراپا ناز ہے انداز ہے

آنکھ سے اوجھل رہا تو ہو کے دُور ،، رنجِ فرقت سے ہوا دل داغ داغ ،، ہو گیا برباد میں ہجراں نصیب
بے سبب یہ یاد فرمائی نہیں

اس سے دل کی بڑھ گئیں بیتابیاں ،،　　لطف سے بدلیں تغافل کیشیاں
بے سبب یہ یاد فرمائی نہیں

میرے جذب شوق نے آخر تجھے
مجھ ستم کش کی دلائی یاد کیا
تیرے دست ناز کی تحریر ہے؟ یا یہ دستاویز حسن وعشق کی؟ مرہم زخم دل صد چاک ہے
جاں جاں تیرے کرم کے میں نثار
ہوگئی مسرور یہ جانِ حزیں شکوۂ جور وستم اب کچھ نہیں
ترا خط ہے یا خط تقدیر ہے
یا مرقع ہے مرے جذبات کا
یا ہے کوئی ساغرِ صہبائے حسن
پارۂ دل میں سمجھتا ہوں اسے؟ بربطِ ہستی کی یا مضراب ہے؟ اس سے طاری وجد کا عالم ہوا
غرقِ دریائے تصور کردیا
سوتے سوتے آج جاگا ہے نصیب میں ترے قربان اے میرے حبیب
دفترِ مہر وکرم۔ لطف وعطا
نقشِ تسکینِ دلِ بیتاب ہے
اس کو آنکھوں سے لگایا بارہا
میں ہوا محظوظ پڑھکر باربار
ہاتھ سے رکھکر اٹھایا پھر اسے؟ دل میں اترا عکسِ حسنِ لاجواب؟ آئینہ خانہ میں جیسے ہو حسیں
یا جمالِ یار کا جلوہ عیاں
نالۂ دل یاد اب آتا نہیں گردشِ دوراں سے گھبراتا نہیں
بادۂ الطاف کے اک جام سے
یاس وحسرت، رنج وغم جاتے رہے
سوزِ دل میں ساز کا پایا مزا
نشۂ عشرت سے میں مدہوش ہوں

بیوفا، اب کہہ نہیں سکتا تجھے
بھول کر بھی اب نہیں ممکن کہ ہو، جوشِ وحشت سے تفنّن ہمر دلیف، یا چاک کر دوں ہائے یہ ممکن ہے کب
یا جلا کر خاک کر ڈالوں اسے
کیا یہ اے محبوب تیرا خط نہیں پھر رہوں کیوں خستہ دل اندوہ گیں
سحر ہے افسوں ہے افسانہ ہے یہ
یا ہے لطفِ دوست کی اک یادگار
آہ! یہ کاغذ کا اک پرزہ نہیں
یہ سراپا حسن کی تصویر ہے
ہے سیاہی میں نہاں یوں لطفِ یار
جس طرح ظلمات میں آبِ بقا
زندۂ جاوید طالب ہو گیا

تنہائی

آغوش میں تنہائی کی جب میں محو تصور رہتا ہوں خود گوشِ ہوش سے سنتا ہوں جو غم کی باتیں کہتا ہوں
جو غم کی باتیں کہتا ہوں میں محو تصور رہتا ہوں
کچھ راحت ایسی ملتی ہے اک وجد سا طاری ہوتا ہے پھر یاد کسی کی آتی ہے دل ہوش و خرد سب کھوتا ہے
دل ہوش و خرد سب کھوتا ہے اک وجد سا طاری ہوتا ہے
اک کیف مسرت ملتا ہے گلزار جہاں کی ہواؤں میں میں نغمۂ دلکش سنتا ہوں شب کی خاموش فضاؤں میں
شب کی خاموش فضاؤں میں گلزار جہاں کی ہواؤں میں
بے بادہ ہو کے عالم مستوں کا رنگ بدلتا ہے دنیا کی گردش کے بدلے وحدت کا ساغر چلتا ہے
وحدت کا ساغر چلتا ہے مستوں کا رنگ بدلتا ہے
پھر موجِ ترنم اٹھتی ہے مجھ مستِ الست کی محفل میں اور سازِ محبت بجتا ہے اک سنناٹے کی منزل ہے

اک سناٹے کی منزل ہے مجھے مست الست کی محفل میں

عقبیٰ کی حسرت مٹتی ہے دنیا کی یاد بھی جاتی ہے　　پردہ جو دوئی کا اُٹھتا ہے یکرنگی رنگ جماتی ہے

یکرنگی رنگ جماتی ہے دنیا کی یاد بھی جاتی ہے

احساسِ خودی تنہائی میں کچھ ایسا غالب ہوتا ہے　　خود بندہ خالق بنتا ہے مطلوب ہی طالب ہوتا ہے

مطلوب ہی طالب ہوتا ہے کچھ ایسا غالب ہوتا ہے

خود رفتہ ہوں کچھ ہوش میں ہوں کچھ سنتا ہوں کچھ کہتا ہوں　　آغوش میں تنہائی کی جب میں محوِ تصور رہتا ہوں

میں محوِ تصور رہتا ہوں کچھ سنتا ہوں کچھ کہتا ہوں

سورج کی پہلی کرن

ہے جلوہ ریز سوئے زمیں آسمان سے　　شمعِ سپہر و ارضِ جہاں گردِ آفتاب۔ تصویرِ آب و تاب

ہے موجِ زرنگارِ شبِ ماہتاب میں　　یا لطف خیز جزر و مد و درِ اضطراب۔ تفسیرِ انقلاب

یہ جام چرخ سے مئے احمر چھلک گئی　　یا جوہرِ بلور کا ہے حسن بے نظیر۔ ہم رنگ زمہریر

انگڑائی ہے نشے میں یہ مستِ شباب کی　　یا محوِ رقصِ نغمہ ہے ارمان کی تفیر۔ مفہوم دلپذیر

ترچھی نگہ کسی کی ہے یہ ناز آفریں　　یا اک تموجِ دلِ رنگیں کا انتشار۔ بیتاب و بیقرار

تصویرِ زندگی کی جھلک کی نمود ہے　　یا جادۂ سکونِ محبت کا اقتدار۔ سو بار جلوہ بار

ہے شعلۂ ازل کا یہ اک رنگِ سوز و ساز　　یا حور نور عالمِ رقص و سرور میں۔ نازاں غرور میں

لرزاں چمک دمک ہے دُرِ تابدار کی　　یا غرق تارِ کاہکشاں بحرِ نور میں۔ ضو کے وفور میں

نقش و نگارِ قدرتِ حق کا ظہور ہے　　یا نور پاشِ تابشِ افشانِ مہ جبیں۔ خوش رنگ و دلنشیں

پیغامِ زیست مردہ دلوں کا کہوں اسے　　یا عشوۂ تبسمِ محبوبِ نازنیں۔ اک مظہرِ جبیں

بہار کشمیر

مدت سے آرزو تھی لطفِ بہار دیکھوں　　کاشانۂ چمن کے نقش و نگار دیکھوں

آبادیِ جہاں سے منہ موڑ کر چلوں میں　　دامانِ کوہ میں اک جائے قرار دیکھوں

نظارۂ چمن میں جادو کا سا اثر ہو　　سنسان جنگلوں میں دیدارِ یار دیکھوں

باغِ نشاط میں ہو دل کو نشاط حاصل　　تازہ نسیم ڈل ہو اور شالامار دیکھوں

کھل جائے مجھ پہ رازِ ناز و نیازِ الفت　　بلبل کے سامنے جب گل کا سنگار دیکھوں

حیرت ہو دُور میری نرگس کے درشنوں سے   مٹ جائیں داغ دل کے جو لالہ زار دیکھوں

دلمیں تھا شوق ایسا گھر سے ہوا میں رخصت
تھا لطف گلستاں کا یا ایک طلسمِ قدرت

تھا محوِ حسنِ قدرت مستِ بہار ہو کر   ناظورۂ ازل سے یوں ہم کنار ہو کر
آب رواں کی چادر سبزے نے منہ پہ تانی   سوتا ہو جیسے کوئی از بس نزار ہو کر
چھائی ہوئی گھٹائیں گھنگھور آسماں پر   برسا رہی تھیں موتی ابر بہار ہو کر
گرتا تھا صاف پانی پہلو بدل بدل کر   نقش و نگار ہو کر اور آبشار ہو کر
محرابِ در کی صورت سنبل کے پیچ و خم تھے   پہرہ لگائے نرگس تھی چوبدار ہو کر
جلوت میں نورِ کثرت کثرت میں عینِ وحدت   آنکھوں میں آسمائے اغیار یار ہو کر
تھی یوں بدن چھپاتی سبزے میں جوئے گلشن   جیسے کوئی چھپائے منہ شرمسار ہو کر
مطلوب تھے وہ میرے کشمیر کے مناظر   عیش و نشاط ہو کر اور رشا لمار ہو کر

جی میں خیال آیا پہلو کو چھیڑ ڈالوں
دلمیں جو حسرتیں ہیں اکبار سب نکالوں

ہستی کا ایک کرشمہ تب میں تجھے دکھاؤں   اور نیستی کا نقشہ آنکھوں میں خود جماؤں
بادِ صبا بجائے شاخِ شجر سے باجا   میں بیٹھ کر لبِ جو اک راگنی سناؤں
پھر گوشِ ہوش کھولیں یہ رازدارِ گلشن   جی کھول کر میں اپنا سب دردِ دل سناؤں
نقشِ دوئی مٹا دوں کثرت سے دل ہٹا دوں   قدرت سمائے مجھ میں قدرت میں میں سماؤں
غافل خودی سے رہ کر اپنا سروپ دیکھوں   وحدانیت کا نقشہ اس رنگ سے جماؤں
خاموش ہو کے نکلیں ارمان میرے دل کے   اور شانِ بیخودی سے نام و نشاں مٹاؤں
ایسی ہو کوک میری پتھر میں ہوک اُٹھے   دل گھر بنائے مجھ میں میں دلمیں گھر بناؤں
ہوں خوش نوا چمن کے گلشن میں تو حیرت   اک تارہ لیکے دل کا جب میں ملار گاؤں

اکدم مشاہدہ ہو مطلوب طالبوں میں
اک نور ہو سمایا ان سارے قالبوں میں

بچپن کی یاد

مخمس بر غزل سُرورِ مرحوم

خواہش ہے تجھسے ہوں پھر میں ہمکنار بچپن — تجھکو گلے لگاکر ہوں اشکبار بچپن
تیرے فراق سے ہے سینہ فگار بچپن — ہاں خواب میں دکھا دے منہ ایکبار بچپن
کب تک سہوں یہ صدمے یہ انتشار بچپن

دل سے غمِ جدائی اک بار میں نکالوں — ہے آرزو یہ میری پھر تجھکو دیکھوں بھالوں
بے فکر کھیل کھیلوں گُلدم بٹیر پالوں — سیٹی بجاکر اُن کو جب چاہے دل بُلالوں
اے پیارے عہدِ طفلی اے غمگسار بچپن

اے کاش پھر وہ آئے جو وقت عمر وہ تھا — جب خوفِ سرزنش بھی اک لطفِ مرحبا تھا
تھا نفع کا نہ سودا نقصان نہ سوجھتا تھا — مرنا تھا یا تھا جینا سب مجھکو ایک سا تھا
کیا بے بہا تھی نعمت اے کردگار بچپن

ماتا پتا کا اپنے میں پیارا لاڈلا تھا — تھا دُھن کا اپنی پکا گویا کہ بادشاہ تھا
حاسد نہ تھا کسی کا رنجش سے بھاگتا تھا — یکساں میں نیک و بد کو اُسوقت جانتا تھا
اک تجھکو جانتا تھا میں غمگسار بچپن

وہ ساتھیوں کا میرے آگے سے ہونا اوجھل — اُن کی تلاش میں پھر وہ دوڑ دھوپ پیدل
وہ کھیل اور وہ چُہلیں وہ باغ اور وہ جنگل — تھک تھک کے گھر کو واپس آنا وہاں سے بیکل
دل میں ابھی ہے باقی وہ یادگار بچپن

نفع و ضرر پہ ہردم انجان مسکرانا — وہ ساتھیوں کا ہنسنا وہ میرا مُنہ چڑھانا
بزمِ خوشی میں گاہے روٹھے کا وہ منانا — عیش و طرب کے نعرے چاروں طرف لگانا

کیا کیا سناؤں تجھکو ہوں بیقرار بچپن

ہر بات پر بگڑنا ہر چیز پر مچلنا — گر بیٹھنا اُچھلنا اور کودنا جو چلنا
اکڑھ سے پنے کا پہلو ہر کام میں نکلتا — جو منہ سے کہدیا بس آس کا کبھی نہ ٹلنا

اے بادشاہ بچپن اے طرفہ کار بچپن

ادنا سمجھ فسونگر او دل لبھانے والے — دل میں لگن لگا کر دل کو جلانے والے
پھر کر ذرا نظر کر او منہ چھپانے والے — مڑ کر ذرا نگہ کر او تیز جانے والے

پیچھے تیرے رواں ہوں بے اختیار بچپن

رنگِ شفق وہی ہے نورِ سحر وہی ہے — پہلے جو تھی ضیائے شمس و قمر وہی ہے
ذوقِ طرب وہی ہے غم کا اثر وہی ہے — دنیا میں امن و راحت اور شور و شر وہی ہے

لیکن نہیں وہ تیرے نقش و نگار بچپن

فرقت ہے تیری ظالم اک مرگِ ناگہانی — اُف ایسی زندگی پر کیا لطفِ زندگانی
ہوگا نہ ارغوانی یہ رنگِ زعفرانی — بیجواب ہے پیارے اُمید شادمانی

آہستہ چل خدارا اے تیز کار بچپن

تقدیر میں جدائی لکھی تھی وائے حسرت — ورنہ کبھی نہ کرتا بچپن میں تجھکو رخصت
جاہ و جلال تیرا باقی نہ تیری عظمت — کھو بیٹھا تجھکو یکدم اے وائے میری قسمت

روتا ہوں تیری دُھن میں کیا زار زار بچپن

جب تو تھا میرا ساتھی چاہت نہ تھی جہاں کی — دیوانگی کی خواہش یا عقلِ نکتہ داں کی
دعویٰ نہ عشق کا تھا خواہش نہ امتحاں کی — تھی جو ادا سو دلکش جو چال تھی سو بانکی

جب تو گیا تو آئے کیونکر قرار بچپن

اس عہدِ بیخودی پر ماتم میں کر رہا ہوں — اس عقل اور سمجھ سے بیزار ہو گیا ہوں
نالوں میں بلبلوں کا طالب میں ہمنوا ہوں — مثلِ سرور ہر دم کرتا یہی دعا ہوں

لے لے شباب دے دے پرور دگار بچپن

تضمین بر غزل سرور مرحوم جہان آبادی

جذب و کشش کی تیری جہاں میں ہے گفتگو
بزم چمن میں قوم کی تجھسے ہے آرزو
کھولے ہوئے ہیں عرصہ سے آغوش آرزو
آ اے عروسِ حُبّ وطن میرے بر میں تو
آنکھیں تیری تلاش میں ہیں گرم جستجو

جب خواب ناز میں ہو تو آکر جگاؤں میں
سازِ نیاز جذبۂ الفت بجاؤں میں
اتنی رکھائی خوب نہیں کیا جتاؤں میں
آ اے نگار تجھکو گلے سے لگاؤں میں
آ مجھسے ہمکنار ہو اے شوخ خوش گلو

کاٹے تیرے فراق میں اب تک ماہ و سال
تیرے بغیر زندگی اب ہو گئی محال
ہے بے توجہی سے تیری کیا مجھے ملال
وہ دن خدا کرے کہ مناؤں شب وصال
گردن ہو تیری اور میرا دست آرزو

آ مجھسے ہمکنار ہو اے میرے خوش جمال
اب بیکسی میں طاقت برداشت ہے محال
جلدی کرے وہ دن میری قسمت میں ذوالجلال
لپٹوں میں بیخودی میں جو تجھ سے شب وصال
باہیں تیرے گلے میں ہوں لب پر یہ گفتگو

اُجڑے وہ دل نہ جسمیں تیری بو و باش ہو
تو جس جگر کا سکھ نہ ہو وقفِ خراش ہو
جس سر میں تیری دھن نہیں وہ پاش پاش ہو
ٹوٹیں وہ پاؤں جن کو نہ تیری تلاش ہو
پھوٹے وہ آنکھ جس کو نہو تیری جستجو

بیخودِ غم محبّت قومی میں تم رہو
اس میں ہنسی خوشی جو مصیبت پڑے سہو
ہے لطف جب زبان سے نہیں دلسے یہ کہو
وہ گھر ہوئے چراغ جہاں تیری ضو نہو
وہ دل ہو داغ جسمیں نہو تیری آرزو

حد سے فزوں اگر مجھے دردِ حبیب ہو
آجائے موت پھر بھی جو شوقِ طبیب ہو

تیرے سوا جہاں میں نہ کوئی قریب ہو حوروں پہ میں مروں تو جہنم نصیب ہو
کافر ہوں میں جو مجھکو بتوں کی ہو آرزو

دل میں ہر ایک کے ہو تیرا عشق جاگزیں دہلیز پہ ہو تیری ہر ایک کی جھکی جبیں
درسِ وفا ہو ہندو و مسلم کے دلنشیں ناقوس اور اذاں میں نہیں قید کفر و دیں
اُس کے لئے کہ جس کا پرستش کدہ ہے تو

وقتِ عزیز ہائے تغافل میں یوں نہ کھو ہے ہے خدا کے واسطے اب اور تو نہ سو
قربان تجھپہ کر چکے ہم دھرم دین کو گنگا نہائے شیخ اگر تیرا اذن ہو
تیرا اشارہ ہو تو برہمن کرے وضو

رحمت تری جہان میں سامان ہے مرا الفت پہ تیری قلب بھی قربان ہے مرا
تو وید میرا اور تو قرآن ہے مرا تیرا طریقِ عشق ہے ایمان ہے مرا
تیرے فدائیوں میں ہوں اے شوخ خوبرو

ہرگز نہ ہو خیال احبا کا سامنے تیرا ہی غم ہو غم نہو فردا کا سامنے
نقشہ ہو تیرے باغ تمنا کا سامنے جلوہ نہو کسی مسِ رعنا کا سامنے
وہ دن خدا کرے کہ ہو آنکھوں میں تو ہی تو

حضرت طالب کا مجموعہ کلام نظم موسوم بہ رشحات التخیل طبع ہو کر شایع ہو چکا ہے۔ طالب کو جناب کیفی سے شرف تلمذ حاصل ہے۔ چنانچہ شفیق استاد نے رشحات التخیل کے دیباچہ میں اپنی ہونہار شاگرد کی شاعری کے متعلق جو اپنی رائے صائب کا اظہار کیا ہے وہ اس قابل ہے کہ ناظرین تذکرہ ہذا اُس کے ملاحظہ سے لطف اُٹھائیں۔ طالب کے کلام میں ایک خصوصیت یہ ہے کہ وہ ہر طرز میں اپنا رنگ جما جاتے ہیں اپنے وقت پر وہ یقیناً صاحب طرز مانے جائیں گے احساسات قلبی کی تصویر کھینچنے میں ان کو کمال کا درجہ حاصل ہے یہی حال حقایق نگاری کا ہے مناظر قدرت کا جیسا سچا اور دلکش نقشہ کھینچتے ہیں تعریف کے قابل

ہے حُبِّ قومی کی ٹھیس بھی اُن کے دل کو لگ چکی ہے لیکن سلیم المزاجی حدِ اعتدال سے بڑھنے نہیں دیتی مجاز میں جو کلام ہے وہ تھوڑا ہے اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ اس کوچہ سے ذاتی واقفیت نہیں اسکے زلف مسلسل سے زیادہ خم بہ خم اور بھول بھلیاں جیسے رستوں سے نابلد ہیں پھر بھی اس حصّہ کلام میں ایک سُہانا بھولا پن اور سادہ دلاویزی پائی جاتی ہے۔ زبان کی درستی اور محاورے کی صحت اس درجہ کی ہے کہ ایک اہل زبان کے کلام میں اور طالب کے کلام میں فرق کرنا مشکل ہے کسی محاسن میں ضرور ترقی کی گنجائش ہے جو امید ہے کہ اپنے وقت پر ہو جائے گی مجھے امید ہے کہ ہندوستان میں یہ کلام نہایت دلچسپی سے پڑھا جائے گا اور مقبول ہوگا۔

شکوۂ دوست

اے جان من اے دلربا — غفلت شعار و بے ریا
تو ہو گیا جب سے جدا — تیرا نہ کوئی خط ملا
کچھ تو نوید جاں فزا — ہاں بھیجدے بہرِ خدا

بے چین ہے قلبِ حزیں
از بس گرفتارِ الم
مہجور ہوں۔ اندوہگیں
کیوں اب نہیں مجھ پر کرم

بے برگ و بے گل بے ثمر — مثلِ خزاں دیدہ شجر
آتا ہوں پژ مردہ نظر — حالت پہ اپنی نوحہ گر
بے بس ہوں اور بے بال و پر — خوں ہیں مرے قلب و جگر
گم ہو گئے ہوش و حواس
ہے بے کسی چھائی ہوئی

تکتے ہیں منہ حرمان و یاس
اور عقل سودائی ہوئی

ہے پر شگوفہ ہر چمن ہیں عیش میں اہلِ زمن
احباب زیب انجمن باہم ہیں سر گرمِ سخن
اک میں کہ غربت ہے وطن آماجِ صد رنج و محن
نا مہرباں چرخِ کہن ہوتا ہے مجھ پر خندہ زن

یہ حال اب تو ہی بتا
کتنا الم انگیز ہے؟
ایسا فراقِ جانگزا
کتنا قیامت خیز ہے؟

کیا ہم نہ تھے دور و قریں ہمدرد۔ ہمدم۔ ہمنشیں؟
کیا مجھ سے بڑھکر تھی کہیں تیری محبت دلنشیں؟
کیا تو نہیں اے نازنیں میرے لئے دنیا و دیں
کیا تو نہ تھا اے مہ جبیں منجملۂ اہلِ زمیں؟
محبوبِ دل۔ ماہ مبیں غمخوارِ جاں۔ راحت گزیں؟
اے حسن سیرت کے حسیں تیری نگاہِ واپسیں!

وہ وقتِ رخصت دور تک
ہے دل میں اب تک جلوہ گر
قرباں ہو برق طور تک
تیرے شرارِ حسن پر
چشمِ جمال و نور تک

کی جم گئی تجھ پر نظر
یا ہجر کی راتیں ہیں یہ
اس سوزِ خوں آشام میں
یا چھیڑ کی گھاتیں ہیں یہ
تیرے سکوتِ نام میں

اے رہبرِ راہِ وفا　اے معنیٔ نورِ صفا!
اے دوستدارِ ہمنوا　اے غمگسارِ جانفزا!
میں ہوں گرفتارِ بلا　اور ہو نہ تو پھر غم رُبا
تیرے ستم کی ابتدا　میرے لئے ہے انتہا!

اے کاش ملجائیں بہم
پھر ہم اسی انداز سے
ہو لطفِ صحبت دمبدم
جانباز کا جانباز سے

فرقت میں تیری یاد ہے　بیداد پر بیداد ہے
کس سے یہ دردِ دل کہوں؟　کب تک میں یہ صدمے سہوں
ہو آہ میری بے اثر　یا تو ہو اس سے بے خبر
کیوں قابلِ تحقیر ہوں　کیوں لائقِ تعزیر ہوں
تجھ کو وفا کی ہے قسم!　مجھ پر نہ کر اتنا ستم
بس بس نہ تڑپا اس قدر　بھولے ہوئے کو یاد کر
اب تابِ ضبطِ غم نہیں　آنکھوں میں باقی دم نہیں
ہر شے سے اب بیزار ہوں
ہاں طالبِ دیدار ہوں

انتخاب غزلیات طالب

زباں پر حرفِ دردِ دل کا آنا ہو نہیں سکتا — ادا اس سازسے ایسا ترانہ ہو نہیں سکتا
معذّب گھٹتے جاتے ہیں مہذّب بڑھتے جاتے ہیں — موافق دوستو ہم سے زمانہ ہو نہیں سکتا
خیالِ بوسہ ہے بیجا ہے دل کیوں تڑپتا ہے — دہن موہوم ہے اس کا نشانہ ہو نہیں سکتا
تمھارے وصل کے بھوکے ہزاروں حشر میں ہونگے — اُدھار اس وعدۂ فردا پہ کھانا ہو نہیں سکتا
زمین و چرخ بدلیں ہوں نظامِ دہر متغیّر — مگر در سے ترے عاشق کا جانا ہو نہیں سکتا

بجز تیرے نہ چاہے اسکو کوئی کب یہ ممکن ہے
مقفّل یہ تو طالب کا رخانہ ہو نہیں سکتا

ہو گئے جب ہم اُسی کے وہ ہمارا ہو گیا — رازِ یکرنگیِ الفت آشکارا ہو گیا
ناخدا کو ہم جو بھولے ناؤ ہے منجدھار میں — کاسے کوسوں دُور دریا کا کنارا ہو گیا
ہم ہوئے یا آپ اسمیں لطفِ یکتائی نہیں — پردہ جب اُٹھا تو پردہ فاش سارا ہو گیا

ایک عاشق کا سخن دل پہ ہے پتھر کی لکیر
اپنے حق میں دل بتو نکا سنگ خارا ہو گیا

ہندی ہیں ہم وطن ہے ہندوستاں ہمارا — دنیا میں بے بدل ہے یہ گلستاں ہمارا
بھارت ہماری ماتا سنتان ہم سب اُسکی — آغوش اُسکا مسکن ہے بیگماں ہمارا
اللہ رے ضعف و غفلت اللہ رے سلب طاقت — بوڑھوں سے ناتواں ہے ہر نوجواں ہمارا
بغض و حسد نے مارا آباد گھر اُجاڑا — برباد ہو چکا ہے سب خانماں ہمارا
اے کاش دلمیں ہو پھر الفت وطن کی پیدا — دکھلائے رنگ اپنا سوزِ نہاں ہمارا

کرتے ہیں ہجو اب تو اپنے پرائے سارے
پہلے تو کل زمانہ تھا مدح خواں ہمارا

گیا دل ہاتھ سے اور دستاں کے ہاتھ کیا آیا — اُڑا آنکھوں میں مطلب رازداں کے ہاتھ کیا آیا

بہارِ گلستانِ حُسن ہم نے لوٹ لی ساری — بتا اے مرگ اب تیری خزاں کے ہاتھ کیا آیا
ہمارے دل میں اُترے تم کسی کے میہماں ہوکر — خدا لگتی جو کہئے میزباں کے ہاتھ کیا آیا
یہ مُردہ حسرتیں یہ داغِ سوزاں چند تبخالے — کوئی پوچھے کہ میرے دلستاں کے ہاتھ کیا آیا
نہ غزنی بن سکا ہاں شرقیت اپنی گنوا بیٹھا — تتبع ہے بھلا ہندوستاں کے ہاتھ کیا آیا

فصاحت اور بلاغت ہاتھ ملتی رہ گئی طالب
کہو اے اہلِ دل اہلِ زباں کے ہاتھ کیا آیا

نکا دلکے ارماں ہم نے پیری میں جواں ہوکر — قدِ خم نے دیا تیرِ دل کا کام آخر کماں ہوکر
کہو لگا جو رگر دو نگی میں تم سے فتنہ پردازی — سمایا چشمِ دلبر میں بھی رنگِ آسماں ہوکر
خیال یار کو سمجھے تھے ساکن خانۂ دل کا — جو کھسکا دل ہی پہلو سے رہے کیلیے مکاں ہوکر
زبانِ حال سے ظاہر ہے میری خانہ بربادی — ہوں لبریزِ فغاں حیرت میں گویا بے زباں ہوکر
نگاہِ یار کا منظور جسم ناتواں ہوتا — مگر اس لشکرِ مژگاں نے روکا پاسباں ہوکر
نہیں ہونگے نہوں ہم کارنامے عشق کے لیکن — رہیں گے صفحۂ ہستی پہ قائم داستاں ہوکر

بجائے دلبرِ[1] طالب بنا ہوں طالبِ دلبر
کہ دامن گیر بنتا ہوں میں اب دامن کشاں ہوکر

[1] پہلے تخلص دلبر تھا

مہمان اُنکا ہوگیا ہے بن بلائے دل — اُٹھنے کی جب میں ٹھان لوں تو پھر بٹھائے دل
اسطرح کون ہے جو جلائے بجھائے دل — یارب کسی بشر پہ کسی کا نہ آئے دل
جس کو رفیق سمجھے تھے نشتر سے کم نہیں — پہلو میں ایک خار ہے میرے بجائے دل
جن کے سرو نپہ عشق کا جن ہوگیا سوار — کرتے پری کی یاد میں ہیں ہائے ہائے دل
بچپن کا ایک رفیق تھا اب وہ بھی چھٹ گیا — دل میرا آشنا ہے نہ میں آشنائے دل
اف مسیحا خو تری ترکِ عیادت ہوگئی — ہجر کے بیمار کے حق میں قیامت ہوگئی
گالیاں اُس شوخ نے دیں مجھکو اور خوش ہے رقیب — میری تلخی غیر کے حق میں حلاوت ہوگئی

عشق کا بھرتے رہے دم میں دم جبتک رہا ۔۔۔ مر گئے حضرت سلامت تو فراغت ہو گئی
گر کیا قتل اُسنے مجھکو غیر کیوں کھاتے ہیں رشک ۔۔۔ جسکی تھی تقدیر میں لکھی شہادت ہو گئی

کرشن بھجن

مرے کرشن اپنی صورت گر دکھا دوگے تو کیا ہوگا ۔۔۔ یہ دلکی بیقراری یوں مٹا دوگے تو کیا ہوگا
کہیں متھرا میں گوکل میں نکل آؤ ذرا کھیلو ۔۔۔ صدا مرلی کی تم اپنی سنا دوگے تو کیا ہوگا
تمہارا ہی تصوّر باعثِ تسکین و راحت ہے ۔۔۔ دل اس دنیائے فانی سے ہٹا دوگے تو کیا ہوگا
بہت تمکو ملا ہے دودھ اور مکھن جسودھا سے ۔۔۔ ہمیں اسمیں سے تھوڑا سا پلا دوگے تو کیا ہوگا
تیرا اُپدیش سن سن کر یہ تیرے بھگت کہتے ہیں ۔۔۔ اگر گر منتر ہمکو بھی بتا دوگے تو کیا ہوگا
تمہاری یاد کرتا ہی نہیں غافل میں ایسا ہوں ۔۔۔ مجھے اس دام غفلت سے چھڑا دوگے تو کیا ہوگا

تمہاری یاد میں روتا ہوں ہر دم نند کے لالہ
دکھا کر شکل طالب کو ہنسا دوگے تو کیا ہوگا

رباعیات

دنیا تو وبالِ جان ہے پیری کے لئے ۔۔۔ ہے خواہشِ پرواز اسیری کے لئے
طالب پیری میں کب کوئی ساتھ چلے ۔۔۔ ہاں ایک عصا ہے دستگیری کے لئے

نہیں آزاد تو ارشاد ہے یہ رسوِ لیزیشن ہے ۔۔۔ جو ہوں پابندِ دیں تو کہتے ہیں یہ اولڈ فیشن ہے
نہ گھر اور گھاٹ کی رہتی ہے اس الجھاؤ میں طالب ۔۔۔ سگِ گازرسے بھی کچھ بڑھکے ہندستاں کی نیشن ہے

فارسی غزل

مدتے بگذشت من در انتظار افتادہ ام ۔۔۔ ساقیا رطلِ گراں دہ در خمار افتادہ ام
آہ من افلاک را سینہ شگافد بو العجب ۔۔۔ منکہ در خاک رہ اُلفت نزار افتادہ ام
کے تو انم من احبا را فسردغ بزم داد ۔۔۔ مثلِ برگِ زرد اندر لالہ زار افتادہ ام
حرفِ الفت نقش گردید است بر سیمائے چرخ ۔۔۔ تا من اندر خاک و خوں در اضطرار افتادہ ام

تُو نیا ہستم حیا ہستم نہ دُرِ اشک لیک
می ندانم چوں زچشم آں نگار افتادہ ام

بُلبلا بر طالبِ بوئے وفا خندہ مزن
سبزہ آسا گرچہ من بیگانہ وار افتادہ ام

ہم نے دنیا کی دورنگی کو تماشا جانا
ایک اندازِ مدو جزرِ تمنّا جانا

قائل جنت و دوزخ نہ ہو کوئی تو نہ ہو
فکرِ عقبیٰ دلِ دانا کا تقاضا جانا

کیا کہیں تم سے کہ کیا سمجھے ہیں ہم رازِ حیات
آنے جانے کا اسے ایک بہانا جانا

وا ہوئی خواب میں بھی چشمِ بصیرت جو کبھی
ہم نے دنیا کو دورنگی کا تماشا جانا

حُسن کا دھوکا ہے یا عشق کی لذّت طالبؔ
کیا بتائیں تمھیں ہم دل کا یہ آنا جانا

اب داغِ آرزو بھی دکھانا نہیں رہا
دل کو سنبھالنے کا بہانا نہیں رہا

یارائے ضبط اب نہیں اے ہمنشیں مجھے
اس بےبسی کا کوئی ٹھکانا نہیں رہا

ناآشنا ہیں لذّتِ گفتار سے یہ لب
کمبخت روٹھے دل کو منانا نہیں رہا

میرا دلِ شکستہ ہے کب آرزو طلب
اب فتنوں سے تمکو بلانا نہیں رہا

سرگرمِ دشت گردیِ ملکِ عدم ہو نہیں
جائے بقا میں شکر ہے آنا نہیں رہا

اس دورنگی کے اثر سے ہیں عجب عالم میں ہوں
زندگی بخش آبِ حیواں میں ہوں قاتل سم میں ہوں

ہوں ہر اک ذرہ میں روشن جسطرف ڈالو نگاہ
چرخ میں ہوں ماہ میں ہوں نیرِ اعظم میں ہوں

دم رگِ بسمل میں ہوں اور خنجرِ قاتل میں آب
شورِ بلبل بوئے گُل۔ اور قطرۂ شبنم میں ہوں

بحرِ ہستی کا ہے ساحل دُور میں ناآشنا
کیا مجھے معلوم کیا ہوں اور کس عالم میں ہوں

یا تو طالبؔ ہے جنوں یا عہدِ طفلی کا سماں
اس دورنگی کے اثر سے ہیں عجب عالم میں ہوں

نہیں معلوم خود مجھکو کہ کیا ہوں میں کہاں ہوں میں
کبھی ہوں نارِ دوزخ گاہ گلزارِ جناں ہوں میں

ہر ایک موئے بدن ہے سوز یا سنے نوحہ خواں میرا
اگر سمجھے کوئی یہ راز گویا بے زباں ہوں میں

یہی ڈر ہے کہ گر جاؤں نہ اپنے آشیانے سے
کہ مثلِ قطرۂ اشک آنکھ کے اندر نہاں ہوں میں

بُرا ہوں یا بھلا مُلکِ سخن میں اس سے کیا مطلب
برنگِ نقشِ پا پھر بھی نشانِ رفتگاں ہوں میں

یہی بہتر ہے وہ ستار دونوں کا بھرم رکھے
کہ دل میرا ہے واقف اور آشکار از دل ہوں میں

نہ پوچھو کوں ہو طالب بقولِ حضرتِ کیفی
بتادوں کسطرح تمکو کہ کیا ہوں میں کہاں ہوں میں

گو بظاہر شکل انسانی ہوں میں
ایک عکسِ نور یزدانی ہوں میں

دوزخ و جنت میں ہوں جلوہ نما
رنج اور راحت کا خود بانی ہوں میں

میری ہستی کو فنا ہرگز نہیں
اور تعجب یہ کہ پھر فانی ہوں میں

نقشِ اول میں بنا میرا وجود
اس پہ بھی تو طالب ثانی ہوں میں

دیر ہو یا ہو کلیسا یا حرم
شمع ہوں ہر گھر میں نورانی ہوں میں

کبھی میں نغمہ زن طوبےٰ پہ ہمرنگِ عنادل ہوں
کبھی میں صورتِ غنچہ کسی دلتنگ کا دل ہوں

کبھی گل کا ورق بنکر دکھایا جلوۂ کثرت
کبھی میں صورتِ تخم و ثمر وحدت میں شامل ہوں

میرا تسلیم شیوہ ہے میں عاجز بنکے جھکتا ہوں
ہلال آسا اسی سے آسماں پر خوش شمائل ہوں

وفا کی راہ میں اک بے سر و ساماں مسافر ہوں
نہیں معلوم غافل کس سے ہوں اور کس پہ مائل ہوں

کبھی گل کی طرح کھلتا رہا میں لالہ زاروں میں
کبھی وحشت زدہ ہوں مثلِ مجنوں خارزاروں میں

کبھی بت کو بٹھا کر سامنے پوجا میں کرتا ہوں
کبھی جپتا ہوں نام اللہ کا اللہ کے پیاروں میں

مثالِ گوتم دانا کبھی دنیا سے منہ موڑا
رہا ہوں مدتوں اپدیش کرتا میں ہزاروں میں

نمایاں کرشن کی صورت میں گاہے دوارکا میں ہوں — کبھی میں مادھوبن میں کھیلتا پھرتا تھا پیارو نہیں
کبھی بن باس لیکر رام کی مانند چل نکلا — کبھی میں فوجِ راون کی طرح آیا قطارو نہیں
کبھی گلشن میں رنگِ گل کی کثرت دیکھکر میں نے — دکھایا نقطۂ وحدت کا لٹکا گل کے ہارو نہیں
کبھی میں مہرِ تاباں بن کے چمکا آسمانوں پر — کبھی فرشِ زمیں پر جا ملا ہوں خاکسارو نہیں
کبھی آبِ رواں بنکر علاجِ تشنہ کامی ہوں — کبھی ہوں برقِ خرمن سوز بجلی کے شرارو نہیں
کبھی مانندِ آئینہ بنا پریوں کے جھرمٹ میں — کبھی سکتہ میں مثلِ لوح ٹھہرا ہوں مزارو نہیں
کبھی ہوں دم بخود لب پر لگا کر مہرِ خاموشی — کبھی میں گنبدِ گردوں پر آوازہ پکارو نہیں

غرض میں عالمِ ایجاد میں کامل رہا طالب
کیا ہے رازِ وحدت فاش میں نے کیا اشارو نہیں

رہیے اب ایسی جگہ چل کر جہاں کوئی نہو — مہرباں کوئی نہو نا مہرباں کوئی نہو
جس کو جی چاہے جگہ دو اپنی آنکھوں میں اُسے — پاسبانِ گلشنِ دل باغباں کوئی نہو
ٹوٹ جائے میری پستی سے بلندی کا غرور — اس زمیں پر سایہ افگن آسماں کوئی نہو
جلوۂ حسنِ ازل تصویرِ حیرت کر مجھے — لب پہ حسن و عشق کی پھر داستاں کوئی نہو

تا نہ جائے اے خدا شیرازۂ عالم بکھر
ہو نہ کوئی ہمنفس اور رازداں کوئی نہو

ہو میرے رنج و راحت کا نہ یا رب رازداں کوئی — نہ سُننے پائے محشر میں بھی میری داستاں کوئی
کمو بلبل سے آکر سیکھے طرزِ فغاں کوئی — کہ آیا ہے عدم سے کُہنہ مشق نوحہ خواں کوئی
نہ محتاجِ مسرت ہوں نہ ممنونِ ترحم ہوں — ذرا بھی مجھ سے پوچھے لذتِ دردِ نہاں کوئی
ہے لب پر آہ ہر دم اور دل میں سوزشِ پیہم — لگا کر آگ اندر سے اُٹھاتا ہے دھواں کوئی

عناصر کے قفس کی تیلیاں اک روز ٹوٹینگی
ابھی سے ڈھونڈ لے ملکِ عدم میں تو مکاں کوئی

بحرِ ہستی میں حباب آسا کوئی دم بھر گئے
کس کو ہے معلوم آئے کس طرح کیونکر گئے

کچھ پھلا پھولا نہ باغِ دہر میں نخلِ مراد
چند روزہ موسمِ گل تھا کہ ضائع کر گئے

ایک تنکا تک نہ چھوڑا ہستیِ موہوم کا
اس چمن سے آشیاں ہم دوش پر لیکر گئے

دب گئی بارِ ندامت سے گنہگاری مری
شرم سے تا منزلِ عقبیٰ جھکا کر سر گئے

تارکِ عقبیٰ ہوئے ہم طالبِ دنیا ہوئے
مرگِ عالم سوز سے پہلے ہی گویا مر گئے

رہ کے دنیا میں فلک پر آشیاں رکھتے ہیں ہم
گرچہ فانی ہیں حیاتِ جاوداں رکھتے ہیں ہم

اے لبالب ساغرِ دل لب نہیں کھلتا کہیں
ہو نہیں سکتا عیاں جو کچھ نہاں رکھتے ہیں ہم

بحرِ عالم میں کنارِ عافیت ہے ناپدید
وائے ناکامی نگاہِ ناتواں رکھتے ہیں ہم

عالمِ عقبیٰ میں لیں گے اپنی اپنی راہ سب
منزلِ دنیا میں شکلِ کارواں رکھتے ہیں ہم

حسرتیں ساری یکایک دل میں پنہاں ہوگئیں
بن گئے سیلاب آنسو آہیں طوفاں ہوگئیں

شکوۂ جورِ فلک کب ہے مگر افسوس ہے
درد اپنے حق میں کاوش ہائے مژگاں ہوگئیں

بند رکھتا ہے زبانِ التجا شوقِ سکوت
اپنی پُر حسرت نگاہیں چشمِ حیراں ہوگئیں

اب وہ سودائے محبت سر سے ہی جاتا رہا
ہمتیں رنج و الم سے پابجولاں ہوگئیں

بھول بیٹھے ہیں ادائے نالہ ہائے جانگداز
جتنی فریادیں تھیں وقفِ نازِ طوفاں ہوگئیں

جلوۂ دلدار

دہر کے گلزار میں
لطف دکھاتا ہوا

نور اُڑاتا ہوا

کشمکش و پیچ و تاب
شوق بڑھاتا ہوا

درد مٹاتا ہوا
جلوۂ دلدار ہے

پھول میں ہے رنگ و بو اور ہے موتی میں آب
برق میں اک اضطراب
روح دل اور جانِ عشق باعثِ صد انقلاب
نغمے سناتا ہوا
جلوۂ دلدار ہے

عشرتِ خلدِ بریں روشنیٔ لامکاں
عشوۂ جانِ جہاں
مرجعِ دنیا و دیں مقصدِ پیر و جواں
نقش جماتا ہوا
جلوۂ دلدار ہے

جذبۂ دردِ نہاں خاطرِ ناشاد کا
مردمِ آزاد کا
مستیٔ اہلِ سخن وجد ہر استاد کا
رقص میں لاتا ہوا
جلوۂ دلدار ہے

شورشِ فصلِ بہار قالبِ مسرور میں
طالبِ رنجور میں
تابشِ روئے صنم دیدۂ مخمور میں
فتنے جگاتا ہوا

جلوۂ دلدار ہے

رنگ بدلتا ہوا عشق کی تاثیر میں
حسن جہانگیر میں
شایقِ گفت و شنید لذتِ تقریر میں
راز بتاتا ہوا
جلوۂ دلدار ہے

کلبۂ درویش میں کاخ و شبستان کا
شاہ کے ایوان کا
محفلِ اغیار میں الفت و احسان کا
رنگ چڑھاتا ہوا
جلوۂ دلدار ہے

یاد تشبیہہ پہ خیال طالبِ دلدار کی
شوخیوں میں یار کی
نافۂ عنبر فشاں کاکلوں میں یار کی
دام بچھاتا ہوا
جلوۂ دلدار ہے

دیگر

یہ دہر کا اعجاز ہے
یا زندگی کا راز ہے

بہار ہیں شباب ہے کمال انتخاب ہے
نظر کی آب و تاب ہے یا حسنِ لاجواب ہے
عذاب ہے ثواب ہے سکون و اضطراب ہے

یہ دہر کا اعجاز ہے
یا زندگی کا راز ہے

کبھی خوشی ہے دمبدم　　کبھی ہے عُسرت والم
کبھی ستم پہ ہے ستم　　کبھی ہے موجزن کرم
یہ شان عظمت وحشم　　کہ محفلوں میں جامِ جم

یہ دہر کا اعجاز ہے
یا زندگی کا راز ہے

یہ سوز و ساز آسماں　　یہ رودِ نورِ کہکشاں
یہ مہر و ماہ کا سماں　　یہ لطفِ دورِ جاوداں
ہیں دلربا سب بیگماں　　اور کر رہے ہیں عیاں نہاں

یہ دہر کا اعجاز ہے
یا زندگی کا راز ہے

نہاں کبھی شعور میں　　عیاں کبھی فتور میں
آزادیِ قصور میں　　بیتابیِ غرور میں
قرار ناصبور میں　　اور عالمِ ظہور میں

یہ دہر کا اعجاز ہے
یا زندگی کا راز ہے

ایک دلکش رات

منظرِ دلکش روئے زمیں ہے　　محوِ ترنم عالم بالا
شوخ اور چنچل قلبِ حزیں ہے
شوخ اور چنچل قلبِ حزیں ہے　　ابر کا رنگ ہے کالا کالا

ساقی ہے آبادۂ شیریں

وادیِ گل کیا خلد آئیں ہے

وادیِ گل کیا خلد آئیں ہے　　رقص میں آئے ندی نالا

مستی میں ڈوبے ہیں یہاں سب

دیدۂ دل ہے منظر تحسیں

حسنِ نزاکت خندہ جبیں ہے

حسنِ نزاکت خندہ جبیں ہے　　نیچر نے جوبن وہ نکالا

محو تماشا ہے مرنے والا

بیخود لوگ ہیں سب کے سب

جذبۂ بیدل محشر آگیں

سازِ مکاں میں سوزِ مکیں ہے

ذرۂ خاور نقشِ نگیں ہے　　رنگ شفق ہے رحمت گستر

کافروش ہے جلوۂ بستاں

کافروش ہے جلوۂ بستاں　　نازشِ غنچہ غمزۂ دلبر

دلبرِ شب ہے گیسو آرا

نکہت گیسو شامِ بہاراں

نکہت گیسو شامِ بہاراں　　حسنِ تصور رنگیں پیکر

گویا قدرت خاموشی میں

محوِ اشارہ اک اک تارا

محفلِ انجم سجدۂ جاناں

محفلِ انجم سجدۂ جاناں　　دامن گردوں چشمۂ اخضر

ادنیٰ اعلیٰ بدتر برتر
بیداری میں مدہوشی میں
ہر اک ہے سرورِ نظارہ
فتنۂ محشر جوشِ جواناں
نور کا دریا چرخ بریں ہے فرشِ زمیں ہے تختۂ رنگیں
خاموشی سامانِ تبسم
خاموشی ساماں تبسم دامنِ صحرا دامنِ گلچیں
بحرِ تفکر میں ہے ہلچل
سکتے میں ہے موجِ تکلم
سکتے میں ہے موجِ تکلم جلوۂ احسن عارضِ سیمیں
پتلی میں دو رنگی یکسر
چشمِ خمار میں کیفِ مسلسل
قالبِ صوفی وقتِ تلاطم
قالب صوفی وقت تلاطم مستِ تبسم ہر لبِ رنگیں
کاکلِ شب میں نافۂ مشکیں
گنبدِ اخضر روضۂ اختر
غرقِ تحیر از بس جل تھل
نیچینی میں لطفِ ترنم

طالب ۔ پنڈت کشن لال صاحب چودھری دہلوی ۔ اکونٹنٹ

محکمہ تعمیرات و نہر جمن پنجاب شاگرد مولوی محمد حسین آزاد و نواب مرزا ظہیر۔

محفل میں گر عدو کو اٹھایا نہ جائے گا تو ہم سے گھر میں دوست کے جایا نہ جائے گا

میں جاؤں اس جہاں سے یا جان تن سے جائے — پر ہائے کوئے دوست سے جایا نجائے گا

ولہ

کھیل چوسر کا تو ہاں کھیلنا تم جانتے ہو — کیا ہے دنیا کے کھو رنگ میں بد رنگ میں فرق

گرچہ قاموس کے ہے پار فضیلت سب کی — جانتے پر نہیں ناموس میں اور ننگ میں فرق

ہمنے سو ڈھنگ زمانے کے بدلتے دیکھے — لیکن آیا نہ یہاں اپنے کبھی ڈھنگ میں فرق

آخرش شہ بھی یہاں زیر زمیں سوتے ہیں — کیا ہے اس خاک میں اور جلوۂ اورنگ میں فرق

چھوڑکر کعبہ کہاں آپ ہیں جاتے سوے دیر — شیخ جی آگیا کیوں آپکے آہنگ میں فرق

ولہ

شکوے کیا کیا کیجئے اس چرخ کج رفتار کے — اُسکی چالوں نے تو یاں صد ہا کو برہم کردیا

اوس ڈالی ہے فلک نے اس چمن پر ہے غلط — اپنے ہی اشکوں سے ہمنے کار شبنم کردیا

ولہ

عقبیٰ میں کام ہوگا نہ کچھ رنج و غم کے ساتھ — دنیا کے مخمصے یہ یہیں تک ہیں دم کے ساتھ

ماتم سرا نہ کیوں کہیں دنیا کو ہمدموں — ہستی میں ہمنے پاؤں رکھے چشم نم کے ساتھ

ولہ

دلسے جو مجھکو عشق ہے اُس بے نیاز کا — مائل نہ عشوہ پر ہوں نہ قائل ہوں ناز کا

طالب اُسیکو رہتی ہے اسرار کی خبر — ہے راز دار خود جو ہر ایک دلکے راز کا

طرب - پنڈت گوپال سہائے صاحب خلف پنڈت برج لال صاحب باشندہ مین پوری

جب ۱۸۴۲ء میں تذکرہ شعرائے ہنود کو منشی دیبی پرشاد بشاش ترتیب دے رہے تھے تو حضرت طرب فتحگڈھ میں مقیم تھے۔ ایک شعر ان کا اُس تذکرہ میں درج ہے۔

سوتے نصیب کو نہ جگایا حضور نے — آئے نہ ایک رات مری خوابگاہ میں

ظفر - رائے رایاں پنڈت ٹیکا رام صاحب خلف رائے پنڈت رندہ رام صاحب مؤبد تخلص بہ واجد مصنف نسخۂ تذکرۃ الشعرا موسومہ بہ گلزار مضامین

شب وصال برائے نثار دلبر ما — گہر بدامن خود ریخت دیدۂ تر ما

شہید ش را برنگ شعلہ از آتش کفن زیبد — خمیدہ جوہر برق است موج آب شمشیرش

نیفتد سایۂ او بر زمین از خود رمیدن ہا | کرا یاراست ماندن در خیالِ صید نخچیرش
ز آب و رنگ اشکِ بلبلاں ازبسکہ لبریزست | نگہ کشتی بطوفاں دادہ در گلزارِ تصویرش
الٰہی موج خیز رنگِ گل گرداں دہانم را | بکن رشکِ صفیرِ بلبلاں طرزِ بیانم را
ز اندازِ تغافل ہائے او چوں غنچہ پُر خونم | نسیمے آشکارا میکند رازِ نہانم را
ہما گر بگذرد بر خاک من رنگ شرر گیرد | چناں برقِ تجلّی سوخت مغز استخوانم را
عدم آئینہ دارِ ہستیِ روشندلاں باشد | نباشد حیرتے از جسم وقت نزع جانم را
تواں در یک نظر ہمچو شرر سیر عدم کردن | اگر بیتابیِ دل می برد از کف عنانم را
بود شورِ قیامت حلقۂ بیروں درِ دل | بلند آوازہ روز حشر گر سازی فغانم را
ز درد و داغ شوکت اے ظفر چوں لالہ پُرخونم | بہارے بیجگر افشردہ برگِ خزانم را
بنائے ظالم آخر سست میگردد دریں عالم | ولہ
بہ پیری قوّتے ہرگز نباشد ہیچ دنداں را

مرقع موبدی

شعر

ایں سفلہ جہاں بکس نماند جاوید
رفتند و روند و دیگر آیند و روند

ناظرین نازک دماغ غالباً جن کا خیال علمی و حکمی مشکلات کے حل کرنے میں مصروف ہوگا اس مضمون کے عنوان کو دیکھکر نہ گھبراویں اور یہ تصور نہ فرماویں کہ یہ فسانہ ہے گبراں پارس کے مغوں و موبدوں کا یہ محض نہایت مختصر وقایع ہے اپنی قوم کے ایک نامی خاندان کا جو قریب ڈیڑھ سو برس کے ہوئے خاص دہلی میں متمکن اور یہاں الٰہ آباد میں بھی چندے جاہ و حشمت کے ساتھ اقامت پذیر و حاکمانہ کار فرما تھا انقلاب زمانہ سے جو سخت عبرت کے قابل ہے اب اس خاندان کا نام و نشان ظاہرا باقی نہیں ہے میری خوش نصیبی سے مجھکو حال میں ایک نسخہ فارسی نہایت خوشخط دستخطی میر محمد حسین

الحسینی الرضوی کا موسومہ بہ گلزار مضامین اتفاقیہ ایک عزیز سے عاریتاً ملا وہ میری بالیں پر رہتا ہے اور لکھا ہوا ۱۲۰۱ھ مطابق ۲۹ جلوس حضرت شاہ عالم بادشاہ ثانی کا ہے ظاہرا اول نسخہ لکھا یا ہوا خود مصنّف کا ہوگا جواب دست بدست میرے ہاتھ آیا ہے اور گویا میرے ضعف بصر کو قوت بخشا ہے قیاس کیا جاتا ہے کہ اصل کتاب موبدوں سے اُس خانوادہ کو پہونچی ہوگی جہاں سے اب وہ یہاں آئی ہے مصنّف صاحب اسکے رائے پنڈت ٹیکارام صاحب موبد متخلص بظفر ہیں صاحب موصوف نے یہ نسخہ لطیف قریب زمانہ وفات نواب ذوالفقار الدولہ بہادر مرزا نجف خاں کے جو ۱۱۹۶ھ میں رحلت گزیں ہوئے تالیف کیا تھا یہ تخلص ظفر تاریخی بھی ہے مصنّف کے والد ماجد موبد نے آپ کا تخلص ویری تجویز کیا تھا لیکن مصنّف کی یہ آرزو ہوئی کہ تخلص ایسا ہونا چاہئے جو تاریخی بھی ہو اور یہ آرزو ان کی تخلص ظفر سے برآئی چنانچہ حروف ظفر کے اعداد سے بحساب ابجد کے ۱۱۸۰ھ مستخرج ہوتا ہے اُس زمانہ سے ابتک قریب ایکسو پچاس سال کے ہوتے ہیں اندازہ سے یہ نسخہ حجم میں قریب چھ سو صفحہ متوسط کے ہوگا یہ تذکرہ ہے اکثر شعرائے نامی فارسی کا جو ہند اور ایران میں گذرے ہیں ہرچند اور بھی تذکرے شاعروں کے مثل آتشکدہ آذری دولت شاہی و تقی اوحیدی و مجالس امیر علی شیر و ریاض الشعراء علی قلیخاں والہ داغستانی و تذکرہ مصنفۂ سراج الدین علیخاں آرزو خوب معروف و مشہور ہیں لیکن یہ تذکرہ بھی جامع و مانع بعبارت رنگیں و منشیانہ نہایت پسندیدہ و خوش اسلوب ہے بعض ملوک و نسا کا کلام نظم بھی اس تذکرے میں جا بجا موقع سے درج ہے اور جو مشہور مُعارضے نسبت خاص قصاید چند نامی شاعروں کے اس ملک میں باہم پیش آئے اُنکا ذکر بھی اختصار کے ساتھ منقول ہے ہاں اب اس قسم کا مضمون پارینہ بے ضرورت و بے قدر ہے۔ رب النوع اس نامی خاندان و والد ماجد ظفر کے رائے پنڈت زندہ رام صاحب مُوبد تھے تخلص آپ کا واجد ہے آپکا وطن مالوف خاص کشمیر تھا آپ نے وہاں علوم نجوم و عربی و فارسی و حکمت و فلسفہ

ورمل وغیرہ میں کمال حاصل کیا اور آپ خوشنویس بھی بے نظیر اور اس فن میں رشید ائی دہلی کے شاگرد رشید تھے اور ایسے تیز دست ہوئے کہ اپنے استاد سے بھی بالا دست ہوگئے فن موسیقی میں بھی آپ کو اچھی دستگاہ و مہارت تھی اور آپ خوش گلو بھی تھے۔

بخیال ان کے فضائل علمی کے بعض متعصب مسلمانان کشمیر نے آپ کو بجبر مسلمان کرنا چاہا ناچار آپ نے مع اپنے قبائل کے کشمیر سے ہجرت کی اور شاہجہاں آباد یعنی دلّی میں جاگزیں ہوئے وہاں بتدریج آپ کو مشاہیر اہل شعر و سخن کے ساتھ زیادہ ارتباط پیدا ہوا اور آپ بعدہ اپنی فکر و تدبیر سے مناصب و مراتب اعلےٰ کو پہونچے

خالق سے نے دئے تھے تین فرزند دانا عاقل ذکی خردمند

ایک ظفر کہ وہ بھی بلند پایہ ہوئے اور فرزند اکبر مہاراجہ دیا رام صاحب مستوفی الملک روشن جنگ متخلص بہ توشا تھے آپ کے سایہ عاطفت میں ظفر کو بعد رحلت مُوبد مُوبدان کے فروغ و عروج ہوا تیسرا فرزند عزیز جناب موبد صاحب کا راے پنڈت سیتارام صاحب عمدہ تخلص تھا۔ جب مُوبد صاحب معہ فرزندان کے الہ آباد میں منصب جلیلہ مامور ہوکر آئے بیچارہ عمدہ پچیس ۲۵ سال کی عمر میں جوانمرگ ہوا اور اس حادثہ کے غم واندوہ سے موبد صاحب چھ مہینہ کے بعد رحلت گزیں جنّت ہوئے عمدہ کے دیوان فارسی کو جو دس ہزار بیت سے کم نہ تھا خود مُوبد صاحب نے بعد اُسکے وفات کے مرتب کیا ہر قسم کا کلام منظوم فارسی مُوبد صاحب کا تذکرہ گلزار مضامین میں نقل ہے نہایت پاکیزہ۔ و نادر و اہل زبان سے ملتا ہے ایک قصیدہ آپنے حضرت علی کے منقبت میں ایسے غلو کے ساتھ لکھاہے کہ شاید اہل اسلام کے فارسی شاعروں نے بھی کم کہا ہوگا اُس کے بعض اشعار آخر میں ایسا مبالغہ کیا گیا ہے جس سے مذاق اسلامی کا اثر ان کے کلام میں بے انتہا پایا جاتا ہے اگر کوئی صاحب اس قصیدہ کو پڑھیں گے تو اندیشہ ہے کہ موبد صاحب کو علوی تصوّر کریں گے خود ظفر صاحب لکھتے ہیں کہ مُوبد صاحب کو حضرت مرتضوی

کے جناب میں اعتقاد راسخ تھا۔

خیر یہ اُن کے عقیدے کی بات ہے اغلباً صحبت کا اثر ہوگا جو کچھ ہو پاس ادب رلسے زنی کی اجازت نہیں دیتا شاہ عالم بادشاہ کے عہد دولت میں اُمراکے خطاب واقعی ارزاں تھے اور حضرت الہ آباد میں بھی زیادہ رونق افروز اور چند دوایر فقرا میں اکثر قدم رنجہ فرماتے رہے اور حضرت کی محدود عملداری کی نسبت اُس وقت یہ فقرہ زبان زد عام تھا کہ سلطنت شاہ عالم تا حویلی بالم (یہ وہ قریہ ہے جو دہلی سے قریب تر ہے) لیکن قرینے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس خاندان مُوبَد کی قدرومنزلت زیادہ تر اُسکی لیاقت وقابلیت یا جوہر رسائی سے بڑھی اور نواب ذوالفقارالدولہ بہادر مرزا نجف خاں بھی جو خود ایرانی تھے اہل خطّہ پر مہربان تھے مشہور ہے کہ جب کوئی شخص زمرۂ ہنود سے غیر کشمیری کسی عمدہ خدمت کے لئے مرزا صاحب کے سامنے پیش کیا جاتا تھا تو وہ فرماتے تھے کہ کیا کوئی کشمیری پنڈت باقی نہیں رہا ہے صحیح روایت ہے کہ مہاجی سیندھیا ناظم سلطنت کے حکم قہری سے مہاراجہ دیارام ہاتھی سے پامال کرادئے گئے جب اُنپر عتاب ہوا تھا اسوقت چند دیگر اہل قوم منصب دار بھی دربار میں حاضر تھے اُنھوں نے بدر دمندی مہاراجہ صاحب موصوف سے کشمیری زبان میں جو علاوہ فارسی و ہندی کے اُسوقت رائج تھی آہستہ سے کہا "بگریز" مگر بیچارہ مظلوم کو بھاگنے یا غضب سے بچنے کا موقع نہیں ملا افسوس ہے کہ انجام ان کا یہ ہوا اس خاندان سے جو گویا تمام آفتاب تھا ایک اور بزرگ بھی نہایت فرزانہ و نازک خیال شاعر تھے یعنی رائے بشن ناتھ پنڈت توقا تخلص یہ بزرگ بڑے مُوبَد صاحب کے چھوٹے بھائی تھے خط نستعلیق وشکستہ وغیرہ خوب لکھتے اور مجلّدی و کاغذسازی و قرطبی و نقاشی و طرّاحی و مُجدّدی و روشنائی وشجرت کے بنانے میں ید بیضا رکھتے تھے ایک اور صاحب نامی پنڈت گوبند رام عرف کار زیرک تخلص تھے انکو خاندان مُوبدوں

سے محبت و قرابت کا واسطہ تھا حسرت کا مقام ہے کہ اس قدیم عالی دودمان سے بظاہر اب کوئی متنفس باقی نہیں ہے ایک صاحب جو ایّام غدر تک دہلی میں تھے وہاں سے بلا زدہ ناچار بندرابن چلے گئے اور یاد آتا ہے کہ وہیں گوشۂ عزلت میں گذر گئے اللہ بس باقی ہوس۔ اصحاب موبد و نوشا و نوقا و ظفر و عمدہ وزیرک کے تخلصوں سے جب تک اُن کا عرف و نشان بصحت معلوم نہو غیر شخص یہ قیاس نہیں کرسکتا کہ یہ نامی اشخاص برہمنان کشمیر سے ہوں گے اس موقع پر شاید یہ لکھنا بے محل نہوگا کہ ہمارے اکثر بزرگ متقدمین سے علاوہ کسب و دیگر کمالات کے انشا و نظم و نثر فارسی میں دستگاہ بلیغ رکھتے تھے اب ہمارے قوم کے نوجوانوں کو بمقتضائے زمانہ دوسرے علوم وفنون وابستہ کے تحصیل کیطرف توجہ ہے۔

پچھلے زمانہ میں ضرورت و اکتساب معاش کی وجہ سے اس عہد کے رسم و آئین کی پیروی ناگزیر لازم تھی اب عرصہ سے مغربی نور کا ظہور ہو رہا ہے اور اسکا اثر نسبتاً تمدن و معاشرت و معشیت کے پرانے طریقوں پر زیادہ پہونچا ہے اور غالباً پہونچے گا۔ سے

بہ بیں تفاوت رہ از کجاست تا بکجا

چند لفظ اور کہنے باقی ہیں پھر خاتمہ ہے یعنی یہ خیال میں نہیں آتا کہ اس خاندان مُوبد کا لقب مُوبد جو لفظ فارسی یا ترکی آمیز ہے کسوجہ سے مشہور ہوا اس لفظ کے معنی لغوی حکیم آتش پرستان و پیرمی فروش خداوند حکمت کے ہیں چنانچہ اسی قبیل سے اور چند لقب بھی بعض عربی و اکثر فارسی زبان کے معروف ہیں ان کی اصلیت و صحت اب بخوبی تحقیق نہیں ہوسکتی شاید کوئی بزرگ اپنی قوم سے اس امر کو دریافت کرسکتے ہوں گمان ہوتا ہے کہ خاندان مُوبدوں کے بزرگ زمانہ سلف میں اگن ہوتری ہوں گے اُن کو غیر مذہب کے شخصوں یا اپنی قوم کے

خوش مذاق احباب نے مُؤبد مشہور کر دیا ہوگا کیونکہ اس لفظ سے جملۂ سنسکرت مذکور کا قریب تر ترجمہ ہوسکتا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔ فقط

راقم
صاحب دہلوی



پنڈت نرنجن ناتھ آغا۔ آغا

ضمیمہ

شعرائے ذیل کا کلام اُس وقت دستیاب ہوا جبکہ کاپی نویس اِس جلد کو لکھ رہے تھے اور اُن ردیفوں میں جہاں اس کلام کو درج ہونا چاہئے تھا گنجایش باقی نہ تھی۔ اسلئے بطور ضمیمہ ذیل کی غزلیات اور نظمیں درج کی گئیں۔

آغا۔ پنڈت نرنجن ناتھ صاحب خلف پنڈت دینا ناتھ صاحب عرف ناتھن جی۔

آپ ۱۸۶۸ء میں بمقام مُراد آباد پیدا ہوئے تھے۔ آپ مختلف اضلاع یو۔پی میں نائب تحصیلدار۔ تحصیلدار اور ڈپٹی کلکٹر رہے۔ آپ کی حسن خدمات کو جملہ حکام بالا نے ہمیشہ قدر کی نظر سے دیکھا اور آپ جہاں جہاں تعینات رہے ہر دلعزیزی آپ کے ہمرکاب رہی ۱۹۲۳ء میں مستفید پنشن ہو کر آپ مظفر نگر میں سکونت پذیر ہیں۔

مجھکو دیوانہ سمجھتے ہیں۔ وہ شیدائی بھی ۔۔۔ میں تماشا بھی ہوں محفل میں تماشائی بھی
بڑھ گئی ہمسے نقاہت میں ہماری تصویر ۔۔۔ اس میں باقی نہ رہی قوّتِ گویائی بھی
لاکھ آنچل کو سنبھالیں وہ سنبھلتا ہی نہیں ۔۔۔ اب وہ شرماتے ہیں لیتے ہوئے انگڑائی بھی
مٹ گیا داغ دلِ زار بھی رفتہ رفتہ ۔۔۔ بُجھ گیا آج چراغِ شبِ تنہائی بھی
موت آئی ہوئی گھبرا کے پلٹ جاتی ہے ۔۔۔ کیا بھیانک ہے ہماری شبِ تنہائی بھی
کیا سمجھ کر میری فریاد سے تاثیر ملے ۔۔۔ کوئی کرتا ہے مسافر سے شناسائی بھی

آہی۔ پنڈت لچھی رام صراف صاحب

آپ کے سوانح پر ایک ایسا پردہ پڑا ہوا ہے کہ وہ ہٹائے نہ ہٹ سکا۔ صرف ایک مخطوط دستخطی آہی بنام رائے بھوانی پنڈت جوان کے مربی و سرپرست تھے حقیر مؤلف کی نظر سے گذرا جس میں اشعار ذیل مندرج تھے:۔

جہان سرو را تازتاثیر بخت — شہان را شرف باشد از تاج و تخت
بمانی بدانگونہ با تخت و تاج — کہ از ہفت کشور ستانی خراج
زاقبال بر تارکت تاج باد — بہ پا بوسیِ تخت محتاج باد
بیا ساقی آن مے کہ مرد آزماست — چو خونِ عدو خوردنِ او رواست
بمن دہ کہ چون بر کشم زان شراب — شود بر دلِ من ازان فتحیاب

برہمن ـ پنڈت چندر بھان (نیز صفحہ ۱۱۲ ملاحظہ ہو)

فروغ دل زفیضِ بادۂ روشن شود پیدا — دماغ رفتہ از سیرِ گل و گلشن شود پیدا
کجا پنہان کنم این گریۂ طوفان خونین را — کہ گر در آستین گم گردد از دامن شود پیدا
بچاکِ پیرہن آراستن باید برون دستم — کہ نرسم راز دل از چاک پیراہن شود پیدا

جوانی بود و فصلِ عیش و عہد کامرانی ہا — کجا آن فصل و کو آن عیش و کے آن شادمانی ہا
جدا از لعلِ شیرین دیدۂ گوہر فشان دارم — کہ ہنگام تکلم میکند گوہر فشانی ہا
بیا یک نکتہ از درسِ محبت خوان و فارغ شو — کہ باشد نکتہ ہاے بیکران در نکتہ دانی ہا
حدیثِ عشق از گفتار و تکرار است مستغنی
برہمن در محبت کفر باشد قصہ خوانی ہا

ہمیشہ عذر زلب ہاے عذر خواہ طلب — ادب ز دیدۂ و انداز از نگاہ طلب
بہ ہرزہ گردیِ عالم کسے بجا نرسد — بگوشۂ زجہان برہمن پناہ طلب

بہ چشمِ ہمتِ من نشاء خمار یکیست — درین چمن بخزان نسبتِ بہار یکیست
قدم نہادہ براہِ طلب ہزار انند — ولے رسیدۂ مطلوب از ہزار یکیست
دلم زجا نہ رود از بلند و پستِ جہان — کہ نزد اہلِ خرد وضع روزگار یکیست

درجہان باش و لیکن زجہان فارغ باش — ہر کہ فارغ زجہانست جہانے با اوست
ہرچہ گویم بزبان ہمہ کس میگویم — مردمِ چشم مرا نیز زبانے با اوست

نہ چشم سرخم و نہ رنگ زرد حیرانم — کہ کار من ہمہ کار سیاہ کار انست
بدرد شادم واز گریہ شکوہ ہا دارم — کہ اشک پردہ دَرِ حالِ رازدار انست
جنونِ عشق برہمن کشد بسنی کار
کہ عشق آفتِ احوالِ ہوشیار انست

دارم دلِ شکستہ ولے مو بمو درست — چاک آنچنان درو کہ نسازد رفو درست
صد جا شکست شیشۂ صد رہ فتاد جام — در بزم عشق کس نرساند سبو درست
بررنگِ من بہ چشم حقارت نظر مکن — دارد شکستہ رنگیِ من آبرو درست
آتشے گو کہ کند سوختۂ و پختہ جگر — این کبابے ست نمک سودہ و لے خامے ہست
برہمن مرغِ دلِ کو کہ گرفتار شود — ورنہ در ہر طرفے دانہ بہر دامے ہست

چو دردِ عشق رسد خواہشِ دوا کفر است — درین معاملہ اظہارِ مدعا کفر است
بہ گلشنے کہ چو سوسن خموش باید بود — چو عندلیب دہانے پُر از نوا کفر است
درین طریق بجز چشم پُر مکن تکلیف — کہ طے مراحلۂ دوستی بہ پا کفر است
براہِ عشق قدم نہ برہمن از سرِ صدق
کہ رہروانِ رہِ عشق را ریا کفر است

از ہجومِ غم زلب تا سینہ دارم کاروان — تنگیِ جا بر دلم تنگم رہِ فریاد بست
کے گرفتارِ محبت میل آزادی کند — خاصہ آن صیدے کہ بر فتراکِ خود صیاد بست
بر سرِ آبِ روان افگند طرحِ خانہ را
اے برہمن ہر کہ دل در دیرِ بے بنیاد بست

با من از مدّعا مگو کہ مرا — مدّعا ترکِ مدّعا شدہ است
بر دلم پا منہ کہ شیشۂ دل — بسکہ شد صاف رونما شدہ است
حرام باد ترا امتحان و لذّتِ شوق — اگر ز دردِ محبّت بری بہ درمان دست

ز شست و شوے برون صاف کے شود باطن   به آب توبه بشو بعد ازین به عصیان دست

هزار بار برهمن نمود مے پاکش
ولے نیامدم از ضعف تا گریبان دست

آتشکدهٔ سینهٔ ما پر سر جوش است   تار مژه بر دیدهٔ ما شعله فروش است
از مرهم راحت نه شنیده است ندائے   عمریست که داغِ دلِ ما پنبه بگوش است
در میکدهٔ عشق به اندازهٔ خود باش   چون مستیِ این جرعه به اندازهٔ هوش است

از حال برهمن چه توان گفت که چون است
با خونِ جگر ساخته چون غنچه خموش است

کاروان بگذشت بانگے از درائے برنخاست   عالمے گم گشت و از جائے صدائے برنخاست
چشم تا برهم زدی آغاز شد انجام عمر   طے شد این ره آنچنان کاواز پائے برنخاست

برهمن هر سو باُمیدے زدم گام مراد
در جهانِ تنگ از سوئے صلائے برنخاست

ز دیده رفتی و شوقِ تو در میان باقیست   غمے که بود درین سینه همچنان باقیست
همیشه گرمیِ هنگامهٔ جهان برخاست   جهانیان به فنا رفته و جهان باقیست
به نوبهار و خزان خارِ عشق بلبل را   به یادگارِ محبت در آشیان باقیست
هزار بار در آمد دلم به کورهٔ عشق   دگر بسوزنش اگر جائے امتحان باقیست
اگر ز دیده رود آب و دیده منت دار   که آب چشم تو از بهر آبرو کافی است
براه عشق قدم نه که در طریقِ سلوک   بسوئے منزلِ مقصود جستجو کافی است

ز اعتقاد برهمن اگر نشان خواهند
به جبهه صندل و زنار در گلو کافی است

ف بمعنے آتشدان۔

دل پئے آن نرگسِ جادوادا ے رفتہ است　　در پئے صد آفت وچندین بلاے رفتہ است
دل نمی بینم بجاے خود نمیدانم کجاست　　اینقدر دانم کہ از جاے بجاے رفتہ است
چشم گر بینا بود ہرگز نگردد رہ غلط　　مردِ عارف در پئے یک نقشِ پاے رفتہ است

اے مستِ خواب خواب مکن در زمانِ صبح　　یک صبح کن بہ دیدۂ ما امتحانِ صبح
ما صبح راز کف بدو عالم نمی دہیم　　باشد جہانِ فیض دگر در جہانِ صبح
از بسکہ سینہ صاف شدم از فروغِ عشق　　روشن شود ز دودِ دلم دو دمانِ صبح

در محبّت ہوسِ جام وسبو نتوان کرد　　تا بود خونِ جگر مے بہ گلو نتوان کرد

دلِ چون شیشہ داری احتراز از وادیِ ما کن　　کہ در راہِ محبّت پاے دل بر سنگ می آید
بہ آبِ توبہ ام آلائشِ باطل نشد زائل　　کہ این کار از فروغِ بادۂ گلرنگ می آید
مخواہ از من اداے معنیِ نقشِ محبّت را　　کجا بیرون صدا زین سازِ بے آہنگ می آید
برہمن صیقلِ دانش طلب تا دل شود روشن
کہ تا دم میزنی آئینہ زیرِ زنگ می آید
چہ شد کہ صبح بصد جلوۂ وخرام رسید　　کہ چشم تازۂ صبح رفت وشام رسید
تو سر کشیدہ بخوابِ غرور غافل از ان　　کہ آفتاب برون آمد وبہ بام رسید

بتان کہ کسوتِ تمکین وناز می پوشند　　بہ ناز چشم ز اہلِ نیاز می پوشند
شبِ فراق غریبان بہ کُنجِ تنہائی　　چو شمع پیرہنِ جانگداز می پوشند

کسانکہ صورتِ معنی زحال می یابند　　فروغِ آئینہ را در سفال می یابند

تو مرد بادہ نۂ ورنہ ہرچہ ساقی داد　　اگر بہ ظرفِ تو گنجید کار ہوش کند
نہ دیدہ ضبط تواند نمود ونہ دامن　　شبے کہ خون دل وآب دیدہ جوش کند

بر ساحلِ امید زلب تشنگی بسوخت　　لب تر نکرد عاشق ودریا تمام شد
شاد آن کسیکہ نوبتِ خود را تمام کرد　　زان پیشتر کہ بادہ زمینا تمام شد

به غفلت زیر گردش‌های گردون آدمی گردد — به آئینے که غافل دانه زیر آسیا باشد

خیال غیر او در دل نمی گنجد برهمن را
شود بیگانه از خود هر که با او آشنا باشد

ز روی عجز بنه بر زمین جبین نیاز — که ما شکسته دلانیم او شکسته نواز
چو اشک پرده در حال راز دار انست — بروی او نتوان کرد دیده محرم راز

ولہ

دیده ام شد خشک و طوفان در کمین دارم هنوز — موج دریا در شکنج آستین دارم هنوز
دامن عصیان به آب دیده شستم برهمن — لیک نقش سجدهٔ بت بر جبین دارم هنوز

ولہ

بگذشت عمر و گرم تمنا نفس هنوز — وین مرغ پر شکسته طپان در قفس هنوز
عشق آتش بلند برافروخت و ما — پنهان کنیم شعله بدامان حسن هنوز

ولہ

چو غنچه در ره تسلیم پا به دامان باش — چو گل بخون جگر غرقه تا گریبان باش
ادب ز صحبت رندان پارسا آموز — بگیر جرعه ز پیمانه و به پیمان باش

ولہ

چو لاله داغ غم عشق بر جبین دارم — چو گل ز لخت جگر خون در آستین دارم
مرا برشتهٔ زنار الفتے خاص است — که یادگار من از برهمن همین دارم

ولہ

بجوشد همچو ابر نوبهاران چشم گریانم — ز چاک دل گواهی میدهد چاک گریبانم
غبار معصیت آئینهٔ دل تیره میدارد — مگر اشک ندامت صاف سازد زنگ عصیانم

ولہ

مست عشقم کعبه و بتخانه را گم کرده ام — وز سر مستی ره میخانه را گم کرده ام
گریه کاوی سینه ام حرفے نمی آید برون — از زبان تا دل ره افسانه را گم کرده ام

ولہ

به خموشی چو غنچه ساخته ایم — سر به جیبیم و پا بدامانیم
یادگارے بهار ناکامی — قطرهٔ خون بدوش مژگانیم
جمله تن گشته قطرهٔ خونین — مانده در گوشهٔ گریبانیم
بر جبین روشن است داغ گنه — بندهٔ روشناس عصیانیم

شبِ ہجران بہ غم بسر بردیم طرفہ سنگین دل و گران جانیم

عاشقم غنچہ صفت پلے بہ دامان دارم چون گل تازہ ام و حال پریشان دارم

ہمچو آن بلبلِ شوریدہ ام از گلشن دور کہ دل سوختہ و دیدۂ گریان دارم

سرِ شوریدہ دل آزردہ دماغ افسردہ من ز اسباب جہان این سروسامان دارم

برہمن در غم او کم نتوان بود ز شمع
شعلہ در دامنم اما لبِ خندان دارم

ز رازِ عقل بیرون می شتابم در پئے مطلب مرا از قربِ منزل دور میدارد شتابِ من

دو عالم از کتابِ قدرت او یک ورق باشد بود زان یک ورق یک نکتۂ عشق انتخابِ من

ز اشکِ بیکسی دریائے رحمت را بجوش آرم اگر در روزِ محشر در میان آمد حسابِ من

چندر بھان سنہ ۹۸۲ھ میں بمقام لاہور یا آگرہ پیدا ہوئے۔ آپ نے ۹۱ سال کی عمر پائی۔ آپ کے بزرگ نسلاً بعد نسلاً سنسکرت کی کبتائی کے مالک تھے اور اسی لحاظ سے پنڈت کہلاتے تھے آپ نے اپنا تخلص برہمن انتخاب کیا۔ آپ کے والد بزرگوار پنڈت دھرم داس نے شہنشاہ اکبر کے دورانِ سلطنت میں سنسکرت کی تعلیم مکمل کرنے کے بعد فارسی پر دستگاہ کامل حاصل کی اور سلطنت مغلیہ کی ملازمت میں داخل ہو کر ایرانی عالموں اور فاضلوں کے پہلو بہ پہلو اپنی قابلیت کا سکہ بٹھایا اور روز افزوں ترقی پا کر منصبدار سلطنت ہونے کا فخر حاصل کیا۔ سنہ ۱۰۶۶ھ میں علامیِ سعداللہ خان شیرازی وزیر سلطنت شاہجہانی نے انتقال کیا۔ اسوقت شاہجہان کی مردم شناس نظر نے چندر بھان کو انتخاب کیا اور خطاب رائے رایان سے مفتخر کر کے قلمدانِ وزارت آپ کے سپرد کیا۔ برہمن کی تصانیف میں ایک دیوان۔ قصائد۔ رباعیات اور مثنوی ہفت بحر ہیں۔ یہ مثنوی سنہ ۱۰۹۳ھ میں برہمن نے لکھی تھی۔ جلو خانہ ریاست کپورتھلہ میں اس کا ایک قلمی نسخہ محفوظ تھا۔ جناب سردار دیوان بھگونت رائے بہار سناحی صاحب کو جو کلیات برہمن کے شایع کرنے میں ہمہ تن مصروف ہیں وہاں سے دستیاب ہوا ہے چند اشعار دیوانِ برہمن کے

اور انتخاب کئے گئے ہیں وہ بھی ملاحظہ ہوں:۔

ہاں اے دلِ شکستہ مکن رازِ خود عیاں　　کافی بود دو دیدۂ گریاں گواہ تو
دم در کش و ز سینہ مکش آہ برہمن　　ترسم کہ بگذرد ز فلک تیرِ آہ تو

ساقی چہ طرفہ ساقیِ بدمست بودہ　　مے ریختی بساغر و ساغر شکستہ
تاوان اگر ز لعل و ہی در حساب نیست　　تو دل شکستۂ نہ کہ گوہر شکستہ
شرمت ز خویش باد کہ پیمان تو ہر را　　صد بار بستۂ و مکرر شکستۂ
سیراب بادِ گلشنِ ہمت کہ برہمن　　لب تشنہ جام بر لب کوثر شکستۂ

اے آنکہ صبح با مئے و ساغر نشستۂ　　با ماہ و آفتاب برابر نشستۂ
اے پیر مے فروش بما نیز جرعۂ　　از شکر آنکہ بر لبِ کوثر نشستۂ
چندین نوا بگوش تو ہرگز اثر نکرد　　صد گوش بر ترانۂ دیگر نشستۂ

ز بسکہ خون جگر ریختم ز گوشۂ چشم　　شد آستین پر و دامان پر و جگر خالی
ز سینہ زنگ برد گریۂ کہ صاف آید　　مدار از گہرِ اشک چشم تر خالی
ز سینہ ام شرر آستین برون آمد　　کہ نیست آتش سوزندہ از شرر خالی
بسوزِ نیم شبی ساز برہمن بہ نیاز　　کہ آہِ خستہ دلان نیست از اثر خالی

ہزار دستہ گل از گلشن جہان بردند　　ہنوز این چمن از رنگ و بو نشد خالی
ہمیشہ گرمیِ میخانۂ جہان باقی است　　ہزار جام شکست و سبو نشد خالی
بانتہا نرسد گرچہ راہ وادیِ عشق　　خوش آنکہ یک نفس از جستجو نشد خالی

مباد ہیچو تو نامہربان نگار کسے　　کہ نیست بر دلِ تو دست اختیار کسے
خزان فریب تماشایان عشق بس است　　مرا چکار بسر سبزیِ بہار کسے
تمام عمر توان بود برہمن مخمور
مے نگاہش اگر بشکند خمار کسے

بیخود۔ پنڈت درگا پرشاد مشران صاحب لکھنوی

آپ نے مثنوی تحفۂ سرشار کا ایک بڑا حصّہ تضمین کیا تھا مگر افسوس ہے کہ وہ کُل نظم دستیاب نہیں ہوئی۔ جس قدر اشعار ہاتھ لگے وہ نہایت پُر لطف ہیں قدر شناسانِ سخن ملاحظہ فرمائیں اور دادِ سخن دیں۔ (نیز صفحہ ۱۴۷ ملاحظہ ہو)

(مثنوی تحفۂ سرشار کے اشعار کو تضمین کیا ہے)

ہر پھول میں بوئے کبریا ہے ہر پھل مئے حمد سے بھرا ہے
جلوہ اس کا ہر ایک جا ہے انگلینڈ ہے یا کہ انڈیا ہے
لندن کی پلا دو آتشہ مے
آ پیرِ مغاں کہاں چھپا ہے

مے دینے میں کر ذرا نہ انکار بیخود کو پلا کہ ہووے ہشیار
لے اُس کی دعا جو زر ہو درکار میں کرتا ہوں اسکے بدلے اقرار
دھن برسے گا میکدہ پر اے یار
رندوں کو جو تو کریگا سرشار

بے شر یارب شراب ہوتی جو میل و ملال دل سے دھوتی
کرتی میل اور نفاق کھوتی سب بول اُٹھتے ہوئی انہوتی
داتا پلوا شراب اچھوتی
خوش بُو خوش رنگ تیز چوکھی

پلوا دے مجھے شرابِ انگور کر دے مرا جام بادہ معمور
کچھ تو دیدے کہ ہوں میں مسرور شیری وائین ہو یا کہ بٹ کور
کوثر کی کھنچی نہیں ہے منظور
لیڈی وائین۔ جسے پیئے حور

توفیق تجھے اگر خدا دے بھر بھر کے سبو چھکا چھکا دے
دارو ویرین ودلکشا دے پر شرط یہ ہے کہ یوں پلائے
سرجوش شراب ناب لادے
بوتل مُنہ سے مرے لگا دے

ساقی دُنیا سے دوں ہے کسکی صاحب کی نہ میم کی نہ مس کی
لے دے دینی ہو جسکی جسکی لےلے دےدے ہو جسکی تسکی
جنٹلمینوں کو دے وِھسکی
کسکی رہی اور رہیگی کسکی

رم غم کرے رَحم وہ یار پلوا کیا ہے تجھے انتظار پلوا
میں ہوں اب بیقرار پلوا جامِ عرقِ بہار پلوا
وہ بادۂ خوشگوار پلوا
وہ بادۂ فرح بار پلوا

زاہد آئے جو لالہ پھلّو بنکر سرشار و وانٹ للّو
جگدھر کہے کوئی کوئی للّو بیخود کہے کیا پھنسے ہیں ملّو
بدمست ہوں پی کے ایک چُلّو
زاہد کو بنائیں خوب اُلّو

آدم تھے بہشت میں نرالے کھانے کے پڑے جو انکو لالے
دانے گندم کے مُنہ میں ڈالے کھلایا۔جو کھا کسی نے کھالے
بابا آدم تھے بھولے بھالے
جنت سے گئے میاں نکالے

اے شیخ ترا شباب ہے یہ — کھا پی دُنیا سراب ہے یہ
پینے کی تو شے جناب ہے یہ — شر دور کرو تو آب ہے یہ
کیوں شیخ کو اجتناب ہے یہ
کچھ زہر نہیں شراب ہے یہ

ساقی بیٹھا ہے کیا معطّل — باندھا ہے گھٹا نے بڑھکے منڈل
بھر بھر کے انڈھا خُم اور بوتل — بھر جائیں سماجیوں کے استھل
گھنگھور گھرا ہے آج بادل
میخانہ کو تو بھی کر دے جل تھل

بے وقت کی جب لگے بجانے — خود ڈنکے کی چوٹ پینے کھانے
پنڈت اس میں ہوں یا سیانے — جب کہنے لگے وہ بے ٹھکانے
فتویٰ کاشی کا کون مانے
لاکھوں میں پیوں کھُلے خزانے

اس وقت میں یار ـ مے ـ نہ ـ پانی — سمجھو بے آب ـ جان ـ جانی
پلٹو مے کو تو یم ہے پانی — ساقی لئے کیف ہے جوانی
رِم جھم یہ برس رہا ہے پانی
بے مے کے حرام زندگانی

مینا دے ـ مے دے ـ جامِ زر دے — سامانِ نشاط سربسر دے
آزاد مجھے بھی یار کر دے — تو بادۂ فکر میں شرر دے
وہ جام پلا کے مست کر دے
مضموں سے مرا دماغ بھر دے

مجھکو ہے اگرچہ خوب معلوم — نادر۔ نامے ہوئے ہیں مرقوم
پر کوئی نہ سمجھا ان کا مفہوم — طالع۔ قسمت۔ نصیب۔ مقسوم
ہر چند کئی کلام منظوم
تصنیف سخنورانِ مخدوم

جو جو رکھتے تھے علم سے میل — وہ جُوق کے جُوق ذیل کے ذیل
ظاہر باطن میں شاملِ فیل — لفٹنٹ کوئی تو کوئی کرنیل
تُو عمروں کی فوج کا وہ سرخیل
نیشن کی بٹیلین کا جرنیل

یہاں ہوگا جو کچھ وہ سب کرینگے — لڑکے لندن نہ جانے دینگے
باہر نہ قدم تو ہم دھرینگے — سر جائے بلا سے سر کو دینگے
ثابت قدم اس میں ہم رہینگے
مرجائینگے اور دھرم نہ دینگے

جھگڑا تھا گورو و کارکن میں — ہوتی تھی بحث پاپ و پن میں
کچھ طے نہ ہوا تھا ان میں آنہیں — جوش آگیا اُن کو اپنی دُھن میں
بھنڈاری بھی تھے اُدھیڑ بن میں
کھچڑی پکنے لگی تھی اُن میں

یتی کیا نکر ابھی اِمیں یار — کیا کو سنتے گہست گنہگار
شپ دپ روزی ادھیونتن کا — اِم کیا چھی کران سوری تکرار
بدھ چھی ہر ہر کران بیکار
سوری چھی لکٹ ہبا تمس یار

تجھسا کوئی واں بشر نہیں ہے ہندو کا وہاں گذر نہیں ہے
بابا آدم کا گھر نہیں ہے بیٹا ہوّا کا ڈر نہیں ہے
خالہ جی کا وہ گھر نہیں ہے
بچے ہو تمھیں خبر نہیں ہے

سب نے کہا غل مچاؤ ڈوبی ڈوبی یہ دھرم کی ناؤ ڈوبی
اے بھائیو دوڑو آؤ ڈوبی تم پار لگاؤ ناؤ ڈوبی
ڈوبی ڈوبی یہ ناؤ ڈوبی
ڈوبی ڈوبی بچاؤ ڈوبی

بے سمجھے لگائی فردِ الزام یکطرفہ ہوا صدورِ احکام
اس لاگ کا یہ تھا آخر انجام بازیگر کا سا ہو گیا کام
گولر کے درخت میں پھلے آم
نکلا اِملی کی جڑ سے بادام

کیونکر دل عدل کا نہ ٹوٹے انصاف کی آنکھ کیوں نہ پھوٹے
مسلے سچے نہ کیوں ہوں جھوٹے جھوٹے سچے ہوں سچے جھوٹے
سر پہ پڑے چوٹ پانوں ٹوٹے
ماروں گھٹنا تو آنکھ پھوٹے

سب پاک تھے ۔ چونہ پان پانی کہئے وہ کہاں ہے بیدخوانی
تعریف میں سرخروئی جانی پھر بات چبا کے یوں بنائی
بے خوف گلوری لے کے کھائی
ہے خوب مزے کا پان جانی

دکھلانے کے ہیں صفائی کے ٹھاٹ مشّت ہے چُہل ہے گھاٹ بر گھاٹ
کس کام کا ہے یہ پوجہ و پاٹ معلوم ہے ہم کو سب یہ گھر گھاٹ
دھوبن کے اُترتا بر ملا گھاٹ
بھنگن ہو بغل میں لب پہ ہو پاٹ

دن بھر سُمرن کا ہووے کھٹکا شب کو کھٹکن کو لے کے پٹکا
کیا ذکر ہو اب آپ کی بھی ہٹ کا دل ہی تو ہے جس سے اَٹکا اٹکا
کھٹکن سے نہیں دھرم کا کھٹکا
ڈھونڈھا اچھا یہ سُہل لٹکا

کیا تم کو کہیگا کوئی دانا تو تیر نٹن کی یوں بڑھانا
نٹ کھٹ اِدھر آنکھ تو ملانا کیا باقی ہے بانس پر چڑھانا
نٹنی کو پلنگ پر سُلانا
کیوں کُٹنی کی ہے ہاتھ لانا

دن بھر جاپ اور کھٹ کرم ہو شور مرجاد ہو دھرم ہو
ان باتوں کا حال کیا رقم ہو کیسے تم یار ہٹ دھرم ہو
تڑکے اشکلام پر دھرم ہو
شب کو بیرڈان سے وہ کرم ہو

کیوں مرشد و پیرِ جملہ عالم کیوں میرے مکرّم و معظّم
گر کوئی حسینہ ہووے ہمدم حوّا وش و دلفریب آدم
کیوں قبلہ اگر کوئی پڑے چھم
با ناز و کرشمہ و خم و چم



پنڈت امرناتھ زتشی خمار

آویزۂ حسن حلقہ در گوش — از خویش ز بیخودی فراموش
آں زلفِ دوتاش دوش بردوش — در ماتمِ عاشقاں سیہ پوش
پرکالۂ آتش و ستم کوش
نسرین تن و نسترن بنا گوش

تیکھی چتون نگہ لڑاتی — اور گوشۂ چشم کو چڑھاتی
اپنے مضطر کو وہ لبھاتی — آتے آتے وہ پاس آتی
پازیب کو خوب چھم چھماتی
پیاری پیاری کُچیں دکھاتی

آکر بولے نکالو ارمان — سب عیش و طرب کے یاں ہیں سامان
آنے کا نہیں ہے اب کوئی یاں — پیارے ہاتھوں سے جانِ جاناں
لپٹا کے گلے کہے مری جان
جو کچھ کہوں مان لو میں قربان

تنہا ہم تم ہیں آج باہم — بس عیش و طرب ہیں یاں مقدم
یہ باغ اور گلوں کا موسم — یاں کوئی فرشتہ ہے نہ آدم
دُنیا سے الگ تھلگ ہیں تم ہم
گوشہ کا مقام ہُو کا عالم

دُنیا ہے خواب اور خیالی — دوزخ اور خُلد احتمالی
ہونی ہے جو ہوگی ہونے والی — ہم تم کریں جامِ بادہ خالی
پی لو یہ شراب پُر تگالی
اُٹھی ہیں گھٹائیں کالی کالی

پائیں نا شگفتہ در جو یہ آپ　　بیشک نہ رہیں پھر آپے میں آپ
اُس دم بھولیں یہ پوجہ و پاٹ　　کیا کیجئے تب بتائیے آپ
آدھرم ہو دھرم ہو پُن ہو یا پاپ
جو کچھ کہے سب وہ کیجئے آپ

جب آپ سا پاک و صاف دامن　　مصروف ہو عیش میں ہمہ تن
مجھکو بھی خبر دے کوئی دشمن　　سُن کر آؤں بطور احسن
اور میں بھی کہوں اُٹھاکے چلمن
تسلیم جناب و قبلۂ من

رم ہوگیا رام رام قبلہ　　لیجئے نہ دھرم کا نام قبلہ
یہ مے یہ صنم سلام قبلہ　　یہ ریش یہ تن یہ کام قبلہ
بُڑھا بُھس ہے اسی کا نام قبلہ
ہاں اور بھی ایک جام قبلہ

بیدل - پنڈت کیلاس نراین کول صاحب ایڈووکیٹ مظفر نگر (نیز صفحہ ۵۱۱ ملاحظہ ہو)

لیلیٔ حسنِ ازل کا جلوہ اک محمل میں تھا　　یعنی بحرِ بیکراں میرے محیطِ دل میں تھا
جاننے والے نے جانا - سُننے والے نے سُنا　　نغمۂ وحدت اسی ہنگامۂ محفل میں تھا
ختم تھیں پابندیاں جب مٹ گیا سحرِ نظر　　تھا وہی بتخانہ میں جو کعبہ کی منزل میں تھا
لامکاں میں جو تماشائے فضائے حسن تھا　　دیکھنے والے نے دیکھا آنکھ کے اِک تِل میں تھا
آمد و شد میں نفس تھا میں اسیرِ دامِ زیست　　وہ بھی اک مشکل میں تھا اور میں بھی اک مشکل میں تھا
پردہ دارِ حسن جب آیا حریمِ ناز میں　　اک سرابِ زندگی - پیدائشِ باطل میں تھا
درد کا بڑھنا تھا - اور دشمن گریباں ہوگیا　　ہوش آنا تھا کہ اک وحشت کا ساماں ہوگیا
جلوہ ہائے دیر و کعبہ اب نظر چڑھتے نہیں　　دل ہمارا بے خودِ صہبائے رنداں ہوگیا

پنجۂ وحشت نے لی پہلے تو دامن کی خبر
پھر گریباں سے مرے دست و گریباں ہو گیا

ہے فریبِ چشمِ حیرت۔ عالمِ نقش و نگار
دیکھ کر نورِ ازل انساں جو حیراں ہو گیا

پردہ پوشِ ننگِ وحشت اب مرا کوئی نہیں
مجھ سے دامن چھٹ گیا۔ رخصت گریباں ہو گیا

لامکاں کی وسعتیں بیدل ہیں پابندِ خیال
کیا ہوا میں گوشہ گیرِ بزمِ امکاں ہو گیا

محوِ حیرت کدۂ عالمِ ایجاد کیا
حسن نے پردہ اٹھا کر مجھے برباد کیا

میرا ممنون ہوا ہے خانۂ زنجیرِ جنوں
خود کو برباد کیا جب تجھے آباد کیا

موت سمجھے اسے۔ افسوس یہ دنیا والے
روح کو قیدِ علائق سے جو آزاد کیا

تو اسی رنگ کے پردے میں نظر آتا ہے
جس نے جس رنگِ عقیدت سے تجھے یاد کیا

بیدلِ زار۔ رہے یاس و الم اس میں مقیم
خانۂ دل اسی آبادی نے برباد کیا

دیدۂ دل وا ہوا۔ اور قرب حاصل ہو گیا
بے خودی میں راستہ ہی مجھکو منزل ہو گیا

نور سے معمور جب آئینۂ دل ہو گیا
جو نہ آتا تھا نظر وہ بالمقابل ہو گیا

کس سے پوچھیں حال ہم دیدِ جمالِ حسن کا
جس نے دیکھا تجھکو وہ خود تجھ میں شامل ہو گیا

تابِ نظارہ نہ دی۔ نورِ جمالِ برق نے
دید میں اور مجھ میں خود اظہار حائل ہو گیا

کوچۂ عشق و فنا میں جب رکھا میں نے قدم
خود سے بیخود ہو گیا اور دل سے بیدل ہو گیا

جس کو نہ تاب آئے ترے انتظار کی
کیا تاب لائے جامۂ ہستی کے بار کی

سیرِ چمن میں پہلے تو ہم محو ہو گئے
آنکھیں کھلیں تو دیکھا خزاں ہے بہار کی

آیا حریمِ ناز میں جب پردہ دارِ حسن
صورت بنی جہان میں نقش و نگار کی

ابرِ سیاہ جھوم رہا ہے کہ اسے فلک
لہرا رہی ہے آہ کسی بے قرار کی

تیغِ یقیں جو چمکی تو وحشت میں ہمہ مو — ہمنے قبائے ہوش و خرد تار تار کی
اے انفعال۔ رحمتِ حق آگئی قریب — ہے مستند خبر مرے اشکوں کے تار کی
مجھکو فریبِ عمر ہے کمتر سراب سے — سب راز کھل گیا ہے شکستِ حباب سے
روزِ ازل گناہوں سے واقف کہاں تھے ہم — عاصی بنے ترے کرم بے حساب سے
بحرِ فنا جہان میں ہر سو ہے موجزن — کچھ نقش اس پہ تیر رہے ہیں حباب سے
رویا وہ پھوٹ پھوٹ کے اپنے ثبات پر — موجوں سے بڑھ کے حال جو پوچھا حباب سے
اب ہے سکونِ قلب کا عالم خمارِ مرگ — دل بھر گیا ہے کیفِ مئے انقلاب سے
شب بھر تڑپ کے موت کی اک نیند آگئی — حاصل ہوا سکون ہمیں اضطراب سے

دماغ پنڈت پرمیشور ناتھ تکرو صاحب

(دماغ۔ نیز صفحہ ۳۰۸ ملاحظہ ہو)

اُمید پختہ کی صورت خیالِ خام ہوا — جو دل میں آپ کے چندے مرا قیام ہوا
ادا کے معنی یہ نکلے ہیں نیم بسمل ہو — نگاہ کہتی ہے اب حکمِ قتلِ عام ہوا
قرار دل کو ہو الفت میں غیر ممکن ہے — یہ درد وہ ہے جب اُٹھا تو پھر مدام ہوا

خیالِ زندگی ہے نشّہ کا چڑھنا اُتر جانا — یہی بس عمرِ طولانی کا قصّہ مختصر جانا
تعلق دل کو دل سے ہے تبھی تو ہچکیاں آئیں — کرشمہ یہ بھی ہے بے تار کے گویا خبر جانا
پتہ چلتا ہے چھینٹوں سے ہزاروں خونِ ناحق کا — شہادت دے رہا ہے آپ کا نیچی نظر جانا

حسن کے ساتھ جب شباب ہوا — ناز و غمزہ بھی ہم رکاب ہوا
نیم بسمل کے قتل کرنے میں — کچھ عذاب اور کچھ ثواب ہوا
ایک عالم میں ہو گیا مشہور — کوئی مضموں جو انتخاب ہوا
چین پڑتا نہیں کسی پہلو — دل بھی ایک جان کا عذاب ہوا

[illegible]

رنگ کچھ بدرنگ تھا خنجر بکف قاتل نہ تھا　　　آج کیا مہندی میں کشتوں کا لہو شامل نہ تھا
عمر بھر واللہ عالم مَیں تو غوطہ میں رہا　　　سر اُبھارا جب تو یہ دیکھا کہیں ساحل نہ تھا
دل اُنھیں دیکر کفِ افسوس مَلنا اس سے کیا　　　نیک و بد پہلے سمجھ لینا تو کچھ مشکل نہ تھا

انداز جنوں میں بھی اک رمز ہے پوشیدہ　　　کچھ سوچ کے ہنس دینا پھر نیچی نظر کرنا

حُسن کو لگتے ہیں پر سُرمہ کے دنبالہ سے　　　دیکھ لو آئینہ میں مردمِ بیمار کے پر
سامنے اسکے فرشتوں کے نہ کیوں پر جلتے　　　شمع پر جلتے ہیں جب سیکڑوں پردار کے پر

پھر تو اپنا بھی دماغ عرشِ بریں پر ہوتا
نکل آتے جو کہیں طالبِ دیدار کے پر

کچھ ایسا پھیلا ہے کفر ہر سُو کہیں بھی ایمان و دیں نہیں ہیں
جو کل تھے مذہب کے دل سے قائل وہ آج اہلِ یقیں نہیں ہیں

اک قیامت مچا گئیں آنکھیں　　　شور و فتنہ جگا گئیں آنکھیں
یاد کسکی دلا گئیں آنکھیں　　　ہنس رہا تھا رُلا گئیں آنکھیں
چھپ گئی پردۂ حیا میں نگہ　　　صاف دامن بچا گئیں آنکھیں
قہر، آفت، غضب، ہے کون بلا　　　ہائے ظالم کی کھا گئیں آنکھیں
دیکھو بیمار کو کہ پھیر لی آنکھ　　　نزع میں جی چُرا گئیں آنکھیں

مجھکو ہر بار وہ شرمندۂ احساں کر کے　　　جانے کیوں دل میں پشیمان ہوا کرتے ہیں
دل لگی اور محبت کی ہیں باتیں کچھ اور　　　چھیڑ کے اور ہی سامان ہوا کرتے ہیں

بگولے کیطرح لیکر اُٹھا جب شوق ارماں کو　　　دکھایا راستہ وحشت نے پھر سیدھا بیاباں کو
لیا دستِ جنوں نے بڑھ کے دامن اور گریباں کو　　　بُلایا خیر مقدم کے لئے خارِ مغیلاں کو

ہوں میں تصویرِ مجسم عاشقِ مہجور کی　　　آپ پوچھیں کچھ نہ کیفیت دلِ رنجور کی
اپنی گردن پر نہ لو خونِ تمنا کا عذاب　　　قابلِ افسوس ہے حالت کسی مجبور کی

سوختہ تن کے لئے بات تھی جل جانے کی — شمع نے خاک بھی پروا نہ کی پروانے کی
چشم کے ساتھ جو گردش ہوئی پیمانے کی — ساقی کیا آنکھ لڑی تھی کسی مستانے کی
آپ میری نہ سنیں اور کا دیوان دیکھیں — سرگذشت اس میں بھی ہوگی کسی دیوانے کی
روز افزوں نظر آتا ہے ہجوم ارماں — فکر اب رہتی ہے مہمانوں کے ٹھیرانے کی
اپنی ناکامیِ قسمت کا اثر ہے یاں تک — میں بھلا چاہتا ہوں اور برا ہوتا ہے
دیکھا کرتے ہیں ریاضت میں خلوصِ نیّت — توبہ کر لینے سے کیا مرد خدا ہوتا ہے

رانا - پنڈت سورج پرکاش رینہ صاحب خلف پنڈت سورج نراین رینہ صاحب آپ شہر جے پور میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد پنڈت سورج نراین صاحب اس وقت بمقام لاہور ملازم ہیں اور آپ کے چچا پنڈت چاند نراین صاحب ریاست گوالیار کے دفتر انگریزی محکمہ کسٹمس و ٹریڈیٹس برسر کار ہیں۔ پنڈت سورج پرکاش صاحب کے نانا پنڈت تربھون ناتھ سپرو صاحب المتخلص بہ ہجر تھے۔ جنکا نام نامی دنیائے ادب میں مشہور ہے۔ پنڈت سورج پرکاش صاحب ایک نیک سیرت اور ہونہار جوان العمر آدمی ہیں آپ نے انگریزی میں امتحان بی۔ اے پاس کیا ہے اور ایم۔ اے میں آپ کا سبجکٹ فلسفہ ہے۔ آپ علم دوست اور ترقی علم کے بہت شایق ہیں اور آپ کا وقت زیادہ تر اسی میں صرف ہوتا ہے۔ اسی وجہ سے آپ نے ریاست گوالیار کے انگریزی اسکول میں ماسٹری پسند کی ہے۔ آپ نے شعرائے متقدمین کا کلام خصوصاً اور شعرائے حال کا کلام عموماً بڑے ذوق و شوق سے پڑھا ہے۔ اگرچہ آپ نے کسی استاد کے روبرو زانوے ادب تہ نہیں کیا مگر قدرتی جودت اور خداداد ذہانت آپ کی سچی رہبر ہے۔ آپ کے کچھ منتخب اشعار ذیل میں درج کئے جاتے ہیں۔

سایۂ طوبیٰ ہے سایہ یار کی دیوار کا — خلد ہے فردوس ہے جنت ہے کوچہ یار کا
چاہئے بیمار ابرو کی غذا کے واسطے — پھل ترے خنجر کا اور پانی تری تلوار کا

طرفہ جلوہ ہوگیا پیدا جو پتھر لگ گیا — کعبہ کی دیوار میں بتخانہ کی دیوار کا

ہائے سینچا ہے اسے خونِ جگر سے برسوں — کیوں نہ سرسبز ہو پھر نخل تمنا میرا

رقص بسمل ہے نہیں رقص ستمگر رانا — کیوں بنا رکھا ہے لوگوں نے تماشا میرا

ٹھیرتی ہے دو جگہ میری نظر — چشم نرگس یا چھلکتے جام پر

نام تک میرا نہ جسکو یاد ہو — جان میں دیتا ہوں اُسکے نام پر

مرتا ہوں تری ابروے خمدار کی خاطر — واللہ کہ دم دیتا ہوں تلوار کی خاطر

وحشی ترے کوچے سے بیابان میں نہ جائیں — تلووں کو جو مطلوب نہ ہو خار کی خاطر

عقدہ یہ کھلا دیکھ کے سبزہ تہ نرگس — بیگانہ کو بھی چاہئے بیمار کی خاطر

ملیگی ہم کو شبِ ہجر میں شراب کہاں — اندھیری رات میں ڈھونڈینگے آفتاب کہاں

آرزو کہتی ہے دنیا میں جو پھر آن بنوں — تو کسی دل کا نکلتا ہوا ارمان بنوں

دل سے کہتی ہے نظر تیر سی جاؤں دل میں — جاکے پھر تیر بنوں تیر کا پیکان بنوں

پہلے دل دیتے ہیں پھر جی سے گذر جاتے ہیں
یہی دو کام ہیں عشاق جو کر جاتے ہیں

ناز۔ انداز۔ ادا۔ عشوہ۔ کرشمہ۔ شوخی
انھیں دو چار پہ عاشق ترے مر جاتے ہیں

کون لیتا ہے خبر تیرے دل آزاروں کی
مر گئے مر گئے کہتے ہوے مر جاتے ہیں

شوق کہتا ہے کہ منزل پہ پہنچیے اُڑ کر — عقل کہتی ہے تجھے طاقتِ پر ہے کہ نہیں

خوگرِ کنج قفس ہوں مجھے معلوم ہے کیا — سرزمیں باغ کی آرام کا گھر ہے کہ نہیں

قطرۂ اشک ٹھہرتا ہے سرِ مژگاں پر — کیوں نہ ہو شاخ سے پیوستہ ثمر ہے کہ نہیں

کیا ہوا چہرے پہ گر لالی نہیں — سانولی صورت تری کالی نہیں
کاکلِ شبگوں سے کیسی ہمسری — تو تو اے شب کا کلوٹی نہیں
یہ کسی نے کہہ کے دل واپس کیا — ہم سے ہوتی اس کی رکھوالی نہیں
کیوں کرو رسوا عدو سے آئینہ منگوا کے تم
شیشۂ دل میں مرے تم اپنی صورت دیکھ لو
دل تمہارے پاس ہے نشتر تمہارے پاس ہے
چیر کر دل دیکھ لو دل میں محبت دیکھ لو
وہ بیاباں جو کئی برسوں سے تھے سوکھے پڑے — دیدۂ تر رکے جا بیٹھا گلستاں ہو گئے
دیکھ کر تصویر بولے وہ شہیدِ ناز کی — مرنے والا اب کہاں تصویر ہی تصویر ہے
آہ نے تو کیا ہی تھا رسوا — گریہ نے اور بھی ڈبویا ہے
صبح اٹھکر خیالِ جاناں میں — میں نے منہ آنسوؤں سے دھویا ہے
تیرے ہنسنے پہ برق ہے خنداں — میرے رونے پہ ابر رویا ہے
جوشِ وحشت میں تیرے وحشی نے — ٹکڑے ٹکڑے کئے سلاسل کے
گلِ نرگس کو رکھتا ہے بیدار — آپ گلشن میں سبزہ سوتا ہے
بحرِ غم میں کہ جس کی تھاہ نہیں — دل ہمارا ہمیں ڈبوتا ہے
ہر گردشیں فضول نہیں آفتاب کی — اس کو بھی جستجو ہے کسی ماہتاب کی
مٹنے کے واسطے نہیں ہستی شراب کی — تابش بڑھیگی حشر میں بھی آفتاب کی
مستی میں ذکر آئے شرابِ طہور کا — پیدا ہو تا گناہ میں صورت ثواب کی
دردِ دل لا دوا نہیں لیکن — کون کسکا علاج کرتا ہے
عشقِ حسنِ فرنگ ہے دل میں — یعنی کعبہ مرا کلیسا ہے
آدمی اس جہانِ فانی میں — واسطے زندگی کے مرتا ہے

رعنؔا - پنڈت دوارکا ناتھ رینہ صاحب

ثنائے حق نہیں یارا زباں کا یہاں لب بند ہے نطق و بیاں کا
وہی خالق ہے مخلوقِ جہاں کا وہی ہے ایک مالک این و آں کا
زمیں کا اور اوجِ آسماں کا

لگانا کھینچ کر تیرِ شک پر تماشا دیکھنا تڑپا کے دم بھر
ترحم کیوں ہوا دل پر جگر پر تجھے آتا نہیں کیا اے ستمگر
چلانا تیر کا لینا کماں کا

بہت شرارِ سوزاں نے اٹھایا ہوا کو شعلۂ آتش بنایا
نہ آئے آنچ گردوں کو خدایا اثر نے اپنے آپے کو جلایا
عدو ہے کیا بلا پیر و جواں کا

نظر کوتاہ بیں آنکھیں ہیں معذور وگرنہ ہر طرف ہے مطلعِ نور
جو بل جاتا حقیقی سرمۂ طور پہنچتیں یہ نگاہیں دور سے دور
مخل ہوتا نہ پردہ درمیاں کا

چھپا آنکھوں سے وہ ماہ دل افروز کہ تھا جس سے مرا ہر روز نوروز
جگر میں چبھ گیا اک تیر دل دوز نکلتی ہے دہن سے آہِ پُرسوز
رواں چشمہ ہے چشمِ خونفشاں کا

شمیمِ گل کا اس نے رنگ پایا گیا - جا کر نہ آنا تھا نہ آیا
خبر بھی کوئی ناداں کی نہ لایا قضا نے قفل جس دن سے لگایا
پڑا ہے بند دروازہ مکاں کا

[illegible] پہلی منزل [illegible] نہ اب دم ہے نہ تاب ہوش ہے اول
[illegible]

خلاصہ ہے یہ غم کی داستاں کا

یہ حالت میکدہ کی ہے نرالی کبھی پُر ہے کبھی خالی پیالی
کبھی میکش ہیں ساقی سے سوالی کبھی مست شراب پرتگالی
تصرف ہے یہ سب پیرِ مغاں کا

تلاشِ یار میں پھر پھر کے بن بن تھکے ماندے ہوئے شیخ و برہمن
کسے معلوم عنقا کا نشیمن ہزاروں نام لاکھوں اسکے مسکن
پتہ کیونکر کوئی لے لامکاں کا

مثلث

پہلو میں دل اُٹھا تھا تیرِ نظر ہوا سینہ ہدف ہوا مرا چھلنی جگر ہوا
ہر ناوکِ نگاہ ترا کارگر ہوا

افسوس ہے فغاں کا نہ کچھ شور و شر ہوا نکلا جو منہ سے نالہ تو قفلِ اثر ہوا
وہ تیغ [illegible] دیکھ کے خنجر ہوا

خضرِ طریقِ عشق نہ کوئی ملا مجھے آخر رفیقِ راہ نے دھوکا دیا مجھے
رہزن بنا وہی جو مرا راہبر ہوا

کی جستجو بہت تجھے ڈھونڈھا جہاں جہاں آخر تری تلاش میں سے [illegible]
طائر ہے خیال کا بے بال و پر ہوا

[illegible]
افسوس [illegible] ہوا

اے دل [illegible]
[illegible] ہوا

[illegible]

یہ گھر کسی کا گھر نہ ہوا رہگذر ہوا

انجام کار اپنا سمجھکر خدا کے ہاتھ ہم نے ہزار بار اُٹھائے دُعا کے ہاتھ
غم ٹل گیا زمانہ خوشی سے بسر ہوا

تیرِ نگہ نے اُسکے نکالے ہیں پر نئے لائیں کہاں سے روز نئے دل جگر نئے
جو کچھ ہمارے پاس تھا نذرِ نظر ہوا

ہمکو بھی فخر ہے جو حسینوں کو ناز ہے زلفِ دوتا سے عمر کا رشتہ دراز ہے
برسوں سے چل رہے ہیں تو طے یہ سفر ہوا

دُنیا پہ جو اک عالم سو جان سے مائل ہے یہ سوز کی مجلس ہے یا ساز کی محفل ہے
یہ انجمنِ غم ہے یا بزمِ عنادل ہے

شمشیر بکف ہو کر کیوں سوچ میں قاتل ہے آئے نہ کہیں دل میں "کیا خون سے حاصل ہے
چھوڑو اسے جانے دو یہ رحم کے قابل ہے"

مَیں رحم کا ہوں طالب تو ظلم کا ہے خوگر تیرا بتِ سنگیں دل دل ہے کہ کوئی پتھر
پہلو میں مگر میرے پتھر نہیں یہ دل ہے

اے ایزدِ لاثانی اے قادرِ سُبحانی کرتی ہے تری قدرت پتھر کا جگر پانی
کُہسار کے سینہ میں ترتیبِ مناہل ہے

جبتک جگر و دل ہیں ہے زاد کا سب ساماں توشہ کے بھروسہ پر ہوتا ہے سفر آساں
مشکل رہِ الفت میں کیا دوریِ منزل ہے

جانبازِ رہِ الفت بیداد کو کب روئے ہنستے ہوئے جاں دیدی چُپ گور میں جا سوئے
کہتا ہے عدو جو کچھ بہتان ہے باطل ہے

کچھ صبر کی حد بھی ہے پوچھا مہِ کامل سے اعجاز بیانی کی ایمائے انامل سے
یہ عشق کا دریا ہے اس کا نہیں ساحل ہے

جگت ۔ پنڈت جگت نرائن بھان صاحب (ردیف ج میں صفحہ ۱۹۳ ملاحظہ ہو)

آپ ۱۸۵۱ء میں بمقام دہلی پیدا ہوئے اور ماہ مارچ ۱۹۰۹ء میں بمقام متھرا رحلت گزین بہشت ہوئے۔ پنڈت لچھمی نراین بھان عاجز۔ پنڈت سروپ نراین بھان عاصی ۔ پنڈت ہردے نراین بھان خادم آپ کے فرزندان نامور تھے۔ عاجز اور عاصی کا انتقال ہوگیا ہے۔ جناب خادم لاہور میں قیام پذیر ہیں۔ آپ کے خاندان کے مفصل حالات عاصی اور خادم کے سوانحعمری میں درج ہیں۔ پنڈت جگت نراین صاحب مرحوم نے اپنا شجرہ خاندان چند اشعار میں نظم کیا ہے وہ ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔ (نیز صفحہ ۱۹۳ ملاحظہ ہو)

نخستین شنیدست اندر بزرگ — ازان پس بجگت چو مرد سترگ
بجگتا کرشنم بزرگان من — بخوانند ہر کس چہ مرد و چہ زن
کنون از زبان ہمہ ریختہ — جگت را بہ نارایں آمیختہ
بنا خواندگی پنڈتم خواندہ اند — بہندم چنین ہم زبان راندہ اند
چو باشندۂ شہر دہلی منم — نگر از اف کشمیر آمد ہمی تخم
بہ جیرام پنڈت نژادم رسد — بکشمیر زیں سان نہادم رسد
از اولاد نارایں آمد پسر — کلاہ بزرگی ورا زیب سر
چو شد بخت با ناتھ جی رہنما — بہ پرورد از مہربانی ورا
بعوالی چو باداس پیوند شد — پسر نیک خو و خردمند شد
نخستین پسر نامزد بینی رام — نیابد ہمانے بزرگی بدام
دگر زندہ رام و سوم موتی رام — بزرگان من این ہمہ نیکنام
پدر آن خداوند جے کرشن داس — بیاد شری کرشن میبداشت پاس
بجاہ و بزرگی بزرگان من — نکو نام و ہم سرور انجمن
بزرگم یکے از دگر بیش بود — کنون بیدریغ بے مہ بازی شود

مرا کرده چون چرخ گردنده پست | بر آورده ام پیشِ دادار دست
همه دان بزرگِ جهان است او | که در آشکار و نهان است او
بکرماجِت این راجه در هند گشت | هزار و نهم صد و سی دو گذشت
۱۹۳۲

ولہ

بدن بجلی قیامت قد پری کا | تماشا چشم میں جادوگری کا
جبیں کے ذکر سے کاغذ منوّر | مُصفّا دانت موتی جوہری کا
یہ ہے چینِ جبیں یا تیغ بُرّاں | تبسّم ہے کہ جادو سامری کا
پریشاں دوش پر ہے اُنکا گیسو | یہی باعث ہے میری ابتری کا

انتخاب از قصّہ منظوم موسوم بہ بھاتِ نرسی

کدامی سمت سازم سجده اورا | که باشد شرق و غرب و زیر و بالا
چو اورا ابتدا و انتها نیست | بسویش عقل کامل رہنما نیست
بری از شک و برتر از یقین است | ز جاہل دور و با عارف قرین است
ز وحدت آورد کثرت پدیدار | بجیرانیست اینجا چشمِ بیدار
ندارد در فنا کردن عداوت | کہ فعلِ اوست سرتا پائے حکمت
چہ رحمت کرد بر مخلوقِ جاہل | که پیدا کرد مرشدہائے کامل
طریقِ کردن و ناکردن آموخت | چراغِ نور در ظلمت بیفروخت
نہ اورا نسبتِ خویشی بکس ہست | خداوندِ جہاں فریادرس ہست
چو تفصیلش نہ یارائے زبان است | شنو حرفے که از نرسی بیان است

آغاز قصّہ

چنین گویند دانایانِ اسمار | که نرسی بود مردے سخت نادار
دلش خالی ز جمعِ گنج و اموال | بیادِ دوست ہر دم بود خوشحال

همین اندر بساطش دخترے بود ‌‌ ز دختر نیز دختے گشت موجود
چو بالغ گشت دختِ دختِ خوشروے ‌‌ بپا شد بهر او هنگامهٔ طوے
چنین دادند ایماے به نرسی ‌‌ جهیز آور به آئینِ نیائی
زغیب آمد پدید آنجا یک آدم ‌‌ که مثلش کس ندیده در دو عالم
بدست خود رته زرین همی راند ‌‌ که دریک تگ صبا چون گرد پس ماند
چه گویم نام آن خوشروے پُرزور ‌‌ شده مشهور در آفاق رنچهور
بگوشش او نهاده کلکِ مشکین ‌‌ بیاضے داشت در بر تورآگین
چه گویم وصفِ آن زرتار جامه ‌‌ گهر ریزد بجاے نقطه خامه
بوصفِ طولِ او طبعم برنجد ‌‌ که کاغذ کوته و مضمون نه گنجد
تعالی الله چو کردم وصفِ او سر ‌‌ شده قرطاس پاره کاغذ زر
جواهر تعبیه بر رته چنان بود ‌‌ که گوئی بر فلک سیارگان بود
هر آن کز دور نورِ گوهرش دید ‌‌ به پیشِ چشم او برقے درخشید
حمایل در گلوے باد رفتار ‌‌ تجمل سازندهٔ درہاے شهوار
حمایل گو نبد اندر رناے اسپان ‌‌ ز وصف او تجمل لعل بدخشان
بدین وضع همایون آن کرم کوش ‌‌ رسید آنجا که نرسی بود بیهوش
بیادِ آن کرم کار و خطاپوش ‌‌ پُر از وجد و سماع و خالی از هوش
بهرکس شد مخاطب در زمانے ‌‌ ابفر بود از زبان نکته دانے
به سانول ساه مشهورم در آفاق ‌‌ بگویم قوم گر هستید مشتاق
بگوش هوش بشنوید برهم نام ‌‌ ز نرسی بنده ام من بنده دوام
بهشته دوارکا زین پیش بودم ‌‌ ز الفت در دلش مسکن نمودم
چو نرسی بود چشم در [illegible] ‌‌ نبود آگاه از تشریف آن شاه

بدل مے گفت امداد شہنشاه　　نماید حلّ این عقده بناگاه
چو روز طوی عشرت جلوه گر شد　　بهر خویش و بیگانه این خبر شد
ز هر سو آمدند و جمع گشتند　　همه بزم طرب را شمع گشتند
ندید آن شاه را چون نرسی پیر　　تهی قالب نمود و گشت دلگیر
بآواز حزین و بے قراری　　نمود آغاز این فریاد و زاری
من مسکین ستاده چشم در راه　　بفریادم رسی کے اے شہنشاه
چرا دیر است در تفتیش عالم　　ز درد مفلسی بس پائمالم
کریمان دیر در وعده نه سازند　　با یفائش غریبان را نوازند
اگر زین گونه در وعده کنی دیر　　کشم خود را که از جان گشته ام سیر
محبان دگر را مے نوازی　　و یا در خواب غفلت مست نازی
نمائی تو مگر تعمیر ایوان　　به پیشت آمده شاید شدامان
به کندن پور شاید رفته دور　　ز عشق مرکمنی گردیده رنجور
صدای ناله ام را چون اثر نیست　　ترا بر حالت من چون نظر نیست
نمایم شور و برپا مے برآیم　　بدرد بیکسی بس مبتلایم
پریشان گشته حال من چو سنبل　　منم در عشق تو بلبل تو ئی گل
ز بیم و یاس نرسی بود غمگین　　که آمد آن شه با عزّ و تمکین
چو آمد پیش نرسی آن شہنشاه　　فزودش اعتبار و عزّت و جاه
همه سامان عشرت گشت موجود　　بیک لحظه که آن دلخواه او بود
به چین فضل عمیم آن مکرّم　　چه عزّت داد نرسی را بیک دم
روان شد شاه با نرسی مهتا　　به بزم طوی دخت ماه سیما
به بازار و کوچه نقش بوده　　ملایک بارش گلها نموده

دلِ نرسی درآن ہنگامہ بُد شاد — چنان کاندر چمن گُل خندد از باد
غرض در محفلِ شادی رسیدند — باستقبالِ شان ہر کس دویدند

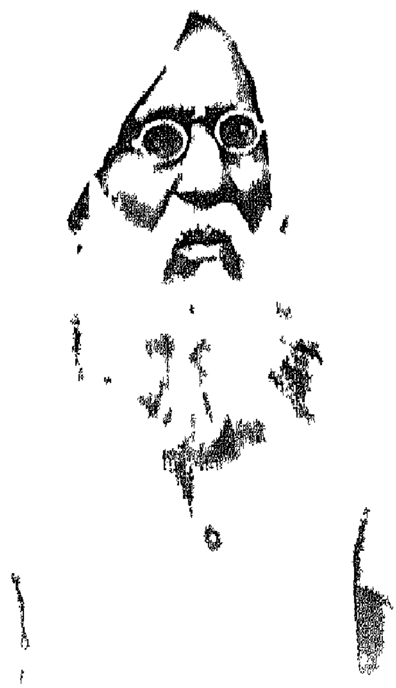
* انتخاب از ترجمۂ شری نارائن کوچ

گزر را بزرگی سراسر دہی — کہ بر پشت او پاے چون گل نہی
بخشکی شری باو نم پاس دار — کہ کم شد ز سرپا بیت این روزگار
زخشندگی و زگردن کشی — تو نا راین و نر بدادم رسی
گناہِ فرشتہ چو سر بر زند — برہ رفتنم این چنین گل کند
پسش انگہ دارد بسینہ نشان — دہم گرگ گشتہ کُن دشمنان
تو اے چکر بھگوان کہ تیزی بدم — بقدمانش بر ہودوتی دمیدم
سپہر تو زصد ماہ داری نشان — بپوشان ہمہ دیدۂ دشمنان
چو نامت بگیرم خداے جہان — ہمہ نیست گردند وہم بے نشان
بنام بزرگ خود از بد مرا — نگہدار واز ساز جنگ اے خدا
ہمیشہ بخود بودہ روز و شب — نہادت ندارد گہے تاب و تب
ہمین راست دانستہ ام اے ہری — ہمہ جا توئی ہر زمانہ توئی
کند دور ترس جہان بیگمان — بزرگ بزرگان بتاب و توان

آزردہ۔ پنڈت پران ناتھ کرنیل صاحب خلف پنڈت بدری ناتھ کرنیل صاحب متوطن لاہور

آپ ماہ اپریل ۱۸۴۸ء میں پیدا ہوئے آپ کے والد کرنیل بدری ناتھ صاحب سردار بہادر کتار پلٹن رجمنٹ نمبر ۳ کی کمانڈ رتھے۔ آپ نے گورنمنٹ اسکول ملتان اور گورنمنٹ کالج لاہور میں انگریزی تعلیم پائی اور ماہ ستمبر ۱۸۶۶ء میں آپ کی شادی ہوئی۔ اُسی سال ماہ دسمبر میں امتحان ایف اے کلکتہ یونیورسٹی میں ناکامیاب ہوکر کالج چھوڑ دیا۔ ۱۸۶۹ء سے شروع ۱۹۰۴ء تک آپ نے محکمہ ڈاکخانہ میں ملازمت کی اور بہت سے فوجی مقامات پر مثلاً

* کلام فارسی بسبب غلطی کے نقل نہیں کیا



پنڈت پران ناتھ کرنیل آزردہ



پنڈت اقبال کشن

راولپنڈی - پشاور - کوئٹہ - بلوچستان میں آپ پوسٹ ماسٹر رہے اور بفضل پرماتما اپنے فرائض منصبی کو آپ نے خوش اسلوبی کے ساتھ انجام دیا اور اغلب تھا کہ بصلہ خدمات آپ کسی اور اعلیٰ عہدہ پر ترقی پاتے مگر چونکہ آپ کو بیجا خوشامد سے تنفر تھا لہذا یہ عادت سدِّراہ ہوئی - آخر میں بہ حیثیت پوسٹ ماسٹر آپ کا مشاہرہ ۵۰۰ روپیہ تھا اور اسی درجہ سے آپ نے پنشن حاصل کی اور خاص لاہور میں اب قیام پذیر ہیں۔

یہ کہہ رہا ہے ضمیر اپنا نہ کوئی میرا نہ میں کسی کا
عجب تماشا یہ میں نے دیکھا نہ کوئی میرا نہ میں کسی کا
عزیز جس کو تھا اپنا سمجھا کیا تھا دل کو نثار جس پر
اسی سے افسوس دھوکا کھایا نہ کوئی میرا نہ میں کسی کا

آمدِ دورِ خزاں سے یہ ہوا گلشن کا رنگ جس کلی کو دیکھئے وہ اب ہے مرجھانے لگی
جوش دل بھی دہ گیا اور وہ امنگیں بھی گئیں اپنی ہستی دیکھئے کیا رنگ ہے لانے لگی
یہ تو آزردہ ہیں سب قانونِ قدرت ہی کے کھیل کیوں ضعیفی سے طبیعت اب ہے گھبرانے لگی
ستم سہنے کی طاقت اب کہاں اسکو رہی باقی دلِ محزوں کو کھا جائیگا غم آہستہ آہستہ — در

پنڈت اقبال کشن در صاحب خلف پنڈت جواہر لال در صاحب

آپ کے والد اور ان کے بھائی پنڈت کنھیّا لال صاحب ریاست الور میں مدت تک تحصیلدار اور دوسرے معزز عہدوں پر سرفراز رہے پھر بھرت پور میں بسلسلۂ ملازمت قیام رہا - یہ خاندان دہلی کا رہنے والا تھا غدر ۱۸۵۷ء کے بیس برس بعد تک دہلی سے تعلق منقطل رہا پھر در صاحب کے والد امبالہ چلے گئے جہاں سمت ۱۹۲۴ بکرمی میں پنڈت اقبال کشن صاحب پیدا ہوئے وہیں آپ نے ہوش سنبھالا اور انگریزی کی تعلیم حاصل کی مگر تعلیم کی تکمیل دہلی اور اودھ میں ہوئی - پنڈت اقبال کشن صاحب کا سلسلۂ ملازمت ریاست جموں و کشمیر سے وابستہ رہا۔ جہاں آپ مختلف محکموں میں مامور رہنے کے بعد ڈپٹی اکونٹنٹ جنرل کے اعلیٰ عہدے سے پنشن یاب ہوئے

پندرہ سولہ سال کی عمر سے شعر و سخن کا چسکا پڑ گیا جو شعر گوئی کی شکل میں ارتقا پذیر ہوا۔ نازک مزاجی اور مشکل پسندی نے کسی استاد سے مشورۂ سخن کی اجازت نہ دی۔ خود ہی لکھ کر نظرثانی کرتے رہے۔ مگر ہاں ادیبوں اور نامور شاعروں کی صحبت سے پورا استفادہ حاصل کیا۔ مذاقِ سخن صحیح اور اسلوب نہایت شستہ پایا ہے۔ فکرِ سخن کم کرتے ہیں مگر جب اور جس قدر کہتے ہیں خوب کہتے ہیں۔ معائبِ سخن سے بہت بچتے ہیں۔ نظمیں عموماً واقعاتِ حاضرہ سے متعلق ہوتی ہیں اور غزلیں احساسات و جذباتِ عالیہ کی حامل۔ خاص صحبتوں کے سوا اپنا کلام کم سناتے ہیں۔ لالہ سری رام مرحوم (مولفِ خمخانۂ جاوید) جناب ساحر و کیفی کی صحبتیں آپ کا خاص حلقۂ اخلاص و ادب ہے۔ لالہ صاحب موصوف کے خاندانی اور خیراتی ٹرسٹ کے صدر ہیں۔ آجکل کشمیر اور دہلی میں قیام رہتا ہے۔ آپ کے بڑے صاحبزادہ پنڈت مہاراج کشن بی۔اے۔ ایل ایل۔ بی ریاست کشمیر میں سب جج ہیں۔ چھوٹے صاحبزادہ پنڈت جگموہن کشن ریلوے بورڈ کے شعبۂ نشر و اشاعت میں ملازم ہیں۔

اللہ اللہ رے کشمیر کی تاثیرِ بہار ۔۔۔ پتی پتی ہے ہر اک پھول کی تصویرِ بہار

ہاں اگر سبزۂ نورستہ ہے تحریرِ بہار ۔۔۔ جنبشِ برگِ گلِ تازہ ہے تقریرِ بہار

کیا نظارہ ہے کہ پھولوں سے کنول کے گویا ۔۔۔ سارا ڈل[1] بن گیا آئینۂ تصویرِ بہار

ڈل کے پھولوں پہ شبِ ماہ نے برسایا نور ۔۔۔ موسمِ گل میں چمک اٹھی ہے تصویرِ بہار

جو ہے فصلِ گلِ کشمیر کا دلدادہ ہے ۔۔۔ تم ہی تنہا نہیں اک عاشقِ دلگیرِ بہار

زاہدِ خشک ہوا جام و سبو سے مانوس ۔۔۔ کچھ خطا ابر کی تھی کچھ ہوئی تقصیرِ بہار

جسکو دیکھو وہی دلدادۂ فصلِ گل ہے ۔۔۔ پڑ گئی پاؤں میں دیوانوں کے زنجیرِ بہار

فصلِ گل قسمتِ کشمیر ہی میں تھی کے قسم ۔۔۔ رک گیا بس قلمِ کاتبِ تصویرِ بہار

سیرِ گلشن کو گیا میں جو بغیر اس گل کے ۔۔۔ موجِ بادِ سحری بن گئی شمشیرِ بہار

شوقِ صید افگنی کشمیر میں لایا تھا مگر ۔۔۔ بن گیا صیدِ فگن آپ ہی نخچیرِ بہار

غنچۂ دل نہ کھلا موسمِ گل میں بھی کبھی ۔۔۔ نہ ہوئے ہم کبھی شرمندۂ تاثیرِ بہار

---

[1] ڈل۔ سرینگر کشمیر میں ایک بڑی بھاری جھیل ہے۔

گائے

باعثِ زندگی دہر ہے تیری خلقت　　تو وہ اک رتن ہے جسکی نہیں کوئی قیمت
تری صورت سے ہے ظاہر ترے دل کی اُلفت　　کونسا دل ہے وہ جسمیں نہیں تیری عظمت

کرشن مہاراج جی جنگل میں چراتے تھے تجھے
بنسری کی مدھر آواز سناتے تھے تجھے

نرمیِ دل کا اک عنوان ہے صورت تیری　　رس بھری آنکھوں سے پیدا ہے محبت تیری
کھینچ لیتی ہے نظر موہنی مورت تیری　　بس گئی ہے رگ و پے میں مرے اُلفت تیری

اپنی عزت ہے جو ہم کرتے ہیں تیری خدمت
فرض ادا کرتے ہیں گر کرتے ہیں تیری عزت

جوڑ بند اور کنوتی تری زیبا و بجا　　ہے ہر اک عضو بدن نور کے سانچے میں ڈھلا
یہ عقیدہ ہے ہمارا کہ تو ہے نورِ خدا　　ہم سے تعریف تری ہو نہیں سکتی اصلا

سر کی شاخوں سے دو بالا ہوئی چہرہ کی بہار
دو مہ نو ہیں ترے چاند سے چہرہ پہ نثار

چشمۂ فیض ہے یا دودھ کا تو ہے دریا　　دہر میں تو نے ہی امرت کی بہائی دھارا
ہاں تری ذات سے ہوتا ہے مگر سب کا بھلا　　وہ برا ہے تجھے جس نے نہیں سمجھا اچھا

مانتے ہم ہیں مگر قابلِ تعظیم تجھے
تیری مٹی کی ہی مورت ہو تو پوجیں ہم اسے

ننھے سے بچوں کو کمزور جو دیکھا ہم نے　　تیرا ہی دودھ تھا اُن کو جو پلایا ہم نے
تیری طاقت سے نحیفوں کو سنبھالا ہم نے　　اور ترے فیض سے ان بچوں کو پالا ہم نے

ضعف و کمزوری سے جو بچے ہوئے تھے بیحال
دودھ سے سینچ کے تیرے ہوئے وہ پودھے نہال

اے مری مشفق و محسن تو ہے جانِ عالم　　منبع جود و سخا روحِ روانِ عالم
فیض پاتا ہے ہر اک پیر و جوانِ عالم　　کیوں نہ ہم تجھکو کہیں فیض رسانِ عالم

کونسا سر ہے کہ جس پر نہیں احساں تیرا
فیض ہر ہندو و مسلم پہ ہے یکساں تیرا

فرض یہ ہے کہ گئوشالہ بنائیں مل کر　　غور و پرداخت تری ہوئے جہاں مسلم و ہنو
کوئی تدبیر بن آتی نہیں صاحب بے زر　　سُن کے تقریریں ہیں خوش وال ہوتا ہے ضد

قصہ خوانی یہ ہے دراصل مگر کچھ بھی نہیں
سل ہے پتھر کی یہ دل اس میں اثر کچھ بھی نہیں

ہے نشاط انگیز فصلِ گل پر اس گل کے بغیر　　کم نہیں ہے نیش خنجر سے موجِ بوئے گل
عاشقِ گل پیرہن ہوں مجھکو ہے زیادہ عزیز　　موجِ بادِ صبح جاں پر ور ہے موجِ بوئے گل
کس بلا کی ہے شگفتگی کہ نکلی بیجا ندہ کر　　باغ کی دیوار سے اوپر ہے موجِ بوئے گل
مانی مجلس کس قدر ہے کیف اور تاثیر میں　　موجِ بوسہ بادۂ احمر سے موجِ بوئے گل
آج اس بزمِ سخن میں گل ہوے کس پہ نثار　　آج صدقے ہو گئی کس پہ ہے موجِ بوئے گل

واہ رے فیض گلستانِ گلابِ کاشمیر
یاں نکلتی ہے ہر اک پتھر سے موجِ بوئے گل

دلِ بیتاب اب یہ نالۂ آتش فشاں کب تک　　غم سوز دروں کب تک غم عشق بتاں کب تک
نگہ صیاد کی اک دن پڑے گی بجلیاں بن کر　　غرض اس شاخِ گل پر بچ سکے گا آشیاں کب تک
مٹے گا اک نہ اک دن دل سے ذوقِ سوزشِ پنہاں　　الم پروردہ دل تاب و تپ سوزِ نہاں کب تک
ہمارے دم کے ساتھ اک دن انھیں بھی ختم ہونا ہے　　وفائے دوستاں کب تک جفائے دشمناں کب تک

دسمبر ہی ہے مجھے یاد تری یہ پیغام　　فصلِ گل آ گئی پی بادۂ نابِ گلفام
تری ابر سیہ میں ہے مجھے یہ بھی وحشت　　عوضِ ساغرِ زرین گری دود تہ جام

آبشاروں کا ترنم ہے مرے دل کا علاج　　چارۂ دردِ جگر گرمیِ رقصِ اصنام
پھر ہے تارِ رگِ تن سے ترنم پیدا　　کیا عجب پھر جو مجھے ہو ہوسِ ساغرِ جام
پھر تماشائے تجلی ہے مجھے مدِ نظر　　بن گیا آئینۂ حسنِ صنم ہر در و بام
پھر دلِ زار ہوا وقفِ ہجومِ ارماں　　پھر مرا سینہ بنا مسکنِ رنج و آلام
شمعِ کشتہ ہے دل سوزِ جگر سے روشن　　گرمیِ طبع سے سر میں شرر افشاں اوہام
پردۂ چشم میں خوابیدہ ہے جوشِ طوفاں　　موج کی تہ میں ہے طغیانیِ بحرِ آلام

"جنگ" اس نظم کے چند بند ملاحظہ ہوں

زباں پہ آئی ہے کچھ دل کی بیقراری آج　　صریرِ کلک سے پیدا ہے آہ و زاری آج
غضب کی تیز ہوں پر ہے زباں ہماری آج　　دلِ عدو پہ چلیگی چھری کٹاری آج
کوئی نہ سمجھے کوئی یہ بھی اک کہانی ہے
بیانِ جنگ ہے یہ اور مری زبانی ہے

سوال پر ہے عدو کے جواب میں تلوار　　ہوئی ہماری بھی داخل ثواب میں تلوار
کبھی ہے دوش پہ اور گاہے ڈاب میں تلوار　　ہمارے ہاتھ سے ہے کس عذاب میں تلوار
ہمارے قبضہ میں حاضر جواب ہے تو یہ ہے
جو قاطعِ سپرِ آفتاب ہے تو یہ ہے

اسی کے دم سے تو ہمکو ہے اب امیدِ رفاہ　　اُڑائیگی یہ سرِ فوجِ دشمنِ بدخواہ
اسی کے ہاتھ دمِ جنگ ہے ہمارا نباہ　　یہی نکالیگی فتح و ظفر کی کاٹ کے راہ
یہی مصاف کے میداں کو لال کر دیگی
یہی تو فوجِ عدو پائمال کر دیگی

غضب کی تیزی سے چلتی ہے تیغ اعدا پر　　اُڑا یا شانہ گرا پانوں پر کسی کا سر
پری کی طرح سے اُڑتی ہے تیغ ادھر سے اُدھر　　جو پہنچی ہاتھ پہ مصدوم کی کسی کی کمر

کٹے پرے کے پرے صاف اس نے اک دم میں
ہوئی روانی کی دھوم اُس کی ایک عالم میں

عدو کی فوج کو کرتی ہے ایک دم میں قلم — خمیدہ پشت ہے کاہیدہ تن ہے اسپہ دم
دکھائی ہے یہ خمیدہ کمر ہی راہِ عدم — یہی ہے ماتا ہے جس کا لوہا اک عالم
قدم عدو کے یہی ہے اُکھاڑنے والی
یہی ہے صورتِ جرمن بگاڑنے والی

پیئے گی خون عدو کا وہ یہ ہے تشنہ دہاں — لہو جو چاٹیگی اسکا وہ یہ ہے تیز زباں
وہ یہ ہے کرتی ہے جوہر جو اپنے دم میں عیاں — وہ یہ ہے فوج عدو جس سے مانگتی ہے اماں
یہی ہے برقِ اجل اور یہی ہے قہرِ خدا
اسی کا نام فنا ہے اسی کا نام قضا

کشمیر اور قومی نوجوانوں سے خطاب

اس نظم کے چند بند ملاحظہ ہوں

ہوائے گلشنِ کشمیر کی ہے یہ تاثیر — کہ تازگی سے شگفتہ ہے ہر گلِ تصویر
تمام روئے زمیں پر نہیں ہے اسکی نظیر — یہاں کی خاک کے ذرے ہیں رشکِ ماہِ منیر
زمیں نرالی ہے اور آسماں نرالا ہے
ہمارے ملک کا دنیا میں بول بالا ہے

نسیم گلشنِ کشمیر روح پرور ہے — یہ وہ مقام ہے فردوس کا جو ہمسر ہے
یہ حظ بس ہوا ہاں جسے میسر ہے — بڑا نصیب ہے اُس کا بڑا مقدر ہے
یہ ہمنے مانا ولایت بھی ہے بہت مشہور
مگر وہ بات کہاں کاشمیر کی سی حضور

یہاں کا چشمۂ شاہی ہے چشمۂ کوثر — نشاط باغ بھی باغ ارم کا ہے ہمسر

تمام خطہ میں دیکھو جدھر اُٹھا کے نظر — عجب طرح کے یہاں دلفریب ہیں منظر

ہنسا رہی ہے گلوں کو کھلا کھلا کے نسیم

لٹا رہی ہے گلوں کو ہنسا ہنسا کے نسیم

کہاں ہے دہر میں یہ لطف باغ شالا مار — کہاں شگوفۂ بادام و یاسمن کی بہار

کہاں سفیدوں کی دیکھی ہے یہ قطار قطار — کہاں چناروں کے پتوں کی ہر طرف جھنکار

بنا کے صانعِ قدرت نے گلشنِ کشمیر

کہا کہ دہر میں ہوگی نہ کوئی اسکی نظیر

خطا معاف دلاتا ہوں تم کو اپنی یاد — وہی ہیں ہم کہ جو کشب رشی کی ہیں اولاد

ہو کس طرح سے فراموش مجھکو اسکی یاد — اسی ہوا میں پلے ہیں مگر مرے اجداد

پوتر بھومی بنائی یہ راج رشیوں نے

ہمارا دیس بسایا انھیں بزرگوں نے

یہی زمین تو ہے جو ہماری ماتا ہے — اسی نے گود میں ناز و نعم سے پالا ہے

اسی کا مرتبہ دنیا میں سب سے اعلیٰ ہے — یہی جگہ ہے جو سارے جہاں سے اعلیٰ ہے

کہینگے ڈنکے کی چوٹ اس میں کچھ حجاب نہیں

ہمارے خطۂ کشمیر کا جواب نہیں

ہمارے جسم میں رشیوں کا ہے لہو ابتک — وہی ہے رنگ ابھی تک وہی ہے بو ابتک

دماغ تازہ ہیں ابتک وہی ہے خو ابتک — یہ کیا۔ نہ ہو جو ترقی کی آرزو ابتک

یہاں کے آدمیوں پر گر ذرا جلا ہو جائے

یقین جانیئے دنیا میں اک ضیا ہو جائے

ہماری قوم کے یاں جمع ہیں جو لخت جگر — یہی ہیں آنکھوں کے تارے لگے نہ ان کو نظر

جو یہ بھی سیکھ لیں اک اتفاق کا منتر — تو اُڑ کے پہنچیں ترقی کے آسمانوں پر

وقار اُن کا زیادہ ہو اور بڑھے اعزاز
وجود ان کا ہو سب کی نظر میں مایۂ ناز

تمام قوم کو تم سے ہے اب امید رفاہ — تمام قوم کی پڑتی ہے آج تم پہ نگاہ
تمام قوم کا اب حال ہو چکا ہے تباہ — تمام قوم کا اب ہے تمہارے ہاتھ نباہ

ہوئے ہیں برف سے پیری میں تن ہمارے آہ
سپید بالوں کی اب شرم ہے تمہارے ہاتھ

دعا یہ ہے کہ جوانانِ گلشنِ کشمیر — سپہرِ علم پہ چمکیں مثالِ بدرِ منیر
زباں میں انکی ہو اس طرح قوتِ تسخیر — نگاہ شوق میں جیسی کہ ہوتی ہے تاثیر

دعا یہ انکے لئے صبح و شام ہے میری
نصیب انکو ہمیشہ ہو بخت فیروزی

مقام سجدہ کا جب تک ہے ہر کسی پر بت — دلوں میں کعبہ ہو انکی تا رہے عظمت
نظر میں جو آلا جی جبتک ہیں تا ابد بخت — دلوں میں شنکراچاری کی تا رہے وقعت

ہمارے ملک میں چلتی رہے نسیم بہار
ہماری قوم کا پھولا پھلا رہے گلزار

حضور والیٔ جموں و تبت و کشمیر — ہیں جنکے اہل تکلم پہ لطف و فیض کثیر
رہیں مدام درخشاں مثال ماہ منیر — ہمیشہ ان پہ رہے سایۂ خداے قدیر

انھیں ہو قادرِ مطلق سے عمر خضر عطا
ہری بھری رہے شاخِ گلِ گلاب سدا

درویش - پنڈت رام ناتھ تنّی صاحب (نیز صفحہ ۱۰۳ ملاحظہ ہو)

در دل غم جانگزا است مارا — جان کم رو فنا است مارا
دل در شب تار زلف ازو رو — کے نعرہ زدن روا است مارا

من خون خورم او رسد بپایش　　پرخون جگر از حناست مارا
دردا کہ غم و خیالِ مہجور　　دردیست کہ بے دواست مارا
دستے بہ جگر نہادہ مردن　　پوشیدنِ داغہاست مارا
برہمزنِ خانمانِ ناموس　　دربردہ دلِ بد بلاست مارا
نشتر مزن اے طبیب نادان　　کاین دردِ جگر دواست مارا
رخ زردی و حالتِ پریشان　　رنگ رخِ مدعاست مارا

درویش نیاز و خاکساری
سرمایۂ بے بہاست مارا

بشارت سنگ طفلان را جنون در سر شود پیدا　　بصحرا مژدہ ہا سیلاب چشم تر شود پیدا
زلیخا شعلۂ آہِ جہان سوز ار شود پیدا　　زمین تا آسمان انبار خاکستر شود پیدا
خلش دیدان بدردِ دل فزاید خوش تماشائیست　　کہ صندل بر جبین مالیم و درد سر شود پیدا
نباشد تا بدل دردے زبان سوزی نمی یابد　　فسان ناکردہ از شمشیر کے جوہر شود پیدا
نہد محراب ابرو طاق چشم و مصحف عارض　　چو خالِ جبہ اش کے صاحب ہنر شود پیدا
بہ ضبط سوزِ عشق آہے نخواہد از لبم سرزد　　برنگ شمع گو دودِ دلم از سر شود پیدا
یک لحظہ برکش از رخ زیبا نقاب را　　تسکین دہیم تا دلِ پُر اضطراب را
جانان بیا و برفگن از رخ نقاب را　　بس کن حیا و کار مفرما حجاب را
رخسارِ یارِ ما نہ پسندد نقاب را　　آرے چہ حاجت است حجاب آفتاب را
بریان ندید گر دلِ پُر التہاب را　　از بہر چیست لعل در آتش کباب را
ناصح مرنج و کار مفرما عتاب را　　دادیم جا بدل غم خانہ خراب را

درویش این غزل بہ حریفانِ خود نما
ببینیم تا کہ حوصلہ دارد جواب را

من ازین بگذشتم و زان نیز هم — تن بحق بسپردم و جان نیز هم
ای حبیب مهربان فکری دگر — دردم از کف رفت و درمان نیز هم
اول هر کار دنیا رنجهاست — در همه عیش است پایان نیز هم
سوختم داغ بلندان بر جبین — دوختم چشمی بر ایمان نیز هم
مطلب دل آخرا حاصل نشد — حسرتی بردیم و ارمان نیز هم

ولہ

نازم غمش که سوخت دل و نیز جان مرا — باری نمانده هیچ غم این و آن مرا
رخ زردم از فراق و زغم سینه لاله‌زار — حاصل بود چه طرفه بهار و خزان مرا
با بیخودیست مژدهٔ جان‌بخش بعد مرگ — کاهنگ تار سر زند از استخوان مرا

ولہ

برباد داده ام بفراق تو خانه را — جانان بیا و کار مفرما بهانه را
خالش به پیچ زلف گرهگیر کرد اسیر — مرغ دل پیچیده تر دام و دانه را

ولہ

بزم آتش سخنی مطلع دیوانم سوخت — حاسد از سوزش بر معنی پنهانم سوخت
اندرین سینهٔ سوزان دل خرم گویاست — آن خلیلم که به آتشکده نتوانم سوخت
عشق آمد پی جان بردن و در سینه نیافت — فکر آزردگی خاطر مهمانم سوخت
چرخ دود دلیست که از شعلهٔ آهم برخاست — مهر داغیست که آه شرر افشانم سوخت
شهرهٔ نار جحیم از چه به عالم افتاد — گر چراغش نه ازین سینهٔ سوزانم سوخت

ولہ

آشنا شد آه و دردا ز ... یار خود را — بکف جنون سپارد دلم اختیار خود را
همه تن ز عین ... شود آب ابر باران — ... اشاره چشم تر قطره بار خود را

ولہ

تو که دم از جانانه دارم شب ... — ... خواهم ز ... دگر
... ز دود ... جام غم خواهد ... — ... جنون ... سودای دگر
دل در غم او ... چشم به ... — ... با جنون ... دار ... دگر
ز اسلام ... پوشیده ام ... — ... زلف چلیپای دگر

آمد خیالِ دلبرم یارب کجا جایش دہم | دل خواہدش در بر نہم جان میزند رائے دگر
گہ خندد از یادِ بتان بر لب سگے دار و فغان | امشب دلم دیوانہ سان دارد تماشائے دگر

شیرین و غذرا دیگر و آنجان دلارائے دگر
فرہاد وامق دیگر و درویش شیدائے دگر

گو ہمسرت اے نازنین کس نیست بر روئے زمین | مانند درویشِ حزین ہم نیست شیدائے دگر
تا جدا افتادہ از زلفِ تو اے جانانہ ام | دلم خشک ہر جا خار در پہلو بسان شانہ ام
سرد بازارِ جہانِ بیخودی را مژدہ باد | ہست گرم سر زدن ہا نالۂ مستانہ ام
خلق گوید دم ندانی فرقِ بیگانہ ز خویش | آرے آرے ہمچنین از خویشتن دیوانہ ام
جز دو باعث نیست باہم ترکِ دیرین رسم و راہ | یا جنون ورزد دلم را یا کہ من دیوانہ ام
دورم از یارانِ رنگین دیارِ خویشتن | دلم گریہ می آید مرا بر حالِ زارِ خویشتن
اندران ویرانہ آبادم کہ غیر از بیکسی | نے کسے و مسازنے کس غمگسارِ خویشتن
اے فراموشی شعاران گو نیادم آورید | یاد میدارم فراموشی شعارِ خویشتن
اے دلِ نالان خموش کز اہل گوشِ روزگار | کس نمیدارد سرے جز فکر کارِ خویشتن

درویش۔ پنڈت رام ناتھ ٹیمنی صاحب خلف پنڈت گلاب رائے صاحب

آپ کے والد پنڈت گلاب رائے صاحب ریاست دھار (مالوہ) کی طرف سے ایجنسی اندور میں وکیل رہے اور جناب درویش نے اوّل پولیٹکل ایجنسی مانپور (نماڑ) میں پولیٹکل ایجنٹ صاحب کی پیشی میں منشی گری کی خدمت انجام دی۔ زاں بعد کھنڈوہ اور دیگر مقامات میں بعہدۂ تحصیلداری مامور رہے کھنڈوہ سے مستفید پنشن ہو کر آپ دہلی میں آکر قیام پذیر ہوئے اور وہیں ساٹھ سال کی عمر پاکر رہگرائے عالم جاودانی ہوئے۔ آپکو شطرنج کا شوق بیحد تھا اکثر آپکی شطرنج کے نقشے یورپ تک گئے تھے۔ مہاراجہ صاحب ہلکر والی اندور اور مہاراجہ صاحب سیندھیا والی گوالیار کی سرپرستی کا آپکو فخر حاصل تھا۔ آپنے چند قصائد ہر دو مہاراجگان کی ثنا و صفت میں پیش کئے تھے جنکے صلہ میں آپکو خلعت و انعام سے سرفراز کیا گیا تھا۔ آپ فارسی کے عالم و فاضل تھے۔ افسوس ہے کہ آپکا کل کلام ضائع گیا مگر جسقدر دستیاب ہوا درج تذکرہ کیا گیا اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ شعرائے فارسی میں آپکا پایہ بقدر بلند ہے۔ آپکی دختر سندرانی جی نہرو بیکنٹھ باسی پنڈت نندلال نہرو صاحب مرحوم کی زوجہ محترمہ تھیں۔

شاکر - پنڈت شیوناتھ کول بقایا صاحب (نیز صفحہ ۴۸۸ ملاحظہ ہو)

جس دم نقاب رخ سے اُٹھا دے یار کا — دیکھا کرشمہ قدرتِ پروردگار کا
تجھ سے یہی ہے عرض کہ انجام ہو بخیر — تیری نگاہِ لطف کے امیدوار کا
آنکھوں میں مثلِ سرمہ کے شاکر میں کھینچ لوں
ہاتھ آئے گر غبار مجھے پائے یار کا

مرتے دم بنجائے میرا کام کاش — وقت آخر لب پہ ہو وہ نام کاش
ناپ لیتے ہم زمین و آسماں — کچھ ٹھہرتی گردشِ ایام کاش
پھر نہ آتا کوئی غم شاکر کے پاس — تو نہ ہوتا اے دلِ ناکام کاش

کوئی تیغِ نگہ کا وار کر دے — محبت سفاک بیڑا پار کر دے
غمِ دنیا و عقبیٰ بھول جاؤں — مئے دیدار سے سرشار کر دے
شبِ وصل آج ہے تو کل شبِ فصل — جو چاہے چرخِ ناہنجار کر دے
قیامت میں چلے گر دو قدم وہ — قیامت ہی دمِ رفتار کر دے
الٰہی شاکرِ مسکیں کا مسکن
زمینِ کوچۂ دلدار کر دے

وہ دل میں ہے جس کی تجھے آرزو ہے — عبث کعبہ و دیر میں جستجو ہے
فدا تجھ پہ ہوں میں کہ اے پھول تجھ میں — کسی گل کی رنگت کسی گل کی بو ہے
نکل آئی مے خم سے یا ہو اچھل کر — کہ دستِ حنائی میں آ کے سبو ہے
من و تو کے جھگڑے میں سب مبتلا ہیں — حقیقت تو یہ ہے نہ میں ہوں نہ تو ہے
تو ہے پردہ در پردہ پردے کے اندر — کہ پہلو میں ہے میرا دل دل میں تو ہے

غمِ فراق غمِ روزگار دیکھینگے — جو تو دکھائے گا پروردگار دیکھینگے
جو آپ غور کرینگے تو بس حباب آسا — قیامِ زندگی مستعار دیکھینگے

محل کے کھینچے دنیا کی سیر اے شاکر
اسی طرح اسے کیا بار بار دیکھینگے

مرے ویرانۂ دل میں جگہ ہے آہ سوزاں کی — قلق کی یاس کی اندوہ کی حسرت کی حرماں کی
شبِ تاریک میں صورت ہوئی رخسارِ جاناں کی — قمر کی مشتری کی زہرہ کی خورشید تاباں کی
بچے دل اُس سے کیا تاثیر ہو جسکی نگاہوں میں — سناں کی نیمچے کی تیغ کی دشنہ کی پیکاں کی
بہارِ کوچۂ دلدار پر تشبیہ ہوتی ہے — ارم کی خلد کی دارِ جناں کی باغِ رضواں کی
دلِ پُر داغ کو رہتی ہے دھن طاؤس کی صورت — ہُوا کی فصلِ گل کی ابر کی بجلی کی باراں کی
یہ مانا خوشنما ہے چاند پر خوبی کہاں اُس میں — جبیں کی خال کی عارض کی خط کی زلفِ پیچاں کی
دلِ بیکس ہمہ تن شوق سے تم برچھیاں مارو — اشارہ کی کنایہ کی نگہ کی نوکِ مژگاں کی
مئے الفت ہے وہ مے جس پہ نیت سب کی رہتی ہے — مجوسی کی یہودی کی نصارا کی مسلماں کی

دمِ رحلت دو جانب برہمن اور شیخ بیٹھے ہیں
الٰہی آبرو رہجائے اب شاکر کے ایماں کی

پڑتی ہے مجھپر نگاہِ یار اُٹھتے بیٹھتے — سہ رہا ہوں برچھیوں کی مار اُٹھتے بیٹھتے
مرتبہ ابرِ بہاری کا گھٹایا ہجر میں — خوب برسی چشم گوہر بار اُٹھتے بیٹھتے
وہ سنا دیتے ہیں اپنے عاشقِ ناکام کو — چلتے پھرتے چار تو دو چار اُٹھتے بیٹھتے

شاکرِ ناکام میرا نام آخر پڑگیا
یہ بھی ہے کوئی بھلا گفتار اُٹھتے بیٹھتے

نام اپنا کوئی توان میں سے رکھنے دے مجھے — ماہِ تاباں گر نہیں مہرِ درخشاں تو سہی
داورِ محشر کے آگے حشر میں اے فتنہ گر — میرے ہاتھوں میں نہ ہوے تیرا داماں تو سہی

قتل پر شاکر کے اے قاتل نہ کر اتنا غرور
پنجۂ شل ہو نہ جاے تیغِ براں تو سہی

نوحہ انتقال پُر ملال سرہنت حضور پر نور ہزہائنس مہاراجہ سرمادھوراو صاحب سندھیا عالیجاہ بہادر والی ریاست گوالیار

حیف صد حیف یہ کیا رنگ فلک نے بدلا غم کی بدلی ہے غضب رنج کی چھائی ہے گھٹا
تیرہ و تار نظر آتا ہے لشکر سارا پتے پتے پہ ہیں آثار خزاں کے پیدا
جسکو دیکھو وہ ہے تصویر مجسم غم کی
کہیں آواز الم سے ہے تو کہیں ماتم کی

بزم عشرت سے گیا شمع پُر نور کا نور کیف گل سے گیا۔ نکہت ہوئی گل سے کافور
آنکھ سے نور گیا۔ دل سے گیا سور و سرور فاختہ سرو سے۔ گلشن سے ہے بلبل مہجور
مادھو مہاراج کا سایہ جو اٹھا عالم سے
سینہ ہر ایک کا ہے چاک غم و ماتم سے

سن ۲۵ کی چھ جون کو ہنگام سحر صورت تیر جگر دوز جو پہونچی یہ خبر
سنتے ہی اسکے وہ برپا ہوا شور محشر بیکسی کا نظر آنے لگا عالم گھر گھر
سر برہنہ ہے کوئی۔ سر بگریباں کوئی
غم سے نالاں ہے کوئی۔ رنج سے گریاں کوئی

در و دیوار سے حسرت سی برستی ہے آج سونی سونی سی یہ سب شہر کی بستی ہے آج
نہ وہ پہلی سی خوشی ہے نہ وہ مستی ہے آج نہ وہ صحبت ہے نہ وہ بادہ پرستی ہے آج
نہ وہ دل ہے نہ طبیعت نہ وہ ہمت نہ وہ جوش
ایک سکتے کی سی حالت میں پڑا ہوں خاموش

مادھو مہاراج سا فرزانہ نہ پیدا ہوگا کبھی ایسا نہ ہوا اور نہ ایسا ہوگا
لوگ اکثر ہیں پریشان کہ اب کیا ہوگا کون غمخواروں کا اب پوچھنے والا ہوگا
صورت کشتی طوفاں زدہ ہر ایک ہے اب
ناخدا ہے نہ محافظ ہے کوئی ہائے غضب

عادل و باذل و فیاض و سخن سنج و سخی　　عالم و منتظم و عاقل و دانا و غنی
صاحب دبدبہ و شوکت و ذی بخت و ذکی　　مالکِ مملکت و زیب دہِ تاجِ شہی
مادھو مہاراج کے اوصاف ہوں کیا مجھ سے بیاں
ناطقہ بند ہے۔ دل بھی ہے نہایت حیراں

ہے دعا دل سے مری اب تو یہی شام و سحر　　روز افزوں ہو سری یوراج کو ہو دولت و فر
سرِ اقدس پہ رہے ظلِ خدائے اکبر　　درِ دولت پہ رہے صحبت اقبال و ظفر
ہو مبارک انھیں اب دورِ حکومت اپنا
رنگ دکھلائے نیا دولت و حشمت اپنا

علم میں حلم میں حکمت میں نہ ہو انکی مثال　　عدل میں بذل میں پورا انھیں حاصل ہو کمال
عقل میں شکل میں ہر روز ترقی ہو کمال　　رزم میں بزم میں شاہوں کا رہے ناطقہ لال
ان کے قدموں میں رہے دولتِ دنیا شاکر
جا بجا گنجِ زر و سیم ہوں پیدا شاکر

شمیم۔ پنڈت شیونراین رینہ صاحب (نمبر صفحہ ۵۰۲ ملاحظہ ہو)

کوئی نہیں ہے حد ستم بے حساب کی　　تعلیم یونیورسٹی خانہ خراب کی
مانا حصول علم پہ ہے زندگی کا حصر　　ہستی وہ کیا کہ ہو جو مشابہ حباب کی
مہر پدر سے بڑھ کے ہے تادیب اُستاد　　لیکن نہ اتنی جس سے ہو صورت عذاب کی
انٹرنس فرسٹ آرٹس میں پیسی ہیں چکیاں　　ناگفتہ بہ ہے کیفیت اس پیچ و تاب کی
جبر و مقابلہ ریاضی و تاریخ و فلسفہ　　معجونِ فلسفہ ہے ہمارے شباب کی
سو پشت سے تھا پیشہ آبا سپہگری　　ایم۔ اے بنا کے کیوں مری مٹی خراب کی

جاپان

ذرا مختصر سنئے جاپان کا حال　　دیا جس نے دنیا کو حیرت میں ڈال

جلاوت میں یکتا ہیں صنعت میں شیر
کسی بات میں کب ہیں یورپ سے زیر

فنونِ نفیسہ میں مشّاق ہیں
علومِ جدیدہ میں بھی طاق ہیں

نہ اگلوں کی عظمت پہ مرتے ہیں وہ
نہ ہر گز تبدّل سے ڈرتے ہیں وہ

یہ ننھی سی قوم اور یہ جوہر عجیب
نزاکت پہ دیکھو یہ ہمّت غریب

خدا اگر کسی میں حمیّت بڑھائے
تو دیووں کو پل بھر میں بونا بنائے

ہمکاڈوے کی ساری کایا پلٹ
نظامِ جہانگی وہی صورت اُلٹ

وہ افواج بحری و جنگی جہاز
اب انگلینڈ تک کو نہیں جائے ناز

کہاں تک ہو غیروں کی تعریفِ فن
کرو اس نتیجہ پہ ختمِ سخن

جو رفتارِ دوراں کی ہے ہمقدم
وہی قوم دنیا میں ہے ذی اہم

شمیم اب نہ اوصاف کے باندھ پُل
ہوا ہے چراغ اپنا صدیوں سے گُل

شکریہ خطاب رائے صاحب

گو ہم نمک حلالوں میں محسوب ہو گئے
پر اپنے دوستوں ہی میں معتوب ہو گئے

جاتی رہی وہ آن وہ ترکی تمام شد
جب سے شمیم رائے سے مخطوب ہو گئے

بجز اک موجِ خوں رکھا ہی کیا ہے لالہ زاروں میں
دھرا کیا ہے جز افغانِ مسلسل آبشاروں میں

یہ سب نیچر کی مایا ہے لُبھاتی ہے طبیعت کو
عجب فطرت نے مقناطیس بھر دی گلعذاروں میں

مجازی عشق منزل پہلی ہے عشقِ حقیقی کی
جسے نروان کہتے ہیں زبانِ رستگاروں میں

حصولِ قالبِ ثاقب کی جویا روح رہتی ہے
قمر میں جا کے شامل ہوتی ہے امیدواروں میں

یہ ننھی سی زمیں اپنی اور اس پہ ناز ہو اتنا
بھرے لاکھوں ہیں عالم اے فلک تیرے ستاروں میں

نہیں ویراگ بھاتا زندہ دل رندوں کے کانوں کو
کرو کچھ تذکرہ عیش و طرب کا بادہ خواروں میں

کہاں ہیں زاہد و ناصح ہمارے ٹوکنے والے
نہ مندر میں نہ مسجد میں نہ معبد میں نہ غاروں میں

مسلک گوتم

کوئی تلاش میں اللہ کے پریشاں ہے — کسی کو بہر تسلی اصولِ ایماں ہے
کوئی حقیقتِ آواگون کا خواہاں ہے — کسی کے دل میں قیامت کا خوف پنہاں ہے
یہ کاش مسلکِ گوتم سے آشنا ہوتے

اُلجھتے رہتے نہ یہ روح کے معانی میں — قیام خواب سمجھتے سرائے فانی میں
اوائے فرض سے ڈرتے نہ زندگانی میں — پھنسے نہ رہتے کبھی دردِ جاودانی میں
یہ کاش مسلکِ گوتم سے آشنا ہوتے

جو گاسے بھنگ کے پی پی کے مست ہوتے ہیں — افیم کھا کے قویٰ جن کے پست ہوتے ہیں
شراب پی کے جو محوِ الست ہوتے ہیں — بتوں کے نام پہ جو مے پرست ہوتے ہیں
یہ کاش مسلکِ گوتم سے آشنا ہوتے

نہ ذبح کرتے وہ بیچارے بے زبانوں کو — فنا نہ کرتے کبھی بھولی بھالی جانوں کو
چڑھا کے بھینٹ نہ خوش کرتے مہمانوں کو — نہ سُرگ و نرک سے بھر دیتے آسمانوں کو
یہ کاش مسلکِ گوتم سے آشنا ہوتے

سُنا شمیم کلام اُس طبیبِ انساں کا — علاج جس نے کیا دردو یاس و حرماں کا
وہی چراغ ہے اس وہر کے شبستاں کا — بتایا جس نے طریقہ حصولِ نرواں کا

مذہبوں کے پیشوا

ہر پیشوا کا جو سر ہوتا ہے پاکبازی — عزت کا مستحق ہے ہندی ہو یا حجازی

(سری رامچندر جی)

تو وشنو کی مورت تو زندگی جہاں کی — تو موت راکھشوں کی اے شہسوارِ غازی

(سری کرشن جی)

بھگتی ترا ہے مارگ یہ لی تری بلا کی — تو نے کیا حقیقی جو عشق تھا مجازی

(بدھ بھگوان)

تو آشتی سراپا تو دیوتا اماں کا رخصت جہاں سے ہوگی وہ بیخ ترکتازی

(زرتشت)

کی آشکار تو نے پیکار نیک و بد کی ہر بات میں ہے تیری انداز دلنوازی

(عیسیٰ مسیح)

تھا قول تیرا محکم جاں آسپہ تونے دیدی قربان ہو گیا تو اور لے گیا ہے بازی

(محمد صاحب)

تو ایلچی خدا کا تیرا ہی یہ اثر تھا جو دور تھے خدا سے وہ بن گئے نمازی

(گورو نانک)

تو معرفت کا جویا تھا غرق اس میں اتنا دیتے ہیں شبد تیرے تعلیم بے نیازی

نظم بر کھدر

برکت اُن انگلیوں کی جس نے بنایا کھدر اب امیروں نے رئیسوں نے سلایا کھدر

گردش چرخ ہے یا گردش چرخا ہے یہ ورنہ کیوں پھیلتا اتنا تیرا چرچا کھدر

نازنینوں کو نہ اب اطلس و کمخواب سے انس جب سے تو ان کے دلوں میں ہے سمایا کھدر

نہ نفاست نہ نزاکت کی کشش ہے باقی سادگی نے تیری بے طرح لبھایا کھدر

موٹا جھوٹا نظر آتا ہے تو لیکن ہے کمال تیرے ہر تار نے طنبورا بجایا کھدر

تو تو ناچیز تھا بیچارہ تھا نظروں میں حقیر آج سرتاج تجھے سب نے بنایا کھدر

خدمت ملک کا اب مل گیا اچھا موقع تو نے کیا خوب یہ ڈھب سب کو سجھایا کھدر

لوگ کہتے تھے کہ گاندھی کو سمایا ہے جنوں
اس کی وحشت نے مگر خوب رچایا کھدر

غزل

جانتے بھی ہیں کہ ہیں مایا کے بہکائے ہوئے
پر چلے چلتے ہیں ہم وعدوں کے للچائے ہوئے

جانتا ہے وہ نزاکت اور حیا کیا چیز ہے
جس نے دیکھا لاجونتی کو ہے شرمائے ہوئے

کھل گئیں آنکھیں مطالعہ جب کیا نیچر کو خود
ورنہ ابتک ہم رہے ناصح کے بہکائے ہوئے

بزمِ اردو گاہے گاہے گدگدانے لگتی ہے
تھے شمیم عرصہ سے ورنہ زنگ کے کھائے ہوئے

جنگ جرمن

کم تھا کس بات میں وہ راکھشش لنکا راون
بیس راون کا بنا ایک ہے شاہِ جرمن

صاف کہتا ہے کہ پیغامِ الٰہی ہے مجھے
جو نظر سامنے آجائے اُڑادو گردن

ننگ و ناموس خواتیں کی اُسے کیا پروا
جسکی سنگین سے چھیدے گئے ہوں بچوں کے تن

نہ کتب خانوں کو چھوڑا نہ کلیسا ہی بچے
خاک کر ڈالے ہزاروں ہی اعاجیبِ زمن

نوجواں لاکھوں مرے کیڑے مکوڑوں کی طرح
پانچسو میل کا اس وقت بنا ہے مدفن

نسلِ انساں کا مذبح ہے یہ یورپ کیا ہے
آدمیت کا جو کہلاتا تھا اب تک مامن

اہلِ اطالیہ - امریکہ و انگلش و فرانس
جیسے سگریو - رگھوناتھ - ہنوماں لچھمن

آئے ہیں جنگ کے میداں میں اسی مقصد سے
کر بچائیں گے وہ تہذیبِ جہاں کا گلشن

مقصدِ فتح پہ ہے جمع رعیت ساری
برٹش امپائر پہ آیا تھا نہ ایسا جوبن

سب مرینوں نے کئے غرق ہزاروں ہی جہاز
نہ ہوئی افسریِ بحر نصیبِ جرمن

زیپلینوں نے کئے بیسیوں حملے لیکن
شکرِ حق ہے کہ اسی طرح سے ہے قایم لندن

لوگ سمجھے تھے کہ پیرس کو کریگی برباد
خاک میں مل گئی جرمن کی نئی رینج کی گن

نہ تو پیرس ہی ملا اور نہ وہ کیلے پہونچا
اسکے جانب سے رہا کونسا باقی ہے جتن

آشتی اس نے نکالا ہے نئی سحر کا طریق
ہم سمجھتے ہیں دغاباز ہے یہ گرگِ کہن

ہے یہ فرض اپنا کریں زور سے زر سے امداد کہ ظفر دہر میں ہو جلد نصیب برٹن
تاکہ جرمن کی تعدی سے بچے خلقِ خدا اور محفوظ رہیں ہند کے سب اہلِ وطن
حق تو یہ ہے کہ جہالت کی ہے تہذیب سے جنگ ڈالی جس نے ہے ہر اک ملک میں گویا الجھن
فتح تہذیب و تمدن کی یقینی ہے شمیمؔ
پرم ایشور کو نہیں بھاتے ہیں پاپی پھن

حضرت شمیم کتب ذیل کے مصنف ہیں

چاند اُردو - تاریخی ناول۔

ایم۔ اے اُردو۔ ناول جس میں موجودہ طریقہ تعلیم پر بحث کی گئی ہے۔

کاشمیری پنڈت اُردو - رسوم کشمیریوں پر بحث کی گئی ہے۔

تحفۂ شمیم - ہندوازم اور کاسٹ سسٹم۔

مختصر قصہ جات اُردو - کشمیری سوسائٹی کے رفارم کے متعلق۔

شانتی بابا اُردو - دولت کے حاصل کرنے کے ذرائع اور صرف کرنے کے طریقے۔

حیات گوتم بدھ اُردو۔

ترجمہ مسلک بدھ۔

موسیقی ہند - انگریزی (ہندو میوزک)۔

شیو پوری یا سوپوری - پنڈت دلارام سوپوری صاحب

کشمیر سے دہلی میں آئے اور قندھاری رسالہ کے بخشی مقرر ہوئے۔ آپ فارسی کے عالم متبحر اور زبردست شاعر تھے۔ آپ کی ایک مناجات بہت مشہور تھی جس کے چند اشعار دستیاب ہوئے جو حسب ذیل ہیں۔ پنڈت ودیادھر جی آپ کے چچا زاد بھائی تھے۔

ندانم بنامیکہ خوانم ترا کہ نامی بہر نام دانم ترا
بری خوانمت از نہان و ہمین پُری دانمت جملہ وز [illegible] واین

بروں ہستی از اندرون بروں — بروں نیستی از درون و بروں
بہ ذکرت دمے گرچہ گویا نیم — ز نطق دست لیک گویائے ام
بہ دلہاست ادراکِ تو جان گسل — سرِ راہ تو عقل را پا بہ گل
ق
وراں اوجے کہ عنقائے اندیشہ پر — بر یزد کجا باز مرغے نظر
نتواند دراں اوج پرواز کرد — ز مژگان چہ شد گرچہ پرواز کرد
کجا جویمت اے خدا تو خودی — درونم ولے بیخودم از خودی
نشانت بود گرچہ جملہ جہان — نشانت نمی یابم اے بے نشان
کجا کنہِ ذاتِ تو آید بفہم — شمارِ صفاتِ تو نہ آید بہ وہم
یقین است کنہِ تو اندر گمان — نہ آید خموشی بہ است از بیان
چگونہ زنم حرفِ آں بیچگون — کہ بیچون شنو و ذاتِ پاکش نہ چون
حکیمے کہ پُر کرد دُرجِ دہن — بہ حکمت زدُرّ دانہ ہائے سخن
زدو پردۂ لب مقفل نمود — کلیدِ زبان داد بہر کشود
بہ نابود کردہ بنا بود را — ہم از بود بنمود نابود را
کز و چہرۂ صبح گشتِ صبیح — شدے عارضِ شام از وے ملیح
چنان ابلقِ روز و شب تند کرد — تگش جملہ را برو در خاک گرد
روان کرد در مزرعِ آسمان — ز سیلابِ جوے از کہکشان

ولہ

اے کہ توئی بر ہمہ ما مہربان — اظہر الشمس بود در جہان
نیست درین و خل بیان روشنست — اینکہ ز نورِ تو جہان روشنست
عام بود بخششِ خاصت تمام — بخشش خاصان نہ چنین ہست عام
فیضِ تو گر ہست فیض خداست — لیک ز بردست دگر فیض ہاست

کار از ینجا چہ بجا گفتہ است — گفت ہر آنکس گہر سفتہ است

چشم ترحم ز تو داریم ما — قبلہ توئی رو بہ کہ آریم ما

آپ کے چچازاد بھائی ودیا دھر جی شیوپوری کو نجوم میں خوب دخل تھا۔ لکھنؤ کی افضل محل بیگم جو حکیم ہندی کے نکاح میں آگئی تھی آپ کے زمانہ میں خاصہ تھی۔ آپ نے اُس کا ہاتھ دیکھ کر پیشین گوئی کی تھی کہ "تم بیگم ضرور ہوگی"۔ پنڈت کیشو ناتھ کول صاحب ودیا دھر جی کے نواسہ ہیں۔ پنڈت صاحب موصوف نے ایک ورق دستخطی خاص پنڈت ودیا دھر صاحب راقم کو دکھایا تھا جس کا مضمون یہ تھا کہ بہ برکت مناجات ہذا از حضور حضرت نصیر الدین حیدر بادشاہ سرفراز شدہ بطریق سفارت بہ بلدۂ سپاٹو رفتہ بودم۔

(**نوٹ**۔ مناجات مندرجہ صفحہ ۵۴۶ کی طرف اشارہ ہے)

اختر۔ پنڈت پریم نراین بھان صاحب خلف مرحوم پنڈت سروپ نراین صاحب بھان المتخلص عاصی اکبرآبادی۔ آپ کو پنڈت نرنجن ناتھ در خلف پنڈت رتن ناتھ در سرشار لکھنوی کی لڑکی منسوب تھیں۔ آپنے فارسی اردو زبانوں کے علاوہ انگریزی میں بی۔اے کلاس تک تعلیم حاصل کی۔ سلسلۂ ملازمت پہلے پہل سینٹ جانس ہائی اسکول آگرہ میں شروع ہوا۔ یہاں سے قلعہ گوالیار کے مہاراجہ اسکول کے ہیڈ ماسٹر مقرر ہوئے۔ چونکہ ذہانت ولیاقت اور ملنساری آپ کے جوہر ہیں ان کی بدولت ریاست کے امرا و حکام کے مزاجوں میں رسوخ حاصل کرکے مہاراجہ صاحب گوالیار کی نظر میں چڑھ گئے اور محکمہ خانگی میں سپرنٹنڈنٹ کا عہدہ حاصل کیا۔ آپ صاحب اولاد ہیں مگر اہلیہ کی وفات حسرت آیات سے دل مغموم رہتا ہے۔ شعر وسخن کا شوق بچپن سے ہے۔ حضرت اختر اکبرآبادی کے ممتاز شاگردوں میں سے ہیں۔ نظم و نثر دونوں آپ کے لئے کہنا موزوں ہے۔ دربارداری اور مصروفیت کارہائے ریاست سے شعر و سخن کی طرف توجہ کم کرسکتے ہیں لیکن جب وقت فرصت پاتے ہیں موزوں کرتے ہیں قابل تحسین ہوتا ہے۔



پنڈت شیام کشن کول صاحب

سرکاری حکام اعلیٰ اور مہاراجگان ہند کے انعام و اکرام سے ممتاز ہونے پر بھی عاجزی انکساری آپ کا ساتھ نہیں چھوڑتی ہیں اور یہی وہ خوبیاں ہیں جنھوں نے آپ کو ہر دلعزیزی کا تمغہ عطا کر کے اکر یگانہ و بیگانہ سے روشناس کرا دیا ہے۔

قطعہ ولادت اختر صاحب از ہمدم اکبرآبادی

قسمت کے نوشتہ سے ہے محروم نہ کوئی — منشیِ ازل کا ہے عجب یار سرشتہ
اختر کی ولادت کا لکھو سال یہ ہمدم — پیشانیِ عاصی کی ہے۔ تحریر خجستہ
۱۸۹۶ء

تاریخ طبع ناول حیرت مصنفہ ہمدم اکبر آبادی
از نتیجۂ فکر اختر

کنور گوری پرشاد ماموں مرے — کلام اُن کا پاکیزہ کیا خوب ہے
تخلص بھی ہمدم ہے ہر دلعزیز — ہر اک بات میں اک مزا خوب ہے
لکھا ایک ناول عجب چلبلا — غرض اُن کا ذہنِ رسا خوب ہے
ہر اک محوِ حیرت ہوا دیکھ کر — رکھا نام حیرت بھی کیا خوب ہے
فصاحت بلاغت کا ہو کیا بیاں — نیا ڈھنگ طرزِ ادا خوب ہے
لکھو تم بھی تاریخ اختر کوئی — جو پورا ہو یہ مدعا خوب ہے

دمِ فکر ہاتف نے دی یہ صدا
یہ مضمونِ رنگیں لکھا خوب ہے
سمت ۱۹۶۰

بہار - پنڈت شام کرشن کول صاحب خلف پنڈت سری کرشن عرف ہتیا جی صاحب کول۔
آپ کی ملازمت بنگال ناگپور ریلوے کا آغاز اس وقت سے ہے۔

آپ کی عمر سولہ سال کی تھی۔ نو سال کی ملازمت کے بعد ۱۸۹۱ء میں بنگال ناگپور ریلوے کے ٹریفک ڈپارٹمنٹ میں آپ کی تقرری بمقام ناگپور رہوئی اور ۱۸۹۶ء میں آپ کا تبادلہ آڈٹ آفس میں بعہدۂ اکاؤنٹنٹ ہوا آپ کے حسن خدمات سے حکام بالا نے خوش ہو کر ۱۹۰۷ء میں آپ کو بعہدۂ اسسٹنٹ آڈیٹر مامور کیا اور ۱۹۱۹ء میں آپ بعہدۂ آڈیٹر ممتاز کئے گئے ۱۹۲۱ء میں آپ کو خطاب رائے صاحب عطا کیا گیا۔ اب آپ کنسٹرکشن ڈپارٹمنٹ کے آڈیٹر ہیں اور اپنی ملازمت کے ۳۲ سال ختم کر چکے ہیں۔ شاعری سے آپ کو شوق ہے مگر فکر سخن کے لئے مہلت بہت کم ملتی ہے۔

خونِ عشاق سے سرسبز ہے گلشن تیرا — بچ کے چل سرو نہ پکڑے کہیں دامن تیرا
کعبہ کو کون بھی جائے کہ ہے جانا بیکار — خانۂ دل ہے مرا کیا نہیں مسکن تیرا
تعزیت کو مرے گھر آئے مگر غیر کے ساتھ — کیوں یہی کہتے تھے میں ہوں نہیں دشمن تیرا
بلبلِ زار سنوں کیا میں ترا قصۂ عشق — ضبط سے میرے نہیں ٹھیکے ہے شیون تیرا

عاشق ہیں چشم و زلف و نگاہ و ادا کے ہم — اس بت کو دیکھ کر ہوئے قائل خدا کے ہم
بالیں پہ آئیگا نہ ہرگز بوقت نزع — ممنون ہونا چاہتے ہیں اب قضا کے ہم
لائے گی کھینچ آپ اسکو اگر دل میں ہے کشش — شرمندہ کس لئے ہوں کسی التجا کے ہم

تاریخ ولادت عزیزی سرستی دختر پنڈت چاند نرائن صاحب کچلو

دخت نیک اختر خدا نے چاند نرائن کو دی
دھوم ہے جانب مبارکباد کی پیدا ہوئی
ہیں نواسی کی خوشی میں اہل نانا مال خوش
کہتے ہیں منہ دیکھ کر کیا چاند سی پیدا ہوئی

زائچہ کو دیکھ کر بولے گروجی واہ واہ
باپ ماں کے واسطے یہ لکشمی پیدا ہوئی
سُن کے شہرت یہ کہی تاریخ ہم نے بھی بہار
خانۂ کچلو میں شاید سرستی پیدا ہوئی
سنہ ۱۹۰۱ء

ہزار شکر کہ مرغ چمن ہیں نغمہ سرا
ٹپک رہا ہے عروسِ بہار سے جوبن
نہال باغ کھڑے جھومتے ہیں مستانہ
کہ شاخ شاخ پہ بیٹھے ہیں مرغہائے چمن
چمن میں شاخوں سے پیدا ہیں پھول پھل
پھلوں سے گلشنِ ہستی میں ہو گیا خرمن
تو لطف صاحبِ خرمن اُٹھا کہ خرمن سے
خدا کے شکر و عنایت میں کھولتے ہیں دہن
اسی کا چاند نراین پہ بھی ہوا ہے فضل
جو میرے ہوتے ہیں ہم زلف اور شفیق زمن
عطا خدا نے ہے وہ نور دیدہ کی ان کو
کہ آنکھیں دیکھنے سے جس کے ہوتی ہیں روشن
دعا بہار کی ہر وقت ہر گھڑی ہے یہی
کہ ہو پیام مبارک یہ نو بہارِ چمن
جہاں میں شاد و سلامت رکھے اسے خالق
کہ جب تلک رہے دنیا میں مہر ہو تو فگن

در ۔ پنڈت کاشی پرشاد در صاحب خلف پنڈت دیبی پرشاد صاحب

آپ کے والد ماجد پنڈت دیبی پرشاد در صاحب پنجاب میں تحصیلدار تھے ۔ اپنے زمانہ کے قابل افسران میں شمار کئے جاتے تھے غدر میں ان کی خدمات قابل تحسین رہیں ۔ اس کے بعد انہوں نے بحکم چیف کمشنر صاحب بہادر جو بعد غدر پنجاب سے اودھ میں تعینات ہوئے تھے لکھنؤ میں "گلشن ہند" پریس قائم کیا اور بصلہ خدمات سند اس مطبع میں صوبہ کا سرکاری کام طبع ہوتا رہا ۔ آنکے قبل از وقت انتقال پر یہ مطبع منشی نولکشور نے خرید لیا ۔

آپ کے برادر کلاں رائے بہادر پنڈت ہر پرشاد در صاحب اپنی محنت اور قابلیت سے چیف ایگزیمنر آف اکاؤنٹس ریلوے کے عہدہ سے پنشنیاب ہوئے اور ۱۹۱۴ء میں انتقال کر گئے ۔

اوائل عمر میں سایہ پدری سر پر سے اٹھ جانے کے بعد آپ کی اردو فارسی کی تکمیل اور انگریزی تعلیم آگرہ اور لاہور میں ایف اے تک ہوئی ۔ اس کے بعد پنجاب کے محکمہ جیل کی ملازمت کی اور تھوڑے عرصہ میں جیلر درجہ اول کے عہدہ پر ممتاز کئے گئے اور یوپی اور بنگال میں بڑے بڑے جیلخانوں کا تجربہ حاصل کرنے کے لئے گئے ۔ کچھ عرصہ بعد آپ کی خدمات ریاست الور میں بعہدہ سپرنٹنڈنٹ جیل منتقل کی گئیں ۔ آقائے نامدار کی خوشنودی مزاج سے جوڈیشل منسٹر مقرر ہوئے اور رائے صاحب کا خطاب عطا کیا گیا ۔ ریاست الور میں ۱۰ سال ملازمت کے بعد گورنمنٹ پنجاب سے پنشن یاب ہو کر آپ اپنے بزرگوں کے وطن شہر دہلی میں مقیم ہیں ۔

راج رشی شری سوائی ۔ سر مہاراج جے سنگھ جی فرمانروائے ریاست الور جو سنسکرت اور انگریزی کے جید عالم ہیں اور جنکو قدرت سے شاعرانہ طبیعت بھی ملی ہے زبان اردو کی فصاحت اور روزمرہ کے بہت شایق ہیں ۔ اپنی شوخی طبع سے اردو شعر اچھے کہہ لیتے ہیں اور خوب سمجھتے ہیں ۔ چنانچہ بہ تعمیل حکم مہاراجہ صاحب آپ نے بھی اس طرف توجہ کی ۔



پنڈت کاشی پرشاد در

آپ نے لاہور کے عرصۂ قیام میں سوشل اصلاحات میں کافی حصہ لیا۔ انجمن کشمیری پنڈتان جو لاہور میں قائم ہوئی ہے اس کی بنا ڈالنے میں سعی بلیغ کی۔ انجمن کی جانب سے رسالہ "کشمیر پرکاش" کی ترتیب شروع میں عرصہ تک آپ ہی کے ہاتھ میں رہی۔ بشن نراین در مرحوم کی شرکت میں پنجاب میں خاص حصہ لیا۔

پنشن کے بعد آپ اپنے دوست لالہ سری رام ایم اے مولف خمخانۂ جاوید، پنڈت برجموہن دتاتریہ کیفی، پنڈت اقبال نرائن در اور پنڈت امرناتھ مدن ساحر جیسے روشن خیال اور فصیح و بلیغ شاعروں کی صحبتوں سے مستفید ہوتے رہے۔

بھول کر یہ آنکھ [illegible] پہ احساں ہوگیا   پار سینہ کے ترے ناوک کا پیکاں ہو گیا
آگ سینے میں جگر روشن تن بدن میں لگ گئی   تھا وہاں جو سرو وہ سرو چراغاں ہو گیا
دسترس اس تک حصول مدعا کی تاک ہو   دامن امید بھی محشر کا داماں ہو گیا
کیا لعین اس [illegible] کا ہے فراق یار میں   ہر نفس ہم کو دم شمشیر براں ہو گیا
سرد مہری سے تمہاری دل بجھا جاتا ہے [illegible]   داغ دل اپنا چراغ زیر داماں ہو گیا
[illegible] جانب سے ترے دل کا [illegible] نکلا غضب   یہ بھی کیا ظالم کسی عاشق کا ارماں ہو گیا

منت ور حرف شکوہ کیا زباں پر اپنی لائیں
چار آنکھیں جب ہوئیں وہ خود پشیماں ہو گیا

شعلۂ عشق وقت کو دباؤں کیونکر   اس لگی کو مرے اللہ بجھاؤں کیونکر
آخر [illegible] کوئی حد [illegible] ظالم   جور بیجا ترے ہر روز اٹھاؤں کیونکر
[illegible]   قطرے آنسو کے نہیں آنکھوں سے بہاؤں کیونکر
[illegible]   تم خفا ہو تو بتا دو کہ مناؤں کیونکر
[illegible]   اس تری یاد کو میں دل سے بھلاؤں کیونکر
[illegible]   تم کو حال دل پر درد سناؤں کیونکر

ولہ

ہونے کو سرخ رو نگہِ فتنہ گر سے ہم   دل لانے جا بجا، وہ بتا کس کے گھر سے ہم
ہوگا یہ دل کسی نہ کسی شوخ کا شکار   کب تک اسے بچائیں گے تیرِ نظر سے ہم
حسرت سی تم پہ چھائی ہوئی ہے غضب کی کیوں   یہ پوچھتے ہیں ہجر میں دیوار و در سے ہم
گھر آئے انقلابِ زمانہ سے یاں تلک   کرتے ہیں سجدہ پاؤں سے چلتے ہیں سر سے ہم

بتقریب عطائے خطاب کے۔سی۔ایس۔آئی بہ ہز ہائنس راج رشی شری سوائی مہاراج سر جے سنگھ جی بہادر فرمانروائے ریاست الور

وہ روح فزا آج زمانے میں ہوا ہے   کیا غنچہ کہ ہر غنچۂ دل جس سے کھلا ہے
ہر باغ میں کیوں ہو نہ مہابن کا سماں آج   بلبل کے ہر اک نغمہ میں مرلی کی صدا ہے
ہر کشتِ دلِ اہلِ جہاں آج ہے سرسبز   موجِ مے کوثر کی طرح موجِ صبا ہے
قدرت کا ہر اک فعل بنا آج طرب خیز   پیدا ہوئی اکسیر جو سیماب مرا ہے

کیا مژدہ نسیمِ سحری نے یہ سنایا
سنکر جسے آپے میں نہ پھر کوئی سمایا

وہ مژدہ طرب خیز دیا آج سنائی   سنکر جسے اک مستی سی ہر آنکھ میں چھائی
دل نے کہا ہنس کھیل کہا سر نے ادب کر   ہونے لگی اب عقل و عقیدت میں لڑائی
دن آج خوشی کا ہے ہنسو کھیلو مگن ہو   ان داتا کو دربار میں دو جا کے بدھائی
مہاراجوں میں جو ہند کا سرتاج ہے مہراج   مہاراج جے سنگھ وہ الور کا سوائی
شاہنشہِ قیصر نے زراہ کرم و لطف   ہے تمغۂ ممتاز دیا کے۔سی۔ایس۔آئی

اس واسطے دربار یہ ذی شان ہوا ہے
اس واسطے دل سب کا مسرت سے کھلا ہے

اس واسطے ہر لب پہ طرب کا ہے ترانا — اور اس لئے بھولا غم و غصّے کا فسانہ
ہر شے ہے شگفتہ اثرِ جوشِ طرب سے — پھول جانے کا غنچے سے صبا کا ہے بہانہ
ہیں سارے نمکخواروں کے دل فرحِ خوشی سے — دل عشرت و بہجت کا مسرت کا خزانہ
ہے اسلئے یاں آج خوشی اور یہ رونق — ہے اسلئے رشکِ ارم الور کا سوانہ
ہے حرفِ دعا اسلئے ہر ایک زباں پر — ہر لب پہ ہے اس واسطے آنند کا گانا

دربار کی کب شوکت و شاں مجھ سے بیاں ہو
کب عہدہ برا اس سے یہ کلکِ دو زباں ہو

اے تاجورِ دادگر و معدلت آرا — کیا وصف لکھے بندۂ احقر یہ تمھارا
سب ہم نے سنی ہے جم و کسریٰ کی حقیقت — معلوم ہے کیفیتِ اسکندر و دارا
اب دل سے ہوے محو یہ سب دفترِ پارین — تاریخ کے وہ نام رہے اب نہ دل آرا
دل ہل گئے شیرانِ نیستاں کے بنوں میں — جب رزم کے میداں میں ہوا جا کے صف آرا
جب زیب دہ کرسیِ عدل آ کے ہوا تو — پھر ظلم کو دنیا میں رہا کچھ نہ سہارا

تو افسرِ شاہاں ہے غرض آج جہاں میں
مہاراج ہے مہراجوں کا سرتاج جہاں میں

مستغنیِ اوصاف کی کیا مجھ سے ثنا ہو — ہے وقتِ قبول اب دلِ صافی سے دعا ہو
جبتک کہ شگفتہ گلِ نورس ہو چمن میں — گلزار کی تا روحِ رواں بادِ صبا ہو
کہساروں میں طاؤس رہیں ناچتے جبتک — اور باغ میں مستانی عنادل کی صدا ہو
جبتک کہ ہوا پھاگ کی لہکائے دلوں کو — اور توبہ شکن رند کی ساون کی گھٹا ہو
مہراج جے سنگھ سوائی کا جہاں میں — اقبال و حشم اوج پہ ہر روز سوا ہو
شاہنشہِ قیصر کی عنایت ہو فراواں — اور ہند کے شاہوں میں وہ ممتاز صدا ہو

بنے ہو جے مہاراج کی پرتاپ سوایا
قائم رہیں تا عمرِ طبیعی وہ خدایا

زیبا۔ پنڈت برجموہن لال تکو صاحب خلف پنڈت نرنجن ناتھ تکو صاحب المتخلص بہ شکوہ۔ آپ کی تاریخ پیدائش ۱۰ اگست سنہ ۱۸۸۰ء ہے۔

آپ نے بی۔ اے کی ڈگری فورمن کرسچین کالج لاہور سے حاصل کی اور اسکے بعد سینٹرل ٹریننگ کالج لاہور میں تربیت حاصل کرکے تعلیمی محکمہ میں ملازم ہوئے کچھ عرصہ سرکاری ملازمت کی۔ لیکن حق تلفی ہونے کی وجہ سے وہاں استعفا داخل کیا۔ ۵ برس ایمن آباد ہائی سکول ضلع گوجرانوالہ میں ہیڈ ماسٹر رہے۔ ازاں بعد ہندو سبھا ہائی سکول امرتسر میں سنہ ۱۹۰۹ء سے سنہ ۱۹۲۴ء تک ہیڈ ماسٹری کا کام سرانجام دیا۔ جب سنہ ۱۹۲۴ء میں ہندو سبھا انٹرمیڈیٹ کالج وجود میں آیا۔ تو آپ انگریزی کے پروفیسر مقرر کئے گئے چنانچہ ابھی تک وہی خدمت آپ انجام دے رہے ہیں۔

آپ کے فرزندِ اکبر پنڈت تیج ناتھ تکو ناز ریاست منڈی میں اکونٹنٹ جنرل کے عہدہ پر مامور ہیں۔

خامشی کہہ رہی ہے یہ غنچۂ نوبہار کی		منہ پہ ہے مہر گو لگی دل میں ہوس ہے یار کی
پار نہ دل کے ہو سکا جبہ و جہد ہزار کی		طاقتیں دیکھ لیں ترے خنجرِ دلفگار کی
کس طرح راہ لیں نہ ہم ہجر میں کوئے یار کی		آس نہ جب ہو دید کی۔ تاب نہ انتظار کی
طرزِ جفائیں کیا کہوں اپنے ستم شعار کی		رکھی بغل میں ہے چھری بات ہے منہ پہ پیار کی
آبلہ ہائے بیشمار۔ داغ ہزار آشکار		کیا کیا بنی ہیں صورتیں دل میں مرے غبار کی

غم پڑا جان میں ہے جان ہے دلدار کے پاس
اک گرفتار ہے اک اور گرفتار کے پاس

زیرِ روزن تو بہت لوگ تھے پر یاد ہے کچھ
مر گیا کون تھا سر پھوڑ کے دیوار کے پاس

خواہشِ وصل ہے زیبا تو کشش پیدا کر
خود کھنچا آئیگا مطلوب طلبگار کے پاس



پنڈت برجموہن لال تکو۔ زیباؔ

سہا کیا کیا نہ تیرے ہاتھ سے اے تیغ زن برسوں
ستم برسوں۔ جفا برسوں۔ غم و رنج و محن برسوں

چمن میں جب وہ گل آیا تو اس کی مسکراہٹ سے
کلی چٹکی۔ کھلے غنچے۔ رہے گل خندہ زن برسوں

دل مضطر سنبھلتا آج میں انکے مقابل ہوں
کہیں تو بھی نہ زخمی ہو کہیں میں بھی نہ بسمل ہوں

مجھے رک رک کے گھائل کر نہ تڑپوں گا تہِ خنجر
نرالا گر تو قاتل ہے انوکھا میں بھی بسمل ہوں

توقف کر ذرا اے موت کیوں اتنا تڑپتی ہے
بڑی مدت کے بعد آیا میں زیر چشم قاتل ہوں

ترے سینے میں جب دل ہی نہیں تو درد کیا ہوگا
بلا سے تیری میں دردِ الفت سے بھرا دل ہوں

ترچھی نظرت جبتک تیر افگنی رہیگی
زخمی رہے گا پہلو۔ چھاتی چھنی رہے گی

اُف رے شرم ندامت تھمتے نہیں ہیں آنسو
جبتک ہیں داغ عصیاں تر دامنی رہے گی

روٹھے رہو گے کب تک کاش اب تو مان جاؤ
بگڑے رہو گے جبتک جاں پر بنی رہے گی

فکر غیر اُن کو ہے۔ ہم یاد میں آئیں کیونکر
ہمکو یہ فکر کہ یاد اُن کی بھلائیں کیونکر

ہم بتائیں اُسے اگر کوئی ہمسے پوچھے
دل میں کھبتی ہیں حسینوں کی نگاہیں کیونکر

دل ہے نادان مگر چشم ہے پُر فن اُن کی
سخت مشکل ہے کہ اب دل کو چھپائیں کیونکر

حیف زیبا تو ہے دیوانہ پری رویوں کا
کوئی بتلائے اُسے ہوش میں لائیں کیونکر

سینے کے پار کب ترے تیر نظر گئے
دل سے گذر گئے تو جگر میں اُتر گئے

آئے نہ آپ ہی نہ دیا خط کا کچھ جواب
نامے گئے۔ پیام گئے۔ نامہ بر گئے

ہم مثل قیس دشت و بیاباں میں ضعف سے
اُٹھے کبھی گرے کبھی جی سے گذر گئے

ترکِ جہاں کیا تو ہوا دل مقام یار
آباد گھر ہوا مرا حالِ تباہ میں

ہم کو تو بتکدہ ہی میں بس رہنے دو اے شیخ
جاؤ خدا خدا کرو تم خانقاہ میں

شری کرشن جنم پر نظم

از زیبا

تھی شبِ تاریک جوں مارِ سیاہ زلفِ حور
برق زیرِ ابرِ رخشاں تھی مثالِ نورِ طور

کالے کالے بادلوں میں یوں چھپا مہتاب تھا
ہو نہاں بالوں میں جیسے رخ کسی دلدار کا

اُس شبِ تاریک میں تھا باد و باراں کا وہ زور
چھپتے پھرتے دشت میں تھے شیر و روباہ و مور

دیوکی جی اور شری بسدیو بادلہائے زار
مبتلائے قید تھے اور غم سے سینے تھے فگار

حال کیا لکھے کوئی ان کے دلِ ناشاد کا
سب سے بڑھ کر دہر میں ہوتا ہے غم اولاد کا

کنس کے ہاتھوں بڑے لاچار تھے بے اختیار
پڑ گئے تھے دل پہ بیٹوں کے بچھوڑے بے شمار

ظلم میں مشغول تھا وہ مائلِ بیداد تھا
خوف تھا سب اور اسکو موت کا دن یاد تھا

اشٹمی بھادوں بدی کی آن پہنچی تھی مگر
اس کا قاتل دہر میں تھا ہونے والا جلوہ گر

نیم شب کا وقت تھا اور لوگ سارے تھے بخواب
دیکھی روشنی سے جلوہ وہ تھا ماہتاب

یک بہ یک اس قید خانہ میں ہوئی وہ روشنی
جو کسی نے دہر میں پہلے کبھی دیکھی نہ تھی

دیکھ کر اس نور کو خورشید پیلا پڑ گیا
ماہِ عالمتاب کا بھی رنگ پھیکا پڑ گیا

پیاری پیاری موہنی چھب رنگِ لب وہ لالہ گوں
دیکھ کر جس کو عقیق و لعل و مرجاں روئیں خوں

رنگِ رخ وہ نیلگوں اور وہ صورت نیلوفری
دانت وہ موتی کے دانے آنکھ وہ جادو بھری

شکل وہ من موہنی جاتا رہے صبر و قرار
سر جھکا دے شوق سے قدموں پہ سارا روزگار

یک بہ یک قدرت سے اس کی وا درِ زنداں ہوا
لیکے باپ انکو رواں با دلِ شاداں ہوا

اے مرے پیارے سنوریا اے شہنشاہِ شہاں
ساری دنیا ہے تری تعریف میں رطب اللساں

ایک کہنے میں کہے تنہا ترا زیبا بھی ہے
اس کو اک قدرت سے اعلیٰ شانِ تیرے درشن کی ہے

بیٹھ کر اپنے جہد سے کیں ہیں احساں تو نے
کاش اس جا پہ بھی ہے مارے کی قسمت تھے

رہروے ماہ زنے بر سرِ راہے گاہے — بُرد جانم بہ ادا - دل بہ نگاہے گاہے
گفتمش سوختہ جانم چہ کنم جانِ جہانٔ — گفت زاری بکُن و نالہ و آہے گاہے
گفتمش ہیچ علاجِ دلِ مضطر نہ کنی — گفت آرے بسرِ تیرِ نگاہے گاہے
داغ بر دل زدہ در دامِ مرا کرد اسیر — زلفِ خمدار گہے - خالِ سیاہے گاہے
دلِ من ار بشود طائرِ بسمل چہ عجب — تیرِ مژگان زدہ - تیرِ نگاہے گاہے
آسمان تیرہ شود عالمِ بالا لرزاں — گر ز دل دود بر آید گہے آہے گاہے
شیخ بنشین کہ شراب است کباب است اینجا — کہ بہ جنت برساند بگناہے گاہے
خونِ دل مے شود و خانۂ دل خمخانہ — چشم زن گر شود آن مست نگاہے گاہے

روئے زیبائے خودت باز بہ زیبا بنما
بر سرِ بام گہے - بر سرِ راہے گاہے

ہستیِ این عالمِ ظاہر بجز پندار نیست
بر گشا این پردہ و بین ہیچ شے جز یار نیست
گاہ خوفِ مرگ لاحق - گاہ خوفِ روزگار
ہیچ اطمینان زیرِ چرخِ کج رفتار نیست
ساغر و مینا شکستہ - مطرب و ساقی خموش
بزمِ یار آخر شد و با جام و بادہ کار نیست
گر کُنی قلبِ خودت ساکن - محیطِ کل شوی
تا شود مرکز نہ قائم گردشِ پرکار نیست
عاشقم دیوانہ ام آخر بہ تو خواہم رسید
نیست دیوانہ بکارِ خویش گر ہشیار نیست
شمع با پروانہ گوید چیست باشی گردِ من
مثلِ من تو خاک شو این سوزِ من بیکار نیست

تیر مژگان داری و تیر ادا تیر جفا

تیر ما جز نالها و آه آتشبار نیست

جامه کردم پاره پاره در جنون عشق تو

در گریبان من خسته جگر یک تار نیست

وقت شب در میکده و صبحدم در خانقه

رند مست اینجا شدیم و پارسا آنجا شدیم

نور حق دیدیم چون - از ذره گشتیم آفتاب

جزو بودیم و کل شدیم - از قطره دریا شدیم

بهار آمد شگفته - چمن هر لاله و گل شد

(نیز صفحہ ۲۰۶ پنڈت بلدیو کشن تکو صاحب خورشید ملاحظہ ہو)

انتخاب قومی نظم

نہ منظور ہے خوش بیانی دکھانی — نہ مطلوب ہے داد رنگیں بیانی
فصاحت بلاغت نہیں کچھ جتانی — پر اک داستانِ کہن ہے سنانی
کہ ان نوجوانوں کو کچھ جوش آئے
تغافل شعاروں کو کچھ ہوش آئے

جو اب خواب خرگوش میں سو رہے ہیں — جو متوالے اب نیند کے ہو رہے ہیں
جو بھولے سے عزت کو اب کھو رہے ہیں — تباہی کے کانٹے کو خود بو رہے ہیں
انھیں تو اب غفلت سے اب ہے جگانا
وہ دیکھیں کہ کیا کر رہا ہے زمانا

جنھیں قوم سے کچھ محبت نہیں ہے — جنھیں قوم کی دل سے الفت نہیں ہے
جنھیں قوم کی خاک غیرت نہیں ہے — طبائع میں کچھ جنکی ہمت نہیں ہے
انھیں حالت قوم اب ہم بتائیں
کہانی مصیبت کی ان کو سنائیں

[illegible] کو بتائیں — پرانی کہانی تمھیں گر سنائیں
[illegible] — جو داغ کہن آج تم کو دکھائیں
[illegible] جائے پانی کا چشمہ
[illegible] آنکھوں سے پیدا ہو دریا

[illegible] حالت [illegible] — یہ حالت ہماری مصیبت ہماری
[illegible] — ملی خاک میں شان و شوکت ہماری
غضب [illegible] گرانبار ہیں ہم
[illegible] کے ہاتھوں گرفتار ہیں ہم

ہمیں یاد آتے ہیں جب دن خوشی کے | مسرت کے بہجت کے اور خرمی کے
وہ ایام عشرت وہ دن دل لگی کے | تماشے خوشی کے وہ چرچے ہنسی کے

تو روتے ہیں بس اپنے سر کو جھکا کر
بھگوتے ہیں دامن کو آنسو بہا کر

کسی نے اگر اپنا دکھڑا سنایا | تو اشکوں سے خوں جھٹ اس دم بہایا
وہ غم اپنا غم ہم نے کر کے دکھایا | پرائے کو دل دیکے اپنا بنایا

سدا غیر کو بھائی ہم مانتے تھے
اصولِ محبت بھی سب جانتے تھے

شگفتہ جو اس قوم کا گلستاں تھا | سدا لہلہاتا جو یہ بوستاں تھا
حقیقت میں جو رشک باغ جناں تھا | نہ تھیں ہیں کبھی ہم کو خوف خزاں تھا

وہ تاراج آنکھوں سے اب دیکھتے ہیں
خزاں کے نشاں اس میں سب دیکھتے ہیں

مگر پھر زمانے نے کچھ پلٹا کھایا | طبیعت میں جوش کہن لوٹ آیا
جو روٹھے ہوئے تھے انھیں کچھ منایا | ذرا خواب غفلت سے سب کو جگایا

غرض ظاہرا تو ہے بھائی بھائی
دلوں میں نہ اب تک ہوئی پر صفائی

ذرا دیکھو کیا ہے جماعت ہماری | زمانہ میں کیا ہے حقیقت ہماری
نہیں جانتا کوئی طاقت ہماری | نہ صنعت ہماری نہ حرفت ہماری

مگر ہاں یہ طوقِ غلامی پہن کر
اٹھاتے ہیں غیروں کا بوجھ اپنے سر پر

اٹھو ننا غافلو اب نہ سونا ذرا تم | نہ غفلت میں اب وقت کھونا ذرا تم

نہ اشکوں سے مُنہ اپنا دھونا ذرا تم کہیں اب تو بیدار ہونا ذرا تم
اگر پائے ہمت کچھ اپنا بڑھے گا
خدا بھی ہماری مدد پھر کرے گا

انتخاب قومی نظم دیگر

برحالت کشمیری پنڈتان

مسدس

اے اتفاق باعثِ بہبودیِ جہاں اے باعثِ امانِ زمن راحتِ جہاں
اے دایۂ بہارِ گل و فصلِ بوستاں اے جوئے شیر اُلفتِ دلہائے دوستاں
فصلِ خزاں میں تو ہی بہارِ شمیم ہے
پژمردہ غنچوں کے لئے تو ہی نسیم ہے

اک وہ بھی دن تھے عیش کے باغ و بہار کے سوتے تھے تیری گود میں پاؤں پسار کے
کٹتے تھے دن بھی چین سے لیل و نہار کے اُلفت سے پُر تھے سینے صغار و کبار کے
راحت بھی اپنی شکل دکھاتی تھی بار بار
اور چومتی قدم تھی مسرت ہزار بار

اے اتفاق جب نہ رہا تجھسے اتفاق وہ دن بھی پھر تو ہوگئے بس ہائے "اتفاق"
کرموں کا اپنے پھل کہیں اسکو کہ اتفاق دیکھا تھا اپنی قوم میں پہلے جو اتفاق
زنگِ نفاق آئینۂ دل پہ چڑھ گیا
جو موم کا کلیجہ تھا پتھر سے بڑھ گیا

اس طور جب نفاق کے ہم یار بن گئے فرقے ہماری قوم میں پھر چار بن گئے
کوئی تو دھرم کے ہی مددگار بن گئے اور کوئی خود ہی بشن کے اوتار بن گئے

چوٹی کٹا کے کوئی مسلمان ہو گیا
اور ست سبھا میں کوئی کرشان ہو گیا

جس قوم کا چراغ منوّر ہو اس قدر　　خورشید بھی نہ جس سے زیادہ ہو جلوہ گر
وہ آج دیکھ لیجے ہوا ماند کس قدر　　مدھم دیا وہ آتا ہے آنکھوں میں اب نظر

جس قوم کا عروج بر اوجِ کمال ہو
افسوس ہے جہاں میں اسے یوں زوال ہو

ہر طور ہم کو چاہیے نیشن کا بس خیال　　ہو دل میں یہ کہ قوم نہ ہو جائے پائمال
یہ قومیت بنی رہے اپنی ہزار سال　　وہ کام کر دکھاؤ کہ دنیا میں ہو مثال

قدر و نگاہِ غیر میں عزت نصیب ہو
ہر کار و بار میں تمھیں ثروت نصیب ہو

شام - پنڈت شام نراین گو ڑو صاحب خلف پنڈت کندن لال صاحب۔

آپ چند سال تک بعہدہ سررشتہ دار بورڈ آف ریونیو خاص الہ آباد میں مامور رہے اور اپنے حسن لیاقت سے عہدہ تحصیلداری پر ترقی پائی۔ تحصیل مہابن ضلع متھرا میں ایک عرصہ تک آپ تحصیلدار رہے تھے۔ آپ خوش رو، ست اور خوش مزاج بزرگ تھے۔ تمام عمر آپ نے عالم تجرد میں گذاری۔ آپ کے برادر زادگان پنڈت رام نراین گوڑو اور پنڈت آدیہ نراین گوڑو الہ آباد میں سکونت پذیر ہیں۔ افسوس ہے کہ آپ کا کل کلام ضائع ہو گیا صرف ایک غزل باقی رہ گئی جس سے آپ کی قابلیت کا اندازہ ہو سکتا ہے۔ پنشن لیکر آپ نے الہ آباد میں مستقل سکونت اختیار کی تھی ۱۹۲۲ء میں آپ نے اس دار فانی سے رحلت کی۔ بوقت وفات آپ کی عمر تقریباً ۷۵ سال تھی۔ قبل وفات آپ نے سنیاس لے لیا تھا۔

دامن ہستی پہ داغ کھاتے رہنا عاشقی　　تنگ لیبان اور تیغ تمنا عاشقی



پنڈت شام نراین گورٹو۔ شام

اے سرت گردم کہ در ہر منزلِ پیمائے عشق — خود زدی ناخن بداغ و خود مداوا ساختی
کشتہ ام کردی بہ ناز و زندہ کردی از ادا — خود قرار از من ربودی خود شکیبا ساختی
بیخودم کردی و افگندی مرا بر پائے ناز — سرِّ مستیِ منِ دیوانہ افشا ساختی
نورِ معنی را پئے آرام جانِ زار من — در حریم کعبۂ دل جلوہ آرا ساختی
عاشقاں را خون چو از تیغِ تغافل ریختی — محشرے در جلوہ گاہِ ناز برپا ساختی
جرعہ نوشانِ مئے نابِ شبوئے شوق را — والۂ وارفتۂ و سرمست و شیدا ساختی
از کفِ اہلِ نظر بردی عنانِ صبر را — عالمے را محوِ خط و خالِ زیبا ساختی
شد فراغ حاصل مرا از ناز و انداز بتان — تا ضمیرم را بہ نورِ حق مجلّا ساختی
بے تو اے جانان نشد حاصل قرارم یک نفس — از تو حیرانم چسان تنہا تو بے ما ساختی

گاہ گاہ از حالتِ شامِ غریباں ہم بپرس
تو کہ بابرگ و نوا شاہ و گدا را ساختی

شکوہ۔ پنڈت نرنجن ناتھ ٹکّو صاحب

آپ تحصیل ظفر وال ضلع سیالکوٹ میں منصف عدالت تھے۔ خاندان کا شجرۂ نسب دیوان نند رام ٹکّو صاحب سے جا ملتا ہے کہ جو کسی زمانہ میں وزیر اعظم افغانستان رہے تھے۔ وہ زمانہ پنجاب میں مہاراجہ رنجیت سنگھ کی حکمرانی کا تھا۔ آپ کا خاندان کشمیر سے آکر بڑے عروج کی حالت میں امرتسر میں قیام پذیر ہوا۔ اُسوقت سے آج تک امرتسر جائے سکونت ہے۔

آپ فقیر منش اور فقیر پرست بزرگ تھے۔ فرصت کا وقت اکثر یادِ الٰہی میں صرف کرتے تھے۔ بعض اوقات حالتِ جذب و بیخودی میں کچھ ایسی باتیں کرتے تھے کہ بیتے لوگ وحشت کے نام سے منسوب کرتے تھے۔ بسا اوقات عدالت کا کام کرتے کرتے بیخودی سی طاری ہو جاتی تھی۔ چنانچہ اس بات کی طرف

خود ایک شعر میں اشارہ کرتے ہیں:-

کیوں نہ ہو کارگذاری میں بھی وحشت کا خیال
جس عدالت کا میں منصف ہوں وہ دیوانی ہے

کشمیری اور فارسی میں شعر گوئی کا شوق تھا چنانچہ فارسی کلام کا نمونہ ملاحظہ ہو:-

روشن دلی بہ تیرہ درونان فروختیم — آئینہ در ولایت کوران فروختیم
بے جان و دل بعشوۂ جانان فروختیم — ہم دین فروختند و ہم ایمان فروختیم

آپ پینتیس سال کی عمر میں اس جہان فانی سے راہیٔ عالم جاودانی ہوئے۔

شوق پنڈت پرتھی ناتھ صاحب (نیز صفحہ ۵۱۱ ملاحظہ ہو)

اگر دل صحبت تنگ آ کے سرگرم فغاں پھر ہو — [illegible] آسماں پھر ہو
نہ وہ بدلے نہ دل بدلا نہ دل کی آرزو بدلی — تو کیونکر اعتبار انقلاب آسماں پھر ہو
مرے درد آشنا دل کی بساط آرزو یہ ہے — وہی پیکان حسرت آ کے مہماں پھر ہو
پتنگ برق میں ہو جگمگاتے ہو ستاروں میں — تکلف کیا ہے [illegible] آنکھوں سے نہاں پھر ہو
محفل [illegible] حرم ہے ایک ویرانہ — تو [illegible] کہاں پھر ہو
جلا [illegible] وہ دل رہ رہ کے میرا [illegible] — [illegible] دھواں پھر ہو
مطلع [illegible] ہو کر [illegible] دل [illegible] — بتاؤ کون [illegible] راز داں پھر ہو

چراغ [illegible] ہو درد جگر [illegible] — [illegible] زمانہ [illegible] اثر میں
[illegible] وطن کا [illegible] — عالم کی مصیبت کا [illegible] ہے نظر میں

فطرت کا تقاضا ہے سُلگ جائے تو اچھا — جو آگ ہے اُلفت کی چھپی قلبِ بشر میں
دیکھے تو کوئی پردۂ غفلت کے تماشے — وہ پاس تھا میں ڈھونڈتا پھرتا تھا نگر میں
یہ اہل وفا کے لئے ہے ضبط کی معراج — دل تو جلے اور سوز نہ پیدا ہو جگر میں
اپنے دلِ ویراں کی ہیں سب حسرتیں مشکور — تنہائی میں کیا خوب دیا درد جگر میں
سر بار ہے گردن پہ ٹلے بیٹھے ہیں عشاق — حسرت نہ رہے باندھئے تلوار کمر میں

کر لو عملِ نیک جو کچھ ہو سکے اے شوق
کام آئیں گے یہ منزلِ ہستی کے سفر میں

پنڈت اوتار لال بقایا

غزل ظریفانہ

قوم میں ریفارم ایوی ڈینٹ ہے — آپ ٹوڈیٹ ہر لیڈی و ہر جینٹ ہے
اُڑ گئے سولہ سنگھار اُن کی جگہ — پاؤڈر ہے، کریم ہے اور سینٹ ہے
ہم ہیں اب ایڈوانسڈ ہم میں ہر کوئی — لاٹ صاحب اور لیفٹیننٹ ہے
حضرتِ وائف جو بن جائیں وکیل — بہرِ شوہر پیشۂ ایجینٹ ہے
اُردو و ہندی سے ہے نا آشنا — میری بیٹی خوگرِ کنوینٹ ہے
اُٹھ گئی ہے اب وہ گل بیٹھو کی قید — اب تو بس پابندیِ پریذیڈنٹ ہے
میں اگر لڑوں گی تو لوں گی سات تان — میرا بیٹا چیف اکاؤنٹینٹ ہے
کر تو لیتی اُس سے میں شادی مگر — میں ہوں ایم۔اے پاس وہ مرچینٹ ہے
صبح کو پہ شاد پوجا اب کہاں — کیسٹر آئل اور پیپرمنٹ ہے

پھینک کر زیور ہوئی ہوں حور وش — کان میں صرف ایک ہی بٹن ڈینٹ ہے
انتظام خانہ داری میں کہاں — نوکری میں جس قدر کن ٹینٹ ہے
گھر میں ملتا تھا نہ خدمت کا مزا — میری بیٹی قوم کی سروینٹ ہے

بے سری کا سر میں سودا ہے تمام
دل میں آزادی کا سینٹی مینٹ ہے

روشن پنڈت تیج نراین ہاکسر صاحب دہلوی نبیرہ پنڈت پرم نراین ہاکسر صاحب

جاؤ نہ منہ کو موڑ کے انداز و ناز سے — ہاں ایک نظر ادھر بھی ذرا امتیاز سے
رونے کا تار بھی چھڑے آہ و فغاں کے ساتھ — وہ راگ کیا ہے ربط جسے ہو نہ ساز سے
گریہ پہ میرے ہنستے وہ محشر میں کیا عجب — چشم امید ہے مجھے بندہ نواز سے
مے کے پئے بغیر نشہ میں ہیں چور ہوں — آنکھیں لڑی ہوئی ہیں کسی مست ناز سے
ہم کو کھلا یہ راز طلسمی جہان میں — نیرنگ ناز و اسے ہیں رنگ نیاز سے
جور و ستم بتوں کے اٹھانے سے کیا غرض — ہیں لو لگائے بیٹھے ہوئے اب تو بے نیاز سے

کیوں بزم شاعراں کو نہ روشن سے ہو فروغ
روشن ہے شمع بزم میں سوز و گداز سے

مطول از بقا۔ پنڈت ست رام صاحب بقا (…)

صد داں سے طلبیدہ در خون دل از خوباں گداز کردہ ام نہ پاسے آنکہ بکلید ہمہ رشتہ امید بستیم کہ از درد خود گوئیم وا از لب جنم کہ ساز چارہ سازی خود بجائے با کہ از خود قرارم بر از دل دو گرداں جو ہیچ خوباں شکایت ہائے گردوں نہ نمایند خوباں خدا را اے نصیحت گر تو از راہ کرم دیگر زبانے خاص شو دست و قلبی کار ہم شکوہ کہ در فریاد چواں آہ بیتاباں ایں عقدہ بکشاید زدست تنہ تا نہ باز ہستی گلستہ مرہ باں ناکم

اشک بارم یا ز حالِ عنبریں مویاں معاذ اللہ خطا گفتم حدیثِ نار وا گفتم کہ در آئینِ
جانبازی نہ زیبد شکوہ پردازی کسے کز عشق مے لافد فلک را سقف بشگافد
بدوشِ طاقتِ عاشق نباشد ز آسماں بارے کہ بردارندۂ کوہے نتابد سر ز دیوارے
چہ پروا دارد از شورِ فلک شوریدہ سامانے حبابے کے شنیدستی کہ ہمسر شد بطوفانے
ہماں بہ قصّہ بگذارم زگردوں رو بہ مہ آرم گہ از یادِ گلِ رویش گہ از سودائے گیسویش
درم از سر گریبانے کشم سر در بیابانے نگارے سنگدل کز دستبردِ پنجۂ مژگاں
زند از جوشِ مستی صد فلک را شیشہ بر سنداں دلازاری بود کیشش خوش آید سینہ ریشش
کمانے دارد از ابرو کہ در ہر گوشہ از ہر سو شود غلطاں بخوں جانے طپد بر خاک قربانے
دل از اندازِ بیباکے برد از قبضۂ خوباں چو مژگاں تیرِ نازش را دہد جا چشمِ محبوباں
اگر بندِ قبا بندد گرہ بر قتلِ ما بندد ور از رخ پردہ سازد وا شود در پردہ گل رسوا
نگہ چوں بشکند بر سر کجا کس سر کشد دیگر بہ چالاکی چو بر بندد کمر در دلفریبی ہا
گریباں ہا دراں پردہ در از جامہ زیبی ہا گل اندامے جفا جوئے ندارد از وفا بوئے
گل است اما گلِ رعنا نماید از دو رنگی ہا لبش در خندہ آید چوں ہزاراں اکند مفتوں
بگاہ عشوہ سازی ہا فریبد دل ببازی ہا ز زلفش عہد بستن ہا و برگشتن ز مژگانش
نہ بندد مردِ دانا تا تواند دل بہ پیمانش چو از مستی برافروزد بہ مینا بادہ مے سوزد
ز گرمی ہائے خوئے او عرق ناید بروئے او نمے باشد ز تنگی ہا سخن را در دہانش جا
کند از خواب بیدارش شکستن ہائے رنگِ گل شود دودِ دماغش از نزاکت نکہتِ سنبل
بہ بزمش کس کجا گستاخ تابِ گفتگو دارد سپند از دودِ بیجا سر مہر دم در گلو دارد
اگر عاشق کند موہا کند بازی بہ گیسو ہا وگر عالم بدام آرد کمند از دست نگذارد
نمکدان لبش گویا نمک دارد ز شورِ ما نہ پیچد سر ز خودکامی نہ پرہیزد ز بدنامی
چو گل خنداں شود ہر دم ز پیراہن دریدن ہا برقص آید ز شادی از صدائے دل طپیدن ہا

به این بدمستی دل بستن بکارِ شیشه بشکستن   به این بیباکی الفتن در آغوشِ اجل خفتن
باین مه گرد گردیدن تمام عمر کاهیدن   سپردن دل به این سرکش فگندن پنبه بر آتش
نمیدانم که دل شد راهبر یا دیده سوئے او   که همچون نقشِ پا زنجیر باشد خاک کوئے او
نمے یابم بدل تابے که سر تابم ازان رویش   بگیسویش گرفتارم گرفتارم بگیسویش
دمے دل ده بدلدارے بیا تم گرچه با خاکے   سرے دارم به دیوارے به تہمت گر غبارم من
غبارِ کوئے یارم من   ندانم باکه آمیزم بدامان که آویزم   قرارم همچو طفلِ اشک رفت
از بیقراری ها   چو پیرِ صبح عمرم صرف شد در دم شماری ها   شگفتن رفت همچون غنچهٔ تصویر
از یادم   دماغِ خندهٔ شادی ندارد طبع ناشادم   بیا یک ره تکاپو کن بزن گامے
به ره روکن   پئے عرضِ گرفتارے سحر خیز افگن کارے   مشو دل بستهٔ سامان بهار پر
گل اندامان   چو گل برگِ سفر از پاره هائے دل فراهم کن   غذائے صبح و شام خویشتن
از خوردن غم کن   بهمت کارفرما شو انیس خاطرِ ما شو   غم دل با تو سر کردم ترا از خود
خبر کردم   مترس از بیکسی در ره ز جا برخیز بسم الله   اگر از عذر تنهائی قدم در راه کشائی
رود هنگامِ رفتن نالهٔ من پیشوائے تو   دود وقتِ دویدن خیلِ اشکم در قفائے تو
چو تیر از تو مقر به گز بپال کس میپر هرگز   سبک پے شو درین وادی برافگن طرحِ آزادی
بدلها چون فتنه کارت شو چون سرو دل بارت   گر در منزل گه آن سنگین دل ساید همره
اگر یارے هوس داری ببند دل در تمنایش   وگر سود سفر خواهی بگردان سر ز سودایش
بوقت بیدماغی فکرِ زلف مشکبارش کن   دم لب تشنگی یاد عقیقِ آبدارش کن
بیا اے محرم راز دل سرگشتگانِ وادیِ الفت   برار از خاطرم کلفت   میفشان آستین
بر من نگردان بر کمر دامن   بطوفِ گلشن کوئے ببوئے عنبرین موئے   چو سنبل کرده گردن خم
او اسے جده کن هر دم   بگردش گرد یک چندے به موئش بند پیوندے   شب غربت
بپایان بر بذلت عنبر افشانش   سحر چون صبح بیدل کن سر از چاک گریبانش

ولے باید کہ داماں از ادب برچیدہ بنشینی   برنگِ صورتِ دیبا نفس دزدیدہ بنشینی
کہ نبود از نزاکت ہا در آغوشِ خیالش جا   گلش ترسم ز بو کردن پذیرد رنگ افسردن
شود آشفتہ ہمچوں موز دل بستن میانِ او   کزاں گردد ز درگوششِ مپرس از لعل ناموشش
بدل گر بگذرد داغِ منش از لالہ مے رنجد   در آغوشم کند آں ماہ یاد از ہالہ مے رنجد
اگر افتادہ با ماں گردد از سحن ہا بر سر کویش   نہ جنبد یک سرِ مویش غرورِ حسن نگذارد
کہ زلفش سر فرود آرد   ملاول در پناہِ او تغافل در نگاہِ او   بقتلِ عاشقاں تیزی
جہاں آشوب خونریزی   شود گردِ سر بامش سحر خورشید و مہ شامش   بہ شوقِ ماہ پیکرہا
شبے بشمرہ اخترہا   نشاند خلق را بر خاک و نہ نشیند براہِ کس   نہد کوہے
بسر بر سر نگردد بارگاہِ کس   ز شورِ بیدلاں صحرائے محشر گشتہ راہِ او
اگر خورشید فردا بنگری بنگر بہ ماہِ او   زحسنش گفتگو کردن محیطے در سبو کردن
حدیثِ غمزہ اش گفتن بہ الماسے جگر سفتن   زچشمش خوردہ مے ہوشے گرت ماند بہ گوشے
کہ ہنگامے رمیدن ہا زمانِ آرمیدن ہا   بہ سنگِ آستانش سر بسائی گر سرِ من بر نگردد
در بدل بارش بیا سا زیرِ دیوارش   سگش را ارمغانِ من ببر از استخوانِ من
غبارِ راہِ او بنشاں بآبِ چشم گریانم   برائے رُفتن کویش ببر جاروبِ مژگانم
نہ جنبانی زدامن بر زدن آنجا غبارے را   نگردی چوں نگردی بارِ خاطر خاکسارے را
شوی چوں سرفراز از دولتِ پابوسِ دربانش   زخود کن عرض تسلیمے زمن تسلیم کن جانش
نگارے عنبریں موآتشیں خوشعلہ ساماں برق جولاں مستِ صہبا آفتِ ما کز نگاہِ گرم
جانسوزش لبان شمع افتد آتشے در رشتۂ جانہا کہ نہ نشیند شود گر اشک و
آہش باد و باراں ہا   اگر پرسد خبر از من بگو با چشمِ تر از من   کہ از الفت
گرفتارے طپید بر خاک چوں مارے   دماغ آشفتہ دل شیدا سرش پیچیدہ از سودا
سیہ شد روزگارِ او پریشاں گشت کارِ او   ندارد حلقہ ساں چشم رہائی از کمندِ تو

فلندش تاکدامیں ساعتِ سنگیں بہ بندتو کزز چوں زبانِ شانہ گوید ہر سر مویش
بہ گیسویش گرفتارم گرفتارم بہ گیسویش۔
تا پردہ برفتاد ازآں رو بہ یک طرف یکسو پرید رنگ زگل بو بہ یک طرف

بُلبل۔ پنڈت واسہ کول اوگرہ۔ خلف پنڈت ٹھاکر کول صاحب۔
سکونت محلہ خانقاہِ معلےٰ۔ سری نگر کشمیر۔

آپ ۱۹۱۳ء بکرمی مطابق ۱۸۵۶ء میں بمقام سری نگر کشمیر پیدا ہوئے اُس زمانے کی فارسی کی مروجہ تعلیم اپنے وقت کے مشہور استاد علامہ پنڈت ست رام صاحب مجرم سے بیس سال تک پاتے رہے۔ حضرتِ مجرم کو آپ سے دلی خلوص اور اُنس تھا اگرچہ سرچشمۂ فیض علامۂ موصوف سے اکثر اہل کشمیر ان دنوں فیضیاب ہوئے مگر آپ ان کے عزیز اور قابل شاگردوں میں سے تھے لہذا وہ ہمیشہ نہایت شفقت سے آپ کی تعلیم و تربیت میں حصہ لیتے رہے۔

آپ پہلے پہل سرکارِ کشمیر کے محکمۂ کسٹم میں ملازم ہوئے۔ کچھ عرصے کے بعد آپ کو اپنے ماموں پنڈت کرشن داس صاحب ٹھسو نے محکمۂ تعمیرات میں ملازم کرایا چنانچہ ۱۹۴۳ بکرمی مطابق ۱۸۸۶ء تک بحیثیتِ تعمیر باشی کے فرائض انجام دیتے رہے۔ اسی دوران میں آپ کی طبیعت شعر و سخن کی طرف زیادہ مائل ہوئی اور ایک دو کتابیں تصنیف فرمائیں۔

یہ سلسلہ ملازمت ختم ہونے پر دیوان جانکی ناتھ صاحب مدن نے (جو ان دنوں حاکم وقت سمجھے جاتے تھے اور بحیثیت ایک اعلیٰ عہدہ دار کے ریاست میں برسرِ اقتدار تھے) آپ کی شاعرانہ قابلیت کو مدِ نظر رکھتے ہوئے آپ کو محکمۂ پولیس میں بطور سارجنٹ مقرر کیا۔ رفتہ رفتہ ڈپٹی انسپکٹر بنائے گئے۔ ۱۹۵۷ء بکرمی مطابق ۱۹۰۱ء میں

آپ پنشن یاب ہوئے اُس وقت سے خانہ نشینی اختیار کی بسنہ ۱۹۶۵ بکرمی مطابق سنہ ۱۹۰۹ء میں سرگباس ہوئے۔

آپ کے تصانیف میں سے "چہار درویش"، "گلشن عندلیب"، "گلزار بلبل"، "ہریشچندر ناٹک" اور "دیوانِ بلبل" یادگار ہیں۔ یہ تمام کتابیں منظوم ہیں۔ آپ کا کلام اگرچہ پُرانے اُستادوں کے رنگ میں نہیں لیکن سلاست اور سادگی لئے ہوئے ہے اور اس میں شک نہیں کہ آپ نے اپنے استاد کے فیضِ صحبت سے بہت کچھ فائدہ اُٹھایا ہے۔ اب نمونہ کلام ملاحظہ ہو

یارب کرمے گناہِ مارا ‌ ‌ ‌ ‌ رحمے دلِ بے پناہِ مارا
موگشت سفید و روسیاہم ‌ ‌ ‌ ‌ شرمے دلِ روسیاہِ مارا
از کوتہی نہ شد رسائی ‌ ‌ ‌ ‌ پیشِ تو کمندِ آہِ مارا
شرمندگیش بود زعصیاں ‌ ‌ ‌ ‌ عفو دلِ عذر خواہِ مارا
از خاکِ درِ خود اے شہنشاہ ‌ ‌ ‌ ‌ فخرے بدہ ایں کلاہِ مارا
دل راست جہادِ نفس درپیش ‌ ‌ ‌ ‌ نُصرت تو دہی سپاہِ مارا
سدّے ز خودی بہ بست بُلبل
بردار تو سدِّ راہِ مارا

عنایتِ قناعتے چو گشت دستگیرِ ما ‌ ‌ ‌ ‌ قلیل شد کثیرِ ما سریر شد حصیرِ ما
ز لطفِ تنگ دستیم فراخ گشت حوصلہ ‌ ‌ ‌ ‌ مُنیر شد ضمیرِ ما نصیر شد بصیرِ ما
بتختِ جم نشستہ ام شکیب و درد و رنج و غم ‌ ‌ ‌ ‌ وزیرِ ما امیرِ ما مشیرِ ما دبیرِ ما
ہوس نیافت دسترس قفس شکست در نفس ‌ ‌ ‌ ‌ نشانہ یافت تیرِ ما سفیر شد اسیرِ ما
کشادہ گشت راہِ دل گرفت جاں پناہِ دل ‌ ‌ ‌ ‌ مُطاع ما مطیعِ ما مریدِ ماست پیرِ ما
غبار و گردِ دہر غمے فرو نشست دردمے ‌ ‌ ‌ ‌ دریں رہ خطیرِ ما شد ابر او مطیرِ ما

خموش باش بلبلا مکن فغاں زدرد و غم
گراں بگوش گل شدہ صفیر ما نفیر ما

یار گفت کہ اے کمینۂ ما کیست یاراں دگر قرینۂ ما
زاہد از تیرگی بشوی دل صاف گر کشی درد و آبگینۂ ما
از خیال لبان و دندانت لعل و گوہر ہست در خزینۂ ما
دلبرا تا بہ کے روا داری جور و ظلم و جفا و کینۂ ما
خود دعا بود منتظر شب و روز داد دشنام ما شبینۂ ما
دل براہ غمت چو پاے نہاد ز فلک گشت پاے زینۂ ما

عشق آں گل رخ ستم پرور
نیست بلبل بغیر سینۂ ما

داد داغ تو فراغ دل ما لالہ زارے شدہ باغ دل ما
از مئے شوق لب میگونت گشت سرشار ایاغ دل ما
نکہت زلف تو آورد صبا تازگی یافت دماغ دل ما
از رخ روشنت اے شمع جمال روشنی یافت چراغ دل ما
غرق در چاہ زنخ یوسف ماست کس نیاورد سراغ دل ما
منت پنبہ و مرہم نکشید آفریں باد بداغ دل ما

باز عیش و طرب افتاد بدام
بلبل از ہمت زاغ دل ما

ایں نالہ و آہ دلم کے گوش نازک بشنود آں گل کہ در پایش خلد از صوت بلبل خارہا
راحت چمن پیدا شدہ آمد بگلگشت دلم داغش نمودہ ہر طرف در سینہ ام گلزارہا
تا کے نماید آستیں ایں اشک چشم از دیدہ پاک آہ و فغاں راز دلم افگندہ بر بازارہا

در عقدہ ہائے آرزو وائے دل بدبینساں مپیچ — شفقت اگر حلال شد مشکل نباشد کارہا
عقل و جنوں را در غمش یکبارگی افتادہ کار — چوں عشق منصب گیر شد بیکار شد افکارہا

برخاک کویش گر گذر داری تو بلبل در نظر
افتادہ در کویش نگر برگوشہ از سر بارہا

گفتم ستمگر رحم کن گفتا نہ دارد کار ما — گفتم کہ انصاف کجا گفت این ہنر شد عارہا
گفتم کہ من یارِ توام گفتا ندانم کیستی — گفتم غمت دارم بدل گفتا نہ غمخوارِ ما
گفتم چرا راندی ز در گفت از رقیبم پُر حذر — گفتم بتاب از غیر رو گفتا نباشی یارِ ما

(نیز صفحہ ۲۷۲ ملاحظہ ہو)

خازن۔ پنڈت سہج رام کول ۱۸۸۱ بکرمی مطابق ۱۸۲۵ء میں بمقام

سری نگر کشمیر پیدا ہوئے۔ آپ پنڈت دیا رام کول کے صاحبزادے تھے۔ چونکہ اس زمانے میں چھاپہ خانوں اور پریسوں کا وجود کشمیر میں بالکل نہ تھا۔ لوگوں کو درسی کتب اور دیگر علوم متعارفہ کے نسخے خود نقل کرنے پڑتے تھے یا کاتبوں سے لکھوانے کی ضرورت محسوس ہوتی تھی اس وجہ سے ان دنوں خوشنویس کاتبوں کی بڑی مانگ اور قدر ہوتی تھی۔ آپ نے بھی کتابت کا پیشہ اختیار کیا تھا اور خوشنویس کے نام سے مشہور ہوئے۔ آپ محض خوشنویس ہی نہ تھے۔ بلکہ صاحبِ کمال بھی۔ علوم ہندسہ۔ اقلیدس۔ نجوم۔ رمل وغیرہ میں دستگاہِ کامل رکھتے تھے۔ آپ کی بیشمار تصانیف میں سے جو اب تلف ہو چکی ہیں اس وقت بھی آپ کے ہاں ان مضامین پر کئی بیش قیمت اور نایاب ضخیم قلمی کتابیں موجود ہیں جن کو دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے کتنے ہی سہل الفہم اصول۔ مفید قاعدے۔ منظوم ہدایات اور مختصر گُر اور نقشے وغیرہ طالبانِ ذوق کے لئے منضبط کئے ہیں۔

آپ اپنے وقت کے ایک اچھے نثر نویس اور قابل قدر شاعر تھے۔ نثر میں

اس وقت آپ کی ایک تصنیف "انشاء سبج رام" موجود ہے۔ نظم میں آپ کی دو مثنویاں موسوم بہ "مہاراج نامہ" یعنی مہاراجہ رنبیر سنگھ صاحب بہادر آنجہانی کے حالات اور "قصۂ جواہر شاہ" مشہور ہیں۔ علاوہ ان کے آپ نے بیشمار غزلیں۔ قصائد اور حکایات منظوم لکھی ہیں جنہیں سے اب بہت کم حصہ دستیاب ہوا ہے۔ آپ ۶۳ سال کی عمر پاکر ۱۹۴۴ بکرمی مطابق ۱۸۸۸ء میں اس جہانِ فانی سے رحلت کر گئے۔ آپکی نسبت یہ مشہور ہے کہ آپنے ایک اسطرلاب بھی ایجاد کیا تھا۔ نمونۂ کلام ملاحظہ ہو۔

در حضرت او ز من کہ گوید — باشہ ز گدا سخن کہ گوید
از زاری ایں گدائے بے زر — با آں شہ سیمتن کہ گوید
گویند ہمہ ز حسنِ خوبت — خوش نسبت چو من کہ گوید
با کوئے تو گر بہشت بویاست — از گلشن و از چمن کہ گوید

نیست دل شاد چہ مے باید کرد — کار برباد چہ مے باید کرد
دل کہ آزاد نبد از قید جہاں — بندیِ آزاد چہ مے باید کرد
چند استادہ بہ پندم ناصح — عشقم افتاد چہ مے باید کرد
عشق نزدیک رسانید و عقل — دوری افتاد چہ مے باید کرد
دل بر بستہ ز بندِ سرِ زلف — شانہ بکشاد چہ مے باید کرد
قیس دیوانگیم نادرِ دہر — نام بنہاد چہ مے باید کرد

بوئے خوش از بہار مے آید — مگر آں گلعذار مے آید
خونِ دل تا نساز مش پامال — کے بدست آں نگار مے آید
گل بچشمم در است خار اکنوں — یار گلگوں سوار مے آید
اے صبا مقدمت خنک کز تو — بوئے آں گلعذار مے آید
بے رخت گل بچشم من خار است — چوں تو آنی بہار مے آید

ڈیری۔ پنڈت راجہ کول صاحب (صفحہ ۳۰۹ ملاحظہ ہو)

۱۸۸۵ بکرمی مطابق ۱۸۲۹ء میں بمقام سری نگر کشمیر پیدا ہوئے۔ فارسی کی مروجہ تعلیم جیسی اُس زمانہ میں دیجاتی تھی معمولی طور پر پائی۔ پندرہ سال کی عمر میں تحصیل علم سے فارغ ہو کر مہاراجہ رنبیر سنگھ صاحب آنجہانی کے دربار میں عرض بیگی کے عہدے پر مامور ہوئے۔ ۱۹۲۶ بکرمی مطابق ۱۸۷۰ء میں تحصیلدار بنائے گئے۔ لیکن چونکہ اوائل عمر سے ہی طبیعت لاابالی اور رندانہ واقع ہوئی تھی اور دنیاوی جاہ و حشمت سے ہمیشہ بیزار رہتے تھے بمشکل ایک سال تک اس عہدے کے فرائض انجام دینے کے بعد اس سے دست بردار ہو گئے۔ اس پر مہاراجہ رنبیر سنگھ صاحب نے آپ کو دوبارہ اپنا سکریٹری مقرر فرمایا۔ کچھ عرصے کے لئے محکمۂ خبررسانی کے افسرِ اعلیٰ یعنی ہرکارہ باشی کے ذمہ دار عہدے پر ممتاز ہوئے۔ اس کے بعد جب ریاست میں پولیس کا محکمہ باضابطہ طور پر قایم کیا گیا تو آپ اسسٹنٹ سپرنٹنڈنٹ پولیس کے فرائض تادم مرگ انجام دیتے رہے۔

آپ نے مختلف حیثیتوں میں ریاست کی جو قابل قدر اور وفادارانہ خدمات انجام دیں زبان زد خاص و عام ہیں۔ یہاں فقط ایک دو واقعات پر اکتفا کیجاتی ہے۔ جب ۱۹۳۴-۳۵ بکرمی مطابق ۱۸۷۷ء میں کشمیر میں سخت قحط پڑا اور باوجود گورنمنٹ کی سخت کوششوں کے رعایا مصیبت میں مبتلا ہوئی آپ نے اپنی خیرخواہی کا وہ ثبوت دیا کہ باید و شاید۔ مرحوم پنڈت ہرگوپال کول صاحب نے (جو ان دنوں ایک مشہور و معروف لیڈر سمجھے جاتے تھے) مہاراجہ رنبیر سنگھ صاحب آنجہانی پر اس الزام کو عاید کرنے کی بے سود کوشش کی کہ انھوں نے رعایا کے لئے خوراک بہم پہنچانے میں کوتاہی کی۔ گورنمنٹ برطانیہ نے جب تحقیقات شروع کی تو ڈیری صاحب کی کوششوں سے یہ الزام بالکل غلط اور بے بنیاد

ثابت ہوا اور گورنمنٹ کو ماننا پڑا کہ مہاراجہ صاحب نے حتی الامکان رعایا کی پرورش کا انتظام کر رکھا تھا۔ مہاراجہ صاحب سرگباشی سے آپ کو اس کے معاوضے میں ایک جاگیر عنایت کی لیکن آپ نے اپنی بے نیازی اور استغنا سے قبول نہ کی۔

ایک اور واقعہ جس سے آپ کی دیانتداری ظاہر ہوتی ہے یہ ہے کہ ـــــــہ بکرمی مطابق ـــــــء میں کشمیر کے شیعہ اور سُنّی مسلمانوں کے درمیان ان کی بعض اندرونی اور دیرینہ کدورتوں اور مذہبی اختلافات کی بنا پر باہمی نزاع پیدا ہوئی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ سُنّیوں نے تمام شیعوں کے مکانات میں آگ لگادی اور لوٹ مار کا بازار گرم رکھا۔ حاجی مختار شاہ جو اس زمانے کے ایک نہایت دولتمند تاجر۔ ذی رسوخ رئیس اور شیعوں کے واجب التعظیم لیڈر تھے اس فساد کے محرک بتائے جاتے تھے۔ دیری اس معاملے کی تحقیقات کے لئے مقرر ہوئے۔ کہتے ہیں کہ ملک بھر کے سربرآوردہ سنّی مسلمانوں نے مل کر آپ کو ایک لاکھ روپے کی رقم بطور رشوت محض اسلئے پیش کی کہ آپ حاجی مختار شاہ کو اس الزام سے بری ثابت کریں۔ لیکن آپ نے اپنی عالی ہمتی کے باعث یہ رقم قبول کرنے سے صاف انکار کیا اور کہا کہ بحیثیت ایک خیر خواہ ملازم سرکار کے ایسی نمک حرامی کسی طرح نہیں کی جاسکتی۔

آپ علم نجوم میں نہایت ماہر۔ اول درجے کے مشاق شاطر اور علم قیافہ میں اُستادِ کامل تھے۔ کسی کا زائچہ دیکھ کر جو کچھ فرماتے تھے حرف بحرف صحیح ثابت ہوتا تھا اسکے متعلق بہت سی روائتیں مشہور ہیں جن کو بخوف طوالت یہاں قلم انداز کیا جاتا ہے شطرنج بازی میں ایسے صاحب کمال تھے کہ جتنے شاطر بیرونی ممالک سے کشمیر میں آتے رہے کوئی ایسا نہ تھا جس سے آپ نے بازی نہ لی ہو۔ اس فن میں ہر شخص آپ کا لوہا مانتا تھا۔ اسی طرح علم قیافہ میں بھی کامل دسترس رکھتے تھے۔ خود مہاراجہ

رنبیر سنگھ صاحب اس علم میں آپ کے معتقد تھے چنانچہ یہ بات مشہور ہے کہ جب کبھی سرکار نے اس بارے میں آپ کی آزمائش کی تو آپ ہر موقع پر امتحان میں پورے اترے۔

غرضکہ آپ نہایت ذہین۔ طباع اور روشن دماغ صاحبِ کمال تھے۔ باوجود محدود اور بے قاعدہ تعلیم پانے کے آپ نے قدرت سے شاعرانہ طبیعت پائی تھی۔ آپکی بلند خیالی اور شاعرانہ جذبات کا اندازہ آپ کے کلام سے کیا جا سکتا ہے۔ آپ ۱۹۵۶ بکرمی مطابق سنہ ۱۹۰۰ء میں سرگباش ہوئے۔ اس وقت تین لڑکے اور تین لڑکیاں یادگار چھوڑ گئے۔ جن میں اس وقت فقط آپ کا ایک صاحبزادہ پنڈت ہری چند کول بی۔ اے بقید حیات ہے اور گورنر صاحب کشمیر کے دفتر میں بحیثیت اکونٹنٹ کام کر رہا ہے کلام کا انتخاب جو دستیاب ہوا ذیل میں درج کیا جاتا ہے ملاحظہ ہو۔

تا ز عکس عارضش آتش نوشتم آب را	شعلۂ جوالہ گفتم حلقۂ گرداب را
شعلہ خوئے دوشش در بزم نشاطم بادہ سوخت	با خیالش سوختم در دیدہ امشب خواب را
شعلۂ آہم شب از خرگاہ مہ انگیخت دود	اشک گرمم ریخت آتش دامن مہتاب را
شیشۂ مے دوشش در بزمم بجاے شمع بود	رشک لعل یار آتش زد شراب ناب را
تا نہ بخشد بادۂ گلرنگ ساقی در چمن	رنگ گل تسکیں نمے بخشد دل بیتاب را

ولہ

پر نہ بوے گل بار گراں دوش نسیمش را	حناے رنگ گل خار است پاے نازنینش را
بجوش از آتش بیدود لعل خود شراب او	نگاہے سرمہ ساے خویش شکست آبگینش را
ز نوک خامۂ من نافہ آہوے ختن ریزد	کشد دستم اگر در خواب زلف عنبرینش را
درین گلشن کہ ہر گل در بغل دارد گلستانے	نہ گل بر سر زدم نے بو گرفتم یاسمینش را

جواب این غزل دیری ز ہر بلبل نمے آید
کہ از خونناب دل غوطہ دادم گل زمینش را

چناں گریم شبے کز گریہ ام طوفاں شود پیدا
رگِ ابرے بود مژگانِ من باراں شود پیدا
ز فرصتہا سیہ مویم سفیدی آشکارا کرد
شبِ یلدائے ہجرت را دگر پایاں شود پیدا
سمن خاکستر و گل شعلہ سنبل دود میدانم
اگر جوشِ بہارِ آتشِ سوزاں شود پیدا
کجا آں مرغ بر شاخِ بلندی آشیاں بندد
کہ ہر دم رشتہ بر پایش ز انس و جاں شود پیدا
نباشد گوشمالی ہائے دل از نالۂ بلبل
کہ گل ہم با لبِ گویا دریں بستاں شود پیدا

دلم ملول شد از خلق یار شد پیدا — صفائے آئینہ ام زیں غبار شد پیدا
زخونِ دیدہ چہ گلہا شگفت بر رو بہم — خزانِ رنگِ رخم را بہار شد پیدا
ہنوز شعلۂ آہم ز دل بلند نہ شد — بجائے اشک ز چشمم شرار شد پیدا
چرا چو غنچہ نخندد دگر لبِ زخمم — کہ نو بہارِ خطِ مشکبار شد پیدا
نگاہِ گرم بہ برگِ گلش مکن دیری
بچشم از مژۂ خویش خار شد پیدا

ترسم ز سیلِ گریۂ بے اختیارِ ما — از خانہ بے نقاب برآید نگارِ ما
از پنبہ زار ماہ و کواکب خبر گرفت — دودے بلند شد ز دلِ داغدارِ ما
شبنم صفت سحر گل خورشید آب شد — از شرمِ نوگلِ رخِ رنگینِ یارِ ما
مانند شبنمے کہ دریں باغ بر گل است — در خوں طپاں ز ہجر دلِ بیقرارِ ما
بر آتشم کہ جامِ گل و لالہ خالی است — مخمور رفت طرفِ چمن گلعذارِ ما

تا کے کنار آب نشینم درین چمن آتش کشید دودِ دل از انتظار ما

دور دور بادۂ ناب است و دورانِ شباب
بے رخِ یارم کجا باشد بخاطر صبر و تاب
دمبدم چشمِ ہوس از اشتیاقش مے پرد
اے خوشا ساعت کہ بینم روے خوبش بے نقاب
باخیالِ نرگسِ مستش شدم مستِ طرب
نیستم از بادۂ گلرنگ اے مستاں خراب
رخ نگارستانِ چیں مشکِ ختن زلفِ دوتا
بے خطا مستم چہ شد شاہد پرستم شد خطاب
عندلیبانِ چمن را بوستاں یادست و بس
بلبلِ گلزارِ عشقم دارم از بر صد کتاب
ایں غزل دیرؔی جواب آں غزل گفتم کہ گفت
صبح دولت میدمد کو جام ہمچوں آفتاب

جہاں شگفتہ ز رنگ بہارِ کشمیر است نگار خانۂ چیں لالہ زارِ کشمیر است
سحر بباغ نشاطم نسیم صبح آورد کہ آبروے جہاں شالمارِ کشمیر است
شنیدم از لبِ فوارہ بار بار یار کہ آب ریز بہشت آبشارِ کشمیر است
حکایتے کہ زبادِ مسیح میگویند کنایتے ز ہواے چنارِ کشمیر است
براے خاطرِ عشاق عشرت انگیزی زگل مجوے کہ تعریفِ خارِ کشمیر است
خوشا دمے کہ تمناے سلسبیلِ بہشت زسلسبیلِ صفا جوئبارِ کشمیر است
چو عندلیب غزل گفتنم روا باشد کہ گل زمین وطنم در دیارِ کشمیر است
زفیضِ خاک دیہ شاہ بخت فیروزم بلند و سبز تر از کوہسارِ کشمیر است

چرا بدرگہ کس سر فرو کند دیری
غلامِ بارگہِ شہر یارِ کشمیر است

بیاضِ گردنِ معشوق را شیرازہ زنار است
خوشا عاشق کہ پیوند رگِ جانش بایں تار است

بدامِ طرۂ آں بت دلِ من بستہ تنہا نیست
تسلسل رشتۂ جانِ مرا دائم بزنار است

دلِ آتش پرستم عندلیبِ شعلہ خوے است
کہ دودش سنبل و گل شعلۂ آتش ارغوان زار است

من از آتش پرستی ہا بحسنِ یار بردم پے
فروغِ روے یار از آتشِ تیزم پدیدار است

دلِ آتش پرستم از خیالِ کعبہ مستغنی است
تجلی جوے را یارب چکار و سوے دیوار است

دلِ دیری چرا پرہیزد از آتش پرستیہا
کہ آتش در حقیقت حسنِ عالم سوز دلدار است

رشتۂ جانم گرہ با موے پیچانِ تو بست — غنچۂ دل عہد یکرنگی بہ پیکانِ تو بست
میکشی از جویبارِ چشمِ من داماں مبست — آتشِ گل راہ شمشادِ خرامانِ تو بست
تا بگوشِ دل نشد فریادِ جانِ من بلند — پنبہ گر از سرمہ ظالم تیر مژگانِ تو بست
بخیہ ام بر روے کار اے شوخ چشم ہا شگافت — سوزنِ مژگانِ من چاکِ گریبانِ تو بست

زیرِ لب دیری حدیثِ عشق میگوئی دگر
سرمۂ چشمم کہ لبہاے خوش خوانِ تو بست

آنکہ از مستی بجامِ لالہ داغ انداختہ است — خار در پیراہنِ گلہاے باغ انداختہ است

کس نہ دیدہ است و نداند کس کہ آں دلبر کجا ست
یا کہ صہبائے طرب را در ایاغ انداختہ است

گرچہ عریانم ز احسانِ جنوں شرمندہ ام
در برم پیراہن عیش و فراغ انداختہ است

حسنِ عالم سوزِ او اے کاش میدیدم بخواب
ایں خیالم شعلہ در کنجِ دماغ انداختہ است

آں گلِ بے خار خوش کرد است آغوشِ دلم
خارِ حسرت در کنارِ باغ و راغ انداختہ است

از حریفاں در کفِ کس نیست جامِ آفتاب
مے کہ مینو شد بزیرِ سایۂ دیوارِ دوست

مطلعِ خورشید و کانے کہ بے آرائش است
ذرہ گفتم ہنوز از زینتِ بازارِ دوست

نقشِ پایم را تصدق مے شود جانِ بہار
تا گلے بر سر زدم از گلشنِ بے خارِ دوست

اے صبا با و رخدارا کن کہ بارِ خاطر است
نو بہارِ زندگی بے نرگسِ بیمارِ دوست

یک سحر ساقی بجامم آب آتش رنگ ریخت
ساغرِ خورشید و مینائی فلک را سنگ ریخت

آتشِ گل را بسحرِ غمزہ آخر آب کرد
آب و رنگِ نو بہار آں گل باین نیرنگ ریخت

آں ستمگر دوش از بزمِ طرب مخمور رفت
با خیالِ خونِ گرمم جامِ مے از چنگ ریخت

در حریمِ تنگبارش رفتنم آساں نبود
جذبۂ شوقم کلاہِ نخوتِ ہر شنگ ریخت

خانہ خوش کردن محال از من کہ ساقی در چمن
بادہ در جامِ گل و نرگس ببانگ چنگ ریخت

بے تو فرشِ گلم بباغ عبث
لالہ بر سر بکف ایاغ عبث

شبِ تار است مونسِ جانم
دود انگیز شد چراغ عبث

آں گل اندام لالہ بر سر زد
ایں دلِ من شدہ است داغ عبث

بے ثباتست رنگِ لالہ وگل میکنم سیرِ باغ وداغ عبثست
یک نگاہے ہزار جاں سوزد
دیری اینجا دل ودماغ عبثست

سوختم از گرمیِ خوے بتِ آتش مزاج
داغ از طبعِ جفا جوے بتِ آتش مزاج
شب کہ تا وقتِ سحر میسوختم اندر خنک شمع
از خدا میخواستم روے بتِ آتش مزاج
آسماں از سردمہری عاقبت رسوا شود
بستہ ام دل را بگیسوے بتِ آتش مزاج
کاش خاکستر شود از آہ گرمم مطلب
بادہ در سر میروم سوے بتِ آتش مزاج
دیری آخر دود در کنج دماغم خانہ کرد
باخیالِ حلقۂ موے بتِ آتش مزاج

بیدار شو بنوش پیالۂ شراب صبح اے مستِ خواب عین خرابی است خواب صبح
یک شب پیالہ کش نشود روبروے شمع رندے کہ دیدہ است رخِ بے نقابِ صبح
بشنو بیک کنایہ ندارم دماغ شرح فرد لیست آفتاب ز بین کتاب صبح
یارب کجاست سایۂ ابرِ کرامتت خو کردہ است ماہ من از آفتاب صبح
قتال روزگار نہ تنہاست چشم یار مویش زوال شام رخش انقلاب صبح
دیری دریں دیار کسے از شنفدہ رال
شب زندہ داشت کہ کو ید جواز شت

بہار۔ پنڈت لسہ کول صاحب آخون خلف پنڈت ٹیکارام کول صاحب

آپ کشمیر کے ایک مشہور استاد پنڈت ٹیکارام صاحب کول مصنف "کیک نامہ" کے صاحبزادے تھے۔ سنہ ۱۸۵۶ بکرمی مطابق سنہ ۱۸۰۰ء میں بمقام سری نگر پیدا ہوئے اور محلہ شیلی ٹینگ متصل جبہ کدل میں سکونت پذیر تھے۔ عمر بھر مکتب میں بحیثیت فارسی مدرس کے تعلیم دیتے رہے۔ اس زمانے کے اچھے اچھے اور مشہور خاندانوں کے صاحبزادوں نے آپ سے فارسی میں تعلیم پائی۔ نہ صرف پنڈتانِ کشمیر بلکہ اہلِ اسلام بھی (شیعہ و سنّی دونوں) آپ سے مستفید ہوئے۔ آپ کے تصانیف میں سے "مناظرۂ عقل و دولت"، "مناظرۂ شمع و پروانہ" اور ایک قابلِ قدر مناجات یادگار ہیں۔ ان تصانیف میں سے "مناظرۂ عقل و دولت" طبع ہوئی ہے اور وہ بھی محض حسنِ اتفاق سے سنہ ۱۸۷۱ء میں جناب شیونراین صاحب بہادر ڈپٹی انسپکٹر مدارس ضلع لکھنؤ بغرض سیر و تفریح کشمیر تشریف لائے تھے۔ انھوں نے آپ سے اسکا قلمی نسخہ حاصل کیا اور نولکشور پریس لکھنؤ میں طبع کرایا۔ آپ کی یہ تصنیف "مراسلۂ کشمیر" میں بھی جزواً جزواً کچھ عرصہ تک چھپتی رہی۔ آپ کے کلام میں سلاست، چستی، مناسبات و لوازماتِ شاعری بوجہ احسن موجود ہیں۔ افسوس ہے کہ کوئی غزل دستیاب نہ ہوئی جس سے آپ کے رنگِ تغزل کا پتہ لگتا۔ آپ سنہ ۱۹۴۰ بکرمی مطابق سنہ ۱۸۸۴ء میں سرگباش ہوئے۔ (نیز صفحہ ۵۶۷ ملاحظہ ہو)

سائل۔ پنڈت لچھی رام سوپوری صاحب

قصبہ سوپور کے باشندہ تھے۔ لہذا لچھی رام سوپوری کے نام سے مشہور ہوئے۔ سنہ ۱۹۱۹ بکرمی مطابق سنہ ۱۸۶۲ء میں بمقام سوپور پیدا ہوئے۔ فارسی اور عربی میں اچھی دستگاہ پائی تھی۔ تحصیل علم سے فارغ ہوکر محکمہ مال میں بحیثیت گرداور ملازم ہوئے۔ چونکہ آپ کے خاندان کے بزرگ علم عرفان اور تعلیم روحانیت کے دلدادہ تھے اور آپکے جد بھی ایک عارف کا درجہ رکھتے تھے آپ کی طبیعت پر بھی اس صحبت کا اثر پڑا۔

آپ کی طبیعت دنیاوی کاروبار سے بیزار ہوئی تھوڑے ہی عرصہ کے بعد ملازمت سے دست بردار ہو گئے اور گوشہ نشینی اختیار کر کے ریاضت و عبادت میں ہمہ تن مشغول رہے۔

آپ سنسکرت کے عالم تھے کشمیری اور فارسی دونوں زبانوں میں شعر کہتے تھے لیکن افسوس ہے کہ سوائے ایک دو مختصر رسالوں کے آپ کا کلام طبع نہ ہوا۔ اسی وجہ سے کلام منظوم کا بیشتر حصہ تلف ہوا ہے۔ آپ کی ایک غیر مطبوعہ تصنیف موسوم بہ "گلدستۂ گلریز تواریخ تراجیل محققان حق بین و معتقدان حق گزین" اس وقت تک موجود ہے۔

سری نگر کشمیر میں ایک خدا دوست بزرگ مسمی سوامی کیلاس کول صاحب انہیں دنوں میں قیام پذیر تھے۔ آپ کو ان سے دلی عقیدت تھی چنانچہ سوپور سے ان کے درشن کے لئے سنہ ۱۹۷۲ بکرمی میں آپ سری نگر تشریف لائے۔ سنہ ۱۹۷۳ بکرمی میں سوامی صاحب سرگباس ہوئے۔ اس واقعۂ جانکاہ نے آپ کے دل پر جو اثر ڈالا اس کا حال آپ نے ایک مختصر لیفلٹ میں درج فرمایا۔ یہ لیفلٹ شائع ہوا اور ہزاروں کی تعداد میں ہاتھوں ہاتھ فروخت ہوا۔

آپ ایک کہنہ مشق نثر نویس تھے۔ عربی اور فارسی ترکیبوں کو خوب نبھانے میں ید طولیٰ رکھتے تھے آپ کی فقط چند غزلیں دستیاب ہو سکی ہیں۔

آپ سنہ ۱۹۷۸ بکرمی مطابق سنہ ۱۹۲۲ء میں سری نگر ہی میں اس دار فانی سے کوچ کر گئے۔ کلام بہم رسیدہ کا نمونہ ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔

شنیدم آں گل امروز از چمن عزم سفر دارد ۔۔۔ صبا گفت الوداع باغ شبنم چشم تر دارد
سمن را چہرہ زرد و کاکل سنبل پریشاں شد ۔۔۔ نظر بر ہر کہ کردم در چمن حالِ دگر دارد
چو نقش پا ز راہش برنخواہم خاست تا گشتہ ۔۔۔ قدم از چشم من بر چند آں بیہم بر دارد
چہ پروا دارد از فریاد نا گشتہ نشیبیں قمری ۔۔۔ کہ سرو من ہوائے باغ رعنا دگر دارد
نہ شد یک روز بر ما آفتاب حسن او طالع ۔۔۔ غلط بود ایں کہ آہ شب نشیناں ہم اثر دارد

سر از بالینِ خوابِ ناز یکدم بر نمے دارد
کجا چشمِ تو از احوالِ بیداراں خبر دارد

امانت صرفِ عشقم لیک از تر دامنی پاکم
کہ اشکم پاسِ آبِ روے خود ہمچوں گہر دارد

سحر کہ نالۂ مرغِ چمن بگوش رسید
جنونِ خفتۂ ما تا در خروش رسید

سرودِ بلبل و مینائے عشق و ساغرِ گل
بیا بباغ کہ ہنگامِ نائے و نوش رسید

بہ غنچہ طاقتِ حرف از غمِ فراقِ تو نیست
ازاں بہ بزمِ چمن بالبِ خموش رسید

مخور فریب ز رخسارِ سرخِ لالہ بباغ
کہ در فراقِ تو از خوں پیالہ نوش رسید

نسیمِ صبح ز رخسارِ گل کشید نقاب
ز عندلیب بگوشِ من سروش رسید

حریفِ جلوۂ گل بے تو نیستم در باغ
بیا بیا کہ مرا وقتِ ترکِ ہوش رسید

ز شوقِ کوے تو بادِ صبا امانت دار
کشیدہ محملے از بوئے گل بدوش رسید

نسیمِ صبح حالِ ما بآں گل میتواں گفتن
حدیثِ نالۂ جانسوزِ بلبل میتواں گفتن

باُمیدِ وصالش عمرہا با صبر خو کردیم
بنومیدی کجا ترکِ تحمل میتواں گفتن

باُمیدِ وصالش چشم در راہِ وفا داریم
سخن از من بآں کانِ تغافل میتواں گفتن

درآں محفل کہ باشد قصۂ زلفِ درازِ او
چرا بیہودہ حرفِ جعدِ سنبل میتواں گفتن

نسیمِ عنبر افشاں شرحِ احوالِ پریشانم
بصد تفصیل باآں زلف و کاکل میتواں گفتن

امانت جاں بلب داریم بہرِ دیدنِ جاناں
باو احوالِ مارا بے تغافل میتواں گفتن

ولہ

گہ درونِ دشت و گاہے در چمن میجویمش
او درونِ چیں دلِ من در یمن میجویمش

آنکہ در فانوسِ خلوت شمع ساں پُر جلوہ است
من چو پروانہ میانِ انجمن میجویمش

غنچہ سر تا کشیدہ از گریبانِ دروں
من مراتِ شام از سرو چمن میجویمش

آں شہِ خوباں چو خوش افتاد ہمچوں حسنِ خود
من جہاں نارفتہ در خویشتن میجویمش

نَحنُ اَقرَب خواندہ یا دوست مِن حَبلِ الوَرِید
پس چساں جستن بود از من بمن میجویمش

سائل از بستانِ وصلش بوستاں گاہے نشد
زیں جہاں خوار و سرکش آنکہ من میجویمش

گلریزِ ارتحالِ عدیم المثال سوامی کیلاس کول

برخیز فلک را سر وگردن ہمہ بشکن — افسردہ چرا اہلِ دلان زین گلشن
افشاندہ ملایک چو خلایق بسرش گل — (در باغ جنت چو کیلاس ز کیلاس نشیمن ۱۳۴۵ ۱۳۰ ۲۵)

رباعی

در ماتم او دہر پسے شیون کرد — لالہ ہمہ خون دیدہ در دامن کرد
گل جیب قبائے ارغوانی بدرید — قمری شد سیاہ و در گردن کرد
فرد
زیں رحلتِ کیلاس ز سامی گہرش — گل خلق و ملک فشاندگلگل بسرش
رباعی
غبارِ رہِ خاکسارانِ او — کشم سرمہ سان دیدہ را موبمو
ہمیں آرزو یم دریں جستجو — دل و جانِ من ہر دو قربانِ او
فرد
چونکہ دنیا دید پُر شور و سر است — پس بخلوت گشت شد او زدنیا بیچ نیست
ولہ
رفت زیں خاکدانِ محنت و رنج — آتش از ہجرش گرفتہ جہان
خلق و ملک گلفشان شدہ باہم — گذشت کیلاس رام ہر امشران
ولہ
دلا کار و بارِ جہان ہیچ نیست — اساسِ زمین و زمان ہیچ نیست
چہ وابستہ دل دریں باغ و راغ — کہ ایں بے وفا بوستان ہیچ نیست
اگر سبز و خورم بود نو بہار — چو بگذرد آخر خزان ہیچ نیست
کسے را امتیاز او ز کس مرنج — کزیں بہتر اے نکتہ دان ہیچ نیست

گلفشانی ز ارتحال سامی نامی عیاں
کردہ لکھمی رام از بس حسرت و آہ و فغاں

باطن۔ راجہ بدری ناتھ کول غمخوار صاحب

آپ حضرت ساقی کے داماد تھے فارسی کے عالم متبحر اور شاعر با کمال تھے۔ ساقی کے سوانح عمری میں آپ کا بھی ذکر آیا ہے۔ افسوس ہے کہ آپ کے کلام کا

ایک شعر بھی دستیاب نہ ہوا۔

خستہ۔ پنڈت ہرگوپال کول صاحب

آپ اُن چند بزرگوں میں سے تھے جنھوں نے زندگی کا ہر ایک لمحہ اپنے وطن اور قوم کی خدمت میں صرف کیا۔ آپ تواریخ کشمیر کے مصنّف ہیں آپ کا کلام دستیاب نہ ہو سکا۔

خمار۔ پنڈت امرناتھ زتشی صاحب خلف پنڈت گوپی ناتھ زتشی صاحب

آپ فارسی میں اعلیٰ درجہ کی قابلیت رکھتے تھے۔ ایک مدّت دراز تک آپ کا تعلق ریاست رتلام سے رہا۔ آپ کے فرزند دیوان بہادر پنڈت برجموہن ناتھ زتشی صاحب اسی ریاست میں بعہدۂ منسٹر ممتاز رہے مگر والی ریاست سے کسی بات پر ناخوش ہو کر مستعفی ہو گئے اور اب ریاست نرسنگ گڈھ میں دیوان ہیں۔

اے بخت مژدہ باد کہ مشتِ غبار ما موجِ نسیم بردکوے نگار ما
با چنیں کا فرو لے صیدِ حرم نتواں شدن ولہ دل اسیرِ حلقۂ زلفِ بتاں واریم ما
دوش با آں جاں شکارے نازنیں گفتہ خمار بشنو اے غافل کہ حرفے برزباں آریم ما

شریمتی رامیشوری نہرو صاحبہ

شریمتی رامیشوری نہرو کا سنہ ولادت سمت ۱۹۴۹ ہے آپ کے والد کا نام نامی راجہ پنڈت نریندر ناتھ رینہ صاحب ہے جو رئیس لاہور اور ممبر لیجسلیٹو اسمبلی ہیں راجہ صاحب موصوف ہندو مہا سبھا کے پریسیڈنٹ بھی رہ چکے ہیں۔

رامیشوری جی کو صغر سنی میں فارسی اور عربی کی تعلیم دی گئی۔ یہ بچپنے ہی سے ہونہار معلوم ہوتی تھیں۔ اسکے بعد انگریزی تواریخ کا آپ نے خوب مطالعہ کیا۔

آپ پنڈت برج لعل نہرو صاحب کی زوجہ محترمہ ہیں۔ جو پنڈت موتی لعل نہرو صاحب کے بھتیجے ہیں۔ پنڈت برج لعل نہرو صاحب گورنمنٹ آف انڈیا کے محکمہ فائیننس میں آڈیٹر ہیں۔ رامیشوری جی کا دوسرا نام برج رانی نہرو بھی ہے۔ آپ کو زبان ہندی سے خاص دلچسپی ہے اور آپ "استری درپن" کی ایڈیٹر بھی رہ چکی ہیں۔ آپ نے کئی کتابیں لکھی ہیں لیکن وہ ابھی تک چھپی نہیں ہیں۔ آپ اُردو میں خوب تقریر کر سکتی ہیں۔ آپ نے زمانہ قیام الہ آباد میں ایک انجمن "مہیلا سمتی" کے نام سے قائم کی تھی جو ابھی تک قائم ہے۔ آپ اسکی سکرٹری رہ چکی ہیں۔

خیر مقدم مسز سروجنی نیڈو بمقام الہ آباد

چمن میں آج یہ کیسی بہار آئی ہے کلی کلی کو ہنسی بیقرار آئی ہے
گلوں کا رنگ بھی شبنم نکھار آئی ہے نسیم صبح جہاں میں پکار آئی ہے
نصیب جاگ اُٹھے نکلی آرزو دل کی
کنول کے پھول سے رونق ہوئی ہے محفل کی

پریاگ راج میں اُمیں سروجنی دیوی خوش آمدید کا ہے شور ہر جگہ ہے خوشی
ہے سچ تو یہ کہ ہماری کہاں یہ قسمت تھی زبان حال سے یہ کہتی ہے مہلا سمتی
خدا کی شان ہے ظاہر جدھر کو دیکھتے ہیں
کبھی ہم ان کو کبھی اپنے گھر کو دیکھتے ہیں

جہاں میں نام کا انکے ہے غلغلہ برپا زباں سے ہو نہیں سکتی ثنا انکی مدح و ثنا
ہے انکے علم کا دنیا میں ہر جگہ چرچا کلام جس نے سنا اسکو کر لیا اپنا
دہن سے وقت سخن انکے پھول جھڑتے ہیں
یہ وہ ادا ہے کہ جس پر ہزاروں مرتے ہیں

ہیں شاعری و فصاحت میں جسم و جانِ سخن　　فدا ہے نغمۂ رنگیں پہ بلبلِ گلشن
سیاسیات میں مردوں سے بڑھ کے ماہرِ فن　　بلند کر دیا یوں عورتوں کا پوزیشن

یہ کانگرس کے لئے صدر انتخاب ہوئیں
تھیں پہلے ماہ تو اب فخرِ ماہتاب ہوئیں

ہم اُن پہ ناز جہاں تک کریں وہ سب کم ہے　　یہ ذات ہند میں اک نعمتِ مجسّم ہے
ہمارے دل کی یہی آرزوئے پیہم ہے　　جو اور ایسے ہی کچھ دم ہوں پھر تو کیا غم ہے

جو درد دُکھ ہے تو سب جل کے خاک ہو جائے
ہمارا ملک مصیبت سے پاک ہو جائے

ادائے شکر میں اُن کے زبان قاصر ہے　　جو ہم پہ ان کا ہے احسان وہ سب پہ ظاہر ہے
یہ ذات ان کی مددگار اور ناصر ہے　　یہ اپنے صنف کی منظور ان کو خاطر ہے

کہ اتنی دور سے وہ آئیں اور زحمت کی
مگر ہے رنج ہمیں یہ کہ کچھ نہ خدمت کی

ماخوذ از استری کوی کومودی
مولفہ بابو جوتی پرشاد نرمل صاحب

رُوپا بھوانی کے کوائف زندگی۔ مرسلہ جناب پنڈت دینا ناتھ چکن تخلص بہ مست از سرینگر کشمیر۔ (نیز صفحہ ۸۶ ملاحظہ ہو)

پنڈت صاحب موصوف کو ان حالات کے مرتب کرنے میں جناب آنند کول صاحب سابق پریسیڈنٹ میونسپلٹی سرینگر سے خاص طور پر امداد ملی ہے۔ ناچیز مولف دونوں صاحبوں کا رہین منت ہے۔

روپا بھوانی المعروف بہ الک ایشوری المتخلص بہ الک کشمیر کی مشہور شاعرہ اور عارفہ گزری ہیں۔ افسوس ہے کہ آپ کا کلام بالکل نایاب ہے۔ آپ کی

روحانی عظمت اور شاعرانہ قابلیت کا سکہ نہ صرف کشمیر کے ہندوؤں پر ہی جما ہوا تھا بلکہ اہل اسلام پر بھی بخوبی جما ہوا تھا اور ہندو مسلمان دونوں آپ کے مداح اور عقیدتمند تھے۔

آپ کشمیر کے مشہور دھر خاندان کی صاحبزادی تھیں۔ آپ کے باپ کا نام پنڈت مادھو رام دھر تھا جو دریائے وتستا کے دائیں کنارے پر (جہاں آج کل رام جو در کا مندر ہے) سکونت پذیر تھے۔ یہ جگہ آج تک روپا بھوانی کی زیارت گاہ مانی جاتی ہے۔ اور ہر سال ماگھ کے مہینہ میں یہاں میلہ لگتا ہے اور اکثر ہندو اصحاب اس دن برت رکھتے ہیں۔

ولادت۔ کہتے ہیں کہ پنڈت مادھو جو دھر بڑے عبادت گزار یوگی تھے وہ [illegible] شاردا بھگوتی کا [illegible] تھے۔ کہتے ہیں بھگوتی ان پر مہربان ہو گئیں۔ ایک دن خواب میں مادھو جو دھر کو درشن دیکر پوچھا مانگ کیا مانگتا ہے۔ پنڈت صاحب نے جواب دیا میں چاہتا ہوں کہ بھگوتی میرے ہاں آکر جنم لیں۔ دعا قبول ہوئی اور کچھ عرصہ بعد ان کے ہاں ایک حسین و جمیل لڑکی پیدا ہوئی جس کی [illegible] یہ واقعہ [illegible] کا ہے [illegible] روپا بھوانی کا سال ولادت

[illegible]

رسم و رواج کے مطابق ماں باپ نے اُسے سپرو خاندان کے ایک نوجوان سے بیاہ دیا۔لیکن ایک عارفہ کو دنیا کے دھندوں سے کیا غرض۔تھوڑے ہی عرصے کے بعد وہ دُنیا کے نفس پرستوں اور اس عالم سفلی کی نفس پرستی سے سیر ہو گئی اور جنگل کی راہ لی۔

پرگنہ لار کے ایک جنگل میں آتشن گاؤں کے قریب چھ ماہ بسر کئے۔ اس کے بعد اسی علاقہ کے ایک گاؤں مائیگام آتھ بٹ (آتمارام) کے ہاں بارہ برس تک مقیم رہیں۔ اس مقام پر ایک چنار کا بوٹا روپا بھوانی نے لگایا تھا جو آج تک بدستور قائم ہے اور اسی چنار کو عارفہ مرحومہ کی ایک شاندار یادگار سمجھا جاتا ہے۔

اہل اسلام کے حلقہ میں روپا بھوانی کی کس قدر عظمت تھی اس کا اندازہ اسی واقعہ سے لگایا جا سکتا ہے کہ روپا بھوانی اور ایک مسلم عابد اور عارف شاہ صادق قلندر سے (جو اسی علاقہ میں مقیم تھے) اکثر بحث مباحثے ہوتے رہتے تھے اور دونوں ایک دوسرے کی بڑھ چڑھ کر عزت کرتے تھے۔چنانچہ شاہ صادق قلندر نے روپا بھوانی کی تعریف میں کہا تھا:-

[illegible]	یک جرعہ غرائم کرد پیمانہ چنیں باید
[illegible]	در خرت کفرستاں بتخانہ چنیں باید

[illegible] کہتے ہیں کہ شاہ صادق قلندر نے ایک دن روپا سے کہا [illegible] اگر [illegible] آپ "چاندی" ہونے کے باوجود [illegible] واضح رہے کہ کشمیری زبان میں روپ۔ روپھ "چاندی" [illegible] شاہ صاحب نے چوٹ لی تھی کہ اگر تم اسلام قبول کر لو تو چاندی [illegible] بن جاؤ گی۔

روپا نے جواب دیا "اگر تم ہی میری جانب آجاؤ تو نکمت ہو جاؤ گے"۔ (نکمت یا نکمت کشمیری میں موتی کو کہتے ہیں اور نکمت ہونے کے معنی جیون مکت ہو جانا یعنی آواگون سے چھوٹ جانا اور خدا کی ذات میں شامل ہو جانا)

روپا بھوانی کا یہ جواب سنکر شاہ صاحب کو اور کچھ کہنے کی جرأت نہیں ہوئی اور خاموش رہے۔

مائیگام سے روپا بھوانی واسکنڈ میں (جو سنبل قصبہ کے قریب واقع ہے) مقیم ہوگئیں اور یہاں بھی بارہ برس تک رہیں۔

معجزے۔ روپا بھوانی سے بہت سے معجزے منسوب ہیں۔ لیکن یہاں صرف ایک دو کا ذکر کیا جاتا ہے۔ جو بہت تحقیقات کے بعد بادی النظر میں صداقت سے خالی نہیں ہیں۔

(۱) بیان کیا جاتا ہے کہ واسکنڈ میں رہتے ہوئے روپا بھوانی کے پاس ایک اندھا آیا اور بڑی عاجزی سے اپنی بینائی کے لئے گریہ وزاری کرنے لگا روپا بھوانی نے اسے اسی مقام پر کنواں کھودنے کا حکم دیا۔ اندھا رات دن کنواں کھودنے میں مصروف ہوگیا۔ اور معجزہ یہ کہ جب کنوئیں میں پانی آگیا تو اس کی آنکھیں نورانی ہوگئیں۔ اس معجزے سے روپا کی شہرت دور و نزدیک پھیل گئی۔

(۲) روپا بھوانی کا بھائی بدھ پنڈت ناخواندہ شخص تھا۔ اس سبب سے وہ اپنے والدین اپنی بیوی اور دیگر [illegible] اقارب کی [illegible] ملامت سنا کرتا تھا۔ آخر وہ تنگ آکر گھر سے چلا گیا اور اپنی بہن روپا بھوانی سے [illegible] [illegible] حال [illegible] [illegible] ایک [illegible] [illegible] اور اس کا قصہ بنا کر بھائی [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible]

لکھنے لگا اور اپنی علمیت کے باعث دہلی کے دربار میں جاکر ملازم ہوگیا۔ وہاں سے اُس نے بہن کو ایک منظوم خط فارسی میں لکھا جس کے جواب میں روپا بھوانی نے بھی وہ منظوم خط بھیجا تھا جو تذکرہ ہذا کے صفحہ ۷۰۸ پر درج ہے۔

تاریخ وفات روپا بھوانی نے اس کے علاوہ اور بھی بہت کچھ کہا تھا لیکن زمانہ کی دست بُردسے افسوس ہے کچھ بھی محفوظ نہ رہا۔

ماہ ماگھ ۱۸۷۸ بکرمی میں ۹۶ برس کی عمر میں روپا بھوانی نے سرینگر میں آکر اپنے باپ کے گھر میں وفات پائی۔ شاہ قلندر صادق صاحب نے تاریخ کہی :-

عارفۂ ذاتِ آں الکؔ اوتار	قالبِ عنصریِ خویش شکست
کرد پرواز سوئے عرشِ عظیم	بادلِ نیک بر حقش پیوست

(۱۳۳۸ھ مطابق ۱۸۷۸ بکرمی ماہ ماگھ)

پنڈت ریشۂ پیر

ریشۂ پیر جو کشمیر کے مشہور عابد اور پارسا گزرے ہیں۔ فارسی میں بھی شعر کہا کرتے تھے۔

ایک بار مُلا اخوند کو اُن کی میہمانی کا فخر حاصل ہوا اور اُنھوں نے ریشۂ پیر کی آمد پر یہ مطلع پڑھا ؎

امشب شاہِ شاہاں مہماں شد است مارا
جبرئیل با ملائک درباں شد است مارا

واضح رہے کہ پنڈت ریشۂ پیر کا خطاب کہئے یا لقب۔ پشت پناہ شاہان بادشاہ ہر دو جہان تھا۔ اسی لئے مُلا صاحب نے بھی اُنھیں شاہِ شاہان لکھا :- ریشۂ پیر کے ایک شاگرد آتما رام ملنگ نے یہ شعر پڑھا :-

در کارگاہِ وحدت کثرت چہ کار آید
ہشت دہ ہزار عالم یکساں شد است مارا

چونکہ اس شعر میں کسی قدر انانیت بھی پائی جاتی تھی اسلئے بادشاہِ ہردوجہان ریشۂ پیر نے فرمایا:۔

در مذہبِ گدایاں مرسل نبی نگنجد
سامانِ بینہ ائی ساماں شد است مارا

ایک اور موقعہ پر ملّا اخوند کے کسی سوال کے جواب میں آپ نے لکھا:۔

شریعت گو طریقت جو حقیقت دسے باید بود
کہ قند و روغن و گندم بجمعیت شود حلوا

بہارہ بنددات اسے کول از صفحہ ۴۵

انتخاب مناظرۂ عقل و دولت

الٰہی شمع عقلم را برافروز — ز نورش ظلمتم پروانہ وش سوز
الٰہی دولت آگاہیم دہ — بملکِ عقل و دانش شاہیم دہ
بکن سیراب گلزار بہارم — ز رنگینی چو برگ گل زبانم
الٰہی پایۂ عقلم برافراز — سرم را سایۂ دانش [illegible]
ز فضل عقل شیرین کام من ساز — [illegible] و ملک [illegible]
کہ [illegible] بر باد دادہ — بخاک غفلت دنیا فتادہ
ز الفت [illegible] امیدواری — [illegible] از وفا [illegible]
[illegible] و تکیہ [illegible] — [illegible] دل دادہ
تو ای دنیا [illegible] — [illegible]

کنون از کردهٔ خود شرمسارم — فضولی را امیدِ فضل دارم
ز جرمم در گذر چشمم ترم بین — غبارِ خاطر و خاکِ سرم بین
ز رشحِ فیضِ ابرِ رحمتِ پاک — رود از دل غبار و از سرم خاک
بهار از دو غم گشته خزانے — رخش از نورِ خود کن ارغوانے
نسیمے راز فیضِ خود بجنبان — دلش را بشگفان همچون بهاران
بیا اے عقل خضرِ وادیم شو — سوے خضرای دانش هادیم شو

در صفتِ کشمیر

خوشا کشمیر و آبِ خوشگوارش — خوشا گلزار و سیرِ سبزه زارش
ز کوثر آب برده چشمه سارش — که طوبیٰ سایه پروردِ چنارش
هوایش دلگشا از بسکه افتاد — شود وا غنچه ها بے جنبشِ باد
دهد بر باد تاکش آبِ عنبر — که گردیده ز بوے گل معطر
برد دل نرگسش چون چشمِ خوبان — ز سروش پاے در گل قد سبزان
کند عکسش بصبح سینه جور — ز صافی سینهٔ چشمه بدا ز دور
بهر سو جلوه گر خوبانِ مهروے — همه نسرین سرین و نسترن بوے
بگلشن در نظرها غنچهٔ گل — نماید چون دلِ پرخونِ بلبل
بزیر ... و عصا لالهٔ تر — اشاره داده از مینا و ساغر
بچشمه غنچه هاے آب پیدا — میانِ برجِ آبی چون ثریا
بگرو بیدها جوے مسلسل — بسانِ مارِ آبی گردِ صندل
بروے شاخها بادِ خزانی — نماید برگها را زعفرانی
اگرچه پایه برگش با حنا مست — که از سبزی بسرخی میکشد دست
بیا اے عقل اے یارِ یگرِ من — ز نورِ روشن چراغِ جوهرِ من
دلم را معدنِ گنجِ سخن کن — خذف هاے مرا در عدن کن
بروے از صباحِ عید خوشتر — بنور وز سے مجمع مهر پرور

نشستم شستم از فکرِ زمن دست   شدم از بادهٔ فکرِ سخن مست
یکے میگفت دولت از همه به   کزو حاصل شود کامِ که و مه
یکے جز عقل بہ چیزے ندانست   درِ وصفش بزد چندانکه تانست
که دولت گرچه نوشِ دلنواز ست   ولے بے عقل نیشِ جانگداز ست
اگرچه روے دولت دلفریب ست   ولے بے تازهٔ عقلش چه زیب ست
زعینِ عقل عالم نوریاب ست   ازیں چشمه بباغِ دہر آب ست
منه دل بر وفاے مکرِ دولت   که باشد اولش دو آخرش لت
که روزے عقل و دولت از سرِ ناز   بهم بودند نشسته طرب ساز
یکے بر فرق زریں معجرش بود   یکے سیمیں لباس اندر برش بود
یکے خوشبوے تر از مشکِ مویش   یکے کافور گوں بنمود رویش
یکے رویش بسانِ مهرِ رخشاں   یکے پیشانیش چوں ماهِ تاباں
یکے در دستِ رنگیں داشت ناقوس   که بانگش میزدے بر آسماں کوس
کسے کاں دید گفته طرفه پیکر   زلیخا خ ارغواں ز دولتش سر
یکے از گنج و نعمت ناز میکرد   یکے از علم و دانش ساز میکرد
یکے میکرد نازش سیم و زر را   یکے دادے شرفِ علم و هنر را
نخستیں دولت از ناز و تجمل   بسوئیش تر زباں شد از تمول
دہاں چوں غنچه وا کرد از تکلم   ز ده گلہا بسے بر دا از تبسم
که کس را نیست قدرت غیر من آں   که سازد ذره را مہرِ درخشاں
خرابے را دهم گنجِ زر و سیم   بفرقش بر نهم بے رنج دیہیم
بود محتاج از مهرِ فلک دور   چو سازم تاجش نهم بر فرق از نور
گدایے را رسانم هیچو جمشاد   نشانم نا آسانے را بسر باد
شوم من چوں کفیلِ چاره کار   نشانم بخت را بر فیل یکبار
رسانم من ز لطف از پاے پست   ز پا افتاده را بر سرِ دست

منم کاینها کنم جز من که داند / که اینها میکند با من که ماند
چو عقل این گرمی گفتار بشنود / بدیگ غیرت او جوش افزود
بگفتش اینقدر نازش چه آری / مگر آگاهی از قدرم نداری
زر گنج ترا در پس زوالست / زوال گنج من دانی محالست
ز تو باشد زر و سیم فانی / ز من گنج رموز جاودانی
همه پیمان شکستن پیشهٔ تست / گذشتن از وفا اندیشهٔ تست
من آنم کز وفا با هر که سازم / چو چنگش تا دم آخر نوازم

آمدن تاجر بحضور شهریار و نذر کردن جواهر

سحر چون خواجهٔ گردون اخضر / کشید از خرگه خلیج برون سر
ز خواب خوش درآمد خواجهٔ چین / ز خرگه شد برون در خانهٔ زین
چنین میرفت و شهری شد مقامش / که امرتسر همی خوانند نامش
شهنشاهی در او فرمانروا بود / که از تیغ و علم عالم کشا بود
درآورده بصیت عدل و احسان / بسیط شش جهت را زیر فرمان
برزمش همچو رستم صد علمدار / ببزمش همچو جم صد جام بردار
بشکو داشت دخت مشکموی / که از مشکین کلاهش مشک موی
قد رعنا ز سرو بوستانی / خدی زیبا ز ماه آسمانی
لب مصر هزاران قند و شکر / دهانی معدن صد لعل و گوهر
رخ پر نورش از مهر هفت مانا / مه دو هفته را میشد همانا
میان ابروان خالش نمایان / بعینه چون ز برج قوس کیوان
بزیر چشم هم خال سیه فام / چه زیبا نقطهٔ در زیر بادام
صفا سینهٔ آن بت [illegible] / بصبح روز محشر کرده سینه
خوی [illegible] از صفا ایش در شهوار / چو شبنم قطره با از نسترن زار
[illegible] / بسان [illegible] از چشم آهو
ز [illegible] غیرت آن [illegible] مشک سا / با آتش در سپند آسا سویدا
[illegible] / گشاده پنجه از مژگان خونریز

زفانوس نقاب آں گردن از نور | نمایاں بیشد چوں شمع کافور
زبس از نازکی بسر رفتہ بودند | گلش ز آب حسن آغشتہ بودند

تجویز کردن شہریار دربارۂ نکاح شاہزادی تاجزادہ

بیا دولت بیا اے کارسازم | ندارد بے نگاہت کارسازم
نگاہے از کرم برحالِ من کن | بعین لطف فرخ فالِ من کن
زنورت ذرۂ خورشید گردد | ز فیضت مورکے جمشید گردد
رسانی خاک راہے را بگردوں | نمائی قطرہ را دُرِ مکنوں
بردل آمد شہ از شکوے شکیبی | برآمد ہمچو خور بر تخت [illegible]
نشست و حلقۂ مجلس بیاراست | ستارہ حلقۂ در گوشاں [illegible]
در گنج سخا و جود بکشود | طلب فرمود کرداں خواجہ [illegible]
درآمد خواجہ از تعظیم سرخم | بہ بخشش حاتم دوراں [illegible]
زباں بکشاد آنگہ کاے جوانمرد | برآنم کاں [illegible]
کہ از بیاش فرینک فالی | [illegible]
اگر خواہد خدا خواہم کراکنوں | [illegible]

متحیر گردیدن تاجزادہ برحالِ شاہزادی

[illegible]